بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللہُ تَعَالٰی اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینہ حقائق و معارف و
خزینہ اسرار و لطائف کشاف مشکلات قرآنیہ و وصاف مخدرات فرقانیہ مسمّٰی بہ

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا

الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد دوم مشتمل بر تفسیر پارہ ④ ⑤ ⑥ ⑦

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... معارف القرآن (جلد دوم)

تصنیف .... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر .... مکتبہ رحمانیہ
اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

مطبع .... خضر جاوید پرنٹرز

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین جلد دوم تفسیر "معارف القرآن"

پارہ نمبر ④⑤⑥⑦

سورۂ آل عمران، نساء، مائدہ، انعام

پارہ ① لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ

ترغیب انفاق مال درراہ خداوندذوالجلال ۱۳
رجوع بخطاب اہل کتاب ۱۴
پہلے شبے کا جواب ۱۶
دوسرے شبہ کا جواب ۱۷
بذکر فضائل بیت حرام ۱۷
لطائف ومعارف ۲۰
اسرارِ قبلہ ۲۱
خانہ کعبہ عرش کی محاذات میں ہے ۲۳
مساجد خانہ کعبہ کی محاذات میں ہیں ۲۴
تعمیر بیت المقدس ۲۴
خلاصہ ۲۵
تقریر جواب ۲۵
ملامت اہل کتاب برکفرواغواء ۲۷
مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے دھوکہ میں نہ آنے کی نصیحت ۲۸
مسلمانوں کو تقویٰ اور اتباع شریعت پر متفق رہنے کی
تاکید اکید اور پچھلی امتوں کی طرح افتراق اور
اختلاف کی ممانعت ۳۱
ایک شُبہ اور اس کا ازالہ ۳۳
لطائف ومعارف ۳۴
بیان خیریت اُمّت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف ۳۸
صلاۃ والف الف تحیۃ ۳۸
کفار کے نفقات اور صدقات کی مثال ۴۱
تحذیر مومنین از اختصاص وارتباط بادشمنان دین ۴۳
قصۂ اُحد ۴۵
فائدہ جلیلہ ۴۶
تذکیر بقصۂ بدر ۴۷
برائے اظہار تاثیر توکل وتقویٰ وصبر ۴۷
رجوع بقصۂ احد ۴۹
ترہیب وتحذیر از نار آخرت وترغیب براعمال جنت ... ۵۱
رجوع بسوئے قصۂ اُحد وتسلیۂ اہل اسلام بہ گونہ گوں . ۵۶
فوائد ولطائف ۵۹
ذکر استقلال مجاہدین امم سابقہ ۶۲
ترہیب مؤمنین اَز قبول مشورۂ کفار ومنافقین ۶۵
ایک شبہ اور اس کا جواب ۶۶
ممانعت از مشابہت کفار ۷۰
خطاب خدوند عالم بسوئے نبی اکرم ﷺ ۷۲
برائے عفو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ۷۲

مشورہ کی حقیقت ۷۴
مشورہ کے فوائد ۷۴
اہلیت مشورہ ۷۶
یعنی کون لوگ مشورہ کے اہل ہیں جن سے مشورہ لیا جائے ۷۶
بیان نزاہت منصب نبوت از شائبہ ووا ہمۂ خیانت ۷۸
ازالۂ حسرت ہزیمت از دوستاں وجواب شبہ دشمنان ... ۸۱
بیان اعزاز واکرام شہداء احد در بارگاہ خداوند اَحَدْ ۸۴
قصہ غزوہ حمراء الاسد ۸۶
پہلا قول ۸۶
جواب ۸۹
لطائف ومعارف ۹۰
دشمنانِ اسلام کی سرگرمیوں کی بابت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی ۹۲
دشمنان اسلام کے چند مزعومات اور خیالات اور ان کے جوابات ۹۳
ایک اور خیال باطل کا ابطال........................ ۹۴
مذمت بخل ۹۵
بیان شنائع یہود وتعلیم صبر بمسلماناں ۹۷
شان نزول ۹۷
یہود کا ایک افتراء اور اس کی تردید ۹۹
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی ۱۰۰
وعید برائے مکذبین ووعد برائے مصدقین ۱۰۰
کافروں کی تکذیب اور ہرزہ درائیوں پر مسلمانوں کو صبر کی تعلیم ۱۰۱
مذمتِ اہل کتاب بر کتمان حق ۱۰۱
مذمت خود پسندی ومدح خواہی ۱۰۲
دلائل الوہیت ووحدانیت وکمال قدرت وحکمت وبیان
حالِ دانشمنداں ودُعاہائے گونا گوں ایشاں ۱۰۵
بشارت قبولیت دعا ۱۰۷
ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۱۰۸
مدح مومنین اہلِ کتاب ۱۰۸
خاتمہ سورت اور ایک جامع مانع نصیحت ۱۰۹

تفسیر سورۂ نسآء ۱۱۱

تمہید احکام سورۃ درارۂ اداءِ حقوق قرابت حکم تقویٰ واطاعت ربانی وتذکیر اتحاد انسانی........................ ۱۱۲
فوائد........................ ۱۱۳
حکم اول در بارۂ اموال یتامیٰ........................ ۱۱۴
شانِ نزول ۱۱۴
حکم دوم در بارۂ نکاحِ یتامیٰ ۱۱۵
ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۱۱۶
مسئلۂ تعدُّد ازدواج ۱۱۷
بلکہ،تو سب سے پہلے........................ ۱۱۸
حکایت........................ ۱۱۸
ایک عورت کے لیے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ ۱۲۰
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام
معرفت التیام ۱۲۰
حکم سوم در بارۂ تسلیم مہر ۱۲۲
حکم چہارم وپنجم در بارہ تفویض اموال بسوئے مبذرین ومسرفین وحفظ اموال یتامیٰ........................ ۱۲۳
حکم پنجم........................ ۱۲۴
حکم ششم در بارہ حقوق ورثہ در ترکہ........................ ۱۲۵
حکم ہفتم مُراعاۃ غیر مستحقین میراث بوقت تقسیم ترکہ ... ۱۲۶
تتمہ حکم سابق ۱۲۷
قانونِ میراث یعنی تفصیل حصص میراث ۱۲۹

حصۂ اولاد ۱۳۰
شانِ نزول ۱۳۰
حصۂ والدین ۱۳۱
حصۂ زوجین ۱۳۲
حِصّہ برادر وخواہر اخیافی ۱۳۳
تاکید اطاعت وتہدید بر معصیت ۱۳۳
مسئلہ میراث انبیاء کرام علیہم الف الف صلوٰۃ والف الف سلام ۱۳۴
حکم ہشتم دربارۂ تادیب زانیہ ۱۳۸
حکم نہم بیان شرائط قبول توبہ ۱۳۹
فوائد ولطائف ۱۴۰
حکم دہم ممانعت ظلم برنسواں ۱۴۱
تتمہ مضمون سابق ۱۴۳
حکم یازدہم تفصیل محرمات ۱۴۴
قسم اول محرمات نسبیہ ۱۴۵
قسم دوم محرمات رضاعیہ ۱۴۶
قسم سوم محرمات صہریہ ۱۴۶

پارہ⑤ وَالْمُحْصَنٰتُ

قسم چہارم شوہر والی عورتیں ۱۴۸
شانِ نزول ۱۴۸
بیان شرائط نکاح ۱۴۹
لطائف ومعارف ۱۵۰
ابتداء اسلام میں کس قسم کا متعہ جائز تھا ۱۵۲
دلائل تحریم متعہ ۱۵۴
دلیل اول ۱۵۴
دلیل دوم ۱۵۴
دلیل سوم ۱۵۵
دلیل چہارم ۱۵۶
دلیل پنجم حرمت متعہ کی ایک وجدانی دلیل ۱۵۶
تحقیق مذہب ابن عباس رضی اللہ عنہما دربارۂ متعہ ۱۵۶
سبب عدم اطلاع ابن عباس رضی اللہ عنہما بتحریم متعہ ۱۵۷
ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۱۵۸
حکم دوازدہم۔ متعلق بہ نکاح کنیزاں ۱۶۰
ذکر الطاف وعنایات خداوندی بہ اہل اسلام ۱۶۱
حکم سیزدہم۔ دربارۂ اتلاف اموال ونفوس ۱۶۳
حکم چہاردہم۔ ممانعت از رشک بر تفوق دیگراں ۱۶۶
حکم پانزدہم۔ بابت میراث حلیف ۱۶۸
حکم شانزدہم۔ بابت معاشرہ زوجین ۱۶۹
عقلی احتمالات ۱۷۰
خلاصۂ کلام ۱۷۱
حکم ہفدہم۔ حسن معاملہ با خالق وخلق ۱۷۴
حکم ہشتدہم۔ متعلق بہ صلوٰۃ وطہارت ۱۷۶
فوائد ۱۷۷
ذکر بعض قبائح یہود ۱۷۹
ایک اطلاع ۱۸۱
اہل کتاب کو نصیحت اور ایمان کی دعوت ۱۸۳
عدم مغفرت شرک وکفر ۱۸۴
لطائف ومعارف ۱۸۵
یہود کے دعوائے تقدس کی تردید ۱۸۸
مذمت یہود بر عداوت اسلام وحسد بر مسلمین ۱۸۹
مذمت یہود بر بخل وحسد ۱۹۱
حکم نوزدہم۔ اداء امانت واقامت عدل ۱۹۳
عدل کا حکم ۱۹۴
لطائف ومعارف ۱۹۵

أصولِ دین اور اَدلۂ شرعیہ ۱۹۷
مذمّت منافقین بر انحراف از فیصلہ شریعت ۲۰۱
شرائط ایمان ۲۰۴
وعدہ معیت (مرافقت) اہل انعام بر اطاعت احکام . ۲۰۵
پہلا مرتبہ نبوت کا ہے ۲۰۶
دوسرا مرتبہ صدیقیت کا ہے ۲۰۶
تیسرا درجہ شہادت کا ہے ۲۰۷
چوتھا درجہ صلاحیت کا ہے ۲۰۷
خلاصۂ کلام ۲۰۷
حکم بستم۔ وجوب جہاد برائے احیاءِ دین وتخلیص ضعفاء ومظلومین ۲۱۱
شکایت دوستاں بر تمنائے التواءِ حکم جہاد ۲۱۳
منافقین کے ایک خیالِ خام کی تردید ۲۱۴
بیان حقیقتِ حال منافقین ۲۱۶
اثباتِ رسالت محمدیہ باعجاز قرآن ۲۱۶
حکم بست ویکم۔ ترغیب در شفاعت حسنہ وترہیب از شفاعت سیّئہ ۲۱۹
حکم بست ودوم۔ بابت تحیۂ اسلام وتعلیم جواب سلام . ۲۲۰
تاکید وعید ۲۲۱
حکم بست وسوم۔ متعلق بہ معاملۂ منافقین ۲۲۳
پہلے فرقہ کا بیان ۲۲۴
دوسرے فرقہ کا بیان ۲۲۵
تیسرے فرقہ کا بیان ۲۲۵
حکم بست وچہارم۔ متعلق بہ قتل خطا ۲۲۶
شانِ نزول ۲۲۷
حکم اوّل ۲۲۸
حکم دوم ۲۲۸
حکم سوم ۲۲۹
تتمہ حکم سابق ۲۳۰
تہدید شدید ووعید اکید بر قتل عمد مؤمن را ۲۳۰
حکم بست وپنجم۔ وجوب احتیاط در قتلِ مسلم ۲۳۲
فضائل مجاہدین ۲۳۳
حکم بست وششم۔ وجوب ہجرت ۲۳۵
شانِ نزول ۲۳۵
ترغیبِ ہجرت ۲۳۶
حکم بست وہفتم۔ متعلق بہ صلوٰۃ سفر وصلوٰۃِ خوف ۲۳۸
حکم صلوٰۃِ سفر ۲۳۸
مسافت قصر ۲۳۹
لطیفہ ۲۳۹
حکم صلوٰۃ الخوف ۲۴۰
مسائل ۲۴۱
حکم بست وہشتم۔ ممانعت از حمایتِ اہل خیانت ۲۴۵
شانِ نزول ۲۴۵
حجیتِ اجماعِ اُمت ۲۴۷
شرک اور اہل شرک کی مذمّت اور رسوم جاہلیت کا ابطال ۲۵۰
رجوع بسُوئے احکام نساء وَوِلدان ۲۵۷
شانِ نزول ۲۵۷
بیان بعض احکام متعلقہ بہ معاشرۃ زوجین ۲۶۰
وصیت ونصیحت ۲۶۱
حکم بست ونہم۔ اقامت عدل واداء شہادت حق ۲۶۲
بیان ارکان خمسۂ ایمان ۲۶۳
وترغیب در ایمانے کہ نزد شرع صحیح ومعتبر باشد وذکر ذمائم منافقین ۲۶۳
ذم مرتدین ۲۶۵

ذمائم منافقین ۲۶۶
عزت کی تعریف ۲۶۶
جس جگہ احکامِ خداوندی کے ساتھ تمسخر (مذاق) کیا جاتا
ہو وہاں بیٹھنے کی ممانعت ۲۶۸
تتمہ ذمائم منافقین ۲۷۱
ممانعت از موالاۃ کفار ۲۷۳
خطاب بسوئے منافقین ۲۷۴

پارہ ⑥ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ

حکم سی ام۔ جواز شکایت ظالم برائے مظلوم وفضیلت عفو ۲۷۵
اہل کتاب کی اعتقادی وعملی قباحتوں وشرارتوں کا ذکر.. ۲۷۸
تفریق فی الایمان ۲۷۸
بیان دیگر ذمائم اہل کتاب ۲۸۱
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول اور مصلوب ہونے کی تردید ۲۸۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عروج آسمانی ورفع جسمانی ۲۸۴
نزول عیسیٰ علیہ السلام یعنی ان کے نزول جسمانی اور آمد ثانی
کی خبر بہجت اثر ۲۸۵
اقوالِ مفسرین ۲۸۷
ایک قول ۲۸۷
قول ثانی ۲۸۸
ترجیح ارجح وتصحیح اَصح ۲۸۹
تطبیق وتوفیق ۲۸۹
تتمہ ذمائم یہود ۲۹۱
لطائف ومعارف ۲۹۳
عقیدۂ قتل وصلب کا ابطال ۲۹۳
وعدۂ خداوندی ۲۹۵
حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی ۲۹۶
حضرت مسیح علیہ السلام کی دُعاء ۲۹۶
فرشتہ کا حضرت مسیح علیہ السلام کی مدد کے لیے نمودار ہونا.... ۲۹۷
حضرت مسیح علیہ السلام کا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوجانا ۲۹۸
دعوائ صَلب وقتل خلاف عقل بھی ہے ۲۹۸
تواتر اور شہرت میں فرق ۲۹۸
اسی مضمون کی ایک دوسری آیت ۲۹۸
خلاصۂ کلام ۲۹۹
وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۲۹۹
تفسیر دیگر ۳۰۰
مسیلمہ قادیان کا ہذیان ۳۰۳
شک اور اختلاف کے متعلق حضرت مسیحؑ کی پیشین گوئی. ۳۰۵
مرزائے قادیان کا ہذیان ۳۰۷
نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت ۳۰۸
عقیدہ قتل وصلب میں یہود ونصاریٰ کا فرق ۳۰۸
آیت نساء اور آیت آل عمران کے سیاق میں فرق ۳۰۹
خلاصۂ کلام ۳۰۹
حیاتِ عیسیٰ ونزول عیسیٰؑ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے.. ۳۱۰
جواب از شبہ اہل کتاب ۳۱۲
خلاصۂ کلام ۳۱۴
خطاب عام برائے قبول دعوت حق ۳۱۵
خطاب خاص باہل کتاب باعتاب نصیحت مآب ۳۱۷
نصاریٰ کا ایک شبہ اور اس کا جواب ۳۲۰
خاتمہ کلام بر خطاب عام ۳۲۱
اِبطال الوہیت عیسیٰ علیہ السلام ۳۲۱
نصاریٰ کے چند شبہات اور ان کے جوابات ۳۲۳
پہلی بات کا جواب ۳۲۳
دوسری بات کا جواب ۳۲۴
عقیدۂ ابنیت ۳۲۵

عقیدۂ تثلیث (ثالوث) ۳۲۶
ابطال تثلیث ۳۲۷
ذکر عقیدۂ امانت سراپا خیانت ۳۲۹
متن عقیدۂ امانت سراپا خیانت ۳۳۰
کشف حقیقت از عقیدۂ امانت سراپا خیانت ۳۳۱
خلاصۂ کلام ۳۳۴
خاتمۂ کلام بر معذرت واستدعائے دعائے مغفرت ۳۳۴
خاتمۂ سورت ۳۳۵

تفسیر سورۂ مائدہ

تاکید اکید در بارۂ ایفاء عقود و عہود خواہ متعلق بحقوق عباد باشند یا بحقوق معبود ۳۳۸
تفصیل بعد از اجمال یعنی عقود و عہود کی تفصیل ۳۳۹
عقد اوّل = تحلیل بہیمۃ الانعام ۳۳۹
حکم دوم۔ شعائر دین اسلام ۳۴۰
حکم سوم۔ تفصیل محرّمات ۳۴۲
حکم چہارم۔ تاکید تمسک بشرائع اسلام مع بشارت اکمال دین واتمام انعام ۳۴۵
فوائد و لطائف ۳۴۶
کیا اسلام مانع ترقی ہے؟ ۳۴۸
تتمہ حکم سوم ۳۴۹
حکم پنجم۔ متعلق بہ شکار ۳۵۰
حکم ششم۔ متعلق بذبیحۂ اہل کتاب ۳۵۲
حکم ہفتم۔ متعلق بہ نکاح کتابیات ۳۵۳
خلاصۂ کلام ۳۵۴
مسائل واحکام ۳۵۴
حکم ہشتم ۸۔ ونہم ۹۔ ودہم ۱۰ .... ۳۵۶
فرضیتِ وضو، وفرضیت غسل، ومشروعیت تیمم ۳۵۶
فرضیت وضو ۳۵۷
تحقیق اختلاف قراءت در لفظ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۳۵۸
فرضیتِ غسل ۳۶۳
مشروعیت تیمم ۳۶۴
تذکیر انعام وعہد خداوندانام ۳۶۴
حکم یازدہم۔ وجوب عدل وانصاف واداء شہادت حق ۳۶۵
تذکیر بعض انعامات خاصۂ دنیویہ ۳۶۶
ذکر عہود امم سابقہ وبدعہدی اوشان ونتیجہ آن ۳۶۸
خطاب نصیحت مآب بسوئے جمیع اہل کتاب برائے تصدیق رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ ۳۷۱
ابطال عقیدۂ الوہیت عیسیٰ علیہ السلام ۳۷۳
ابطال دعوائے اہل کتاب در بارہ قرب واختصاص خداوندی ۳۷۵
اظہارِ نعمت واتمام حجت بہ بعثت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۳۷۶
قصۂ بدعہدی وبزدلی بنی اسرائیل در بارہ جہاد ۳۷۸
قصہ ہابیل وقابیل ۳۸۲
تمہید مشروعیت حدود وتعزیرات بنابر ظہور ایں چنیں جنایات ۳۸۵
حکم دوازدہم۔ حدِ قطع طریق ۳۸۷
خطاب باہل ایمان ۳۸۹
حکم سیزدہم۔ حدِ سرقہ ۳۹۰
لطائف ومعارف ۳۹۱
اثبات ملکیت ومشیت وقدرت برائے باری تعالیٰ ۳۹۲
تسلیۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وذکر خیانت یہود در حکم زنا کہ در توراۃ مذکور بود ۳۹۴
شانِ نزول ۳۹۴
ذکر خیانت یہود در بارۂ حکم قصاص ۳۹۸

لطائف ومعارف ۳۹۹
خطاب بہ نصاریٰ ۴۰۱
ذکر قرآن مجید ۴۰۴
شانِ نزول ۴۰۴
حکم چہاردہم۔ ممانعت از موالاۃ یہود ونصاریٰ وذم منافقین ۴۰۸
شانِ نزول ۴۰۹
فتنۂ ارتداد اور غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی ۴۱۱
لطائف ومعارف ۴۱۴
مختصر بیان کیفیت واقعہ ارتداد ۴۱۵
خلاصۂ کلام ۴۱۷
ارتداد کی تعریف ۴۲۲
قتل مرتد پر مدعیان تہذیب کا اعتراض ۴۲۳
مارشل لاء حکومت کے مُرتدین کے لیے ہے ۴۲۴
خلاصۂ کلام ۴۲۴
خلفائے راشدین اور قتل مرتدین ۴۲۶
کیا قتل مرتد کے لیے محاربہ اور سلطنت کا مقابلہ شرط ہے ۴۲۶
خلاصۂ کلام ۴۲۶
اعادۂ حکم سابق بعنوان دیگر ۴۲۹
بارگاہِ خداوندی میں یہود کی گستاخی کا ذکر اور اُس کا رَدّ . ۴۳۱
ترغیب اہل کتاب بایمان بر نبی آخر الزمان ﷺ و ذکر بُرکات ایمان ۴۳۴
ازالۂ خوف ودہشت و وعدۂ حفاظت در بارۂ تبلیغ ودعوت ۴۳۵
ذکر آیۃ اُولی الامر ۴۳۶
اِبطال باطل ۴۳۷
قانونِ نجات ۴۳۸
رجوع بسوئے ذکر یہود ۴۳۹
رجوع بذکر نصاریٰ وابطال عقیدۂ الوہیت عیسیٰ علیہ السلام .. ۴۴۱
اِبطال عقیدہ تثلیث ۴۴۴
دلائل ابطال الوہیتِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ۴۴۵
دلیل دیگر بر ابطال اُلوہیّت مسیح مَع توبیخ ۴۴۶
علماءِ فرنگ کا ایک عذر لنگ اور تحمیق وتجہیل سے بچنے کے لیے ایک عجیب وغریب تاویل ۴۴۷
تنبیہ اہل کتاب بر سبب گمراہی ایشان وممانعت از اتباع گمراہان پیشینان ۴۴۹
ذکر یہود حاضرین ۴۵۰

پارہ ⑦ وَاِذَا سَمِعُوْا

حکایت حال اسلام طائفہ نصرانیان گوشہ نشینان وبیان کیفیت وجدِ ایشان بوقت سماع قرآن ۴۵۲
شانِ نزول ۴۵۳
حکم پانزدہم۔ ممانعت از رہبانیت ۴۵۴
شانِ نزول ۴۵۴
حکم شانزدہم۔ متعلق بہ قسم ۴۵۶
حکم ہفدہم۔ تحریم خمر وقمار ۴۵۸
لطائف ومعارف ۴۵۹
حکم بامتثال جمیع احکام ۴۶۱
عدم تاثیم بر استعمال خمر ومیسر قبل از تحریم ۴۶۱
حکم ہشدہم۔ متعلق بہ شکار در حالتِ احرام ۴۶۴
تتمہ حکم سابق ۴۶۵
ممانعت از سوالات غیر ضروریہ ۴۶۶
حکم نوزدہم۔ اِبطال بعض رسوم شرکیہ واقوال کفریہ ... ۴۶۸
حکم بستم۔ متعلق بحفاظت دین خود ۴۷۰
حکم بست ویکم۔ متعلّق بہ وصیّت وشہادت ۴۷۱
شانِ نزول ۴۷۲

خَاتمۂ احکام سُورت بر تذکیر آخرت وذکر انعامات و
احسانات خُداوند اَنام بر عیسیٰ علیہ السلام برائے اثباتِ عبدیت
واثبات رسالت ۴۷۴
خلاصۂ مضمون آیاتِ مذکورہ بالا ۴۷۷
قصہ نزول مائدہ ۴۷۹
ذکر مخاطبت رب العزت با عیسیٰ علیہ السلام دَر یوم قیامت
برائے تنبیہ نصاریٰ حیاریٰ بر بطلان عقیدۂ اُلوہیت ۴۸۲
عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب ۴۸۳
نتیجہ مخاطبات ومحاسبات مذکورہ ۴۸۶
لطائف ومعارف ۴۸۷
تفسیر سُورۃ الانعام ۴۹۲
تحمید بر خالقیت وَاثباتِ وحدَانیت وَابطالِ مجوسیت .. ۴۹۳
دلیل دیگر بر وجود صانع ۴۹۴
اثباتِ علم باری تعالیٰ ۴۹۵
وعید وتہدید بَر اعراض وتکذیب ۴۹۶
ازالہ شُبہات منکرین نبوت ۴۹۷
تسلیۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۴۹۹
اثباتِ توحید ۵۰۱
اثباتِ توحید ورسالت ۵۰۳
بیان انجام وحال مجادلین ومعاندین ۵۰۶
تسلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتلقین صبر ۵۱۱
اثباتِ توحید ۵۱۴
بیان تباہی وبربادی مکذبین رسالت ومنکرین قیامت . ۵۱۶
حکمِ اعزاز واکرام درویشانِ اسلام بتقدیم سلام وتبشیر
ایشاں برحمت خداوندِ انام ۵۲۰
بت پرستی کی مذمت اور ممانعت اور خدا پرستی کی حقانیت
اور دعوت ۵۲۳
دلائل کمالِ قدرت ۵۲۵
نوع دیگر از دلائل کمال قدرت وکمال حکمت ۵۲۷
ابطال شرک، اثبات توحید وحشر ۵۳۱
ابراہیم علیہ السلام کا بت پرستوں اور ستارہ پرستوں سے
مناظرہ ۵۳۵
تتمہ قصہ مذکورہ ۵۴۱
لطائف ومعارف ۵۴۴
منکرین نبوت کی تردید اور تہدید ۵۴۷
مدعیانِ نبوت کی تہدید ۵۵۰
ذکرِ مظاہر قدرت وعجائب صنعت برائے اثباتِ
الوہیت ووحدانیت ۵۵۲
ابطال شرک وتشنیع اہل شرک ۵۵۵
ابطان عقیدۂ ابنیت ۵۵۷
آیاتِ قرآنیہ ۵۵۹
احادیثِ نبویہ ۵۵۹
اتمام حجت بر منکرین نبوت ۵۶۱
کفار کے دوسرے شبہ کا جواب ۵۶۳

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ

ہرگز نہ پہنچو گے، نیکی کی حد کو جب تک نہ خرچ کرو کچھ ایک جس سے محبت رکھتے ہو۔ اور جو چیز خرچ کرو گے

شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾

سو اللہ کو معلوم ہے

ترغیب انفاق مال درراہ خداوند ذو الجلال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ... الی... فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ اگر قیامت کے دن کفار اپنی رہائی کے لیے روئے زمین کے برابر بھی سونا خرچ کریں تو ذرا برابر مفید نہ ہوگا اب اس آیت میں مسلمانوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خدا کی راہ میں کتنی ہی معمولی چیز کیوں نہ خرچ کرو وہ تمہارے لیے نافع اور مفید ہوگی مگر اتنا خیال رکھنا کہ جو چیز تمہارے نزدیک زیادہ محبوب اور مرغوب ہو اگر اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرو گے تو تم ابرار اور اخیار میں سے ہو جاؤ گے اور اگر معمولی چیز بھی خدا کی راہ میں دو گے تو اجر اور ثواب تو اس کا بھی ضرور ملے گا لیکن درجہ ان ابرار کا حاصل نہ ہوگا۔ جن کے متعلق حق تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے: ﴿اِنَّ الۡاَبۡرَارَ یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ كَاۡسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوۡرًا ۚ﴾ ... الآیۃ ﴾ (الدھر) اس لیے کہ ابرار کا درجہ محبوب چیز کے خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے نیز بخل کی عادت کے زائل ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ محبوب اور پسندیدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کی جائے معمولی چیز کے خرچ کرنے سے نفس سے بخل کا ازالہ نہیں ہوتا اس لیے ﴿مِمَّا تُحِبُّوۡنَ﴾ کی قید لگائی۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! تم خیر کثیر اور احسان عام کے مرتبہ اور مقام کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ تم خدا کی راہ میں ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو محبوب حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ کچھ تو محبوب مجازی کو محبوب حقیقی کی راہ میں خرچ کرو اور باقی خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے اگرچہ وہ چیز تم کو محبوب نہ ہو۔ سو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں۔ تمہاری نیت اور عمل کے مطابق اس کا اجر عطا فرمائیں گے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو محبوب ہو یا غیر محبوب اجر سے کوئی صدقہ اور نفقہ خالی نہیں۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ﴾۔

اور مجھے تمام جائیداد میں سب سے زیادہ یہ باغ بیر حاء محبوب اور مرغوب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ رہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ ہے میں اللہ سے اس کی برّ اور ذخیرہ کا امیدوار ہوں یا رسول اللہ اس مال کو جہاں چاہیں خرچ کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا واہ واہ یہ تو بڑے نفع والا مال ہے۔ جو تو نے کہا وہ میں نے سن لیا میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اس کو تو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دے ابو طلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایسا ہی کروں گا۔ پھر ابو طلحہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: غیر محبوب کے خرچ کرنے پر اجر وثواب ملتا ہے بشرطیکہ وہ قابل نفرت نہ ہو جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ﴾ (البقرہ:۲۶۷) یعنی قصد کر کے خراب اور ردی چیز خیرات مت کرو ہاں اگر کسی نے سارا مال خیرات کر دیا اور اس میں کچھ ردی بھی تھا یا سارا ہی ردی تھا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ قصد کر کے ردی نہیں دے رہا بلکہ جو اس کے پاس موجود ہے وہی دے رہا ہے ممانعت اس کی ہے کہ ایک شخص کے پاس عمدہ مال بھی ہے اور خراب بھی مگر وہ شخص صدقہ کے لیے خراب اور ردی مال کا انتخاب کرتا ہے۔

نکتہ: شاید یہود ونصاریٰ کے ذکر میں یہ آیت اس لیے نازل فرمائی کہ ان کو اپنی ریاست بہت محبوب تھی اس وجہ سے وہ نبی کریم ﷺ کے تابع نہ ہوتے تھے تو جب تک وہ اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ریاست کو نہ چھوڑیں گے ایمان کی دولت حاصل نہ کر سکیں گے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ

سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر جو حرام کر لی تھی اسرائیل نے

عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ

اپنی جان پر توریت نازل ہونے سے پہلے۔ تو کہہ لاؤ توریت

فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

اور پڑھو اگر سچے ہو۔ پھر جو کوئی باندھے اللہ پر جھوٹ

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ قف

اس کے بعد تو وہی ہیں بے انصاف۔ تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

اب تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک طرف کا تھا۔ اور نہ تھا شرک کرنے والا۔

رجوع بخطاب اہل کتاب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ... الی... وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾﴾

دور سے سلسلہ کلام اہل کتاب کے متعلق چلا آ رہا ہے افتراء کا ذکر درمیان میں استطراداً اور تبعاً آ گیا تھا اب پھر اہل کتاب کے متعلق کچھ ارشاد فرماتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ شروع سورت سے لے کر یہاں تک توحید الٰہی اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارہ میں زیادہ تر نصاریٰ سے محاجہ اور مباحثہ اور مباہلہ کا ذکر ہوا اب یہاں سے حق تعالیٰ یہود کے دو شبہوں کا جواب دیتے ہیں جو وہ دین اسلام

پر کرتے تھے۔

پہلا شبہ: یہ تھا کہ اے محمد ﷺ آپ اپنے آپ کو دین ابراہیمی اور انبیاء سابقین کے طریقہ پر بتلاتے ہیں تو پھر آپ ﷺ ان چیزوں کو کیسے حلال بتلاتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء پر حرام تھیں مثلاً اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ ان پر حرام تھا اور آپ اس کو حلال بتاتے ہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ چیزیں جو ان کے دین میں حرام تھیں اب ان کی حرمت میری شریعت میں منسوخ ہوگئی تو پھر آپ کا یہ دعوی غلط ہے کہ آپ ان کی تصدیق کرنے والے ہیں اور آپ کا دین ان کے دین کے موافق ہے۔

حق تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے یہود تمہارا یہ قول کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر حرام تھا بالکل غلط ہے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر توریت کے نازل ہونے تک یہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں البتہ یعقوب علیہ السلام نے توریت کے نازل ہونے سے پہلے اونٹ کا گوشت کسی وجہ سے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا وہ یہ کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی اس وقت اللہ سے نذر مانی کہ اگر صحت پاؤں تو جو چیز مجھے مرغوب اور محبوب ہے اس کو چھوڑ دوں گا اور ان کو اونٹ کا گوشت اور دودھ نہایت محبوب اور مرغوب تھا۔ سو اس نذر کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں بھی ہے کہ نذر سے حلال چیز حرام ہوجاتی ہے۔ مگر اس کا کفارہ دینا پڑتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ ﴾ (التحریم:۱) حق تعالیٰ نے یہود کے جواب میں فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کا اپنے اوپر یہ حرام کرنا توریت سے پہلے تھا اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام تھیں تو اپنی مسلم کتاب توریت میں یہ مضمون دکھلاؤ تاکہ تمہاری صداقت ظاہر ہو اور اگر یہ مضمون تمہاری کتاب میں نہ نکلے تو سمجھ لو کہ تم کاذب اور مفتری ہو ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ سے ﴿ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ تک اسی شبہ کے جواب میں نازل ہوئیں جیسا کہ آئندہ تفسیر سے ظاہر ہوگا۔

فائدہ: پہلی آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا اور اس آیت میں یعقوب علیہ السلام کا ایک محبوب چیز کو چھوڑ دینے کا ذکر ہے اس طرح دونوں آیتوں میں نہایت لطیف مناسبت ہوگئی۔

دوسرا شبہ: یہود کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بیت المقدس کی تعظیم کرتے تھے اور بیت المقدس ہی ان کا قبلہ تھا اور تمام انبیاء اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصلی وطن عراق تھا۔ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھوڑ کر شام کی ہجرت فرمائی اور وہیں رہے اور وہیں وفات پائی مگر اے مسلمانو! تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو قبلہ بنالیا ہے جو سرزمین شام سے بہت دور ہے پھر تمہارا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہے کہ تم کو ابراہیم علیہ السلام اور ملت ابراہیمی سے زیادہ قرب اور مناسبت حاصل ہے حق تعالیٰ نے ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ... الیٰ آخر الآیات ﴾ میں ان کے اس شبہ کا جواب دیا کہ خانہ کعبہ ہی اوّل عبادت خانہ ہے جو بیت المقدس سے صدہا سال قبل ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے تعمیر ہوا جس میں مقام ابراہیم کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قدم یہاں آئے ہیں کیونکہ یہ امر تاریخ عرب کے مسلمات میں سے ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہوکر خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشان پڑ گئے تھے اور یہ پتھر اب تک برابر محفوظ چلا آرہا ہے۔

پہلے شبہ کا جواب

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ . . . الی . . . وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾

ان آیات میں یہود کے پہلے شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ اے یہود! تمہارا یہ قول بالکل غلط ہے کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حضرت ابراہیم اور تمام انبیاء علیہم السلام پر حرام تھا بلکہ کھانے کی سب چیزیں توریت کے نازل ہونے سے پہلے ہی بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں۔ جن کی حلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر چلی آرہی تھی مگر وہ چیز یعنی اُونٹ کا گوشت جس کو ایک خاص وجہ سے یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر بطور نذر حرام کرلیا تھا اور پھر ان کی اولاد نے بھی ان کی پیروی میں اس کو چھوڑ دیا تھا جس کا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا درد تھا اس وقت اللہ تعالیٰ سے نذر کی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے شفاء عطا فرمائی تو جو چیز مجھ کو زیادہ محبوب اور مرغوب ہے اس کو چھوڑ دوں گا اور ان کو سب سے زیادہ محبوب اُونٹ کا گوشت اور دودھ تھا اس لیے اس کو چھوڑ دیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر یہ چیز حرام نہ تھی لہٰذا یہود کا یہ دعویٰ کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلی آرہی ہیں کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

فائدہ: آیتِ مذکورہ میں ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ﴾ (یعنی نزول توریت سے قبل) کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ نزول توریت سے پہلے یہ سب چیزیں حلال تھیں۔ البتہ توریت نازل ہونے کے بعد بہت سی حلال چیزیں یہود پر ان کے ظلم اور شرارت کی وجہ سے توریت میں حرام کردی گئیں جس کی کچھ تفصیل سورۂ انعام میں ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ﴾ (الانعام:۶:۱۴۶)۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ (النساء:۱۶۰) آپ ان یہود سے کہہ دیجیے کہ اگر تم کو اس کا دعویٰ ہے کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر حرام چلی آرہی ہیں تو توریت کو لے کر آؤ اور یہ مضمون توریت میں دکھلاؤ اور سب کے سامنے اس کو پڑھ کر سناؤ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان کی کتاب کے ساتھ مباحثہ کریں۔ یہود یہ دلیل قاطع اور برہان قاطع سن کر حیران رہ گئے اور توریت نہ لاسکے۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک حجت قائم ہوگئی اور یہود کا کاذب اور مفتری ہونا ثابت ہوگیا۔ پس جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے اور یہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام پر حرام کی تھیں اس کے بعد یعنی توریت کی حجت لازم ہوجانے کے بعد تو یہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بے انصاف ہیں کہ حق بات ظاہر ہوجانے کے بعد بھی ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور حق کو تسلیم نہیں کرتے اور اللہ کے نبی پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے سچ فرمایا اور مجھے سچی خبر دی کہ نزول توریت سے پہلے سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں پس اے یہود جب تم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر ہوگئی تو مسلمانوں کی طرح تم بھی ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے دین پر آجاؤ جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں اور وہ ابراہیم علیہ السلام ایک طرف کا ہو رہا تھا سب کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف مائل ہوگیا تھا۔ جس نے دنیا میں خالص توحید اور خدا کی فرمانبرداری کی اشاعت کی اور ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہ تھا اس جملہ میں یہود اور نصاریٰ پر الزام ہے کہ تم دین ابراہیمی پر ہونے کے مدعی ہو اور پھر شرک کرتے ہو۔

فائدہ: ملت مثل دین کے اس طریقہ کو کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ انبیاء کی زبانی اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے تاکہ قرب اور رضا کے مدارج اور صلاح اور فلاح دارین کو حاصل کریں ملت اور دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے کہ فلاں نبی کی ملت ہے اور دین کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے کہ یہ اللہ کا دین ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ اللہ کی ملت ہے نیز ملت کا اطلاق مجموعہ احکام شرعیہ پر ہوتا ہے ایک ایک حکم پر ملت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مثلاً تنہا نماز اور زکوٰۃ کو ملت نہیں کہتے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى
تحقیق پہلا گھر جو ٹھہرا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکے میں ہے برکت والا اور نیک راہ
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَ مَنْ دَخَلَهٗ
جہان کے لوگوں کو۔ اس میں نشانیاں ظاہر ہیں، کھڑے ہونے کی جگہ ابراہیم کی۔ اور جو اس کے اندر آیا
كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ
اس کو امن ملا۔ اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر، حج کرنا اس گھر کا، جو کوئی پاوے اس تک
سَبِيْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾
راہ، اور جو کوئی منکر ہوا، تو اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔

دوسرے شبہ کا جواب

بذکر فضائل بیت حرام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ . . . الی . . . فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾﴾

اب ان آیات میں یہود کے دوسرے شبہ کا جواب ذکر فرماتے ہیں کہ بیت المقدس خانہ کعبہ سے افضل ہے اور وہی تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ ہے تو اے مسلمانو! تمہارے نبی ﷺ نے بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو کیوں کر اپنا قبلہ بنالیا ہے حق جل شانہ نے ان آیات میں یہ بتلایا کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے لہٰذا اسی کو قبلہ بنانا بہتر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق پہلا گھر جو منجانب اللہ لوگوں کی عبادت کے لیے قبلہ مقرر کیا گیا وہ وہی مکان اور گھر ہے جو شہر مکہ میں ہے۔ جس کو خانہ کعبہ اور بیت اللہ کہتے ہیں۔ بڑی خیر و برکت والا جس میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جہان کے لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنما ہے کیونکہ سارے جہان کا قبلہ ہے اسی کی طرف منہ کر کے سب نماز ادا کرتے ہیں اور خدا کی محبت میں اسی کا طواف کرتے ہیں اسی طرح یہ خانۂ خدا، خانۂ ہدایت ہے جس سے قبلہ عبادت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور بہشت کی راہ بھی یہیں سے نظر آتی ہے۔ خود اس گھر میں

اس کی فضیلت اور اول معبد ہونے کی اور قبلہ ابراہیمی ہونے کی روشن نشانیاں اور کھلی علامتیں موجود ہیں۔ از انجملہ مقام ابراہیم ہے جو ایک محترم پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر فرماتے تھے جس میں حق تعالیٰ کی قدرت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان پڑ گئے تھے جو لوگوں کے ہاتھوں سے چھونے کی باعث محو ہو گئے اور یہ بات تمام اہل عرب میں نقل متواتر کے ساتھ مشہور اور مسلم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے جد اکبر ہیں جن کے آثار روئے زمین پر پائے جاتے ہیں ان سے پہلے جتنے ہی گزرے ان میں سے کسی کی نشانی زمین پر باقی نہیں پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس نشان کا باقی رہنا اور دیگر انبیاء کے آثار کا باقی نہ رہنا اور پھر اس پتھر کا باوجود کثیر التعداد دشمنوں کے ہزاروں برس سے محفوظ چلا آنا یہ اس امر کی کھلی نشانی ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کے قدم آئے ہیں اور یہی وہ پہلا گھر اور اول معبد ہے کہ جو طوفان نوح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ان کے شریک کار اور معین و مددگار رہے غرض یہ کہ منجملہ آیات بینات کے مقام ابراہیم ایک نشانی ہے۔ حق جل شانہ نے آیات بینات میں سے صرف دو نشانیوں کو ذکر کیا ایک یہ اور ایک نشانی وہ جو آئندہ آیت میں ذکر کی باقی کو پوشیدہ رکھا اشارہ اس طرف ہے کہ آیات بینات بہت ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں۔ ان میں سے صرف دو تین کا ذکر کیا اور منجملہ ان نشانیوں کے ایک نشانی یہ ہے کہ جو شخص اس مکان کی حدود متعلقہ میں بھی داخل ہو گیا اس کو امن ملا دنیا میں قتل اور غارت گری سے مامون ہو گیا اور قیامت کے دن عذاب سے مامون ہو گیا یہ بھی خانہ کعبہ کی فضیلت کی کھلی نشانی ہے' عرب زمانہ جاہلیت میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اور لوٹ لیتے مگر جو حرم میں آجاتا اس سے کوئی تعرض نہ کرتے خانہ کعبہ کے موجب امن ہونے پر دو اعتراض کئے گئے ہیں ایک یہ کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو تلوار سے فتح کیا۔ دوم یہ کہ بہت سے حکام اور عمال نے مکہ میں ظالمانہ کارروائیاں کیں حتی کہ بعض نے خانہ کعبہ پر منجنیق بھی لگا دیا اور اس کی بے حرمتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور بہت سے بدوؤں نے حاجیوں کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض سرے ہی سے غلط ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمحہ کے لیے خانہ کعبہ کی حرمت کو نہیں توڑا آپ نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ مکہ میں یہ منادی کرادی کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو بھی امن ہے حدیث میں ہے کہ جب ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر لشکر انصار کے علمبردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا کہ آج کا دن لڑائی کا دن ہے اور آج کعبہ کی حرمت توڑ دی جائے گی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد نے غلط کہا آج کا دن وہ دن ہے جس میں حق تعالیٰ خانہ کعبہ کی حرمت کو قائم کرے گا اور آج کا دن وہ دن ہے جس میں خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھایا جائے گا اور بعض علماء نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو شرک اور بت پرستی سے پاک کرنے کے لیے ایک ساعت کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال کر دیا تھا آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی اور کے لیے حلال نہیں کیا اور آپ کے لیے بھی صرف ایک ساعت کے لیے حلال کیا ایک ساعت سے زیادہ آپ کے لیے بھی حلال نہیں کیا اور کفر و

---

① قال الخطيب الشربينى مقام ابراهيم هو الحجر الذى قام عليه ابراهيم عليه السلام و كان اثر قدميه فيه فاندرس من كثرة المسح بالايدى ولعل الذى اندرس بعضه فانى رأيت اثر القدمين فيه كذافى السراج المنير (ص ٩٢ ج ١).

② كذافى حاشية الشيخ زاده على البيضاوى ففيها فوضع ابراهيم قدمه عليه فاثرت قدمه فيه الاان ذلك الاثر اندرس من كثرة المسح بالايدى (٦٥٣ ج).

شرک کی نجاست سے پاک کر دینے کے لیے حلال کر دینا غایت درجہ مستحسن ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہونے والے شخص کے امن والا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شخص کو اس کی ایذاء پر قدرت نہیں رہتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس گھر کی تعظیم لوگوں کے اعتقاد اور دلوں میں اس درجہ راسخ ہے کہ کوئی شخص بھی اس میں ظلم اور تعدی کو روا نہیں سمجھتا پس جو ظالم اور بد اس میں کوئی کارروائی کرتے ہیں وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ اور گناہوں کی طرح اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور اس گھر کی فضیلت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج فرض ہے تمام لوگ برابر خانہ کعبہ ہی کا حج کرتے چلے آئے بیت المقدس کا حج کبھی فرض نہیں ہوا۔ مگر خانہ کعبہ کا حج ہر شخص پر فرض نہیں بلکہ صرف اس شخص پر فرض ہے جو اس گھر کی راہ پا سکے۔ یعنی زاد اور راحلہ پر اس کو قدرت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ استطاعت سبیل سے مراد خانہ کعبہ تک پہنچنے پر قدرت پانا ہے جس میں سواری اور سفر خرچ اور تندرستی اور راستہ کا امن سب کچھ آ گیا اور اس گھر کے حج کا فرض ہونا یہ بھی اس گھر کی بزرگی اور شرافت کی کھلی نشانی ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اس گھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خاص خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے وقت سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے لوگ برابر حج کرتے چلے آئے اور برابر اس کو سنت ابراہیمی سمجھ کر ادا کرتے رہے اور جو شخص منکر ہوا کہ خانہ کعبہ اول معبد نہیں یا اس کا حج فرض نہیں تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام جہان کے لوگوں سے بے نیاز بے پرواہ ہے تمام عالم بھی اگر اس کے حکم کا انکار کرے تو اس کا کوئی نقصان نہیں خانہ کعبہ خداوند ذوالجلال کے نور اور جمال کی تجلی کا گھر ہے محبین اور عاشقین کا یہ فرض ہے کہ اس نور السمٰوٰت والارض اور جمیل مطلق اور محبوب برحق کے گھر پر عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور حاضری دیں اور اس کے در و دیوار کا دیوانہ وار چکر لگائیں اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیں جو شخص خدا کی محبت کا دعوی کرے اور اس کے گھر کی حاضری کو فرض نہ سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا عاشق ہے اور محبوب حقیقی کو کیا پرواہ ہے کہ ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ یہود اور نصاریٰ ہر ایک کو دعویٰ تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے امام اور پیشوا ہیں مگر جس گھر کو انہوں نے بحکم خداوندی حج اور زیارت کے لیے تعمیر کیا اور لوگوں کو اس کی زیارت اور حج کے لیے آواز دی اس کا حج نہیں کرتے۔

خلاصہ کلام: یہ کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل ہے جس کی متعدد وجوہ ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

اوّل فضیلت: یہ کہ خانہ کعبہ سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی اور ان کی اولاد میں جس قدر بھی نبی ہوئے وہ سب کے سب اسی کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے چلے آئے اور حضرت شیث اور حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہم السلام کا قبلہ عبادت اس کے سوا اور کوئی جگہ نہ تھی اس لیے کہ عبادت اور عبودیت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے لازم ہے اور عبادت کے لیے قبلہ کا ہونا ضروری ہے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا قبلہ یہی خانہ کعبہ رہا۔ وقال تعالیٰ: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۩ ﴾ ... الآیۃ (مریم) اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ تمام انبیاء کرام سجدہ کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سجدہ کے لیے قبلہ ہونا چاہیے سو ان حضرات کا قبلہ وہی خانہ کعبہ تھا جو ہمارے معظم اور محترم باپ سیدنا آدم علیہ السلام نے بحکم خداوندی بنایا تھا اور مکہ مکرمہ کا نام ام القریٰ ہونا یہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ یہ شہر تمام بستیوں اور آبادیوں کی اصل اور جڑ یعنی مبدأ ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا کہ وہ وسط ارض میں ہے اور تمام روئے زمین کا مرکزی نقطہ ہے۔

دوسری فضیلت: خانہ کعبہ کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ وہ مبارک ہے یعنی خیرات و برکات کا منبع اور سرچشمہ ہے آسمانی اور معنوی انوار و برکات کے علاوہ زمینی برکات کا بھی مخزن ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿یُّجْبٰۤی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ (القصص: ۵۷) زمین جس کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۱۰) ان تمام اقوات وثمرات اور ارزاق و برکات کا مرکزی نقطہ بھی خانہ کعبہ کی زمین ہے کہ جس کو حق تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور باقی زمین یہیں سے بچھائی گئی اور ایک نیکی کا ثواب کم از کم ایک لاکھ گنا ملتا ہے اور جو نماز خانہ کعبہ کے سامنے باجماعت پڑھی جائے اس کا ثواب ستائیس لاکھ ملتا ہے کیونکہ جماعت کا اجر انفرادی نماز سے ستائیس گنا ہے۔

تیسری فضیلت: خانہ کعبہ کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ ﴿هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ یعنی تمام جہانوں کا قبلہ ہے کہ اسی سمت پر سب نماز ادا کرتے ہیں خانہ کعبہ بمنزلہ نقطہ کے ہے اور روئے زمین پر نمازیوں کی صفوف بمنزلہ دوائر کے ہیں جو اس مرکز کو احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ نمازیوں میں بہت سے اولیاء اور عباد مخلصین اور ہزاروں ہزار بلکہ لاکھوں آسمان اور زمین کے فرشتے بھی ہوتے ہیں جن کے انوار و برکات میں تعاکس اور توارد بھی ہوتا ہے اور انوار و تجلیات کا یہ توارد اور تعاکس ہزاراں ہزار خیر و برکت اور ہزاراں ہزار ہدایت کا بھی سبب ہے اور خانہ کعبہ کے ذاتی انوار و برکات ان کے علاوہ ہیں۔ جب روئے زمین کی تمام مسجدیں اور تمام صفوف سمت کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نمازیں ادا کریں گے تو اس محاذات اور مسامتت کی وجہ سے خانہ کعبہ کے انوار و تجلیات روئے زمین کی مسجدوں اور نماز کی صفوں کو بجلی کی رو کی طرح یکدم منور اور روشن کریں گے۔

چوتھی فضیلت: یہ ہے کہ ﴿فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ﴾ یعنی خود اس گھر میں اس کی حرمت اور عظمت کی روشن نشانیاں موجود ہیں جس نے اس کی بے حرمتی کا ارادہ کیا وہ ہلاک ہوا جیسے اصحاب فیل اور جس نے اس جگہ جا کر بیماری وغیرہ کے لیے دعا مانگی اس کی دعا قبول ہوئی اور حجاج نے جو مکہ پر چڑھائی کی سو اس کا مقصد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنا تھا خانہ کعبہ کی بے حرمتی اور اہانت مقصود نہ تھی۔

پانچویں فضیلت: یہ ہے کہ اس میں مقام ابراہیم ہے مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان تھے حق تعالیٰ نے اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نرم کر دیا تھا۔

چھٹی فضیلت: یہ ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ کے حدود یعنی حرم میں داخل ہوا تو دنیا میں قتل سے اور آخرت میں عذاب سے مامون ہوا۔

ساتویں فضیلت: یہ ہے کہ اس گھر کا حج فرض ہے یہ بھی اس گھر کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتا ہے تمام انبیاء و سابقین اسی کا حج کرتے چلے آئے اور نہایت ذوق و شوق کے ساتھ تلبیہ پکارتے ہوئے اس کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے رہے بیت المقدس کا حج کبھی فرض نہیں ہوا۔

لطائف و معارف

① ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ﴾ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اول سے کیا مراد ہے آیا باعتبار زمانہ کے اولیت مراد ہے یا باعتبار شرف اور فضیلت اور رتبہ کے اولیت مراد ہے۔

صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے زمین میں سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ کو پیدا کیا اور باقی تمام زمین اس کے نیچے سے بچھائی گئی۔ یعنی باعتبار زمانہ کے اولیت مراد ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ اولیت باعتبار شرف اور فضیلت کے ہے زمانہ کے لحاظ سے نہیں یعنی باعتبار برکت اور ہدایت کے یہ پہلا گھر ہے جیسا کہ لفظ ﴿مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے یعنی برکت اور ہدایت کے لحاظ سے سب سے اول اور سب سے افضل اور سب سے مقدم خانہ کعبہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ مقصود اصلی تو خانہ کعبہ کی افضلیت بیان کرنا ہے کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد جب حاصل ہوگا کہ جب اولیت سے شرف اور فضیلت کے اعتبار سے اولیت مراد ہو محض زمانہ کے اعتبار سے اولیت شرف اور فضیلت کا مدار نہیں بن سکتی۔ البتہ زمانہ کی اولیت شرف اور فضیلت کی اولیت کے لیے مؤید ضرور ہو سکتی ہے اس لیے کہ اولیت زمانیہ۔ اوّلیت رتبیہ کے منافی اور مباین نہیں خانہ کعبہ کی جگہ باعتبار زمانہ کے بھی اول ہے اور باعتبار شرف اور فضیلت کے بھی اول ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے باعتبار زمانہ کے اول ہے اور باعتبار فضیلت کے بھی اول ہے۔

اسرارِ قبلہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، بانی دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہ نے خاص اس موضوع پر قبلہ نما کے نام سے ایک مستقل تحریر لکھی ہے جو علم لدنی کے حقائق و معارف کا گنجینہ اور اسرار و لطائف کا ایک خزینہ ہے ہم اس مقام پر نہایت اختصار کے ساتھ اس کا خلاصہ مع اضافۂ شواہد ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ اصل مضمون حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور شواہد کا اضافہ اس ناچیز کی طرف سے ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ.

حق جل شانہ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا اور عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے معبود کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرے اور آداب عبودیت بجالائے اس لیے ضروری ہوا کہ عابد اور معبود میں آمنا سامنا ہو اور آمنا سامنا ہونے کے لیے بظاہر مکان اور جہت درکار ہے اور اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک اور منزہ ہے کیونکہ وہ تو خود جہت اور مکان اور زمان کا خالق ہے اور انسان جسم اور روح سے مرکب ہے سو عبادت روحانی کے لیے تو کسی جہت اور مکان کی ضرورت نہیں اس لیے کہ روح مکانی نہیں روح خدا وند ذو الجلال کی بے چونی اور بیچگونی کا نمونہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

خلق اللہ آدم علی صورتہ اس لیے روح کی عبادت کے لیے قلبی اور معنوی توجہ کافی ہے کسی قبلہ اور جہت کی ضرورت نہیں۔

البتہ عبادت جسمانی بدوں تقابل جہت متصور نہیں اور انسان چونکہ مقید فی الجہت ہے اس لیے اس کو یہ حکم دینا کہ جہت سے علیحدہ ہو کر عبادت کیا کرو تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے اور فقط روحانی عبادت کافی نہیں بلکہ روح اور جسم دونوں ہی مکلف ہیں روحانی عبادت کی طرح جسمانی عبادت بھی فرض اور لازم ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ روح تو عبادت کی مخاطب ہو اور جسم معطل رہے اور یہ بھی مناسب نہیں کہ ہر شخص جس طرف چاہے سجدہ کر لیا کرے۔ اور ہر ایک اپنا جدا قبلہ بنائے اس لیے خداوند کریم نے ایک جہت مقرر فرما دی تا کہ ایک سمت متعین ہو جائے اور ملت کے انتظام میں فرق نہ آئے۔ کیونکہ جو جہت اللہ کی طرف سے مقرر ہو گی اس میں کسی کو رد و بدل کی گنجائش نہ ہو گی

باقی رہا یہ امر کہ اس خاص سمت کی تعیین کی وجہ کیا ہے سو وہ اللہ ہی کو معلوم ہے اور اگر یہ اجازت ہوتی کہ جس طرف کو جس کا جی چاہے وہ سجدہ کر لیا کرے تو اس میں انتظام اور اتفاق کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اتفاق ایک نہایت محمود اور پسندیدہ چیز ہے۔

حق جل شانہ کی ذات چونکہ بے چون وچگون ہے اس لیے وہ کسی حد میں محدود اور مقید نہیں۔ البتہ اس کی کوئی تجلی اور کوئی پرتو کسی محدود اور مقید پر پڑ سکتا ہے جیسے آفتاب کا عکس اور پرتو آئینہ پر پڑتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ آئینہ فقط ایک مظہر اور نمائش گاہ محل قید نہیں آئینہ کا آفتاب کو اپنے آغوش میں لے لینا قطعاً محال ہے البتہ آفتاب آئینہ میں جلوہ گر ہو سکتا ہے جیسے آسمان آنکھ کی پتلی میں جلوہ گر ہوتا ہے مگر انعکاس کی ایک شرط تو یہ ہے کہ آئینہ صاف وشفاف ہو دوسری شرط یہ ہے کہ آفتاب کے مقابل ہو بغیر تقابل کے انعکاس ممکن نہیں۔ اسی طرح حق جل شانہ کی ذات بے چون وچگون کو سمجھو کہ وہ حدود اور قیود سے پاک اور منزہ ہے مگر کسی جہت اور مکان اور کسی محدود شے میں اس کی تجلی ممکن ہے۔

کتاب وسنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی حق جل شانہ کی اول مخلوقات سے ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (ھود: ۷)۔

اور اللہ جل شانہ کی سب سے بڑی تجلی عرش پر ہے اور ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ: ۵) میں اسی تجلی کی طرف اشارہ ہے عرش کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں اور استواء کے معنی استقرار اور تمکن کے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ آیت میں ظاہر معنی قطعاً مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم نہیں جو تخت پر بیٹھے اور قرار پکڑے بلکہ استواء علی العرش سے اس کی شان احکم الحاکمینی کو بیان کرنا ہے جیسا کہ تخت نشینی کا لفظ حکومت اور اقتدار کے لیے بطور کنایہ مستعمل ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکم الحاکمینی اور اس کے تسلط تام اور تدبیر عام کو استواء علی العرش کے لفظ سے تعبیر کیا گیا کہ اس کی احکم الحاکمینی اور شہنشاہی ایسی راست اور ہموار ہے کہ اس میں کسی قسم کی مزاحمت اور کسی قسم کی گڑبڑ کا امکان اور واہمہ بھی نہیں خلاصہ یہ کہ عرش عظیم اس رب عظیم کی شان احکم الحاکمینی کا ایک تجلی گاہ اور نمائش گاہ ہے۔ معاذ اللہ خدائے بے چون وچگون کی جائے قرار اور محل استقرار نہیں غرض یہ کہ عرش عظیم اللہ تعالیٰ کی اول مخلوق ہے۔

عرش کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کو پیدا فرمایا اور اس کے آسمان کو پیدا کیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرہ) اور اسی طرح حٰمٓ السجدہ میں مصرح ہے: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ ... الآیۃ﴾ سورۂ بقرہ اور سورۂ حٰم سجدہ کی ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا اور پھر آسمان بعد میں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے زمین کو فرش اور آسمان کو سقف (چھت) فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تعمیر چھت کی جانب سے شروع نہیں ہوتی بلکہ فرش کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور زمین میں حق جل شانہ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ کو پیدا فرمایا اور پھر باقی زمین اسی جگہ سے بچھائی گئی اور پھیلائی گئی کعبہ زمین کا ٹکڑا کرۂ ارض کا مرکزی نقطہ ہے جو ٹھیک وسط ارض میں واقع ہے جیسا کہ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا﴾ اس پر دال ہے۔ وکما قال یدل علیہ قولہ تعالیٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (البقرہ: ۱۴۳) اور ایک روایت میں ہے کہ اول پانی تھا اور اس پانی پر عرش کبریائی تھا پھر اس پانی میں سے جہاں اس جگہ خانہ کعبہ ہے ایک بلبلا سا اٹھا اور جھاگ نمودار ہوئی اس سے زمین کی بنا شروع ہوئی۔

یہ روایت بھی خانہ کعبہ کی اولیت پر دلالت کرتی ہے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس جگہ کا عرش اور عرش کے پانی سے خاص تعلق ہے۔

اور جس طرح خانہ کعبہ آبادی میں اول ہے اسی طرح ویرانی میں بھی اول ہے کہ قیامت کے وقت یہی ٹکڑا سب سے پہلے ویران ہوگا جیسا کہ یہ آیت ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ (المائدہ:۹۷) اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ گھر قائم ہے جبھی تک بنی آدم کا اس عالم میں قیام ہے اور جس دن یہ ویران ہوگا تو تمام کارخانہ عالم بھی ویران ہو جائے گا کیونکہ بدلالت آیت ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ... الآیۃ﴾ (البقرہ:۲۹) یہ بات عیاں ہے کہ زمین و آسمان سب بنی آدم کے لیے ہیں جب بنی آدم ہی نہ ہوں گے تو زمین و آسمان ہی کس کے لیے رہیں گے گھاس دانہ گھوڑوں تک رہتا ہے جب وہ نہیں رہتے تو اسے ہی کون رکھتا ہے۔ جب دارالخلافہ آباد کیا جاتا ہے تو اول مکانات شاہی کے لیے کوئی جگہ تجویز ہوتی ہے۔ اور اس کی بناء ڈالی جاتی ہے اس کے بعد امراء اور وزراء اور رعایا کے مکانات بنتے ہیں اور جب دارالخلافہ بحکم شاہی کسی مصلحت سے ویران کیا جاتا ہے تو اول بادشاہ اپنے مکانات کو چھوڑتا ہے اور اس کی اتباع میں پھر خواص اور عوام اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر اس کے پیچھے ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ محل سرائے جس طرح تعمیر میں اول ہے اسی طرح تخریب میں بھی اول ہے۔

پس اسی طرح خانہ کعبہ کو بمنزلہ قصر شاہی یا خیمہ شاہی خیال فرمایئے اور کیوں نہ ہو وہ تجلی گاہ ربانی اور آئینہ جمال یزدانی ہے اس لیے اس کو بنانے میں بھی اول رکھا اور ویرانی عالم کے وقت بھی اس کو اول رکھیں گے چنانچہ آیت ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا﴾ اس کی اوّلیت تعمیر پر دلالت کرتی ہے اور آیت ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ (المائدہ:۹۷) جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ گھر لوگوں کے قیام اور بقاء کا باعث ہے اس کی اولیت ویرانی پر دلالت کرتی ہے اس لیے حاصل اشارہ قرآنی یہ ہوا کہ جب تک یہ گھر قائم ہے لوگ بھی اس عالم میں قائم ہیں اور جس روز یہ گھر ویران ہوگا اس روز عالم کو خراب اور ویران سمجھو۔

خانہ کعبہ عرش کی محاذات میں ہے:

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے:

ذکر عبد الرزاق عن ابن جریج عن عطاء وابن المسیب و غیرهما ان الله عزوجل اوحی الی آدم اذا هبطت ابن لی بیتا ثم احفف به کما رایت الملائکه تحف بعرشی الذی فی السماء. (تفسیر قرطبی ۱۲۰ ج ۲)

ترجمہ: "امام عبدالرزاق نے ابن جریج اور عطاء اور سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے آدم جب تم زمین پر اترو تو میرے لیے ایک گھر بناؤ اور پھر اس کا طواف کرو جیسا کہ تم نے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے"۔

وفی روایة عن ابن عباس قال لما اهبط آدم من الجنة الی الارض قال له یا آدم اذهب وابن لی بیتا فطف به واذ کرنی عنده کما رأیت الملائکة تصنع بعرشی. (تفسیر قرطبی ص ۱۲۱ ج ۲)

ترجمہ: "اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر اتارے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ فرمایا اے آدم علیہ السلام تم جاؤ۔ اور زمین پر میرے لیے ایک گھر بناؤ اور اس کا طواف کرو اور اس کے سامنے میرا ذکر کرو جیسا کہ

تم نے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے"۔

پس خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے تو عرش عظیم کے انوار اور تجلیات خانہ کعبہ میں منعکس ہوں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ عرش عظیم اور خانہ کعبہ کے درمیان بیت المعمور واقع ہے (جو ساتویں آسمان پر فرشتوں کا قبلہ ہے) وہ درمیان میں حائل ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کی حیلولت خانہ کعبہ پر عرش عظیم کی تجلی سے مانع نہیں اس لیے کہ بیت المعمور ایک صاف وشفاف آئینہ کی طرح ہے اور ٹھیک عرش عظیم کی محاذات میں واقع ہے تو تقابل میں کوئی فرق نہ آئے گا اور نہ تعاکس انوار میں کوئی خلل آئے گا اگر آفتاب کے سامنے یکے بعد دیگرے دو صاف وشفاف آئینے بالکل ایک دوسرے کی محاذات میں ہوں تو انعکاس میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

مساجد خانہ کعبہ کی محاذات میں ہیں:

جب یہ معلوم ہو گیا کہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ روئے زمین کی تمام مسجدیں خانہ کعبہ کی سمت پر واقع ہیں تو اس محاذات اور مسامتت کی وجہ سے خانہ کعبہ اور مساجد کے درمیان میں ایک معنوی تعلق اور ربط قائم ہو جائے گا جیسے بجلی کی تاروں کا کسی مرکز سے تعلق ہوتا ہے پس اس معنوی تعلق کی بنا پر خانہ کعبہ اور مساجد کے انوار و تجلیات میں توارد و تعاکس ہو گا۔ ادھر کے انوار ادھر جائیں گے اور ادھر کے انوار ادھر آئیں گے اور انعکاس کے معنی لغت میں لوٹ کر آنے کے ہیں پس خانہ کعبہ بمنزلہ مرکزی نقطہ کے ہو گا اور اقطار عالم میں مساجد کی صفوف بمنزلہ دوائر محیط یا بمنزلہ خطوط دائرہ ہوں گی جن کا منتہی وہی مرکزی نقطہ ہو گا جس کو خانہ کعبہ کہتے ہیں جیسے بجلی کے تار کسی مرکز سے متعلق ہوتے ہیں تو بیک وقت تمام قمقمے روشن ہو جاتے ہیں اس طرح عرش سے فرش تک اور فرش سے عرش تک آسمانوں اور روئے زمین کی تمام مسجدوں کے انوار و تجلیات میں عجیب قسم کا تجاذب اور تعاکس ہو گا۔

تعمیر بیت المقدس:

حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بحکم خداوندی اول خانہ کعبہ تعمیر کیا اور پھر بحکم خداوندی چالیس سال بعد بیت المقدس کو تعمیر کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اور بیت المقدس میں چالیس سال کا تفاوت ہے بظاہر اس تفاوت کی وجہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ بمنزلہ ایوان شاہی کے ہے اور خداوند ذوالجلال کی شان احکم الحاکمین اور شان ارحم الراحمین اور شان محبوبی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔

اور بیت المقدس بمنزلہ ایوان وزراء اور دیوان حکام اور بمنزلہ عدالت کے ہے جو اس کی شان عدل اور قہر کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ عدالت اور ایوان وزراء۔ محل شاہی سے کچھ فاصلہ پر ہوتا ہے اس لیے قبلہ ثانی (بیت المقدس) کی عمارت خانہ کعبہ کی عمارت سے کچھ فاصلہ پر رکھی گئی۔ اہل نظر کا خیال ہے کہ شان عدل شان ارحم الراحمین سے چالیس درجہ فروتر ہے اس لیے خانہ کعبہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی تعمیر ہوئی اور بیت المقدس خانہ کعبہ سے چالیس منزل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں واقع ہے پس عجب نہیں کہ اس حدیث میں اسی تفاوت کی طرف اشارہ ہو اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انبیاء سابقین کے دور میں بیت المقدس نماز کا تو قبلہ رہا مگر انبیاء سابقین، حج خانہ کعبہ ہی کا کرتے رہے کیونکہ خانہ کعبہ شان محبوبی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے اور حج کے تمام افعال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا عاشقانہ عمل کسی محبوب کی رضا جوئی کے لیے ہے اور ہر سال حج میں جو اجتماع ہوتا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کسی جمال بے مثال کا دیوانہ اور پروانہ بنا ہوا ہے نہ سر پر عمامہ اور ٹوپی ہے اور نہ پیر میں کوئی موزہ اور جراب ہے اور نہ بدن پر قمیص اور پاجامہ ہے اور نہ کوئی سلا ہوا کپڑا ہے بدن پر صرف ایک ازار اور ایک چادر ہے نہ کوئی خوشبو اور عطر ہے دمبدم خدا کو پکار رہا ہے نہ

مرد کو عورت سے مطلب اور نہ عورت کو مرد سے مطلب بہر حال خانہ کعبہ خانہ محبوبیت ہے اور بمنزلہ محل سرائے شاہی کے ہے اور بیت المقدس بمنزلہ عدالت اور کچہری کے ہے جو فقط مظلومین کی دادرسی اور ظالمین کی سزا کے لیے ہوتی ہے۔

اور چونکہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے اس لیے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی برکات اور تجلیات کبھی اس سے جدا نہیں ہوتیں اس لیے کہ خانہ کعبہ کی نسبت قرآن کریم میں لفظ مبارکا آیا ہے کہ برکت خانہ کعبہ کی صفت ذاتیہ ہے اور بیت المقدس کے بارہ میں ﴿بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ﴾ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی برکات عوارض کی طرح ممکن الانفصال ہیں خانہ کعبہ کی طرح لازم الاتصال نہیں یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس چند بار مخالفوں اور بے دینوں کے ہاتھوں سے خراب اور برباد ہوا اور خانہ کعبہ پر باوجود مخالفین کی کثرت اور شوکت کے آج تک اس کی نوبت نہیں آئی کہ اس کا ایک پتھر بھی مسمار کرنے کی نیت سے اکھاڑ سکے جیسا کہ اصحاب فیل کا قصہ اس کا شاہد ہے اس لیے کہ اس کی برکات ذاتی ہیں اور وہ بمنزلہ محل سرائے اور دیوان خاص کے ہے اس لیے اس کی نگہبانی ہمیشہ کے لیے ضروری ہے۔

خلاصہ:

یہ کہ خانہ کعبہ جس طرح آبادی میں اول ہے اسی طرح ویرانی اور بربادی میں بھی اس کا اول ہونا ضروری ہے کہ سارے عالم کی ویرانی اور بربادی کی ابتداء اسی سے ہو اور ایسی ہی جگہ قبلہ بنانے کے لیے لائق ہے جو ہر اعتبار سے اول ہو اور انوار وتجلیات کا مبدأ بھی وہی ہو اور منتہی بھی وہی ہو اور ایسے قبلہ کے لیے اول ہی درجہ کا نبی اور اول ہی درجہ کی امت چاہیے کہ جو کمالات یزدانی اور عنایات ربانی کا مبدأ ومنتہی ہو اور ایسا نبی سوائے خاتم النبیین محمد رسول ﷺ کے اور ایسی امت سوائے امت محمدیہ کے اور کوئی نہیں جو کمالات علمیہ یعنی علوم ومعارف ہیں اور کمالات عملیہ یعنی عبدیت اور عبودیت میں سب سے اول ہے اور کمالات عبودیت اس پر ختم ہیں لہٰذا ایسے نبی اور ایسی امت کا قبلہ بھی وہ جگہ ہونی چاہیے کہ جو انوار ربانی اور تجلیات یزدانی کا مبدأ اور منتہی اور مرکزی نقطہ ہو۔

③ **بیت اللہ شریف:** اس خاص بیت اللہ کا نام اس وقت تک ہے جب تک وہ اس خاص مکان اور خاص جَوّ (خلاء) کے ساتھ مقید رہے چنانچہ اگر اس کے پتھروں کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیں تو وہ بیت اللہ نہیں ممکن ہے کہ کوئی یہ خیال کرے کہ بیت اللہ ایک کوٹھا ہے جب اس کو منہدم کر دیا جائے تو بس حج نہ ہوگا اس زمین کا نام بھی نہیں چنانچہ اگر تحت الثریٰ تک وہاں کی مٹی اُٹھا کر دوسری جگہ ڈال دی جائے تب بھی بیت اللہ موجود ہے پس بیت اللہ درحقیقت اس بعد مجرد کا نام ہے جو تحت الثریٰ سے عنان سماء تک ہے نہ وہ کوٹھا بیت اللہ ہے اور نہ وہ زمین بیت اللہ ہے چنانچہ اگر کوئی بیت اللہ شریف کے اوپر یا کسی مکان کے اوپر نماز پڑھے جو بیت اللہ سے بلند ہو تو اس کی نماز بلاشبہ درست ہے۔

④ یہاں سے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا جو بعض غیر قوموں نے کیا ہے کہ مسلمان بھی بت پرستی کرتے ہیں یعنی کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔

تقریر جواب:

ہم خانہ کعبہ کی عبادت اور پرستش نہیں کرتے اور نہ ہم خانہ کعبہ کو معبود اور مسجود سمجھتے ہیں ہم عبادت صرف خدا کی کرتے ہیں البتہ منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں چنانچہ لفظ استقبال کعبہ اور لفظ بت پرستی خود اس پر شاہد ہے۔ استقبال کے معنی صرف اس کی طرف منہ کرنے

کے ہیں اور بت پرستی کے معنی یہ ہیں کہ بت معبود ہیں ہاں اگر اہل اسلام کعبہ پرستی کے قائل ہوتے تو اعتراض بجا تھا۔ دوم یہ کہ اہل اسلام کے نزدیک نماز کے صحیح ہونے کے لیے فقط کعبہ کی طرف منہ ہو جانا کافی ہے استقبال کی نیت کی بھی ضرورت نہیں مقصود معبود ہے اس کی نیت ضروری ہے۔ جہت قبلہ اس کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کی نیت ضروری نہیں۔ معاذ اللہ اگر خانہ کعبہ کی عبادت ہوتی تو معبود کی نیت ضروری ہوتی۔ سوم یہ کہ نماز کے شروع سے لے کر اخیر تک کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو خانہ کعبہ کی تعظیم پر دلالت کرے شروع سے اخیر تک ہر لفظ اور ہر فعل حق تعالیٰ کی تعظیم اور کبریائی اور اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس ہی پر دلالت کرتا ہے اول سے اخیر تک خانہ کعبہ کا نام تک نہیں آیا اور بت پرستی میں ان پتھروں اور مورتوں کی تعظیم ہوتی ہے جن کو آپ مہادیو اور شب وغیرہ بتاتے ہیں غرض یہ کہ بت پرستی کو نماز سے کیا نسبت ؂

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

چہارم یہ کہ خانہ کعبہ ان اینٹوں اور پتھروں کا نام نہیں اور نہ انہدام کعبہ کے بعد نماز موقوف ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ میں خانہ کعبہ اور اس کی دیواریں منہدم ہوئیں نماز بدستور قدیم جاری رہی اگر دیوار کعبہ مسجود یا مقصد ہوتی تو اس زمانہ میں نماز موقوف رہتی بہت ہوتا تو یہ کہ بعد تعمیر ایام گزشتہ کی عبادت قضا کی جاتی اور بت پرستی میں ظاہر ہے کہ بت ہی معبود اور مسجود اور مقصود ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی شوالے یا مندر سے بتوں کو اٹھا کر کہیں اور رکھ دیں تو پھر سارے فرائض وہیں ادا ہوتے ہیں مکان اول کو کوئی نہیں پوچھتا ؂

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے اگر کعبہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو اس کے اوپر چڑھ کر نماز درست نہ ہوتی اسلیے کہ خانہ کعبہ اس کے سامنے نہیں نیز معبود پر چڑھنا گستاخی ہے۔ معترضین نے اپنے اوپر قیاس کیا ہوگا کہ وہ گائے اور بیل کو دیوتا اور معبود بھی سمجھتے ہیں پھر ان پر سوار بھی ہوتے ہیں سامان بھی لادتے ہیں اگر دیوتا جلدی جلدی نہیں چلتا تو پیچھے سے اس کے ڈنڈے بھی مارتے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

پنجم خانہ کعبہ کو اہل اسلام بیت اللہ کہتے ہیں۔ اللہ یا خدا نہیں کہتے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے اور وہاں جا کر جو آداب و نیاز بجالاتا ہے تو ہر شخص اس آداب و نیاز کو صاحب خانہ کے لیے سمجھتا ہے جیسے تخت کی طرف جھک کر سلام کرنا تو وہ سلام صاحب تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں ہوتا اور بت پرست اپنے بتوں کو خانۂ خدا یا تخت خدا نہیں سمجھتے بلکہ وہ بت خود مقصود اور معبود ہوتے ہیں اور ان کو مہادیو یا شب یا گنیش وغیرہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ کی تحریر کا خلاصہ ختم ہوا تفصیل کے لیے حضرات اہل علم قبلہ نما کی مراجعت فرمائیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى

تو کہہ اے اہل کتاب: کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے؟ اور اللہ کے روبرو ہے

مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جو کرتے ہو۔ تو کہہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو؟ اللہ کی راہ سے،

مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

ایمان لانے والے کو، ڈھونڈتے ہو اس میں عیب، اور تم خبر رکھتے ہو، اور اللہ بے خبر نہیں

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

تمہارے کام سے۔

ملامت اہل کتاب بر کفر و اغواء

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ ... الٰى ... وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہود کے شبہات کا جواب دے کر یہ ثابت کر دیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ دین ابراہیمی پر ہیں اور خانہ کعبہ ہی اول معبد اور بناء ابراہیمی ہے اب ان آیات میں اہل کتاب کو ملامت کی جاتی ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد تمہارا عجب حال ہے کہ خود بھی قبول حق سے محروم ہو اور دوسروں کو بھی راہ حق سے ہٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو اسلام میں جھوٹے اور فرضی شکوک نکال نکال کر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہو کہ اسلام سیدھا راستہ نہیں بلکہ ٹیڑھا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری ان سازشوں سے غافل نہیں چنانچہ فرماتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کی نشانیوں کے جن سے خانہ کعبہ کا قبلہ ابراہیمی ہونا اور نبی اکرم ﷺ کا ملت ابراہیمی پر ہونا خوب واضح اور روشن ہے اور تم کو یقین ہے کہ دین محمدی بالکل سچ ہے اور کعبہ قبلہ ابراہیمی ہے اور اس کا حج فرض ہے پھر اس علم اور یقین کے بعد تم کیوں انکار کرتے ہو اور اللہ گواہ ہے اس چیز پر جو تم کر رہے ہو لہٰذا حق کا چھپانا تم کو مفید نہ ہوگا اور آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں کوشش کرتے ہو اللہ کی راہ یعنی دین اسلام سے روکنے اور ہٹانے کی اس شخص کو جو ایمان لانے کا ارادہ کر چکا ہے تم اس راستہ میں کجی ڈھونڈتے ہو یعنی اس سیدھے راستہ میں فرضی شبہے نکال کر یہ بتانا چاہتے ہو کہ یہ راستہ کج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دین حق میں جھوٹ موٹ کے عیب نکالتے رہتے ہو تا کہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہو جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ یہ راستہ سیدھا نہیں حالانکہ تم خود گواہ ہو کہ دین اسلام اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ ہے پس اس میں عیب کہاں سے آیا۔ اور جو کام تم کرتے ہو۔ یعنی لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا اللہ اس سے غافل نہیں وہ ضرور تمہیں اس کی سزا دے گا پہلی آیت میں ان کا عمل کفر تھا جو ظاہر تھا اس

لیے پہلی آیت کو ﴿ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ پر ختم فرمایا۔ اور دوسری آیت میں ان کا عمل۔ مسلمانوں کو حیلہ اور مکر کے ذریعہ اسلام سے روکنا تھا جو مخفی اور پوشیدہ تھا اس لیے دوسری آیت کو ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ پر ختم فرمایا ہر آیت میں وہی الفاظ استعمال فرمائے جو ان کے عمل کے مناسب تھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اے ایمان والو! اگر تم مانو گے بعضے اہل کتاب کی بات

يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۰ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ

تو پھر کردیں گے تم کو ایمان لائے پیچھے منکر۔ اور تم کس طرح منکر ہو اور تم پر

تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ

پڑھی جاتی ہیں آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے، اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو

فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۰۱ ع ۱۰

وہ پہنچا سیدھی راہ پر۔

مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے دھوکہ میں نہ آنے کی نصیحت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا ... اِلٰى ... فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہ بیان تھا کہ اہل کتاب طرح طرح کے حیلوں اور مکاریوں سے مسلمانوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اب ان آیات میں مسلمانوں کو اس امر کی تفہیم اور فہمائش کی جاتی ہے کہ اہل کتاب کے دھوکہ میں نہ آئیں اور ان کی بات نہ مانیں ورنہ وہ تمہیں رفتہ رفتہ اسلام سے پھیر کر کافر بنادیں گے۔

شانِ نزول:

ان آیتوں کا شانِ نزل یہ ہے کہ شماس بن قیس یہودی جس کو مسلمانوں سے غایت درجہ حسد تھا ایک دن اس کا انصار کی ایک مجلس پر گذر ہوا جس میں انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے لوگ شیر وشکر ہوئے بیٹھے تھے اور آپس میں محبت اور اُنس کے ساتھ باتیں کررہے تھے حالانکہ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں میں غایت درجہ عداوت تھی اور ان دونوں قبیلوں میں جنگ عظیم ہوتی تھی۔ اسلام کی برکت سے وہ عداوت جاتی رہی تھی اور اب کوئی اس کا اثر باقی نہ رہا تھا اس یہودی کو مسلمانوں کا محبت اور اتفاق کے ساتھ ایک جگہ بیٹھنا سخت ناگوار گزرا آخر اس نے ان کے پاس بیٹھ کر وہ لڑائیاں یاد دلائیں جو زمانہ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں میں واقع ہوئی

تھیں۔ اوران لڑائیوں کے متعلق شعراء نے جو اشعار کہے تھے وہ بھی انہیں کچھ پڑھ کر سنائے اس سے ان دونوں قبیلوں کو ایسا جوش آیا کہ تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے۔ یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی آپؐ اسی وقت مع ان مہاجرین وانصار کے جو اس وقت آپ کی خدمت میں موجود تھے ان کی مجلس میں تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ کیا تم لوگ پھر جاہلیت کی باتوں کی طرف جاتے ہو حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور خدا تعالیٰ نے تم کو اسلام سے عزت عطا فرمائی اور تمہارے دلوں میں الفت عطا فرمائی آپ کے اس ارشاد کے بعد سب اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور ایک دوسرے سے گلے ملے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اے مسلمانو! تم اہل کتاب کا کہنا نہ مانو اگر تم بعض اہل کتاب کی بات مانو گے تو یہ تم کو ایمان کے کے بعد کافر بنا کر چھوڑیں گے کیونکہ حسد رکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ جیسے خود کافر ہیں ایسے ہی تم بھی کافر ہو جاؤ اور تم کیسے کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں خدا کا پیغمبر موجود ہے کہ جو تم کو وعظ ونصیحت کرتے رہتے ہیں اور تمہارے شبہوں کو زائل کرتے رہتے ہیں جس کے بعد غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو یعنی اللہ کی کتاب کو اور اس کے رسول کی تلقین اور ہدایت کو اور اس پر عمل کرے پس تحقیق رہنمائی کی گئی اس کی سیدھی راہ کی طرف کہ اب اس کو شبہات سیدھے راستہ سے نہ ہٹا سکیں گے۔

فائدہ: آیت ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ ﴾ (البقرہ:۲۸) میں کفر سے عام معنی مراد ہیں جو کفر اعتقادی اور کفر عملی دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ مسلمانوں کی نااتفاقی اور باہمی قتال وجدال عملی کفر ہے کیونکہ نااتفاقی مسلمان کو کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے اور قاعدہ عقلیہ ہے القریب من الشیٔ یأخذ حکمہ کہ جو جس سے قریب ہوا اسی کا حکم لے لیتا ہے قرآن کریم محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے اور محاورہ میں جو شخص جس قوم کے افعال کرتا ہے اس پر اسی قوم کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کمینہ حرکت کرنے والے کو کہتے ہیں کہ تُو تو چمار ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ تُو تو گدھا ہے یعنی تیری یہ حرکت چمار اور گدھے جیسی ہے تنفیر (یعنی نفرت دلانے کے لیے یہ عنوان اختیار کیا گیا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ شخص حقیقۃً چمار ہو گیا بلکہ مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ عملاً چمار اور گدھا ہو گیا اسی طرح یہاں مراد یہ ہے کہ قتال وجدال کرنے والا عملاً کافر ہے گو اعتقاداً مومن ہے۔ پس جیسا کہ چمار اور حمار کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی چمار جس کی ذات ہی چمار ہو ایک عملی چمار جو چماروں جیسے کام کرے۔

اسی طرح کافر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی کافر جو اعتقادی طور پر کفر کا مرتکب ہو دوسرے عملی کافر جو کافروں جیسا عمل کرتا ہو یہ تقسیم محاورات کے بالکل موافق ہے کوئی دقیق بات نہیں مگر معتزلہ اور خوارج نے اس محاورہ کو نہیں سمجھا اور کفر کو حقیقی معنی پر محمول کر کے حکم لگا دیا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب حقیقۃً کفر ہے یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے حقیقۃً ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہیے اس سے ڈرنا اور نہ مریو مگر

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا

مسلمان۔ اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو اور یاد کرو

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم آپس میں دشمن، پھر الفت دی تمہارے دلوں میں،

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ

اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی، اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے،

فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

پھر تم کو اس سے خلاص کیا، اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر نشانیاں اپنی شاید تم

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ

راہ پاؤ۔ اور چاہیے کہ رہیں تم میں ، ایک جماعت بلاتے نیک کام پر اور حکم کرتے

بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

پسند بات کو اور منع کرتے ناپسند کو، اور وہی پہنچے مراد کو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اور مت ہو ان کی طرح جو پھوٹ گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو حکم

الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ لا يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ

صاف اور ان کو بڑا عذاب ہے۔ جس دن سفید ہوں گے بعضے منہ

وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ قف اَكَفَرْتُمْ

اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ، سو وہ جو سیاہ ہوئے منہ ان کے، آیا تم کافر ہو گئے

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اَمَّا

ایمان میں آ کر اب چکھو عذاب بدلہ اس کفر کرنے کا۔ اور وہ

الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

جو سفید ہوئے منہ ان کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی ، وہ اس میں رہ پڑے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

یہ حکم ہیں اللہ کے ، ہم سناتے ہیں تجھ کو تحقیق اور اللہ ظلم نہیں چاہتا

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ

جہان والوں پر۔ اور اللہ کا مال ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں، اور اللہ تک

ع ۱۱/۸/۲ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

رجوع ہے ہر کام کی۔

مسلمانوں کو تقویٰ اور اتباع شریعت پر متفق رہنے کی تاکید اور پچھلی امتوں کی طرح افتراق اور اختلاف کی ممانعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ . . . الٰی . . . وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع﴾

ربط: گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے باہمی قتال وشقاق کو ﴿ تَكْفُرُوْنَ ﴾ یعنی کفر سے تعبیر فرمایا اب آئندہ آیت میں تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ یعنی اتفاق اور اتحاد اور اسلامی مواخات کا حکم دیتے ہیں اور اتفاق اور اتحاد کا ایک دستور العمل بتلاتے ہیں وہ یہ کہ اول تقویٰ اور اسلام پر مداومت اور استقامت کا حکم دیا پھر اعتصام بحبل اللہ کا حکم فرمایا کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو پھر یہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ . . . الخ ﴾ (المائدہ:۷) جس میں حکم دیا کہ اتفاق اور اتحاد کی نعمت کو یاد کرو اور اس نعمت کو اور اس کی برکات کو یاد کر کے موازنہ کرو کہ پہلے تمہاری کیا حالت تھی اور اب کیا حالت ہے اور باہمی شقاق اور قتال میں کیا کیا مصیبتیں اور ذلتیں اٹھائیں اور اسلام کی بدولت جو تم کو اتفاق کی نعمت ملی اس میں تم کو کیا کیا راحتیں اور عزتیں ملیں چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسے چاہیے اس سے ڈرنا، جتنا تم سے ممکن ہو اس میں کوتاہی نہ کرو اور دشمنوں کے ورغلانے سے حسد اور فخر میں مت پڑو اور حاسدوں کے یاد دلانے سے گزشتہ عداوتوں کا خیال کر کے اسلامی اخوت اور مودت اور ایمانی محبت والفت کو مکدر نہ کرو اور سوائے اسلام کے اور کسی حالت پر ہرگز جان نہ دینا یعنی مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا۔ اسلام دین اور دنیا کی نعمتوں کا سرچشمہ ہے اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو۔ یعنی قرآن کریم اور دین اسلام اور شریعت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو جس طرح رسی کو پکڑ لینا اوپر سے گرنے سے بچاتا ہے اور نیچے سے اوپر تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اسی طرح قرآن کریم اور دین اسلام کو مضبوط پکڑنا بندہ کو خدا تک پہنچاتا ہے اور آگ میں گرنے سے بچاتا ہے اور خدا کی رسی اس قدر مضبوط ہے کہ ٹوٹ تو نہیں سکتی لا انفصام لہا۔ البتہ غفلت کی بنا پر ہاتھ سے چھوٹ سکتی ہے۔ غرض یہ کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو، اور متفرق اور پراگندہ مت ہو یعنی خدا کی رسی پکڑنے والوں سے کبھی جدا اور

علیحدہ نہ ہونا بلکہ ہمیشہ اُن کے ساتھ رہنا تاکہ تم بھی ان کے ساتھ مل کر خدا تک پہنچ جاؤ جو شخص خدا کی رسّی کو چھوڑ دے گا وہ اوپر سے نیچے گرے گا اور خدا کی رسی پکڑنے والے اوپر پہنچ جائیں گے اور چھوڑنے والا ہلاکت اور ذلت اور حسرت کے گڑھے میں ہوگا اور یاد کرو تم اللہ کے اس انعام اور احسان کو جو تم پر مبذول ہوا کہ جب تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے اور باہم برسرپیکار تھے پھر خدا نے تم کو اسلام کی توفیق دے کر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس ہو گئے تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی اور برسوں کی عداوت مبدل بالفت ہو گئی یہ تو دنیوی نعمت ہوئی اب آئندہ آیت میں اخروی نعمت کا ذکر فرماتے ہیں اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے کہ جہنم میں جانے کے لیے صرف مرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو محمد ﷺ کے ذریعہ سے بچا لیا یہ دینی اور اخروی نعمت ہوئی کہ تم شرک اور بت پرستی اور گندے عقائد اور اعمال کی وجہ سے دوزخ کے کنارہ پر آ لگے تھے اس میں گرنے کے لیے صرف مرنے کی دیر تھی اگر تم اس وقت مر جاتے تو سوائے دوزخ کے کوئی ٹھکانہ نہ تھا ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی کہ تمہیں اسلام کی توفیق دے کر دوزخ کے گڑھے سے بچا لیا پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے ان کی قدر کرو اور شکر کرو اور شکر وہی ہے کہ حبل اللہ کو مضبوط پکڑے رہو اور یہود کے اغواء سے اسلام کو نہ چھوڑو جس کی برکت سے تم کو یہ نعمتیں ملی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم سیدھے راستہ پر چلتے رہو اور گمراہی کے گڑھے میں نہ گرو۔ اور جس طرح تم خدا کی رحمت سے گمراہی کے گڑھے سے نکل گئے ہو اسی طرح تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے کہ جو اپنے بھائیوں کو آگ کے گڑھے سے نکالنے کی کوشش کرے جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کی ہدایت کریں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور ایسے ہی لوگ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں مراد کو پہنچنے والے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے وہ سراسر نقصان اور خسارہ میں ہیں معروف وہ ہے جسکو شریعت اور کتاب وسنت پہچانتی ہو اور منکر وہ ہے جس کو شریعت کا علم نہ جانتا ہو کہ یہ کیا بلا ہے۔

فائدہ: گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے دو عیب بیان فرمائے: ﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ ﴾ اے اہل کتاب تم خود کیوں کفر کرتے ہو۔ دوم یہ کہ تم دوسروں کو کافر بنانے کی کیوں کوشش کرتے ہو۔ کما قال تعالیٰ: ﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... الخ ﴾ اہل کتاب کے ان دونوں عیبوں کے بیان کرنے کے بعد اس کے بالمقابل حق تعالیٰ مسلمانوں کو دو باتوں کا حکم دیتے ہیں اول یہ کہ تم خود تقویٰ اور اسلام پر قائم رہو دوم یہ کہ دوسروں کو خیر اور نیکی کی دعوت دو اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرو اور ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو جو حق سے جدا ہو گئے اور اللہ کی رسی کو چھوڑ کر بہتر ۷۲ فرقے بن گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ اُن کے پاس اللہ کی طرف سے صریح اور واضح احکام آچکے تھے یعنی خدا کی صریح آیتیں اور واضح ہدایتیں آ جانے کے بعد اپنی نفسانی خواہشوں سے دین میں اختلاف ڈالا اور مختلف فرقے بن گئے جاننا چاہیے کہ تفرق اور اختلاف وہ ممنوع اور منہی عنہ ہے جو شریعت کے ایسے صریح احکام میں جن میں کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو ان میں اختلاف کرنے لگو اور اُس اختلاف کا منشا محض نفسانیت ہو ایسا اختلاف بلا شبہ ممنوع ہے البتہ جو امور اجتہادی ہوں اور شریعت میں ان کا حکم صاف اور صریح نہ ہو اور ادلۂ شرعیہ بظاہر باہم متعارض معلوم ہوتی ہوں تو ایسے امور میں تحقیق حق کے لیے اختلاف کرنا ممنوع اور منہی عنہ نہیں بلکہ عین رحمت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر تابعین اور ائمۂ مجتہدین کا کوئی اختلاف شریعت کے کسی صریح اور واضح حکم میں نہیں بلکہ وہ اجتہادی مسائل میں ہے جو ان میں سے صواب کو پہنچا اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس سے کوئی اجتہادی خطا ہوئی اس کے لیے ایک اجر ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف صحابہ وتابعین پر مستقل کتاب لکھی

ہے اس کو دیکھ لیا جائے اور ایسے لوگوں کے لیے جو آیات بینات اور احکام واضحات کے آجانے کے بعد تفریق اور اختلاف کریں بڑا عذاب ہے اس لیے کہ آیات بینات کے بعد اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ صریح اور واضح حکم پر اتفاق واجب اور لازم ہے تاویل کا محل آیات متشابہات ہیں یعنی جو آیات محتمل الدلالت ہیں ان میں تاویل اور توجیہ کی گنجائش ہے۔ اور جو آیات محکمات ہیں یعنی واضح الدلالۃ ہیں اور ان کی مراد واضح ہے ان میں تاویل نہیں چلتی اس روز یعنی قیامت کے دن بعضے چہرے سفید اور روشن ہوں گے جنہوں نے دنیا میں نور حق کا اتباع کیا ہوگا اور دلائل اور براہین کی روشنی میں چلے ہوں گے اور بعضے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں باطل کی ظلمتوں اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا ہوگا ہر ایک کو اس کے حال کے مناسب جزا ملے گی پس جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے بطور ملامت یہ کہا جائے گا کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ یعنی آیات محکمات اور آیات بینات میں طرح طرح کی تاویلیں کی اور دین میں تفرقہ برپا کیا۔ بدعت چونکہ مظلم اور تاریک ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہے اس لیے اس ظلمت کے اتباع کرنے والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے بدعت کی باطنی ظلمت اور سیاہی آنکھوں سے دکھلا دی جائے گی۔

ایک شُبہ اور اس کا ازالہ:

شبہ یہ ہے کہ ایمان کے بعد کفر کرنے کا کیا مطلب ہے حالانکہ ان میں بعضے اصلی کافر بھی ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر نہیں ہوئے۔

جواب: علماء تفسیر نے اس شبہ کے مختلف جواب ذکر فرمائے ہیں بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے بارہ میں نازل ہوئی اور معنی یہ ہیں کہ منہ سے کلمہ اسلام کا پڑھتے ہیں اور عقیدہ اسلام کے خلاف رکھتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ دعویٰ تو ایمان کا ہے اور عمل اس کے خلاف ہے۔ دعویٰ تو اتباع سنّت کا ہے مگر مبتلا بدعتوں میں ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ایمان سے وہ ایمان مراد ہے جو عہد الست کے وقت لوگوں سے ربوبیت کا اقرار لیا گیا۔ بعد میں بعض اُس عہد پر قائم رہے اور بعض منحرف ہو گئے لہٰذا جو شخص بھی دنیا میں کفر کرتا ہے وہ اس ایمان کے بعد ہی کرتا ہے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارہ میں ہے کہ قبل از بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار کرتے تھے مگر بعثت کے بعد آپ کی رسالت کے منکر ہو گئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مرتدین کے حق میں ہے کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے اور حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور علی حسب المراتب سب کفر کرنے والوں کو شامل ہے۔ قیامت کے دن تمام کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے کسی خاص کافر کی تخصیص نہیں۔

کما قال تعالیٰ: ﴿وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝﴾ (العبس)

کما قال تعالیٰ: ﴿وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ﴾ (الزمر:۶۰)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اُن تمام لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے سو جاننا چاہیے کہ سب کافر اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہیں کوئی کافر ایسا نہیں جو اللہ پر جھوٹ نہ بولتا ہو اس لیے کہ ہر کافر اپنے دین باطل کو دین الٰہی جانتا ہے اور جو شخص سرے ہی سے خدا تعالیٰ کے وجود کا منکر ہے وہ بھی اللہ پر جھوٹ بولتا ہے کہ اس کے بارہ میں ایک غلط اور جھوٹا اعتقاد رکھتا ہے۔

اور اگر آیت میں کفر سے عام معنی مراد لیے جائیں کہ کفر اعتقادی ہو یا عملی تو پھر اس آیت کے عموم میں اہل بدعت اور اہلِ ہویٰ مثل خوارج اور روافض وغیرہ بھی داخل ہو جائیں گے جیسا کہ امام رازی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ

﴿ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ ﴾ سے اس امت کے اہل بدعت اور اہل اہواء مراد ہیں۔ (تفسیر کبیرص ۲۳ ج ۳)

اور رافضی اور خارجی سب اس کے عموم میں داخل ہیں جو راہ سنّت کو چھوڑ کر راہ بدعت پر ہوئے پس چکھو تم عذاب کو بسبب اس کے کہ تم کفر میں اعتقاداً یا عملاً مبتلا ہوا اور وہ لوگ جن کے چہرے قیامت کے دن سفید اور روشن ہوں گے یعنی اہل سنّت والجماعت جنہوں نے اللہ کی رسی کو اسی طرح مضبوطی کے ساتھ پکڑا جس طرح اللہ کے نبی نے بتلایا اور جس طرح صحابہ کرام کی جماعت نے اس رسی کو پکڑا تھا کیونکہ یہی راہ نور مبین اور مشعل ہدایت ہے اس لیے اس کے پیروؤں کے چہرے قیامت کے دن سفید اور روشن ہوں گے ایسے لوگ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ رحمت یعنی جنت میں داخل ہونا یہ بھی نعمت ہے اور اس رحمت میں خلود اور دوام یہ دوسری نعمت ہے اس لیے دونوں نعمتوں کو الگ الگ ذکر کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قیامت کے دن جن کے چہرے روشن اور سفید ہوں گے وہ اہل سنّت والجماعت کے چہرے ہوں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ﴿ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یوم القیامة حین تبیض وجوہ اھل السنّة والجماعة و تسود وجوہ اھل البدعة والفرقة قالہ ابن عباس رضی اللہ عنھما۔ (تفسیر ابن کثیرص ۳۹۰ ج ۱)

جس درجہ شریعت کے متبع ہوں گے اسی درجہ کا چہرہ پُرنور ہوگا یہ اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی قرآن اور اسلام اور آپ کی نبوت کی حقانیت کے دلائل ہیں جن کو ہم آپ کے سامنے پڑھ کر سناتے ہیں حق کے ساتھ یعنی ان کا مضمون بالکل حق ہے جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں اب جو ان دلائل کو نہ مانے اور آپ کی نبوت کا قائل نہ ہو تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے اور اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا یعنی ہم نے کافروں اور حق سے تفرق اور اختلاف کرنے والوں کے لیے جو عذاب تیار کیا ہے وہ ظلم نہیں بلکہ وہ ان کے اعمال قبیحہ کی سزا ہے ہم تو ان پر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہماری رحمت میں داخل ہونا ہی نہیں چاہتے اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے یہ خدا تعالیٰ نے اپنے ظلم کے ارادہ نہ کرنے کی وجہ بیان فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ ظلم تو غیر کی ملک میں تصرف کرنے کا نام ہے اور عالم وجود میں کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی مخلوق اور مملوک نہ ہو پھر خدا ظلم کا ارادہ کیسے کرسکتا ہے ہاں تمام چیزوں کا اس کی ملک ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ وہ اپنی مملوک چیز میں جو چاہے تصرف کرے وہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور بالآخر تمام امور اللہ ہی کی طرف رجوع ہوں گے یعنی مخلوق کی ابتداء بھی اسی سے ہوئی کہ ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کی ملک ہے اور اسی پر سب کی انتہاء ہے کہ سب اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بمقتضائے حکمت و رحمت ہر کام کی جزاء اور اجر اس کے مناسب دے گا۔ معاذ اللہ۔ خدا تعالیٰ ظالم نہیں۔ حکیم مطلق ہے اس کا کوئی کام ظلم نہیں بلکہ عین حکمت اور عین عدل اور عین رحمت ہے۔

لطائف و معارف

① اسلام سے مقصود یہ ہے کہ حق جل شانہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور اس کی ناراضی اور عذاب سے نجات مل جائے مگر آج کل کے عقلمند اسلام کی طرف محض قومیت کے خیال سے توجہ کرتے ہیں غرض صرف اس قدر ہے کہ ہماری ایک قوم بن جائے اور ہمارے اندر اس سے ایک اتفاق کی شان پیدا ہو جائے۔ دین مقصود نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں دینی اور مذہبی رنگ نہیں ورنہ اگر یہ جذبہ مذہب کے لحاظ سے ہوتا تو مذہبی اور دینی رنگ بھی ان میں ضرور پیدا ہوتا۔ (کذافی تسہیل المواعظ ص ۵ ج ۲) جیسے اس زمانہ کی دوسری

قومیں اپنے مذہب کے ذریعہ اپنی جماعت تیار کر رہے ہیں یہ بھی انہیں کے قدم بقدم چلتے ہیں اور اسلام کے نام پر قوم تیار کرنا چاہتے ہیں جس کی بڑی علامت یہ ہے کہ ان لوگوں کو احکام شریعت سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ آخرت کی فکر ہے۔ (کذا فی تسہیل المواعظ ص ٦ ج ٢)

② جاننا چاہیے کہ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ﴾ میں جس اتفاق کا حکم دیا گیا ہے اس سے حق پر متفق ہونا مراد ہے اور ﴿لَا تَفَرَّقُوْا﴾ میں جس تفرق کی ممانعت کی گئی ہے اس سے تفرق عن الحق مراد ہے یعنی حق سے جدا مت ہونا چوروں اور اوباشوں میں بھی اتفاق ہوتا ہے۔ مگر وہ مطلوب نہیں حضرات انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئے باطل پرست ان کی جان کے دشمن ہو گئے اور ہر جگہ دو دو مذہب اور دو دو فریق بن گئے کیا کوئی متنفس یہ کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے نااتفاقی پھیلائی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام تو اتفاق ہی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے مگر مقصود یہ تھا کہ باطل کو چھوڑ کر حق کے ساتھ متفق ہو جائیں مگر لوگوں نے معاملہ برعکس کیا ہر حکومت اتفاق کو فرض اور لازم سمجھتی ہے لیکن اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ قانون حکومت کے ساتھ اتفاق کرو۔ قانون کے خلاف نہ کرو عدالتوں کا قیام اسی لیے ہے کہ اہل حق کا حق دلایا جائے اور ظالموں کو سزا دی جائے تفرقہ کا مجرم وہ شخص ہے جو قانون حکومت کے خلاف کرے اور جو شخص قانون حکومت کے مطابق چل رہا ہو اس کو نااتفاقی کا مرتکب نہیں کہا جا سکتا۔ عدالت میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے میرے مال یا آبرو پر یہ زیادتی کی ہے تو جج کو یہ حق نہیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں کو یہ کہہ کر عدالت سے باہر نکال دے کہ تم دونوں ملک میں تفرقہ پھیلاتے ہو یا دونوں کی زبان بندی کا حکم دیدے عدالت اگر ایسا حکم دیدے تو یہ عدل نہ ہوگا خیر سے اگر عدالت کا جج کوئی مصلح قوم اور لیڈر بھی ہو تو بحیثیت جج ہونے کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارا دعویٰ نہیں سنتا جاؤ اختلاف نہ کرو متفق ہو کر رہو۔ تم لوگ میرا دماغ پریشان کرنے آئے ہو اس لیے میں تمہارا مقدمہ خارج کرتا ہوں۔ اسی طرح علماء کو سمجھو کہ وہ وکلاء کی طرح قانون شریعت کی صحیح تشریح کرتے ہیں اور ملحدین اور بے دین قانون شریعت میں ایسی تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں جس سے قانون شریعت ان کی خواہشوں اور غرضوں کے مطابق بن جائے۔ علماء دین جب ان ملحدین کے ردّ اور جواب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت سے بے عقل یہ کہتے ہیں کہ علماء تفرقہ اور نااتفاقی پھیلاتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ جو شخص قانون حکومت کے ایسے عجیب وغریب معنی بیان کرے جو اب تک وزراء اور حکام اور وکلاء نے نہ سمجھے ہوں ایسا شخص حکومت کی نظر میں چالاک اور عیار ہے اور مجرم ہے اور جو شخص قانون کا وہ مطلب بیان کرے کہ جس معنی کی بناء پر عدالتوں کے ججوں نے فیصلے کئے ہیں وہ شخص نااتفاقی اور تفرقہ کا مجرم نہیں بلکہ وہ حق کے ساتھ متفق ہے۔

③ آیت میں جو تفرق اور اختلاف کی مذمت اور ممانعت ہے اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو دین کے صریح اور واضح احکام میں محض نفسانیت کی بناء پر ہو اور اگر غیر منصوص اور ظنی مسائل میں محض تحقیق حق یعنی حق تلاش کرنے کے لیے ہو تو ایسا اختلاف مسلمانوں کے لیے رحمت ہے۔ حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں بہتر ۷۲ فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے جو سوائے ایک فرقہ کے سب کے سب جہنمی ہوں گے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون سا فرقہ ہوگا جو دوزخ سے محفوظ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما انا علیه و اصحابی۔ وہ فرقۂ ناجیہ وہ فرقہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا۔

اہل سنت والجماعت کو اہل سنت والجماعت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور طریقہ پر ہے اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر بھی ہے۔ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اور طریقہ اللہ کے راستہ اور طریقہ سے جدا نہیں اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا

راستہ اور طریقہ نبی کریم ﷺ کے راستہ اور طریقہ سے جدا نہیں صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو اللہ نے قائم کیا اور اللہ کی ہدایت کے مطابق نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اس پر چلے۔

④ فرقۂ ناجیہ کے علاوہ مخالف فرقوں کی بڑی قسمیں یہ ہیں: (۱) خوارج (۲) روافض (۳) قدریہ (۴) جہمیہ (۵) مرجیہ (۶) جبریہ۔ پھر ان میں سے ہر ایک فرقہ کی شاخیں ہیں۔ جو سب مل کر ۷۲ بہتر ہوتی ہیں اور یہ تمام فرقے اور ان کی شاخیں سب فرق باطلہ میں داخل ہیں۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: قال ابو الفرج الجوزی نان قیل هذه الفرق معروفة (فالجواب) انا نعرف الافتراق واصول الفرق وان كل طائفة من الفرق انقسمت الى فرق و ان لم نحط باسماء تلك الفرق و مذاهبها فقد ظهر لنا من اصول الفرق. الحرورية القدرية والجهمية والمرجئة والرافضة والجبرية و قال بعض اهل العلم اصل الفرق الضالة هٰذه الفرق السّت و قد انقسمت كل فرقة منها اثنتي عشرة فرقة وضارت اثنتين و سبعين فرقة. (تفسير قرطبي ص١٦٠ ج٤)

اس کے بعد امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام بہتر ۷۲ فرقوں کی تفصیل فرمائی حضرات اہل علم تفسیر قرطبی کی مراجعت فرمائیں۔

⑤ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے کہ ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کی باتوں کا تقیّد رکھنے کو تا کہ دین کے خلاف کوئی نہ کرے اور جو اس کام پر قائم رہے وہی کامیاب ہیں اور یہ (طریقہ) کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے۔ موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود یہ راہ مسلمانی کی نہیں (منہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کسی جمہوری اور متمدن حکومت میں یہ آزادی نہیں کہ لوگ قانون حکومت کے پابند اور مقید نہ رہیں اور جس کا جو جی چاہے وہ کر لیا کرے اسی طرح اللہ کے قانون میں یہ آزادی نہیں کہ جس حکم پر چاہے عمل کرو اور چاہے نہ کرو۔ عجیب بات ہے کہ مجازی حکومت کے احکام کی پابندی تو لازم ہو اور بندہ پر اپنے خدا کے احکام کی پابندی اور ان کی تبلیغ ضروری نہ ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو پیدا ہوئے لوگوں میں حکم کرتے ہو پسند بات پر اور منع کرتے ہو

عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا

ناپسند سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ اور اگر ایمان میں آتے اہل کتاب تو ان کو بہتر

لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ

تھا۔ کوئی ہیں ان میں ایمان پر، اور اکثر وہ بے حکم ہیں۔ وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے،

اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

مگر ستانا، اور اگر تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھ دیں گے۔ پھر ان کو مدد نہ ہو گی۔

ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبۡلٍ

ماری گئی ہے ان پر ذلت جہاں دیکھئے سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز

مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ ؕ

لوگوں کے اور کما لائے غصہ اللہ کا اور ماری ہے ان پر محتاجی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ

یہ اس واسطے کہ وہ رہے ہیں منکر اللہ کی آیتوں سے اور مارتے رہے نبیوں کو

حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّ كَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ

ناحق۔ یہ اس سے کہ وہ بے حکم ہیں اور حد سے بڑھتے ہیں۔ وہ سب برابر نہیں، اہل کتاب

الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَ هُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر، پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی، راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں۔

يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ يَنۡهَوۡنَ

یقین لاتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر، اور حکم کرتے ہیں پسند بات کو اور منع کرتے ہیں

عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾

ناپسند سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہ لوگ نیک بختوں میں ہیں۔

وَ مَا يَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلَنۡ يُّكۡفَرُوۡهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾

اور جو کریں گے نیک کام، سو ناقبول نہ ہو گا اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ

اور وہ لوگ جو منکر ہیں، ان کو کام نہ آویں گے، ان کے مال، اور نہ اولاد

اللّٰهِ شَيۡـئًا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا

اللہ کے آگے کچھ اور وہ دوزخ کے لوگ ہیں، وہ اس میں رہ پڑے۔ جو کچھ

يُنفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ

خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں اس کی مثال، جیسے ایک باؤ (ہوا) اس میں پالا (سردی)

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ

وہ مار گئی کھیتی ایک لوگوں کی جنہوں نے اپنے حق میں برا کیا تھا پھر اس کو نابود کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، پر

أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾

اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

بیان خیریت اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف

صلاۃ والف الف تحیۃ

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ... الىٰ ... وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اسی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے یہ امت تمام امتوں سے بہتر ہے اور قوت علمیہ اور قوت عملیہ میں کامل اور مکمل ہے چنانچہ ﴿تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اور ﴿تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ میں قوت عملیہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے اور ﴿تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ میں قوت نظریہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت (کے سر) پر ہے اور حدیث میں ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی اسی وجہ سے تمام امت کا اتفاق ہے کہ اس امت کے علماء کا اجماع حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اجماع کو عصمت عن الخطأ کا درجہ عطا فرمایا ہے علماء ربانیین فرداً فرداً تو معصوم نہیں۔ مگر اُن کا اجماع معصوم عن الخطأ ہے ہر عالم ربانی علم میں انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث ہے مگر عصمت نبوی کی وراثت اجماع کو ملی افراد کو اس میراث سے حصہ نہیں ملا۔ یا یوں کہو کہ شروع آل عمران میں نصرانیت کا ابطال اور اسلام کی حقانیت بیان فرمائی اور پھر ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ... الخ﴾ میں نبی اکرم ﷺ کا امام الانبیاء اور سید الرسل ہونا بیان کیا اور پھر ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ ... الخ﴾ میں اس امت کے قبلہ کی افضلیت اور برتری بیان کی گئی اور پھر ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾ میں اس امت کی کتاب اور شریعت کی برتری اور مضبوطی بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی غایت درجہ مضبوط رسی ہے جس میں ٹوٹنے کا امکان نہیں البتہ غفلت کی بناء پر ہاتھ سے چھوٹ جانے کا امکان ہے اب اخیر میں اس امت مرحومہ کی افضلیت اور برتری کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ یہ امت تمام امتوں سے افضل اور اکمل ہے اور اگر اہل کتاب اس آخری کتاب اور آخری شریعت پر ایمان لے آئیں تو وہ بھی خیر الامم میں شامل ہو سکتے ہیں مگر افسوس کہ ان میں سے سوائے چند افراد کے اکثر نافرمان ہیں

صرف عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور نجاشی رحمۃ اللہ علیہ شاہ حبشہ جیسے سلیم الطبع چند افراد نے حق کو قبول کیا اور خیر الامم میں داخل ہوئے اور باقی اپنے تمرد اور عناد پر قائم رہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! تم سب امتوں سے بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے عدم سے وجود میں نکالی گئی ہے اور تمہارے بہترین امت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم نیک کاموں کی ہدایت کرتے ہو جو شریعت کے نزدیک جانے پہچانے اور مستحسن ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہو جو شریعت میں منکر یعنی ناپسندیدہ ہیں اور شریعت ان سے بیگانہ ہے اور تم اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتے ہو یعنی امت محمدیہ کو تمام امتوں پر جو شرف اور فضیلت حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت اس صفت میں تمام امتوں سے ممتاز ہے توحید اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم اور فواحش اور منکرات سے زجر و توبیخ کا جو اہتمام بلیغ اس امّت میں ہوا امم سابقہ میں اس کی نظیر تو کیا اس کا عشر عشیر بھی نہیں کفر کا فتنہ دفع کرنے کے لیے اس امت میں جہاد شروع ہوا اور فواحش اور منکرات کے سد باب کے لیے حدود اور تعزیرات جاری کی گئیں اور اسی طرح ایمان باللہ میں بھی یہ امت تمام امتوں سے ممتاز ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے اعتقاد کے بارہ میں غایت درجہ متوسط اور معتدل ہے اس امت کا ایمان تشبیہ و تمثیل کے فرث (گوبر) اور دم تعطیل کے درمیان لبن خالص کی طرح ہے یہود و نصاریٰ کا ایمان دنیا کے سامنے ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور مخلوق کی صفات خالق کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ ﴿سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ﴾ (النساء:۱۷۱) اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اس نبی برحق کی تصدیق کرتے جس کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں تو بلاشبہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اس لیے کہ مسلمان ہو جانے سے وہ بھی خیر الامم یعنی بہترین امت ہونے میں مسلمانوں کے شریک ہو جاتے اور من جانب اللہ ان کو دھرا اجر ملتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اُولٰٓىِٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ﴾ (القصص:۵۴) لیکن ان کی تو کیفیت یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایمان دار ہیں اور اکثر ان میں بدکار ہیں۔ اور اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اور ہر وقت مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کی فکر میں ہیں اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے ایک پیش گوئی فرماتے ہیں اے مسلمانو! یہ اہل کتاب تمہیں سوائے زبانی ایذاء رسانی کے اور کسی قسم کا تم کو ہرگز ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ کتنی بڑی کوشش کریں مگر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر وہ زبان درازی سے زیادہ کچھ ہمت کر کے تم سے لڑیں گے تو تمہارے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر شکست کے بعد کہیں سے بھی ان کی مدد نہ ہوگی یعنی مقابلہ میں اُن کو کبھی فتح نہ ہوگی۔ یہ یہود کے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی ہے جو بحمد اللہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ جب کبھی یہود اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی یہود پشت پھیر کر بھاگے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی اُن کو فتح نصیب نہیں ہوئی۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان پر ذلت اور خواری کی مہر لگا دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے ذلیل و خوار ہوں گے مگر اللہ کے عہد و پیمان یا لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعے ذلت و خواری سے کچھ پناہ مل سکے گی لوگوں کے عہد و پیمان سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ یا صلح کریں یا مسلمانوں سے امن طلب کریں یا مسلمانوں کی رعیت بن کر رہیں اور جزیہ قبول کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آ جائیں تو اس وقت ان کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوگا بلکہ رعایا اور ذمی ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

فائدہ: یہ معنی تو ﴿حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ کے ہوئے اور ﴿حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ کے معنی بعض علماء کے نزدیک تو وہی ہیں جو ﴿حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ کے معنی بیان کیے گئے یعنی ﴿حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور ﴿حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ دونوں سے ایک ہی شے مراد ہے اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض علماء کے نزدیک ﴿حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور ﴿حَبْلٍ مِّنَ النَّاس﴾ سے علیحدہ علیحدہ شے مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ

﴿حَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ سے اسلام یعنی مسلمان ہو جانا مراد ہے یعنی ذلت سے بچنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اسلام لے آئیں اور اسلام لا کر اس ذلت سے بچ جائیں اگرچہ وہ اسلام ظاہری طور پر ہو اور دوسرا طریقہ ذلت سے نکلنے کا یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کر کے اپنی جان و مال کی حفاظت کر لیں اور بعض علماء کے نزدیک ﴿حَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ سے یہ مراد ہے کہ وہ کتابی راہب ہو کر گرجا میں گوشہ نشین ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں نہ تو شریک ہو اور نہ اعداء اسلام کو مشورہ دیتا ہو تو ایسے کتابی کے متعلق اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاد میں ایسے کتابی کو قتل نہ کریں جو راہب ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور علیٰ ہذا اہل کتاب کے بچوں اور عورتوں کے متعلق بھی اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمان جہاد میں کافروں کے بچوں اور عورتوں کو ہرگز نہ قتل کریں صرف ان لوگوں کو قتل کریں جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں اور یہ عہد اور پیمان ان کو عند اللہ نافع اور مفید نہ ہوگا اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کے غصہ کے مستحق ہیں اور محتاجی اور خواری ان کو لازم کر دی گئی اور یہ لوگ خدا کے غضب اور ذلت و مسکنت کے مورد اس لیے بنے کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور جان بوجھ کر نبیوں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے اور اس کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء کا باعث یہ ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے رہے اور حد سے آگے بڑھتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دل سخت ہو گئے اور گناہوں کی کثرت سے نور ایمان بالکل جاتا رہا اس لیے اللہ کی آیتوں کے کفر اور پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ گناہوں پر اصرار اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جانا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اور اس قسم کے لوگ اہل کتاب میں اگرچہ کثیر ہیں مگر سب اہل کتاب برابر اور یکساں نہیں ان بروں میں کچھ اچھے بھی ہیں اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق پر قائم ہے جو اوقات شب میں اللہ کی آیتیں نماز میں پڑھتے رہتے ہیں اور وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور دیر تک جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو۔ اور قیام میں کلام خداوندی کے پڑھنے سے مناجات کی لذت حاصل ہو غرض یہ کہ ان کی نماز طول قیام اور طول سجود دونوں کی جامع ہوتی ہے اور اوقات شب میں عبادت کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ سے غافل نہیں۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ پر ٹھیک ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کی توحید اور تفرید ان کے دلوں میں راسخ ہے اور نیز روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں آخرت کا تصور ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا اس لیے وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتے اور پھر یہ کہ ان کے انوار و برکات ان کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ دوسروں کو بھی اچھے کاموں کی ہدایت اور بُرے کاموں سے ممانعت کرتے ہیں یعنی جس طرح وہ خود راہ راست پر ہیں اسی طرح یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی راہ راست پر آجائیں اور نہایت شوق و رغبت کے ساتھ نیک کاموں میں دوڑتے ہیں تاکہ سب سے سبقت لے جائیں اور یہی اور ایسے ہی لوگ نیک بختوں میں سے ہیں جو خدا کے غضب اور ذلت اور مسکنت سے محفوظ ہیں۔ یہ آیتیں عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارہ میں نازل ہوئیں اور ایسے لوگ جو بھی نیکی کریں گے خواہ وہ دوڑ کر کریں یا آہستہ رفتار سے سو ہرگز اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ ایسے اہل کتاب کو دُگنا اجر ملے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿أُولَٰٓئِكَ يُؤۡتَوۡنَ أَجۡرَهُم مَّرَّتَيۡنِ﴾ اور احادیث نبویہ میں صراحۃً آیا ہے کہ جو اہل کتاب نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ایمان لائیں گے ان کو دو اجر ملیں گے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ پس جب پرہیزگار اس کی رحمت اور عنایت سے محروم نہیں تو خیرات میں مسارعت کرنے والے کیسے اس کی عنایات بے غایات سے محروم رہ سکتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اور اولاد پر نظر کر کے یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو اللہ کے محبوب ہیں۔ جن پر یہ انعامات ہوئے اور یہ فقراء مسلمین اللہ کے معتوب ہیں اس لیے کہ قیامت کے دن اللہ کے قہر اور غضب کے دفع کرنے میں ان کے مال اور اولاد ذرہ برابر کام نہ آئیں گے غضب خداوندی سے انسان کو بچانے والا صرف

ایمان اور تقویٰ ہے اور مالی صدقہ وخیرات غضب خداوندی کو جب ہی بجھاتا ہے کہ جب وہ صدقہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر پر مبنی ہو اور اولاد بھی آخرت میں جب ہی کام آتی ہے کہ جب وہ خود بھی مومن ہو اور اپنے مسلمان ماں باپ کے لیے دعاء مغفرت کرے۔ کافر ماں باپ کے لیے مسلمان اولاد کی دعاء مغفرت بھی بے کار ہے اور ایسے لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مرے یہ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے یہ لوگ کبھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے البتہ جو گنہگار مسلمان گناہوں سے پاک کرنے کی غرض سے کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالے جائیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے کچھ عرصہ کے بعد نکال لیے جائیں گے۔

فائدہ: حق جل شانہٗ نے ان آیات میں اُمت قائمہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں وہ اوصاف یہود کے بالکل متضاد اور مخالف ہیں اس لیے کہ یہود حق سے منحرف تھے رات و دن غفلت میں مست تھے۔ شرک اور الحاد میں مبتلا تھے یوم آخرت پر بھی ان کا ایمان گڑ بڑ تھا بُری باتوں کا حکم کرتے تھے اور اچھی باتوں سے روکتے تھے اور بجائے خیرات اور حسنات کے شرور اور معاصی کی طرف سبقت کرنے والے تھے اور بجائے صالحین کے طالحین میں سے تھے۔

کفار کے نفقات اور صدقات کی مثال

اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ قیامت کے دن کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اس پر کسی کے دل میں یہ شبہ گذر سکتا تھا کہ بعض اوقات کافر اپنے مال سے نیک کاموں میں محتاجوں اور یتیموں اور مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں ہیں پل اور سرائے کنواں بنواتے ہیں تو کیا اس قسم کے خرچوں سے کافروں کو قیامت کے دن کوئی نفع پہنچ سکتا ہے تو آئندہ آیت میں اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے خرچوں سے بھی کافروں کو قیامت کے دن کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ مثال اس چیز کی کہ جس کو یہ کفار دنیا کی اس فانی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں پالا یعنی ٹھہر ہو وہ جا لگی ان لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو پس وہ اس کھیتی کو تباہ اور برباد کر گئی ہو اسی طرح کافروں کے صدقات اور خیرات بمنزلہ باغ یا کھیت کے ہیں اور ان کا کفر بمنزلہ پالے کے ہے پس جس طرح پالا کھیتی کو تباہ کر دیتا ہے اسی طرح ان کا کفران کے خیرات و صدقات کو برباد اور تباہ کرنے والا ہے قیامت کے دن ان کو اس کھیتی سے کچھ بھی پلے نہ پڑے گا اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں کہ کفر اور شرک کے پالے سے اپنی آخرت کی کھیتی خراب کی اور ضرورت کے وقت کف افسوس ملتے رہ گئے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ پالے سے ظاہرًا ظالم اور غیر ظالم سب ہی کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے لیکن آیت میں جو مثال ذکر کی گئی ہے اس میں ﴿حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا﴾ یعنی ظلم کی قید اس لیے بڑھائی کہ پالے سے دراصل کافر قوم ہی کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے اور کامل نقصان کافر ہی کا ہوتا ہے بخلاف مسلمان کے کہ اگر اس کی کھیتی پالے سے تباہ ہوتی ہے تو اس کو اس مصیبت پر اور پھر اس مصیبت کے صبر پر اجر ملتا ہے اور اللہ کی طرف سے مومن کو جو اجر ملے گا وہ اس کھیتی سے لاکھوں درجے افضل ہو گا پس حقیقی اور کامل نقصان وہ ہے کہ جس کا کوئی بدل اور عوض نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مسلمان کسی مصیبت میں اجر اور ثواب سے محروم نہیں رہتا۔ خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے جو ان کے صدقات و خیرات کو قبول نہیں کیا وہ اللہ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ اپنی صدقات و خیرات کے

ساتھ کفر وشرک کو ملالیا جس نے پالے کی طرح ان کی تمام کھیتی کو تباہ وبرباد کرڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتلادیا تھا کہ کفر اور شرک سے تمام اعمال حبط ہوجاتے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ

اے ایمان والو! نہ ٹھہراؤ بھیدی اپنے غیر کو، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری

خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ

خرابی میں، ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف پاؤ نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے۔

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ

اور جو چھپا ہے ان کے جی میں سو اس سے زیادہ ہم نے جتادیئے تم کو پتے، اگر تم کو

تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

عقل ہے۔ سنتے ہو؟ تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم

بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ

سب کتابوں کو مانتے ہو۔ اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں۔ اور جب اکیلے ہوتے ہیں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں

الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

تم پر انگلیاں دشمنی سے، تو کہہ مرو تم اپنی دشمنی میں، اللہ کو معلوم

الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ

ہے۔ جیوں کی بات اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگے ان کو اور اگر تم پر پہنچے برائی

يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ

خوش ہوں اس سے اور اگر تم ٹھہرے رہو اور بچتے رہو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۲ ع ۱۱ ۳

جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے۔

تحذیر مومنین از اختصاص وارتباط بادشمنان دین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ... الی... بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مسلمانوں کی صفات اور کافروں کی ذمائم اور قبائح کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ کافروں کے ساتھ خلا ملا نہ رکھو اور نہ ان کو اپنا راز دار بناؤ کافر تمہارے دین اور دنیا دونوں کے دشمن ہیں۔

یا یوں کہو کہ جب گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ کفر اور ظلم کی سرد ہوا نے ظالموں کے اعمال کی کھیتیوں کو تباہ و برباد کیا تو اب آئندہ آیت میں اہل ایمان کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم ان ظالموں سے خلط ملط نہ رکھنا۔ مبادا ان کے کفر اور ظلم کی سرد ہوا کا اثر تمہارے اعمال کی کھیتیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچادے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اپنے غیروں کو اپنا راز دار اور بھیدی نہ بناؤ یعنی غیر مسلموں کو اپنا ہمدم اور رفیق اور راز دار نہ بناؤ اور اس ممانعت کی متعدد وجوہ ہیں۔ اول تو یہ کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی اور تمہارے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہر وقت اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہمی کوئی خرابی اور فساد پیدا ہو دوم یہ کہ ہر وقت اس کی تمنا کرتے ہیں کہ تم کسی تکلیف اور ضرر میں مبتلا ہو جاؤ ہر وقت تمہاری مصیبت کے خواہشمند رہتے ہیں یہ خواہش کبھی ان کے دل سے زائل نہیں ہوتی۔ سوم یہ کہ ان کے دل تمہاری عداوت سے لبریز ہیں کہ بعض مرتبہ دلی بغض اور اندرونی عداوت بلا اختیار ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتی ہے بغض اور عداوت اس درجہ پہنچا ہوا ہے کہ اس کو ضبط نہیں کر سکتے اور نہ وہ ان کے چھپانے سے چھپ سکتا ہے اندر سے اچھل کر اور ابل کر منہ پر آ گیا ہے اور کھل گیا ہے۔ چہارم یہ کہ وہ بغض اور عداوت جو ان کے سینوں نے اپنے اندر چھپا رکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ جو عداوت ان سے ظاہر ہو جاتی ہے تمہیں معلوم نہیں کہ ان کے سینوں کے اندر عداوت کتنی چھپی ہوئی ہے۔ تحقیق ہم نے تمہارے لیے صاف صاف نشانیاں بیان کر دی ہیں اگر تم کو عقل ہے تو سمجھ جاؤ کہ یہ تمہارے خیر خواہ نہیں بلکہ سخت دشمن ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کو اپنا بطانہ یعنی دوست اور راز دار بناؤ۔ پنجم یہ کہ تم ایسے نادان اور غفلت شعار کیوں ہو کہ تم ان کو دوست رکھتے ہو اور وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے پس اگر وہ تم سے بغض اور عداوت ہی نہ رکھتے تو فقط ان کا تم سے محبت نہ رکھنا یہ کافی تھا کہ ان کو بطانہ (راز دار) نہ بنایا جائے اس لیے کہ جس کو تم سے محبت نہ ہو اور نہ وہ تمہارا خیر خواہ ہو تو اس کو اپنا راز دار بنانا نادانی ہے۔ اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ تم اللہ کی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری کتاب پر باوجود حقانیت کے ظاہر ہو جانے کے تمہاری ضد میں اس پر ایمان نہیں لاتے ان کو چاہیے تھا کہ وہ تم سے محبت رکھتے کہ تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی کتاب کا انکار نہیں کرتے مگر معاملہ برعکس ہو گیا کہ وہ تم سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں پس ایسے لوگوں کو کیا اپنا دوست اور راز دار بناتے ہو ضدی اور بیچی آدمی کو راز دار بنانا سخت غلطی ہے اور ساتویں وجہ یہ ہے کہ ان کا برتاؤ اور معاملہ تم سے منافقانہ ہے مخلصانہ نہیں اس لیے کہ یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو غیظ و غضب سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب اپنے مجمع میں اکیلے ہوتے ہیں اور کوئی مسلمان وہاں نہیں ہوتا تو مسلمانوں کے جوش عداوت میں غصہ میں آ کر دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں مسلمانوں کی دن دونی رات چوگنی قوت و شوکت اور باہمی اتحاد اور الفت ان سے برداشت نہیں ہوتی اس لیے اپنے مجمع میں اس دلی عداوت کا اظہار کرتے ہیں۔ اے نبی کریم ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے اس غصے میں گلا گھونٹ کر اسی طرح جلتے اور مرتے رہو

اور یوں ہی عمر بسر کرتے رہو یہ غصہ مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ اور اس غیظ و غضب سے تم اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں پر نعمتیں پوری کریگا۔ تمہارا غصہ اور حسد بیکار ہے ؎

بمیر اے از حسد پیوستہ غمگین که جز مرگت نخواہد داد تسکین

تحقیق اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور دشمنوں کے دلوں کی پوشیدہ باتیں اپنے دوستوں کو بتلا دیتا ہے اور آٹھویں وجہ یہ ہے کہ ان کی عداوت اور حسد کا یہ حال ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم کو ذرا سی کوئی بھلائی چھو بھی جائے تو انہیں بہت ہی بری لگتی ہے سمجھ لو کہ ان کا حسد اس درجہ پہنچا ہوا ہے اور نویں وجہ یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی برائی یا تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں یہ ان کی شماتت کا حال ہے اور دسویں وجہ یہ ہے کہ وہ اندرونی طور پر تمہارے خلاف سازشوں میں سرگرم ہیں جس کا علاج یہ ہے کہ اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرو اور ان کی موالاۃ اور بطانہ بنانے سے پرہیز کرو تو تم کو ان کا فریب کچھ نقصان نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہیں ان کے مکر کا ضرر اور اثر تم تک پہنچنے نہیں دیں گے اور اگر کسی جگہ کافروں سے تم کو کوئی ضرر پہنچے تو سمجھ لو کہ یہ صبر اور تقویٰ کی کمی کی وجہ سے پہنچا ہے۔ خدا تعالیٰ سے معاملہ درست رکھو تو پھر کافروں نے جو راستہ میں کانٹے بچھائے ہیں وہ سب کے سب خود بخود صاف ہو جائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس قوم کی عداوت کا یہ حال ہو اس سے کیا خیر خواہی کی توقع ہو سکتی ہے کہ جو اس سے دوستی کی جائے اور اس کو اپنا راز دار بنایا جائے۔

فائدہ: فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسلمان حاکم کے لیے یہ جائز نہیں کہ اہل ذمہ میں سے کسی کافر کو اپنا منشی اور پیشکار بنائے اس لیے کہ وہ کافر مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہوگا اور اسلامی حکومت کے راز اور امور مملکت سے اپنی ہم قوم حکومت کو مطلع کرے گا۔ بلکہ جن مسلمان وزیروں اور امیروں نے کسی غیر مسلم عورت سے نکاح کر لیا یا اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا تو پھر اسلامی حکومت کے راز غیر مسلموں پر ظاہر ہوئے اور اسلامی حکومت کو شدید نقصان پہنچا اور ان غیر مسلم عورتوں نے مسلمان شوہر سے زائد اپنے ہم مذہب کافروں کی مصلحت کا لحاظ رکھا جیسا کہ تجربہ اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا کہ وہ غیر مسلم منشی اور پیشکار بنانے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور اسی آیت سے استدلال فرماتے تھے۔

تنبیہ: شریعت اسلامیہ کا یہ حکم کہ غیر مسلم کو اپنا دوست اور راز دار نہ بنایا جائے اور امور مملکت میں اس کو دخیل نہ بنایا جائے عین حق اور عین حقیقت ہے یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ غیر مذہب والا اپنے مذہب اور اپنے اہل مذہب ہی کی خیر خواہی کرتا ہے دوسرے اہل مذہب کی خیر خواہی نہیں کرتا۔ تمام مغربی ممالک کو دیکھ لیجئے کہ وہ کبھی بھی مسلمان کو وزارت اور سفارت کا منصب سپرد نہیں کرتے مگر افسوس کہ آج کل کے نام نہاد مسلمان جب اس قسم کا حکم سنتے ہیں تو اس کو تعصب اور تنگ نظری سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ان کو اپنے حقیقی بھائی کی خیر خواہی پر اطمینان نہ ہو تو اس کو بھی اپنا بطانہ (راز دار) بنانا گوارا نہیں کرتے مگر جب خدا یہ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! جو شخص اسلام کا اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہو بلکہ ان کا دشمن اور حاسد ہو اس کو اسلامی حکومت میں کوئی عہدہ اور منصب نہ دو۔ تو یہی لوگ خدا تعالیٰ کے اس قانون پر نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں۔

تمام دنیا کی حکومتوں کا یہ مسلم قانون ہے کہ حکومت کے باغی کو کوئی عہدہ اور منصب نہیں دیا جا سکتا۔ باغی کو عہدہ

دینا۔ سیاسیات ملکیہ میں بالاجماع حرام ہے پس اگر اسلام یہ کہتا ہے کہ اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کہ جو اسلام سے باغی ہو یعنی کافر ہو اس کو کوئی عہدہ اور منصب نہ دو تو اس پر کیوں ناک منہ چڑھاتے ہیں اپنے باغی کے لیے عہدہ دینا تو ناجائز اور حرام ہو۔ اور خدا تعالیٰ کے باغی اور سرکش کے لیے عہدہ دینا جائز ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا باغی تو مجرم ہے اور خدا کا باغی بے قصور ہے تو اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ معاذ اللہ آپ کی شان خداوند دو جہاں سے بڑھ کر ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کی فانی اور مجازی حکومت سے انحراف اور بغاوت کرے تو وہ قتل اور حبس دوام کا مستحق بنے اور احکم الحاکمین سے اگر بغاوت (کفر) کرے تو اس کو وزیر بنانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ وسعت قلب نہیں بلکہ بے غیرتی ہے۔

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ

اور جب فجر کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ

اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں کہ نامردی کریں،

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ کریں مسلمان۔

قصۂ اُحد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ... الٰى... فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہ ارشاد فرمایا تھا: ﴿وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ﴾ کہ اگر تم صبر کرو اور تقوی پر قائم رہو تو دشمنوں کا مکر تم کو ضرر نہ پہنچائے گا اب آئندہ آیات میں قصۂ احد کو یاد دلاتے ہیں کہ اس میں تم نے صبر اور تقوی سے کام نہ لیا اس لیے تم کو شکست ہوئی بخلاف بدر کے کہ اس میں تم نے صبر اور تقوی کو اختیار کیا اس لیے باوجود بے سروسامانی کے تم کو فتح ہوئی۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں کافروں اور منافقوں کو راز دار بنانے کی ممانعت تھی اب ان آیات میں جنگ احد کے واقعہ کو ذکر کر کے کافروں اور منافقوں کے راز دار اور شریک مشورہ بنانے کے مضر نتیجہ سے آگاہ فرماتے ہیں اس لیے کہ اس لڑائی کے مشورہ میں عبد اللہ بن ابی بن سلول ؓ بھی شامل تھا جس کے ہمراہ تین سو آدمی تھے اولاً آپ کے ہمراہ نکلا اور پھر بعد میں اپنی جمعیت کو۔ لے کر راستہ سے یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ یہ لڑائی نہیں بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اگر ہم اس کو واقعی جنگ سمجھتے تو آپ کے ساتھ شرکت کرتے ان کی دیکھا دیکھی انصار کے قبیلہ خزرج میں کے بنو سلمہ اور قبیلہ اوس میں کے بنی حارثہ نے بھی بھاگنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل مضبوط کر دیئے اور وہ میدان جنگ میں قائم رہے ان کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب آپ جہاد و قتال کے

لیے اپنے اہل خانہ یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے برآمد ہوئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لے آئے اور مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر بٹھلادیں چنانچہ آپ اسی ارادہ سے مسلمانوں کی جمعیت کو لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تقریباً تین سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ لے کر راستہ یہ سے کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ اپنے کو کیوں ہلاکت میں ڈالیں یہ اس کی ایک چالاکی تھی کہ لشکر اور مسلمان بھی متزلزل ہو جائیں اور اللہ سن رہے تھے اس کے قول کو اور خوب جانتے تھے اس کے کید اور مکر کو کہ جس سے قریب تھا کہ بعض اہل ایمان بھی ہلاکت میں پڑ جائیں جس وقت کہ تم میں کی یعنی مسلمانوں میں کی دو جماعتوں نے یعنی بنوسلمہ اور بنو حارثہ نے یہ قصد کیا کہ ہمت ہار دیں اور ان کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ عبداللہ بن ابی کی طرح وہ بھی راستہ سے واپس ہو جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کو اس جبن اور نامردی سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ ان کا کارساز اور مددگار تھا اسی کی عنایت اور کارسازی نے بنوسلمہ اور بنو حارثہ کو اس قصد سے محفوظ رکھا اور اللہ ہی پر تمام اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیے نہ تو اپنی قوت پر اعتماد کرو اور نہ دشمن کی قوت اور کثرت سے خوف زدہ ہو جاؤ۔ غزوہ بدر تم دیکھ چکے ہو کہ قریش کی قوت اور کثرت تین سو متوکلین کے مقابلہ میں کچھ بھی کارآمد نہ ہوئی۔

فائدہ جلیلہ:

آیت مذکورہ ﴿ وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ ﴾ میں اہل سے باجماع مفسرین و محدثین و علماء سیرت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے نکلنا مراد ہے جس سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا طاہرہ اور مطہرہ اور سرتاپا عمل صالح تھیں اس لیے کہ خداوند علام الغیوب نے حضرت عائشہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل فرمایا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو سرتاپا عمل صالح ہو اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نوح علیہ السلام کے اہل سے اسی لیے خارج کیا گیا کہ اس کے اعمال صالح نہ تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾ (ھود: ۴۶)۔

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی جنگ میں اور تم بے مقدور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم

تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲۳ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ

احسان مانو۔ جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کفایت نہیں؟ کہ تمہاری مدد بھیجے،

رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝۱۲۴ ؕ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا

رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترے ہوئے۔ البتہ اگر تم ٹھہرے رہو

وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ

اور پرہیز گاری کرو اور وہ آویں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ

اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى
ہزار فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی
لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
اور تاتسکین ہو تمہارے دلوں کو، اور مدد ہے نری اللہ کے پاس سے
الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ
جو زبردست ہے حکمت والا۔ تاکہ کاٹ ڈالے بعضے کافروں کو یا ان کو ذلیل کرے
فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾
کہ پھر جاویں نامراد۔

تذکیر بقصۂ بدر

برائے اظہار تاثیر توکل و تقویٰ و صبر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ... اِلٰى... فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾

اب قصۂ احد کے بعد کچھ قصۂ بدر کو ذکر کرتے ہیں کہ اس غزوہ میں جو بے مثال فتح و نصرت ظہور میں آئی وہ ظاہر اسباب میں توکل اور تقویٰ اور صبر کی برکت تھی چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں حالانکہ تم اس وقت بے سروسامان تھے اور دشمنوں کی نظر میں ذلیل اور خوار تھے اور ظاہر اسباب میں دشمنوں کے مقابلہ میں تمہارا ٹھہرنا اور ان پر فتحیاب ہونا ناممکن تھا مگر چونکہ اس بے سروسامانی میں تمہاری نظر خداوند ذوالجلال پر تھی اس لیے خدا نے تم کو عزت و رفعت دی ۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود

ہر کجا درد ے دوا آنجا رود

پس تم اللہ سے ڈرو اور اس کی قوت اور قدرت پر نظر رکھو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھ کر مت گھبراؤ ہم نے اپنی خاص امداد کی نعمت سے تم کو قوی کر دیا تا کہ تم اللہ کی اس تقویت اور نصرت اور اعانت کی نعمت کا شکر کرو کہ دم کے دم میں ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف بنا دیا یاد کرو اس وقت کو کہ جب آپ یعنی اے نبی کریم ﷺ! اہل ایمان کی تقویت قلوب کے لیے یہ کہہ رہے تھے کیا یہ کفایت نہیں کرے گا کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کرے گا جو آسمان سے خاص تمہاری امداد کے لیے اتارے جائیں ہاں کیوں نہیں یہ مقدار ضرور کافی ہوگی پھر مزید تقویت کے لیے اور مزید امداد کا وعدہ فرمایا بشرطیکہ صبر اور تقویٰ پر قائم رہیں چنانچہ فرماتے ہیں

کہ اگر تم صبر اور پرہیزگاری پر قائم رہو اور تمہارے دشمن ایک دم تم پر آ پہنچیں تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ تمہاری ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے امداد کرے گا جو خاص نشان اور خاص علامت لگائے ہوئے ہوں گے جس سے معلوم ہوگا کہ یہ اللہ کی خاص فوج ہے جو خاص بندوں کی امداد کے لیے بھیجی ہے لہٰذا تم دشمنوں کی ناگہانی فوج کو دیکھ کر ہرگز نہ گھبرانا ہماری خاص فوج تمہاری امداد کے لیے تیار ہے اور نہیں بنایا اللہ نے اس امداد کو مگر تمہاری خوشخبری کے لیے اور اس لیے کہ تمہارے دلوں کی تسکین ہو کہ دشمن کی قوت اور کثرت کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں ورنہ اس کی حاجت نہ تھی اس لیے کہ فتح اور نصرت حقیقت میں صرف اللہ کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے وہ اگر چاہیں تو بلا اسباب اور بلا فرشتوں کے بھی فتح و نصرت عطا فرما سکتے ہیں حق تعالیٰ نے ایسا اس لیے فرمایا کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کرے چنانچہ ستر کافر جنگ بدر میں مارے گئے یا کافروں کی ایک جماعت کو ذلیل اور خوار کرے پس وہ ناکام اور نامراد ہو کر اپنے شہروں کی طرف واپس جائیں چنانچہ ستر کافر قید ہوئے اور باقی خائب و خاسر اپنی اپنی جگہ واپس ہوئے۔

فائدہ: کلمہ ﴿ اَوْ يَكْبِتَهُمْ ﴾ میں ﴿ اَوْ ﴾ تقسیم کے لیے ہے تردید کے لیے نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہاری مدد فرمائی تاکہ کافروں کا ایک گروہ ہلاک اور جہنم رسید ہو اور باقی ماندہ گروہ ذلیل و خوار اور ناکام اور نامراد واپس ہو۔

فائدہ: جنگ بدر میں حق جل شانہٗ نے تین وعدے فرمائے اول ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جس کا ذکر سورہ انفال میں ہے: ﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ ﴾ (الانفال) چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اس لیے اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا پھر مسلمانوں کی پریشانی دور کرنے کے لیے تعداد تگنی کر دی گئی یعنی چونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی اس لیے تین ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ فرمایا یہ دوسرا وعدہ ہوا بعد ازاں جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر مشرکین کی امداد کے لیے ایک بڑی بھاری فوج لے کر آ رہا ہے تو مسلمانوں میں ایک جدید اضطراب پیدا ہو گیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسکین اور تقویت قلوب کے لیے یہ وعدہ فرمایا کہ اگر کافر تم پر ٹوٹ پڑیں تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دیں گے بشرطیکہ تم صبر اور تقوی پر قائم رہو اس لیے علماء کا اس تیسرے وعدہ کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ پانچ ہزار کا وعدہ واقع ہوا یا نہیں شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ واقع نہیں ہوا اس لیے کہ یہ وعدہ ایک شرط کے ساتھ مشروط تھا وہ یہ کہ ﴿ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ ﴾ کہ کافر تم پر ٹوٹ پڑیں اور چونکہ کرز بن جابر کا گروہ نہیں آیا اس لیے وہ شرط نہیں پائی گئی اس لیے وہ مشروط وعدہ شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے واقع نہیں ہوا اور بعض علماء کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ ﴿ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ ﴾ سے مقصود تعلیق اور شرط نہ تھی بلکہ محض تاکید اور مبالغہ مقصود تھا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ

تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے یا ان کو عذاب کرے کہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ۝۱۲۸ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

ناحق پر ہیں۔ اور اللہ کا مال ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے بخشے جس کو چاہے

۱۳۰ ع

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

رجوع بقصۂ احد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ... الٰى... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع﴾

غزوہ احد میں جب آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ کیسے فلاح پا سکتے ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کے چہرہ کو زخمی کیا ہو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے چند کفار کے لیے جنہوں نے مسلمانوں کو شہید کیا تھا نام بنام صبح کی نماز میں بددعا اور لعنت شروع فرمائی اس پر آیت نازل ہوئی (اے محمد ﷺ!) آپ کو اس کام میں کچھ اختیار نہیں لعنت اور رحمت اور ہدایت اور ضلالت سب اسی کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے کرے یا تو وہ ان پر توجہ فرمائے کہ ان کو توبہ کی توفیق دے اور جو لوگ آج آپ ﷺ کے اور آپ کے دین کے دشمن ہیں وہ کل کو خدا کی قدرت اور مشیت سے آپ ﷺ کے عاشق جانثار اور دین اسلام کے محافظ اور پاسبان بن جائیں یا ان کو اللہ تعالیٰ عذاب دے دنیا میں یا آخرت میں کہ دنیا میں قتل ہوں اور کفر پر جمے رہیں اور کفر ہی پر مریں اور دوزخ کا ایندھن بنیں کیونکہ تحقیق یہ لوگ بڑے ظالم ہیں ایسی ہی سزا کے مستحق ہیں لہٰذا آپ ﷺ ان پر بددعا نہ کریں چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں کے اکثر افراد آئندہ چل کر مشرف باسلام ہوں گے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے ان پر بددعا کرنی چھوڑ دی اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے کوئی شے اس پر واجب نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لہٰذا تم بددعا میں عجلت نہ کرو چنانچہ اللہ کی رحمت اور مغفرت غالب آئی اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو اسلام کی ہدایت ہوئی آنحضرت ﷺ پر حق جل شانہ کی محبت اور کفر و شرک کی عداوت کا غلبہ تھا اس لیے آپ دشمنان خدا پر لعنت فرماتے مگر پردۂ قضاء و قدر میں کیا مستور ہے اس کا آپ کو علم نہ تھا۔ اس لیے حکم نازل ہوا کہ آپ ان پر لعنت نہ فرمائیں عنقریب یہ لوگ دین کے خدمت گار اور جاں نثار بنیں گے۔

فائدہ ①: اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ احد کی لڑائی میں جن لوگوں نے آپ ﷺ کو زخمی کیا اور آپ نے ان کے حق میں بددعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ جب قبیلہ رعل اور ذکوان نے ستر صحابہ ؓ کو شہید کر ڈالا جس کو واقعہ بیر معونہ کہتے ہیں، جب آپ ﷺ نے ان قبائل پر بددعا کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور امام احمد اور امام بخاری ؒ کی روایت میں ہے کہ آپ صبح کی نماز میں قومہ کے بعد دوسری رکعت میں یہ دعا کرتے: اے اللہ! لعنت کر صفوان بن امیہ پر اور لعنت کر سہیل بن عمرو پر اور لعنت کر حارث بن ہشام پر اور چند قریش کے سرداروں کے نام لے کر بددعا فرماتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ یہ واقعات احد ہی کے سال میں پیش آئے اور بیر معونہ کا واقعہ احد کے چار ماہ بعد صفر ۴ھ میں پیش آیا اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس آیت کا نزول ان تمام واقعات میں ہوا۔

فائدہ ②: حق جل شانہ کے دو انتظام ہیں ایک تشریعی اور ایک تکوینی تشریعی انتظام کا تعلق انبیاء کرام علیہم السلام سے ہے اور تکوینی انتظام کا تعلق ملائکہ سے ہے یعنی قضاء وقدر کے حکم کے مطابق انتظام ہوتا ہے اور خضر علیہ السلام کے انتظام کا تعلق بھی امور تکوینیہ سے ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے جو خضر علیہ السلام پر اعتراض فرمایا وہ اسباب شرعیہ کی بنا پر تھا۔ ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ (البقرہ: ۱۴۸) اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاص دشمنان اسلام پر نام بنام بددعا کرنا اسباب شرعیہ کی بنا پر تھا کہ یہ دشمنان اسلام اسی قابل ہیں کہ ان پر بددعا کی جائے مگر چونکہ قضاء وقدر میں یہ طے پاچکا تھا کہ ان لوگوں میں سے اکثر مشرف باسلام ہوں گے اس لیے حق تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے سے منع فرمایا یہ تکوینی انتظام تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو! مت کھاؤ سود دونے پر دونا، اور ڈرو اللہ سے

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا

شاید تمہارا بھلا ہو۔ اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے۔ اور حکم مانو

اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ

اللہ کا اور رسول کا شاید تم پر رحم ہو۔ اور دوڑو بخشش پر

رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اپنے رب کی اور جنت پر جس کا پھیلاؤ ہے آسمان اور زمین، تیار ہوئی ہے واسطے پرہیز گاروں کے۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

جو خرچ کیے جاتے ہیں، خوشی میں اور تکلیف میں اور دبا لیتے ہیں غصہ، اور معاف کرتے ہیں

عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً

لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ

اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۖ وَمَنْ

یا برا کریں اپنے حق میں، تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ

گناہ بخشتا سوائے اللہ کے ؟ اور اڑ نہ رہیں اپنے کئے پر

يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي

جانتے (ہوئے)۔ ان کی جزا ہے بخشش ان کے رب کی اور باغ ، جن کے نیچے بہتی نہریں،

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾

رہ پڑے ان میں، اور خوب مزدوری ہے کام کرنے والوں کی۔

ترہیب وتحذیر از نار آخرت وترغیب بر اعمال جنت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا ... الی ... وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾ ﴾

ربط: ظاہر میں ان آیات کا ماقبل سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا اس لیے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ جداگانہ اور مستقل کلام ہے جس میں حق تعالیٰ نے امر ونہی اور ترغیب وترہیب کو جمع کیا ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کو بیان فرمایا ہے۔ اور بعض علماء نے ان آیات کا ماقبل کے ساتھ اتصال اور ربط بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں صبر اور تقویٰ کا حکم تھا اور کفار کے ساتھ دوستی اور خلط ملط اور ان کو راز دار بنانے کی ممانعت تھی اب ان آیات میں پھر صبر اور تقویٰ کو بیان کرتے ہیں کہ صبر اور تقویٰ کیا چیز ہے اور صابر اور متقی کون لوگ ہیں اور ان کے کیا اوصاف ہیں جن میں سب سے پہلے سود کی ممانعت فرمائی کہ اکل حلال تقوے کی جڑ اور بنیاد ہے نیز کفار سودی کاروبار کرتے اور جو نفع حاصل ہوتا اسے لڑائیوں میں خرچ کرتے چنانچہ احد کی لڑائی میں جو مال خرچ کیا وہ وہی مال تھا جو اس قافلہ کی تجارت سے نفع حاصل ہوا جو بدر کے سال شام سے آیا تھا اب حق تعالیٰ مسلمانوں کو سود سے ڈراتے ہیں کہ تم کفار کی طرح یہ خیال نہ کرنا کہ ہم بھی سودی کاروبار سے جنگوں میں مدد لیں خوب سمجھ لو کہ سودی کاروبار کرنا اللہ سے جنگ مول لینا ہے مسلمان کو اس سے دور رہنا چاہیے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح انفرادی ضرورت کی بنا پر قرض دے کر سود لینا حرام ہے اسی طرح اجتماعی تجارت میں بھی سودی کاروبار حرام ہے زمانہ جاہلیت میں دونوں طرح کا سود مروج تھا۔ لوگ انفرادی طور پر بھی تجارت کرتے تھے اور اجتماعی طور پر بھی پورا قبیلہ مل کر تجارتی کاروبار کرتا تھا اس زمانہ میں اس کا نام کمپنی اور بنک ہوگیا۔ باقی حقیقت وہی ہے جو پہلے زمانہ میں تھی۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی قرآن کریم نازل ہوا جس نے ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا خواہ وہ انفرادی تجارت پر ہو یا اجتماعی یعنی کمپنی کی تجارت پر ہو جیسا کہ کتب تفاسیر میں انفرادی اور قبائلی ربا کے واقعات بالتفصیل مذکور ہیں قرآن نے مطلق سود کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو کیونکہ ربا شریعت میں اس مالی زیادتی کا نام ہے جس کے عوض اور مقابلہ میں مال نہ ہو مثلاً ایک شخص کسی کو سو روپیہ قرض دیتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر چھ ماہ کے بعد ادا کرو گے تو اس پر ۵ روپیہ زائد لوں گا اور اگر ایک سال کے بعد ادا کرو گے تو دس روپیہ لوں گا پس

جب اس شخص نے سو روپیہ قرض کے بدلہ میں ایک سو دس روپیہ دیا تو سو روپیہ اصل رقم کے عوض اور مقابلہ میں ہو گئے اور یہ دس روپیہ کسی مال کے عوض اور مقابلہ میں نہیں۔ یہ سود ہوا کیونکہ یہ زیادتی کسی مال کے عوض اور بدلہ میں نہیں رہی چھ مہینہ یا سال کی مدت سو وہ کوئی مال نہیں جس کے عوض میں مال لیا جا سکے بنک کے سود میں یہی ہوتا ہے اس لیے جس طرح زمانہ جاہلیت اولیٰ کا سود حرام تھا اسی طرح اس جاہلیت ثانیہ یعنی اس متمدن اور مہذب جاہلیت کا سود بھی قطعاً حرام ہوگا لہٰذا کسی جدت پسند کا یہ کہنا کہ شخصی ضروریات کے لیے تو سودی کاروبار حرام ہے اور اجتماعی تجارت کے لیے حلال ہے یہ قرآن وحدیث میں تحریف ہے اور یہ کہنا کہ زمانہ جاہلیت میں صرف انفرادی ضرورتوں کے لیے سود ہوتا تھا اور اجتماعی تجارت پر سود کا رواج نہ تھا اول تو یہ غلط ہے اس لیے کہ آیت کے شان نزول سے معلوم ہو چکا کہ زمانہ جاہلیت میں دونوں قسم کا سود رائج تھا اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس زمانہ میں اجتماعی تجارت پر سود رائج نہ تھا تو اس خاص صورت کا اس زمانہ میں موجود نہ ہونا ہمارے لیے مضر نہیں شریعت نے مطلق ربا کو حرام قرار دیا ہے جس معاملہ پر ربا کی تعریف صادق آئے گی وہ حرام ہوگا چوری اور زنا کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اگر وہ گزشتہ زمانہ کے طرح غیر مہذب ہو یا موجودہ تہذیب اور تمدن کے طریقہ پر کسی بڑے ہوٹل میں ہو ہر حال میں حرام ہے حلت اور حرمت کا مدار اصل حقیقت پر ہے نہ کہ کسی خاص صورت پر۔

ربط دیگر: گزشتہ آیت میں ﴿اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا﴾ میں قبیلہ بنو حارثہ اور بنی سلمہ کی بزدلی کا ذکر ہے کہ جہاد کے مواقع پر نامردی دکھائی اب اس آیت میں سود کی ممانعت بیان فرماتے ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ سود کھانے یعنی حرام مال کھانے سے نامردی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔

جاہلیت میں سود کا دستور ایسا تھا جس طرح ہندوستان کے بنیے اور لالہ لوگ لیتے ہیں کہ جب قرضدار مدت معینہ پر روپیہ ادا نہ کر سکا تو قرض خواہ سود کو اصل میں شامل کر کے قرض کی مدت بڑھا دیتا اور چند روز کے لیے اس کو مہلت دے دیتا پھر اگلی قسط پر سود اور بڑھ جاتا اور قرضدار وقت پر بوجہ مجبوری نہ ادا کر سکتا تو پھر سود خوار سود کو اصل میں جمع کر کے اس پر سود لگاتا اور اسی طرح بڑھاتا رہتا یہاں تک کہ سو روپیہ قرض کے بدلہ میں ایک ہزار کی جائداد کا مالک بن جاتا اس لیے ارشاد فرمایا اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا تو بر تو کہ اصل سے کئی گنا زیادہ ہو جائے مطلب یہ ہے کہ اصل قرض سے ایک پائی بھی زائد لینا حرام ہے اور صریح ظلم ہے اور کھلا ہوا بخل ہے کہ خدا کے لیے ذرہ برابر بلا معاوضہ کسی کی ہمدردی بھی گوارا نہیں اور اصل قرض سے کئی گنا زائد لے لینا اس کی قباحت اور شناعت کی تو کوئی حد نہیں اضعافاً مضاعفہ سود تو قساوت قلبی اور بے رحمی کی آخری منزل ہے۔

آیات قرآنیہ اور بے شمار احادیث نبویہ سے مطلق ربا کی کلیۃً ممانعت اور حرمت ثابت ہے اور اس آیت میں جو اضعافا مضاعفہ کا لفظ آیا وہ قید احترازی نہیں بلکہ توبیخ اور سرزنش کے لیے ہے جو اس زمانہ میں رائج تھی جیسے کوئی نیک دل اور دیندار حاکم کسی موقع پر اپنے عملہ کے ان لوگوں سے جو رشوت خوار ہوں یہ کہے کہ صاحبو زیادہ حرام نہ کھاؤ اور حد سے نہ بڑھو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تھوڑا حرام کھانا تو جائز ہے اور زیادہ حرام کھانا ناجائز ہے۔

ایسے الفاظ مزید تقبیح اور تشنیع کے لیے بولے جاتے ہیں جیسے ﴿فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا﴾ (البقرہ: ۲۲) فرمایا یعنی خدا کے لیے متعدد شریک نہ ٹھہراؤ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کے لیے ایک دو شریک ٹھہرانا تو جائز ہے اور تین چار شریک ٹھہرانا ناجائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدائے برتر کا تو ایک بھی شریک نہیں مگر تم ایسے ظالم ہو کہ تم نے خدا کے لیے بہت شریک ٹھہرا رکھے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا﴾ (حٰمٓ السجدہ:۹)، ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا﴾ (البقرہ:۱۶۵)، ﴿وَجَعَلُوْا شُرَكَآءَ﴾، ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ﴾ (حٰمٓ السجدہ:۴۷)۔ ان سب آیات کا یہی مطلب ہے نزول قرآن کے وقت سو دخواروں کی یہی عادت تھی کہ اضعافا مضاعفہ سود لیتے اس لیے ان کی عادت کی بنا پر اس آیت میں ان کی توبیخ اور سرزنش کے لیے اضعافا مضاعفہ کا لفظ بڑھا دیا گیا ورنہ ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ:۲۷۵) جیسی آیات سے بصراحت مطلق ربا کی حرمت ثابت ہے اگر کسی جھوٹے کو کوئی شخص یہ کہے کہ میاں پیٹ بھر کر جھوٹ نہ بولو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جھوٹ بقدر ذائقہ تو جائز ہے اور پیٹ بھر کرنا جائز ہے بلکہ جھوٹ کی قباحت اور شناعت کے واضح کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (البقرہ:۴۱) میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیات قرآنیہ میں تحریف کر کے زیادہ قیمت لینا تو جائز ہے اور کم قیمت لینا حرام اور ناجائز ہے آیات الٰہیہ کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی دولت بھی ہیچ ہے پس جس طرح اس آیت میں ثمن قلیل کی قید عار دلانے کے لیے ہے اسی طرح آیت ربوا میں اضعافا مضاعفہ کی قید عار دلانے کے لیے ہے۔ خوب سمجھ لو۔ خلاصہ کلام یہ کہ اضعافا مضاعفہ کی قید احترازی نہیں بلکہ اس زمانہ کے رسم ورواج کے مطابق جو ظالم اور بے رحم اضعافا مضاعفہ سود لیتے تھے ان کی توبیخ اور سرزنش کے لیے اور ان کو عار اور شرم دلانے کے لیے بڑھائی گئی ورنہ اگر یہ قید احترازی لی جائے تو مطلب آیت کا یہ ہو جائے گا کہ جب تک سود اصل رقم سے کم از کم سہ چند نہ ہو جائے اس وقت تک تو حلال ہے یعنی جب تک سو کا سود دو سو ننانوے تک رہے اس وقت تک تو وہ سود حلال ہے اور جب سود پورا تین سو ہو جائے تب حرام ہوگا غرض یہ کہ از روئے قرآن وحدیث ربا مطلقاً اور کلیۃً حرام ہے اضعافا مضاعفہ ہو یا غیر اضعافا مضاعفہ ہو قلیل ہو یا کثیر ہو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو فلاح اور کامیابی سود نہ لینے میں ہے اور ڈرو اس آگ سے جو خاص کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ سود خوار جہنم کے اس طبقہ میں رکھے جائیں گے جو خاص کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور فرمانبرداری کرو خدا کی اور پیغمبر کی جو تم کو سود خواری سے منع کرتے ہیں تا کہ تم پر رحم ہو یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق حاجت مندوں کو بلا سود قرض دو گے تو اللہ تم پر رحم کرے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اے ایمان والو اس آگ سے تو بھاگو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اپنے پروردگار کے سامان مغفرت کی طرف دوڑو اور بہشت کی طرف دوڑو جس کا عرض یعنی پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے یعنی اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی طرف دوڑو جن سے حسب وعدہ خداوندی جنت ملتی ہے۔ تیار کی گئی ہے یہ جنت متقی اور پرہیزگاروں کے لیے حق تعالیٰ نے ﴿اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ بصیغہ ماضی فرمایا یعنی جنت متقیوں کے لیے تیار ہو چکی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تُعَدُّ لِلْمُتَّقِيْنَ کہ جنت آئندہ زمانہ میں متقیوں کے لیے تیار کی جائے گی تا کہ معلوم ہو جائے کہ جنت تیار ہو چکی ہے انسان کی فطرت میں ہے کہ رغبت اور میلان موجود شئ کی طرف ہوتا ہے معدوم کی طرف نہیں ہوتا اس لیے ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا تا کہ جنت کی طرف کشش ہو اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو دل چاہے۔

اب آئندہ آیت میں متقین کی دو قسمیں بیان فرماتے ہیں ایک محسنین اور دوسرے تائبین۔

قسم اوّل: اعلیٰ درجہ کے متقی وہ لوگ ہیں کہ جو آسائش اور سختی خوشی اور تکلیف میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں یعنی بڑے سخی اور کریم ہیں اور غصہ کے پی جانے والے یعنی صابر اور حلیم اور بردبار ہیں اور لوگوں کی تقصیر کو معاف کرنے والے بلکہ مزید برآں اور نیکی سے پیش آنے والے اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے کہ جنہوں نے اپنی قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو قوت

روحانیہ اور عقلیہ کے تابع کر دیا ہے۔

قسم دوم: اور دوسرے درجہ کے متقی وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی وہ کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر گذرتے ہیں تو فوراً اللہ کی عظمت اور جلال کو یاد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش چاہتے ہیں کیونکہ اُن کو خوب معلوم ہے کہ کون ہے جو اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر سکے اور جو گناہ اُن سے صادر ہو جاتا ہے جان بوجھ کر اس پر اصرار نہیں کرتے۔ بلکہ نادم اور شرمسار رہتے ہیں ایسے لوگوں کی جزاء بخشش اور معافی ہے اُن کے پروردگار کی جانب سے اور باغات ہیں کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور یہ لوگ ان میں ابدالآباد تک رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر اور ثواب ہے یہ اجر اور بدلہ تائبین کا ہے اور قسم اوّل کے متقی یعنی محسنین کو مقام محبوبیت حاصل ہے اس لیے محسنین کے لیے کسی اجر اور ثواب کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ فقط ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ پر آیت کو ختم فرمایا مقام محبوبیت کے بعد اجر و ثواب کا کیا ذکر۔

حکایت: بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بادشاہ کے غلام سے کوئی نازیبا حرکت صادر ہوئی۔ جس پر بادشاہ کو غصہ آ گیا اور غلام کو سزا دینے کا ارادہ کیا تو غلام نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ متقین کی صفات میں فرماتا ہے: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ یعنی غصہ کو پی جانے والے۔ بادشاہ نے کہا: كظمتُ غيظي۔ میں اپنے غصہ کو پی گیا۔ پھر غلام نے کہا اے امیر المؤمنین اور پھر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ یعنی لوگوں کی خطائیں معاف کرنے والے۔ بادشاہ نے کہا: عفوت عنك، میں نے تیرا قصور معاف کیا۔ بعد ازاں غلام نے عرض کیا اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ بادشاہ نے کہا: احسنت اليك فاعتقتك، میں نے تیرے ساتھ احسان کیا اور تجھے آزاد کیا۔ جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔

فائدہ ①: علماء نے لکھا ہے کہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے صغیرہ، کبیرہ ہو جاتا ہے رفتہ رفتہ طبیعت گناہ سے مانوس ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ اللّٰهم احفظنا من ذٰلك۔ آمين!

فائدہ ②: بمقتضائے بشریت اگر ۷۰ مرتبہ بھی گناہ سرزد ہو جائے مگر سرزد ہو جانے کے بعد اس سے بیزار اور شرمسار ہو جائے اور خدا سے استغفار کرے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور اصرار یہ ہے کہ بے کھٹکے گناہ کرتا رہے اور خدا کی نافرمانی پر ایسا بے باک ہو جائے کہ معصیت سے اس کو ندامت اور خجالت بھی نہ ہو تو یہ حالت خطرناک ہے جس طرح اپنی عبادت اور زہد اور تقویٰ پر غرہ اور ناز تباہی کا سامان ہے اسی طرح گناہوں پر بے باکی اور دلیری بھی تباہی کا سامان ہے۔

قَدْ خَلَتْ	مِنْ	قَبْلِكُمْ	سُنَنٌ ۙ	فَسِيْرُوْا	فِي	الْاَرْضِ	فَانْظُرُوْا	كَيْفَ			
ہو چکے ہیں		تم سے آگے	دستور	سو پھرو	زمین میں		تو دیکھو	کیسا			
كَانَ	عَاقِبَةُ	الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾	هٰذَا	بَيَانٌ	لِّلنَّاسِ	وَهُدًى	وَّمَوْعِظَةٌ				
ہوا	آخر	جھٹلانے والوں کا	یہ	بیان ہے	لوگوں کے واسطے	اور ہدایت	اور نصیحت				

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ

ڈر والوں کو ۔اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط

ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم نے زخم پایا تو وہ لوگ بھی پا چکے ہیں زخم ایسا ہی۔

وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ج وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور یہ دن بدلتے لاتے ہیں ہم لوگوں میں اور اس واسطے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے

وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ط وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ لا وَ لِيُمَحِّصَ

اور کرے بعضے تم میں شہید، اور اللہ چاہتا نہیں ناحق والوں کو۔ اور اس واسطے کہ نکھارے

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا

اللہ ایمان والوں کو اور مٹا دے منکروں کو کیا تم کو خیال ہے؟ کہ داخل ہو جاؤ گے

الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

جنت میں ،اور ابھی معلوم نہیں کیے اللہ نے، جو لڑنے والے ہیں تم میں، اور معلوم کرے ثابت رہنے والے۔

وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ص فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ

اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے۔ سو اب دیکھا تم نے

وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ ۱۴ ع ۱۴ ۵

اس کو آنکھوں کے سامنے اور محمد (ﷺ) تو ایک رسول ہیں ہو چکے پہلے اس سے بہت

الرُّسُلُ ط اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَ مَنْ

رسول۔ پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو کوئی

يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ

پھر جائے گا الٹے پاؤں وہ نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ۔ اور اللہ ثواب دے گا

الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا

بھلا ماننے والوں کو۔ اور کوئی جی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے، لکھا ہوا

مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

وعدہ۔ اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا، اس میں سے دیں گے اس کو اور جو کوئی چاہے گا بدلہ

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٥﴾

آخرت کا، اس میں سے دیں گے اُس کو اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو۔

رجوع بسوئے قصۂ اُحد وتسلیۂ اہل اسلام بہ گونہ گوں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ... الٰی... وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٥﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں واقعۂ اُحد کا بیان تھا۔ اب پھر قصۂ اُحد کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ جس میں مسلمانوں کی ہزیمت کے اسباب کو بھی بیان فرمایا کہ صبر اور تقویٰ اور اطاعت رسول ﷺ میں تقصیر کی وجہ سے فتح کے بعد تم کو یہ ہزیمت پیش آئی مگر ساتھ ہی ساتھ بار بار تسلی بھی دی گئی کہ تم مت گھبراؤ فی الحال اگر چہ کفّار کو غلبہ ہوا مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے اور بار بار حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس لغزش کے عفو اور معافی کا اعلان فرمایا تا کہ حضرات صحابۂ کرام کے ٹوٹے ہوئے دل دوبارہ جڑ جائیں اور محبین اور مخلصین کو جو بمقتضائے بشریت لغزش کی وجہ سے اضطراب اور بے چینی لاحق ہوئی ہے وہ مبدل بسکون واطمینان ہو جائے اور قیامت تک ان محبین اور مخلصین (یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم) کے طاعنین (خوارج اور روافض) کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے کہ خداوند ذوالجلال کے عفو اور اعلان رضاء کے بعد کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے عاشقوں کی لغزش کو زبان پر لا سکے جس کی راہ میں لغزش ہوئی تھی۔ اس نے ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ کا اعلان کر دیا۔ اب بھی اگر کوئی صحابہ کرام کو معاف نہیں کرتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلا سے جو خدا تعالیٰ کی معافی کے بعد بھی معاف نہ کرے خدا تعالیٰ اسے معاف نہ کرے گا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: تحقیق گذر چکے ہیں تم سے پہلے بہت سے واقعات یعنی تم سے پہلے بھی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ اور ان میں کبھی کبھی مسلمانوں کو تکلیفیں بھی پہنچی ہیں لیکن انجام بخیر ہمیشہ انہیں کا ہوا ہے پس زمین میں چل کر دیکھ لو کہ رسولوں کے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً... الخ﴾ (النمل:۵۱)، ﴿فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ... الخ﴾ (القصص:۵۸)، ﴿وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الحجر:۷۹) وغیرہ، اور یہ مضمون مذکور عام لوگوں کے لیے بیان شافی اور اظہار حقیقت ہے اور خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے جو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں اور نصیحتوں پر عمل کرتے ہیں اور اے مسلمانو! تم اس وقت کی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس ہو کر نہ ہمت ہارو اور نہ آئندہ جہاد میں سستی کرو اور جو شہید ہو گئے ہیں ان پر غمگین اور آزردہ خاطر نہ ہو اس وقت

اگرچہ کافروں نے غلبہ پالیا ہے لیکن اخیر فتح تمہاری ہی ہوگی اور بالآخر باطل کے مقابلہ میں حق مظفر ومنصور اور غالب ہو کر رہے گا اور تم ہی بلند اور غالب رہو گے اگر تم پورے مومن اور ٹھیک ایمان کے مقتضی پر چلتے رہو اور اطاعت رسول ﷺ سے ذرہ برابر انحراف نہ کرو اگر تم کو اس لڑائی میں یعنی معرکۂ اُحد میں کوئی زخم لگا ہے تو جماعت کفار کو بھی معرکۂ بدر میں ایسا ہی ایک زخم لگ چکا ہے باوجود اس کے وہ تم سے لڑنے میں ضعیف اور سست نہیں پڑے تو تم کیوں سست پڑتے ہو۔ تم سے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور ان سے کوئی وعدہ نہیں پھر تم کیوں حق کی حمایت میں ہمت ہارتے ہو اور علاوہ ازیں یہ دن لوگوں میں ہم باری باری سے پھیرتے رہتے ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ بمقتضائے حکمت۔ فتح وشکست کے دنوں کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں کبھی اہل حق۔ اہل باطل پر فتح پاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے جس میں اس علیم وحکیم کی بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور اس غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں بھی چند مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ سچے ایمان والوں کو منافقین سے ممتاز اور الگ کردے۔ اہل اخلاص اور اہل نفاق دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے اور پکے اور سچے مسلمانوں کا جھوٹوں اور کچوں سے امتیاز ہوجائے اگر ہمیشہ اہلِ ایمان اور اہل حق ہی کو غلبہ اور فتح ہوا کرے تو لوگ ایمان لانے پر مجبور ہوجائیں گے اور ایمان اختیاری نہ رہے گا۔ اور دوسری مصلحت یہ ہے کہ تم میں سے بعض کو شہید بنائے یعنی تم میں سے بعض کو درجہ شہادت کا عطا کرے اگر ہمیشہ غلبہ اہل ایمان کو ہو تو پھر شہادت کا رتبہ کہاں سے ملے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو یعنی ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا پس اگر کسی وقت کافر تم پر غالب آ گئے تو اس سے یہ نہ سمجھنا کہ خدا تعالیٰ کو ان سے محبت ہے تم مطمئن رہو۔ ہر حال میں محب اور محبوب تم ہی ہو اور تیسری مصلحت یہ ہے کہ اہل ایمان کو نکھار دے یعنی گناہوں کا میل کچیل ان سے صاف کردے اس لیے کہ مصائب وآلام سے اخلاص اور اعمال کا تزکیہ اور تجلیہ اور تصفیہ ہوجاتا ہے اور شہادت سے تو سوائے قرض کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور چوتھی مصلحت یہ ہے کہ کافروں کو مٹائے یہ دوطرح سے ہوگا ایک تو یہ کہ جب اہل حق اور خدا کے دوستوں پر ظلم اور تعدی ہوگا تو قہر خداوندی جوش میں آئے گا اور شدت کے ساتھ اپنے دوستوں کا اپنے دشمنوں سے انتقام لے گا دوسرے یہ کہ کافر اپنی اس عارضی فتح پر مغرور اور مسرور ہو کر ان کی جرأت بڑھے گی اور دل کھول کر اور پوری تیاری اور پورے لاؤ لشکر کے ساتھ دوبارہ مسلمانوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے آئیں گے اس وقت حق تعالیٰ ان کو پوری شکست دیں گے جیسا کہ جنگ میں ایک فریق ازخود اس لیے پسپا ہوتا ہے کہ پلٹ کر اور سنبھل کر اپنے دشمن پر اس طرح حملہ کروں کہ دشمن محاصرہ میں آ جائے اور کسی طرح ہمارے چنگل سے نکل نہ سکے پس یہ پسپائی صورۃً شکست ہوتی ہے مگر حقیقت میں عین فتح ہوتی ہے۔ اور غنیم ظاہر میں اگرچہ فتحیاب ہو رہا ہے لیکن درحقیقت موت کے منہ میں جارہا ہے حق جل شانہٗ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو اس طور سے ہلاک کرتے ہیں۔ ﴿وَاللّٰہُ مُحِیۡطٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ﴾۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان مسلمانوں کو جو جنگ احد میں شریک تھے سستی اور کم ہمتی کی ممانعت فرمائی اور وقتی طور پر جو شکست پیش آئی تھی۔ تسلی کے لیے اس کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرمائیں اب آئندہ آیات میں اپنے محبین ومخلصین کی ایک شکایت ہے اور ایک ان کو نصیحت ہے شکایت تو یہ ہے کہ تم خود پہلے سے یہ تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم کو بھی جنگ بدر کی طرح کوئی موقع ملے کہ ہم بھی اصحاب بدر کی طرح خدا کی راہ میں مقتول اور شہید ہوں پس جب یہ موقع سامنے آیا تو پھر کیوں گھبرائے اور نصیحت یہ ہے کہ بغیر جہاد اور صبر کے سعادت اخروی نصیب نہیں ہوسکتی چنانچہ فرماتے ہیں کہ کیا تم نے یہ خیال کرلیا ہے کہ جنت میں داخل ہوجاؤ اور اس کے اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر فائز ہوجاؤ حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ممتاز نہیں کیا ان لوگوں کو کہ جو تم میں سے مجاہد ہیں اور نہ جدا کیا صابرین

کو یعنی کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ محض مسلمان ہونے کی بنا پر بغیر جہاد کیے اور بغیر تکلیف اٹھائے ہی جنت میں داخل ہو جاؤ خوب جان لو کہ جب تک حق تعالیٰ تمہارا امتحان لے کر مجاہدین کو غیر مجاہدین سے اور صابرین کو غیر صابرین سے لوگوں کی نظر میں واضح طور پر جدا اور ممتاز نہ کر دے اس وقت تک درجات عالیہ کی تمنا ایک خیال خام ہے اور شدائد و مصائب کو دیکھ کر تمہارے پائے استقامت میں کیوں تزلزل آیا حالانکہ تحقیق تم تو موت کے سامنے آنے سے پہلے ہی موت کی تمنا اور آرزو کرتے تھے تم ہی نے شوق شہادت میں جنگ احد کے وقت یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہیے پس تم نے اپنی تمنا اور آرزو یعنی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا پس جب تمنا تمہارے سامنے آ گئی تو پھر پیچھے کیوں ہٹتے ہو اور کیوں کمزوری دکھلاتے ہو۔

اُحد کی لڑائی میں کافروں کے ناگہانی حملہ کی وجہ سے بعض مسلمانوں کے قدم ہٹ گئے اور عین اس ہنگامہ میں کسی شیطان نے پکار کر یہ کہہ دیا کہ محمد (ﷺ) مقتول ہو گئے اس خبر وحشت اثر سے مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے اور پاؤں اکھڑ گئے اور ہمتیں ٹوٹ گئیں اس وقت بعض کمزور مسلمانوں کی زبانوں سے یہ نکلا کہ کاش عبد اللہ بن ابی۔ ہمارے لیے ابوسفیان سے امان حاصل کر لے اور بعض منافقوں نے کہا کہ اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے اب تم اپنے بھائیوں میں شامل ہو جاؤ اور اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ اس وقت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر محمد ﷺ قتل ہو گئے تو کیا ہوا۔ ربِ محمد ﷺ تو زندہ ہے، اسے تو موت نہیں رسول اللہ ﷺ کے بعد تم زندگی کو لیکر کیا کرو گے جس چیز پر آپ کافروں سے لڑے تم بھی اسی بات پر ان سے لڑو اور جس بات پر آپ نے جان دے دی تم بھی اسی پر جان دے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور حملہ کیا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے رضی اللہ عنہ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور نہیں ہیں محمد ﷺ مگر ایک رسول یعنی پیغمبر خدا ہیں خدا نہیں کہ جن پر موت اور فناء کا آنا محال ہو تحقیق آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے پس اگر محمد ﷺ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر اپنے کفر کی طرف واپس ہو جاؤ گے پیغمبر کے قتل کی خبر سنکر پائے استقامت میں تزلزل آ جانا تمہاری شان رفیع کے لحاظ سے نمونۂ ارتداد ہے۔ ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَوْ خَطَرَتْ لِيْ فِيْ سِوَاكَ اِرَادَةٌ عَلٰى خَاطِرِيْ يَوْمًا حَكَمْتُ بِرِدَّتِيْ

"اے میرے محبوب اگر میرے دل میں تیرے سوا کا کسی وقت کوئی خیال اور خطرہ بھی آ جائے تو میں اسی وقت اپنے مرتد ہونے کا حکم لگاؤں گا"۔

عاشق صادق کے دل میں محبوب کے سوا کا خطرہ آنا یہ ارتداد فی المحبت ہے اور جو شخص اپنے ایڑیوں کے بل اپنے گزشتہ دین کی طرف واپس ہو جائے گا تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا بلکہ اپنا ہی کچھ بگاڑے گا اور اللہ تعالیٰ ضرور انعام دیں گے شکر گذاروں کو شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام اور ایمان اور ہدایت کی نعمت کے شکر گزار ہیں۔

اور رسول ﷺ کی زندگی میں اور رسول ﷺ کی وفات کے بعد دین حق پر قائم ہیں اور خدا کے لیے اور دین کی حفاظت کے لیے کسی حال میں جہاد سے سستی نہیں کرتے کیونکہ ان کا عمل رسول ﷺ کے لیے نہیں ہے کہ اس کی وفات کے بعد وہ عمل جاتا رہے بلکہ خالص اللہ کے لیے ہے جس کو کبھی موت اور فنا نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں شاکرین سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مراد ہیں جو

دین پر قائم اور ثابت رہے اور ابوبکر صدیق امیر الشاکرین تھے۔ (روح المعانی ص ۶۷ ج ۴) اس آیت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محبانہ عتاب ہے کہ اصل معبود اور مقصود وہ حی لا یموت ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، جو واسطہ فی العبودیت ہیں واسطہ کے اٹھ جانے سے پائے استقامت میں کیوں تزلزل آیا۔ امیر الشاکرین یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب خطبہ دیا تو سب کو تسلی ہوگئی اور وقتی طور پر جو اضطراب پیش آیا تھا وہ دور ہوگیا اور امیر الشاکرین (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے جب فتنۂ ارتداد میں راہ استقامت اختیار کی اور مرتدین سے جہاد و قتال کیا تو اللہ نے ان کو اس کی جزاء دی یعنی فتح دی۔

اب آگے فرماتے ہیں کہ موت ہر ایک کی مقدر ہے وقت سے پہلے کوئی مر ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اسباب موت کے جمع ہو جانے سے جہاد و قتال میں کوئی کمزوری اور پستی نہ آنے پائے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کی خبر سن کر مایوس اور بد دل ہو کر بیٹھ رہنا چاہیے چنانچہ فرماتے ہیں کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ بغیر حکم خداوندی مر جائے موت نوشتۂ خداوندی ہے اور مقید بقید وقت ہے لہٰذا جہاد میں جی چرانے اور پرہیز کرنے سے کوئی فائدہ نہیں کوئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مر سکتا اگرچہ وہ ساری عمر ہلاکت کے مقامات اور جنگ کے میدانوں میں گھسا رہے۔ اور جو شخص دنیا کا نفع چاہے گا ہم اس کو دنیا میں سے کچھ دیں گے اور جو شخص آخرت کا نفع چاہے گا ہم اس کو آخرت کے منافع میں سے دیں گے اور شکر گذاروں اور احسان ماننے والوں کو ضرور بالضرور انعام دیں گے شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور جہاد جو کہ ایک نعمت الٰہی ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ثابت قدم رہے اور دشمن کے مقابلہ سے نہیں ہٹے ایسے لوگوں کو خاص انعام ملے گا۔ یعنی دین بھی ملے گا اور دنیا بھی ملے گی۔ دین ان کے دل میں ہوگا اور دنیا ان کے قدموں میں ہوگی۔

ان آیات میں اشارہ اس طرف ہے کہ جہاد میں فقط دنیوی منفعت پر نظر نہ ہونی چاہیے۔ یہ کام منافق کا ہے کہ جس کا مطمع نظر فقط دنیاوی نفع ہو اور مؤمن مخلص وہ ہے کہ جس کا مطمع نظر خاص آخرت ہو اور اصلی مطمع نظر تو آخرت ہو اور تبعاً کچھ مال غنیمت بھی مطلوب ہو تو مضائقہ نہیں لیکن یہ مقام رخصت ہے مقام عزیمت نہیں عجب نہیں کہ اس آیت میں ان لوگوں پر تعریض ہو جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حکم مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑ سے نیچے اتر آئے تھے اور جو کوہ استقامت تھے وہ پہاڑ پر آپ کے حکم کے مطابق ثابت قدم رہے یہ حضرات اصحاب عزیمت تھے اور جو لوگ پہاڑ سے اتر کر مجاہدین کے ساتھ مال غنیمت کے جمع کرنے میں آکر شریک ہوئے وہ اصحاب رخصت تھے اور یہ نیچے اترنے والے اگرچہ عزیمت کے لحاظ سے کم تھے مگر سارے عالم سے بالا اور برتر تھے ؎

آسمان نسبت بہ عرش آمد فرود
یک بس عالی است پیش خاک تود

فوائد ولطائف

① اُحد کی لڑائی میں ایک کافر نے پکار کر یہ کہہ دیا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار آیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زخم آئے تھے جس سے بہت خون آیا تھا ضعف کی وجہ سے ایک گڑھے میں گر گئے۔ مسلمانوں نے آپ کو نہ دیکھا اس لیے ان کو آپ کی شہادت کا یقین ہوگیا محبین و

عاشقین کے تو اس خبر سے ہوش اڑ گئے اور پاؤں اکھڑ گئے اور بعض منافقین یہ کہنے لگے کہ جب محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) قتل ہو گئے تو ہمیں اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب کی طرف واپس ہو جانا چاہیے۔ اور انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اگر محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) مقتول ہو گئے تو رب محمدؐ تو مقتول نہیں ہوا جس چیز پر آپ نے جان دی اسی پر ہم کو جان دے دینی چاہیے۔

اسی اثناء میں جب آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ضعف سے کچھ افاقہ ہوا اور ہشیار ہوئے تو آپ نے آواز دی: الیّ عباد الله، انا رسول الله۔ میری طرف آؤ، اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا رسول ہوں۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو للکار کر آواز دی: یا معشر المسلمین! اے گروہ مسلمین! تم کو بشارت ہو، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یہاں موجود ہیں۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سمٹ کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قریب جمع ہو گئے۔

② اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلا دیا کہ اللہ کا رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہنا اور اشارہ اس طرف ہے کہ آئندہ حضور پرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے بعد کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہوگا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کہ بہت سے لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا۔ رضی الله عنه وارضاه۔

③ میدان احد میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بہ نفس نفیس خود مجاہدین کو صفوں کی مرتب فرمایا صفیں درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی تھا جہاں سے یہ اندیشہ تھا کہ دشمن، لشکر اسلام پر عقب سے حملہ آور ہو جائے اس جگہ پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر فرمایا جن پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ تم اپنے اس مرکز کو کسی حال میں نہ چھوڑنا مسلمان خواہ غالب ہوں یا مغلوب حتیٰ کہ اگر تم یہ دیکھو کہ جانور ہم کو اچک کر لے جا رہے ہیں (یعنی کافر ہم پر غالب آ رہے ہیں) تو تم اپنی جگہ پر قائم رہنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آدمی بھیجوں۔

اس ہدایت کے بعد جنگ شروع ہوئی اور مجاہدین اسلام نے شجاعت کے جوہر دکھلائے اور اس بے جگری سے کافروں کا مقابلہ کیا کہ کافروں کو سوائے راہ فرار کے کوئی راستہ نظر نہ آیا حق تعالیٰ نے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا مشرکین شکست کھا کر بُری طرح بھاگے۔ مجاہدین نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

پہاڑ پر سے جب اُن پچاس تیر اندازوں نے یہ منظر دیکھا کہ کافر بھاگ چکے ہیں اور مسلمان مال غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہیں تو سمجھے کہ فتح مکمل ہو گئی اب یہاں ٹھہرنا ضروری نہیں عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد مبارک یاد نہیں رہا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا کہ کسی حال میں اپنی جگہ سے نہ ٹلنا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ مطلب نہ تھا آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اس حکم سے جو منشا تھا وہ پورا ہو گیا اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال کر کے نیچے اتر آئے اور مال غنیمت جمع کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو گئے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چند رفقاء نے کہا کہ تم کو اختیار ہے ہم نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشاد کے مطابق اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے چنانچہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے گیارہ ساتھی درہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔

مشرکین کے سواروں کا رسالہ اُس وقت خالد بن ولید کے زیر کمان تھا (جو ابھی تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے) انہوں نے دیکھا کہ درہ خالی ہے پلٹ کر درہ کی جانب سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیر انداز ایک پورے رسالہ کی یلغار کی تاب نہ لا سکے تاہم عبداللہ بن

جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے پورا مقابلہ کیا اور بالآخر جام شہادت نوش کیا۔

مسلمان مجاہدین اپنے عقب سے مطمئن تھے ناگہاں مشرکین کا پورا رسالہ اور ایک فوجی دستہ ان کے سروں پر جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج بھاگی جارہی تھی وہ یہ منظر دیکھ کر پلٹ پڑی۔ اب مسلمانوں کی جماعت دو طرف سے گھر گئی پیچھے سے سواروں کا دستہ آ گیا اور آگے سے پیادوں کی فوج واپس آ گئی اور خوب زور کے ساتھ مقابلہ ہوا جس میں بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہوئے اسی افراتفری میں عبداللہ بن قمیہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا اور چہرۂ انور زخمی ہوا۔ ابن قمیہ نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے، مگر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا انہوں نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ زخم کی شدت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔ کسی شیطان نے یہ آواز لگا دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کر دیئے گئے۔ الی آخر القصہ۔

ناظرین اس واقعہ کو یاد رکھیں، کیونکہ آئندہ آیات میں اس واقعہ کے اجزاء کی طرف بار بار اشارہ ہے، اُن آیات کا سمجھنا اس واقعہ کے جاننے پر موقوف ہے اس لیے اس واقعہ کا استحضار ضروری ہے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب۔ پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ

اللہ کی راہ میں، اور نہ سست ہوئے ہیں نہ دب گئے ہیں۔ اور اللہ

يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

چاہتا ہے ثابت رہنے والوں کو۔ اور کچھ نہیں بولے، مگر یہی کہا کہ اے رب ہمارے بخش

ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى

ہمارے گناہ، اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں، اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ

منکر قوم پر۔ پھر دیا ان کو اللہ نے، ثواب دنیا کا بھی، اور خوب ثواب

۱۵ ع ۵ ۶ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

آخرت کا اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔

ذکر استقلال مجاہدین امم سابقہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ ... الی ... وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مسلمانوں کی کمزوری پر شکایت اور ملامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں بھی انبیاء سابقین کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے کافروں سے جہاد و قتال کیا اور امت کے سامنے ان کے نبی شہید بھی ہوئے لیکن وہ لوگ ثابت قدم رہے اور خوف زدہ اور سست نہیں ہوئے تم کو بھی ایسا ہی چاہیے اور تم تو خیر الامم ہو تم کو تو ان سے بڑھ کر صبر اور استقامت کا ثبوت دینا چاہیے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر خدا پرستوں اور اللہ والوں نے کافروں کے ساتھ جہاد و قتال کیا مگر ان تکلیفوں کی وجہ سے جو ان کو خدا کی راہ میں پہنچیں ان سے گھبرا کر نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ جہاد و قتال میں سست پڑے اور نہ دشمن کے سامنے جھکے اور نہ اس سے دبے اور نہ اس کے سامنے کوئی عاجزی ظاہر کی جیسے جنگ احد میں بعض منافقین کہنے لگے کہ کاش کوئی ہمارے لیے ابوسفیان سے امان حاصل کر لے اور اللہ تعالیٰ شدائد اور مصائب میں صبر کرنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ پس جس طرح ان لوگوں نے تکلیفوں کی وجہ سے ہمت نہیں ہاری اور باوجود نبی کے شہید ہو جانے کے اپنے دین کو نہیں چھوڑا جیسے نبی کی زندگی میں دین حق کی اشاعت میں کوشش کرتے رہے ویسے ہی ان کی شہادت کے بعد بھی کرتے رہے اس لیے وہ اللہ کے محبوب بنے پس تمہیں ان کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیے اور ان اللہ والے مجاہدین کے صبر و استقامت کا یہ عالم تھا کہ ایسی مصیبت کے وقت قدم تو کیا لڑکھڑاتے۔ زبان میں بھی لغزش نہیں آئی اور ایسے نازک وقت میں بجائے مخلوق کی طرف جھکنے کے اپنے خالق اور مالک کی طرف جھکے۔ اور اس نازک وقت میں کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری تمام تقصیرات کو اور اس کام میں ہماری تمام زیادتیوں کو معاف فرما اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ ہمارا صبر اور ہماری ثابت قدمی آپ کی تائید اور اعانت پر موقوف ہے بندۂ عاجز اپنے حَول وقوت سے جادۂ صبر و استقامت پر قائم نہیں رہ سکتا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ پس اے پروردگار تو اپنی رحمت و عنایت سے ہم کو ثابت قدم رکھ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ تکالیف و مصائب کی وجہ سے قدم لڑکھڑا جائیں اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما اور ہمیں فتح دے پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی بھی جزاء دی یعنی دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد کی اور ان کو فتح دی اور ملک کی سرداری اور عزت عطا کی اور آخرت کا بھی ان کو اچھا بدلہ دیا کہ خدا تعالیٰ ان سے خوش ہوا اور انہیں اس کا قرب نصیب ہوا اور جنت کی وہ نعمتیں جو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خطرہ گزرا اور آخرت کے ثواب کو اچھا اس لیے فرمایا کہ آخرت کے ثواب میں کسی شر اور ضرر کی آمیزش نہیں پھر یہ کہ آخرت کا ثواب باقی ہے اور دنیا کا فانی۔ عاقل کا کام یہ ہے کہ باقی کو فانی پر ترجیح دے اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں یعنی مخلصوں کو محبوب رکھتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مصائب و شدائد میں توبہ و استغفار میں لگ جائے بسا اوقات مصیبت کے آنے میں گناہوں کو کچھ دخل ہوتا ہے ؎

غم چو آمد زود استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى

اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے منکروں کا، تو تم کو پھیر دیں گے الٹے پاؤں پھر

اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ

جاپڑو گے نقصان میں۔ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے، اور اس کی

النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا

مدد سب سے بہتر ہے۔ اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں ہیبت اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۗ وَبِئْسَ

اللہ کا جس کی اس نے سند نہیں اتاری، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور بری

مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ

بستی ہے بے انصافوں کی۔ اور اللہ تو سچ کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم لگے ان کو کاٹنے

بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ

اس کے حکم سے۔ جب تک کہ تم نے نامردی کی، اور کام میں جھگڑا ڈالا، اور بے حکمی کی،

مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۗ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ

بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز۔ کوئی تم میں چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں

مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ

چاہتا تھا آخرت۔ پھر تم کو اُلٹ دیا ان پر سے، اس واسطے کہ تم کو آزماوے۔ اور وہ تو

عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ

تم کو معاف کر چکا۔ اور اللہ فضل رکھتا ہے ایمان والوں پر۔ جب تم چڑھے جاتے تھے

وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ

اور پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو، اور رسول پکارتا تھا تم کو پچھاڑی میں پھر تم کو تنگ

غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ

کیا بدلہ تمہارے تنگ کرنے کا تو غم نہ کھایا کرو، جو ہاتھ سے جاوے اور جو سامنے آوے

وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ

اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی۔ پھر تم پر اتاری تنگی کے بعد اُونگھ،

اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ

کہ گھیر رہی تھی تم میں بعضوں کو، اور بعضوں کو فکر پڑا تھا اپنے جی

اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ

کا خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں کے، کہتے تھے

لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِیْۤ

کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ؟ تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ اپنے جی میں

اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا

شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ

ہمارے ہاتھ، تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ۔ تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِيَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ

لکھا تھا مارے جانا اپنے پڑاؤ پر۔ اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ

صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

تمہارے جی میں ہے، اور نکھارنا تھا جو کچھ تمہارے دل میں ہے، اور اللہ کو معلوم ہے

الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا

جی کی بات۔ جو لوگ تم میں ہٹ گئے جس دن بھڑیں دو فوجیں، سو ان کو

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ

ڈگایا شیطان نے کچھ ان کے گناہ کی شامت سے۔ اور ان کو بخش چکا اللہ

ع ۱۶ ۷
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

بے شک اللہ بخشنے والا ہے تحمل رکھتا۔

ترہیب مؤمنین از قبول مشورۂ کفار و منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا . . . الی . . . اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں خدا پرستوں اور اللہ والوں کی راہ اور طریق پر چلنے کی ترغیب تھی۔ اب ان آیات میں اعداء اللہ بد باطنوں کے کہا ماننے سے منع فرماتے ہیں تاکہ مسلمان ہشیار رہیں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے اور ان کے مشورہ پر عمل کرو گے تو یہ تم کو الٹے پاؤں کفر کی طرف پھیر دیں گے تو پھر تم دنیا اور آخرت کے خسارہ اور نقصان میں جا پڑو گے اگر تم کافروں کی پناہ میں آ گئے اور ان کی حکومت قبول کر لی جیسا کہ بعض منافقین تم کو مشورہ دیتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اس میں دنیا اور آخرت کا خسارہ اور دونوں جہان کی ذلت ہے ان کو ہرگز اپنا دوست اور معین و مددگار نہ سمجھو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز اور مددگار ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب ابوسفیان اُحد سے واپس ہونے لگا اور ھبل بت کی جے پکاری اور یہ کہا کہ لنا العزی ولا عُزّٰی لکُمْ تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ یہ جواب دو: اللہ مولانا ولا مولی لکُمْ، اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے پس اے مسلمانو تم اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو۔ ابوسفیان اور عبداللہ بن ابی کی مدد کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یہ تو تمہارا امتحان تھا، اب دیکھو کہ ہم کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت ڈالتے ہیں جس سے تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ خیر الناصرین کس طرح بغیر قتال کے مدد کرنے پر قادر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تم گھبراؤ نہیں اب ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہاری ہیبت اور دہشت ڈالیں گے کہ ان کا ظاہری کروفر کچھ کام نہ آئے گا اور باوجود تمہارے کمزور اور زخمی ہونے کے پلٹ کر تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب ابوسفیان اور مشرکین احد سے مکہ کی طرف واپس ہوئے تو راستہ میں خیال آیا کہ جب ہم نے مسلمانوں کو شکست دے دی تھی تو بلا کام تمام کئے ہم کیوں واپس ہوئے اب چل کر مسلمانوں کا بالکل کام تمام کر دینا چاہیے جب یہ ارادہ پختہ ہو گیا تو یکایک اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ دوبارہ حملہ کی ہمت نہ ہوئی آگے فرماتے ہیں کہ کافروں کی مرعوبیت کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کیا جن کی شرکت پر کوئی دلیل اور حجت نہیں اور جو شخص اپنے دین پر بغیر دلیل کے اعتقاد رکھتا ہو اس کو کبھی سکون و اطمینان نہیں نصیب ہو سکتا وہ ہمیشہ خلجان اور اضطراب میں رہتا ہے اور وہمیات کا اتباع کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہمیات کی اتباع سے قلب میں قوت نہیں آتی وہمیات کا اتباع کرنے والا ہر وقت وہمی

خطرات سے ڈرتا رہتا ہے۔شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ چور ہیں اللہ کے اور چور کے دل میں ڈر ہوتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ ان کے دل میں ہیبت ڈالے گا۔(انتہی)

یہ تو مشرکین کی دنیا کا حال ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ یہ حکم غزوۂ احد کے ساتھ مخصوص نہیں مسلمان اگر حقیقی معنی میں مسلمان ہوں تو کافر ضرور ان سے مرعوب ہوں گے کافروں کا مرعوب ہونا ایمان اور اس کے آثار پر موقوف ہے لہٰذا آج کل جو مسلمانوں کی دہشت کافروں کے دل میں نہیں دیکھی جاتی۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں لفظ اسلام کا موجود ہے اور معنی اسلام اور ایمان کے مفقود ہیں خاص کر مغرب زدہ ذہنیتیں اسلامی عقائد اور اعمال سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ان کا ظاہر و باطن مغربیت کے رنگ میں رنگین ہے۔ یورپ ان کو اپنا عاشق مُتَمِلِّق سمجھتا ہے اور ظاہر ہے کہ معشوق عاشق سے کیوں ڈرے گا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اب آگے شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ جب اس خیر الناصرین نے احد میں امداد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا تو پھر یہ ہزیمت اور شکست کیسے ہوئی اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے آئندہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جبکہ تم کافروں کو ابتدائی حملہ میں اس کے حکم سے گھانس کی طرح کاٹ رہے تھے۔ یعنی حق تعالیٰ نے تم سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ابتداء جنگ میں تم نے کافروں کو کھیت کی طرح کاٹ کے رکھ دیا۔ یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور پیغمبر خدا نے جو تم کو حکم دیا تھا کہ اس مرکز پر جمے رہنا اس میں تم نے اختلاف کیا بعض نے کہا کہ ہم کو یہیں جما رہنا چاہیے اور اکثر نے یہ کہا کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں فتح مکمل ہوگئی اور کافر پشت پھیر کر بھاگ رہے ہیں اس لیے ہم کو چل کر مال غنیمت جمع کرنا چاہیے اور حکم رسول کی تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری محبوب چیز آنکھوں سے دکھلائی یعنی فتح و نصرت تم میں سے کوئی دنیا کا مال و منال یعنی غنیمت کو چاہتا تھا اگرچہ وہ دنیا حلال ہی کیوں نہ ہو اور کوئی تم میں سے آخرت کا طلب گار تھا پس اکثر لوگ پہاڑ سے اتر آئے اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے۔ مشرکین نے اسی درہ کے راستہ سے فوراً مسلمانوں پر حملہ کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کافروں سے پھیر دیا اور تم کو فتح کے بعد شکست دی تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ ان شدائد اور مصائب میں کون اسلام پر قائم رہتا ہے اور کون اس کا ساتھ چھوڑتا ہے۔

فائدہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس آیت ﴿مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا﴾ کے نازل ہونے سے پہلے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب بھی ہے۔(تفسیر ابن کثیر ج ۱) اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس لغزش کو بالکل معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان اور اخلاص والوں پر بڑا فضل فرمانے والے ہیں اور حق تعالیٰ نے جب ان کی غلطی کو معاف کر دیا تو کسی خارجی اور رافضی کو ان کی اس لغزش پر کسی قسم کی طعن و تشنیع جائز نہیں یاد کرو اس وقت کو جب تم خوف اور دہشت کی وجہ سے دور بھاگے جا رہے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی کسی کو نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو پس پشت پکار رہے تھے۔ الیّ عباد اللہ الیّ عباد اللہ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو۔ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو پس اللہ تعالیٰ نے اس کی پاداش میں تم کو غم پر غم دیا یعنی کئی طرح کے غموں میں مبتلا کیا ایک غم

دشمن کے غالب آنے کا ایک غم اپنے مارے جانے اور زخمی ہونے کا اور ایک غم نبی اکرم ﷺ کے سر مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک کے شہید ہونے کا اور ایک غم رسول اللہ ﷺ کے قتل کی جھوٹی خبر کے مشہور ہونے کا اور ایک غم فتح کے بعد شکست ہوجانے کا اور ایک غم منافقین کی شماتت کا اور اس غم پر غم دینے کی حکمت اور مصلحت یہ تھی کہ آئندہ کے لیے تم میں پختگی پیدا ہوجائے اور یہ بات دلوں میں بیٹھ جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کسی حال میں عدول نہ چاہیے حتیٰ کہ تم کندن بن جاؤ اور صبر کے اس درجہ عادی ہوجاؤ کہ آئندہ * کو غم نہ کیا کرو ان چیزوں پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہیں اور نہ غم کیا کرو ان تکلیفوں پر جو تم کو پہنچیں یعنی تمہارے دلوں سے دنیا کی محبت ایسی اٹھ جائے کہ نہ اقبال پر خوش ہوا کرو اور نہ ادبار پر غم کیا کرو۔ دنیاوی منافع اور مضرتوں کا وجود اور عدم تمہاری نظروں میں یکساں ہو جائے۔ ہر حال میں مشیت الٰہی پر راضی رہا کرو اور ایلام دوست بہ از انعام دوست کو پیش نظر رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ تمہاری کیا نیت تھی۔ اس وقت کی شکست سے گھبراؤ مت۔ انجام تمہارا فتح و نصرت پر ہوگا اور پھر حق تعالیٰ نے اس غم کے بعد تمہارا غم دور کرنے کے لیے تم پر ایک امن نازل کیا یعنی ایک اونگھ اتاری جو تم میں سے ایک گروہ کو گھیر رہی تھی یہ مؤمنین مخلصین کا گروہ تھا۔ جن پر ایک دم حق تعالیٰ نے غنودگی طاری کردی لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے یہاں تک کہ بعض صحابہ کی یہ حالت ہوئی کہ تلوار اٹھاتے تھے اور گر جاتی تھی اس نیند سے مسلمانوں کے دلوں سے کفار کا رعب نکل گیا۔

یہ غنودگی من جانب اللہ ایک نوع کی سکینت اور طمانیت تھی جو حق تعالیٰ کے محض فضل و رحمت سے اس ہنگامہ میں مؤمنین مخلصین کے قلوب پر نازل ہوئی یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب کہ مسلمانوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں اور حضور پر نورؐ کے قتل کی خبر سے رہے سہے ہوش و حواس بھی جاتے رہے تھے اس وقت کی یہ نیند، بیداری کا پیام تھا اور اس امر کی بشارت تھی کہ اضطراب اور پریشانی دور ہوئی اور سکون اور اطمینان کا وقت آ گیا اب مطمئن ہو کر راہ خدا میں جہاد کرو قاعدہ ہے کہ انسان کو نیند اسی وقت آتی ہے کہ جب اس کو پورا امن اور اطمینان حاصل ہو خوف و ہراس کے وقت نیند نہیں آتی پس دشمن کے مقابلہ پر میدان جنگ میں نیند کا آنا مسلمانوں کے حق میں ایک نعمت الٰہی تھا جس میں ان کی فتح کا راز مضمر تھا کیونکہ ان کو اس اونگھ سے چند فائدے پہنچے ایک تو یہ کہ دشمن کا خوف و ہراس دل سے دور ہوا دوم یہ کہ رفقاء کے مقتول و مجروح ہونے کا جو قلق اور صدمہ تھا وہ ہلکا ہوا۔ سوم یہ کہ جنگ کا جو تعب اور تکان تھا وہ سب یک لخت دور ہوگیا۔ اور از سر نو تازہ دم ہوگئے اور دشمن کے مقابلہ میں دلیر ہوگئے یہ حال تو مؤمنین مخلصین کا تھا۔ اور بعضوں یعنی منافقوں کو اپنی جانیں بچانے کی فکر اور اسی کا غم لگا ہوا تھا وہ اطمینان اور امن کی نیند سے بالکل محروم تھے انہیں تو یہ فکر تھی کہ یہاں سے کسی طرح جان بچا کر نکلیں۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر تو اونگھ نازل کر کے ان کے دلوں سے دشمنوں کا خوف دور کردیا۔ منافقین پر نیند نہ طاری کی اس لیے ان پر دشمنوں کا خوف مستولی رہا اور خوف کی وجہ سے منافقوں کو اپنی جانوں کی فکر پڑ گئی حق تعالیٰ کے ساتھ جاہلانہ اور احمقانہ ناحق بدگمانی کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے جو فتح و نصرت کے وعدے کیے تھے وہ کہاں گئے۔ ظاہری حالت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ختم ہوا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا... الاٰیۃ﴾ (الفتح:۱۲) منافقین کو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر وثوق نہ تھا صرف غنیمت کی لالچ سے جنگ میں شریک ہو

* بعض علماء کا قول یہ ہے کہ ﴿لِكَيْلَا﴾ میں لَا زائدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو غم پر غم دیا تا کہ اس منفعت کے فوت ہونے کا تم کو رنج ہو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اسی طرح اس تکلیف کا تم کو رنج ہو جو تم کو پہنچی کیونکہ یہ تمہاری نافرمانی کی سزا ہے جس سے مقصود محض تمہاری تنبیہ و تادیب ہے۔ واللہ اعلم۔

گئے تھے کہتے یہ تھے کہ آیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ اختیار ہے۔ بظاہر تو مطلب یہ تھا کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی۔

سو حق تعالیٰ نے اس کی واقعیت بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ بے شک سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے یہ جواب تو منافقین کے الفاظ کے ظاہری معنی کے اعتبار سے تھا اب آئندہ آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس قول سے منافقین کے دل میں کیا نیت تھی اور ان کا دلی مطلب کیا تھا اس قول سے ان کا دلی مطلب یہ تھا کہ اگر ہماری رائے پر چلتے اور مدینہ سے باہر جا کر نہ لڑتے تو ہم مقتول نہ ہوتے آئندہ آیت میں اس قول سے ان کی نیت اور دلی مطلب مع جواب کے مذکور ہے چنانچہ فرماتے ہیں چھپاتے ہیں یہ منافقین اپنے دلوں میں وہ باتیں جو صراحۃً ظاہر نہیں کرتے ظاہر میں تو یوں کہتے ہیں کہ اگر اس کام میں ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ پر نہ مارے جاتے یہ کلام ظاہر کے لحاظ سے ٹھیک ہے کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی مگر دلی مطلب ان کا یہ تھا کہ اگر ہمارے مشورہ پر عمل کرتے اور مدینہ سے باہر نکل کر نہ لڑتے اور ہماری کچھ شنوائی ہوتی تو ہم کیوں مارے جاتے تو اے نبی کریم آپ ﷺ ان کے دلی مطلب کے جواب میں کہہ دیجیے کہ اے مدعیان تدبیر و اختیار اگر تم اپنے گھروں میں بھی مامون و مطمئن بیٹھے ہوئے ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل لکھا ہوا تھا تو وہ خود بخود اپنے قتل گاہوں کی طرف نکل پڑتے ان کا گمان یہ ہے کہ اگر مدینہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور میدان احد میں نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے سو یہ گمان غلط ہے۔ قضاء و قدر بند کوٹھریوں سے نکال کر قتل کے لیے میدان میں لا کھڑا کر دیتی ہے لہٰذا منافقین کا مسلمانوں کو یہ الزام دینا کہ انہوں نے ہم کو لا کر مروایا ہے غلط ہے موت تو کسی حال میں ٹلتی نہیں البتہ بہترین موت وہ ہے کہ جو خدا کی راہ میں آئے اور بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ جو بہادروں کی موت مرے اور خدا کی راہ میں شہید ہو جائے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہٗ نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ کی قضاء و قدر ظاہر ہو اور جس کے لیے شہادت کی مبارک موت مقدر ہے اس کو شہادت کی کرامت و عزت حاصل ہو اور تا کہ تمہارے سینوں میں جو چیز پوشیدہ ہے اس کا امتحان لے کر ان میں کس درجہ کا ایمان اور اخلاص ہے مصیبت کے وقت اخلاص اور نفاق ظاہر ہو جاتا ہے اور تا کہ اس شکست سے تمہارے دلوں میں جو کچھ کھوٹ ہے اس کو نکھار دے جیسے آگ سونے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے خدا تعالیٰ کے آزمانے کے معنی یہ ہیں کہ جو بات اس کے علم ازلی میں ہے وہ سب پر ظاہر ہو جائے اور نکھارنے کے معنی یہ ہیں کہ احد کے مصائب سے ان کو یہ علم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ یکدم فتح شکست سے بدل جاتی ہے تو ان کے دلوں میں جو نافرمانی کا کچھ کھوٹ ہے وہ بالکل جاتا رہے اور نظر بالکلیہ اسباب ظاہری سے اٹھ جائے اور دل توجہ الیٰ غیر اللہ سے منزہ ہو جائے اور اس طرح خالص کندن بن جائیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں چھپا ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ اسے کسی آزمائش کی حاجت نہیں مگر آزمانے میں اس کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کا نہ اظہار ضروری ہے اور نہ جاننا ضروری ہے۔

شاہ عبد القادر قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔ اس شکست میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہ گئے ان پر اونگھ آئی اس کے بعد رعب اور دہشت دفع ہو گیا۔ اور اتنی دیر حضرت محمد ﷺ کو غشی رہی پھر جب ہوشیار ہوئے سب نے حضرت کے پاس جمع ہو کر پھر لڑائی قائم کی اور سست ایمان والے کہنے لگے کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ ہے ظاہر یہ معنی کہ اس شکست کے بعد کچھ بھی ہمارا کام بن رہے گا یا بالکل بگڑ چکا یا یہ معنی کہ اللہ نے چاہا سو کیا ہمارا کیا اختیار اور نیت میں یہ معنی تھے کہ ہماری مشورت پر عمل نہ

کیا جو اتنے لوگ مرے اللہ نے دونوں معنوں کا جواب فرما دیا اور بتایا کہ اللہ کو اس میں حکمت منظور تھی تا کہ صادق اور منافق معلوم ہو جائیں۔ (موضح القرآن) تحقیق تم میں سے جن لوگوں نے پشت پھیری جس دن کہ مسلمانوں اور کافروں کی دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں۔ یعنی احد کے روز سو جز ایں نیست کہ ان کا یہ بھاگنا کفر و ارتداد کی بناء پر نہ تھا بلکہ ان کی ایک لغزش تھی کہ شیطان نے بعض اعمال کی نحوست اور شامت کی وجہ سے ان کا قدم پھسلا دیا مسلمانوں کا قدم تو ٹھیک ہی راہ پر جا رہا تھا مگر اس درمیان میں مورچہ کو چھوڑ کر غنیمت پر دوڑے تو اس معصیت کی نحوست سے شیطان کو موقع مل گیا اس لیے کہ شیطان کا داؤ اس وقت چلتا ہے جب انسان کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے خلاصہ یہ کہ ان کا بھاگنا بمقتضائے بشریت لغزش قدم تھی معاذ اللہ دیدہ و دانستہ کوئی نافرمانی نہ تھی۔ شیطان ایسے ہی محبین و مخلصین کی تاک میں رہتا ہے کبھی کچھ داؤ چل بھی جاتا ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ان محبین و مخلصین کی اس لغزش کو بالکل معاف کر دیا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور بردبار ہیں کہ نہ دنیا میں کوئی سزا ہے اور نہ آخرت میں کوئی مواخذہ اور نہ باز پرس ہے تمام عالم کو حق تعالیٰ نے سنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا بالکلیہ معاف کر دی اب کسی کی یہ مجال نہیں کہ ان پر طعن یا ملامت کرے حق تعالیٰ کی معافی کے بعد جو ان پر طعن کرے گا وہ مجرم اور قصوروار ٹھہرے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ

اے ایمان والو! تم نہ ہو ان کی طرح جو منکر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو

إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا

جب سفر کو نکلیں ملک میں، یا ہوں جہاد میں، کہ اگر رہتے ہم پاس نہ مرتے اور نہ مارے

وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي

جاتے کہ اللہ اس سے ڈالے افسوس ان کے دل میں۔ اور اللہ ہے جلاتا

وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ

اور مارتا۔ اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ

اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾

میں یا مر گئے، تو بخشش اللہ کی اور مہربانی بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے اللہ ہی کے پاس اکٹھے ہوں گے۔

ممانعت از مشابہت کفار

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا ... الی ... لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۵۸ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں منافقین کا یہ مقولہ نقل فرمایا تھا: ﴿ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ﴾۔ یہ مقولہ ان منافقین کا تھا جو جنگ احد میں شریک تھے جس کی تردید گذر چکی اب ان آیات میں اسی قسم کا مقولہ منافقین کا ذکر کرتے ہیں وہ مقولہ یہ ہے: ﴿ لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ﴾۔ لیکن یہ مقولہ ان منافقین کا ہے کہ جو جنگ میں شریک نہ تھے چونکہ اس قسم کے اقوال سے کمزور مسلمانوں کے دلوں میں وساوس پیدا ہونے کا اندیشہ تھا، اس لیے حق تعالیٰ آئندہ آیات میں مسلمانوں کو ایسے اقوال اور احوال میں کافروں کی مشابہت اور موافقت سے منع فرماتے ہیں کہ مبادا ایسی باتوں کے سننے سے ایمان والوں کا قدم نہ پھسل جائے۔ یا یوں کہو کہ پہلی آیت میں شیطان جنّی کے بہکانے سے قدم کا ڈگمگانا اور پھسلنا مذکور تھا اور اس آیت میں شیاطین الانس کے بہکانے کا ذکر ہے کیونکہ شیاطین الانس یعنی کفار اور منافقین، شیاطین الجن کے اخوان اور بھائی ہی تو ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو تم ان لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو جو حقیقت میں کافر ہیں اگرچہ ظاہراً اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یعنی منافق ہیں۔

اور حدیث میں ہے:

((من تشبه بقوم فهو منهم)) "جو شخص جس قوم کے مشابہ بنے وہ اللہ کے نزدیک اسی قوم میں شمار ہوگا"۔

اور تشبہ میں درجات ہیں۔ کبھی تشبہ کامل ہوتا ہے اور کبھی ناقص، جس درجہ کا تشبہ ہوگا اسی درجہ کی وعید اس پر مرتب ہوگی، اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ ملک میں بغرض تجارت وغیرہ سفر میں نکلتے ہیں اور اتفاق سے وہاں مرجاتے ہیں یا جہاد میں ہوتے ہیں اور وہاں شہید ہوجاتے ہیں تو ان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ٹھہرے رہتے اور سفر اور جہاد میں نہ جاتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے اور بھائیوں سے مراد یا تو نسبی بھائی ہیں کیونکہ جنگ احد میں جو لوگ شہید ہوئے وہ کسی نہ کسی کافر کے رشتہ دار اور برادری ہی کے لوگ تھے یا میل ملاپ کے بھائی ہیں یا اس وجہ سے کہ منافقین ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے اس لیے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہہ دیا یا ان کو باعتبار ہم جنس اور بنی آدم ہونے کے بھائی کہا۔

حق تعالیٰ کافروں کے اس قول کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اس قسم کا قول ان کے لیے ذرہ برابر مفید نہیں بلکہ اس کا انجام [1] یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس سخن کو ان کے دلوں میں حسرت اور افسوس کا سبب بنائے گا۔ یعنی ان باتوں کا نتیجہ سوائے حسرت کے کچھ نہ ہوگا قتل اخوان کا صدمہ اپنی جگہ پر رہے گا اور اس قسم کی باتوں سے حسرت اور افسوس کے سبب تکلیف کا اور اضافہ ہوجائے گا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ان منافقین کی باتوں پر کان نہ دھرنا اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے۔ سفر اور جہاد کو موت میں اور وطن میں رہنے اور جہاد میں نہ جانے کو حیات میں کوئی دخل نہیں بسا اوقات وطن میں رہنے والا مر جاتا ہے اور مسافر اور مجاہد، خطرات اور ہلاکت کے میدانوں سے صحیح سالم واپس آجاتا ہے گھر تو کیا، موت کو تو آہنی قلعہ بھی نہیں روک سکتا اور اے مؤمنو! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے کہ کوئی لفظ

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ﴾ میں لام عاقبت کے لیے ہے جیسے ﴿ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ﴾ میں۔ ۱۲

تمہاری زبان سے کافروں کے مشابہ اور مانند تونہیں نکلتا آگے اشارہ فرماتے ہیں کہ خدا کی راہ میں مرجانے کو موجب حسرت نہ سمجھو بلکہ اس کو موجب فرح ومسرت سمجھواور اے مسلمانو! اگر تم اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو بلاشبہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت اس مال ومتاع سے کہیں بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔اس آیت سے خدا تعالیٰ کا مقصود مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ سمجھانا ہے کہ جہاد میں مارا جانا دنیا کی زندگی سے کہیں بہتر ہے اس لیے کہ زندگی کا فائدہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ انسان زندہ رہ کر اپنی محنت ومشقت سے کچھ مال ومتاع جمع کرے اور چند روزہ زندگی میں اس سے فائدہ اٹھائے بخلاف راہ خدا میں مارے جانے سے خدا تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا صلہ ملتا ہے وہ تمام دنیا کے مال ومتاع سے کہیں بہتر ہے اس لیے کہ دنیا کی تمام لذتوں اور منفعتوں میں مضرتوں کی آمیزش ہے دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس میں خالص نفع ہی ہو اور نقصان نہ ہو پھر یہ کہ یہ فانی اور چند روزہ ہیں اور اگر کچھ دیر پا بھی ہوں تو ان کا جمع کرنے والا دنیا میں مہمان ہے ممکن ہے کہ جن چیزوں کو کمال محنت اور جانفشانی سے جمع کیا ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور کل سے پہلے ہی مر جائے یا وہ مال ومنال اس کے پاس سے جاتا رہے لہٰذا دنیاوی مال ومتاع کے فوت ہوجانے کو موجب حسرت نہ سمجھو بلکہ ترک جہاد کو موجب حسرت سمجھو اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے خواہ خدا کی راہ میں یا کسی اور طریق سے تو ہر حالت میں تم اللہ ہی کی طرف اٹھائے جاؤ گے اور جب دونوں حالتوں میں خدا ہی کی طرف جانا ہے تو پھر خدا کی راہ میں جان دینا بہتر ہے تاکہ اس کی مغفرت اور رحمت حاصل ہو۔

فائدہ: اوپر کی آیت میں خدا کی راہ میں مارے جانے کا مرجانے کا حکم بیان فرمایا اب اس آیت میں عام موت اور عام قتل کا حکم بیان فرمایا کہ موت خواہ کسی طرح آئے بہر حال خدا ہی کے پاس جانا ہے تو پھر خدا کی راہ میں کیوں نہ مرو کہ وہ تمہیں اس کا ثواب دے اور تمہاری جان رائیگاں نہ جائے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری عمر جہاد میں گذاری اور شہادت کی تمنا میں رہے مگر شہید نہ ہوئے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر کوئی جگہ تیر وتلوار کے زخم سے خالی نہیں مگر افسوس آج اونٹ کی طرح گھر میں بستر پر مر رہا ہوں۔

((فلا نامت اعین الجبناء)) خدا کرے بزدلوں کی آنکھیں کبھی ٹھنڈی نہ ہوں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جو جینا ہے تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے

نکتہ: حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دار العلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔خوامخواہ شہادت کی تمنا میں پڑے ہوئے تھے،ان کا شہید ہونا ناممکن تھا،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کا لقب دیا تھا۔یعنی اللہ کی تلوار اور ظاہر ہے کہ اللہ کی تلوار کو کون توڑ سکتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

سو کچھ اللہ کی مہر ہے، جو تو نرم دل ملا ان کو اور اگر تو ہوتا سخت گو اور سخت دل

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

تو منتشر ہوجاتے تیرے گرد سے۔ سو تو ان کو معاف کر، اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورت لے

فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ

کام میں۔ پھر جب ٹھہر چکا، تو بھروسا کر اللہ پر اللہ چاہتا ہے

الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ

توکل والوں کو، اگر اللہ تم کو مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہو گا۔ اور جو وہ تم کو چھوڑ دے گا

فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد۔ اور اللہ پر بھروسا چاہیے مسلمانوں کو۔

خطاب خدوند عالم بسوئے نبی اکرم ﷺ

برائے عفو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَھُمۡ ۚ ... الی ... وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾﴾

احد کے دن جو بعض مسلمانوں سے لغزش ہوئی تو اس سے آنحضرت ﷺ کا دل رنجیدہ ہوا تو اندیشہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو ملامت کریں اور آئندہ ان سے مشورہ نہ لیا کریں۔ حق تعالیٰ نے صحابہ کی سفارش فرمائی کہ آپ ﷺ ان کا قصور معاف فرما دیں اور حسب دستور ان سے معاملات میں مشورہ کیا کریں۔ ان کے ساتھ تلطف اور نرمی کا معاملہ فرمائیں چنانچہ حضور پرنور ﷺ نے جنگ احد سے واپسی کے بعد ان کے ساتھ نہایت نرمی کا معاملہ فرمایا اور لغزش پر کوئی ملامت نہیں کی اس بارہ میں یہ آئندہ کی آیتیں نازل ہوئیں پس اس لغزش اور عدول حکمی کے باوجود اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے اور آپ ﷺ نے ان کو کوئی ملامت نہیں کی اور اگر بالفرض والتقدیر خدانخواستہ آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر اور پراگندہ ہو جاتے اس لیے کہ سخت خو اور سخت دل کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو لوگ اس کے پاس جمع نہیں ہوتے اس صورت میں یہ لوگ آپ ﷺ کی ہدایت اور نصیحت سے محروم ہو جاتے اور تمہاری دعوت قبول نہ کرتے اور آپ ﷺ کا اجر بھی متبعین کی قلت کی وجہ سے کم ہو جاتا پس آپ ﷺ اللہ کے حکم کی تعمیل میں ان سے جو کوتاہی ہوئی اس سے درگذر کیجئے اور اس پر کوئی مواخذہ نہ کیجئے اور حق تعالیٰ کے حکم میں جو کوتاہی ہو گئی اس میں آپ ان کے لیے دعاء مغفرت کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطا اور کوتاہی معاف فرمائے اور حسب دستور آپ ان سے ان کاموں میں مشورہ لیتے رہیے جن کے بارہ میں اللہ کی طرف سے کوئی قطعی حکم نازل نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ کے اس تلطف اور عنایت کو دیکھ کر یہ شکستہ خاطر مطمئن ہو جائیں کہ حضور پرنور ﷺ ہم سے راضی ہو گئے صرف معاف کر دینے سے دل مطمئن نہیں ہوتا جب تک کہ معاملہ شفقت وعنایت کا نہ کیا جائے پس مشورہ کے بعد جب کوئی بات طے ہو جائے اور آپ اس پر پختہ ارادہ فرما لیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے نہ کہ مشورہ پر اپنے مشورہ اور تدبیر پر اعتماد نہ کرنا بلکہ اللہ کی امداد اور تائید پر نظر رکھنا تحقیق اللہ تعالیٰ توکل والوں کو محبوب رکھتا ہے عقل کے لحاظ سے اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا گروہ

عقلاء کا گروہ ہے اور بلاشبہ قابل مشورہ ہے مگر اعتماد اور بھروسہ اللہ پر چاہیے نہ کہ عقلاء پر اس لیے کہ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہی چھوڑ دے تو پھر وہ کون ہے جو اس کی مدد چھوڑنے کے بعد تمہاری مدد کرے اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے ایمان والوں کو عقلاء کے مشورہ اور تدبیر پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے عقل اور عقلاء سب اس کے ہاتھ میں ہیں اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ اسباب کو ترک نہ کریں بلکہ ان سے کام لیں مگر اسباب کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ مؤثر حقیقی قادر مطلق کو سمجھیں اور نظر اسی پر رکھیں اور اسباب کو واسطہ سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں۔

فائدہ ①: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ میں حق تعالیٰ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ تشبہ اور مشابہت سے منع فرماتا ہے کہ اخلاق و عادات اور لباس اور معاشرت میں ان کے مشابہ نہ بنیں۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ تم کافر نہ بنو بلکہ یہ فرمایا کہ تم کافروں کے مشابہ نہ بنو کافر ہونا اور چیز ہے کافر کے مشابہ بننا اور چیز ہے اوباش بننا اور چیز ہے اور اوباشوں کے مشابہ اور ہم شکل اور ہمرنگ ہوجانا اور چیز ہے۔

اور حدیث میں ہے: ((من تشبه بقوم فهو منهم))۔ (رواہ ابوداؤد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما والطبرانی عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: "جو شخص کسی قوم کے مشابہ بنتا ہے پس وہ شخص انہی میں سے شمار ہوگا"۔

جیسے پاکستان کا کوئی فوجی سپاہی، بھارت کے فوجی سپاہی کی وردی پہن لے تو اگر مسلمان سپاہی اس کے گولی مار دے تو جرم نہ ہوگا۔ یا کوئی افسر سرکاری دفتر سے پاکستانی جھنڈا اتار کر بھارت کا جھنڈا اس پر لہرا دے تو اسی وقت قابل معزولی ہوگا اور اگر وہ افسر یہ تقریر کرنے لگے کہ میں نے صرف ایک کپڑے کا ٹکڑا اور لکڑی کا ایک ڈنڈا ہی بدل دیا ہے اس کا کیا مضائقہ ہے اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ میں حکومت پاکستان کا مخالف ہوں تو کیا حکومت کے نزدیک اس افسر کی یہ تقریر دلپذیر اس کو معزولی سے بچا سکے گی۔

اسی طرح سمجھو کہ احکم الحاکمین یہ حکم دیتا ہے کہ جن کو ہم نے اپنی کتاب (قرآن) میں مغضوب اور ملعون اور گمراہ قرار دیا ہے ان کے تشبہ سے پرہیز کرو حیرت ہے کہ مجازی اور فانی حکومت میں تو دشمنان حکومت کا تشبہ بالاتفاق قبیح اور ممنوع ہو اور احکم الحاکمین کے دشمنوں سے تشبہ کا جب ذکر آئے تو اس کو تنگ نظری سمجھیں۔ بلکہ دشمنوں کے ساتھ تشبہ کی ممانعت اور قباحت کا مسئلہ کافروں کے نزدیک بھی مسلم ہے بھارت کے کسی سپاہی یا فوجی افسر کی یہ مجال نہیں کہ وہ مسلمانوں کا سا لباس اختیار کرے اور علیٰ ہذا کسی یورپین حکومت کے وزیر یا افسر کی یہ مجال نہیں کہ وہ جبہ اور دستار پہن کر اجلاس کر سکے نہ معلوم ان مغرب زدہ ذہنیتوں کی غیرت کہاں چلی گئی خوب سمجھ لو کہ اپنے مذہبی اور قومی شعار اور امتیاز کو چھوڑ کر غیر قوم کے شعار اور امتیاز کو اختیار کرنا اول تو یہ غیرت کے خلاف ہے دوم یہ کہ غیروں کا تشبہ عملی طور پر اپنی کمتری اور دوسری قوم کی برتری کے اقرار اور اعتراف کے مرادف ہے دنیا کا طریق ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کے اتباع کو اپنے لیے عزت و فخر سمجھتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے مذہبی اور قومی لباس کو اور اس لباس کے پہننے والوں کو ذلت اور حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ مذہب اور اہل مذہب ہی سے متنفر اور بیزار ہوجاتا ہے۔ یہ فرنگی کے ہمرنگی کے عشق کی آخری منزل ہے اس منزل پر پہنچ کر دین اور اہل دین سے تعلق ختم ہوجاتا ہے دعویٰ اسلام کا ہے اور دلدادہ ہیں مغربی تمدن اور معاشرہ کے۔ ؎

زاھدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال
یا برہمن کی طرف ہو یا مسلماں کی طرف

فائدہ ②: حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو وہ عقل اور فراست عطا کی تھی جو تمام عالم کی عقل سے بالا اور اعلیٰ تھی اور آپ کو کسی مشورہ کی حاجت نہ تھی اور پھر نزول وحی کی وجہ سے آپ ﷺ بالکلیہ مشورہ سے مستغنی تھے پس ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ کے حکم سے مقصود امت کی تعلیم ہے کہ امت میں مشورہ کا طریقہ جاری ہو کہ جو دینی اور دنیوی امر ایسا پیش آئے جس کے بارہ میں کوئی حکم خداوندی منصوص نہ ہو تو اس کے بارہ میں ایسے لوگوں سے مشورہ کیا جائے جو کہ مشورہ کے اہل ہوں اور جن کی رائے اور عقل، عقلاء کے نزدیک قابل وثوق اور اعتماد ہو۔

((روی ابن مردویه عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه قال سئل رسول الله ﷺ عن العزم قال مشاورة اهل الرأی ثم اتباعهم)). (تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۰ ج ۱)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آیت مشورہ میں ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ﴾ سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا اہل رائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کا اتباع کرنا مراد ہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں جو مشورہ کا حکم مذکور ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس سے مشورہ کر لیا کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس امر کا حکم شریعت میں منصوص نہ ہو یا تعارض ادلہ کی وجہ سے اس میں کسی قسم کا اجمال اور خفاء پیدا ہو گیا ہو تو اہل الرأی اور اصحاب الرأی سے مشورہ کریں اور اس کا اتباع کریں۔

فائدہ ③: اصطلاح علماء میں اہل الرأی کا لفظ زیادہ تر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس تفسیر میں اسی طرف اشارہ ہو۔

مشورہ کی حقیقت:

لفظ مشورہ اور لفظ شوریٰ عربی زبان میں شُرْتُ الْعَسَلَ شَوْرًا سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھتہ میں سے شہد نکالنے کے ہیں گویا کہ مجلس شوریٰ بمنزلہ شہد کے چھتہ کے ہے جس سے مقصود ایسی عمدہ رائے کا معلوم کرنا ہے جو عمدگی اور شیرینی میں بمنزلہ شہد کے ہو اور جس طرح شہد شفاء امراض کا کام دیتا ہے اسی طرح یہ عمدہ رائے بھی مشکلات اور مہلکات میں شفاء کا کام دے اور ندامت اور حسرت اور پریشانی اور پشیمانی سے عافیت دے حدیث میں ہے:

((المشورة حصن من الندامة و امان من الملامة)). (کتاب ادب الدنیا والدین: ۲۰۷)

ترجمہ: "مشورہ ندامت سے محفوظ رہنے کا ایک قلعہ ہے اور ملامت سے امن ہے"۔

مشورہ کے فوائد:

مشورہ کا فائدہ یہ ہے کہ مسئلہ کے تمام پہلو روشن ہو جائیں گے اور اطراف و جوانب کی چھوٹی اور بڑی چیزیں نمودار ہو جائیں گی مجلس مشاورت میں کوئی ذی رائے اور ہوشیار زیادہ ہوگا اور کوئی صاحب تدبیر اور تجربہ کار زیادہ ہوگا کوئی شخص کتنا ہی عاقل اور ہوشیار کیوں نہ ہو مگر میدان کارزار کا تجربہ کار نہ ہو تو جنگی امور میں تنہا اس کا مشورہ ناتمام ہوگا بہتر یہ ہوگا کہ عقل اور تجربہ دونوں ہی سے مشورہ کر کے جنگ شروع کی جائے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

الرأی کا للیل مسود جوانبه   والیل لا ینجلی الا باصباح

ترجمہ: "رائے مثل شب دیجور کے ہے کہ جس کے تمام اطراف سیاہ اور تاریک ہیں اور رات کا اندھیرا بغیر صبح کی روشنی کے زائل نہیں ہوسکتا"۔

فاضمم مصابيح آراء الرجال الى مصباح رأيك تزداد ضوء مصباح

ترجمہ: "پس لوگوں کے رایوں کے چراغوں کی روشنیوں کو اپنی رائے کے چراغ کی روشنی کے ساتھ ملالے تاکہ تیرے چراغ کی روشنی بڑھ جائے"۔

مطلب یہ ہے کہ ایک چراغ کی روشنی کم ہوتی ہے اور بہت سے چراغ مل کر روشنی خوب ہوجاتی ہے اور کوئی چیز تاریکی اور اشتباہ میں نہیں رہنے پاتی بہت سے چراغوں کی روشنی تیز بھی ہوگی اور دور تک بھی پہنچے گی مگر شرط یہ ہے کہ عقل کے چراغ کو اخلاص اور تقویٰ اور امانت اور دیانت کے تیل سے روشن کیا جائے لیکن اگر خدانخواستہ کسی چراغ میں خودغرضی اور حسد اور پارٹی بندی کے تیل کا کوئی قطرہ بھی شامل ہوگیا تو اس چراغ میں سے سوائے دھویں کے اور کیا نمودار ہوگا۔ دھوئیں کی تاریکی کے علاوہ اس کی بدبو علیحدہ تکلیف دہ ہوگی۔ کسی بلیغ کا قول ہے:

من حق العاقل ان يضيف الى رايه آراء العقلاء ويجمع الے عقله عقول الحكماء فان الرأے الفذّ رُبما زل والعقل الفرد بما ضل. (ادب الدنیا اور الدین ص ۲۰۷)

ترجمہ: "عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ اور عقلاء کی رائے کو بھی ملالے اور اپنی عقل کے ساتھ حکماء کی عقلوں کو جمع کرلے کیونکہ تنہا رائے بسا اوقات لغزش کھاتی ہے اور تنہا عقل بسا اوقات گمراہ ہوتی ہے"۔

اور حکمت کے بکھرے ہوئے موتیوں میں سے ایک موتی یہ ہے:

المشاورة راحة لك وَتَعَبٌ على غيرك. (ادب الدنیا والدین ص ۲۰۷)

ترجمہ: "مشورہ تیرے لیے راحت ہے اور دوسرے پر بوجھ ہے"۔

کسی عاقل کا قول ہے:

اذا اشكلت عليك الامور و تغير لك الجمهور فارجع الى ر ا ى العقلاء وا فزع الے استشارة العلماء ولا تأ نف من الا ستر شاد ولا تستنكف من الاستمد اد فَلَاَنْ تسأل تسلم خير لك من ان تستبد و تندم. (ادب الدنیا والدین ص ۲۰۹)

ترجمہ: "جب تجھ کو معاملات میں کوئی اشکال اور دشواری پیش آئے اور عام جمہور تجھ سے منحرف ہوجائیں تو تجھ کو عقلاء کی رائے کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور گھبرا کر علماء کے مشورہ کی پناہ لینی چاہیے لوگوں سے مشورہ اور امداد طلب کرنے میں حیاء اور عار نہ کرنی چاہیے۔ عقلاء سے پوچھ کر کوئی کام کرلینا اور آئندہ کی ندامت سے سالم و محفوظ ہوجانا یہ بہتر ہے کہ خودرائی سے کام کرکے شرمندہ اور پشیمان ہو"۔

وصف رجل عضد الدولة فقال له وجه فيه الف عين وفم فيه الف لسان وصدر فيه الف قلب.

ترجمہ: "ایک شخص نے عضد الدولہ کی تعریف میں یہ لکھا کہ اس کے لیے ایک چہرہ ہے جس میں ہزار آنکھیں ہیں اور اس کے

ایک منہ ہے جس میں ہزار زبانیں ہیں اور اس کے ایک سینہ ہے جس میں ہزار دل ہیں"۔

مطلب یہ ہے کہ عضد الدولہ باوجود دانشمند اور زیرک ہونے کے تنہا اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتا بلکہ ہزار عاقلوں کے مشورہ سے کام کرتا ہے گویا کہ ہزار دلوں اور ہزار آنکھوں اور ہزار زبانوں سے سوچتا اور دیکھتا اور بولتا ہے۔

کسی حکیم اور دانا کا قول ہے:

کل شئی یحتاج الی العقل و العقل یحتاج الی التجارب و لذلک قیل الا یام تهتك لك عن الاستار الکامنة. (ادب الدنیا والدین ص ۲۰۷)

ترجمہ: "ہر چیز محتاج عقل ہے اور عقل محتاج ہے تجربوں کی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ زمانہ کے تجربے پوشیدہ چیزوں کے پردے اٹھا دیتے ہیں"۔

مطلب یہ ہے کہ عقل فطری کے ساتھ تجربہ کا شامل ہونا ضروری ہے اس لیے کہ تجربوں کی کوئی حد اور نہایت اور غایت نہیں عقل فقط ممکنات کا ادراک کرسکتی ہے واقعات کا احاطہ نہیں کرسکتی اس لیے مشورہ جب مکمل ہوگا جبکہ عقل کے ساتھ تجربہ بھی ہو۔

اہلیت مشورہ

یعنی کون لوگ مشورہ کے اہل ہیں جن سے مشورہ لیا جائے

قاضی ابوالحسن بصری ماوردی رحمۃ اللہ علیہ ادب الدنیا والدین ص ۲۰۷ میں فرماتے ہیں مشورہ کا اہل وہی شخص ہوسکتا ہے جس میں یہ پانچ خصلتیں اور پانچ صفتیں موجود ہوں:

① عقل کامل کے ساتھ تجربہ بھی رکھتا ہو۔ کثرت تجارت سے عقل اور فکر درست ہوجاتا ہے۔

حدیث میں ہے:

((استرشدوا العاقل ترشدوا ولا تعصوہ فتندموا)). (رواہ الخطیب عن ابی ہریرۃ۔ فیض القدیر ص ۴۸۹ ج ۱)

ترجمہ: "رشد اور ہدایت اگر مطلوب ہے تو عاقل کامل سے مشورہ کرو۔ صواب کو پہنچو گے اور عاقل کی نافرمانی نہ کرنا کہ پچھتاؤ گے"۔

شیخ عبدالروف مناوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت سے مشورہ نہ کرے اس لیے کہ حضور پر نور کا حکم یہ ہے کہ مشورہ کامل العقل سے کرو اور حدیث میں ہے کہ عورتیں ناقصات العقل والدین ہیں یعنی عورتوں کی عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

((خالفوا النساء فان فی خلافهن البرکة)). (فیض القدیر ص ۴۹۰ ج ۱)

ترجمہ: "عورتوں کا خلاف کروان کے خلاف میں برکت ہے"۔

بلکہ حکماء کا قول ہے:

((لا تستشیروا القعود مع النساء)).

ترجمہ: "عورتوں کے پاس زیادہ بیٹھنے والے شخص سے بھی مشورہ مت کرو"۔

② دوسری خصلت جس کا مشیر میں ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مشیر دین دار اور متقی اور پرہیز گار ہو اس لیے کہ جو شخص دیندار اور پرہیز گار نہ ہو اس کے مشورہ کا کیا اعتبار۔

حدیث میں ہے:

((من اراد امر افشاور فیہ امرء ا مسلما و فقہ اللہ لا رشد امورہ)). (رواہ الطبرانی عن ابن عباس. فیض القدیر ص ۵۰ ج ۶)

ترجمہ: "جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر وہ کسی سچے اور پکے مسلمان یعنی متقی اور پرہیز گار سے مشورہ کرے تو توفیق خداوندی اس کو بہترین امور کی طرف لے جائے گی"۔

③ تیسری خصلت جو مشیر میں ہونی چاہیے وہ یہ کہ مشورہ دینے والا محب ناصح ہو یعنی خیر خواہ اور ہمدرد ہو اس کا دل حسد اور کینہ اور بغض اور عداوت سے پاک ہو محبت اور ہمدردی اور خیر خواہی ہی صحیح مشورہ کا باعث بن سکتی ہیں بخلاف حاسد اور کینہ ور کے کہ اس کا مشورہ تو سم قاتل ہوگا اسی بنا پر بعض حکماء کا قول ہے۔

اور علیٰ ہذا اگر مشیر متعدد ہوں (جیسا کہ آج کل کی اسمبلی) تو ان میں یہ ضروری ہوگا کہ اسمبلی کے افراد باہمی حسد اور تنافس سے خالی ہوں ورنہ اسمبلی مجلس مشاورت نہ ہوگی بلکہ مجلس منازعت اور مخاصمت ہوگی۔ لوگ تماشہ دیکھ کر واپس ہو جائیں گے۔

④ چوتھی خصلت یہ ہے کہ مشورہ دینے والا کسی فکر اور پریشانی میں مبتلا نہ ہو اس لیے کہ جو شخص ہموم وغموم کا شکار ہو اور پریشانیوں میں مبتلا ہو اس کا قلب اور دماغ صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے وہ صحیح مشورہ نہیں دے سکتا۔

⑤ پانچویں خصلت یہ ہے کہ جس امر میں مشورہ لیا جا رہا ہے اس سے مشیر کی کوئی نفسانی خواہش اور غرض مضمر متعلق نہ ہو خود غرض کا کوئی مشورہ قابل اعتبار نہیں "چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد"۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ماں باپ کی شہادت اولاد کے حق میں۔ اور زوجین کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں۔ اور غلام کی شہادت آقا کے حق میں معتبر نہیں مانی گئی کیونکہ اغراض اور منافع باہم مشترک ہیں۔ یہ شہادت خود غرض کے شائبہ سے خالی نہیں اس لیے معتبر نہیں۔

وَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ
اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے، اور جو کوئی چھپاوے گا وہ لاوے گا اپنا چھپایا دن
الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾
قیامت کے۔ پھر پورا پاوے گا ہر کوئی اپنا کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔
اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ
کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا، برابر اس کے جو کما لایا غصہ اللہ کا اور اس کا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
دوزخ، اور کیا بری جگہ پہنچا۔ لوگوں کے کئی درجے ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے
بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ
جو کرتے ہیں اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر، جو بھیجا ان میں
رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ
رسول انہی میں کا، پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور سنوارتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو
الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾
کتاب اور کام کی بات، اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہ تھے۔

بیان نزاہت منصب نبوت از شائبہ وواہمۂ خیانت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ ... الی ... وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾﴾

اس آیت میں حق جل شانہٗ نے یہ بیان فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ ذرہ برابر بھی خیانت کرے منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ نبی کی عظمت وحرمت اور عصمت وامانت کو مستحضر رکھیں اور کوئی لفظ زبان سے ایسا نہ نکالیں جو منصب نبوت کے خلاف ہو۔

اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں:

① ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بدر کے دن غنیمت میں سے ایک سرخ چادر گم ہوگئی اس پر کسی شخص نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہوگی۔ یہ کہنے والا کوئی منافق تھا جیسا کہ بعض روایات میں خود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ناممکن اور محال ہے کیونکہ نبوت کا دارومدار صدق اور امانت پر ہے۔

② بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات غزوۂ احد کے متعلق نازل ہوئیں۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ کا قول ہے کہ احد کے دن جن تیراندازوں کو گھاٹی پر متعین کیا تھا وہ اپنی متعینہ جگہ چھوڑ کے نیچے اتر آئے اور ان میں سے کسی کو اندیشہ یہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوج میں یہ حکم صادر فرمائیں کہ کفار سے جو شئ جس کے ہاتھ لگے وہ اسی کی ہے اور مال غنیمت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم نہ فرمائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ تقسیم غنیمت میں خیانت کرے کہ بعض کو دے اور بعض کو نہ دے۔

پس اس روایت کی بنا پر بعض مستحقین کو مال غنیمت کے حصہ سے محروم کرنے کو مبالغۃً غلول اور خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ مال غنیمت کو مستحقین پر برابر نہ تقسیم کرنا یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہے جس سے اللہ کا نبی پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

بعض علماء نے پہلی روایت کے مقابلہ میں اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ ماقبل اور مابعد کی تمام آیتیں واقعۂ اُحد ہی کے متعلق ہیں لہٰذا سیاق کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ آیت بھی واقعۂ اُحد ہی کے متعلق ہونی چاہیے۔

بہر حال آیت غزوہ احد سے متعلق ہو یا غزوہ بدر سے۔ مقصود ایک بے عنوانی پر تنبیہ کرنا ہے گزشتہ آیات میں جنگ احد کی ایک کوتاہی کو بیان فرمایا۔ اب اس آیت میں جنگ بدر کی ایک کوتاہی کو یاد دلایا۔ اور یہ بتلادیا کہ منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہو سکتی نبی خدا کا امین ہوتا ہے اور اللہ کا محترم بندہ ہوتا ہے اور ہر حال میں اس کی مرضی کے تابع ہوتا ہے شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ لکھتے ہیں:

مترجم گوید چوں حضرت ﷺ متصرف بودند در غنیمت ایں آیت نازل شد تا کسے گمان خیانت نکند۔

ترجمہ: ”مترجم کہتا ہے کہ چونکہ مال غنیمت میں تصرف اور اس کا انتظام آنحضرت ﷺ کے سپرد تھا اس لیے من جانب اللہ یہ آیت نازل ہوئی تا کہ کوئی شخص آپ کی نسبت خیانت کا شبہ اور گمان بھی نہ کر سکے“۔

نیز چونکہ سلسلہ کلام جہاد سے متعلق ہے اس لیے درمیان میں مال غنیمت کے متعلق ایک حکم بیان فرمادیا چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ کوئی چیز چھپا کر رکھے یا کسی قسم کی کوئی ادنی سے ادنی خیانت کرے۔ منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہو سکتی اور جس کو اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ بنایا ہو اس سے ذلت اور فضیحت کے کام کا صدور اور ظہور نا ممکن ہے کیونکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانت کو اپنے سر پر اٹھا کر لائے گا تا کہ میدان حشر میں ذلیل اور رسوا ہو۔ اور اللہ کا نبی ﷺ ہر قسم کی ذلت اور فضیحت سے پاک اور منزہ ہوتا ہے احادیث میں یہ مضمون بکثرت آیا ہے کہ جس نے جو چیز چھپائی ہوگی وہ قیامت کے دن میدان حشر میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ وہ چیز اس کی گردن پر سوار ہوگی کسی کی گردن پر اونٹ سوار ہوگا اور کسی کی گردن پر گھوڑا وغیر ذلک۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اس حدیث کے متعلق یہ اشکال پیش کیا کہ جس شخص نے سو یا دو سو اونٹوں کی خیانت کی وہ اتنے اونٹ اپنی گردن پر کیسے اٹھائے گا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس شخص کی ایک ڈاڑھ جبل احد کے برابر ہوگی وہ اتنے سارے اونٹوں کو بھی اٹھا سکے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب محض سائل کی تشفی اور اطمینان کے لیے تھا ورنہ خدا کی قدرت کے لیے بدن کے بڑے ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس زمانہ میں چھوٹے سے جرثقیل کے آلہ سے بڑے بڑے بحری جہاز اوپر اٹھا لیے جاتے ہیں یہ تو ایک ضعیف البنیان انسان کی قدرت کا حال ہے تو قادر مطلق اور توانائے برحق کی قدرت وطاقت کا کیا پوچھنا۔ پھر خائن کی اس ذلت وفضیحت پر معاملہ ختم نہ ہو جائے گا بلکہ اس کو خیانت کی پوری پوری سزا ملے گی اس لیے کہ قیامت کے دن ہر نفس کو اس چیز کی جو اس نے کیا ہے پوری پوری جزا دی جائے گی خاص کر حقوق العباد میں اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا مطلب یہ ہے کہ اول لوگوں کی بداعمالیوں اور خیانتوں کو ظاہر کریں گے اور اس کے بعد ان کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی غرض یہ کہ خائنین قیامت کے دن اللہ کے مغضوب اور معتوب ہوں گے اور ذلیل وخوار ہوں گے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام حق تعالیٰ کے من کل الوجوہ پسندیدہ اور برگزیدہ بندے ہیں اور مصطفین الاخیار اور مرتضین الابرار کے مصداق ہیں اور جن کا ظاہر و باطن ہر حال میں اللہ کی مرضی کے تابع ہے وہ قیامت کے دن سر بلند ہوں گے اور ہر قسم کی ندامت وپشیمانی سے بالکلیہ مامون اور محفوظ ہوں گے جیسا کہ آگے ارشاد ہے کیا پس ایسا شخص جو اللہ

کی خوشنودی اور رضامندی کا تابع اور پیرو ہو چکا ہو ایسا شخص معاذ اللہ کیا کسی قسم کی خیانت کر کے اس شخص کے مانند اور برابر ہو سکتا ہے جس نے خیانت کر کے اللہ کے غصہ کو کمایا ہو اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو اور کیا ہی بری جگہ ہے جو ان لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے جو خدا تعالیٰ کے مغضوب ہیں نہ ان لوگوں کے لیے جو رضاء حق کے تابع ہوں لوگوں کے درجات اور مراتب مختلف ہیں کوئی ادنی اور کوئی اعلی۔ کوئی اعلی علیین میں اور کوئی قعر سجین میں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کو دیکھنے والے ہیں۔ عمل کے مطابق جزاء اور سزا ملے گی۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ نبیؐ سے خیانت کا صدور اور ظہور اس وجہ سے بھی ناممکن ہے کہ خیانت تو ایک بلا اور مصیبت ہے اور نبی کا وجود حق تعالیٰ کی منت عظمی اور نعمت کبری ہے اس لیے حق تعالیٰ آئندہ آیت میں اپنے احسان کو جتاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ اس نعمت کی قدر کریں اور آپ ﷺ کی عظمت وحرمت کا پورا پورا لحاظ رکھیں اور دل میں ایسی چیز کا وسوسہ بھی نہ آنے دیں جو حضور پر نورؐ کی شان رفیع کے شایان شان نہ ہو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے جن کے انوار و برکات سے دل کی ظلمات دور ہوتی ہیں اور پھر وہ رسول اپنے فیض صحبت اور باطنی توجہ سے ان کو کفر اور شرک کی نجاست اور نفسانی آلائشوں سے پاک اور صاف کرتا ہے اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنا دیتا ہے اور ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیتا ہے یعنی قرآن کریم کے غوامض اور مشکلات کو حل کرتا ہے اور صحابہ کرام کو آیت کے متعلق اگر کوئی شبہ پیش آتا ہے تو اس کا ازالہ فرما دیتے ہیں جیسا کہ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام: ۸۲) کے متعلق صحابہ کو جب شبہ پیش آیا تو اس کا ازالہ فرما دیا کہ آیت میں ظلم سے مطلق معصیت مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)۔ اور اس قسم کے لیے بے شمار نظائر احادیث نبویہ میں موجود ہیں اور حکمت اور دانائی کی باتوں کی ان کو تعلیم دیتا ہے اور اس تعلیم کا عجب حال ہے کہ جس سے عرب کے جاہل اور لٹھ ایسے حکم اور دانا بنے کہ سارے عالم کے معلم بن گئے اور جن کی حکمت اور دانائی نے حکماء یونان اور فلاسفہ عالم کو نیچا دکھا دیا اور تحقیق یہ لوگ جو آپ کی تعلیم وتربیت سے حکیم اور دانا بنے آپ کی کفش برداری سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے پس کیا جس رسول کی تعلیم وتربیت نے جاہلوں کو حکیم بنا دیا ہو اور گندوں کو نفسانی آلائشوں سے پاک اور صاف کر دیا ہو کیا اس سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا — خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی ہو گئے

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا — کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

فائدہ: اس آیت کے اکثر الفاظ پارہ اوّل کے اخیر میں اور پارہ دوم کے اول میں گذر چکے ہیں وہاں ان کی تفسیر دیکھ لی جائے خلاصہ کلام یہ کہ نادانوں میں ایسا دانا پیدا کرنا جو ان کو دانائی سکھائے اور ان پڑھوں کو کتاب پڑھنا سکھائے اور ظاہری اور باطنی ناپاکی ان سے دور کرے اور گمراہوں کو ہدایت کرے یہ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا احسان ہے کہ اس نے اس امت کے لیے ایسے نبی کو مبعوث کیا۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب — گر دلیلے باید ازوے رو متاب

اَوَ لَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

کیا جس وقت تم کو پہنچی ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس کے دو برابر، کہتے ہو یہ کہاں سے آئی؟

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ

تو کہہ یہ آئی تم کو اپنی طرف سے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جو کچھ

اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾

تم کو سامنے آیا جس دن بھڑیں دونوں فوجیں سو اللہ کے حکم سے، اور اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو۔

وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ

اور تا معلوم کرے ان کو جو منافق تھے اور کہا ان کو کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ

اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ

میں، یا دفع کرو دشمن، بولے ہم کو معلوم ہو لڑائی تو تمہارا ساتھ کریں۔ وہ لوگ اس دن کفر کی طرف

یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ

نزدیک ہیں ایمان سے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں

فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ۚ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

ان کے دل میں، اور اللہ خوب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو

وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ

اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے، تو کہہ اب ہٹا دیجو اپنے اوپر سے

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾

موت، اگر تم سچے ہو۔

ازالۂ حسرت ہزیمت از دوستاں وجواب شبہ دشمنان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ ... الٰی ... اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾﴾

پہلے سے احد کا قصہ چلا آ رہا ہے درمیان میں صحابہ سے جو کوتاہی ہوئی اس پر تنبیہ فرمائی۔ اب پھر قصہ احد کی طرف عود فرماتے ہیں جس سے مقصود مسلمان کی ایک حسرت کو زائل کرنا ہے اور منافقوں کے ایک شبہ کا جواب دینا ہے بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ دین

اسلام دین حق ہے اور خدا کا رسول ﷺ ہمارے ساتھ ہے اور ہم دین حق کی حمایت میں جہاد کر رہے ہیں اور کفار کفر اور شرک کی حمایت میں لڑ رہے ہیں تو انہوں نے ہم پر کیسے فتح پائی۔

اور منافقوں نے یہ کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو احد میں آپ ﷺ کو شکست کیوں ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں کیا جس وقت احد میں تم کو ایسی مصیبت پہنچی جو بدر میں اس سے پہلے تم اپنے دشمنوں کو اس کا دو چند پہنچا چکے ہو تو تم بطور تعجب نہ بطور اعتراض یہ کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی یعنی جنگ احد میں اگر تمہارے ستر آدمی شہید ہو گئے تو جنگ بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے اور قیدی بھی مقتول کے برابر ہی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اپنی نصف مصیبت کا شکوہ کرنا اور بددل ہونا مناسب نہیں آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ ساری مصیبت تمہاری طرف سے آئی یعنی تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو قصور تمہارا ہے کہ خلاف حکم تم اپنی معین جگہ چھوڑ کر درہ سے نیچے اترے یا قصور یہ ہے کہ تم نے بدر کے دن قیدیوں کو قتل کیوں نہ کیا۔ اور ان سے مال لے کر ان کو کیوں چھوڑ دیا آنحضرت ﷺ نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ اگر تم کافروں کو فدیہ لے کر چھوڑتے ہو تو تم میں سے ستر آدمی آئندہ چل کر شہید ہوں گے لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مال لے کر ان کو چھوڑا۔ لہٰذا اس وقت تم احد کی اس مصیبت کا کیوں شکوہ کرتے ہو یہ تمہاری قبول کردہ مصیبت ہے نیز یہ بھی احتمال ہے کہ احد کے دن ابتدائے جنگ میں مسلمانوں نے جتنے مشرکوں کو قتل کیا ہو ان کی تعداد احد کے مسلمان مقتولین سے دو چند ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کرے۔ اور جو تکلیف تمہیں اس دن پہنچی یعنی احد کے دن جس دن دو فوجیں بھڑیں اور آپس میں لڑیں سو وہ تکلیف اللہ ہی کے حکم سے پہنچی جس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور من جملہ بے شمار مصلحتوں کے ایک مصلحت یہ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو جان لے یعنی ان کے ایمان کو سب کے سامنے عیاں کر دے کہ ایمان والے ایسے ہوتے ہیں اور تاکہ معلوم کرے ان لوگوں کو جو منافق ہوئے یعنی ان کا نفاق لوگوں کو معلوم ہو جائے اور لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ منافق ایسے ہوتے ہیں۔

فائدہ: منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو ظاہر میں مسلمان اور دل میں کافر ہو۔ ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منافق نفق سے مشتق ہے جس کے معنی سرنگ کے ہیں جس طرح انسان دشمن سے سرنگ میں جا کر چھپ جاتا ہے اسی طرح منافق مسلمانوں کے قتل و غارت سے بچنے کے لیے اسلام کے پردہ میں چھپ جاتا ہے۔

ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ منافق نافقاء سے مشتق ہے جنگلی چوہا اپنے بل کے دو دروازے رکھتا ہے ایک کا نام قاصعاء ہے اور دوسرے کا نام نافقاء ہے جب کوئی اسے پکڑنا چاہتا ہے تو ایک دروازہ سے داخل ہوتا ہے اور دوسرے دروازہ سے نکل بھاگتا ہے۔

اسی طرح منافق ایک طرف سے اسلام کے دروازہ میں داخل ہوتا ہے دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ اسی دروازہ میں داخل ہوا ہے اور درپردہ کفر کے دروازہ سے نکل کر بھاگ جاتا ہے۔ آگے ان منافقین کے نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور جب ان منافقین سے کہا گیا کہ اگر تم دعوائے اسلام میں سچے ہو تو آؤ اللہ کی راہ میں لڑو اور اس کی راہ میں دین کے دشمنوں سے جانبازی اور سرفروشی دکھلاؤ یا کم از کم قوم یا وطن یا شہر سے دشمن [1] کی مدافعت کرو یعنی اگر دین کی خاطر دین کے دشمنوں سے نہیں لڑتے تو آؤ قوم اور وطن اور اہل و عیال ہی کی خاطر

[1] شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں یعنی از بلاد خویش۔ ۱۲

دشمن کی مدافعت کرو کیونکہ اگر دشمن کامیاب ہوگا تو وہ پامال کرنے میں مومن اور کافر مخلص اور منافق کی کوئی تمیز نہ کرے گا سب کو ایک ہی گھاٹ اتارے گا۔ مقصود اس سے اتمام حجت ہے کہ اگر خدا کے لیے اور خدا کے دین کے لیے نہیں لڑتے تو قوم اور وطن اور مال و منال اور اہل و عیال ہی کے لیے دشمن کی مدافعت میں حصہ لو۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جہاد وہ ہے جو صرف اللہ کے لیے اور اس کے دین کی حمایت اور حفاظت کے لیے ہو اور جو محض قوم اور وطن کے لیے ہو وہ جہاد نہیں منافق بولے کہ اگر ہم واقع میں اس کو لڑائی جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہوتے لیکن یہ تو کوئی لڑائی نہیں ایک طرف تو تین ہزار کا لشکر جرار ہے اور ایک طرف ایک ہزار بے سروسامان آدمی ہیں یہ کوئی جنگ نہیں بلکہ مفت میں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب تھے کیونکہ منافقین زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے لیکن آج کے دن اس جواب سے ان کے نفاق کی قلعی کھل گئی اس دن سے پہلے یہ لوگ اپنے کو مسلمان بتاتے تھے لیکن ظاہر میں ان سے کوئی ایسی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی جو ان کے کفر پر دلالت کرے آج کے دن ان کے اس جواب سے ان کا چھپا ہوا کفر ظاہر ہو گیا یہ منافقین اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں یعنی ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں زبان سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور دل میں کافر ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو دل میں چھپائے ہوئے ہیں یعنی ان کے اندرونی کفر اور نفاق سے خوب واقف ہے۔ یہ منافق وہ لوگ ہیں جو خود جہاد سے بیٹھے رہے اور اپنی برادری کے بھائیوں کی نسبت یعنی ان انصار مدینہ کے حق میں جو جنگ احد میں شہید ہوئے یہ کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے اور ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو نہ مارے جاتے جس طرح ہم قتل سے محفوظ رہے اسی طرح یہ بھی قتل سے محفوظ رہتے اے نبی کریم ﷺ آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم اپنی ہی جانوں سے موت کو ہٹا دو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو کہ پرہیز اور احتیاط سے انسان موت اور قتل سے بچ جاتا ہے موت ہو یا قتل ہو وقت مقدر سے کوئی چیز نہیں ٹلتی کتنے ہی پہرے بٹھلا دو موت کو کوئی نہیں ٹال سکتا اب تم کو اختیار ہے کہ جی چاہے گھر میں بیٹھے بزدلوں کی موت مر جاؤ یا میدان جہاد میں خدا کی راہ میں جانبازی و سرفروشی کرتے ہوئے عزت کی موت مرو۔ تاکہ دائمی حیات حاصل ہو جیسا کہ آئندہ آیات میں ذکر آتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ

اور تو نہ سمجھ ' جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے، بلکہ زندہ ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ

اپنے رب کے پاس، روزی پاتے۔ خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے،

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ

اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی نہیں پہنچے ان میں پیچھے سے۔ اس واسطے کہ نہ ڈر ہے

عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ

ان پر، نہ اُن کو غم۔ خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے،

وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۱۷/۱۶ ۸

اور اس سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی۔

بیان اعزاز واکرام شہداء احد دربارگاہ خداوند احَد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ... الی ... وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۱﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں منافقین کے اس قول کا جواب دیا تھا جو یہ کہتے تھے: ﴿لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا﴾۔ اس کے جواب میں ﴿فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ﴾ ارشاد فرمایا اب اس آیت میں ان کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ جن کو تم مقتول اور مردہ کہتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ وہ دنیا سے ناکام اور محروم گئے اور حیات اور لذات سے محروم ہو گئے کہ وہ مردہ نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کو بجائے اس حیات فانی کے ایک خاص قسم کی حیات جاودانی عطا کر دی گئی ہے جو عیش و تنعم میں اس دنیوی حیات سے کہیں بالا اور برتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو ہرگز ہرگز مردہ گمان نہ کر بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات دنیوی حیات سے کہیں بہتر اور برتر ہے کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے نزدیک ہیں۔ جس خدا کے لیے جہاد میں انہوں نے جانیں دی ہیں اس کا قرب ان کو حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ مقربین خداوندی کی حیات کے ساتھ اس دنیاوی حیات کو کیا نسبت پھر یہ کہ خدا کے پاس سے ان کو زندوں کی طرح رزق اور روزی دی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رزق ہی بقاء حیات کا ذریعہ ہے پس جب اس دنیائے فانی کا رزق آدمی کی حیات اور صحت اور قوت کا ایک سبب ہے تو اس عالم کا رزق کس درجہ حیات میں ممد اور معاون ہوگا۔ رزق ملنا قیامت کے آنے پر موقوف نہیں ابھی سے ان کو رزق ملنا شروع ہو جاتا ہے پھر یہ کہ یہ شہداء نہایت خوش ہیں ان نعمتوں پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلاواسطہ اور بلامحنت اور بلا مشقت اور بلا ان کے کسب و اکتساب کے ان کو دی ہیں۔ دنیا کے رزق میں اول تو محنت اور مشقت ہے اور آخر میں ملنے کے بعد یہ غم ہوتا ہے کہ شاید یہ رزق کہیں چھن نہ جائے۔ اور شہداء کو اللہ کے پاس سے جو رزق ملتا ہے اول تو اس میں اسباب و وسائل کا واسطہ نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ اس میں کسی قسم کی محنت و مشقت نہیں اور پھر یہ کہ اللہ کے فضل سے اس کے زوال کا اندیشہ نہیں۔ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ کے یہ معنی ہیں خوب سمجھ لو اور یہ بے مثال فرحت و مسرت بھی ان کی بے مثال حیات کی دلیل ہے۔ فرحت تو زندہ ہی کو ہوتی ہے شہداء ان نعمتوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے شہیدوں کے لیے پیغمبروں کی زبانی کئے تھے آج اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا یہ تو اس مسرت کا ذکر تھا جو ان کی ذات سے متعلق تھی۔ اب آئندہ شہداء کی اس مسرت اور خوشی کو بیان کرتے ہیں جو ان کو اپنے پسماندوں کے متعلق ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں شہداء! ہے ان پسماندوں کے متعلق بھی جو کہ ابھی ان سے نہیں ملے اور دنیا میں ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ یا اور امور خیر میں ان کو دنیا میں مشغول چھوڑ آئے ہیں اگر یہ لوگ بھی

ہماری طرح خدا کی راہ میں مارے گئے اور شہید ہو کر یہ لوگ بھی ہم سے آملے تو ہماری طرح ان پر بھی نہ آئندہ کا کوئی خوف وہراس ہوگا اور نہ گزشتہ پر یہ غمگین ہوں گے یعنی شہادت کے بعد نہ تو آخرت کی عقوبت کا کوئی خوف ہوگا اور شہادت کی وجہ سے جو دنیا کی لذتیں فوت ہوگئیں ان پر حزین وغمگین نہ ہوں گے اس لیے کہ یہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے ہزاراں ہزار درجہ بڑھ کر ہوں گی الغرض شہداء اللہ کی نعمت اور فضل کو دیکھ دیکھ کر غایت درجہ خوش ہوتے رہیں گے اور کیسے اور کیوں خوش نہ ہوں تحقیق جب کہ وہ یہ مشاہدہ کرلیں گے کہ اللہ تعالیٰ تو عام اہل ایمان کے اجر کو بھی ضائع نہیں فرماتے بلکہ وہم وگمان سے بڑھ کر دیتے ہیں تو شہداء (جان نثاروں) کے اجر کو کیسے ضائع فرمائیں گے جنہوں نے اس کی راہ میں اپنی جانیں قربان کردی ہیں غرض یہ کہ شہداء اپنی نعمتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کے متعلق بھی یہ معلوم کر کے خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

سدی اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ شہید کے پاس ایک رجسٹر لایا جاتا ہے جس میں ان لوگوں کے نام درج ہوتے ہیں جو اس کے مسلمان بھائیوں میں سے اس کے پاس آنے والے ہوتے ہیں پس وہ اس بشارت سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں لوگ اپنے کسی غائب عزیز کی آمد کی بشارت سن کر خوش ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۸ ج ۱)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿ اَلَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ ﴾ کا اشارہ تمام مومنین کی طرف ہے، جو دنیا میں ان سے پیچھے رہ گئے اگرچہ وہ شہید نہیں ہوئے۔ شہداء جب اس عالم میں پہنچ کر حق تعالیٰ کے ثواب اور انعام کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ دین اسلام دین حق ہے اور اس پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ثواب اور اجر عطا فرمائے گا پس شہداء اللہ کے ان افضال والطاف پر بھی خوش ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو عطا کئے اور اپنے ان بھائیوں کے متعلق بھی ان کو خوشی ہوتی ہے جو دنیا میں ان کے پیچھے رہ گئے اگرچہ ان کو شہادت کی فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔ ان پر بھی کوئی خوف اور غم نہیں اس لیے کہ وہ ٹھیک راہ پر جارہے ہیں اور آخر کار وہ ضرور جنت میں پہنچیں گے۔

زجاج اور ابن فورک رحمۃ اللہ علیہما نے یہی معنی اختیار کئے ہیں جیسا کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے:

و قیل ان الا شارۃ بالا ستبشار للذین لم یلحقو ابھم الی جمیع المومنین و ان لم یقتلو ا ولکنھم لما عاینوا ثواب اللہ وقع الیقین بان دین الاسلام ھو الحق الذی یثیب اللہ علیھم فھم فرحون لانفسھم بما اتاھم اللہ من فضلہ مستبشرون للمومنین بان لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون. ذھب الی ھذا المعنی الزجاج وابن فورك. (تفسیر قرطبی ص ۲۷۵ ج ٤)

اطلاع: حیات شہداء کی تحقیق (پارہ سَیَقُوْلُ) کے رکوع سوم میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ

جن لوگوں نے حکم مانا اللہ اور رسول کا بعد اس کے کہ ان میں پڑ چکا تھا کٹاؤ۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالَ

جو ان میں نیک ہیں اور پرہیز گار ان کو ثواب بڑا ہے۔ جن کو کہا

لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ
لوگوں نے کہ انہوں نے جمع کیا اسباب تمہارے مقابلے کو سو تم ان سے خطرہ کرو پھر ان کو زیادہ آیا
اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ
ایمان۔ اور بولے بس ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے۔پھر چلے آئے، اللہ کے
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ
احسان سے اور فضل سے کچھ نہ پہنچی برائی، اور چلے اللہ کی رضا پر،
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠
اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔ یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے،
فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾
سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

قصہ غزوہ حمراء الاسد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ . . . الى . . . اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں غزوہ احد کا قصہ بیان ہوا اب ان آیات میں غزوہ احد ہی کے متعلق ایک دوسرے غزوہ کا ذکر فرماتے ہیں جو غزوہ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے اور غزوہ احد سے متصل واقع ہوا ہے۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں شہداء احد کا ذکر تھا اب ان آیات میں شہداء احد کے ان اخوان مخلصین کا ذکر فرماتے ہیں جو ﴿ اَلَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ﴾ کا مصداق ہیں یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل کی بشارت کا ذکر تھا اور اس آیت میں بھی غزوہ حمراء الاسد کے مجاہدین کے انقلاب ﴿ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ﴾ کی بشارت کا ذکر ہے اور اہل ایمان کی مدح فرماتے ہیں کہ وہ کسی کی دھمکی میں نہیں آتے بلکہ ان کو اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے وہ ڈرپوک اور بزدل نہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق علماء کے دو قول ہیں:

پہلا قول:

یہ ہے کہ یہ آیت غزوہ حمراء الاسد کے متعلق نازل ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب ابو سفیان اور اس کا لشکر احد سے مکہ کو واپس ہوا تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ ایسی بڑی کامیابی کے بعد مسلمانوں کو زندہ چھوڑ کر کیوں چلے آئے ہم کو چاہیے

کہ ہم مدینہ واپس چلیں اور جا کر مسلمانوں کی جڑ ہی اکھاڑ کر پھینک دیں۔ جب یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو یہ اعلان فرمایا کہ صرف وہ لوگ جو احد میں میرے ساتھ شریک تھے وہ دشمن کے تعاقب کے لیے تیار ہو جائیں۔ حاضرین احد کے علاوہ اور کسی کو میں اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا مسلمان مجاہدین باجود یکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اور زخموں کی مرہم پٹی کا ارادہ کر رہے تھے آپ ﷺ کا اعلان سنتے ہی زخموں کو بھول گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہوئے حضور پر نور ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی روانہ ہوئے اور مقام حمراء الاسد پہنچے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آ رہے ہیں تو اس پر منجانب اللہ ایسا رعب اور ایسی دہشت طاری ہوئی کہ مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کا ارادہ فسخ کیا اور مکہ کی طرف بھاگا اس سفر میں حضور پر نور ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحہ وزبیر وسعد وعبدالرحمن بن عوف وعبداللہ بن مسعود وحذیفہ بن الیمان و ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ بھی تھے۔

دوسرا قول اس آیت کے شان نزول کے متعلق یہ ہے کہ یہ آیت غزوہ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جنگ احد سے فارغ ہو کر جب ابوسفیان نے مکہ کی واپسی کا ارادہ کیا تو یہ کہا اے محمد ﷺ اگر آپ چاہیں تو ہماری اور تمہاری آئندہ سال موسم بدر میں پھر لڑائی ہو۔ ابوسفیان کا مقصد یہ تھا کہ مقام بدر میں ہمارے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے اب ابوسفیان یہ چاہتا تھا کہ سال آئندہ پھر اسی سال مقام بدر پر دوبارہ جنگ ہو اور ہم احد کی طرح وہاں بھی مسلمانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو ماریں تاکہ بدر کا بدلہ ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا منظور ہے جب سال پورا ہو گیا تو ابوسفیان دو ہزار کفار قریش کے ساتھ مکہ سے جنگ کے ارادہ سے نکلا پچاس گھوڑے ہمراہ تھے۔

ادھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا صحابہ سنتے ہی رفاقت کے لیے تیار ہو گئے اور مقام بدر پر پہنچ گئے ابوسفیان مکہ سے نکل کر ابھی مقام مرالظہران ہی تک پہنچا تھا کہ یکا یک دل میں مسلمانوں کا خوف پیدا ہو گیا چاہتا یہ تھا کہ حضور پر نور وعدہ پر نہ آئیں تو الزام آپ پر رہے اور میں لڑائی سے بچ جاؤں اس لیے اس کو مناسب یہ معلوم ہوا کہ میں لشکر کو لے کر مکہ واپس جاؤں تو اتفاق سے اسے نعیم بن مسعود اشجعی مل گیا جو مکہ سے عمرہ کر کے واپس آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے اس سے کہا میں محمد (ﷺ) اور اس کے اصحاب سے یہ وعدہ کر آیا تھا کہ بدر میں میلے کے ایام میں سال آئندہ ہماری اور تمہاری جنگ ہوگی لیکن یہ سال خشک سالی کا ہے ایسے وقت میں لڑنا مناسب نہیں اب مجھے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں مکہ واپس چلا جاؤں لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ محمد (ﷺ) تو وعدے پر آ پہنچیں اور میں نہ پہنچوں اس سے مسلمانوں کو اور زیادہ جرات ہوگی تو بہتر یہ ہے کہ اے نعیم تم مدینہ جا کر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور کرو کہ قریش مکہ نے تمہارے مقابلہ کے لیے ایک لشکر عظیم تیار کیا ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے لہٰذا تمہارا لڑائی کے لیے نکلنا بہتر نہیں ہے تاکہ مسلمان اس قسم کی خبروں سے خوف زدہ ہو جائیں اور ان کی ہمتیں ٹوٹ جائیں اور ڈر کے مارے جنگ کے لیے نہ نکلیں اور ابو سفیان نے نعیم بن مسعود سے یہ کہا کہ اس کام کی اجرت میں تم کو دس اونٹ دوں گا جسے آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں جس کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جھوٹ کو سچائی کے پیرایہ میں اس طرح پیش کرو کہ سننے والے کو اس کے جھوٹ ہونے کا شبہ بھی نہ ہو۔ ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾۔

یہ پروپیگنڈا یورپ کے ائمہ تہذیب وتمدن کی عجیب وغریب ایجاد ہے مگر اسلام جیسا پاک اور مقدس مذہب اپنے پیروؤں کو ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے دشمنوں پر جھوٹ بولیں یا ان پر جھوٹی تہمت لگائیں۔ قرآن کریم پروپیگنڈا کرنے والے کو شیطان بتلاتا ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ہے: ﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ﴾۔

نعیم انعام کا لالچ پا کر مدینہ پہنچا دیکھا کہ مسلمان ابوسفیان کے وعدہ پر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ نعیم نے کہا کہ مکہ کے لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑی جمعیت تیاری کی ہے تم کو لڑنا بہتر نہیں۔ نعیم نے کہا کہ دیکھو احد کے سال قریش تمہارے گھر پر چڑھ کر آئے اور تمہیں قتل کیا اور کوئی گھر قتل اور زخم سے خالی نہ رہا اس پر بھی اگر تم اپنے گھر سے نکل کر ان سے لڑنے جاتے ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص بھی ان کے ہاتھ سے بچ کر مدینہ واپس نہ آئے گا۔ یہ سنکر مسلمانوں کے دلوں میں بجائے خوف کے جوش ایمانی بڑھ گیا اور کہنے لگے: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اللہ ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے اور خدا جس کا کارساز ہو تو بڑی سے بڑی جمعیت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور ان کے مقابلہ کے لیے نکلوں گا خواہ مجھ کو تنہا ہی جانا پڑے پھر آپ ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور ستر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ہمراہ ہوئے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کہتے جاتے تھے آپ بدر پر پہنچے اور وہاں آپ نے ابوسفیان کا آٹھ روز تک انتظار فرمایا لیکن ابوسفیان نہ آیا اور لڑائی کچھ نہیں ہوئی ان دنوں بدر کا میلہ لگا ہوا تھا مسلمانوں نے اس میں خرید وفروخت کی اور خوب نفع کمایا اور خوب نفع کما کر خیریت کے ساتھ مدینہ واپس آئے اس واقعہ کو غزوہ بدر صغری کہتے ہیں اور احد سے پہلے جو بدر میں لڑائی ہوئی تھی اس کو غزوہ بدر کبری کہتے ہیں۔

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت پہلے قول کے مطابق غزوہ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے راجح قرار دیا اور صحیح بخاری کی روایت کا سیاق بھی اسی کو مقتضی ہے کہ ان آیات کا نزول غزوہ حمراء الاسد کے بارہ میں ہو جو غزوہ احد سے متصلا واقع ہوا۔

اور اس آیت کا سیاق بھی اسی کو مقتضی ہے کیونکہ حق جل شانہ نے ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ میں ان حضرات کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ لوگ باوجود زخموں کی تکلیف پہنچنے کے رسول کی فرمانبرداری میں جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے جو ظاہرًا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ احد کے متصل اور فوراً بعد پیش آیا کہ غزوہ احد کے زخموں کی تکلیف ابھی باقی تھی مگر پھر بھی جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے سو یہ حالت غزوہ حمراء الاسد میں پیش آئی جو غزوہ احد کے متصل واقع ہوا اور غزوہ بدر صغری تو احد کے سال بھر بعد پیش آیا جس وقت مسلمان تندرست ہو چکے تھے اس پر مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ کا صادق آنا محتاج تاویل ہوگا۔

اس لیے امام فخر الدین رازی قدس اللہ سرہ نے یہ اختیار فرمایا کہ ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾﴾۔ یہاں تک کی آیت غزوہ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور آیت ﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾﴾۔ الٰی قولہ تعالیٰ: ﴿وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾﴾ یہاں تک کی تمام آیتیں غزوہ بدر صغری کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ غرض یہ کہ

حق تعالیٰ نے دونوں آیتوں میں ان مسلمانوں کی مدح فرمائی جو ان دونوں غزووں میں شریک ہوئے پہلی آیت میں غزوہ حمراء الاسد کا ذکر ہے اور دوسری آیت یعنی ﴿قَالَ لَهُمُ النَّاسُ... الی آخرہ﴾ میں غزوہ بدر صغریٰ کا ذکر ہے اور ان دونوں غزووں کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہے اور اس ناچیز کے نزدیک بھی یہی قول ظاہر آیت کے مطابق ہے کہ پہلی آیت یعنی ﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ﴾ غزوہ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور دوسری آیت یعنی ﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ... الخ﴾ غزوہ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اس تفصیل کے سمجھ لینے کے بعد اب آیات کی تفسیر سنیئے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں جن لوگوں نے احد میں زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کا حکم مانا حضور پرنور کے بلانے پر جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور زخموں کی تکلیف کی پروانہ کی تو بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو ان میں نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اجر عظیم ہے اس آیت میں یہ اشکال ہے کہ جن لوگوں نے احد میں زخم کھانے کے بعد غزوہ حمراء الاسد میں جانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا تھا وہ سب ہی نیکوکار اور متقی اور پرہیزگار تھے پھر خدا تعالیٰ کے اس فرمانے کے کیا معنی کہ جو ان میں سے نیکوکار اور متقی ہیں ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

جواب:

صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ اس جگہ من تبیین کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں اور نیکوکاری اور تقوی کی صفت مدح اور تعلیل کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے مقصود ان کی مدح سرائی اور تنویہ شان ہے ورنہ وہ سب ایسے ہی تھے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے احد میں زخم کھانے کے بعد اللہ اور رسول کا حکم مانا چونکہ یہ سب لوگ نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اس لیے ان کے لیے اجر عظیم ہے یعنی یہ لوگ اجر عظیم کے اس لیے مستحق ہوئے کہ یہ لوگ صفت احسان اور تقوی کے ساتھ موصوف ہیں۔

یا یوں کہو کہ منہم کی ضمیر عام مومنین کی طرف راجع ہے جیسا کہ گزشتہ آیت ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ میں عام مومنین کا ذکر ہے جن میں ضعیف الایمان بھی داخل ہیں۔ پس غزوہ حمراء الاسد میں جو چند مسلمان باوجود تازہ زخم کھائے ہوئے ہونے کے آپ ﷺ کے ہمراہ کافروں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے وہ عام مومنین میں کے بعض مخصوص افراد تھے اور اعلیٰ درجہ کے نیکوکار اور پرہیزگار تھے۔ اس تفسیر پر من تبعیضیہ بھی بے تکلف ہو سکتا ہے۔

اور یہی محسنین اور متقین ایسے مخلص ہیں کہ جب ان سے قبیلہ عبد القیس کے لوگوں نے آکر یہ کہا کہ تحقیق مکہ کے لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے لڑائی کا بڑا سامان جمع کیا ہے پس تم ان سے ڈرتے رہنا اور اندیشہ اور خطرہ کو پیش نظر رکھنا بے دھڑک ان کے مقابلہ کے لیے نہ نکل کھڑے ہونا پس یہ بات ان کے ایمان میں اور زیادتی کا سبب بن گئی یعنی مشرکین کے خوف دلانے سے مسلمان سست نہ پڑے اور نہ ان کی بات کی طرف التفات کیا بلکہ جوش ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا اور سمجھے کہ خدا کی راہ میں جس قدر بھی جانبازی اور سرفروشی دکھلائیں گے اسی قدر مدارج قرب سے بہرہ ور ہوں گے اور جوش میں آکر یہ بولے کہ بس کافی ہے ہم کو اللہ اور بہترین کارساز ہے جو اپنے آپ کو خدا کے حوالے اور سپرد کر دے دشمن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

گزشتہ آیات غزوہ حمراء الاسد سے متعلق تھیں جو غزوہ احد کے متصل واقع ہوا تھا اور یہ آیتیں غزوہ بدر صغریٰ کے متعلق ہیں جو کہ غزوہ احد کے ایک سال بعد واقع ہوا پس یہ لوگ اللہ کی خاص نعمت اور اس کے خاص فضل کو لے کر اپنے گھر واپس ہوئے اور اس سفر میں ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی۔ نعمت سے سلامتی اور عافیت مراد ہے اور فضل سے وہ نفع مراد ہے جو خدا کے ان برگزیدہ بندوں نے

بدر میں آٹھ روز تک بذریعہ تجارت حاصل کیا اور ﴿لَّمۡ یَمۡسَسۡهُمۡ سُوٓءٌ﴾ سے یہ مراد ہے کہ اس سفر میں نہ کوئی آدمی قتل ہوا اور نہ کسی کو زخم آیا اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کی پیروی کی یعنی سب سے بڑی چیز جو ان کو اس سفر میں ملی وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہوا جو فلاح دارین کی کنجی ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ اس کا فضل وانعام وہم وگمان سے بڑھ کر ہوتا ہے جزایں نیست کہ یہ خبر دینے والا کہ اہل مکہ نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑا سامان جمع کیا ہے شیطان ہے تم کو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے پس اے مسلمانو! تم ان سے نہ ڈرنا یہ تمہارا کچھ نہیں کرسکتے اور صرف مجھ سے ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو اور ضرور رکھتے ہو جیسا کہ تمہاری جاں نثاری اس کی شاہد ہے تو پھر تم کیوں فکرمند ہوتے ہو ؎

ہرکہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جن و انس و ہرکہ دید

خلاصہ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان مومنین مخلصین کی مدح فرمائی کہ جو غزوہ حمراء الاسد اور غزوہ بدر صغریٰ میں رسول اللہ ﷺ کے ایک اشارہ پر نکل کھڑے ہوئے پہلی آیت یعنی ﴿اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ ... الخ﴾ غزوہ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی جو غزوہ احد سے متصلاً بعد واقع ہوا اور دوسری آیت یعنی ﴿اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ ... الخ﴾ یہ آیت غزوہ بدر صغریٰ اور نعیم بن مسعود اشجعی کے قصہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔

لطائف ومعارف

آیت مذکورہ بالا ﴿فَزَادَهُمۡ اِیۡمَانًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہوسکتی ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ ایمان کے کم وزیادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الایمان لا یزید و لا ینقص ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یزید و ینقص یعنی ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ ایمان جس کے معنی تصدیق قلبی اور یقین دلی کے ہیں اس میں زیادت اور نقصان کی گنجائش نہیں اس لیے کہ جس چیز میں زیادتی اور کمی کا احتمال ہو وہ دائرہ ظن میں داخل ہے نہ دائرہ یقین میں ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمال صالحہ کا بجالانا اس یقین کو منور اور روشن کردیتا ہے اور برے اعمال کا ارتکاب اس یقین کو مکدر اور تاریک اور سیاہ کردیتا ہے پس اعمال کی کمی اور زیادتی سے ایمان کی نورانیت اور روشنی میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے نہ کہ نفس ایمان اور نفس یقین میں لہٰذا بعض لوگوں نے یقین کی نورانیت اور انجلاء کی کمی اور زیادتی پر نظر کرکے نفس یقین کو زائد اور ناقص کہہ دیا اور جن حضرات کی نظر دقیق اور عمیق تھی انہوں نے جب یہ دیکھا کہ یہ زیادتی اور کمی صفات یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفس یقین کی طرف اس بناء پر انہوں نے یقین کو غیر زائد اور غیر ناقص کہہ دیا جیسے حضرات انبیاء کرام کہ نفس نبوت میں سب برابر ہیں جیسا کہ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ﴾ (البقرہ:۲۸۵) اس کی طرف مشیر ہے مگر مراتب اور درجات عالیہ متفاوت ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ۘ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ﴾ (البقرہ:۲۵۳) اور جیسے تمام انسان کہ نفس انسانیت میں تو سب برابر اور حقیقت وذات میں متحد ہیں مگر کمالات انسانیت میں متفاضل ہیں اور بعض بعض سے افضل ہیں پس جس طرح یہ تفاضل اور تفاوت صفات اور کمالات کے اعتبار سے ہے نفس ذات کے اعتبار سے نہیں۔ نفس حقیقت اور نفس

ذات کے اعتبار سے نفس نبوت اور نفس انسانیت میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں۔

اسی طرح حقیقت ایمان کو سمجھو کہ تمام مومنین میں نفس ایمان برابر مشترک ہے اور اسی قدر مشترک کی وجہ سے تمام مومنین اخوت ایمانیہ کی سلک میں منسلک ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰)۔ اور اس قدر مشترک میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں البتہ اعمال صالحہ کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے ایمان کی صفت نورانیت اور انجلاء وصفاء اور روشنی میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

جس طرح دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن انجلاء اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اس آئینہ کو جو دوسرے آئینہ سے زیادہ روشن ہے دیکھ کر یہ کہے کہ یہ آئینہ دوسرے آئینہ سے زائد ہے اور دوسرا شخص یہ کہے کہ دونوں آئینہ برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کی زیادتی اور نقصان نہیں فرق صرف نورانیت اور انجلاء کا ہے جو آئینہ کی صفات ہیں پس دوسرے شخص کی نظر صائب اور ثاقب ہے اور حقیقت تک نافذ ہے اور شخص اول کی نظر کوتاہ ہے صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچی اور صفت اور ذات میں فرق نہیں کرتی: ﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ (المجادلہ:۱۱)۔

اس تحقیق سے مخالفین کا وہ اعتراض جو ایمان کے کم وبیش نہ ہونے پر کیا کرتے ہیں انشاء اللہ زائل ہو جائے گا اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ایمان کی طرح نہ ہوگا کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ایمان آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہوگا اور کامل طور پر منجلی اور نورانی ہوگا اور عام مومنوں کا ایمان کامل طور پر نورانی نہ ہوگا بلکہ اپنے اندر بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں لیے ہوئے ہوگا۔ عوام مومنین کا ایمان حضرات انبیاء علیہم السلام کے ایمان کے گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ گویا کہ عامہ مومنین نفس انسانیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر کمالات اور درجات عالیہ میں کوئی نسبت نہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک اسی طرح ایمان کی شرکت کو سمجھو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ایمان کمال اطاعت خداوندی کے اقتران کی وجہ سے ذروہ علیا کو پہنچا ہوا ہے اور مومنین کا ایمان ایک ذرۂ بے مقدار ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان جو وزن میں امت کے ایمان سے زیادہ ہے۔ اس کو بھی انجلاء اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے نفس انسانیت میں زیادتی اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت زیادتی اور نقصان کے قابل ہے تمام افراد انسانی حقیقت اور ذات کے اعتبار سے متحد اور برابر ہیں اور باقی تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا وہ صفات کاملہ اور کمالات فاضلہ کے اعتبار سے ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (دیکھو مکتوب ۲۶۶ از دفتر اول مکتوبات امام ربانی، ومکتوب ۶۷ از دفتر دوم اور دیکھو حجۃ اللہ البالغہ)

وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا

اور تجھ کو غم نہ آوے ان لوگوں سے جو دوڑ کر لگتے ہیں کفر کرنے۔ وہ نہ بگاڑیں گے

اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ

اللہ کا کچھ۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں۔ اور ان کو

عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا

بڑی مار ہے جنہوں نے خرید کیا کفر ایمان کے بدلے، وہ نہ بگاڑیں گے

اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

اللہ کا کچھ، اور ان کو دکھ کی مار ہے۔

دشمنانِ اسلام کی سرگرمیوں کی بابت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ ... الی ... وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اسلام کے مقابلہ میں کافروں کی سازش کا ذکر تھا اب ان آیات میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ کافروں کی حرکات سے غمگین اور فکرمند نہ ہوں یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کا اور اس کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ غم میں ڈالیں آپ کو یہ لوگ جو کفر کی حمایت اور اعانت میں دوڑتے پھرتے ہیں اور آپ سے لڑنے کے لیے لشکر فراہم کرتے پھرتے ہیں۔ اسلام کے مٹانے کے درپے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پروانہ کیجئے اور نہ ان کی کارروائیوں سے غمگین ہوں، تحقیق یہ لوگ اللہ کے دین کو کوئی نقصان اور گزند نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان دشمنان اسلام کو نقصان پہنچے بایں طور کہ انہیں آخرت میں فائدہ اور نفع سے کوئی حصہ نہ دے پس جن کے لیے قضاء وقدر میں محرومی اور ناکامی مقدر ہو چکی ہے ان سے اندیشہ کی ضرورت نہیں اور صرف یہی نہ ہوگا کہ آخرت میں منافع سے بالکلیہ محروم ہوں گے بلکہ حرمان کے ساتھ ان لوگوں کے لیے سخت عذاب بھی ہوگا تحقیق جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو مول لے لیا یعنی جنہوں نے ایمان کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کیا۔ اور اپنے نفع اور نقصان کو بھی نہ سمجھا ایسے نادان اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے یہ لوگ کفر کر کے اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں یہ لوگ خدا کا کیا بگاڑ سکتے ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حرکات سے غمگین اور فکرمند نہ ہوں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا

اور یہ نہ سمجھیں منکر کہ ہم جو فرصت دیتے ہیں ان کو کچھ بھلا ہے ان کے حق میں ہم تو

نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ

فرصت دیتے ہیں ان کو تاکہ بڑھے جاویں گناہ میں، اور ان کو ذلت کی مار ہے۔ اللہ وہ نہیں کہ

اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

چھوڑ دے گا مسلمانوں کو، جس طرح پر تم ہو جب تک جدا نہ کرے ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

پاک سے۔ اور اللہ یوں نہیں کہ تم کو خبر دے غیب کی اور اللہ

يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا

چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں، جس کو چاہے۔ سو تم یقین لاؤ

وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیز گاری پر تم کو بڑا ثواب ہے اور نہ سمجھیں جو لوگ بخل کرتے ہیں

بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ

ایک چیز پر کہ اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے یہ بہتر ہے ان کے حق میں، بلکہ یہ برا ہے ان کے واسطے،

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

آگے طوق پڑے گا ان کے جس پر بخل کیا تھا، دن قیامت کے۔ اور اللہ وارث ہے آسمان

وَ الْاَرْضِ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

اور زمین کا، اور اللہ جو کرتے ہو، سو جانتا ہے۔

دشمنان اسلام کے چند مزعومات اور خیالات اور ان کے جوابات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا . . . الٰی . . . وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں کے لیے عذاب عظیم اور عذاب الیم کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں کافروں کے چند شبہات اور اوہام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ کافروں کو اپنی عیش و عشرت پر ناز تھا اور ان کا گمان یہ تھا کہ ہماری یہ خوشحالی اس امر کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جواب میں فرماتے ہیں اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا اور کفر پر فی الحال نہ پکڑنا کچھ ان کے لیے بھلا ہے خوب سمجھ لیں کہ جز ایں نیست ہم ان کو اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ گناہوں میں خوب ترقی اور زیادتی کرتے چلے جائیں اور خوب جی بھر کر دل کے ارمان نکال لیں اور ناؤ پوری بھر کر ایک ہی دفعہ ڈوب جائے اور ان کے لیے ذلیل اور خوار کرنے والا عذاب تیار ہے۔ جس کے بعد دنیا کی ساری عزتیں خاک میں مل جائیں گی۔ جیسے کوئی شخص حکومت سے باغی ہو جائے اور باوجود بار بار نصیحت اور تفہیم کے وہ مقابلہ سے باز نہ آئے تو حکومت اس کو مہلت اور ڈھیل دیتی ہے تا کہ دل کھول کر بادشاہ کا مقابلہ کرے اور جو کہہ سکتا اور کر سکتا ہے وہ کر گزرے تا کہ یکبارگی اس کو پکڑا جائے اور کوئی صورت اس کی براءت اور رہائی کی نہ رہے اور جب اس کے جرم اور سرکشی کا پیمانہ لبریز ہو جائے تو اس کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے اور یہ نادان اس مہلت اور ڈھیل کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ حکومت میری اس بغاوت سے راضی ہے اسی طرح بارگاہ خداوندی سے فرعون اور ہامان جیسے کافروں اور مجرموں کو مہلت ملنا اس لیے ہے کہ فرد جرم پوری

طرح ان پر عائد ہو جائے اور ایسی سخت پکڑ ہو کہ کوئی مفر باقی نہ رہے۔

ایک اور خیال باطل کا ابطال

جس طرح اہل کفر پر عذاب نہ آنے سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک مردود ہوتے تو ضرور ان پر کوئی عذاب آتا اور اوپر کی آیت میں اس کا جواب دیا گیا کہ کافروں پر عذاب نہ آنا مقبولیت کی دلیل نہیں من جانب اللہ یہ امہال اور استدراج ہے جیسا کہ بسا اوقات شدید مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے۔

اسی طرح بعض مرتبہ مؤمنین مخلصین پر مصائب وشدائد کے آنے سے جیسا کہ احد میں پیش آیا تو یہ وسوسہ ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ اگر خدا تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے ہوتے تو ان پر یہ مصائب اور حوادث نہ آتے تو آئندہ آیت میں اہل ایمان پر مصائب اور شدائد کے آنے کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرماتے ہیں تاکہ یہ وسوسہ دور ہو جائے۔ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ مؤمنوں کو اسی حالت پر چھوڑے رکھے کہ جس حالت پر تم اب ہو کہ ظاہر میں مخلصین اور منافقین میں کوئی امتیاز نہیں سب ملے جلے ہیں یہاں تک کہ ناپاک (منافق) کو پاک (مؤمن مخلص) سے جدا اور ممتاز کر دے اور اس امتیاز کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایسے شدائد ومصائب نازل کرتا ہے کہ جن سے کھرے اور کھوٹے اور پاک اور ناپاک کا کھلے طور پر فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات حکمت کے خلاف ہے کہ مؤمن اور منافق ملے جلے رہیں اور کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ کون مؤمن مخلص ہے اور کون منافق پس جس طرح حق تعالیٰ نے غزوۂ احد اور غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدر صغریٰ میں مخلصین اور منافقین کا امتحان کر کے ایک کو دوسرے سے ممتاز کر دیا اسی طرح وہ آئندہ بھی کرے گا۔

اور رہا یہ سوال کہ حق تعالیٰ ان کو نام بنام کیوں نہیں ظاہر کر دیتے اور لوگوں کو یہ کیوں نہیں بتلا دیتے کہ فلاں منافق ہے اور فلاں مؤمن ہے اس طریقہ سے مخلص اور منافق کا امتیاز بالکل سہل ہو جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا ایسا نہیں کہ تم کو غیب کی خبریں دیدے اور تم کو یہ بتلا کر کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مؤمن ہیں غیب پر مطلع کر دے یہ امر خلاف سنت الٰہیہ ہے کہ عوام الناس کو غیب کی باتوں پر مطلع کرے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو منتخب کرتا ہے۔ اور بذریعہ وحی ان کو بعض امور غیبیہ سے مطلع کرتا ہے اور تم پیغمبر نہیں کہ بذریعہ وحی تم کو امور غیبیہ کی اطلاع دی جائے بذریعہ وحی امور غیبیہ پر مطلع کرنا یہ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے عوام الناس کو بذریعہ وحی امور غیب پر مطلع نہیں کیا جا سکتا۔ عوام الناس کی اطلاع کا ذریعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایسے واقعات نازل فرماتا ہے جن سے مخلص اور منافق کا امتیاز ظاہر ہو جاتا ہے بصراحت یہ ظاہر کر دینا کہ فلاں شخص مؤمن ہے اور فلاں شخص منافق ہے سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے کسی اور کو یہ علم اور اطلاع نہیں دی جاتی پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر اخلاص کے ساتھ اور بے چون وچرا ان کی باتوں کو مانو تاکہ رسوا نہ ہو اور اگر تم اخلاص کے ساتھ ایمان لے آؤ اور پیغمبر خدا پر نکتہ چینی اور اس کی نافرمانی سے بالکلیہ پرہیز کرو تو تم کو بجائے عذاب عظیم اور عذاب الیم کے اجر عظیم ملے یہ کر لیا تو سب کچھ کما لیا ورنہ کچھ بھی نہیں۔

فائدہ: اس آیت کی نظیر سورۂ جن کی یہ آیت ہے: ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (الجن:۲۶)۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہر کس وناکس اس کا اہل نہیں کہ اس کو بذریعہ وحی کسی امر غیبی پر مطلع کیا جائے صرف خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ یعنی رسول کو بذریعہ وحی کسی امر غیبی پر مطلع کیا جا سکتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾ (ھود) باقی ایسا علم غیب جو کلی ہو اور تمام کائنات اور ممکنات کو محیط ہو سو وہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ممکن بھی نہیں جیسے قدرت کاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے ایسا ہی علم محیط بھی اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ آں حضرت ﷺ کو واقعۂ افک میں وحی کا انتظار کرنا پڑا جب آیات براءت نازل ہوئیں تب آپ کو حقیقت حال کا علم ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کے چاہ کنعان میں ہونے کی خبر نہ ہوئی اور مصر سے پیراہن یوسفی کی خوشبو سونگھ لی بہت سے واقعات ایسے پیش آئے کہ آں حضرت ﷺ کو ان کا علم نہیں تھا۔ نزول وحی سے ان کا علم ہوا۔

مذمت بخل

سلسلۂ کلام چونکہ جہاد کے بارہ میں تھا جس سے منافقین جان چراتے تھے اسی طرح جہاد میں مالی امداد سے بھی جان چراتے تھے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے تھے اس لیے آئندہ آیت میں بخل کی مذمت بیان فرماتے ہیں اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو اس چیز میں بخل کرتے ہیں کہ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہے کہ یہ بخل ان کے لیے بہتر ہوگا بلکہ یہ ان کے لیے بہت ہی برا ہے کہ خدا کی عطا کی ہوئی چیز میں سے کچھ تھوڑی سی چیز بھی خدا کے نام پر دینا ان کو گراں گزرتا ہے قیامت کے دن ان کے گلے میں اس مال کا طوق ڈالا جائے گا۔ جس پر انہوں نے بخل کیا تھا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ نہ دے گا اس کا مال اژدہا بن کر گلے میں پڑے گا اور اس کے کلے چیرے گا۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں کی اور زمین کی یعنی تم سب فانی ہو بقاء صرف اسی کے لیے ہے تم سب مر جاؤ گے اور مال اور ملکیت سب یہیں چھوڑ جاؤ گے چاہے تم اس کی زکوٰۃ دو یا نہ دو سب مال اسی کا ہو کر رہے گا۔ بہتر ہے کہ تم اپنے ہاتھ سے کچھ دے جاؤ تاکہ تمہیں ثواب مل جائے اپنی ملکیت کے غرہ میں نہ رہو۔ تم بھی فانی اور تمہاری ملکیت بھی فانی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے وہ تمہارے بخل سے بھی باخبر ہے اس کی سزا سے تم بچ نہیں سکتے یہ مال جس کی زکوٰۃ دینے میں تم بخیل بن گئے ہو قیامت کے دن یہی مال و دولت ایک ایسے کالے اور زہریلے سانپ کی صورت میں ظاہر ہوگا کہ زہر کی شدت اور حدت کی وجہ سے اس کے سر پر بال نہ ہوں گے وہ تمہارے دونوں کلے پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں اور میں تیرا خزانہ ہوں یعنی وہی مال ہوں جس پر تو فخر اور ناز کرتا تھا اور پھر اس کو ڈسے گا۔ ؎

گنج را از دل بروں کن مالِ خود بفگن زچشم
مالِ تو مارست در معنی و گنجت اژدھا

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ

اور اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا

اب لکھ رکھیں گے ہم ان کی بات اور جو خون کیے ہیں نبیوں کے ناحق، اور کہیں گے چکھو

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

جلن کی مار یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں بھیجا اور اللہ

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ

ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔ وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ ہم یقین نہ کریں

لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ

کسی رسول کو جب تک نہ لادے ہم پاس ایک نیاز جس کو کھا جاوے آگ۔ تو کہہ تم میں آچکے کتنے

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ

رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا، پھر ان کو کیوں مارا تم نے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

تم سچے ہو۔ پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلا دیں تو آگے تجھ سے جھٹلائے گئے بہت رسول،

جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿١٨٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ

جو لائے نشانیاں اور ورق اور کتاب چمکتی۔ ہر جی کو چکھنی ہے

الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ

موت، اور تم کو پورے بدلے ملیں گے دن قیامت کے، پھر جس کو سرکا دیا

النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ

آگ سے، اور داخل کیا جنت میں، اس کا کام بنا، اور دنیا کی زندگی تو یہی ہے

الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ

دغا کی جنس۔ البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے اور جان سے اور البتہ سنو گے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى

اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں سے، بد گوئی

كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَ اِذْ
بہت اور اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیز گاری کرو، تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ اور جب
اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ
اللہ نے اقرار لیا کتاب والوں سے، کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں پاس، اور
لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ
نہ چھپاؤ گے، پھر پھینک دیا وہ اقرار اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اس کے بدلے مول تھوڑا،
فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
سو کیا بری خرید کرتے ہیں۔

بیان شنائع یہود و تعلیم صبر بمسلمانان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا . . . الی . . . فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾﴾

ربط: ابتداء سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا درمیان میں خاص خاص مناسبات کے بنا پر غزوۂ احد کی تفصیلات کا بیان ہوا اب اخیر سورت میں پھر اہل کتاب کی کچھ شنائع اور قبائح کو بیان فرماتے ہیں چونکہ اہل کتاب میں یہود کا معاملہ سخت تھا اور یہ گروہ مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا اور منافقین بھی اکثر انہی میں کے تھے اس لیے یہود کی گستاخیوں کو خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔

شان نزول:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ﴾ (البقرہ:۲۴۵) تو یہود یہ کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا پروردگار فقیر ہو گیا ہے جو اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت یعنی ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا . . . الخ﴾ نازل ہوئی۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ایک روز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہود کے مدرسہ میں گئے وہاں فنحاص بن عازوراء جو یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا درس دے رہا تھا اور اس کے پاس یہودیوں کا ہجوم تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے کہا۔ اے فنحاص! اللہ سے ڈر اور اسلام قبول کر۔ خدا کی قسم تجھ کو اس امر کا علم یقینی اور قطعی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اللہ کی طرف سے حق کو لے کر آئے ہیں اور تم ان کے اوصاف کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو پس تجھ کو چاہیے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور خدا کو قرض حسن دے (یعنی اس کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرے) اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کرے گا اور دو چند ثواب دے گا فنحاص بولا اے ابو بکر تمہارا یہ گمان ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے قرض مانگتا ہے

حالانکہ قرض تو فقیر غنی سے لیا کرتا ہے اگر خدا فقیر نہ ہوتا تو قرض نہ مانگتا۔

پس اگر تیرا یہ قول صحیح ہے تو بلا شبہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور زور سے ایک طمانچہ اس کے منہ پر رسید کیا اور کہا کہ دشمن خدا اگر ہمارے اور تیرے درمیان عہد نہ ہوتا تو بخدا میں تیری گردن مار دیتا۔ فنحاص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپؐ کے رفیق نے میرے ساتھ یہ بری حرکت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس دشمن خدا نے بڑی سخت بات کہی اس نے کہا اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ اس پر مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا فنحاص نے کہا کہ میں نے یہ قول نہیں کہا تھا اپنے کہے سے مکر گیا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق کے لیے اور فنحاص کذّیب کی تکذیب اور تردید کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ واقعی اس کذاب نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: البتہ تحقیق سن لیا اللہ تعالیٰ نے قول ان گستاخوں کا جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار اور دولت مند ہیں گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے یہود کے بخل کو بیان فرمایا تھا کہ یہ ایسے بخیل ہیں کہ خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتے اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ اس درجہ بخیل ہیں کہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں، جب ہی تو ہم سے قرض مانگتا ہے مگر یہ کوڑ مغز اور بے وقوف یہ نہیں سمجھتے کہ تمام دنیا کے اغنیاء اور دولت مندوں کی فنا اور دولت اس غنی مطلق کی غناء اور عطاء کا ایک پرتو ہے مالک مطلق وہی ہے دولتمندوں کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ چند روزہ عاریت اور امانت ہے مالک حقیقی اپنی انتہائی رحمت وشفقت سے اپنے بندوں سے یہ فرماتا ہے کہ تم ہمارے دئے ہوئے مال میں سے کچھ مال ہماری راہ میں قرض دے دو ہم تم کو اس کا دس گنا معاوضہ دیں گے کیا کوئی نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حقیقتاً قرض مانگنا ہے۔

قرض کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جو مال تم سے لیا جا رہا ہے تم کو اس کا معاوضہ دیا جائے گا بلا معاوضہ تم سے کچھ نہیں لیا جا رہا ہے احتیاج اور ضرورت قرض کے مفہوم میں داخل نہیں ان نادان فقیروں نے قرض کے لفظ سے یہ سمجھ لیا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ محتاج ہے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ سب مال اسی کا مملوک ہے کمال ترحم سے لفظ قرض کا اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ تمہارے نفسوں کو اطمینان ہو جائے کہ اس کا اضعافاً مضاعفہ معاوضہ ملے گا۔ تم سے مفت نہیں لیا جا رہا ہے پھر یہ کہ خدا تعالیٰ جب کبھی بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس میں بندوں ہی کے دنیوی اور اخروی فوائد اور منافع مضمر ہوتے ہیں۔ خرچ کرو یا نہ کرو خدا کا کوئی نفع نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تم اور تمہاری ہر چیز اسی کی مملوک ہے اور تمہارے پاس چند روزہ عاریت ہے حقیقی معنی کے اعتبار سے بارگاہ خداوندی میں قرض ناممکن ہے تم اپنے مال و دولت کے تو کیا مالک ہوتے تم تو اپنے وجود کے بھی مالک نہیں۔ تم تو اپنی صحت اور تندرستی اور حرکت وسکون کے بھی مالک نہیں۔

اس مالک حقیقی نے جب تم کو اپنی عطا کردہ دولت میں سے تمہارے ہی فائدے کے لیے کچھ خرچ کرنے کا حکم دیا تو کمال ترحم سے اس کو قرض سے تعبیر فرمایا تا کہ اس بات کی رجسٹری ہو جائے کہ بارگاہ خداوندی سے اس کا اضعافاً مضاعفہ معاوضہ ملے گا جیسے قرض کی ادائیگی عقلاً ضروری ہوتی ہے اسی طرح اس غنی مطلق نے جو چیز قرض کے نام سے لی ہے ضرور بالضرور اس کا معاوضہ ملے گا تا کہ بخیل طبیعتیں گھبرائیں نہیں ان بدباطن بخیلوں نے جب اللہ کا حکم سنا تو بجائے احسان ماننے کے ہنسی اور مذاق اڑانے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ

نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ گستاخانہ باتیں سن لی ہیں اس پر جو کارروائی ہوگی اس کے منتظر رہو ہم ابھی اس بات کو لکھ رکھیں گے جو انہوں نے کہی ہے۔ یعنی ان کے جرائم کے رجسٹر میں اس ناپاک اور ملعون قول کو بھی درج کرائے دیتے ہیں اور جیسا کہ ان کے اور ان کی قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک اقوال وافعال کو درج رجسٹر کرتے ہیں اسی طرح انہوں نے جو نبیوں کے ناحق خون کئے ہیں ان کو بھی لکھ لیں گے اور قیامت کے دن ان سے کہیں گے کہ جلتی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اشارہ اس طرف ہے کہ تمہارا یہ گستاخانہ جملہ قتل انبیاء کے ہم پلہ ہے۔ ان کا یہ گستاخانہ قول قتل انبیاء کے جرم سے کم نہیں۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ اوپر جو قول مذکور ہوا وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کا تھا۔ اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا۔ یہ فعل ان کے بزرگوں کا تھا لیکن چونکہ آں حضرت ﷺ کے زمانہ کے یہودی اپنے بزرگوں کے اس فعل کو اچھا سمجھتے تھے اس لیے قتل انبیاء علیہم السلام کو ان کی طرف منسوب کیا گیا کسی فعل سے راضی ہونا اس فعل کے کرنے کے برابر ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور ان کے قتل پر خوشنودی ظاہر کی تو امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے گناہ میں شریک ہو گیا۔ بعد ازاں امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت پڑھی: ﴿قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ﴾ یہ عذاب تمہارے ان اعمال کی سزا اور بدلہ ہے کہ جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے یعنی جلانے والا عذاب تمہارے افعال کی سزا ہے کہ تم نے اللہ کو فقیر کہا اور انبیاء کو قتل کیا اور اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں بلکہ عادل ہے اور عدل کا مقتضیٰ مجرمین کو سزا دینا ہے تم نے جو کمایا اور تمہارے ہاتھوں نے جو سمیٹا وہ تمہارے سامنے آ گیا خدا تعالیٰ نے تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا۔ یہ سزا اور بلا تمہارے ہی اعمال کی صورت ہے کوئی نئی چیز نہیں یہ عذاب الیم۔ معاذ اللہ ظلم عظیم نہیں بلکہ عدل عظیم ہے اور تمہارے جرم عظیم اور ظلم عظیم کی سزا ہے۔

نکتہ: ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے اور ﴿لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ میں مبالغہ کی نفی مراد نہیں بلکہ مبالغہ فی النفی مراد ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں بار بار آتا ہے۔ حدثنی البراء وھو غیر کذوب بکذوب مبالغہ کا صیغہ ہے اور غیر کذوب سے مبالغہ کی نفی مراد نہیں بلکہ مبالغہ فی النفی مراد ہے ہماری اس عبارت کا مطلب کسی ایسے سے حل کر لیں جو مطول اور مختصر معانی پڑھ چکا ہو۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ظلام صیغۂ نسبت ہے بمعنی ذی ظلم جیسے صباغ اور دباغ اور عطار اور معنی یہ ہیں کہ اللہ کو ظلم سے کوئی نسبت نہیں یا یہ کہ مقصود کلام تعریض ہے کہ اللہ تو ظلام نہیں البتہ بندوں پر بڑے بڑے ظلام یعنی بڑے بڑے ظالم ہیں اشارہ یہود کی طرف ہے کہ یہ بڑے ظالم ہیں۔

یہود کا ایک افتراء اور اس کی تردید

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بعض انبیاء بنی اسرائیل کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ قربانی یا کوئی چیز اللہ کے نام کی نیاز کی تو آسمان سے ایک آگ آتی اور اس کو کھا جاتی تو یہ اس قربانی اور نیاز کے قبول ہونے کی علامت ہوتی اور اگر اس کے جلانے کے لیے آسمان سے آگ نہ آتی تو معلوم ہوتا کہ خدا کے یہاں وہ قربانی اور نیاز قبول نہیں ہوئی اب یہود نے ایک بہانہ پکڑا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو توریت میں یہ حکم دیا ہے کہ جس نبی سے یہ معجزہ نہ دیکھو اس پر ایمان نہ لانا یہ یہود کا جھوٹا بہانہ تھا توریت میں کہیں نہیں لکھا کہ جو نبی آگ کا معجزہ نہ دکھلائے اس پر ایمان نہ لانا یہ معجزہ صرف بعض پیغمبروں کو ملا تھا ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مناسب معجزات عطا

کیے یہ ضروری اور لازم نہیں کہ ہر نبی ایک ہی معجزہ دکھلا دے چنانچہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے غیب سے آ کر آگ کھا جاوے یہود کا مطلب یہ تھا کہ حضور پرنور نے یہ معجزہ ظاہر نہیں فرمایا اس لیے ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے کتنے ہی رسول تمہارے پاس اپنی نبوت ورسالت کے دلائل اور براہین اور صاف اور روشن معجزات لے کر آ چکے ہیں اور وہ معجزہ بھی لا چکے ہیں جو تم مانگتے ہو۔ پھر تم نے ان کو کیوں مار ڈالا اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو توریت میں ایسا حکم دیا ہے مطلب یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو خدا نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا۔ اثبات نبوت کے لیے مطلق معجزہ کا ظہور ضروری ہے اس خاص معجزہ کا ظاہر ہونا ضروری نہیں اور اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ اسی خاص معجزہ کے دکھلانے پر ایمان لانا موقوف ہے تو یہ بتلاؤ کہ جن نبیوں نے اپنی صداقت کے کھلے کھلے نشان دکھلائے اور یہ قربانی کا معجزہ بھی دکھلایا تو تم ان پر کیوں ایمان نہیں لائے بلکہ ان کو قتل کیا معلوم ہوا کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی

چونکہ کفار کی تکذیب اور اس قسم کی معاندانہ باتوں سے حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رنج ہوتا تھا اس لیے آئندہ آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں پس اگر یہ معاند اور کج بحث لوگ آپ کو جھٹلائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہ مانیں تو اس سے رنجیدہ اور دلگیر نہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ جو اپنی صداقت کے کھلے کھلے ثبوت اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے، انبیاء صادقین علیہم السلام کی تکذیب ان کی قدیم عادت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نئی بات پیش نہیں آئی۔

فائدہ: بینات سے انبیاء کرام کی صداقت کے روشن دلائل اور کھلے ثبوت مراد ہیں اور زُبُر لفظ زبور کی جمع ہے جو زَبْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں جھڑکنے اور ڈانٹنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں زبور اس کتاب کو کہتے ہیں جو مضامین حکمت اور نصیحت وموعظت پر مشتمل ہو، ایسی کتابوں کو زبور اس لیے کہتے ہیں کہ لوگوں کو باطل کی طرف جانے سے جھڑکا جاتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کو بھی زبور اسی لیے کہتے ہیں اور یہاں وَالزُّبُر سے وہ آسمانی صحیفے مراد ہیں جو مضامین حکمت وموعظت پر مشتمل ہوں اور کتاب منیر (یعنی روشن کتاب) سے توریت اور انجیل مراد ہیں۔ اگرچہ لفظ زُبُر ان کو بھی شامل تھا مگر ان کی فضیلت اور شرافت ظاہر کرنے کے لیے ان کو علیحدہ بیان فرمایا۔

وعید برائے مکذبین ووعد برائے مصدقین

اب آئندہ آیت میں مکذبین کے لیے وعید اور مصدقین کے لیے وعدہ اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں ہر نفس تم میں سے موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور جزایں نیست کہ تم کو پورا پورا بدلہ قیامت کے دن دیا جائے گا دنیا میں یا قبر میں اگر سزا ملتی ہے تو وہ اعمال کا پورا بدلہ نہیں وہ تو سزا کا محض ایک نمونہ ہے پس جو شخص دوزخ سے محفوظ کر دیا گیا۔ جو تمام مصیبتوں کا معدن اور منبع ہے اور جنت میں داخل کر دیا

گیا جو تمام راحتوں اور نعمتوں اور لذتوں کا معدن اور مخزن ہے پس ایسا شخص ٹھیک مراد کو پہنچا اور کامیاب ہوا۔ اور دنیاوی زندگی اگرچہ وہ کتنی ہی عیش وعشرت کو ساتھ لیے ہوئے ہو وہ کچھ بھی نہیں مگر دھوکہ کا سامان ہے جس پر بے وقوف عاشق ہو گئے ہیں اگر یہ لوگ دنیا کی حقیقت جان لیں تو سمجھ جائیں کہ یہ ساری دنیا غرور یعنی فریب اور دھوکہ ہے کوئی بھی اس کو مول لینے پر تیار نہ ہو ؎

دروید ۂ اعتبار خوابیست بر رھگذر اجل سرابیست
ایمن منشیں زگرم و سردش مشغول مشوبہ سرخ و زردش

کافروں کی تکذیب اور ہرزہ درائیوں پر مسلمانوں کو صبر کی تعلیم

چونکہ کافروں کے معاندانہ اعتراضات اور ہرزہ درائیوں سے مسلمانوں کو ایذاء پہنچتی تھی اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرماتے ہیں (مسلمانو!) البتہ تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں مطلب یہ ہے کہ جان و مال دونوں ہی سے آزمائش ہوگی خدا کی راہ میں تمہارے مال بھی طلب کئے جائیں گے اور جانیں بھی اور فقر و افلاس میں بھی مبتلا ہو گے اور خدا کی راہ میں کفار کے ہاتھ سے مقتول اور مجروح بھی ہو گے غرض یہ کہ اے مسلمانو! تمہاری جانی اور مالی تکالیف کے ذریعہ تمہاری آزمائش ہوگی لہٰذا تم اس آزمائش کے لیے مستعد رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمت ہار دو اور البتہ تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور نیز مشرکین سے بہت دل آزار باتیں سنو گے اور اگر تم ایسے موقع پر صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو تو بے شک یہ خصلت ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ صبر کے معنی ناگوار امر کو برداشت کرنے اور تقویٰ کے معنی نامناسب بات سے بچنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس عظیم خصلت کے لیے ہمت مردانہ چاہیے اور بعض اور مفسرین نے من عزم الامور کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یہ کام من جملہ ان کاموں کے ہے جو خدا کی طرف سے تم پر لازم کیے گئے ہیں۔

مذمتِ اہل کتاب بر کتمان حق

گزشتہ آیات میں یہود کے قبائح کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں ان کی ایک اور خصلت قبیحہ کو بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے علماء اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ ہمارے احکام جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور نبی آخر الزمان ﷺ کی جو صفتیں اور بشارتیں ان میں مسطور ہیں ان کو لوگوں سے ہرگز نہ چھپانا مگر ان لوگوں نے خدا تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس کو پس پشت ڈال دیا اور اپنے امیروں سے رشوت لے کر پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی بشارتوں کو چھپا لیا۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی یہ عہد لیا کہ تم اس کتاب کے تمام مضامین کو خود بخود لوگوں کے سامنے بیان کرنا اگرچہ کوئی تم سے دریافت بھی نہ کرے تم پر ان مضامین کا بیان اور اعلان واجب ہے تم اس کے مضامین کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور پوشیدہ نہ رکھنا پس ان لوگوں نے اس عہد اور میثاق کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں بہت تھوڑا سا معاوضہ لے لیا یعنی دنیاوی لالچ میں آنحضرت ﷺ کی صفتوں اور بشارتوں کو چھپا لیا۔ پس کیا ہی بری چیز ہے کہ جو وہ خرید رہے ہیں یعنی تھوڑے سے نذرانوں کے لالچ میں کتاب الٰہی کا مطلب الٹا سلٹا

بیان کرتے ہیں اور حق بات کو ظاہر نہیں کرتے بہت ہی برا سودا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا
تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور چاہتے ہیں تعریف بن کئے پر
لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ
سو نہ جان کہ وہ خلاص ہیں عذاب سے، اور ان کو
اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع ۱۹/۹/۱۰
دکھ کی مار ہے۔ اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مذمت خود پسندی و مدح خواہی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ ... الی ... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾﴾

آنحضرت ﷺ جب علماء یہود سے کوئی بات دریافت کرتے تو وہ اصل بات کو چھپا لیتے اور خلاف واقع بات بیان کر کے چلے جاتے پھر اپنے اس چھپانے پر دل میں خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اے نبی ﷺ!) آپ ان لوگوں کو جو اپنی اس چالاکی پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کی ہے اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے اس کام پر جو انہوں نے کیا یعنی جو بھلائی نہیں کی اس پر آفرین چاہتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو کس طرح حیلہ اور بہانہ سے اپنی جان بچائی پس آپ ان کی نسبت یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ وہ عذاب سے چھوٹ گئے اور ان لوگوں کے لیے تو بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو کہ ان کی ساری خوشی اور خود پسندی اور مدح خواہی کو اچھی طرح خاک میں ملا دے گا اگرچہ یہ آیت خاص یہود کے بارہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے جو شخص بھی اپنے برے افعال سے خوش ہوگا اور ناکردہ امور پر اپنی تعریف چاہے گا وہ اس وعید میں داخل ہوگا اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے پس ایسے قادر مطلق کے عذاب سے چھٹکارا پانے کی کوئی سبیل نہیں اور خصوصاً جو گستاخ آسمان و زمین کے مالک کو فقیر کہتا ہو ایسے گستاخ کی تو عذاب سے کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ جس کی سلطنت آسمان و زمین کو محیط ہو اس کا مجرم بھاگ کر آخر کہاں جائے گا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ
آسمان اور زمین کا بنانا، رات اور دن کا بدلتے آنا اس میں نشانیاں ہیں

لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی

عقل والوں کو۔ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور

جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ

کروٹ پر لیٹے اور دھیان کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں۔ اے رب ہمارے!

هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ

تو نے یہ عبث نہیں بنایا۔ تو پاک ہے عیب سے، سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے ۔ اے رب ہمارے! جس کو تو نے

النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا

دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کیا۔ اور گناہگاروں کا کوئی نہیں مددگار۔ اے رب ہمارے!

سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا

ہم نے سنا، کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر، سو ہم ایمان لائے، اے رب ہمارے!

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ ج

اب بخش گناہ ہمارے اور اتار ہماری برائیاں اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ۔

رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ

اے رب ہمارے! اور دے ہم کو جو وعدہ دیا تو نے اپنے رسولوں کے ہاتھ اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن۔

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ

تحقیق تو خلاف نہیں کرتا وعدہ۔ پھر قبول کی ان کی دعا ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا

عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے مرد یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔

فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا

پھر جو لوگ وطن سے چھوٹے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے

وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور مارے گئے ہیں اتاروں گا ان سے برائیاں ان کی، اور داخل کروں گا باغوں میں جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ

بہتی ندیاں بدلہ اللہ کے ہاں سے اور اللہ ہی کے ہاں ہے اچھا

الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ

بدلہ۔ تو نہ بہک اس پر کہ آتے جاتے ہیں کافر شہروں میں۔ یہ فائدہ ہے

قَلِيْلٌ ۟ قف ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ

تھوڑا سا۔ پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور کیا بری تیاری ہے۔ لیکن جو لوگ

اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

ڈرتے رہے اپنے ربّ سے، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے بہتی ندیاں، رہ پڑے ان میں

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ

مہمانی اللہ کے ہاں سے، اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کو۔ اور کتاب والوں

الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

میں بعضے وہ بھی ہیں، جو مانتے ہیں اللہ کو، اور جو اُترا تمہاری طرف اور جو اُترا اُن کی طرف،

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

ڈرتے ہیں اللہ کے آگے، نہیں خرید کرتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا وہ جو ہیں

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اُن کو اُن کی مزدوری ہے ان کے رب کے ہاں بیشک اللہ شتاب لیتا ہے حساب۔ اے ایمان والو!

اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۟ قف وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع ۲۰ ع ۱۱ ۱۱

ثابت رہو، اور مقابلے میں مضبوطی کرو اور لگے رہو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، شاید تم مراد کو پہنچو۔

دلائل الوہیت ووحدانیت وکمال قدرت وحکمت وبیان حالِ دانشمنداں ودُعاہائے گوناگوں ایشاں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الٰی ... وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

ربط: گزشتہ آیت یعنی ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی بادشاہت اور کمال قدرت کو بیان فرمایا اب ان آیات میں حق جل شانہ، کی الوہیت اور اس کی وحدانیت اور کمال قدرت اور کمال حکمت کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور اہل عقل اور اہلِ دانش کی مدح فرماتے ہیں کہ جنہوں نے مخلوقات کو دیکھ کر خالق کا پتہ چلالیا اور مصنوعات کو دیکھ کر صانع کو پہچان لیا اور دن رات اپنے پروردگار کے ذکر اور فکر میں سرشار ہیں اور اسی کی تسبیح اور دعا اور استغفار میں مشغول ہیں قرآن کریم کی اصطلاح میں اولوا الالباب (عاقل کامل) وہی لوگ ہیں جو مصنوعات اور مخلوقات میں غور وفکر کر کے خالق اور صانع کی صحیح معرفت تک پہنچ گئے اور خدا کی یاد اور آخرت کی فکر میں لگ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کے بعد ایک اور عالم کی طرف کوچ ہونا ہے باقی جو مادہ پرست مخلوقات اور مصنوعات کی تحقیقات اور تدقیقات کے تاروں اور زنجیروں میں الجھ کر رہ گئے اور صانع برحق کی معرفت تک اُن کی رسائی نہیں ہوئی خواہ دنیا ان کو کتنا ہی بڑا محقق اور فلاسفر اور سائنس دان کہا کرے وہ قرآن کی زبان میں اولوا الالباب عاقل اور دانشمند نہیں بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں۔ شاہی محل میں بادشاہ کا مہمان بھی داخل ہوتا ہے اور چور بھی مگر مہمان محل کے عجائب کو اس لیے دیکھتا ہے کہ وہ بادشاہ کی شان وشوکت اور اس کے جاہ وجلال کا مظہر اور آئینہ ہیں اور چور شاہی محل کو نہایت غور سے دیکھتا ہے تاکہ اس کے خزینے اور دفینے چرانے میں اس کو مدد ملے۔ اور عمر بھر کی عیش وعشرت کا سامان اُس کو مل جائے۔

پس خوب سمجھ لو کہ کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی غور اور فکر اور تحقیقات سارقانہ نظر کا حکم رکھتی ہے کہ اپنے فوائد اور منافع کے لیے تحقیق میں سرگرداں اور حیران ہیں اُن کو صانع اور خالق سے کوئی مطلب نہیں۔

اور اصحاب دانش وبینش کا حال ان کے بالکل برعکس ہے وہ آسمان اور زمین اور دیگر مصنوعات الٰہیہ میں غور وفکر کرتے ہیں تاکہ خالق کائنات کی صحیح معرفت تک پہنچ جائیں۔ سائنس دانوں کا مقصد صرف مخلوقات کے فوائد اور منافع کا معلوم کرنا ہے تاکہ ان سے دل خواہ مستفید اور متمتع ہو سکیں خالق سے ان کو کوئی سروکار نہیں کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی نظر سارقانہ نظر ہے اور حضرات انبیاء اور اُن کے وارثین کی نظر عاشقانہ اور والہانہ اور عاقلانہ اور دانشمندانہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے اور جانے میں اللہ تعالیٰ کے وجود باجود اور اس کے کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت اور اس کی وحدت کی بہت سی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے جن کی عقل وہم اور نفسانی اور شیطانی وسوسوں کی آمیزش سے پاک ہے اہل عقل آسمان اور زمین کی عجیب وغریب خلقت اور لیل ونہار کے عجیب وغریب چکر کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ یہ عجیب وغریب کارخانہ خود بخود نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم وحکیم اور قدیر وبصیر کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے۔ اور ان عقلاء کے عاقل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور بناوٹ میں غور وفکر کرتے ہیں۔ اور سمجھ جاتے ہیں کہ ان کو کسی

بڑے علیم وحکیم اور قدرت والے نے بنایا ہے آسمان وزمین میں غور وفکر کرنے سے ان کا مقصود حق جل شانہٗ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور جب مصنوعات میں غور وفکر کرنے سے خالق کی معرفت اُن کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی عظمت اور اس کی عظیم قدرت اور علم وحکمت معلوم ہو جاتی ہے اور اس کے عجائب قدرت کو دیکھ کر دل اس کی محبت اور عظمت سے لبریز ہو جاتا ہے تو اُس خداوند قدوس کی تسبیح وتقدیس اور ایمان ودعا اور استغفار میں لگ جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ کارخانۂ عالم عبث اور بے کار نہیں بنایا عالم کا ہر ہر جز اور ہر ہر ذرہ حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہے تمام عالم کے عقلاء کی عقلیں جن کے ادراک سے قاصر اور درماندہ ہیں تو پاک ہے اے پروردگار ہر عیب اور نقص سے بے شک تو نے اس کارخانہ کو یونہی بے فائدہ نہیں بنایا اس کی ہر حرکت اور سکون سے تغیر اور زوال ٹپکتا ہوا نظر آرہا ہے اور یوں دکھلائی دے رہا ہے کہ جس طرح یہ سارا کارخانہ عدم سے وجود میں آیا ہے اسی طرح ایک دن پھر عدم کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور نمرود اور فرعون جیسے مجرم جنہوں نے دنیا میں اُودھم مچا رکھا ہے اور تیرے سفراء اور وزراء یعنی انبیاء ومرسلین کی تذلیل و توہین اور تیری نازل کردہ شریعت کے قوانین اور احکام کی پامالی پر تلے ہوئے ہیں۔ ایک دن یہ سب مجرم نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ جیل خانہ (جہنم) میں دھکیل دیئے جائیں گے پس اے پروردگار تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار جب تو نے یہ کارخانہ بچوں کے کھیل کی طرح بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ اس کے بنانے سے مقصود ایک اور زندگی ہے جسے آخرت کہتے ہیں اور جہاں اس کے بنانے کا نتیجہ ظاہر ہوگا تو ہمیں اُس زندگی میں دوزخ کے عذاب سے بچانا بایں طور کہ ہم کو عمل صالح اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دینا اے ہمارے پروردگار بلاشبہ جسکو تو نے دوزخ میں داخل کیا تو تحقیق تو نے اس کو خوب رسوا کیا اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں جو ان کو خدا کے عذاب سے بچا سکے۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک منادی کو سُنا جو علانیہ طور پر بآواز بلند ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ اے لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ پس ہم دل وجان سے ایمان لے آئے ایمان کے منادی سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں جنہوں نے ساری دنیا کو پکارا اور للکارا اور ایمان کی دعوت دی اے ہمارے پروردگار ہم ایمان تو لے آئے اور اطاعت کے لیے کمربستہ بھی ہو گئے مگر ہم عاجز اور ناتواں ہیں کماحقہٗ اطاعت بہت مشکل ہے۔ ہمارا کوئی عمل بھی تقصیر سے خالی نہیں پس ہمارے گناہ بخش دیجیے اور ہماری برائیوں کو دور فرما دیجیے اور نیک بختوں کے ساتھ ہمیں موت دے یعنی نیکوں کے طریقہ پر ہم کو موت دے جیسے محاورہ میں کہتے ہیں: انامع فلان مَیں فلانے کے ساتھ ہوں۔ یعنی اس کے طریقہ اور مذہب اور اعتقاد پر ہوں اسی محاورہ کے مطابق تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے طریقہ اور مذہب اور اعتقاد پر ہم کو موت دے۔ اے پروردگار! ہمارا ایمان اور ہمارا عمل تو آخرت کی رسوائی سے بچانے کے لیے کافی نہیں لیکن ہم آپ کے نام لیوا نابکار آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہم کو وہ چیز عطا فرمائیں جو آپ نے اپنے پیغمبروں کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ایمان لانے والوں کو یہ نعمتیں ملیں گی ہم آپ سے اپنے استحقاق کی بنا پر درخواست نہیں کرتے بلکہ آپ کے کریمانہ وعدہ کے ایفاء کی فقیرانہ اور گدایانہ اور شرمسارانہ درخواست کرتے ہیں کہ بے شک ہمارا ایمان اور عمل اس قابل نہیں کہ اس پر انعام دیا جا سکے لیکن آپ کریم مطلق ہیں بمقتضاء کرم اپنے وعدہ کو پورا فرما دیجیے مطلب یہ ہے کہ اپنی توفیق وعنایت اور لطف وکرم سے ہم کو اس وعدہ کا مستحق بنا اور ہم سے ایسی حرکات سرزد نہ ہوں۔ جن کی وجہ سے اِن انعامات کے وعدہ کے مستحق نہ رہیں اور ہم ایمان لانے والوں کو قیامت کے دن ذلیل اور رسوا نہ کیجیے تحقیق آپ تو بلاشبہ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ بے وفائی کا احتمال تو ہماری ہی طرف سے ہو سکتا ہے آپ کی بارگاہ تو وعدہ خلافی سے پاک اور منزہ ہے۔ اے پروردگار ہم صد ہزار بار اس

بات کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہم تیرے پورے وفادار اور فرمانبردار اور اطاعت شعار نہیں بن سکے اور عہدِ الست کو ہم پورا نہیں کر سکے ہم اپنی اس وعدہ خلافی پر نادم اور شرمندہ ہیں۔ لیکن دل وجان سے ارادہ پوری ہی وفاداری کا ہے۔

نفس و شیطان زد کریمارا رہ من

رحمت باشد شفاعت خواہِ من

وعدہ خلافی ہماری طرف سے ہے نہ کہ تیری طرف سے ﴿اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾۔ خلاصہ کلام یہ کہ اہلِ عقل وہ لوگ ہیں کہ جو اہل ذکر اور اہلِ فکر ہیں اور مخلوقات میں غور و فکر کر کے خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اور قدرت اور حکمت کو پہچان لیتے ہیں اور خدا کی طرف عاجزی اور گریہ وزاری اور آخرت کی تیاری میں لگ جاتے ہیں عاقل اور دانا وہ ہے جو آسمان وزمین کی خلقت میں غور و فکر کر کے ان کے خالق تک پہنچ جائے اور ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ میں مست ہوجائے۔

باقی وہ لوگ جو دن رات اجرام علوی اور سفلی کی تحقیقات میں سرگرداں ہیں مگر خالق کی معرفت اور اس کے ذکر اور فکر اور آخرت کی تیاری سے غافل ہیں اور اس دنیا کو محض کھیل تماشہ اور تفریح اور لذت کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں۔ دنیا ایسے لوگوں کو اگرچہ بڑا محقق اور بڑا فلاسفر اور سائنس دان کہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اولوا الالباب میں سے نہیں ہو سکتے جس نے اپنے مالک کو نہ پہچانا وہ جانور سے بھی بدتر ہے جانور بھی پہچانتا ہے کہ مجھے گھاس دانہ کون ڈالتا ہے۔ جب مالک سامنے آتا ہے تو یہ جانور اس کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے مگر اس فلسفی اور سائنس دان کی گردن خدا کے سامنے نہیں جھکتی۔ ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝﴾ (الاعراف)۔

بشارت قبولیت دعا

گزشتہ آیات میں اہلِ ذکر واہل فکر کی دعا مذکور ہوئی اب آئندہ آیت میں اس کی قبولیت کی بشارت دی جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس اُن کے پروردگار نے اُن کی تمام دعائیں قبول کیں اور بتلا دیا کہ میرا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ میں تم میں سے کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک ہو۔ اعمال کی جزاء میں دونوں برابر ہیں پس جب کسی عمل کرنے والے کا چھوٹا موٹا عمل بھی رائیگاں نہیں جاتا تو مردانِ خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے منادی برحق کی نداء ایمان قبول کرنے کے بعد ہجرت کی اور خدا کے لیے خویش اور اقارب اور وطن کو چھوڑا اور مال ومنال کو خیر باد کہہ کر دار الاسلام کی راہ لی اور محض میرا کلمہ پڑھنے اور میرا نام لیوا ہونے کی وجہ سے طرح طرح سے ستا کر اپنے گھروں سے نکالے گئے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ﴾ (الممتحنۃ:۱) اور ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (البروج:۸) اور میری راہ میں اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں اور پھر انہوں نے میری راہ میں جہاد و قتال کیا اور بہت سے ان میں سے شہید بھی ہوئے ان مردانِ خدا کا خدا کی راہ میں ان ہوش ربا تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا ان کے کمال ایمان کی دلیل ہے۔ لہٰذا میں ایسے لوگوں کی برائیوں اور گناہوں کو ضرور ضرور معاف کروں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بدلہ ملے گا اُن کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے نہایت عمدہ بدلہ جس پر سوائے اس کے کسی کو قدرت نہیں اور یہ عمدہ بدلہ انہیں عقلاء کو ملے گا جن کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اُوپر کی آیت میں مومنین کا حال اور اُن کے اُخروی درجات کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں کافروں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان دنیا میں کافروں کو خوش حال اور خوش وخرم دیکھ کر یہ خیال نہ کرے کہ یہ کمبخت خدا کے دشمن تو بظاہر عیش اڑاتے ہیں اور ہم مصیبت جھیلتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (اے ظاہر بین!) جو لوگ کافر ہیں اُن کا شہروں میں تجارت وغیرہ کے لیے چلنا پھرنا تجھ کو دھوکہ اور فریب میں نہ ڈال دے یہ دنیاوی عیش وعشرت بہت ہی تھوڑی پونجی ہے۔ ان کی اس چندروزہ بہار سے مسلمان کو دھوکہ نہ کھانا چاہیے یہ دولت وثروت قبولیت کی دلیل نہیں اگر کسی شخص کو چندروز پلاؤ اور قورمہ کھلا کر حبس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش اور خوش نصیب ہوا۔ خوش عیش اور خوش نصیب تو وہ ہے کہ چندروزہ محنت اور تکلیف اٹھا کر اعلیٰ درجہ کی دائمی عیش اور آسائش کا سامان مہیا کرلے کافروں کی یہ عیش وعشرت محض چندروزہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے لہٰذا مومنوں کو ان کی حالت سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے بلکہ اُن کو حق تعالیٰ کے ثواب ابدی اور دائمی پر نظر رکھنی چاہیے:

① دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو پائدار ہو بلکہ سب منقطع ہونے والی ہیں۔

② نیز دنیا کی کوئی نعمت ضرر اور الم سے خالی نہیں۔

③ نیز آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ اور محض بے حقیقت ہیں علاوہ ازیں انسان دنیاوی نعمتوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ دائمی عذاب ہے لیکن ان میں سے بھی جو لوگ خدا سے ڈریں اور ایمان لا کر متقی اور پرہیزگار بن جائیں ان کے لیے بہشت کے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور جو چیزیں اللہ کے یہاں ہیں سو وہ اس متاع قلیل سے نیک بختوں کے لیے کہیں بہتر ہیں کیونکہ خدا کے پاس جو ہے وہ بے مثال ہے اور لازوال ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ متقین اور ابرار کے درمیان فرق ہے اور ابرار کا درجہ متقیوں سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ متقی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے بچالے اور یہ بات صرف محرمات کے چھوڑ دینے اور فرائض اور واجبات کے بجالانے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اور ابرار بَرّ بمقابلہ بحر سے مشتق ہے جس کے مفہوم میں وسعت داخل ہے لہٰذا ابرار کے مفہوم میں تمام نیکیوں کا بجالانا داخل ہے خواہ فرائض ہوں یا نوافل پس مطلب یہ ہوا کہ ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ﴾ (البروج:۱۱) متقین کی مہمانی ہے اور ابرار کے لیے جو الطاف وعنایات ہوں گی وہ اس سے کہیں بہتر ہوں گی۔ لہٰذا تمہیں اس کی فکر چاہیے۔

مدح مومنین اہلِ کتاب

گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی مذمت کا بیان تھا اب آئندہ آیات ہیں اہلِ کتاب کی ایک خاص جماعت کی مدح فرماتے ہیں جو مشرف باسلام ہوئی: ① اور بلاشبہ اہلِ کتاب میں سے بعضے لوگ ایسے ہیں جو اللہ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں جس میں نفاق اور شرک کی آمیزش نہیں۔ ② اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو ہماری طرف نازل کی گئی یعنی قرآن کریم۔ ③ اور ان کتابوں پر بھی ایمان

رکھتے ہیں جو ان کی طرف اتاری گئیں۔ یعنی توریت و انجیل پر ④ حالت ان کی یہ ہے کہ اللہ کے لیے عاجزی اور فروتنی کرنے والے ہیں خشوع اور خضوع اُس اثر کا نام ہے جو دل میں خوف خدا پیدا ہونے کی وجہ سے تمام اعضاء اور جوارح پر پڑتا ہے۔ جس کے باعث نظر نیچی ہو جاتی ہے اور آواز دب جاتی ہے یہ خشوع مومنین اہل کتاب کا چوتھا وصف ہے جو ایمان صحیح کا ثمرہ ہے۔ ⑤ اور پانچواں وصف ان کا یہ ہے کہ ان کے دل حبِ مال اور حبِ جاہ سے پاک ہیں۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑا مول نہیں خریدتے جیسا کہ دوسرے اہل کتاب مال و جاہ کی طمع میں خدا کی آیتوں میں تحریف کر کے تھوڑے داموں بیچ دیتے ہیں۔ ایسے اہلِ کتاب کے لیے جو قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہوں اور کتبِ سابقہ پر بھی ایمان رکھتے ہوں۔ خدا تعالیٰ کے یہاں ان کے لیے مخصوص اجر ہے یعنی ان اہلِ کتاب کا اجر اور ثواب اور لوگوں سے زیادہ ہے یعنی دُگنا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ﴾ (القصص: ۵۴) اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا اور بہت جلد ملے گا جس میں دیر نہ ہوگی اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے سب کے اعمال کا حساب بے باق کر دیا جائے گا۔

خاتمہ سورت اور ایک جامع مانع نصیحت

ربط: اب حق جل شانہٗ اس سورت کو ایک جامع مانع نصیحت پر ختم فرماتے ہیں جو کہ تمام سورت کا خلاصہ اور لبِ لباب ہے۔ اے ایمان والو تمہارے ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جب تم کو کوئی تکلیف پہنچے خواہ کافروں کی طرف سے ہو یا کسی اور طرف سے تو تم اس پر صبر کرو اور جب کافروں سے تمہارا مقابلہ آپڑے اور تکلیف میں تم اور وہ مشترک ہوں تو تم اُن کے مقابلہ میں مضبوطی دکھلاؤ اور کوشش کرو کہ صبر میں ان پر غالب رہو۔ مصابرت کے معنی صفت صبر میں غالب آنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جہاد میں تمہارا صبر کافروں کے صبر پر غالب رہنا چاہیے اور ظاہری اور باطنی دشمن کے بچاؤ کے لیے ہر وقت تیار اور آمادہ رہو۔ اور حق تعالیٰ کی رضا اور اطاعت اور استقامت سے قلب کو مربوط رکھو مبادا دشمن تمہیں غافل پا کر تم پر حملہ نہ کر دے مرابطہ کے لفظی معنی دشمن کے مقابلہ کے لیے سرحد پر گھوڑے باندھے رکھنا اور ہر وقت اپنے مورچہ پر دشمن کی مدافعت اور اس سے حفاظت کے لیے تیار اور آمادہ رہنے کے ہیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہر وقت ظاہری اور باطنی دشمن کی تاک میں رہو کہ مبادا تمہیں غافل پا کر کوئی کافر یا نفس یا شیطان تم پر کوئی وار نہ کر دے۔ حدیث میں ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لیے منتظر رہنا یہی رباط ہے۔ آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارک میں اشارہ اس طرف ہے کہ رباط کا حکم اعداء ظاہری کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ جیسے اعداء ظاہری کے مقابلہ میں رباطہ ہے اسی طرح کبھی اعداء باطنی یعنی نفس شیطان کے مقابلہ میں بھی رباط ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے مقابلہ میں جہاد کرے۔

اے شہا کشتیم ما خصمے بروں
ماند خصمے زد تبر در اندروں

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو گے اور مراد کو پہنچو گے مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا اور آخرت کی فلاح اور کامیابی چاہتے ہو تو شدائد اور مصائب میں صبر کرو اور نفس کو معصیت سے ہٹا کر طاعت پر روکو (یہ معنی اِصْبِرُوْا کے ہوئے) اور دشمن کے

مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ (یہ معنی وَصَابِرُوْا کے ہوئے) اور دشمن کے حملہ آور ہونے کے خطرہ سے ہر وقت ہوشیار اور چوکنے رہو مبادا کوئی ظاہری یا باطنی دشمن تمہارے حدودِ اسلام میں نہ گھس آئے (یہ معنی وَرَابِطُوْا کے ہوئے) اور ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ معنی وَاتَّقُوا اللّٰہَ کے ہوئے ایسا کرلیا تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اللّٰھُمَّ اجعلنا من عبادك الصالحين و اولياءك المتقين وحزبك المفلحين. اٰمين يا رب العالمين برحمتك يا ارحم الراحمين و يا رب صل و سلم و بارك على سيدنا و مولانا محمد نبيك ورسولك الذى انزلت عليه هذا الكتاب المبين و على اٰله واصحابه وازواجه و ذريته اجمعين و علينا معهم يا ارحم الراحمين.

الحمد للہ آج بروز شنبہ بوقت اشراق یکم صفر الخیر ۱۳۸۱ھ کو بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور۔ تفسیر آلِ عمران سے فراغت ہوئی۔
فللّٰه الحمد و المنة ربنا تقبل منا اِنك انت السّميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم.

آیاتُها ۱۷۶ ④ سُورَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۲ رُکُوعَاتُها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

تفسیر سورۂ نساء

یہ سورت مدنی ہے مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سوستتر ۱۷۷ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں اور چونکہ اس سورت میں عورتوں کے متعلق اس قدر کثیر احکام مذکور ہیں۔ جو کسی اور سورت میں نہیں اس لیے اس مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ النساء مشہور ہو گیا۔

حق جل شانہٗ نے اس سورت میں احکام قرابت کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے اور قرابت کی پاسداری اور یتیموں اور وارثوں کے اموال کی نگہداری بدوں تقویٰ اور پرہیز گاری کے بہت مشکل ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس سورت کو تقویٰ کے حکم سے شروع فرمایا اور سورۂ آل عمران بھی صبر اور تقویٰ کے حکم پر ختم ہوئی اس لیے سورۂ آل عمران کے خاتمہ اور سورۂ نساء کے آغاز اور ابتداء میں خاص مناسبت ہو گئی کہ حقوق قرابت کی رعایت میں تقویٰ کی بھی ضرورت ہے اور صبر اور مصابرہ بھی خاص طور پر درکار ہے۔

فائدہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا سورۂ نساء کی پانچ آیتیں مجھ کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں:

① ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ﴾

② ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ ... الخ﴾

③ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾

④ ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْکَ ... الخ﴾

⑤ ﴿وَ اِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْهَا﴾

یہ پانچ آیتیں ہوئیں۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ مجھے سورۂ نساء کی آٹھ آیتیں تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔ پہلی آیت یہ ہے:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَ یَهْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْکُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۶﴾﴾

اور دوسری آیت یہ ہے:

﴿وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ ۟ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴿۲۷﴾﴾

اور تیسری آیت یہ ہے:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾﴾

پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق پانچ آیتیں بیان کیں۔ یہ سب مل کر آٹھ آیتیں ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بفضلہ تعالیٰ ۵ صفر الخیر ۱۳۸۱ھ بوقت ۷/۲ بجے صبح جامعہ اشرفیہ لاہور مسلم ٹاؤن میں اس سورت کی تفسیر کا آغاز ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ

اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو ایک جان سے

وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ

اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا اور بکھیرے اُن دونوں سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے

الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ①

جس کا واسطہ دیتے ہو آپس میں اور خبردار رہو ناتوں سے اللہ ہے تم پر مطلع۔

تمہید احکام سورۃ درارۂ اداء حقوق قرابت حکم تقویٰ واطاعت ربانی وتذکیر اتحاد انسانی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ ... اِلٰی ... اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ①﴾

حق جل شانہٗ نے اس سورت کا تقویٰ اور پرہیز گاری کے حکم سے آغاز فرمایا جو آئندہ احکامِ قرابت کی تمہید ہے اور تقویٰ کے حکم کے ساتھ اپنی خاص شان خالقیت کو ذکر فرمایا کہ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو لہٰذا تم پر حق قرابت کا لحاظ اور پاسداری ضروری اور لازمی ہے۔ ؎

بنی آدم اعضاء یکدیگر ند کہ در آفرینش زیک جوہراند
چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضو ھارا نماند قرار

نیز تم پر اس پروردگار کی اطاعت اور فرمانبرداری اور تقویٰ اور پرہیزگاری نہایت ضروری ہے کہ جس نے تم کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا چونکہ اس سورت میں نکاح اور میراث اور احکامِ قرابت کا ذکر ہے اس لیے حق تعالیٰ نے ابتداء سورت میں مخاطبین کو یہ یاد دلایا کہ تم ایک ذات سے پیدا ہوئے ہو تاکہ دلوں میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ ہم سب لوگ ایک ہی شخص کی اولاد ہیں تو بے اختیار برادرانہ محبت دلوں میں جوش کریگی اور ہر شخص یہ سمجھے گا کہ جب ہم سب ایک ہی شخص کی نسل ہیں تو ہم میں ایک کا ایک پر حق ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا نفس واحدہ سے باتفاق مفسرین حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور بعد ازاں اسی نفس واحدہ سے اس کا جوڑا یعنی اس کی زوجہ حواء کو پیدا کیا زوجہا سے حضرت حواء مراد ہیں جمہور مفسرین کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ سونے کی حالت میں خدا تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو پیدا کیا جب بیدار ہو کر اُن کو

دیکھا تو بہت خوش ہوئے یہی مضمون بعض حدیثوں میں بھی آیا ہے اور توریت سفر تکوین کی فصل ثانی میں بھی اس کی تصریح ہے اور پھر ان دونوں سے دنیا میں بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں یعنی پھر ان دونوں سے تمام بنی آدم کی نسل چلی حکماء حال اور دہریہ اور ہنود کے بعضے فرقے اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ نوع انسانی قدیم ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی یہ مذہب عقلاً ونقلاً سراسر باطل ہے اور مکرر تم کو تاکید کی جاتی ہے کہ اس خدا سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو تمام قوموں میں یہ دستور ہے کہ جب کسی سے کام پڑتا ہے تو اسے خدا کا واسطہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کے لیے یا اللہ کے واسطے میرا یہ کام کردو یا یوں کہتے ہیں کو خدا سے ڈرو اور مجھ پر زیادتی نہ کرو پہلی آیت میں حکمِ تقویٰ کی یہ علّت بیان کی تھی کہ وہ تمہارا رب اور خالق ہے اور اس آیت میں حکمِ تقویٰ کی یہ علّت بیان کی کہ جس ذات کا تم واسطہ دے کر لوگوں سے حاجتوں کو مانگتے ہو تم کو چاہیے کہ عام طور پر تمام امور میں اس ذات پاک کے تقویٰ اور پرہیزگاری کو خاص طور پر ملحوظ رکھو اور خاص طور پر قرابتوں سے ڈرو یعنی رشتوں کے قطع کرنے اور اُن کے حقوق ضائع کرنے سے ڈرو تحقیق اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے دیکھتا ہے کہ تم قطع رحمی کرتے ہو یا صلہ رحمی۔

فوائد

جمہور قُرّاء نے والارحامَ کو فتح میم کے ساتھ منصوب پڑھا ہے اس بنا پر اس کا عطف لفظ اللہ پر ہوگا جو وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں واقع ہے اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور قرابتوں سے ڈرو یعنی اُن کے قطع کرنے سے ڈرو اور اس کے حقوق کو ادا کرتے رہو۔

گزشتہ تفسیر اسی قراءت پر مبنی ہے اور بعض قرّاء نے والارحامِ کو بکسر المیم مجرور پڑھا ہے اس صورت میں والارحامِ کا عطف بہ کی ضمیر مجرور پر ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم سوال کرتے اور رحموں اور قرابتوں کے واسطہ سے بھی سوال کرتے ہو۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ جب اپنے کسی رشتہ دار کے پاس کوئی حاجت لے کر جاتے تو یوں سوال کرتے: اسألك بالله وبالرّحم۔ میں تجھ سے اللہ کا اور رحم یعنی قرابت کا واسطہ دے کر یہ سوال کرتا ہوں یا یوں کہتے کہ میں تجھے اللہ کی اور قرابت کی قسم دیتا ہوں کہ تو میری یہ حاجت پوری کردے اسی دستور کے مطابق حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حقوق رحم وقرابت کو جانتے ہو اور اس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتے ہو تو پھر خود اس پر عمل کیوں نہیں کرتے خدا سے ڈرو اور اعزاء اور اقرباء کے حقوق کو موافق شریعت کے ادا کیا کرو۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا

اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال اور بدل نہ لو گندا ستھرے سے، اور نہ

تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ یہ ہے بڑا وبال۔

حکم اول در بارۂ اموال یتامیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ ... الٰی ... اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②﴾

ربط: آیت بالا میں تقویٰ اور حقوق قرابت اور اپنے بنی نوع کی رعایت اور ان کے ساتھ سلوک اور ہمدردی کا حکم تھا اب آئندہ اُن حقوق اور احکام کی تفصیل ہے جن میں یتیموں کے حقوق کو شاید اس لیے سب سے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور بے کسی اور کم عمری کی وجہ سے زیادہ مستحق شفقت و رعایت ہے اس لیے یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں کو حکم دیا کہ یتیموں کا مال جو تمہارے قبضہ میں ہے اُس کو اُن کے بالغ ہو جانے کے بعد اُن کے حوالہ کرو اور زمانہ تولیت میں یتیموں کی اچھی چیز لے کر اس کے معاوضہ میں بری اور گھٹیا چیز اُن کے مال میں شامل نہ کردو۔

شانِ نزول:

قبیلہ غطفان میں ایک شخص تھا اس کا چچازاد یتیم ہو گیا وہ یتیم بھتیجا اور اس کا مال اسکی سرپرستی میں تھا جب وہ یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے اپنے چچا سے اپنا مال طلب کیا اس نے مال دینے سے انکار کیا آخر یہ مقدمہ آنحضرت ﷺ کے حضور میں پیش ہوا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جب اُس شخص نے اس آیت کو سنا تو کہا کہ ہم نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور ہم بڑے گناہ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور اس یتیم کا مال فوراً اس کے حوالہ کر دیا (درمنثور) اور یتیموں کو (جب وہ بالغ ہو جائیں) اُن کے اموال اُن کے حوالہ کردو اور زمانہ تولیت میں خراب مال کو عمدہ اور اچھے مال کے ساتھ نہ بدلو جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا کہ یتیموں کے سرپرست اپنے یتیم کے مال میں سے عمدہ مال لے لیا کرتے اور اس کی جگہ اپنا ناقص مال رکھ دیتے اور ان کے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ یعنی یتیموں کا مال اپنے مال کے ساتھ تجارت وغیرہ میں لگا کر شرکت کے بہانہ سے اُن کا مال کھا جاؤ تحقیق یہ بہت ہی بڑا گناہ اور وبال ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا سات گناہ بہت بڑے ہیں جو آدمی کو ہلاک کر کے چھوڑتے ہیں: ① یتیم کا مال کھا جانا ② شرک کرنا ③ جادو کرنا ④ کسی کو ناحق قتل کرنا ⑤ جہاد سے بھاگنا ⑥ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا ⑦ سود کھانا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ
اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرو جو تم کو خوش آویں
النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً
عورتیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ برابر نہ رکھو گے تو ایک ہی
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۗ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۗ ③
یا جو اپنے ہاتھ کا مال ہے اس میں لگتا ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو۔

حکم دوم درباۂ نکاحِ یتامیٰ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی... الٰی... اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یتیموں کے مالی ضرر پہنچانے کے متعلق ہدایت تھی اب اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق ہدایت ہے اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا کہ یتیم لڑکی جس کی تربیت میں دی جاتی وہ لڑکی اُس ولی کے مال میں بوجہ قرابت ایک دوسرے کے شریک ہوتے تو اب دو صورتیں پیش آتیں کبھی تو یہ ہوتا کہ ولی کو اُس یتیمہ کا مال اور جمال دونوں مرغوب ہوتے اور اس مال اور جمال کے لالچ میں اُس سے تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتا چونکہ یتیم لڑکی کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا جو اُس کے حقوق کی حفاظت کرے اور اس کے حقوق کے لیے جھگڑے اس لیے یہ ولی اُس کے مہر میں بھی کمی کر دیتا اور بوجہ اس کی کمزوری کے اس کے دیگر حقوق زوجیت بھی پورے طور پر ادا نہ کرتا اور کبھی یہ ہوتا کہ اس یتیم لڑکی کی صورت تو مرغوب نہ ہوتی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ اگر دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نکل جائے گا اور میرے مال میں دوسرا شریک ہو جائے گا اس مصلحت سے اس یتیمہ سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر منکوحہ سے کچھ رغبت نہ رکھتا اُس پر یہ آیت اتری اور اولیاء کو ارشاد ہوا اور اگر تم کو اس بات کا ذرہ احتمال بھی ہو اور اگر یقین ہو تو بدرجہ اولیٰ کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارہ میں انصاف نہ کر سکو گے اور اُن کے مہر اور حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہو گی تو ایسی حالت میں تم کو ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کی اجازت نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کر لو جو تم کو مرغوب اور پسند ہوں ایک نہیں دو دو اور تین تین اور چار چار تک تم کو اجازت ہے مگر چار سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ یہ اجازت کی آخری حد ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں اُن کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہ کر سکو گے تو ان سے نکاح ہی نہ کرو ان کے سوا اور عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں عورتوں کی کمی نہیں اور اللہ کی طرف سے کوئی تنگی نہیں ایک سے لے کر چار تک تم کو اجازت ہے پس جب تم مجبور نہیں اور تمہاری ضرورت یتامیٰ پر اٹکی اور لٹکی ہوئی نہیں تو پھر بے ضرورت کیوں کسی کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہو کسی اور سے نکاح کر لو پس اگر تم کو ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں عدل و انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو یا صرف کنیزوں پر بس کرو جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں کہ ان میں تمہیں سہولت ہے اس لیے کہ باندیوں کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں یہ حکم اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم بے انصافی نہ کرو اور کسی کی حق تلفی نہ کرو کیونکہ اگر ایک ہی بیوی ہو گی تو تم اسی کی طرف متوجہ رہو گے اور اس کے حقوق کی ادائیگی تم پر سہل ہو گی اور اگر صرف لونڈیاں اور باندیاں ہوں گی تو ان کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں لہٰذا ان سے نباہ کچھ مشکل نہیں۔

تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ مرد کو ایک وقت میں اپنے نکاح میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرنا درست نہیں زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی ایک آدمی کے پاس دس دس اور آٹھ آٹھ عورتیں ہوا کرتی تھیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حد مقرر کر دی کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح درست نہیں اور ایسا ہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت مقام امتنان اور احسان کے بارہ میں ہے عورتوں سے نکاح کی اباحت اور اجازت حق تعالیٰ کی منت کبریٰ ہے پس اگر چار سے زیادہ جمع کرنا جائز ہوتا تو حق تعالیٰ اس کو ضرور ذکر فرماتے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی مراد خوب واضح کر دی کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی شخص کے لیے چار عورتوں سے زیادہ نکاح

کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابن کثیر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے مگر شیعوں کے ایک گروہ سے یہ منقول ہے کہ چار سے نو تک بھی جمع کرنا درست ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۰ ج۱)

اور بعض شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اباحت نکاح کے لیے کوئی حصر اور تعین نہیں اہل فہم ادنی تامل سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر عام اجازت مقصود ہوتی تو صرف ﴿مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ کہہ دینا کافی تھا چار تک کی تحدید کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یعنی ﴿فَانْكِحُوْا﴾ میں تمام رجال عالم کو خطاب ہے اور ﴿مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ میں تمام عالم کی عورتیں مراد ہیں اور مقصود کلام یہ ہے کہ اے رجال عالم یہ تمام عورتیں ہم نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں تم ان کو بطور نکاح و زوجیت آپس میں تقسیم کر لو مگر شرط اس اباحت اور اجازت کی یہ ہے کہ اس تقسیم میں مثنی اور ثلاث اور رباع کی قید کو ملحوظ رکھو کیونکہ مثنی وثلاث ورباع۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے ماطاب سے حال ہے اور حال عامل کی قید ہوتا ہے اور یہاں عامل ﴿فَانْكِحُوْا﴾ ہے پس اباحت نکاح ان اقسام کے ساتھ مقید ہوگی چار کے اندر اندر اجازت ہوگی چار سے زائد ہونے کی صورت میں اجازت نہ رہے گی۔

جیسے کوئی امیر کسی جماعت سے یہ کہے: اقتسموا ھذہ البدرۃ درھمین درھمین وثلاثۃ ثلاثۃ واربعۃ اربعۃ یعنی اس تھیلی کے دراہم ودنانیر کو دو دو یا تین تین یا چار چار آپس میں تقسیم کر لو مطلب یہ ہوگا کہ تقسیم میں کسی شخص کو چار سے زیادہ لینے کی اجازت نہ ہوگی۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے اس آیت میں عالم کے تمام مردوں کو یہ اجازت دی ہے کہ تم عالم کی تمام عورتوں کو دو دو اور تین تین اور چار چار کر کے بطور نکاح آپس میں تقسیم کر لو اس تقسیم میں تم کو چار عورتیں تک لینے کی اجازت ہے اس سے زائد کی اجازت نہیں۔ ھذا توضیح ماقالہ العلامۃ الزمخشری فی الکشاف وابو حیان فی البحر المحیط۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ جس طرح سورۂ فاطر کی آیت دربارۂ ملائکہ ﴿اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ (الفاطر:۱) میں مثنی ورباع کا ذکر تقیید اور تحدید کے لیے نہیں اسی طرح ممکن ہے کہ آیت نکاح میں بھی ﴿مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ کا ذکر تحدید کے لیے نہ ہو۔

جواب

سورۂ فاطر کی آیت میں ﴿مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ اجنحہ کی صفت ہے کہ فرشتے ایسے ایسے پیدا کیے گئے ہیں اس آیت میں ﴿مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾ کا ذکر محض بطور خبر آیا ہے کسی حکم کی قید نہیں جو ماعدا کی نفی پر دلالت کرے جیسا کہ تمام بلغاء کے نزدیک مسلم ہے کہ بعض اوصاف ذکر کرنے سے دوسرے اوصاف کے نفی پر استدلال کرنا غلط ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی عدد معین کسی حکم کی تقیید کے لیے ذکر کیا جائے تو وہ بلاشبہ تحدید پر دلالت کرے گا اور یہ آیت عورتوں کے نکاح کے حکم کے بارہ میں آئی ہے کہ تمہیں اس طرح کی اجازت ہے اور یہ اجازت چار چار تک ہے لہٰذا اس پر زیادتی جائز نہ ہوگی اور عورتوں سے نکاح کی اجازت اور اباحت کا حکم چار

تک مقصور ہوگا۔

مسئلۂ تعدّد ازدواج

شریعت اسلامیہ غایت درجہ معتدل اور متوسط ہے افراط اور تفریط کے درمیان میں ہے نہ تو عیسائیوں کے راہبوں اور ہندوؤں کے جوگیوں اور گسائیوں کی طرح ملنگ بننے کی اجازت دیتی ہے اور نہ صرف ایک عورت ہی پر قناعت کرنے کو لازم گردانتی ہے بلکہ حسب ضرورت و مصلحت ایک سے چار تک اجازت دیتی ہے۔

چنانچہ پادری لوگ بھی نظر عمیق کے بعد اسی کا فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ کتاب مسمی بہ اصلاح سہو مطبوعہ امریکن مشن پریس ۱۸۷۱ء میں لکھتے ہیں کہ تعدد ازدواج بنی اسرائیل میں تھا اور خدا نے اس کو منع نہیں کیا بلکہ برکت کا وعدہ کیا اور عارٹین لوتھر نے فلپ کو دو جوروؤں کی اجازت دی تھی منقول از تفسیر حقانی ص ۱۶۶ ج ۳۔ تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتیٰ کہ حضرات انبیاء بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیبیاں تھیں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور سلیمان علیہ السلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت وانجیل و دیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں اسکی ممانعت کا ادنی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا صرف حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ایسے نبی گزرے ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی ان کے فعل کو اگر استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی احادیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور نزول کے بعد شادی فرمائیں گے اور ان کے اولاد بھی ہوگی۔

غرض یہ کہ علماء یہود اور علماء نصاریٰ کو مذہبی حیثیت سے تعدد ازدواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں صرف ایک ہی بیوی کو رکھنے کا حکم کسی مذہب اور ملت میں نہیں نہ ہندوؤں کے شاستروں میں نہ توریت میں اور نہ انجیل میں صرف یورپ کا رواج ہے نہ معلوم کس بنا پر یہ رواج رائج ہوا اور جب سے یورپ میں یہ رواج چلا اس وقت سے مغربی قوموں میں زناکاری کی اس درجہ کثرت ہوئی کہ پچاس فیصد آبادی غیر ثابت النسب ہے اور جن قوموں نے تعدد ازدواج کو برا سمجھا ہے وہی قومیں اکثر زناکاری میں مبتلا ہیں۔

اسلام سے بیشتر دنیا کے ہر ملک اور ہر خطہ میں کثرت ازدواج کی رسم خوب زور و شور سے رائج تھی اور بعض اوقات ایک ایک شخص سو سو تک عورتوں سے شادیاں کر لیتا تھا اسلام آیا اور اس نے اصل تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا مگر اسکی ایک حد مقرر کر دی اسلام نے تعدد ازدواج کو واجب اور لازم نہیں قرار دیا بلکہ بشرط عدل و انصاف اسکی اجازت دی کہ تم کو چار بیویوں کی حد تک نکاح کی اجازت ہے اور اس چار کی حد سے تجاوز کی اجازت نہیں اس لیے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصین فرج ہے چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد ایک عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا کہ نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت ازدواج کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ

ایک عورت سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی تا کہ

① نکاح کی غرض وغایت (یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد) بسہولت حاصل ہو سکے اور زنا سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے اس لیے کہ بعض قوی اور توانا اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال لوگوں کو ایک بیوی سے زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بوجہ قوت اور توانائی اور اوپر سے فارغ البالی اور خوشحالی کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

بلکہ

ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں کی دولت بھی موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لیے نکاح کریں کہ ان کی تنگ دستی مبدل بفراخی ہو جائے اور غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھر میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطۂ نظر سے بلا شبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی ہوگی جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانہ سے ہر مہینہ دس ہزار مزدوروں کو تنخواہیں ملتی ہوں اور دس ہزار خاندان اس کی اعانت اور امداد سے پرورش پاتے ہوں تو اگر اس کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش وعشرت کے ساتھ ان کی عزت وناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً وشرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ بلکہ...... اگر کوئی بادشاہ یا صدر مملکت یا وزیر سلطنت یا کوئی صاحب ثروت ودولت بذریعہ اخبار یہ اعلان کرے کہ میں چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک ایک لاکھ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلہ کا ہر ایک کو مالک بنا دوں گا جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیج دے۔

تو سب سے پہلے

انہی بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو آج تعدد ازدواج کے مسئلہ پر شور برپا کر رہی ہیں یہی بیگمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو لیکر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان کے قبول کرنے میں کچھ تامل کرے گا تو یہی بیگمات دل آویز طریقہ سے ان کو تعدد ازدواج کے فوائد اور منافع سمجھائیں گی۔

② نیز بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور توالد وتناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے منتفع ہو سکے تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے۔

حکایت

ایک بزرگ کی بیوی نابینا ہو گئی تو انہوں نے دوسرا نکاح کیا تا کہ دوسری بیوی پہلی نابینا بیوی کی خدمت کر سکے اہل عقل فتویٰ

دیں کہ اگر کسی کی پہلی بیوی معذور ہو جائے اور دوسرا نکاح اس لیے کرے تا کہ دوسری بیوی آ کر پہلی بیوی کی خدمت کر سکے اور اس کے بچوں کی تربیت کر سکے کیا یہ دوسرا نکاح عین عبادت اور عین مروت اور عین انسانیت نہ ہوگا۔

③ نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے توالد اور تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاء نسل کی طرف فطری رغبت ہے ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اس پر کوئی الزام لگا کر طلاق دے دینا (جیسا کہ دن رات یورپ میں ہوتا رہتا ہے) یہ صورت بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور اس کے حقوق کو محفوظ رکھ کر دوسرے نکاح کی اجازت دے دیں بتلاؤ کون سی صورت بہتر ہے۔

اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو یا عام طور پر بنی نوع کی افزائش نسل مدنظر ہو تو سب سے بہتر یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ایک مرد کئی کئی شادیاں کرے تا کہ بہت سی اولاد پیدا ہو۔

④ نیز عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً مردوں سے زیادہ ہے مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں اور مرتے زیادہ ہیں لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں اور ہزاروں کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر مر جاتے ہیں عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بیکار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے اور کس طرح یہ عورتیں اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں پس تعدد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانا دیا اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردان قوم کی نگاہیں اس اسلامی اصول کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ ابھی تیس ۳۰ سال قبل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعدد ازدواج جائز نہیں عورتوں کی بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعدد ازدواج کے جواز کا فتویٰ تیار کر رہے تھے۔

جو لوگ تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو ان کی فطری اور طبعی جذبات اور ان کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ کے پاس کیا حل ہے اور آپ نے ان بے کس عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے لیے کیا قانون بنایا ہے افسوس اور صد افسوس کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز تعدد ازدواج پر عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کے لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح رہا مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبح نظر نہیں آتا اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء و مرسلین اور حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری جرم نہیں۔

⑤ عورتیں مرد سے عقل میں بھی نصف ہیں اور دین میں بھی نصف ہیں جس کا حاصل یہ نکلا کہ ایک عورت ایک مرد کا ربع یعنی چوتھائی ہے اور ظاہر ہے کہ چار ربع مل کر ایک بنتے ہیں معلوم ہوا کہ چار عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں اس لیے شریعت نے ایک مرد کو چار عورتوں

سے نکاح کی اجازت دی۔

ایک عورت کے لیے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ

① اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ نوبت قتل تک پہنچے۔

ہندوؤں کے بعض فرقوں کے مذہب میں یہ جائز ہے کہ پانچ بھائی مل کر ایک عورت رکھ لیں بے غیرتوں کا مذہب بے غیرتی ہی کی باتیں بتلاتا ہے اسلام جیسا باغیرت مذہب ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہو اور کبھی کسی سے۔

② مرد فطرتاً حاکم ہے اور عورت محکوم ہے اس لیے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے جب تک مرد عورت کو آزاد نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی جیسے باندی اور غلام باختیار خود قید سے نہیں نکل سکتے اسی طرح عورت باختیار خود قید نکاح سے نہیں نکل سکتی باندی اور غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو عورتوں میں طلاق غرض یہ کہ جب مرد حاکم ہوا تو عقلاً یہ تو جائز ہے کہ ایک حاکم کے ماتحت متعدد محکوم ہوں اور متعدد اشخاص کا ایک حاکم کے ماتحت رہنا نہ موجب ذلت وحقارت ہے نہ موجب صعوبت۔ بخلاف اس کے کہ ایک شخص متعدد حاکموں کے ماتحت ہو تو ایسی صورت میں کہ جب محکوم ایک ہو اور حاکم متعدد ہوں تو محکوم کے لیے عجب مصیبت کا سامنا ہے کہ کس کس کی اطاعت کرے اور ذلت بھی ہے جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اسی قدر محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی۔

اس لیے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار خاوند سے نکاح کی اجازت نہیں دی اس لیے اس صورت میں عورت کے حق میں تحقیر وتذلیل بھی بہت ہے اور مصیبت بھی نہایت سخت ہے۔

نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت ہے اس لیے شریعت نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی تاکہ عورت اس تذلیل وتحقیر اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے۔

③ نیز اگر ایک عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ان میں سے کس کی اولاد ہوگی اور ان کی تربیت کس طرح ہوگی اور ان کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی نیز وہ اولاد چاروں شوہروں کی مشترکہ ہوگی یا منقسمہ اور تقسیم کس طرح ہوگی اگر ایک ہی فرزند ہوا تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا اور اگر متعدد اولاد ہوئی اور نوبت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکورت و انوثت اور بوجہ تفاوت شکل وصورت اور بوجہ اختلاف قوت وصحت اور بوجہ تفاوت فہم وفراست موازنہ تو ممکن نہیں اس لیے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہوگا اور نہ معلوم باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں اور فتنے رونما ہوں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام * معرفت التیام

حق جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۲۳) یعنی تمہاری عورتیں تمہارے کھیت ہیں۔ اس سے

* دیکھو اجوبہ اربعین ص ۲۱ ج ۲۔ اور دیکھو انتصار الاسلام ص ۴۳۔

صاف روشن ہے کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے کیونکہ کھیت سے مطلب پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کھیت کی پیداوار یہی اولاد ہے گیہوں چنا وغیرہ نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شیعوں کے نزدیک جو سارے جہان کے خلاف اپنی بی بی سے اغلام درست ہے وہ کلام اللہ کے بھی مخالف ہے مگر اغلام سے تولد اولاد متصور نہیں مگر ہاں شاید شیعوں میں یہ کرامت ہو کہ نطفہ ادھر سے ادھر چلا جاتا ہو۔ باقی رہا جملہ ﴿ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ﴾ (البقرہ: ۲۲۳)۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ اپنی زمین میں بیج ڈالنے کے لیے شرق کی طرف سے جاؤ یا غرب کی طرف سے بہر حال تم کو اختیار ہے اور اس سے ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ مقصود اصلی بونا ہے وہ دونوں طرف سے جانے میں برابر حاصل ہے پیداوار دونوں میں ایک ہی طرح سے ہوگی ایسے ہی اس جملہ سے ہر عاقل یہی سمجھے گا کہ اپنی بیبیوں سے الٹے سیدھے جس طرح چاہو صحبت کرو تولد اولاد میں دونوں صورتیں برابر ہیں یہ نہیں کہ سیدھی صحبت کیجئے تو بچا اچھا ہوا اور الٹی کیجئے تو اَحول (بھینگا) پیدا ہو جیسا کہ یہودی کہا کرتے تھے چنانچہ اسی وہم فاسد کے ازالہ اور دفع کے لے یہ ارشاد ہوا: ﴿ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ﴾ مگر علماء شیعہ کی خوش فہمی دیکھئے کہ بات کیا تھی اور کیا مطلب سمجھ گئے مگر وہ بھی کیا کریں اگر متعہ اور اغلام نہ ہوتا تو خواص تو متنفر تھے ہی عوام کالانعام بھی اس مذہب کو پسند نہ کرتے۔

علاوہ بریں ولد صالح کا باقیات صالحات میں سے ہونا بھی اولاد کے مقصود ہونے پر شاہد ہے کیونکہ اگر شہوت رانی ہی مقصود ہوتی اور اولاد مقصود نہ ہوتی تو ان کے حساب سے اولاد کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا اگر صالح ہوتی تو کیا اور فاسق ہوتی تو کیا اور علی ہذا القیاس سقی ماء غیر یعنی عورت حاملہ من الغیر سے جماع حرام نہ ہوتا چنانچہ ظاہر ہے بہر حال مقصود اصلی نکاح سے اولاد ہے شہوت رانی مقصود اصلی نہیں جیسے اکل غذاء سے بدل ما یتحلل مقصود ہے اور بھوک مثل چپراسی سرکاری اس بیگار کے لیے متقاضی ہے ایسے ہی عورتوں سے اولاد مطلوب ہے اور شہوت جماع تقاضاء جماع کے لیے ساتھ لگا دی گئی ہے مگر جب اولاد مقصود ٹھہری چنانچہ آیت مسطور اس پر شاہد ہے اور نیز عقل سلیم اس پر گواہ تو پھر ایک عورت کو زمانہ واحد میں دو یا زیادہ مردوں سے نکاح کی اجازت قرین عقل نہ ہوگی اس لیے کہ زمین کی پیداوار تو سب ایک سی ہوتی ہے اور اس کے سب دانے باہم متشابہ ہوتے ہیں خورش میں سب یکساں کسی کو کسی پر کچھ فوقیت نہیں اس لیے شرکت میں کوئی خرابی پیش نہیں آتی علی السویہ تقسیم ہو سکتی ہے پر اولاد میں اگر اشتراک تجویز کیا جائے تو ایک نزاع عظیم برپا ہو جائے اس لیے کہ اول تو یہی کچھ ضرور نہیں کہ ایک سے زیادہ بچہ پیدا ہو اور دو تین پیدا بھی ہوئے تو کچھ ضرور نہیں کہ سب لڑکے ہی ہوں یا سب لڑکیاں ہی ہوں اور پھر سب ایک ہی نمبر کے عاقل و فاضل ہوں بلکہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جیسے پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں ایسی ہی تمام اولاد یکساں نہیں ہوتی تو پھر تقسیم اولاد کی کیا صورت ہوگی۔ خاص کر جب کہ بچہ ایک ہو اور عورت کے خاوند متعدد ہوں یا خاوندوں کا عدد تو زوج ہو اور اولاد کا عدد طاق ہو تو اور بھی دشواری ہوگی ہاں اگر اولاد کاٹنے پھاٹنے کے قابل ہوتی تو مثل غلۂ مشترک یا جامۂ مشترک۔ کاٹ پھانٹ کر برابر کر لیتے اور نزاع دفع کر لیتے یا مثل غلام عورت کا ہر وقت ایک حال رہتا اور یہ تفاوت احوال اور اختلاف کیفیات مزاجی نہ ہوتا تو ہفتہ وار یا ماہوار یا سال وار ایک خاوند کے پاس رہا کرتی مگر اول تو ہر دم اور ہر حال میں رحم زن نطفہ کو قبول نہیں کرتا دوسرے یہ کہ اختلاف احوال زن بسا اوقات اختلاف ذکورت وانوثت اور عقلی اور بے عقلی کا سبب بن جاتا ہے چنانچہ جو لوگ دقائق طبیہ اور حقائق موجبات اختلاف امزجۂ اولاد سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ وقت جماع جو کیفیت والدین اور خصوصاً والدہ پر غالب ہوتی ہے وہی کیفیت اولاد کے حق میں خلق اور طبیعت بن جاتی ہے والدین کی کیفیت مزاجی کو اولاد

کے اخلاق اور عقل میں دخل تام ہے الغرض بوجہ تفاوت احوال معلومہ یہ ممکن نہیں کہ غلام کی طرح عورت نوبت بنوبت ہر خاوند کے پاس رہا کرے کیونکہ خدمت غلام کوئی امر معین نہیں جو اس کی مقدار تعین نوبت میں ملحوظ رہے اس لیے وہاں وہ زمانہ جس میں خدمت معتد بہ تمام شرکاء کے نزدیک ادا کر سکے معین ہو سکے گا اور عورت میں خدمت فراش یعنی جماع کی مقدار نوبت کی تعین نہایت دشوار ہے علاوہ ازیں مرد میں ہر لحظہ حاجت الی الجماع کا احتمال ہے اور یہ حاجت بدوں عورت کے رفع ہونا محال ہے بخلاف غلام کے کہ اگر غلام موجود نہ ہو تو وہ اپنا کاروبار اپنے ہاتھ سے بھی انجام دے سکتا ہے اور جماع میں یہ متصور نہیں تو ان وجوہ سے زوجہ میں شرکت خلاف مصلحت ہوئی۔ (ملخص از اجوبۂ اربعین از ص ۱۸ ج تا ص ۲۲ ج ۲)

الغرض شریعت نے ان فتنوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے ایک عورت کے لیے متعدد مردوں سے نکاح کو ممنوع اور حرام قرار دیا۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ
اور دے ڈالو عورتوں کو مہر ان کے خوشی سے پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تم کو
نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا ④
دل کی خوشی سے تو وہ کھاؤ رچتا پچتا۔

حکم سوم دربارۂ تسلیم مہر

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ ... الٰى ... فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا ④﴾

ربط: اوپر نکاح کا بیان تھا اب اس آیت میں مہر کا بیان ہے جو نکاح کے لوازم میں سے ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور دے ڈالو عورتوں کو ان کا مہر خوش دلی کے ساتھ پھر وہ اگر اس میں سے خوشدلی کے ساتھ تمہیں کچھ چھوڑ دیں یا ہبہ کر دیں تو کھاؤ اس کو لذیذ اور مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر ھنیئ کے معنی لذیذ اور خوشگوار کے ہیں اور مریئ کے معنی یہ ہیں کہ جس کا انجام بخیر ہو اور ٹھیک ہضم ہو جائے اور کچھ نقصان نہ دے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کے اس عطیہ کا کھانا بلاشبہ حلال ہے اور مردوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ عورتوں کا مہر خوشدلی سے ادا کریں یہ ان کا حق ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ
اور مت پکڑوا دو بے عقلوں کو اپنے مال جو بنائے اللہ نے تمہاری گزران اور
ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤ وَابْتَلُوا
ان کو اس میں کھلاؤ اور پہناؤ اور کہو ان سے بات معقول۔ اور سدھاتے رہو

الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا
یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالے کر دو
اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ
ان کو ان کے مال اور کھا نہ جاؤ ان کو اڑا کر اور گھبرا کر کہ یہ بڑے نہ ہو جاویں
وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ
اور جو کوئی محفوظ ہو تو چاہیے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہے تو کھاوے
بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ
موافق دستور کے پھر جب ان کو حوالے کرو ان کے مال تو شاہد کر لو اس پر
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶
اور اللہ بس ہے حساب سمجھنے والا۔

حکم چہارم و پنجم: دربارہ تفویض اموال بسوئے مبذرین و مسرفین وحفظ اموال یتامیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ... الٰى ... وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶﴾

ربط: اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ یتیموں کے مال جو تمہارے تصرف میں ہیں وہ ان کے حوالہ کر دو اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اموال ان کو کب سپرد کیے جائیں یعنی جب وہ عاقل و بالغ ہو جائیں اور اپنے مال کی حفاظت کر سکیں اور بے وقوف اور فضول خرچ نہ ہوں چنانچہ فرماتے ہیں اور مت دو بے وقوفوں اور بے عقلوں کو اپنے اموال جن کو حق تعالیٰ نے تمہارے گزران اور قیام معیشت کا ذریعہ بنایا ہے اور تمہاری دینی اور دنیوی مصلحتوں اور ضرورتوں کا بقاء مال پر رکھا ہے گزران معاش اور حج اور جہاد وغیرہ سب مال پر موقوف ہیں اس لیے اس قابل قدر نعمت کو ان بے وقوفوں اور فضول خرچوں کے حوالہ نہ کرو بلکہ اس کو اپنی حفاظت میں رکھو اس حکم سے خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ یتیموں اور ضعیفوں اور عاجزوں کے مال محفوظ رہیں۔

مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں سُفَهَآءَ سے کون لوگ مراد ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے یتیم اور عورتیں مراد ہیں اور اَمْوَالَكُمْ سے یتیموں کے اموال مراد ہیں چونکہ یہ اموال اولیاء کے تصرف میں ہیں اس لیے مخاطبین کی طرف مضاف کیے گئے گویا کہ وہ ایک طرح پر تمہارے ہی مال ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ یتیموں کے مالوں کو اپنا مال سمجھو اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہما کی رائے یہ ہے کہ سفہاء سے مخاطبین کے بچے اور عورتیں مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مال حق تعالیٰ کی نعمت ہے جو

تمہارا ذریعہ معاش ہے ایسا مت کرو کہ اپنا مال بیوی اور بچوں کو دے کر خالی ہاتھ ہو جاؤ اور پھر ان کے دست نگر ہو جاؤ جس کی بیوی اور بچے بدسلیقہ ہوں تو ان کے ہاتھ میں خرچ نہ دینے کے لیے یہ آیت اتری ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تخصیص کسی کی نہیں سفہاء سے ہر وہ بے وقوف مراد ہے جس کو اپنے مال کی حفاظت کا سلیقہ نہ ہو اور جو شخص بے وقوفی سے مال کو ضائع اور برباد کر دے وہی سفیہ ہے خواہ وہ یتیم ہو اور خواہ اپنی بیوی اور بچے ہوں اور ان کو انہی مالوں میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان کی تسلی کے لیے ان سے معقول اور نیک بات کہدو کہ تم گھبراؤ نہیں یہ مال تمہارا ہی ہے چونکہ فی الحال تم نا سمجھ ہو اس لیے تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا جب سمجھدار ہو جاؤ گے تو تمہاری یہ امانت تمہارے حوالہ کر دی جائے گی اور مال سپرد کرنے سے پہلے ان یتیموں کی ہوشیاری کا امتحان کرو کہ وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا مال ان کو دیا کرو اور ان کے ذریعہ کچھ خرید و فروخت کیا کرو تا کہ ان کی ہوشیاری اور سلیقہ کا اندازہ ہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پس اگر تم ان میں ایک گونہ ہوشیاری اور حسن تدبیر کو دیکھو کہ اب ان کو اتنا سلیقہ آ گیا ہے کہ اپنے مال کی حفاظت کر سکیں تو پھر ان کے اموال ان کے عاقل و بالغ ہوتے ہی بلا تاخیر ان کے حوالہ کر دو رشد اور صلاحیت کے بعد تاخیر نہ کرو۔

مسئلہ: حق جل شانہٗ کے اس ارشاد ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ﴾ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بیوقوفوں کو جب تک ان کی بے وقوفی زائل ہو اور رشد کو پہنچیں تو ان کا مال ان کے حوالے نہ کیا جائے اگرچہ وہ سو برس کے بوڑھے ہو جائیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کی یہی رائے ہے مگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ پچیس سال کی عمر کا انتظار کرو اس درمیان میں اگر اس کو سمجھ آ جائے تو مال اس کے حوالہ کر دو ورنہ جب پچیس سال کی عمر ہو جائے تو ہر حال میں اس کا مال اسکو دے دینا چاہیے پوری سمجھ آئے یا نہ آئے ورنہ کیا ساری عمر ہی نابالغ رہے گا اور کیا بوڑھا ہو کر بھی پیر نابالغ ہی کہلائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مرد کی عقل پچیس سال میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے لہٰذا جب کمال عقل اور تمام رشد کا زمانہ گزر گیا تو اب آئندہ کے لیے کوئی امید باقی نہیں رہی لہٰذا اب اس کو محروم نہ رکھنا چاہیے آیت قرآنی میں ﴿رُشْدًا﴾ تنکیر کے ساتھ آیا ہے معلوم ہوا کہ مال حوالہ کرنے کے لیے ایک نوع کا رشد کافی ہے یعنی اتنا رشد آ جائے کہ سفاہت اور زمانہ طفولیت کا اثر یعنی لاابالیت نہ رہے تو پھر ان کا مال ان کے حوالہ کر دیا جائے تفویض مال کے لیے کمال رشد اور تمام فراست ضروری نہیں پچیس سال کی عمر میں مرد دادا بن سکتا ہے کیونکہ ادنیٰ مدت بلوغ کی مرد کے حق میں بارہ سال ہے اور عورت کے حق میں ادنیٰ مدّت حمل کی چھ ماہ ہے پس اگر کوئی لڑکا بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے اور اسی وقت اس کا نکاح کر دیا جائے اور چھ ماہ کے بعد اس کے بھی ایک لڑکا پیدا ہو جائے تو اس وقت پہلے باپ کی عمر پچیس سال کی ہوگی جو اس لڑکے کا دادا ہوگا اب اگر دادا ہونے کے بعد بھی عقل نہ آئے تو آخر کہاں تک رشد کا انتظار کریں بہتر یہی ہے کہ اس کا مال اس کے حوالہ کریں۔

حکم پنجم

اور مت کھاؤ یتیموں کا مال فضول خرچی سے اور اس خوف سے کہ وہ یتیم جب بڑے ہو جائیں گے تو ان کا مال ان کے حوالہ کرنا پڑے گا اور وہ خود اپنے اموال پر قابض اور متصرف ہو جائیں گے اور ہمارا اختیار جاتا رہے گا لہٰذا جلدی کر کے ان کے بڑے ہونے سے پہلے ہی جتنا کھا سکو وہ کھا لو حق تعالیٰ نے اس اسراف اور مبادرت کی ممانعت کر دی کہ ایسا ہرگز نہ کرو اور بلکہ تم کو یہ چاہیے کہ جو یتیم کا

ولی اور سرپرست تونگر ہو یعنی اس کے پاس بقدر کفایت موجود ہو اور یتیم کے مال کی اسے حاجت نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ یتیم کا مال لینے سے بالکل احتراز کرے اور جو حاجت مند اور ضرورت مند ہو تو اس کو اجازت ہے کہ دستور کے مطابق کھالیوے یعنی یتیم کا پرورش کرنے والا اگر حاجت مند ہو تو یتیم کے مال سے صرف اس قدر لے لے جس قدر اس کی خدمت کا عرف میں حق ہے دستور کے مطابق جس قدر اس کام کی اجرت ہوتی ہے صرف اس قدر لے لے اور اگر مستغنی ہے تو کچھ نہ لے پھر جب ان کے بالغ ہونے کے بعد ان کے اموال ان کے حوالہ کرو تو مال سپرد کرتے وقت ان پر گواہ کرلیا کرو تا کہ تم حسن اسلوب کے ساتھ بری الذمہ ہو جاؤ اور آئندہ کے لیے تہمت اور بدگمانی اور نزاع اور اختلاف سے بچ جاؤ اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا یعنی اگر ولی نے یا گواہوں نے کسی قسم کی خیانت کی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے خبردار ہے وہ ان سے حساب لے گا۔

مسئلہ: یتیم کو گواہوں کے سامنے مال سپرد کرنا مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے یعنی گواہ کرنا اولیٰ اور افضل ہے واجب نہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ
مردوں کو بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور ناتے والے اور عورتوں کو
نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ
بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور ناتے والے اس تھوڑے میں یا بہت میں
نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝
حصہ مقرر کیا ہوا۔

حکم ششم دربارہ حقوق ورثہ در ترکہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ... الی... نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یتیموں کے ناحق مال کھانے کا حکم تھا اب اس آیت میں وارثوں کی حق تلفی کا ذکر ہے جاہلیت کے زمانہ میں یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو اگرچہ وہ بالغ ہوں اور نابالغ بچوں کو میت کے مال میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا صرف مردوں کو جو بڑے ہوں اور دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرسکتے ہوں ان کو میراث میں سے حصہ ملتا تھا اس پر یہ آیت اتری مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں سے کہ جو ماں باپ اور رشتہ دار مرتے وقت چھوڑ گئے ہیں عورتوں کا بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مرے ہیں خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا بہت ہو یہ حصہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے جس کا حق داروں کو دینا واجب ہے اس میں کمی اور زیادتی جائز نہیں یہ اللہ کا مقرر کردہ حصہ ہے یہ نہیں کہ تم جس قدر چاہو دیدو اس آیت کے نازل کرنے سے زمانہ جاہلیت کی رسم کو توڑنا مقصود ہے کہ وہ لوگ عورتوں اور

اولاد صغار کو مستحق میراث نہیں سمجھتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ میراث کے مستحق صرف مرد ہیں اور مرد بھی وہ جو دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

حق تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر یہ بتلا دیا کہ مال متروکہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ ہے مردوں کی کچھ تخصیص نہیں لیکن حق تعالیٰ نے اس آیت میں حصہ کی مقدار نہیں بیان فرمائی یہاں صرف استحقاق حصہ میراث کو بیان فرما دیا وارثوں کے حصوں کی تفصیل آئندہ رکوع ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوۡلَادِكُمۡ ... الخ﴾ میں آتی ہے جس میں اولاد اور والدین اور بیوی اور شوہر سب کا حصہ مقرر فرما دیا بلکہ یہ آیت آئندہ آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ﴾ کی تمہید ہے اولاً اجمالاً استحقاق میراث کو بیان فرمایا اور ثانیاً حصص میراث کی تفصیل فرمائی۔

وَ اِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا الۡقُرۡبٰى وَ الۡيَتٰمٰى وَ الۡمَسٰكِيۡنُ فَارۡزُقُوۡهُمۡ
اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت ناتے والے اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ کھلا دو
مِّنۡهُ وَ قُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ⑧ وَ لۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ لَوۡ تَرَكُوۡا
اس میں سے اور کہو ان کو بات معقول۔ اور چاہیے ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ مریں
مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَيۡهِمۡ ۖ فَلۡيَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لۡيَقُوۡلُوۡا
اپنے پیچھے اولاد ضعیف تو خطرہ کھاویں ان پر تو چاہیے ڈریں اللہ سے اور کہیں
قَوۡلًا سَدِيۡدًا ⑨
بات سیدھی۔

حکم ہفتم مُراعاۃ غیر مستحقین میراث بوقت تقسیم ترکہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ ... الٰی ... وَ لۡيَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ⑨﴾

ربط: گزشتہ آیت میں حق داران میراث اور مستحقین ترکہ کا بیان تھا اب اس آیت میں غیر مستحقین میراث کے ساتھ ایک قسم کے سلوک اور احسان کا حکم ہے جب تقسیم میراث کے وقت ایسے غریب رشتہ دار بھی حاضر ہو جائیں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں اور یتیم اور فقیر بھی اس وقت اس امید پر جمع ہو جائیں کہ شاید اس موقع پر اہل خیر ہمیں کچھ خیرات دے دیں تو تم ان کو تبرعاً بالغوں کے حصہ میں سے کچھ دے دیا کرو اور اگر ورثہ یتیم اور نابالغ ہوں تو ان غرباء اور مساکین سے معقول اور نرم بات کہہ کر ان کو رخصت کر دو یعنی نرمی سے یہ عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے ہم اس کے مالک نہیں اس لیے ہم مجبور اور معذور ہیں مطلب یہ ہے کہ سختی سے جواب نہ دو بلکہ نرمی سے عذر کرو۔

مسئلہ: جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور مقصود اس حکم سے حسن ادب کی تعلیم ہے کہ یہ مال میراث جو تقسیم ہو رہا ہے ایک

خدائی عطیہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض اپنی مہربانی سے وارثوں کو بلا محنت اور بلا مشقت عطا کیا ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ایسے موقع پر بطور شفقت و مرحمت اپنے غریب رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کو بھی بطور تبرع اور خیرات کچھ دیدیں تا کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور بعض علماء کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے جو ابتداء میں واجب تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اب آئندہ آیت میں اسی رعایت اور شفقت کی تاکید اور تقویت کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اور چاہیے کہ اللہ سے ڈریں وہ لوگ کہ اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جائیں تو ان بچوں کے ضائع ہونے کا ان کو خوف و خطرہ ہو پس ان کو چاہیے کہ اللہ سے ڈریں یعنی یتیموں اور مسکینوں کی دل آزاری سے بچیں اور زبان سے کہیں سیدھی بات کہ جس سے ان کی تسلی ہو جائے مطلب یہ ہے کہ دوسرے یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے پسند کرتے ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ناحق وہ یہی کھاتے ہیں

ع ۱ / ۱۲ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۠ ﴿۱۰﴾

اپنے پیٹ میں آگ اور اب پیٹھیں گے آگ میں۔

تتمہ حکم سابق

تحقیق جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں جز ایں نیست وہ یہ مال کھا کر اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور البتہ ضرور داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں...... یعنی خدا تعالیٰ ان کو یتیموں کا ناحق مال کھانے کی سزا میں آگ کھلائے گا اور یہ شخص قیامت کے دن قبر سے اس طرح اٹھے گا کہ اس کے منہ اور کانوں اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں گے جو شخص بھی اس کو دیکھے گا وہ اس علامت سے پہچان لے گا کہ یہ ناحق یتیم کا مال کھانے والا ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

کہہ رکھتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد میں مرد کو حصہ برابر دو عورت کے

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ

پھر اگر ہوویں نری عورتیں دو سے اوپر تو ان کو دو تہائیاں جو چھوڑ مرا اور اگر

وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ

ایک ہے تو اس کو آدھا اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو دونوں میں چھٹا حصہ

مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ

اس مال میں جو چھوڑ مرا اگر میت کی اولاد ہے پھر اگر اس کو اولاد نہیں اور وارث ہیں اس کے ماں باپ

فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ

تو اس کی ماں کو تہائی پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اسکی ماں کو چھٹا حصہ یہ پیچھے

وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ

وصیت کے جو دلوا مرا یا قرض کے تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں

اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

کون شتاب پہنچتے ہیں تمہارے کام میں حصہ باندھا اللہ کا ہے اللہ خبردار ہے

حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ

حکمت والا اور تم کو آدھا مال جو چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہوں ان کو

وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ

اولاد پھر اگر ان کو اولاد ہے تو تم کو چوتھائی مال اس سے جو چھوڑ مریں بعد

وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ

وصیت کے جو دلوا مریں یا قرض کے اور عورتوں کو چوتھائی مال اس سے جو چھوڑ مرو تم اگر

لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

نہ ہو تم کو اولاد پھر اگر تم کو اولاد ہے تو ان کو آٹھواں حصہ اس سے

تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ

جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم دلوا مرو یا قرض کے اور جس مرد کی

يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

میراث ہے باپ بیٹا نہیں رکھتا یا عورت کا اور اس کا ایک بھائی ہے یا بہن تو دونوں میں ہر ایک کو

السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ

چھٹا حصہ پھر اگر زیادہ ہوئے اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ

بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے جب اوروں کے نقصان نہ کیا ہو یہ کہہ رکھا

اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

اللہ نے اور اللہ سب جانتا ہے تحمل والا۔ یہ حدیں باندھی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے

وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ

اور رسول کے اس کو داخل کرے باغوں میں جن کے نیچے بہتی ندیاں ہیں رہ پڑے ان میں اور وہی ہے

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ

بڑی مراد ملنی۔ اور جو کوئی بے حکمی کرے اللہ کی اور رسول کی اور بڑھے ہے اس کی حدوں سے

يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۱۴/۲

اس کو داخل کرے آگ میں رہ پڑے اس میں اور اس کو ذلت کی مار ہے۔

قانونِ میراث: یعنی تفصیل حصص میراث

ربط: اوپر کی آیتوں میں اجمالی طور پر استحقاق میراث کا بیان تھا کہ میت کے اقارب خواہ مرد ہوں یا عورت بالغ ہوں یا نابالغ سب وارث ہیں اور ترکہ میں سب کا حق ہے اب ان آیات میں حصّوں کی تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں اِرْث کے تین سبب تھے (اول نسب) مگر نسب کی رو سے صرف اُن مردوں کو حصّہ ملتا تھا کہ جو قبیلہ کی طرف سے دشمنوں سے جنگ کی قابلیت رکھتے ہوں لڑکوں اور عورتوں اور ضعیفوں کو میراث کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا (دوم) تَبَنّیِ یعنی کسی کو اپنا متبنیٰ بنالینا یعنی بیٹا بنالینا مرنے کے بعد وہ متبنیٰ اس کی میراث کا حق دار ہوتا تھا جیسا کہ ہندوؤں میں اس کا رواج ہے (تیسرا) عہد وحلف۔ عہد کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے یہ کہتا کہ میرا خون تیرا خون ہے میری جان تیری جان ہے میرے خون کا رائیگاں جانا تیرے خون کا رائیگاں جانا ہے میں تیرا وارث اور تو میرا وارث۔ میرے بدلے تو پکڑا جائے گا اور تیرے بدلے میں پکڑا جاؤں گا جب وہ دونوں شخص اس طرح کا باہم عہد کر لیتے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جو پہلے مرجاتا دوسرا اس کا وارث ہوتا۔

شروع اسلام میں توارث کے دو سبب تھے ایک ہجرت اور دوسرا مواخاۃ (اسلامی بھائی چارہ) یعنی جب کوئی صحابی ہجرت کر کے آتا تھا تو دوسرا مہاجر ہی اس کا وارث ہوتا اگر چہ وہ اس کا رشتہ دار نہ ہو اور غیر مہاجر کا مہاجر کا وارث نہیں ہوتا اگر چہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور مواخاۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دو دو مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے مگر بعد میں اسلام نے زمانۂ جاہلیت اور شروع زمانہ اسلام کے طریق توارث کو منسوخ کر دیا اور توریث کا دارومدار تین چیزوں پر رکھا: (اول) نسب: یعنی اولاد اور والدین۔ (دوئم) نکاح: یعنی خاوند اور بیوی بوجہ نکاح کے ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں (تیسرے) ولاء: یعنی باندی غلام کی آزادی جس کی بنا پر آقا اپنے آزاد کردہ غلاموں اور باندیوں کا اور آزاد شدہ غلام اور باندی اپنے آزاد کرنے والے آقا کی میراث کے وارث ہیں۔

حصۂ اولاد

شانِ نزول:

ابن ابی شیبہ، احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول ﷺ سعد بن ربیع کی دو لڑکیاں ہیں اور اُن کا باپ حضور ﷺ کے ہمراہ جنگ احد میں شہید ہو گیا اور اُن کا جو مال تھا وہ کل اِن کے چچا نے لے لیا ہے اور بیٹیوں کو کچھ نہیں دیا اور بغیر مال کے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ان کے بارہ میں فیصلہ فرمائے گا اس پر میراث کی یہ آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ... الخ﴾ نازل ہونے کے بعد آپ نے ان لڑکیوں کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر کہلا بھیجا کہ سعد رضی اللہ عنہ کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو دو تہائی دے دو اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ اور باقی تیرا ہے علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا ترکہ ہے کہ جو اسلام میں تقسیم کیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو وصیت کرتا ہے یعنی تاکیدی حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کی میراث کے بارہ میں وہ یہ کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے پس اگر اولاد صرف لڑکیاں ہی ہوں دو سے زائد تو اُن لڑکیوں کو اس مال میں کا دو تہائی ملے گا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے یعنی اگر میت کی اولاد ذکور نہ ہو نری لڑکیاں ہی ہوں اور ہوں دو سے زیادہ تو صورت میں ان کا حق اس ترکہ میں سے کل مال کا دو تہائی ہے باقی ایک تہائی دوسرے وارثوں کا حق ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں دو سے زائد لڑکیوں کا حصہ بیان فرمایا اور دو لڑکیوں کا حصہ صراحۃً بیان نہیں فرمایا اس کی وجہ ① یہ ہے کہ گزشتہ آیت ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ معلوم ہو چکا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے یعنی دو تہائی ہے تو لا محالہ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ دو لڑکیوں کا حصہ دو تہائی ہے۔ ② نیز جب ایک لڑکے کی موجودگی میں لڑکی کا تہائی حصہ ہے تو دوسری لڑکی کی موجودگی میں بدرجہ اولیٰ اس کا حصہ تہائی ہونا چاہیے کیونکہ لڑکا بہ نسبت لڑکی کے زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

③ نیز اس آیت کے شان نزول میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی دو لڑکیوں کو اس کے ترکہ میں دو تہائی دینے کا حکم دیا۔

نیز حق تعالیٰ نے اس آیت میں ایک لڑکی کا تین اور تین سے زائد لڑکیوں کا حکم بیان فرمایا اور دو لڑکیوں کا صراحۃً کوئی حکم بیان

نہیں فرمایا اور بہنوں کی میراث میں دو بہنوں کا دو تہائی حصہ بیان فرمایا۔ ﴿اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ هُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ﴾ پس جب دو بہنوں کا حصہ دو تہائی ہے تو دو لڑکیوں کا حصہ بدرجہ اولیٰ دو تہائی ہونا چاہیے کیونکہ لڑکیاں بہ نسبت بہنوں کے زیادہ قریب ہیں۔

غرض یہ کہ دو لڑکیوں کو دو تہائی ملنا پہلی آیت سے معلوم ہو چکا تھا اب شبہ یہ تھا کہ اگر کسی کے تین لڑکیاں ہوں تو شاید ان تین لڑکیوں کو تین تہائی یعنی کل مال مل جائے تو حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی سے نہ بڑھے گا اور اگر میت کے ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو کل مال میں سے نصف مال ملے گا اور نصف باقی دوسرے وارثوں کا حق ہے۔

نکتہ ①: مرد کا حصہ عورتوں کے حصہ سے دو چند اس لیے قرار دیا گیا کہ مرد بہ نسبت عورت کے مال کا زیادہ حاجت مند ہے گھر کا تمام خرچ اس کے ذمہ ہے حتیٰ کہ بیوی کا خرچ بھی اس کے ذمہ ہے۔

نکتہ ②: حق جل شانہٗ تعالیٰ نے عنوانِ تعبیر یہ اختیار فرمایا: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾۔ یعنی مرد کا حصہ دو عورتوں کی برابر ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ دو عورتوں کا حصہ ایک مرد کے حصہ کی برابر ہے یا عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے نصف ہے اس طرز بیان کے اختیار کرنے میں حکمت یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی رسم عدم توریث نسوان کا پوری طرح ابطال ہو جائے کیونکہ یہ طرز بیان اس طرف مشیر ہے کہ عورت کی میراث مقرر معلوم ہے اور مرد کی میراث اس سے دو چند ہے لہٰذا مرد اپنی میراث کو عورت کی میراث سے دو چند سمجھ کر حق تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس نے مجھ کو فضیلت دی اور یہ طمع نہ کرے کہ عورت کو بالکل میراث سے محروم کرے یہ اس کے لیے کافی ہے کہ اس کا حصہ عورت سے دو چند ہے۔

حصۂ والدین

اور میت کے ماں باپ کے لیے ترکہ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ہے اگر میت کے کچھ اولاد ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث پس اگر میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس صورت میں پورے مال میں سے اس کی ماں کا تہائی حصہ ہے اور باقی دو تہائی باپ کا پس اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو پھر اس کی ماں کے لیے چھٹا ہے جاننا چاہیے کہ ماں باپ کی میراث میں حق تعالیٰ نے تین صورتیں بیان فرمائیں پہلی صورت یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے ساتھ میت کی اولاد بیٹا یا بیٹی ہو تو اس صورت میں میت کے ماں باپ کو ترکہ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میت کی اولاد کچھ نہ ہو بھائی بہن بھی نہ ہوں اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس صورت میں ماں کو ایک ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث باپ کو ملیں گے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اولاد تو نہ ہو مگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی تو اس صورت میں ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی سب اس کے باپ کو ملے گا بھائی بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔

وارثوں کے جس قدر حصے اب تک بیان کیے گئے یہ سب حصے بعد ادائے وصیت کہ جو میت نے کی ہے اور بعد ادائے قرض وارثوں کو دیئے جائیں گے یعنی میت کے مال میں سے اول بمقدار وصیت اور بمقدار قرض روپیہ نکال کر پھر ورثہ پر تقسیم ہوگا اور باجماع علماء امت ترکہ میں جو پہلا حق متعلق ہوتا ہے وہ میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین ہے اس لیے میت کے مال میں سب سے پہلے اس کے کفن اور دفن میں

لگایا جائے گا اور پھر میت کے قرض میں اور پھر اس کی وصیت میں دیا جائے گا اور پھر جو باقی رہے گا وہ وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

نکتہ: ماں باپ کا حق اگرچہ اولاد سے کہیں زیادہ ہے مگر حق تعالیٰ نے میت کے ترکہ میں سے ماں باپ کا حصہ اولاد کے حصہ سے کم رکھا ہے کیونکہ جب آدمی صاحب اولاد ہو کر مرتا ہے تو عادۃً اس عمر میں اس کے والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں اور ان کی عمر کا تھوڑا حصہ باقی رہ جاتا ہے اُن کو زیادہ مال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بخلاف اولاد کے کہ وہ کم عمر ہونے کی وجہ سے زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں۔ نیز ماں باپ کے پاس اپنا اندوختہ اور اپنے والدین کا کچھ ترکہ بھی ہوتا ہے اور میت کی اولاد کا سرمایہ سردست صرف یہی باپ کی کمائی ہوتی ہے۔

اس لیے شریعت نے بہ نسبت ماں باپ کے اولاد کا حصہ زائد رکھا تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ باعتبار نفع رسانی کے اُن میں سے کون سا تم سے زیادہ قریب ہے۔

یعنی تم نہیں جانتے کہ تمہارے اصول وفروع میں سے دنیا وآخرت میں تمہارے لیے کون زیادہ نفع رساں اور فائدہ مند ہے اور جب تمہیں یہ خبر نہیں تو تقسیم میراث میں تم اپنی عقل اور رائے کو دخل نہ دو خدا کے حکم کے مطابق چلو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حصہ مقرر اور معین کر دیا گیا اس کی پیروی کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں کو جاننے والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔ اس نے جو میراث کے حصے مقرر فرما دیئے وہی عین حکمت اور سراسر مصلحت ہیں اس لیے تم پر لازم ہے کہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کی پابندی کرو اور اپنی رائے سے اس میں دخل نہ دو اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے اس نے اپنی حکمت سے جو حصے مقرر کر دیئے اسی میں حکمت اور مصلحت ہے۔

حصۂ زوجین

اب آیندہ آیت میں زوجین کی میراث کو بیان فرماتے ہیں اور زوجہ اور زوج کی ہر ایک کی میراث کی دو دو صورتیں بیان کیں۔

① میت اگر زوجہ ہو اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو تو اس صورت میں زوج یعنی شوہر کو نصف مال ملے گا۔

② اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصہ اور علیٰ ہذا اگر میت زوج ہو اور زوجہ اس کی وارث ہو تو اس کے بھی دو حال ہیں:

1. زوجہ کے کوئی اولاد نہ ہو تو زوجہ کو چوتھائی حصہ ملے گا۔
2. اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور تمہارے لیے یعنی شوہروں کے لیے اُس مال کا نصف حصہ ہے جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جائیں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو نہ مذکر نہ مؤنث نہ واحد نہ کثیر اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے تو اس صورت میں تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی ملے گا اور دونوں صورتوں میں تم کو یہ حصہ بعد وصیت کے جو کر گئی ہیں یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو انہوں نے چھوڑا ہے ملے گا اور بیبیوں کو چوتھائی مال ملے گا اس ترکہ میں سے جو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو پس اگر تمہارے کوئی اولاد ہو اس عورت سے یا کسی دوسری عورت سے تو بیبیوں کو تمہارے ترکہ میں آٹھواں حصہ ملے گا بعد وصیت کے جو تم کر جاؤ یا قرض کے بعد جو تم چھوڑ جاؤ تو اس وصیت اور قرض کے ادا کرنے کے بعد جو مال بچے گا تو اس سے بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا خواہ بیوی ایک ہو یا چار ہوں۔

فائدہ: عورت چونکہ مہر بھی پاتی ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح بھی کر سکتی ہے اس لیے اس کا حصہ ہر حال میں شوہر کے حصہ سے نصف رہا۔

حصّہ برادر وخواہر اخیافی

اب اس کے بعد ایسے شخص کا حال بیان فرماتے ہیں کہ جس کے وارثوں میں نہ باپ دادا ہو اور نہ اولاد صرف اس کے اخیافی بھائی بہن ہوں تو اگر ایک ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصّہ ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک اور برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر کوئی مرد یا عورت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی کلالہ ہو یعنی باپ دادا اور بیٹا نہ رکھتا ہو اور اس کے ایک اخیافی بھائی یا ایک اخیافی بہن ہو تو اس کلالہ کے مال میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی حصہ میں برابر کے شریک ہوں گے اور یہ تقسیم بعد اس وصیت کے نافذ کرنے کے ہوگی جو ہو چکی ہے یا ادائے قرض کے بعد بشرطیکہ وہ وصیت کرنے والا کسی کو ضرر یا نقصان پہنچانے والا نہ ہو یہ جو کچھ کہا گیا یہ سب اللہ کی جانب سے وصیت یعنی تاکیدی حکم ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ضرر دینے والے اور نہ دینے والے کو بڑا بردبار ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ بھائی اور بہن تین طرح کے ہوتے ہیں:

① سگے، جن کے ماں اور باپ دونوں ایک ہوں ان کو عینی اور بنوالاعیان کہتے ہیں۔

② سوتیلے، جو صرف باپ میں شریک ہو یعنی باپ تو ایک ہو اور ماں دو ہوں ان کو علاتی کہتے ہیں۔

③ وہ سوتیلے کہ جن کی ماں تو ایک ہو اور باپ دو ہوں ان کو اخیافی کہتے ہیں۔

اس آیت میں اس آخری قسم کا ذکر ہے جیسا کہ ابی بن کعب اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کی قراءت میں ﴿وَلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ﴾ کے بعد ﴿مِنَ الْاُمِّ﴾ کا لفظ آیا ہے جس سے آیت کی تفسیر ہوگئی کہ اس جگہ کون سا بھائی اور بہن مراد ہے اور اسی پر سب کا اجماع ہے اور عینی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا۔

نکتہ: اخیافی بھائی بہن کو میت کی طرف جو نسبت ہے وہ صرف ماں کے واسطہ سے ہے اور ماں کا حصّہ تہائی سے زیادہ نہیں لہٰذا وہ صرف اپنی ماں کا حصّہ پانے کے مستحق ہیں اور اسی وجہ سے ذکور اور اناث میں کوئی فرق نہیں کیا گیا سب کا حصّہ برابر رہا کیونکہ نسبت مذکورہ میں سب مساوی ہیں۔

تاکید اطاعت وتہدید بر معصیت

یہ تمام احکام اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں لوگوں کو چاہیے کہ ان حدود کے اندر رہیں اور ان سے باہر قدم نہ نکالیں اور جس طرح انسان کسی مکان کی حدود سے باہر نکل کر خطرہ میں پڑ جاتا ہے اسی طرح احکام الٰہی کی حدود سے باہر نکلنے میں جان اور ایمان کا خطرہ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ایسے اشخاص ہمیشہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ جنت ہمیشگی کا گھر ہے اور اس کا آرام خالص ہے جس میں کسی قسم کے دکھ درد کا شائبہ بھی نہیں اور دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی آخرت کی کامیابی کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی

نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے آگے بڑھے سو اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ یعنی ہمیشہ کے لیے مصیبت اور ذلت میں گرفتار رہے گا۔

مسئلہ میراث انبیاء کرام علیہم الف الف صلوۃ والف الف سلام

بابت آیت: [1] ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ... الآية﴾

شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترکہ میں سے جو ان کو اپنے والد محترم کی طرف سے پہنچتا تھا کوئی حصہ نہیں دیا اور عذر یہ کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ یہ فرماتے تھے کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث صریح نص قرآنی: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ کے خلاف ہے۔

اور یہ آیت عام ہے اس میں نبی اور غیر نبی کی کوئی تخصیص نہیں لہٰذا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔

نیز دوسری نصوص کے بھی خلاف ہے یعنی ﴿وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (النمل:۱۶) اور آیت ﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۤ﴾ (مریم) معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بھی وارث ہوتے ہیں۔

جواب: ① آیت ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ عام مخصوص البعض ہے جس سے بحکم حدیث نبوی ((لا نرث ولا نورث انبیاء کرام علیہم السلام)) مخصوص ہیں اور چونکہ یہ حدیث صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنی اسی لیے علم قطعی اور یقینی کو مفید ہے اور جو چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنی اس پر عمل کرنا قطعاً فرض ہے خواہ کسی اور سے اس حدیث کو سنے یا نہ سنے اور اسی پر شیعہ اور سنی تمام اہل اصول کا اجماع ہے۔ اور متواتر اور غیر متواتر حدیث کی تقسیم ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جنہوں نے اللہ کے نبی کو نہیں دیکھا اور دوسروں کے واسطہ سے حدیث سنی اور جس شخص نے خود اللہ کے نبی کو دیکھا اور بلا واسطہ ان سے حدیث سنی تو یہ حدیث اس کے حق میں متواتر سے بھی بالا اور برتر ہے بلکہ مشاہدۂ عینی سے بھی زیادہ قطعی اور یقینی ہے چونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اس لیے انہیں دوسروں سے تحقیق و تفتیش کی حاجت نہ تھی۔

نیز اس حدیث کے راوی صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ اس حدیث کو حضرت حذیفہ، حضرت زبیر، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عباس، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے غرض یہ کہ حدیث تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں معروف و مشہور تھی اور درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی تھی اور حدیث متواتر سے قرآن کی تخصیص بالاجماع جائز ہے۔

اور آیت میراث میں حدیث نبوی سے تخصیص ایسی ہے جیسے آیت ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ ... الخ﴾ (التوبہ:۶۰)

---

[1] دیکھو: منہاج السنتہ للحافظ ابن تیمیہ از ص ۱۵۷ ج ۲، یا ص ۱۶۳ ج ۲۔

کے عموم سے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے موالی مخصوص ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے موالی کو باوجود فقر و فاقہ کے زکوٰۃ اور صدقات کا لینا حرام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آلِ محمد کے لیے زکوٰۃ اور صدقہ کا مال حلال نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ فقیری و درویشی ضرب المثل ہے مگر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ وریب آیت صدقات کے عموم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں اور آیت صدقات کے عموم کی تخصیص انہی احادیث سے ثابت ہے جن میں زکوٰۃ و صدقات کا آلِ رسول پر حرام ہونا مروی ہوا ہے اسی طرح سمجھئے کہ جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ انبیاء کرام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی وہ تمام احادیث آیت میراث کی مخصص ہوں گی۔ (دیکھو ہدیۃ الشیعہ ص ۳۱۰ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ)

② نیز آیت ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ ﴾ کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم امتیوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں چار عورتوں کی تحدید اور مہر اور عدل بین النساء کا واجب ہونا یہ سب امتیوں کا حکم ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان میں سے کوئی شئے واجب نہیں آیت ﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾ اگرچہ عام ہے مگر بحکم آیت احزاب ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ (الاحزاب: ۵۰) نبی اکرم اس چار کی تحدید سے مستثنیٰ ہیں سورۂ احزاب کی یہ آیت صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور پُرنور کے لیے چار عورتوں سے زیادہ بھی نکاح جائز ہے اور ﴿ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ ﴾ بظاہر اگرچہ عام ہے علی العموم سب پر مہر کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت ﴿ وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ ﴾ (الاحزاب: ۵۰) اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کا مہر واجب نہیں۔ اور آیت نساء بظاہر اگرچہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ سب پر عدل بین النساء واجب ہے مگر حسب ارشاد خداوندی ﴿ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ ﴾ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

اسی طرح اگر حکم میراث سے بھی انبیاء کرام علیہم السلام مستثنیٰ ہوں تو کیا تعجب ہے مال و جائیداد میں میراث کا جاری ہونا امتیوں کا حکم ہے انبیاء کرام علیہم السلام اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

③ نیز آیت ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ ﴾ میں باتفاق فریقین اور بہت سی تخصیصات ہوئی ہیں چنانچہ کافر وارث نہیں ہوتا غلام وارث نہیں ہوتا قاتل مُورث وارث نہیں ہوتا اور ان تخصیصات پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ آیت مذکورہ سے نہ متصل مذکور ہے نہ منفصل بجز اس کے کہ احادیث سے ان لوگوں کی تخصیص کی گئی تو پھر حدیث ((ما ترکنا صدقة)) کا کیا قصور ہے کہ وہ آیت میراث کے لیے مخصص نہ ہو سکے۔

شیعہ۔ حدیث سے قرآن کریم کی تخصیص کرنے کی وجہ سے ابوبکرؓ پر معترض ہیں لیکن اپنے لیے اس کو جائز سمجھتے ہیں خود ان کے نزدیک اخبار آحاد سے قرآن کریم کی تخصیص ثابت ہے اُن کا مذہب ہے کہ زمین میں زوجہ کو میراث نہیں پہنچتی اور میت کے ترکہ میں سے قرآن اور تلوار اور انگشتری اور پہننے کے کپڑوں کا وارث صرف بیٹا ہے۔

نیز اگر آیت ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ ﴾ متروکۂ رسول کو بھی شامل ہو تو اسی متروکہ کو تو شامل ہوگی کہ جو مملوکۂ نبوی بھی ہو کیونکہ میراث تو اشیاء مملوکہ ہی میں جاری ہوتی ہے اور وقف کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی اور سب کو معلوم ہے کہ فدک منجملہ اموال فئی وقف تھا مملوکۂ نبوی نہ تھا کیونکہ آیت ﴿ وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ...الخ ﴾ (الحشر: ۶) اس پر صاف دلالت کرتی ہے کہ اموال بنی نضیر

وفدک وغیرہ سب کے سب منجملہ فیئ کے تھے اور سب وقف تھے اور حضور پُرنور ﷺ کا اپنی زندگی میں ان میں جو تصرف تھا وہ محض متولیانہ تھا نہ کہ مالکانہ کیونکہ ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ... الی آخرہ﴾ سے صاف ظاہر ہے کہ مال فیئ میں ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور فقراء مہاجرین اور انصار اور قیامت تک آنے والے مسلمان سب شریک اور حقدار ہیں جن کی تعداد معین نہیں اور نہ ہو سکتی ہے سو اموال فیئ کے مملوک ہونے کی کوئی صورت نہیں اور کتب شیعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فدک منجملہ اموال فیئ تھا۔

پس جب فدک مملوک ہی نہ ہوا تو وہ آیت ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ کے عموم میں کیسے داخل ہوگا اور جس طرح مال غیر مملوک میں میراث جاری نہیں ہو سکتی اسی طرح اس میں ہبہ اور عطیہ بھی جاری نہیں ہو سکتا معلوم ہوا کہ اہل تشیع جو ھبہء فدک کی روایت نقل کرتے ہیں وہ قطعاً غلط ہے اور بلاشبہ شیعوں کی ساختہ اور پرداختہ ہے۔

نیز جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کا ترکہ اُن کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے اس میں سے نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا حصہ دیا اور نہ حضرت عباس کے بعد اُن کے بیٹوں کو اور نہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اگر آپ کے ترکہ میں میراث جاری ہوتی تو یہ سب حضرات کیوں حق میراث سے محروم رہے جس طرح جناب سیدہ آپ کے ترکہ کی حق دار تھیں اسی طرح یہ سب حضرات بھی اس کے حق دار تھے۔

حضرات شیعہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ائمہ غصب شدہ چیز کو واپس نہیں لیتے اور باغ فدک چونکہ غصب ہو چکا تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس میں تصرف مناسب نہ سمجھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک جیسا باغ فدک غصب ہو چکا تھا اسی طرح آپ کے نزدیک خلافت بھی تو غصب ہو چکی تھی تو پھر اس کی کیا وجہ کہ جناب امیر نے ایک ادنیٰ درجہ کی غصب شدہ چیز (باغ فدک) کو تو چھوڑ دیا اور خلافت جیسی کارآمد غصب شدہ چیز کو قبول کر لیا جس کے پیٹ میں لاکھوں باغ فدک سما جائیں اور پتہ بھی نہ چلے اور آیت ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (النمل:۱۶) اور آیت ﴿هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ﴾ (مریم:۵) اس قسم کی آیت میں علم اور حکمت اور منصب نبوت کی وراثت مراد ہے دنیاوی ء لی عہدی اور مالی وراثت مراد نہیں۔ (دیکھو اجوبہ اربعین ۶۵ ج ۲)

باتفاق اہل تاریخ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس ۱۹ بیٹے تھے جو مالی وراثت میں سب برابر کے مستحق تھے پس اگر آیت مذکورہ میں مالی وراثت مراد ہوتی تو حق تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کے سب بیٹوں اور وارثوں کے ذکر کو چھوڑ کر سلیمان علیہ السلام کی تخصیص نہ فرماتے اس لیے کہ مالی وراثت میں سب بیٹے برابر ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت نہیں۔

نیز مالی وراثت میں دنیا کے تمام نیک و بد اپنے باپ کے مال کے وارث ہوتے ہیں اس میں کوئی فضیلت اور بزرگی نہیں جس کو حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضائل و مناقب میں بطور مدح ذکر فرمایا خدا تعالیٰ کو ایسی کیا ضرورت پیش آئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے فضائل و مناقب میں باپ کی مالی وراثت کا ذکر کیا جس میں دنیا کے تمام نیک و بد شریک ہیں غرض یہ کہ آیت مذکورہ میں وراثت سے مالی وراثت مراد لینے کی صورت میں نہ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کا کوئی فائدہ معلوم ہوتا ہے اور نہ اس سے ان کا کچھ فضل و کمال ظاہر ہوتا ہے بخلاف وراثت علم و نبوت سو اس صورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا فضل و کمال بھی ظاہر ہوتا ہے اور ان کی تخصیص کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ علم و نبوت ایسی چیز نہیں کہ سب لوگ اس کے وارث ہو سکیں۔

اور علیٰ ہذا آیت ﴿فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾ (مریم: ۵،۶) میں بھی وراثت مالی مراد نہیں بلکہ علم نبوت کی وراثت مراد ہے اس لیئے کہ اگر اس آیت میں وراثت سے مال کی وراثت مراد ہو تو یہ کلام محض لغو اور مہمل ٹھہرتا ہے کیونکہ اس صورت میں الفاظ ﴿وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾ (مریم: ۵،۶) کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہوسکتی اگر آل یعقوب سے مراد نفس یعقوب ہو تو لازم آئے گا کہ یعقوب علیہ السلام کا مال زکریا علیہ السلام کا زمانہ تک بغیر تقسیم کے باقی رہا اور اس بات کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کے زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ سے تقریباً دو ہزار برس پیچھے ہے اتنے عرصہ تک ان کے مال کا بغیر تقسیم کے باقی رہنا قیاس میں نہیں آسکتا اور اگر آل یعقوب سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی جملہ اولاد ہو تو لازم آئے گا کہ یحییٰ علیہ السلام تمام زندہ اور مردہ بنی اسرائیل کے وارث ہوں اور یہ بات پہلی بات سے بھی زیادہ غیر معقول ہے اور اگر آل یعقوب سے بعض اولاد مراد ہو تو پھر معلوم نہیں کہ وہ کون بعض مراد ہیں۔

نیز حضرت زکریا علیہ السلام جیسے پاک نفس کی نسبت جن کے دل میں دنیا کے مال ومتاع کی ایک مچھر کے برابر بھی وقعت نہ تھی وہ خدا تعالیٰ سے صرف اس لیے بیٹا مانگیں کہ اُن کے بعد وہ ان کے مال ومتاع کا وارث ہوسکے اور مبادا ان کے چچا زاد بھائی ان کے مال کے وارث نہ ہو جائیں اس بات کو کوئی عاقل ایک منٹ کے لیے بھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ اللہ کا نبی مالی وراثت کی وجہ سے اس درجہ رنجیدہ اور غمگین ہو۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ
اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں تو شاہد لاؤ ان پر
اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى
چار مرد اپنے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو بند رکھو گھروں میں جب تک
يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝۱۵ وَالَّذٰنِ
بھر لیوے ان کو موت یا کر دے اللہ ان کی کچھ راہ اور جو
يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ
دو کرنے والے کریں تم میں سے وہی کام تو ان کو ستاؤ پھر اگر توبہ کریں اور سنوار پکڑیں تو ان کا خیال چھوڑ دو
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۱۶
اللہ توبہ قبول کرتا ہے مہربان۔

اس لیے کہ فاحشہ جیسے زنا کو کہتے ہیں ایسے ہی لواطت کو بھی فاحشہ کہتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے قوم لوط کے حق میں فرمایا ہے: ﴿ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۰ ﴾ پس اگر آئندہ کے لیے یہ دونوں بدکاری سے توبہ کرلیں اور اپنی حالت کو درست کرلیں تو تم ان سے اعراض کرو نہ ملامت کرو اور نہ درپے ایذاء ہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے توبہ کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

فائدہ: اس قسم کے احکام اسلام کی خصوصیت ہیں کہ جن سے زنا کا دروازہ ہی بند ہوجاتا ہے اسی وجہ سے اسلام نے حجاب کا حکم دیا تاکہ انسان کی نگاہ بھی پاک اور محفوظ رہے مہذب قومیں جن میں بے حجابی ہے ان کو دیکھ لو کہ کس طرح ان میں بے حیائی اور بدکاری کا دروازہ کھلا ہوا ہے ایسی تہذیب تو قابل رجم (سنگساری) ہے جس سے بے حیائی کا دروازہ کھلے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور سو ان کی جو عمل کرتے ہیں برا نادانی سے پھر

يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

توبہ کرتے ہیں شتاب سے تو ان کو اللہ معاف کرتا ہے اور اللہ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور ان کی توبہ نہیں جو کرتے جاتے ہیں برے کام

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ

جب تک سامنے آئے ایسے کسی کو موت کہنے لگا میں نے توبہ کی اب اور نہ ان کو

يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۸

جو مرتے ہیں کفر میں ان کے واسطے ہم نے تیار کی دکھ کی مار۔

حکم نہم بیان شرائط قبول توبہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ . . . الٰى . . . اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۸ ﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ جو لوگ بدکاری کے مرتکب ہوں جب وہ توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلیں تو ان کو کسی قسم کی ایذاء نہ دو اب اس آیت میں قبول توبہ کی شرط کو بیان فرماتے ہیں جز ایں نیست کہ قبول توبہ کا وعدہ حق تعالیٰ پر انہیں لوگوں کے لیے ہے جو

بُرا کام کر بیٹھتے ہیں نادانی کے ساتھ پھر اس پر اصرار نہیں کرتے بلکہ جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں یعنی وقت کے اندر حضور موت سے پہلے ہی پس ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے اور حکمت والے ہیں خوب جانتے ہیں کہ کس نے اخلاص کے ساتھ حقیقۃً توبہ کی ہے اور حکمت والے ہیں کہ توبہ کے بعد سزا نہیں دیتے اور قبول توبہ کا وعدہ ان لوگوں کے لیے نہیں کہ جو متواتر گناہ کرتے ہیں یہاں تک کہ جب موت ان کے سامنے آ گئی اور عالم آخرت کی چیزیں ان کو نظر آنے لگیں تو کہنے لگے کہ اب میں نے توبہ کی اور نہ ان لوگوں کے لیے وعدہ ہے کہ جو کافر مرتے ہیں یعنی تادم مرگ تو کفر پر قائم رہے اور جب مرنے لگے اور احوال مرگ کے مشاہدہ سے آخرت کا یقین آ گیا اس وقت اپنے کفر سے توبہ کریں اور ایمان لائیں تو ان کی توبہ اور ایمان مقبول نہیں اس لیے کہ یہ توبہ اور ایمان اضطراری ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے نہیں یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مر جائیں اگر وہ آخرت میں اپنے کفر سے توبہ کریں گے تو ان کی وہ توبہ قبول نہ ہو گی کیونکہ آخرت دار الجزاء ہے دار العمل نہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے پہلی آیت مومن عاصی کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت کافر کے بارہ میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب موت سامنے آ کھڑی ہوئی اور آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور ملک الموت اور اس عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں تو ایسے وقت میں گنہگار مسلمان کی گناہوں سے توبہ اور کافر کی اپنے کفر سے توبہ مقبول نہیں اور اصل مقصود گنہگار مسلمان کو تنبیہ ہے کہ اپنے گناہوں سے جلد توبہ کر کافر کی طرح موت کا انتظار نہ کر۔

فوائد ولطائف:

(۱) بجھالۃ کے ظاہری معنی ناواقفیت اور نادانی کے ہیں جس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو گناہ نادانی سے سرزد ہو جائے تو وہ توبہ سے معاف ہو جائے گا ورنہ نہیں مگر یہ مطلب یہاں مقصود نہیں اس لیے کہ تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان سے جو گناہ بھی صادر ہو وہ جہالت اور نادانی ہی ہے خواہ عمداً ہو یا سہواً ہر معصیت جہالت میں داخل ہے اور اصطلاح شرع میں ہر گنہگار کو جاہل اور نادان کہتے ہیں اور فراء کہتے ہیں کہ ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ سے یہ مراد ہے کہ ان لوگوں کو معصیت کی کنہ اور حقیقت اور اس کی عقوبت کا علم نہ تھا۔

اور زجاج کہتے ہیں کہ جہالت سے یہ مراد ہے کہ لذت فانیہ کو لذت باقیہ پر ترجیح دی۔

(۲) ﴿مِنْ قَرِيبٍ﴾ کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ گناہ کے بعد فوراً توبہ کرے تو معاف ہو گا ورنہ نہیں سوجاننا چاہیے کہ یہ ظاہری مطلب مراد نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے بڑی وسعت عنایت فرمائی کہ انسانی کی موت تک جس قدر بھی زمانہ ہے وہ سب قریب ہی میں شمار ہو گا کیونکہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے احادیث میں آیا ہے کہ جب تک غرغرہ کی حالت نہ پیدا ہو اس وقت تک توبہ قبول ہوتی ہے اور جب نزع روح شروع ہو جائے اور فرشتے وغیرہ دکھائی دینے لگیں تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی اس لیے کہ اس وقت ایمان بالغیب نہیں رہا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ من قریب کے معنی یہ ہیں کہ دل میں گناہ کی محبت رچ جانے سے پہلے توبہ کر لے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ اور ﴿مِنْ قَرِيبٍ﴾ کی قید جمہور علماء کے نزدیک قید واقعی ہے اور احترازی نہیں مگر شیخ الہند رحمہ اللہ

---

[1] قال الفراء معنى قوله سبحانه بجهالته انهم لايعلمون كنه مافى العصيته من العقوبة فقال الزجاج معنى ذلك اختيار هم اللذة الفانيته على اللذة الباقة روح المعانى ص ٢١٤ ج ٤۔

کی رائے یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ قید جہالت اور لفظ قریب دونوں کو اپنی ظاہری معنی پر رکھا جائے ﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ ﴾ میں بھی لفظ علی اللہ کو ظاہر پر رکھا جائے اور مطلب آیت کا یہ ہو کہ قبول توبہ کا وعدہ اور ذمہ ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے کہ جو شخص ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ کر بیٹھے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر مطلع ہوتے ہیں تو جب ہی نادم ہو کر توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں سے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا اور جو لوگ دیدہ و دانستہ گناہ کرنے کی جرات کرتے ہیں یا متنبہ ہونے کے بعد بھی توبہ میں تاخیر کرتے ہیں تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ بھی اپنے فضل و احسان سے قبول کر لیتا ہے مگر ذمہ داری اور وعدہ نہیں جیسا کہ پہلے قسم کے لوگوں سے تھی خوب سمجھ لو کہ یہ مطلب نہایت لطیف ہے۔ اے اللہ! تو اپنی رحمت سے، معصیت سے ہماری حفاظت فرما اور توبہ کی توفیق عطا فرما۔ آمین!

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا
اے ایمان والو! حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زور سے اور نہ
تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ
ان کو بند رکھو کہ لے لو ان سے کچھ اپنا دیا مگر کہ وہ کریں
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ
بے حیائی صریح اور گزران کرو عورتوں کے ساتھ معقول پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں تو
فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـــًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲
شاید تم کو نہ بھاوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی اس میں بہت خوبی۔

حکم دہم ممانعت ظلم بر نسواں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ ... الی ... وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲ ﴾

ربط: اس آیت میں بھی منجملہ تعدی حدود اللہ کی ایک خاص صورت کو بیان فرماتے ہیں کہ عورتوں کا زبردستی مالک بن جانا یہ بھی حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص بیوی چھوڑ کر مرجاتا تو اس کا سوتیلا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا یا کوئی اور وارث آکر اس بیوہ عورت پر کوئی چادر ڈال دیتا اور یہ کہتا کہ جس طرح میں میت کے مال کا وارث ہوں اسی طرح اس کی بیوہ کا بھی وارث ہوں اس کے بعد اگر وہ چاہتا تو بغیر مہر کے خود سے نکاح کر لیتا یا کسی اور سے نکاح کر دیتا مگر اس کا مہر خود لے لیتا یا نہ خود نکاح کرتا اور نہ کسی سے اس کو نکاح کرنے دیتا تاکہ وہ جب مالدار بیوہ مرجائے تو اس کے تمام مال پر قبضہ کر لے حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان تمام ناشائستہ

افعال سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا اے ایمان والو تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کی جان و مال کے وارث بن جاؤ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم عورت کو میت کا ترکہ سمجھ کر اس کے وارث بن جاؤ اور زبردستی اس سے نکاح کر لو یا کسی دوسرے سے نکاح کرا دو اور اس کا مہر خود کھا جاؤ یا ان کو نکاح سے روکے رکھو تاکہ جب وہ مرجائیں تو ان کے مال کے وارث ہو جاؤ اس آیت میں یہاں تک تو خطاب اولیاء میت یعنی وارثوں کو تھا اب آئندہ آیت میں شوہروں کی تعدی کے متعلق حکم ارشاد فرماتے ہیں اور عورتوں کو محض اس لیے تنگ نہ کرو کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو اس میں کا کچھ حصہ ان سے واپس لے لو یعنی تم کو اس کی اجازت نہیں کہ عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ کر ان کو ایسا تنگ کرو کہ وہ خلع کرنے پر مجبور ہو جائیں اور غرض صرف اس قدر ہو کہ جو مال تم اس کو مہر میں دے چکے ہو وہ خلع کے بہانہ سے پھر واپس لے لو مگر اس صورت میں کہ جب عورتیں کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں مثلاً زنا کریں یا بدزبانی یا نافرمانی کریں تو ایسی صورت میں تم کو حق پہنچتا ہے کہ ان کو خلع پر اور مہر کی واپسی پر مجبور کرو جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا ہے: ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ... الآیۃ﴾ (البقرہ: ۲۲۹) یعنی زنا اور بدزبانی اور صریح نافرمانی کی صورت میں عورت کو مجبور کر کے مہر واپس لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے آج کل کی بعض آزاد عورتیں کہ جہاں چاہیں پھرتی ہیں ان کو خلع پر مجبور کرنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ امید ہے کہ عند اللہ واجب ہی ہوگا جب عورت کی آزادی سے نسب ہی مشتبہ ہو گیا تو نکاح سے کیا فائدہ ہوا اسکے بعد آئندہ آیت میں شوہروں کو حسن معاشرت کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کرو یعنی حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ اور نان و نفقہ کی خبر گیری رکھو اور اگر کئی بیویاں ہوں تو عدل اور انصاف کو ملحوظ رکھو پس اگر کسی وجہ سے تم ان کو ناپسند کرو تو صبر اور تحمل سے کام لو شاید عورتوں کی کوئی چیز تم کو ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سی خیر اور خوبی پیدا کر دے یعنی اگر تم کو کسی وجہ سے اپنی بیویاں ناپسند ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن اخلاق اور خوبی اور نرمی کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے شاید ان سے کوئی اولاد صالح پیدا ہو جائے جو دنیا اور آخرت میں تمہارے کام آئے تو اس وجہ سے تمہاری کراہت و نفرت مبدل بہ محبت ہو جائے گی یا مثلاً اگر بیوی کچھ بدصورت ہے مگر سیرت اور عادت کے لحاظ سے اچھی ہے تو اس کی ظاہری صورت پر نظر نہ کرو بلکہ اس کی سیرت پر نظر کر کے حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ غرض یہ کہ اس آیت میں اس امر کی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہو تو اپنی طبیعت پر جبر کر کے صبر اور تحمل سے کام لو اگر ان میں کوئی چیز ناپسند ہو تو شاید کچھ خوبی بھی ہو اور اقل درجہ یہ ہے کہ صبر کا اجر تو کہیں ضائع نہیں ہو سکتا۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ
اور اگر بدلہ چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت اور دے چکے ہو ایک کو
قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا
ڈھیر مال تو پھر نہ لو اس میں سے کچھ کیا لیا چاہتے ہو ناحق اور صریح
مُّبِيْنًا ⑳ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ
گناہ سے۔ اور کیونکر اس کو لے سکو اور پہنچ چکے ایک دوسرے تک

وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

اور لے چکیں تم سے عہد گاڑھا۔

تتمہ مضمون سابق

اوپر کی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تمہاری بیویاں فحاشی کی مرتکب ہوں تو ان کو ضرر پہنچا کر خلع پر مجبور کرنا اور اس طرح ان سے دیا ہوا مہر واپس لے لینا روا ہے اب اس آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں بے قصور ہوں اور بدکار اور نافرمان نہ ہوں اور تم ان کو محض اپنی رغبت سے چھوڑنا چاہو تو پھر ان کو ستا کر اور تنگ کر کے اپنا دیا ہوا مہر ان سے واپس لینا تمہارے لیے روا نہیں خواہ وہ دیا ہوا مہر کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو کیونکہ جب وہ بے قصور ہیں تو ان کو ایذاء پہنچانا حرام ہے زمانہ جاہلیت کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت سے ناخوش ہوتا اور اسے چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتا تو پہلی عورت پر جھوٹ موٹ کوئی تہمت لگاتا اور مختلف طرح سے اس کو ستاتا تا کہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے تاکہ یہ مہر جدید نکاح میں کام آئے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور اگر تم محض اپنی رغبت سے ایک بیوی کی جگہ دوسری یعنی جو بیوی تمہارے نکاح میں ہے اور اس کا کوئی قصور بھی نہیں تو اس کو محض اپنی طبعی رغبت کی بناء پر طلاق دیکر دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے اس بیوی کو مال کا ایک خزانہ بھی دے چکے ہو تو تم اس دیئے ہوئے مال میں سے کوئی چیز واپس نہ لو کیا تم اس دیئے ہوئے مال کو تہمت لگا کر اور صریح گناہ کے ذریعہ واپس لینا چاہتے ہو۔ یعنی اگر تم بلاوجہ اور بے قصور پہلی بیوی سے مہر واپس لو گے تو یہ ناحق اور کھلا گناہ ہوگا اور بھلا تم اس دیئے ہوئے مہر کو کیسے اور کس طرح لیتے ہو حالانکہ ایک دوسرے سے خلوت او رتنہائی میں مل چکا ہے اور تمتع اور تلذذ سے کوئی مانع باقی نہیں رہا تو مہر تم پر واجب ہو چکا اب کس استحقاق سے تم اس کو ان سے واپس لیتے ہو اسی بناء پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ جب میاں اور بیوی ایک جگہ خلوت میں جمع ہو جائیں اور کوئی امر شرعی جماع سے مانع نہ رہا ہو تو عورت کا پورا مہر مرد کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے خواہ جماع متحقق ہو یا نہ ہو کیونکہ افضاء کے معنی فضاء یعنی خالی جگہ میں جانے کے ہیں معلوم ہوا کہ محض افضاء یعنی خلوت ہو جانے سے پورا مہر واجب ہو جاتا اور یہی جمہور صحابہ و تابعین کا مذہب ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک ہمبستری یعنی جماع کے بعد پورا مہر واجب ہوتا ہے اور اگر جماع سے پہلے طلاق دیدے تو اس کے ذمہ آدھا مہر ہوگا تفصیل کے لیے ابوبکر رازی رحمہ اللہ کی احکام القرآن کو دیکھیے۔

اور علاوہ ازیں وہ عورتیں تم سے مضبوط اور پختہ عہد لے چکی ہیں عہد سے مراد ایجاب اور قبول ہے یعنی جب تم نے گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیا اور مہر اور تمام حقوق اور لوازم نکاح کا التزام کر لیا جو بروئے نکاح تم پر عائد ہوتے ہیں پس اس عہد اور میثاق کے بعد مہر کا واپس لینا سخت بے مروتی اور عہد شکنی ہے اس آیت میں مہر واپس لینے کی حرمت کی دو علتیں بیان فرمائیں۔

اول یہ کہ تم ایک دوسرے سے تنہائی اور خلوت میں مل چکیں ہو اور جب مرد عورت تک پہنچ گیا اور جماع سے کوئی مانع باقی نہ رہا تو اس پر پورا مہر لازم ہو گیا۔

دوسری علت یہ بیان فرمائی کہ عورتیں ایجاب و قبول کے ذریعہ تم سے پختہ عہد لے چکی اور تمہاری ملک میں آ گئی ہیں بغیر

تمہارے چھوڑے دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتیں پس اس پختہ عہد کے بعد ان سے مہر کو واپس لینا اس عہد کے خلاف ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ

اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر جو آگے ہو چکا یہ

كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ ع ۸ ۱۴

بے حیائی ہے اور کام غضب کا اور بری راہ ہے۔ حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں

وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ

اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی

الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ

بیٹیاں اور جن ماؤں نے تم کو دودھ دیا اور دودھ کی بہنیں اور

اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ

تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں

الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ

سے تم نے صحبت کی پھر اگر تم نے صحبت نہیں کی تو تم پر گناہ

عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا

نہیں، اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہوں اور یہ کہ اکٹھے کرو

بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ ۙ

دو بہنوں کو مگر جو آگے ہو چکا اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم یازدہم تفصیل محرمات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ... الٰى ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾﴾

ربط: زمانہ جاہلیت میں نکاح کے معاملات میں بھی سخت افراط وتفریط ہوتی تھی اور حدود اللہ سے تعدی میں گرفتار تھے بعض لوگ اپنے

باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتے اور بعض اپنے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کر لیتے اور بعض دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرتے اس لیے حق تعالی نے ان آیات میں ان عورتوں کا ذکر فرمایا جن سے نکاح حرام ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت اور ممانعت کو بیان فرمایا اور مت نکاح میں لاؤ ان عورتوں کو جن کو تمہارے آباؤ اجداد نکاح میں لاچکے ہیں لیکن جو ہو چکا سو ہو چکا اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ جو چیز نہی اور ممانعت سے پہلے کی جاچکی ہے اس پر عذاب نہیں ہاں اگر آئندہ ایسا نکاح کرو گے یا ایسے نکاح پر قائم رہو گے اس پر سخت مواخذہ ہوگا کیونکہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا سخت بے حیائی ہے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اپنی ماں سے نکاح کرنے کے مشابہ ہے اور بڑا ہی مبغوض کام ہے۔ اہل مروت کی نظر میں یہ کام نہایت ہی معیوب اور غایت درجہ قبیح اور قابل نفرت ہے اسی وجہ سے اہل عرب اس لڑکے کو جو کہ باپ کی منکوحہ کے بطن سے پیدا ہوتا تھا مقتی کہتے تھے مقت کے معنی لغت میں سخت بغض کے ہیں اور نہایت ہی برا طریقہ ہے کہ باپ کی حرمت اور آبرو کو ملحوظ نہ رکھا کہ اس کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لے آیا۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرا ماموں میرے پاس سے گزرا اور اس کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے کہا کہ آپ کہاں جارہے ہیں تو یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک آدمی کی طرف بھیجا ہے کہ جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے کہ اس کا سر اتار لاؤں۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وغیرہم)

فائدہ: باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت میں تین لفظ فرمائے ایک فاحشہ اور دوسرا مقت اور تیسرا ﴿سَآءَ سَبِیۡلًا﴾ فاحشہ سے قبیح عقلی مراد ہے یعنی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلاً قبیح ہے اور مقتا سے قبیح شرعی مراد ہے یعنی شرعاً اور عند اللہ قبیح ہے موجب غضب خداوندی ہے اور ﴿سَآءَ سَبِیۡلًا﴾ سے قبیح عرفی مراد ہے یعنی برا طریقہ اور بری عادت ہے مطلب یہ ہوا کہ اس نکاح میں قبیح کی تمام مراتب جمع ہیں لہٰذا غایت درجہ قبیح ہوا اور ایسا شخص مستحق قتل ہوا۔

پھر جب باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت بیان فرما چکے تو اب ان عورتوں کی تفصیل فرماتے ہیں جن سے نکاح حرام اور باطل ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔

قسم اول محرمات نسبیہ

یعنی جو عورتیں نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں وہ یہ ہیں۔ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں یعنی تمہاری تمام اصول اور فروع عورتیں تم پر حرام ہیں خواہ وہ اصول وفروع بواسطہ ہوں یا بلاواسطہ اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری پھوپھیاں یعنی باپ دادا کی بہنیں خواہ کتنے ہی درجہ اوپر کی ہوں اور خواہ وہ باپ دادا کی عینی یا علاتی یا اخیافی بہنیں ہوں اور نانا کی بہن بھی پھوپھی کے حکم میں ہے اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری خالائیں یعنی تمہاری ماں کی بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور حرام کی گئیں تم پر تمہارے بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہن کی بیٹیاں یعنی تمہاری بھانجیاں یعنی جو عورتیں بھائی یا بہن کی نسل سے ہوں اور ان کا نسب بھائی یا بہن کی طرف منتہی ہوتا ہو وہ سب تم پر حرام ہیں۔

یہ سات قسمیں محرمات نسبیہ کی ہیں جو آدمی پر اس کے نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں اور ان کی حرمت تابیدی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سے نکاح حرام ہے۔

قسم دوم محرمات رضاعیہ

اور حرام کی گئیں تم پر وہ رضاعی مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور ایسے ہی تمہاری رضاعی بہنیں بھی تم پر حرام کی گئیں ہیں اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں ہی کی حرمت کا ذکر فرمایا حالانکہ رضاعی نانیاں اور رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں اور بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی حرام ہیں مگر حق تعالیٰ نے صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کے بیان پر اکتفا فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ رضاعت بمنزلہ نسب کے ہے اور جو ساتوں رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے اس کی صراحت فرمادی کہ ((یحرم من الرضاع مایحرم من النسب))۔

فائدہ: اور دودھ پینا وہی معتبر ہے جو زمانہ شیر خوارگی میں پیا ہو۔

قسم سوم محرمات صہریہ

یعنی جن عورتوں سے علاقہ نکاح کی وجہ سے نکاح حرام ہے اب ان کا ذکر فرماتے ہیں اور اسکی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے اور وہ زوجہ کی ماں یعنی ساس اور اس زوجہ کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہو مگر شرط یہ ہے کہ تم نے اس زوجہ سے صحبت بھی کی ہو اگر صحبت سے پہلے ہی کسی عورت کو طلاق دے دو تو اس مطلقہ کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے یہ شرط بیوی کی بیٹی کے لیے ہے مگر بیوی کی ماں یعنی ساس کے لیے یہ شرط نہیں جس عورت سے نکاح کر لے خواہ اس سے ابھی صحبت نہ کی ہو صرف نکاح کرنے سے اس عورت کی ماں یعنی ساس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں ان سے بھی تمہارا نکاح کبھی درست نہیں ہو سکتا اور دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام نہیں بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی قرابت والی عورت سے نکاح درست نہیں جیسے بیوی کی بہن کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا البتہ زوجہ کی موت کے بعد یا اس کو طلاق دے دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح ہو سکتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں یعنی ساسیں اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں لیکن یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ اس میں یہ قید ہے کہ وہ لڑکیاں ان بیویوں سے ہوں کہ جن سے تم نے صحبت کی ہو یعنی کسی عورت کے ساتھ صرف نکاح کر لینے سے اس کی لڑکی (جو پہلے شوہر سے ہو) اس دوسرے شوہر پر حرام نہیں ہو جاتی بلکہ جب نکاح کے بعد اس عورت سے صحبت بھی کر لے تب اس پر بیوی کی لڑکی حرام ہو جاتی ہے پس اگر تم نے ان عورتوں سے صحبت نہیں کی صرف ابھی نکاح ہی ہوا ہے اور صحبت کی نوبت نہیں آئی تو ایسی عورتوں کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

فائدہ ①: مرد کی بیوی کی لڑکی جو دوسرے خاوند سے ہو اس کو ربیبہ کہتے ہیں جس کی جمع ربائب ہے اور ربائب کی صفت میں جو فی حجور کم کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو تمہاری پرورش میں ہیں اور جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ ربیبہ یعنی عورت کے پہلے خاوند کی بیٹی تمہاری پرورش میں ہو تب تو اس سے تمہارا نکاح حرام ہے اور اگر تمہاری پرورش میں نہ ہو تو نکاح حرام نہیں بلکہ ربیبہ سے ہر حال میں نکاح حرام ہے خواہ تمہاری پرورش میں ہو یا نہ ہو اور فی حجور کم کی قید واقعی ہے کہ اکثر و بیشتر ربیبہ دوسرے شوہر کی پرورش میں رہتی ہے اور اس صفت کے بڑھانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ربیبہ جو تمہاری گود میں پل رہی ہے وہ بمنزلہ تمہاری بیٹی کے ہے اس سے نکاح کرنا گویا بیٹی سے نکاح کرنا ہے ربیبہ سے نکاح کی حرمت ظاہر کرنے کے لیے فی حجور کم کی یہ قید بڑھائی گئی اور حرام کی گئیں ہیں تم پر تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں یعنی تمہارے حقیقی بیٹوں کی عورتیں تم پر حرام ہیں بشرطیکہ وہ بیٹے تمہارے صلب (پشت) سے ہوں یعنی متبنّٰی اور منہ بولے اور لے پالک نہ ہوں کیونکہ لے پالک بیٹے کے حکم میں نہیں اپنے لے پالک (متبنّٰی) کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح جائز ہے اور حرام کیا گیا تم پر دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا یعنی دو سگی یا رضاعی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا حرام ہے اگر ایک عورت نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے ہاں اگر وہ مر جائے یا اس کو طلاق دے دیں تو اس حالت میں اس کی بہن یعنی اپنی سالی کے ساتھ نکاح کرنے میں مضائقہ نہیں اور اسی طرح ان دو عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جن میں اگر کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری سے اس کا نکاح ناجائز ہو مثلاً ایک پھوپھی ہو اور ایک بھتیجی یا ایک خالہ ہو اور ایک بھانجی مگر جو اس حکم سے پہلے گزر چکا یعنی ممانعت سے پہلے جو تم اس قسم کے نکاح کر چکے ہو اس پر ہم تم سے مواخذہ نہیں کریں گے مگر آئندہ ہرگز ہرگز ایسے نکاح نہ کرو اور جو پہلے سے دو بہنیں تمہارے نکاح میں موجود ہوں تو ان میں سے دوسری کو جدا کر دو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ ممانعت سے پہلے جو کر چکے ہو اس پر مواخذہ نہیں کرتا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ﴾ (التوبہ: ۱۱۵) اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ نہیں قرار دیتے جب تک ان کو کھول کر نہ بتلا دیں کہ فلاں چیز سے بچنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵) اور جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں اس وقت تک ہم عذاب نہیں دیتے۔

وَّ	الْمُحْصَنٰتُ	مِنَ النِّسَآءِ	اِلَّا	مَا	مَلَکَتْ	اَیْمَانُکُمْ ج	کِتٰبَ
اور	نکاح بندہی عورتیں		مگر	جن کے	مالک ہو جاویں	تمہارے ہاتھ،	حکم ہوا

اللّٰہِ	عَلَیْکُمْ ج
اللہ کا	تم پر۔

قسم چہارم شوہر والی عورتیں

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ج کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ج﴾

اور حرام کی گئیں تم پر شوہر دار عورتیں کہ جو کسی کے قید نکاح میں ہیں یعنی خاوند والی عورتیں تم پر حرام ہیں جب تک ان کے خاوند نہ مریں یا طلاق نہ دیں اور وفات یا طلاق کی عدت نہ گزر جائے تو دوسروں کو ان سے نکاح درست نہیں۔

فائدہ ②: خاوند والی عورتوں کو ﴿اَلْمُحْصَنٰتُ﴾ اس لیے فرمایا کہ لفظ محصنات، حصن بمعنی قلعہ سے مشتق ہے یعنی جو عورتیں نکاح کے قلعہ میں مقید ہیں، جب تک مالک دروازہ نہ کھولے اس وقت تک قلعہ سے باہر نہیں نکل سکتیں، خاوند نے یا نکاح نے ان کو مقید کر رکھا ہے مگر وہ خاوند والی عورتیں جو جہاد میں قید ہو کر آئیں اور ان کے شوہر ان کے ساتھ نہ ہوں اور تمہارے ہاتھ ان کے مالک ہو جائیں تو ایسی شوہر والی عورتیں حکم سابق سے مستثنیٰ ہیں مسلمان جب دار الحرب پر چڑھائی کر کے کسی عورت کو قید کر کے دار الاسلام میں لے آئیں اور اس کا شوہر وہیں دار الحرب میں رہ گیا ہو تو وہ عورت جس مسلمان کو غنیمت میں ملے گی وہ اس کے لیے حلال ہے اگرچہ اس کا شوہر دار الحرب میں زندہ موجود ہو اور اس نے طلاق بھی نہ دی ہو اس لیے کہ وہ عورتیں غنیمت میں تقسیم ہو جانے کے بعد تمہاری مملوکہ بن گئیں تو اس سے ان کا سابق نکاح ختم ہو گیا اور اب وہ غیر منکوحہ ہو گئیں اور مجاہدین کے ملک میں داخل ہو جانے کی وجہ سے پہلا ازدواجی تعلق بالکل ختم ہو گیا۔

فائدہ ③: جو عورت کافرہ دار الحرب سے پکڑی ہوئی آئے اس کے حلال ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گزر جائے اور اگر حاملہ ہو تو وضع ہو جائے اس سے پہلے اس سے صحبت روا نہیں۔

شانِ نزول:

صحیح مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ اوطاس میں جو عورتیں قید ہو کر آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابہ پر تقسیم کیا اور ان کے شوہر ان کی قوم میں تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان عورتوں سے صحبت کرنے میں تردد ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو اس پر آیت نازل ہوئی یعنی ﴿وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ﴾ یعنی جن عورتوں کے تم مالک ہو گئے وہ تمہارے لیے حلال ہیں اگرچہ ان کے خاوند دار الحرب میں زندہ موجود ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۲۱ ج ۵) وہکذا رواہ الامام احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۳ ج ۱)۔

اب ان سب محرمات کو بیان فرما کر اخیر میں بطور تاکید فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ حکم لکھ دیا ہے اس کی پابندی تم پر لازم ہے اور زجاج نے اس جملہ کے یہ معنی کئے ہیں کہ اللہ کی کتاب یعنی اس کے حکم کو اپنے اوپر لازم پکڑو یعنی اس کے حکموں پر چلو۔

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ
اور حلال ہوئیں تم کو جو ان کے سوا ہیں یوں کہ طلب کرو اپنے مال کے بدلہ قید میں لانے کو
غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
نہ مستی نکالنے کو پھر جو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے ان کو دو ان کے حق
فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ
جو مقرر ہوئے اور گناہ نہیں تم کو اس میں جو ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کئے پیچھے
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾
اللہ ہے خبردار حکمت والا۔

بیان شرائط نکاح

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . . . الی . . . اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾﴾

ربط: یہاں تک محرمات کا بیان تھا اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ان کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں یعنی ان سے نکاح کرنا تمہیں جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ:

① اول یہ کہ دونوں طرف سے طلب لسانی ہو یعنی ایجاب وقبول ہو۔

② دوم یہ کہ مال دینا یعنی مہر دینا قبول کرو۔

③ تیسرے یہ کہ ان عورتوں کو اپنی قید نکاح میں لانا اور ہمیشہ ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو یعنی ہمیشہ کے لیے وہ اس کی زوجہ ہو جائے بغیر اسکے چھوڑے نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو مہینہ یا برس دن تک اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا جس پر تمام اہل حق کا اجماع ہے۔

④ چوتھی شرط سورۂ مائدہ وغیرہ میں ذکر فرمائی کہ مخفی طور پر دوستانہ اور یارانہ نہ ہو یعنی کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کے شاہد اور گواہ ہوں اگر بدوں گواہوں کے ایجاب وقبول ہوا تو وہ نکاح نہیں ہوگا بلکہ زنا سمجھا جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور حلال کر دی گئیں تمہارے لیے وہ عورتیں جو ان محرمات مذکورہ کے سوا ہیں یعنی ان محرمات کے علاوہ اور

سب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ وہ یہ کہ تم اپنے مالوں کے بدلے ان کو اپنے نکاح میں لانا طلب کرو یعنی ایجاب وقبول بھی ضروری ہے اور مہر بھی ضروری ہے لفظ ابتغاء سے ایجاب وقبول مراد ہے اور بِاَمْوَالِكُمْ سے مہر کا قبول کرنا مراد ہے درانحالیکہ تم طالب عفت ہو اور بیوی بنا کر اس کو قید نکاح میں رکھنا اور اپنی شرمگاہ کو بدکاری سے محفوظ رکھنا مقصود ہو محض شہوت رانی اور مستی نکالنے والے نہ ہو جیسے زنا اور متعہ میں شہوت رانی مقصود ہوتی ہے عفت اور پاکدامنی مقصود نہیں ہوتی پس جن عورتوں سے تم صحیح نکاح کر کے فائدہ اور نفع اٹھا چکے ہو اور صحبت کی لذت حاصل کر چکے ہو اور کم از کم خلوت سے لطف اندوز ہو چکے ہو تو ان عورتوں کا جو مہر مقرر ہوا ہے وہ ان کو دیدو مطلب یہ ہے کہ صحبت اور خلوت سے پورا مہر لازم ہو جاتا ہے ہاں اگر خلوت اور صحبت سے پہلے ہی مرد عورت کو طلاق دے دے تو پھر نصف مہر دینا ہوگا اور اگر عورت کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے نکاح ٹوٹ جائے تو زوج کے ذمہ سے سارا مہر ساقط ہو جائے گا اور اس کو کچھ دینا نہیں پڑے گا اور تم پر اس بارہ میں کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقرر کرنے کے بعد باہمی رضامندی سے مہر کی مقدار میں کچھ کمی اور زیادتی کر دو مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر کچھ کم کر دے یا مرد اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دیدے تو اس میں کوئی حرج نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور حکمت والا ہے کہ جس نے ان سراپا حکمت ومصلحت احکام کو مشروع فرمایا اس کی متابعت میں تمہارے لیے خیر و برکت ہے اور اسکی مخالفت میں سراسر خسران اور حرمان ہے۔

فائدہ: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان محرمات مذکورہ کے سوا سب عورتوں سے نکاح جائز ہے حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ان محرمات مذکورہ کے علاوہ اور بھی چند عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے سو جاننا چاہیے کہ وہ عورتیں درحقیقت باعتبار عموم اور اشارہ کے انہیں محرمات مذکورہ میں داخل ہیں اور احادیث نبویہ آیات قرآنیہ کی تفسیر ہیں پس وہ عورتیں درحقیقت ماسوا میں داخل ہی نہیں۔

لطائف ومعارف

علماء اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آیت ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ میں نکاح صحیح کے ذریعہ نفع اٹھانا مراد ہے اور اجورہن سے منکوحہ عورتوں کے مہر مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم جن عورتوں سے نکاح کر کے خلوت یا صحبت کا نفع اٹھا چکے ہو تو ایسی عورتوں کا پورا مہر دینا تمہارے ذمہ واجب ہو گیا جیسا کہ دوسری جگہ ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ آیا ہے چنانچہ ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ کے بعد فریضہ کا لفظ اس لیے بڑھایا گیا ہے کہ نکاح صحیح کے بعد اگر خلوت صحیحہ کی نوبت آجائے تو جتنا مہر مقرر ہوا ہے وہ سارا دینا آئے گا اور اس آیت میں فریضہ کا لفظ ایسا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ﴾ اور اگر خلوت اور صحبت سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دی ہو تو پھر تم پر پورا مہر واجب نہ ہوگا بلکہ نصف مہر واجب ہوگا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (شیعہ) کہتے ہیں کہ اس آیت میں استمتاع سے متعہ کرنا مراد ہے اجورھن سے متعہ کا معاوضہ مراد ہے اور یہ آیت صراحۃً جواز متعہ پر دلالت کرتی ہے خصوصاً جب کہ پیشواء اہل سنت ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ کا لفظ آیا ہے جو صراحۃً تحدید مدت پر دلالت کرتا ہے جو متعہ میں ہوا کرتی ہے نہ کہ نکاح میں نیز لفظ اجورھن اسی طرف مشیر ہے کہ یہ عقد اجارہ ہے۔

جواب: حق یہ ہے کہ یہ آیت تو صراحۃً ور علانیۃً متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت میں منھن کی ضمیر انہی منکوحہ عورتوں کی طرف راجع ہے جن سے حق تعالیٰ نے ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ... الخ﴾ میں نکاح کو حلال قرار دیا اور جن کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم ان کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو اور پھر حلت نکاح کے لیے یہ شرط لگادی کہ ماسوا محرمات مذکورہ کے اور عورتوں سے نکاح اس شرط کے ساتھ حلال ہے کہ تم عفت اور احصان کے طالب ہو مستی نکالنے والے نہ ہو۔

پس جب خدا تعالیٰ نے صریح لفظوں میں مستی نکالنے کی ممانعت کردی تو متعہ کی کہاں گنجائش رہی نکاح اور زنا میں یہی تو فرق ہے کہ نکاح سے مقصود نسل ہوتی ہے اور زنا سے محض شہوت رانی اور ظاہر ہے کہ زنا اور متعہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اولاد نہ زنا سے مقصود ہوتی ہے اور نہ متعہ سے دنوں کا مقصود شہوت رانی ہے جس کی خدا تعالیٰ نے ممانعت فرمادی۔

نیز آیت ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ گزشتہ آیت پر متفرع ہے جس میں نکاح اور شرائط نکاح کا بیان تھا یہ تفریع منکوحات سے متعلق ہے کوئی جدید حکم نہیں بلکہ حکم سابق کا جزء ہے کیونکہ ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ میں حلت نکاح کا بیان تھا جیسا کہ حرمت علیکم میں حرمت نکاح کا بیان تھا ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ اسی پر تفریع ہے جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام پہلے کلام سے متعلق ہے اگر یہ مستقل کلام ہوتا تو بجائے فاء کے واو لاتے نیز ﴿مِنْهُنَّ﴾ کی ضمیر انہی خاص نساء کی طرف راجع ہے جن کا نکاحی ہونا پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے مضمر کی ضمیر خاص مذکور ہی کی طرف راجع ہوتی ہے معلوم ہوا کہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ میں نکاح صحیح کے ذریعہ استمتاع اور انتفاع مراد ہے شیعوں والے متعہ کا استمتاع اور انتفاع مراد نہیں ورنہ اوّل کلام اور آخر کلام میں تعارض لازم آئے گا کہ اوّل کلام میں تو نکاح اور شرائط نکاح کا ذکر ہو اور آخر کلام میں بلا شرط عورتوں سے نفسانی اور شہوانی انتفاع کی اجازت ہو اور ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت ﴿اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ قراءت شاذہ ہے جو تفسیر کا حکم رکھتی ہے اور وجہ تفسیر کی یہ کہ ﴿اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ﴿اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ کی غایت ہے اور لفظ اجل نکرہ ہے جو قلیل و کثیر سب کو شامل ہے ایک ساعت قلیلہ سے لے کر زمانہ دراز تک کو اجل کہہ سکتے ہیں اور استمتاع کے معنی انتفاع کے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ نکاح صحیح کے بعد جس قدر اور جتنی مدت بھی تم کو استمتاع اور انتفاع کی نوبت آئے تو تم کو سارا مہر لازم ہوگا نکاح کے بعد جس شخص نے منکوحہ سے اجل طویل اور مدت دراز تک استمتاع اور انتفاع کیا ہو جس طرح اس پر پورا مہر واجب ہوجاتا ہے اسی طرح اس شخص پر بھی پورا مہر واجب ہوگا جس نے نکاح صحیح کے بعد اپنی منکوحہ سے استمتاع اور انتفاع قلیل کیا ہو یعنی بقدر خلوت صحیحہ اس سے متنفع ہوا ہو الغرض شیعہ ﴿اِلٰٓی اَجَلٍ﴾ کو عقد کی انتہاء اور غایت سمجھ کر بہک گئے اگر استمتاع اور انتفاع کی غایت اور نہایت سمجھتے تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے اور ﴿اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ میں تضمین معنی عقد کی ضرورت نہ پڑتی۔ (دیکھو اجوبہ اربعین حصہ دوم ص ۷۳ مصنفہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ)

شبہ: لفظ ﴿اُجُوْرَهُنَّ﴾ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اجرت دیکر مدت معینہ کے لیے استمتاع جائز ہو۔

جواب: اس شبہ کا یہ ہے کہ اس آیت کے متصل جو دوسری آیت ہے اس میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ آیا ہے اس آیت میں صراحۃً ذکر نکاح کے بعد اجورھن کا لفظ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح میں مدت محدود نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ لفظ اجورھن تحدید مدت کو مقتضی نہیں۔ پس اسی طرح آیت استمتاع میں بھی سمجھو کہ لفظ اجورھن تحدید

مدت کو مقتضی نہیں کہ شیعوں کی مطلب برآری ہو سکے اور مہر چونکہ درحقیقت عورتوں کے منافع کا عوض اور بدل ہے نہ کہ ان کی ذوات کا اس لیے اس کو اجر کہا گیا اور قرآن کریم میں متعدد جگہ اجر بمعنی مہر آیا ہے از انجملہ یہ آیت ہے: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ (الممتحنہ:۱۰)۔

جواب دیگر: نیز قراءت ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ میں برتقدیر ثبوت اجل مسمی سے موت مراد ہے یا ﴿اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ فی علم اللہ مراد ہے جو وقت طلاق وموت وغیرہ سب کو شامل ہے اور اجل معین فیما بین المتعاقدین مراد نہیں کہ جس سے متعہ مفہوم ہو سکے۔

جواب دیگر: اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ابی بن کعب کی یہ قراءت الی اجل مسمی صحیح ہے اور شاذ بھی نہیں اور آیت میں استمتاع سے متعہ ہی مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں متعہ مباح تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور آیت اور احادیث میں اس کی حرمت بتلا دی گئی لہٰذا آیت استمتاع سے اگر جواز متعہ ہی مراد لیا جائے تو یہ کہا جائے گا یہ اس آیت میں اس وقت کا حکم مذکور ہے کہ جب متعہ مباح تھا اور نسخ کے بعد یہ حکم باقی نہیں رہا۔ (دیکھو: منهاج السنته ص ۱۵۵ ج ۲ للحافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ)

((و قال سعيد بن المسيب نسختها آية الميراث اذ كانت لاميراث فِيْهَا)). روى الدار قطني عن علي بن ابى طالب قال نهى رسول الله ﷺ عن المتعة قال وانما كانت لمن لم يجد فلما نزل النكاح والطلاق والعدة والميراث بين الزوج والمرأة نسخت. (تفسير قرطبى ص ۱۳۰ ج ۵)

ترجمہ: "سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ متعہ کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا جبکہ متعہ میں متاعی عورت کو میراث نہیں ملتی"۔

ابتداء اسلام میں کس قسم کا متعہ جائز تھا

حضرات شیعہ جس قسم کے متعہ کے جواز کے قائل ہیں وہ متعہ تو کسی دین میں کسی وقت بھی جائز نہیں ہوا اور نہ وہ متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا اس لیے کہ شیعوں کے متعہ اور زنا میں کوئی فرق نہیں اور زنا کسی دین میں کسی وقت بھی حلال نہیں ہوا تمام شریعتیں اور تمام ادیان زنا کی حرمت پر متفق ہیں۔

ابتداء عالم سے لے کر اس وقت تک اطراف عالم میں کسی دین میں آسمانی ہو یا زمینی سوائے مذہب شیعہ کے متعہ کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا سوائے گرفتاران ہواء وہوس کوئی ادنی حیا والا بھی اس فحش صریح کی حلت کا تصور بھی نہیں کر سکتا شیعوں کے نزدیک متعہ کی حقیقت یہ ہے کہ محرمات اور شوہر دار کے سوا جس کسی عورت سے جتنی مدت کے لیے چاہے جس قدر اجرت معینہ پر وہ راضی ہو سکے بلا گواہ و شاہد کے اس سے عقد کرے اور اس مدت مقررہ کے گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے وہ خود ہی اس سے جدا ہو جاتی ہے اور جدائی کے بعد اس پر کسی قسم کی عدت نہیں اور یہ متعہ اہل تشیع کے نزدیک نکاح کی ایک قسم ہے اور اعلی ترین عبادت ہے اور اہل سنت کے نزدیک متعہ صریح زنا اور کھلی بے حیائی ہے اور جو متعہ شروع اسلام میں جائز یعنی غیر ممنوع تھا اس کی حقیقت صرف نکاح موقت ہے یعنی ایک مدت معینہ کے لیے گواہوں کے سامنے ولی کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کیا جائے اور مدت معینہ گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے مفارقت ہو جائے لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لیے ایک مرتبہ ایام ماہواری یعنی ایک حیض کا آ جانا ضروری ہے تا کہ دوسرے نطفہ کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے فقط یہ صورت ابتداء اسلام میں جائز تھی بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی باقی رہا متعۂ متعارف

کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک دو روز کے لیے منتفع ہوں گا اور اس ایک روز یا دو روزہ انتفاع کی تجھ کو یہ اجرت دوں گا یہ صریح زنا اور عین زنا ہے متعہ کی یہ صورت کبھی بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی تا کہ یہ کہا جائے کہ شروع میں جائز تھا اور بعد میں منسوخ ہو گیا بلکہ متعہ کی یہ صورت تو کسی دین میں بھی حلال نہیں اس لیے کہ متعہ کی یہ صورت تو صریح زنا ہے اور زنا کسی دین میں کبھی حلال نہیں ہوا۔

البتہ متعہ بمعنی نکاح مُوَقّت (یعنی مدت معینہ کے لیے گواہوں کی موجودگی میں ولی کی اجازت سے نکاح کرنا اور پھر مدت معینہ گزر جانے کے بعد ایک حیض عدت گزارنا اور بغیر ایک حیض آئے دوسرے مرد سے متعہ نہ کر سکنا)۔

اس قسم کا نکاح ایک برزخی مقام ہے یعنی ان قیود و شرائط کے ساتھ نکاح مَوقّت، نکاح مطلق اور زناء محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے کہ جو نہ تو زنا محض ہے اور نہ نکاح مطلق ہے کہ جس میں عدت اور میراث ہو نکاح متعہ کی یہ صورت حقیقی نکاح نہیں بلکہ نکاح حقیقی کے ساتھ صرف ظاہری طور پر مشابہ ہے کہ نکاح متعہ کی اس صورت میں گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول اور ولی کی اجازت ضروری ہے اور مرد سے علیحدہ ہو جانے کے بعد اگر دوسرے مرد سے متعہ کرنا چاہے تو جب تک ایک حیض نہ آ جائے اس وقت تک دوسرے مرد سے متعہ نہیں کر سکتی اس لیے اس صورت کو محض زنا بھی نہیں کہا جا سکتا ایسے نکاح موقت میں (کہ جس میں ابتداء میں گواہی اور اذن ولی ضروری ہو اور انتہاء میں استبراء رحم کے لیے ایک حیض کا آنا ضروری ہو) اور نکاح صحیح و مؤبّد میں صرف مؤقت اور مؤبد کا اور میراث اور عدم میراث کا فرق ہے باقی شرائط میں متفق ہیں۔

اور احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف نکاح موقت کی رخصت اور اجازت دی تھی اور متعہ کی اجازت نہیں دی تھی اور جس نے اس کو متعہ کہا تو وہ صرف مجازاً کہا ہے یا باعتبار مشابہت کے کہا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

روی اللیث بن سعد عن بکیر بن الاشج عن عمار مولی الشرید قال سألت ابن عباس رضی اللہ عنہما عن المتعۃ اسفاح ھی ام نکاح قال لا سفاح ولا نکاح قلت فما ھی قال المتعۃ کما قال اللہ تعالی قلت ھل علیھا عدۃ قال نعم حیضۃ قلت یتوارثان قال لا. (تفسیر قرطبی ص ۱۳۲ ج ۵)

ترجمہ: "امام لیث بن سعد بکیر بن اشج سے راوی ہیں کہ عمار مولائے شرید کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے متعہ کے متعلق سوال کیا کہ متعہ زنا ہے یا نکاح فرمایا متعہ نہ زنا ہے اور نہ نکاح میں نے پھر سوال کیا کہ آخر وہ ہے کیا۔ فرمایا وہ متعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لفظ متعہ کا اطلاق کیا ہے میں نے سوال کیا کہ متعہ والی عورت پر عدت ہے فرمایا ہاں متعہ کی مدت کے گزر جانے کے بعد اس پر ایک حیض کا انتظار کرنا واجب ہے میں نے سوال کیا کہ کیا وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے فرمایا نہیں"۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح متعہ بمعنی نکاح مؤقت بشرائط مذکورۂ بالا ایک برزخی مقام ہے یعنی نکاح مطلق اور زناء محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے۔

ابتداء اسلام میں فقط اس قسم کا نکاح متعہ جائز تھا اور بایں معنی جائز اور مباح تھا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم و رواج کے مطابق لوگ اس قسم کا متعہ کیا کرتے تھے اور شریعت میں اس نکاح متعہ یعنی نکاح مؤقت بشرائط مذکورۂ بالا کی ممانعت اور حرمت کا ابھی تک کوئی حکم

نازل نہیں ہوا تھا جیسا کہ شراب اور سود کے ابتداء اسلام میں مباح اور حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ابتداء اسلام میں حق تعالیٰ کی طرف سے شراب اور سود کی ممانعت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جن لوگوں نے حرمت اور ممانعت سے پہلے شراب پی یا سود لیا شریعت کی طرف سے ان پر کوئی حد جاری نہیں کی گئی اور نہ ان کو کوئی سزا دی گئی یہاں تک کہ شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔

ابتداء اسلام میں شراب اور سود کے حلال ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ شریعت کی طرف سے اجازت تھی کہ جس کا جی چاہے شراب پیئے اور جس کا جی چاہے سود لے اسی طرح نکاح متعہ بمعنی نکاح مؤقت کے ابتداء اسلام میں جائز اور مباح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ابتداء اسلام میں نکاح متعہ کی ممانعت نہ تھی معاذ اللہ۔ معاذ اللہ اباحت کے یہ معنی نہیں کہ حضور پرنور ﷺ نے قولاً نکاح متعہ کی اجازت دی تھی نکاح متعہ کی حرمت کا پہلا اعلان غزوۂ خیبر میں ہوا اور پھر غزوۂ اوطاس میں اور پھر غزوۂ تبوک میں اور پھر حجۃ الوداع میں تا کہ عوام اور خواص کو اس کی حرمت کا خوب علم ہو جائے اور حضور پرنور ﷺ کا حرمت متعہ کے متعلق یہ بار بار اعلان اسی پہلی حرمت کی تاکید در تاکید کے لیے تھا کہ جو آپ غزوۂ خیبر میں فرما چکے تھے کوئی جدید حکم نہ تھا باقی شیعوں والا متعہ شنیعہ کہ مرد عورت سے ایک دن یا دو دن کے لیے معاوضہ طے کر کے متمتع ہو تو یہ خالص زنا اور صریح بدکاری ہے یہ صورت کبھی بھی اور کسی وقت بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی چہ جائیکہ منسوخ ہو جیسے زنا نہ کبھی مباح ہوا اور نہ منسوخ ہوا۔

دلائل تحریم متعہ

اب ہم اختصار کے ساتھ حرمت متعہ کے چند دلائل ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

دلیل اول:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ۚ﴾ (المومنون) یعنی فلاح اور بہتری ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر صرف اپنی عورتوں پر اور اپنی باندیوں پر سو یہ لوگ قابل ملامت نہیں پس جو شخص اس کے سوا کوئی اور طریقہ نکالے تو ایسا شخص حدود شریعت سے تجاوز کرنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو نہ شیعہ زوجہ کہتے ہیں اور نہ ان کے مخالفین کے نزدیک وہ زوجہ ہے اس لیے کہ متعہ والی عورت کے لیے مرد کے ذمہ نہ نان ونفقہ ہے اور نہ سکنی (یعنی رہنے کا مکان) اور نہ اس کے لیے طلاق ہے اور نہ عدت ہے اور نہ میراث ہے اور نہ زن متعہ شرعاً لونڈی اور باندی ہے اور نہ بیع وشراء وہبہ اور عتق کے سب احکام جاری ہوتے ہیں جب یہ ثابت ہو گیا کہ زن متعہ نہ زوجہ ہے اور نہ باندی تو متعہ کرنے والی اور والا منجملہ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ یعنی حدود شرع سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

دلیل دوم:

﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں تم عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے ساتھ نکاح نہ کرو بلکہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کر لو جو تم کو پسند آئیں خواہ دو سے خواہ تین سے اور خواہ چار سے پس اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ چند عورتوں

میں عدل اور انصاف نہ کرسکو گے تو صرف ایک عورت کے نکاح پر اکتفاء کرو یا اپنی شرعی مملوکہ باندی سے منتفع ہو اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ صرف چار عورت تک نکاح میں رکھنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ متعہ میں کسی عدد کی تعیین اور تحدید نہیں پس جس عورت سے متعہ کیا جائے گا نہ تو وہ منکوحہ ہوگی اور نہ شرعی لونڈی ہوگی تو ضرور بضرور وہ حرام ہوگی اس لیے کہ اباحت اور اجازت اس آیت میں صرف انہی دو قسموں میں منحصر ہے کہ منکوحہ ہو یا شرعی باندی ہو۔

دلیل سوم:

قَالَ اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ حق جل شانہٗ نے گزشتہ آیات میں محرمات عورتوں کی تعداد بیان فرمائی اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان محرمات کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ مگر چار شرط کے ساتھ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب وقبول کرو یہ مطلب ہے ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا﴾ کا۔ دوم یہ کہ مال دینا قبول کرو جسے مہر کہتے ہیں یہ مطلب ہے ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ کا جس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ضروری ہے سوم یہ کہ نکاح سے قید میں لانا مقصود ہو صرف آب ریزی یعنی فقط مستی نکالنا اور منی گرانا مقصود نہ ہو اور قید میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلا شرکت غیرے اس مرد کی ہو جائے کہ بغیر اس کے چھوڑے ہوئے اس کی قید نکاح سے نہ نکل سکے اور اس کی قید نکاح میں ہوتے ہوئے عورت کسی سے راہ و ربط نہ پیدا کر سکے مطلب یہ ہے کہ محرمات مذکورہ کے سوا اور عورتوں سے نکاح جب جائز ہے کہ مہر مقرر کرنے کے بعد نکاح سے غرض احصان (عفت) حاصل کرنا ہو اور عفت کے معنی اپنی شرمگاہ کو بدکاری سے اور نفس کو ملامت اور عذاب سے بچانے کے ہیں اور غیر مسافحین کے معنی یہ ہیں کہ مقصود شہوت رانی نہ ہو لفظ ﴿مُسٰفِحِيْنَ﴾ سفح سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی منی گرانے کے ہیں زنا سے یہی مقصود ہوتا ہے بقاء نسل مقصود نہیں ہوتا جیسا کہ ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود نکاح سے توالد اور تناسل ہے پس ﴿مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ کی قید سے متعہ خود بخود باطل ہو گیا اس لیے کہ متعہ میں صرف مستی کا نکالنا اور منی کا گرانا مقصود ہوتا ہے عفت اور پاکدامنی مقصود نہیں ہوتی اور نہ وہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے ہر ہفتہ اور ہر مہینہ جدید آشنا کے پاس ہوتی ہے اسی وجہ سے شیعہ مذہب کا یہ فتویٰ ہے کہ جس شخص نے متعہ تو کیا ہو مگر نکاح نہ کیا ہو تو ایسا شخص اگر زنا کر بیٹھے تو اس پر رجم نہیں اس لیے کہ رجم کے لیے احصان شرط ہے جو نکاح سے حاصل ہوتی ہے متعہ سے حاصل نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ متعہ میں شیعوں کے نزدیک بھی احصان حاصل نہیں ہوتا۔

چہارم یہ ہے کہ علی الاعلان گواہوں کے سامنے ہو پوشیدہ طور پر نہ ہو جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ہے: ﴿وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ یعنی اور خفیہ اور پوشیدہ طور پر آشنائی کرنے والی نہ ہوں یہی شرط (یعنی گواہوں کے سامنے ہونا) نکاح اور زنا کے درمیان فرق کرتی ہے نکاح گواہوں کے سامنے علی الاعلان ہوتا ہے اور زنا میں مخفی تعلقات ہوتے ہیں الحاصل جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تب جماع حلال ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ شرطیں متعہ میں نہیں پائی جاتیں اس لیے متعہ حلال نہیں ہوسکتا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرمات مذکورہ کے علاوہ جو عورتیں باقی ہیں وہ کیف ما اتفق حلال نہیں بلکہ بشرط ارادۂ احصان حلال ہیں۔

اور احصان کے لغوی معنی حفظ کے ہیں اور اصطلاح میں خاوند کا اپنی عورت کو ننگ و ناموس کی خاطر غیر مرد سے محفوظ رکھنے کا نام

احصان ہے اور ننگ و ناموس سے مراد یہ ہے کہ اس کا نسب اختلاط سے محفوظ رہے اور شریعت میں عدت کا حکم اسی اختلاط نسب سے حفاظت کے لیے ہے۔

دلیل چہارم:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (النور: ۳۲) یعنی جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے ان کو چاہیے یعنی جو مہر اور نفقہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے ان کو چاہیے کہ اپنی عفت اور پاکدامنی کو تھامے رکھیں اور اپنی عفت اور پاکدامنی کے تھامنے میں تکلیف کو گوارا کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور سامان نکاح (مہر و نفقہ) کی قدرت دے دیں۔

پس اگر متعہ جائز ہوتا تو کسی عورت کو ایک رات کے دو چار روپیہ دے کر اور دو چار مرتبہ جماع کر کے فراغت کر لیتے اور عفت اور پاکدامنی کی حفاظت اور تھامنے میں کسی تکلیف اور رنج اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی معلوم ہوا کہ عفت اور پاک دامنی کے بچانے اور تھامنے کے لیے سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ جب تک نکاح کی استطاعت میسر نہ آئے اس وقت تک تکلیف برداشت کرے اور روزہ اور صبر سے اپنی پاکدامنی کو تھامے رکھے۔

دلیل پنجم: حرمت متعہ کی ایک وجدانی دلیل

ہر شریف الطبع اور باغیرت انسان اپنے اور اپنی بیٹی اور اپنی بہن کے نکاح کے اعلان کو فخر سمجھتا ہے اور غائت مسرت اور انبساط کے ساتھ ولیمۂ نکاح پر اقارب اور احباب کو مدعو کرتا ہے بخلاف متعہ کے کہ اس کو چھپاتا ہے اور اپنی بیٹی اور بہن اور ماں کی طرف متعہ کی نسبت کرنے سے عار محسوس کرتا ہے۔ آج تک کسی ادنیٰ غیرت مند بلکہ کسی بے غیرت کے متعلق بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مجلس میں بطور فخر یا بطور ذکر ہی یہ کہا ہو کہ میری بیٹی اور میری بہن اور میری ماں نے اتنے متعے کئے ہیں نیز تمام عقلاء نکاح پر مرد اور عورت کو اور اس کے والدین کو مبارک باد دیتے ہیں مگر متعہ کے متعلق کہیں مبارک باد دیتے نہیں سنا۔

نیز نسب اور مصاہرت تمام عقلاء کے نزدیک ایک عظیم نعمت ہے جیسا کہ آیت قرآن واقعہ سورہ فرقان ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا﴾ (الفرقان: ۵۴) اس کی شاہد عدل ہے اور متعہ میں انسان ان دونوں نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے نہ نسب ہی ثابت ہوتا ہے اور نہ مصاہرت جس طرح انسان زنا میں ان دو نعمتوں سے محروم رہتا ہے اسی طرح متعہ میں بھی محروم رہتا ہے پس جس طرح محرومی نعمت میں متعہ اور زنا برابر ہیں اسی طرح حرمت میں بھی دونوں برابر ہیں۔

تحقیق مذہب ابن عباس رضی اللہ عنہما در بارۂ متعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اولاً حلت متعہ کے قائل تھے وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کو متعہ کے حرام ہونے کی اطلاع نہ تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت اور نصیحت سے جب اس کی حرمت پر مطلع ہوئے تو رجوع کیا اور یہ فرمایا: اللّٰهم انی اتوب الیك من قولی بالمتعة و قولی فی الصرف کما ذکرہ صاحب الکشاف وغیرہ من المفسرین و ذکرہ الامام الرازی فی تفسیرہ ص ۲۰۰ ج ۳۔

سبب عدم اطلاع ابن عباس رضی اللہ عنہما بتحریم متعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تحریم متعہ پر مطلع نہ ہونا مستبعد نہیں جن لوگوں کی نظر اس بات پر جاتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب خاص اور مقام با اختصاص حاصل تھا ان کو مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو تحریم متعہ کی اطلاع کیسے نہ ہوئی لیکن یہ حضرات اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کمیت عمر اور تعداد ایام سکونت کا لحاظ کرتے تو یہ استبعاد نہ ہوتا حقیقت حال یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہجرت مدینہ سے ایک دو سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور آٹھ نو برس کی عمر تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مکہ میں رہے جہاں احکام شرعیہ کی اطلاع نہیں پہنچتی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ فتح کے لئے ہجرت کے آٹھویں سال مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو ادھر مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ مع اہل وعیال کے ہجرت کے لئے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تو اپنے ہمراہ لے لیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اہل وعیال کو جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے ان سب کو مدینہ بھیج دو حسب الحکم حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اور سب ذریات اور مستورات کو مدینہ روانہ کر دیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے اور غزوۂ خیبر جس میں تحریم متعہ واقع ہوئی تھی وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مدینہ آنے سے دو سال پہلے ہو چکا تھا ان کو تحریم متعہ کی اطلاع کیسے ہوتی اور غزوۂ اوطاس کے بعد جو تحریم متعہ کا اعلان ہوا وہ فتح مکہ کے کچھ دن ہی بعد ہوا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس میں بھی شریک نہ تھے غرض یہ کہ ان غزوات میں جو واقعات پیش آئے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بذات خاص ان کی کچھ بھی خبر نہ ہو سکی صرف دوسرے صحابہ کی زبانی ان دو غزووں کا حال معلوم ہوا اور ہجرت کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ صرف دو سال صحبت نبوی سے مستفیض ہوئے اور اس عرصہ میں کوئی واقعہ متعہ کا پیش نہیں آیا اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو تحریم متعہ کی کوئی خبر نہیں ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب مسئلہ زیر بحث آیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ فلاں فلاں آیات قرآنیہ سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ سے معلوم ہوا کہ غزوۂ اوطاس میں متعہ کی اباحت واقع ہوئی تو ابن عباس نے یہ سمجھا کہ شدید ضرورت کے وقت فقط رفع ضرورت کی غرض سے فقط سفر میں متعہ حلال کیا گیا اور جب اشد ضرورت نہ ہو تو اس وقت بمقتضائے آیات قرآنیہ متعہ حرام ہے پس اباحت کو وقت ضرورت پر حمل کیا اور تین دن کے بعد جو متعہ حرام کیا گیا تو اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انقطاع رخصت بارتفاع ضرورت پر حمل کیا یعنی یہ سمجھا کہ ضرورت باقی نہیں رہی اس لئے متعہ حرام ہو گیا اور ہر حال میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے متعہ حرام نہیں ہوا یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تین دن کے بعد کی تحریم کو تحریم مؤبد نہ سمجھا بلکہ انقطاع رخصت بارتفاع ضرورت پر حمل کیا۔

معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب کی بناء اجتہاد پر تھی کہ جو مجموعۂ آیات اور قصۂ اوطاس پر نظر کر کے فرمایا۔ لیکن حقیقۃ الامر یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس اجتہاد میں خطا واقع ہوئی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا علم ہوا تو یہ فرمایا۔

انك رجل تائِه ان رسول الله ﷺ نهى عن المتعة.

”تحقیق تو مرد متحیر ہے تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔“

اس کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مابین عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر و دیگر صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین بار بار مکالمہ اور مباحثہ ہوا اور روایات حرمت ابدیہ پیش ہوئیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حلت عند الضرورت سے رجوع فرمایا اور تحریم مؤبد کے قائل ہوئے۔ جیسا کہ جامع ترمذی کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے:

((عن ابن عباس رضی الله عنهما انما کانت المتعة فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدة لیس له بها معرفة فیتزوج المرآة بقدر ما یری انه یقیم فتحفظ له متاعه و تصلح له شیه حتی اذ انزلت ﴿اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ ...الآیة. قال ابن عباس فکل فرج سواهما حرام)).

حاصل یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ابتداء میں متعہ کو میتہ کی طرح حالت اضطرار میں جائز بتلاتے تھے پھر جب مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے تحریم کی احادیث کا علم ہوا تو اخیر میں اس سے بھی رجوع فرمایا کیونکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بحث کرنے کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ اس لیے اپنے سابق فتوے سے رجوع کیا اور علیٰ ہذا جو حضرات لاعلمی کی وجہ سے جواز متعہ کے قائل تھے جب ان کو نسخ کا علم ہوا تو سب نے اپنے قول سے رجوع کیا اور تمام صحابہ و تابعین کا حرمت متعہ پر اجماع ہو گیا۔

اطلاع : ناظرین کرام کو تحریم متعہ کی اگر مزید تفصیل درکار ہو تو سیرۃ المصطفیٰ جلد سوم مؤلفہ ناچیز میں غزوۂ خیبر کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

شبہ یہ ہے کہ سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کی آیت جس سے متعہ کی حرمت ثابت کی گئی وہ مکی ہے اور تحریم مدینہ میں واقع ہوئی سب سے پہلے جو حرمت متعہ کا اعلان ہوا وہ غزوۂ خیبر میں ہوا ہے جو ۷ھ میں پیش آیا۔

جواب : بعض آیات سے بعض احکام بطور اشارہ مفہوم ہوتے پھر جب اللہ کا ارادہ ہوتا ہے کہ یہ حکم واضح کر دیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی وحی نازل ہو جاتی کہ آپ اس حکم کو لوگوں کے سامنے صاف طور پر بیان کر دیں اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس کو بتلا دیں۔ اس وقت وہ حکم اس آیت سے صراحۃً معلوم ہو جاتا ہے اور عوام اور خواص اس کے مکلف بن جاتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ وہ حکم عام طور پر واضح اور ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس کے واضح اور ظاہر کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوتی اگرچہ خواص اور اذکیاء نے بطور اشارہ اس حکم کو سمجھ لیا ہو مگر عام طور پر عام لوگ اس کے مکلف نہیں ہوتے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا﴾ (النحل:۶۷) اور بناتے ہو تم اس انگور سے نشہ والی چیز اور رزق حسن یعنی عمدہ روزی۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں سکراً کو رزق حسن کے مقابل ذکر فرمایا اور سکراً کے ساتھ حسن کی صفت ذکر نہیں فرمائی جس سے اشارۃً مفہوم ہوتا ہے کہ شراب اچھی چیز نہیں بلکہ حرام اور ممنوع ہے حالانکہ یہ آیت مکی ہے شراب حرام ہونے سے بہت قبل نازل ہوئی۔

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ﴾ (البقرہ:۲۱۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجیے کہ شراب اور جوئے میں بہت گناہ ہے اور ان دونوں میں لوگوں کے لئے فوائد اور منافع بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑھا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جس میں گناہ غالب ہو گا وہ شے حرام اور ممنوع ہو گی اس لیے کہ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بارہ میں یہ دعا کرتے تھے: اللّٰھم بیّن لنا فی الخمر بیانا شافیا۔

اے اللہ شراب کے بارہ میں کوئی واضح اور صاف حکم نازل فرما جس سے دل کو شفا اور اطمینان ہو جائے اور یہ دُعا نہیں کرتے تھے کہ اللہ شراب کو حرام فرما۔

اسی طرح سمجھیے کہ آیت مؤمنون اور آیت معارج میں حرمت متعہ کی طرف اشارہ تھا مگر جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت نہیں فرمائی تھی۔ اس وقت تک متعہ کی حرمت کا ثبوت اس آیت سے ظنی تھا آپ کی تصریح کے بعد اس کی حرمت قطعی ہو گئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حرمت کا اعلان فرما دیا تو وہ اشارہ اب مبدل بہ صراحت ہو گیا اور ظنیت مبدل بہ قطعیت ہو گئی سب سے پہلے آپ نے جنگ خیبر میں متعہ سے منع فرمایا اور اس کے بعد کے غزوات میں بار بار حرمت متعہ کا اعلان خطبوں میں فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حرمت متعہ کا خوب اعلان کرایا تا کہ کوئی شخص ناواقفی اور لاعلمی کی بنا پر متعہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ
اور جو کوئی نہ پائے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لاوے بیبیاں مسلمان
فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
تو جو ہاتھ کا مال ہیں آپس کی تمہاری لونڈیاں مسلمان اور اللہ کو بہتر معلوم ہے
بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ
تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک ہو سو ان کو نکاح کر لو ان کے لوگوں کے اذن سے
وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا
اور دو ان کے مہر موافق دستور کے قید میں آتیاں نہ مستی نکالتیاں اور نہ
مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ
یار کرتیاں چھپ کر پھر وہ جب قید میں آ چکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو ان پر ہے
نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ
آدھی وہ مار جو بیبیوں پر مقرر ہے یہ اس کے واسطے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے
مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع
سے اور صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ع ۴

حکم دوازدہم۔ متعلق بہ نکاح کنیزاں

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا . . . الی . . . وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵﴾

ربط: اُوپر سے نکاح کے احکام چلے آرہے ہیں اب آگے کنیزوں یعنی شرعی باندیوں سے نکاح کا حکم بیان فرماتے ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جس شخص کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو یعنی اس کے مہر ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کے خرچ خوراک اور پوشاک کا متحمل نہ ہو سکے تو وہ کسی مسلمان باندی سے نکاح کرلے اس کے مہر اور نان ونفقہ میں خرچ زیادہ نہ ہوگا اس کے بعد ارشاد ہے کہ اگر زنا کا خوف ہے تو ایسا کرلو ورنہ صبر کرنا بہتر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص تم میں سے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو تو اس باندی اور لونڈی سے نکاح کرلے جو تمہارے مسلمان بھائیوں کی مملوکہ ہے یعنی ایمان والی لونڈیوں میں سے کسی کنیز سے نکاح کرلے اور کنیز کو محض باندی ہونے کی وجہ سے حقیر نہ سمجھو اصل فضیلت کا دار ومدار ایمان اور اسلام اور اعمال صالحہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو کون کس درجہ کا مومن ہے ممکن ہے کہ وہ کنیز ایمان اور اسلام اور اعمال صالحہ میں آزاد مرد اور آزاد عورت سے بڑھ کر ہو اور حسب ونسب کی ظاہری کمتری پر بھی نظر نہ کرو تم میں کا بعض بعض کی جنس سے ہے یعنی سب ایک جنس ہو حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی اولاد ہونے میں سب شریک ہو لہٰذا نفرت اور عار کی کوئی وجہ نہیں سو تم ان ایمان والی کنیزوں سے نکاح کرلو ان کے مالکوں کی اجازت سے باندی کا نکاح بغیر اس کے مالک کی اجازت کے درست نہیں آزاد اور بالغ عورت تو اپنا نکاح خود کرسکتی ہے لیکن کنیز اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی جب تک اس کے مالک کی اجازت نہ ہو اور دے دو ان کا مہر موافق دستور کے یعنی ان کا مہر مِثل دے دو اور ان سے نکاح کی یہ اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ درحالیکہ وہ عفیفہ اور پاک دامن ہوں زنا کرنے والی اور بدکار نہ ہوں اور نہ در پردہ یارانہ کرنے والی اور چھپے طور پر آشنا بنانے والی ہوں یعنی نکاح انہیں لونڈیوں سے کرو جو پاک دامن ہوں ان سے نہ کرو جو بدکار اور زنا کار ہوں اور چھپے طور پر کسی سے یارانہ رکھتی ہوں۔

فائدہ ①: زنا کار وہ عورت کہلاتی ہے جو ہر ایک سے زنا کرائے اور چھپے طور پر یارانہ رکھنے والی وہ عورت ہے جو ہر ایک سے تو زنا نہ کرائے۔ البتہ کسی ایک شخص کو اپنا یار اور آشنا بنالے جُہلائے عرب پہلی قسم کے زنا کو حرام جانتے تھے۔ اور دوسری قسم کے زنا کو حلال (جیسا کہ آج کل کی متمدن قوموں اور ان کے مقلدوں کا مذہب بھی یہی ہے) اس لیے خدا تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرما کر یہ ظاہر فرمادیا کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں ہی حرام ہیں پس جب وہ کنیزیں نکاح میں آجائیں پس اس کے بعد اگر وہ بے حیائی یعنی زنا کریں تو جتنی سزا آزاد عورتوں کی ہے اس سے آدھی سزا ان کنیزوں کی ہے آزاد عورتوں سے صرف کنواری آزاد عورتیں مراد ہیں کیونکہ وہ اگر زنا کریں تو اس کی سزا سو ۱۰۰ کوڑے ہیں اور باندی کی سزا پچاس دُرّے ہیں شادی شدہ آزاد عورتیں اگر زنا کریں تو ان کی سزا رجم (سنگساری) ہے جس کا نصف ممکن نہیں اور لونڈی اور غلام کے لیے قبل نکاح اور بعد نکاح ہر حالت میں صرف پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں اور یہ لونڈیوں سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لیے ہے کہ جو تم میں سے گناہ اور بدکاری کی تکلیف میں پڑنے سے ڈرتا ہو یعنی اس کو یہ ڈر ہے کہ اگر نکاح نہیں کروں گا تو زنا میں مبتلا ہوجاؤں گا تو ایسے شخص کو باندی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے اور تمہارا صبر کرنا اور باندیوں کے نکاح سے بچا رہنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے کیونکہ لونڈی سے اگر نکاح کروگے تو تمہاری اولاد آزاد نہ ہو

گی بلکہ دوسرے کی غلام اور مملوکہ ہوگی جس میں تمہاری بے عزتی ہے اور بیوی کنیز ہونے کی وجہ سے مستقلاً تمہاری خدمت نہیں کرسکتی اور نہ مستقلاً تمہارے پاس رہ سکتی ہے جس میں سراسر تمہارا نقصان ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ باندیوں کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے لیکن اگر بدرجہ مجبوری تم نے باندی سے نکاح کرلیا تو مضائقہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ بدرجہ مجبوری تم کو باندیوں سے نکاح کی اجازت دی اور تمہاری کوتاہی سے درگذر فرمایا۔

فائدہ ②: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بلاضرورت مطلق باندی سے خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ نکاح فی حد ذاتہ درست ہے مگر مکروہ ہے اس لیے کہ وہ ﴿اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ اور ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ﴾ کے عموم اور اطلاق میں داخل ہے فی حد ذاتہ وہ حرام نہیں البتہ عوارض مذکورہ اور مفاسد بالا کی وجہ سے باندی سے نکاح مکروہ ہوگا اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک بدوں مجبوری اور لاچاری کے باندی سے نکاح درست نہیں تفصیل کے لیے احکام القرآن کو دیکھیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ
اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور چلا وے تم کو اگلوں کی راہ اور
يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ
تم کو معاف کرے اور اللہ جاننا ہے حکمت والا اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ
عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا
ہووے اور جو لوگ لگے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے وہ چاہتے ہیں کہ تم مڑ جاؤ راہ سے
عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ
بہت دور اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے
ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾
کمزور

ذکر الطاف وعنایات خداوندی بہ اہل اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ... الی ... وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾﴾

ربط: حلال وحرام کے احکام بیان کرنے کے بعد اہل اسلام پر اپنی عنایات اور الطاف کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسی چیزوں کا

حکم دیتا ہے جو تمہارے لیے سراسر باعث منفعت اور مصلحت ہوں اور شہوت پرست تم کو دوسری طرف لے جانا چاہتے ہیں شہوت پرستوں کے نزدیک حلال وحرام کی کوئی تقسیم نہیں خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے بیان کردے یعنی تمہارے فائدہ اور مصلحت کے لیے حلال وحرام کو خوب کھول کر بیان کردے تاکہ تمہیں کسی امر میں اشتباہ باقی نہ رہے اور تم حق اور باطل اور حلال اور حرام میں تمیز کرسکو اور تاکہ خدا تعالیٰ تم کو ان لوگوں کی راہ پر چلائے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں یعنی خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ جو انبیاء اور صالحین تم سے پہلے گزرے ہیں تم ان کی راہ پر چلو اور ان کی تقلید کرو اور تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر خاص عنایت اور رحمت مبذول فرمائے اور وہ عنایت اور رحمت یہی ہے کہ تم کو تمہارے حال پر نہ چھوڑے بلکہ تمہارے لیے ایسے احکام بیان کردے جن میں تمہارے لیے دین ودنیا کی مصلحتیں ہوں اور اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا حکمت والا ہے اس نے جو حکم دیئے ہیں انہی میں حکمت اور مصلحت ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو اور جو لوگ نفسانی شہوتوں کے تابع اور پیرو ہیں جدھر ان کی شہوت ان کو کھینچ کرلے جاتی ہے اس کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں اے مسلمانو! ان شہوت پرستوں کی خواہش یہ ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ اور انہی کے ہمرنگ بن جاؤ تم ان شہوت پرستوں کی طرف التفات نہ کرنا ہمارے حکموں پر چلنا اسی میں تمہارا نفع ہے ﴿ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّھَوٰتِ ﴾ سے زیادہ تر مجوس اور یہود اور زناکار مراد ہیں مجوسیوں کے نزدیک بہنوں اور بھتیجیوں سے نکاح حلال ہے اور یہود اپنی سوتیلی بہنوں اور بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حلال جانتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ اور مجوس جو اپنی خواہشوں کے تابع اور پیرو ہیں ان کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو راہ حق سے ہٹا دیں اور اپنے ڈھنگ کا بنالیں تم خدا کے حکموں پر چلو ان کی بات کی طرف التفات نہ کرو اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کردے اس لیے تم کو آسان دین عطا فرمایا اور جو چیزیں پہلوں پر حرام تھیں وہ تم پر حلال کردیں اور انسان فطرۃً کمزور پیدا کیا گیا ہے خواہشوں سے صبر کرنا اس کے لیے دشوار ہے اس لیے بوقت ضرورت اس کو باندی سے نکاح کی اجازت دی اور عورتوں کے باب میں اس پر تنگی نہیں کی اور تمام احکام میں اس کے ضعف کو ملحوظ رکھا اور سخت احکام کا اس کو مکلف نہیں بنایا اور طبعی خواہش پوری کرنے کے لیے جائز طریقے بتلا دیئے خلاصۂ کلام یہ کہ عورتوں کے بارہ میں جس قدر احکام تم کو دیئے گئے ان میں کوئی دشواری اور تنگی نہیں اور ان کی پابندی نہایت ضروری اور مفید ہے اور شہوتوں کا اتباع تمہارے لیے سراسر مضر ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْۤا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ

اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ

تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ ۟ قف وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

کہ سودا ہو آپس کی خوشی سے اور نہ خون کرو آپس میں اللہ کو تم

کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ

پر رحم ہے اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی سے اور ظلم سے تو ہم اس کو

نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝٣٠ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ

ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے اگر تم بچتے رہو گے بڑی چیزوں سے

مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝٣١

جو تم کو منع ہوئیں تو ہم اتار دیں گے تم سے تقصیریں تمہاری اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں

حکم سیزدہم - دربارۂ اتلاف اموال ونفوس

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ ... الٰی ... وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝٣١﴾

ربط: شروع سورت سے یتامیٰ کے اموال اور مواریث اور بے کس عورتوں کے تنگ کرنے کے متعلق احکام بیان فرمائے اور اخیر میں تعدی حدود اللہ سے ممانعت فرمائی اب ان آیات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ باہمی حقوق کا خیال رکھو نہ کسی کے مال کو ناجائز طریقہ سے کھاؤ اور نہ کسی کو قتل کرو اس لیے کہ کسی کے مال اور نفس میں ناجائز تصرف حدود اللہ سے تعدی اور تجاوز میں داخل ہے نیز کسی کی جان و مال میں ناجائز تصرف اتباع شہوات ہے اور ﴿سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ سے میل عظیم ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر سوداگری کے طریقہ سے کہ جو آپس کی رضامندی اور خوشی سے ہو مقصود یہ ہے کہ ناجائز طریقے سے کسی کا مال لینا جیسے غصب اور چوری اور خیانت اور سود و بیاج وغیرہ یہ تمہارے لیے حرام ہے۔ البتہ تجارت یعنی جائز طریقہ سے مال حاصل کرنا تمہارے لیے حلال ہے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ کرو دوسروں کے قتل کرنے کو اپنے قتل کرنے سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جب سب کا دین ایک ہے اور سب مانند شخص واحد کے ہیں لہٰذا کسی کو قتل کرنا اپنے ہی کو قتل کرنا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اپنے قتل کرنے سے حقیقۃً اپنا ہی قتل کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ خودکشی نہ کرو، خودکشی حرام ہے تم اپنی جان کے مالک نہیں کہ جو چاہے اس میں تصرف کرسکو مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور یہ جان اللہ تعالیٰ کی تمہارے پاس امانت ہے تم پر اس کی حفاظت واجب ہے بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے تم کو اچھی باتوں کا حکم دیا اور بری باتوں سے منع کیا تاکہ تم ہلاک نہ ہو جاؤ اللہ کی نافرمانی اپنے کو قتل کرنے کے مرادف ہے اور جو شخص زور اور ظلم سے اور تعدی اور ستم سے یہ کام کرے کہ ناحق کسی کا مال کھا جائے یا کسی کو بے قصور مار ڈالے پس البتہ ہم اس کو آگ میں ڈالیں گے اور یہ آگ میں جھونکنا اللہ پر بہت آسان ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز دشوار نہیں اس کی قدرت قدیمہ کے سامنے ہر چیز آسان ہے۔

فائدہ: عُدوان کے معنی زیادتی میں حد سے گذر جانا ہے اور ظلم کے معنی کسی کے حق میں ناحق دست درازی کرنا یہ قید اس لیے لگائی کہ کسی کو حق پر مارنا جیسے قصاص یا کسی کا مال دیت میں لینا یہ عدوان اور ظلم نہیں۔

اور ذٰلک کا مشار الیہ یا تو اکل اموال بالباطل اور قتل ناحق کو قرار دیا جائے۔ جیسا کہ قریب ہے اور یا ذٰلک کا مشار الیہ اُن تمام اُمور کو قرار دیا جائے کہ جن کی شروع سورت سے لے کر یہاں تک حق تعالیٰ نے ممانعت فرمائی وہ سب ذٰلک کا مشار الیہ ہیں۔

ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک حق تعالیٰ نے جن گناہوں سے منع فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ کبیرہ ہیں جو موجب عذاب ہیں اب آئندہ آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب پر کفارۂ سیئات اور جنت کا وعدہ فرماتے ہیں جن باتوں سے تم کو منع کیا جاتا ہے اگر تم ان منہیات اور ممنوعات میں سے بڑی بڑی باتوں یعنی بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب اور پرہیز کرو یعنی ان سے کنارہ کش رہو اور پہلو تہی کرتے رہو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ان کبائر سے اجتناب اور احتراز کے صلہ میں تمہاری تقصیرات اور برائیاں یعنی چھوٹی چھوٹی خطائیں جو تم کو دوزخ میں لے جاسکتی ہیں تم سے دور کردیں گے یعنی معاف کردیں گے اور تمہارے نامۂ اعمال سے مٹا دیں گے ایک نماز سے دوسری نماز تک اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک اور تم کو عزت کے مقام میں داخل کردیں گے اور تم سے صغائر پر مؤاخذہ نہیں کریں گے قصور خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو عقلاً وشرعاً اس پر مواخذہ ہوسکتا ہے اور اگر تم نے کبائر سے اجتناب اور احتراز نہ کیا تو پھر ہماری طرف سے تکفیر سیئات اور عزت کے مقام میں داخل کرنے کا وعدہ نہیں ہماری حکمت لم یزلی ولا یزالی اور شان لا اُبالی جو فیصلہ کرے وہ اس کو اختیار ہے وہ پردۂ غیب میں مستور ہے۔ اس کے متعلق کچھ نہیں بتلایا جاسکتا اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ چاہے معاف کرے اور چاہے مواخذہ کرلے۔ معتزلہ نے آیت کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ اگر کبائر سے نہ بچے تو اس کے لیے سزا ضروری ہے اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبائر پر سزا ضروری نہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ہاں وعدہ نہیں چاہے معاف کرے اور چاہے مواخذہ کرے۔

فائدہ ①: گناہ کبیرہ کی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس پر اللہ اور اس کے رسول نے دنیا میں غصہ یا کوئی حد مقرر کی ہے اور آخرت میں اس پر عذاب عظیم مرتب کیا ہے یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہے یا اس کو کفر کے ساتھ موسوم کیا ہے اور صغیرہ وہ ہے کہ جس سے منع تو فرمایا مگر اس پر غضب ولعنت وغیرہ جیسے اُمور کو نہیں فرمایا۔

فائدہ ②: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کبائر کس قدر ہیں فرمایا کہ سات سے لے کر قریب قریب ستر ۷۰ تک ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ شروع سُورۂ نساء سے لے کر اس آیت تک حق تعالیٰ نے جن باتوں کی ممانعت فرمائی وہ سب کبیرہ ہیں۔ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں صغائر کو کبائر سے ممتاز نہیں کیا تاکہ لوگ ہر گناہ سے بچنے کی کوشش کریں اگر صغائر کو کبائر سے ممتاز کردیا جاتا تو لوگ صغائر کو ہلکا سمجھ کر ان سے بچنے کی چنداں پروا نہ کرتے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض گناہوں کے کبیرہ ہونے پر نص فرمادی ہے مثلاً ① اللہ کے ساتھ شرک کرنا ② کسی کو ناحق قتل کرنا ③ والدین کی نافرمانی کرنا ④ جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا ⑤ یتیم کا مال کھا جانا ⑥ جادو کرنا ⑦ زنا اور خاص کر ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا نہایت ہی بُرا ہے ⑧ میدان جنگ سے بھاگنا ⑨ اولاد کو فقر وفاقہ کے اندیشہ سے مار ڈالنا ⑩ پاکدامن بے خبر مسلمان عورت پر بہتان باندھنا۔ یہ بخاری اور مسلم کے روایتوں کا مضمون ہے جن سے مقصود حصر نہیں بلکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ گناہ کبیرہ ایسے ہوتے ہیں کیونکہ احادیث میں کبیرہ گناہوں کی تفصیل آئی ہے۔ چنانچہ جامع ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص دو نمازیں بلا عذر جمع کرے وہ ابواب کبائر میں سے ایک دروازہ پر آیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں حنش (یعنی حسین بن قیس) واقع ہے جس کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے دوسری سند سے روایت کیا ہے نیز مؤطا امام احمد میں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی مملکت کے اطراف وجوانب میں جمع بین الصلاتین کی ممانعت کا حکم لکھ کر بھیج دیا اور اس بات کی سب کو اطلاع دے

دی کہ وقت واحد میں دو نمازوں کا جمع کرنا منجملہ بڑے گناہوں کے ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمان واجب الاذعان سے معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث درحقیقت صحیح ہے۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے دل وجان سے اس حکم کو قبول کیا۔ پس ان احادیث کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! اگر تم جمع بین الصلاتین جیسے بڑے گناہ سے اجتناب کرو گے تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے دوسرے گناہوں کو معاف کر دیں گے ورنہ نہیں۔

فائدہ ③: یہ آیت یعنی ﴿اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبٰٓئِرَ﴾ انہی پانچ آیتوں میں سے ہے جن کے متعلق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل ہو چکا ہے کہ پانچ آیتیں مجھ کو دُنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

فائدہ ④: بعض عارفین کا قول ہے کہ تمام کبائر تین چیزوں میں مندرج ہیں۔

(اوّل) اتباع ہویٰ۔ یعنی نفسانی خواہشوں اور لذتوں کی پیروی کما قال تعالیٰ: ﴿وَ لَا تَتَّبِعِ الۡہَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ﴾ (صٓ:۲۶) اور عقوق والدین اور قطع رحمی وغیرہ اتباع ہوی سے پیدا ہوتا ہے۔

غبار ہوا چشم غفلت بدوخت — سموم ہوس کشت عمرت بسوخت
بکن سرمہء غفلت از چشم پاک — کہ فردا شوی سرمہ درچشم خاک

(دوم) حبِ دُنیا، قتل اور ظلم اور غصب اور سرقہ اور سودخواری اور مال یتیم کا کھاجانا اور زکوٰۃ کا نہ دینا اور جھوٹی قسمیں کھانا وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے تمام کبائر حبِ دُنیا سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے: حب الدنیا راس کل خطیئة۔

عاقلاں میل بسویت نکنند اے دنیا — ہم امید کرم ولطف تو جاہل دارد
ہر کہ خواہد بکند از تو مرادے حاصل — حاصل آنست کہ اندیشہ باطل دارد

(سوم) رؤیۃ الغیر یعنی غیر اللہ پر نظر کرنا اور یہ کہنا شرک اور نفاق اور ریاء اور اس قسم کے کبائر غیر اللہ پر نظر کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ﴾ وقال اللہ تعالیٰ: ﴿فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا﴾ (الکہف:۱۱۰) اور حدیث میں ہے: ((الیسیر من الریاء شرک)).

لہٰذا عاقل کو چاہیے کہ اپنی انظار کو اغیار سے ہٹا کر واحد قہار پر لگا دے۔

گرچہ زند انست برصاحبد لان — ہر کجا بوے زوصل یار نیست
ہیچ زنداں عاشق محتاج را — تنگ تراز صحبت اغیار نیست

فائدہ ⑤: اکل حلال روزی سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کی طاعت پر آمادہ کرنے والی نہیں اکل حلال تمام طاعتوں کی جڑ ہے خوب سمجھ لو خوب سمجھ لو خوب سمجھ لو۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ

اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک سے مردوں کو حصہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ

اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور مانگو اللہ سے اس کا

فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

فضل اللہ کو ہر چیز معلوم ہے۔

حکم چہاردہم۔ ممانعت از رشک بر تفوق دیگراں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ . . . الٰى . . . اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیت میں ارشاد فرمایا کہ شہوات کی پیروی نہ کرو اور ناحق طریقہ سے کسی کا مال نہ کھاؤ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی کے خداداد شرف اور فضل وامتیاز کو دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو اور اس آرزو میں مت پڑو کہ ہم بھی ایسے ہو جائیں جیسا کہ بعض عورتوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ کاش ہم مرد ہوتے اور مردوں کی طرح جہاد کرتے اور میراث میں مرد کا دوہرا حصہ ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جس کسی کو کوئی فضیلت اور فوقیت عطا کی ہے۔ اس کی آرزو میں پڑنا یہ بھی ایک قسم کا اتباع شہوات ہے جس طرح ظاہری طور پر دوسرے کے مال ومنال اور اس کے فضل وکمال کی طرف نظر اٹھانا ممنوع ہے اسی طرح باطنی طور پر کسی کے خداداد تفوق اور شرف اور فضیلت کی تمنا اور آرزو بھی ممنوع ہے ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی رہنا چاہیے کسی کے خداداد فضل وکمال وجاہ وجلال ومال ومنال کی طرف دیکھنا حرص اور حسد کے مادہ کو ابھارتا ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا حکم دے دیا کہ تم کسی کے تفوق کو دیکھ کر رشک نہ کرو اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے کسی کو مال ومتاع اور جاہ ومنصب وغیرہ اُمور میں جو برتری عطا کی ہے اس کی تمنا اور آرزو میں مت پڑو تاکہ یہ تمنا تم کو حسد میں مبتلا نہ کر دے اور پھر تم کو ناحق قتل کرنے اور ناحق مال کھانے پر آمادہ کرے اور اس طرح تم شہوات کے متبع اور پیرو بن کر حدود اللہ سے تعدی کر جاؤ اور ﴿سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ سے میل اور انحراف کر جاؤ۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور مت تمنا کرو تم اس چیز کی کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور فوقیت دی ہے خواہ وہ تفضیل باعتبار دین کے ہو یا دنیا کے ہو مراد اس سے وہ فضائل وکمالات ہیں جو وہبی ہیں یعنی محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں بندہ کے عمل کو اس میں دخل نہیں جیسے حسن وجمال اور عقل وفہم اور مرد ہونا اس آیت میں اس قسم کے امور خلقیہ اور وھبیہ کی تمنا اور آرزو کی ممانعت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے اُمور کی تمنا اور آرزو مت کرو جو تمہارے اختیار میں نہیں تم کو چاہیے کہ اپنی نظر اور فکر کو ان فضائل و

کمالات کے حاصل کرنے کی طرف متوجہ کرو کہ جن میں تمہارے عمل اور فعل کو دخل ہے ان فضائل اور کمالات کے حاصل کرنے کی کوشش کرو جن کا حصول تمہاری سعی اور جد و جہد اور کسب و اکتساب پر موقوف ہے۔ کیونکہ مردوں * کے لیے حصّہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کیا اور عورتوں کے لیے حصّہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کی پس عمل کے ذریعہ فضل کو طلب کرو محض تمنا اور آرزو اس کے لیے کافی نہیں آخرت کی فضیلت اگر چاہتے ہو تو اپنی استطاعت کے مطابق کسب اور اکتساب میں دریغ نہ کرو آخرت کی فضیلت کا قانونًا دار و مدار یہی اعمال ہیں جن میں کسب اور اختیار کو دخل ہے اس لیے ﴿مِمَّا اكْتَسَبُوْا﴾ فرمایا اور مما فضلوا به نہیں فرمایا۔

اور اعمال اختیاریہ میں کسی کی تخصیص نہیں۔ پس اگر دوسروں پر فضیلت اور فوقیت حاصل کرنے کا شوق ہے تو فضائل کسبیہ (جن کا تعلق کسب و اکتساب سے ہے) میں کوشش کر کے دوسروں سے زیادہ ثواب حاصل کرلو اور اعمال صالحہ کی دوڑ میں دوسروں سے سبقت لے جاؤ تا کہ تم کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝﴾ (الواقعہ) مگر باوجود قدرت کے اعمال اختیاریہ کے کسب و اکتساب میں کوتاہی اور سستی کرنا اور فضائل وھبیہ غیر اختیاریہ کی تمنا میں پڑنا محض ہوس اور فضول ہے پھر فضائل وھبیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جن میں عادۃً تغیر اور تبدل نہیں ہوتا جیسے مرد ہونا یا شریف النسب ہونا یا نبی ہونا ایسے اُمور کی تو دعا بھی جائز نہیں کہ کوئی عورت مرد ہونے کی دعا کرے یا کوئی جولاہا سید ہونے کی یا کوئی اُمتی نبی ہونے کی دعا مانگنے لگے تو ایسی دعا بھی ناجائز ہے اور ایک قسم وہ ہے جس میں عادۃً من جانب اللہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے جیسے جاہ و جلال اور امیری و فقیری تو ایسے امور وھبیہ کی تمنا اور آرزو تو محض ہوس ہے ہاں اس طرح دعا کرنا جائز ہے کہ اول ان اعمال کو اختیار کرے جن پر حصول وہب کا ترتب عادۃً ہو جاتا ہے ایسے امور وھبیہ کے لیے دعا کرنا جائز ہے جیسا کہ ارشاد ہے اور سوال کرو اللہ سے اس کے فضل کا یعنی غیر کے حصّہ کی تمنا مت کرو بلکہ جو کچھ مانگنا ہے خدا کے فضل سے مانگو اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں جس طرح اس نے اس کو دیا ہے تم کو دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ تمہارے حق میں کیا بہتر ہے تم تو اللہ سے اس کا فضل مانگے جاؤ اگر وہ تمہارے حق میں بہتر جائے گا تو تمہارے سوال کو پورا کر دے گا ورنہ تمہارے اس سوال اور دعا کا تم کو قیامت میں اجر عطا فرمائے گا جو تمہاری تمنا اور آرزو سے کہیں بالا ہوگا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے اس نے جس کو جو فضیلت عطاء کی ہے وہ سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے تم اپنی لاعلمی اور نادانی کی وجہ سے خلجان میں مت پڑو اور کسی کی خداداد فضیلت اور فوقیت کو دیکھ کر حرص اور تمنا اور آرزو کی دلدل میں مت پھنسو آخرت کی فضیلت اور فوقیت کا دار و مدار اعمال صالحہ پر ہے اس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا اجر ملے گا دنیا میں جو ایک دوسرے پر فضیلت اور برتری ہے اس کا دل میں خیال نہ لاؤ آخرت کی برتری جس سے حاصل ہو اس کی فکر اور کوشش کرو رہا یہ امر کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو حسین و جمیل اور کسی کو بدشکل اور بدصورت کیوں بنایا سو اس عقدہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا۔

کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

گر مفلس و گر تونگرت گرد اند | او مصلحتِ تو از تو بہ می داند

---

* دیکھو عصم الصنوف وعظ سویم از سلسلۂ البلاغ ص ۲۲ اور دیکھو اسباب الفضائل وعظ ۲۲ از سلسلۂ تبلیغ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

وَ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ؕ وَ الَّذِيۡنَ

اور ہر کسی کے ہم نے ٹھہرا دیئے وارث اس مال میں جو چھوڑ جاوے ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے

عَقَدَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ

قرار باندھا تم نے ان کو پہنچاؤ ان کا حصہ اللہ کے روبرو ہے ہر

شَيۡءٍ شَهِيۡدًا ﴿۳۳﴾ ع

چیز گواہ

ع ۵ ۸ ۲

حکم پانزدہم۔ بابت میراث حلیف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِيَ ... الٰی ... كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ شَهِيۡدًا ﴿۳۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں عورتوں کی اس تمنا کا جواب تھا کہ میراث میں مرد کو بہ نسبت عورت کے دوہرا حصہ دیا جاتا ہے اب آگے ارشاد فرماتے ہیں اور ہر ایک کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں اس مال میں سے جس کو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں ہم نے اپنی علم وحکمت سے ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے اس میں تغیر وتبدل کرنا حدود اللہ سے تعدی کرنا ہے اور جن لوگوں سے تمہارا عہد اور پیمان ہو چکا ہے یعنی جو لوگ تمہارے حلیف ہیں یا جن سے اسلام میں تمہارا بھائی چارہ ہو چکا ہے تو تم ان کو حصہ دے دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے۔ شروع اسلام میں حلیف کو میت کے مال میں چھٹا حصہ ملتا تھا پھر جب آیت ﴿وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِيۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الاحزاب: ۶) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اگر نصیبھم سے بطور وصیت اور بطور احسان اور اعانت دُنیا مراد ہے تو یہ حکم اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں شروع اسلام میں میراث کا دستور تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب میں سے دو دو شخصوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا وہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے بعد میں یہ آیت اتری کہ میراث تو اقارب اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے رہے منہ بولے بھائی تو ان کے لیے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک کرو اور مرتے وقت ان کے لیے کچھ وصیت کر دو تو یہ مناسب ہے مگر میراث میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر

وَّبِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ

اور اس واسطے کہ خرچ کیے انہوں نے اپنے مال پھر جو نیک بختیں ہیں سو حکم بردار ہیں خبرداری کرتیاں ہیں پیٹھ پیچھے

بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ

اللہ کی خبرداری سے اور جن کی بد خوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو

فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ

سونے میں اور مارو ان کو پھر اگر تمہارے حکم میں آویں تو مت تلاش کرو ان پر

سَبِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا

راہ الزام کی بے شک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا اور اگر تم لوگ ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں

فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ

ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں چاہیں گے

اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾

صلح تو اللہ ملاپ دے گا ان میں اللہ سب جانتا ہے خبر رکھتا۔

حکم شانزدہم۔ بابت معاشرہ زوجین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ ... الٰی ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیت میں میراث کے باب میں عورتوں پر مردوں کی فضیلت بیان کی اب ان آیات میں مردوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر ہر طرح کی فضیلت حاصل ہے ذاتی اور عرضی دونوں قسم کی فضیلتیں مردوں کو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے اور ان کو اجازت دی ہے کہ بغرض تادیب واصلاح عورتوں کو تنبیہ کریں اور اگر ضرورت پیش آئے تو مارنے کی بھی اجازت ہے تاکہ عورتوں کا شبہ بھی دور ہو جائے کہ مردوں کو دوہری میراث کیوں ملتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مرد عورتوں پر دو وجہ سے حاکم اور قائم ہیں مردوں کی وجہ سے عورتوں کا وجود قائم ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی اور بڑائی دی ہے یعنی ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت سی باتوں میں فضیلت دی ہے اور اس فضیلت کا اقتضاء یہی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوں اور عورتیں ان کی محکوم ہوں حق تعالیٰ نے بہ نسبت عورتوں کے مردوں کو عقل اور علم اور حلم اور فہم اور حسن تدبر اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ اور قوت جسمانیہ وغیرہ وغیرہ کہیں زائد عطا کیں اور نبوت اور امامت اور خلافت اور بادشاہت اور قضاء وشہادت اور وجوب جہاد اور جمعہ اور عیدین اور اذان اور خطبہ اور جماعت اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور نکاح کی مالکیت اور تعدد ازواج اور طلاق کا اختیار اور بلا نقصان کے نماز اور روزہ کا پورا کرنا اور حیض اور نفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا یہ فضائل حق تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا کیے ہیں انہی فضائل اور

خصوصیات کی بناء پر حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کے لیے حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اور ظاہر ہے کہ کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کرسکتا ہے قضاء وقدر نے عورتوں کی سرشت میں برودت اور نزاکت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت اور قوت رکھی ہے اسی وجہ سے فوجی بھرتی اور جنگ وجدال اور قتال اور شجاعت اور بہادری اور میدانِ جنگ میں حکومت وسلطنت کے لیے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی اور حکومت کی بقاء کے لیے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں مرد کی ساخت اور بناوٹ ہی اس کی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے الغرض حق تعالیٰ نے مرد کو عورت پر دو قسم کی فضیلتیں عطا کی ہیں ایک ذاتی جس کا بیان گزر گیا اور دوسری فوقیت اور فضیلت عرضی اور کسبی ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ مردوں نے عورتوں پر اپنے مالوں میں سے بہت کچھ خرچ کیا ہے یہ مردوں کے عورتوں پر حاکم ہونے کی دوسری وجہ ہے اور یہ امر کسبی اور عرضی ہے یعنی مرد عورتوں پر اس لیے حاکم ہیں کہ انہوں نے عورتوں پر اپنے مال خرچ کر کے کہ ان کو مہر دیا اور ان کا نفقہ اور خرچ اپنے ذمہ لیا تو مرد عورتوں کے محسن ہوئے اور محسن کو حکومت کا حق ہے کیونکہ وہ عورتوں کا آقا اور ولی نعمت ہے اپنے سے زیادہ ان کی راحت رسانی کا خیال رکھتا ہے ان ذاتی اور عرضی فضائل اور وہبی اور کسبی کمالات کی بناء پر محکمہ قضاء وقدر نے مرد کو عورت پر حاکم مقرر کیا اور مرد کو سرداری کی سند عطا کی اور ظاہر ہے کہ دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے غرض کہ ان وجوہ کی بنا پر عورتوں کو مردوں کا تابع اور محکوم بنایا۔

عقلی احتمالات

اس مقام پر عقلی احتمالات صرف تین ہیں: ① مرد حاکم ہو اور عورت محکوم ② عورت حاکم ہو مرد محکوم ③ مرد اور عورت دونوں برابر ہوں نہ کوئی کسی کا حاکم ہو اور نہ کوئی کسی کا محکوم اسکے علاوہ اور کوئی احتمال عقلی ذہن میں نہیں آتا۔

شریعت نے پہلے احتمال کو اختیار کیا یعنی مرد کو حاکم اور عورت کو اس کا محکوم قرار دیا اور اس پر یہ حکم دیا کہ مرد چونکہ حاکم اور بالادست ہے اس لیے عورت کے تمام مصارف کی ذمہ داری مرد پر ہے اور مرد ہی پر مہر واجب ہے۔ پس اگر عورتیں یہ چاہیں کہ ہم حاکم بنیں اور مرد ہمارے محکوم بنیں (جیسا کہ دوسرا احتمال ہے) تو پھر عورتوں کو چاہیے کہ مرد کے تمام مصارف کی کفیل اور ذمہ دار عورتیں بنیں اور عورتوں ہی پر مردوں کا مہر واجب ہو اور نکاح کے بعد جو اولاد ہو اس کی خورد و نوش اور ان کی تعلیم و تربیت کے کل مصارف کی ذمہ دار عورتیں ہی ہوں حتیٰ کہ مکان کا کرایہ بھی عورتوں کے ذمہ ہو جس طرح مرد حاکم ہونے کی صورت میں ان تمام مصارف کا کفیل اور ذمہ دار تھا اسی طرح جب عورتیں مردوں کی حاکم بنیں تو بجائے مرد کے عورتیں ان تمام مصارف اور اخراجات کی کفیل اور ذمہ دار بنیں اور اگر عورتیں تیسرا احتمال اختیار کرتی ہیں کہ مرد اور عورت دونوں برابر رہیں نہ کوئی حاکم ہو اور نہ کوئی محکوم تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ مہر تو پہلے ہی مرحلہ میں ختم ہو جائے گا اور پھر نان ونفقہ کا مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ مساوات یعنی برابری کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک اپنا اپنا ذمہ دار رہے اور خانگی مصارف خورد و نوشی و بنگلہ کا کرایہ آدھا مرد پر اور آدھا عورت پر واجب ہو اور بچوں کے خورد و نوش اور ان کے تعلیمی مصارف

آدھے باپ کے ذمہ اور آدھے ماں کے ذمہ رہیں اور مرد اور عورت اپنے اپنے ذاتی مصارف مثلاً لباس وغیرہ کے بطور خود الگ الگ ذمہ دار رہیں عورتیں اگر حقوق میں مرد کی مساوات چاہتی ہیں تو مصارف اور ذمہ داریوں میں بھی تو مساوات کو قبول کریں ہر مساوی اپنا اپنا کفیل اور ذمہ دار ہوتا ہے دوسرے مساوی کا کفیل اور ذمہ دار نہیں ہوتا غرض یہ کہ شریعت نے جو مرد کے حاکم ہونیکا فیصلہ کیا ہے وہ نہایت عادلانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہے اور عورتوں کے حق میں اس سے زیادہ نافع اور مفید کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا عورتوں پر اس فیصلہ کا شکر واجب ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے ضعف اور کمزوری اور وسائل معاش سے لاچاری اور مجبوری کی بناء پر اس کو شوہر کا محکوم بنا کر پیکر محبوبیت و نزاکت بنایا کہ مرد پر ناز کرے اور تمام مصارف اور ذمہ داریوں سے اس کو سبکدوش کر دیا پس نیک بخت ہیں ہو عورتیں جو اپنے مردوں کی فرمانبردار ہیں اور ان کی فضیلت اور برتری کو ملحوظ رکھ کر اطاعت گزار ہیں اور غائبانہ اپنے شوہروں کے مال اور ناموس کی حفاظت اور نگہبانی کرتی ہیں اللہ کی حفاظت سے یعنی اللہ کے حکم کے مطابق کہ اس نے حکم دیا ہے کہ شوہروں کی عدم موجودگی میں ان کے مال اور ناموس کی حفاظت کرنا یا معنی یہ کہ اللہ کی نیک توفیق سے یہ کام کرتی ہیں اور اپنے نفس و ناموس میں اور شوہر کے مال و متاع میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں۔

خلاصۂ کلام

جب مردوں کو ذاتی فضائل اور کمالات کے علاوہ یہ فضیلت اور فوقیت بھی حاصل ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور ان کی خوراک اور پوشاک اور جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں تو عورتوں کو چاہیے کہ مردوں کی حکم برداری کریں کیونکہ مرد ان کے آقا اور ولی نعمت اور محسن ہیں یہ تو نیک بخت عورتوں کا حال بیان ہوا۔

اب آئندہ آیت میں ان عورتوں کا حال بیان کرتے ہیں جو نیک بخت نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جن عورتوں کی سرکشی اور بدخوئی کا تم کو ڈر ہو جس کی علامت یہ ہے کہ عورت شوہر کی بات کا سختی سے جواب دے اور جب وہ اس کو اپنے پاس بلائے تو اس کے بلانے کی کچھ پرواہ نہ کرے یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ عورت شوہر کے سر چڑھنے لگی اور نشوز کے اصلی معنی اونچے ہونے کے ہیں پس جن عورتوں کے متعلق یہ محسوس ہو کہ وہ سر چڑھنے لگی ہیں تو ان کی تادیب اور تنبیہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ان کو نصیحت اور فہمائش کرو اور نشوز کی برائی ان پر ظاہر کرو اور یہ بتلاؤ کہ تم پر میرا حق ہے اور میری اطاعت تم پر فرض ہے۔ لہٰذا اپنے نشوز سے باز آجاؤ اور اگر تمہارے سمجھانے اور نصیحت کرنے سے بھی باز نہ آئیں تو پھر تادیب و تنبیہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کو بستروں اور خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو یعنی ان کے پاس سونا چھوڑ دو شاید وہ تمہاری اس بے التفاتی سے متاثر ہو کر اپنے نشوز سے باز آجائیں اور اگر وہ تمہارے بستروں سے الگ ہونے سے بھی متاثر نہ ہوں تو اخیر علاج یہ ہے کہ تم ان کو مارو اور مار کر درست کرو۔

حدیث میں ہے کہ عورت کے منہ پر نہ مارنا اور نہ ایسا مارے کہ چوٹ زیادہ لگ جائے اور ہڈی ٹوٹ جائے بعض تفسیروں میں ہے کہ مسواک وغیرہ سے مارے مگر چہرہ پر نہ مارے اور ایسا بھی نہ مارے کہ بدن پر نشان پڑ جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مارنا مباح اور جائز ہے مگر نہ مارنا افضل ہے پس اگر عورتیں تمہاری نصیحت یا علیحدگی یا ضرب و تادیب کے بعد تمہاری مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں اور اپنی بدخوئی اور سرکشی سے باز آجائیں تو پھر تم ان کے ستانے کے لیے الزام کی راہ مت تلاش کرنا کہ ان پر ناحق الزام رکھ کر

در پے آزار ہو اور عورتوں کو عاجز سمجھ کر کسی قسم کی زیادتی ان پر نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند مرتبہ اور سب سے بڑا ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ظالم مردوں سے مظلوم عورتوں کا بدلہ لے اور تمہیں اپنی عورتوں پر وہ قدرت نہیں کہ جو اس علی کبیر کو تمام عالم پر حاصل ہے۔ پس جب وہ علی کبیر باوجود اپنی رفعت اور کبریائی اور علوشان کے تم سے نرمی کا معاملہ کرتا ہے تو تم بھی اپنی عورتوں سے نرمی کا معاملہ کرو اور خوب جان لو کہ جس قدر تم اپنے ماتحتوں پر قدرت رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تم پر قدرت رکھتا ہے اور اے مسلمانو! اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ میاں اور بیوی کے درمیان مخالفت ہے اور ایسی سخت کش مکش ہے کہ جس کو وہ باہم نہیں سلجھا سکے اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ قصور کس کا ہے اور دن بدن بدمزگی بڑھ رہی ہے تو اس مخالفت کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پنچ یعنی ایک منصف جس میں تصفیہ کی صلاحیت ہو اور نیک ہو مرد کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک پنچ اور منصف عورت کے کنبہ اور خاندان سے پنچ کے مرد اور عورت کے اقارب میں سے ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اقارب کو بہ نسبت اجانب کے خانگی امور کا علم زیادہ ہوتا ہے نیز اقارب بہ نسبت اجانب کے صلح کرانے میں زیادہ کوشش کریں گے اور یہ شرط بطور استحباب کے ہے اگر دونوں پنچ مرد اور عورت کے کنبہ سے نہ ہوں اور اجنبی ہوں تو تب بھی جائز ہے اور دو پنچ مقرر کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ مرد کا پنچ مرد سے اور عورت کا پنچ عورت سے تخلیہ میں ان کی دلی مرضی کو معلوم کر لے گا کہ نکاح پر قائم رہنا چاہتے ہیں یا نکاح سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں اگر یہ دونوں پنچ حقیقتاً اصلاح کا ارادہ کریں گے اور اپنے اپنے کنبہ کی پاسداری اور طرف داری نہ کریں گے تحقیق حال کے بعد جس کا جتنا قصور دیکھیں گے اس کو سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کریں گے تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان موافقت کرا دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور خبردار ہے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ میاں بیوی کے پنچ کس راہ پر جا رہے ہیں اور ان کی کیا نیت ہے۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي
اور بندگی کرو اللہ کی اور ملاؤ مت اس کے ساتھ کسی کو اور ماں باپ سے نیکی اور

الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ
قرابت والے سے اور یتیموں سے اور فقیروں سے اور ہمسایہ قریب سے اور ہمسایہ اجنبی سے

وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ
اور برابر کے رفیق سے اور راہ کے مسافر سے اور اپنے ہاتھ کے مال سے بیشک

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۟ۙ ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ
اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو اِتراتا بڑائی کرتا وہ جو بخل کرتے ہیں اور

يَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

اور رکھی ہے ہم نے منکروں کو ذلت کی مار اور وہ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال

رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ

لوگوں کو دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور نہ پچھلے دن پر اور جس کا ساتھی

الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

ہوا شیطان تو بہت برا ساتھی ہے اور کیا نقصان تھا ان کا اگر یقین لاتے اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ

اور پچھلے دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیئے میں سے اور اللہ کو ان کی خوب

عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً

خبر ہے اللہ حق نہیں رکھتا کسی ایک کا ذرہ برابر اور اگر نیکی ہو تو

يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا

اس کو دونا کرے اور دیوے اپنے پاس سے بڑا ثواب پھر کیا حال ہو گا جب بلاویں گے ہم

مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ ؔ يَوْمَئِذٍ

ہر اُمت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا اس دن

يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ

آرزو کریں گے جو لوگ منکر ہوئے تھے اور رسول کی بے حکمی کی تھی کسی طرح ملا دیجئے ان کو زمین میں اور

لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

نہ چھپا سکیں گے اللہ سے ایک بات

ع ۲
۶
۳

حکم ہفدم۔ حسن معاملہ با خالق و خلق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ... الی ... وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا﴾

ربط: یہاں تک یتامیٰ اور ورثہ اور زوجین کے حقوق کو بیان فرمایا اب یہاں سے عام لوگوں کے حقوق کو بیان فرماتے ہیں کہ والدین اور اقارب اور احباب کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے اور سب سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنے حق کو یعنی ایمان اور عبادت کو بیان فرمایا کہ خالق کا حق مخلوق کے حق سے مقدم ہے اور حقوق العباد بھی صحیح طور پر وہی شخص ادا کرسکتا ہے جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس لیے سب سے مقدم ایمان کو بیان فرمایا پھر اعمال صالحہ اور مکارم اخلاق کی تعلیم دی پھر بخل اور تکبر اور ریاء کی مذمت بیان فرمائی اس لیے کہ تکبر اور بخل حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں حارج اور مزاحم ہوتے ہیں اور حدود اللہ سے تعدی کا سبب بنتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: اور عبادت کرو تم خدا تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو یعنی عبادت خالص اسی کی کرو اور عبادت اور ربوبیت میں کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا اور مخلوق کا حق یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان کرو اگرچہ وہ کافر ہوں والدین کی حق تربیت کا شکر بجالانا فرض اور واجب ہے اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک اور احسان کرو صلہ رحمی مکارم اخلاق کی جڑ ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی احسان کرو جو یتیموں اور مسکینوں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اور یتیم کو مسکین پر اس لے مقدم کیا کہ یتیم دو طرح سے عاجز ہے ایک تو صغیر اور کمسن ہونے کی وجہ سے کسی پر اپنی حاجت کا اظہار نہیں کرسکتا دوسرے یہ کہ اس کا کوئی ولی اور سرپرست نہیں اور مسکین صرف ایک وجہ سے عاجز ہوتا ہے یعنی صرف اپنے فقر و فاقہ کی وجہ سے اور قریب کے پڑوسی اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو جو ہمسایہ تمہارے قریب رہتا ہے وہ قریبی ہمسایہ ہے اور جو تم سے کچھ فاصلہ پر رہتا ہے وہ دور کا ہمسایہ ہے امام زہری سے منقول ہے کہ پڑوس کی حد چالیس گھر ہے یعنی ہر شخص کے گھر سے چاروں طرف چالیس چالیس گھر تک اس کا پڑوس ہے اور رفیق مجلس کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو یعنی اپنے پاس بیٹھنے والے دوستوں اور اپنے ہم سبقوں اور ہم جماعتوں کے ساتھ احسان کرو ان کے حق صحبت کو ملحوظ رکھو اور مسافر یعنی راستہ کے ساتھی کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو اور جن باندی اور غلاموں اور مویشیوں کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں اور تمہارے قبضہ میں ہیں ان کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو اور باندی اور غلام کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اور جانوروں پر اتنا بوجھ نہ لادو جس کا وہ تحمل نہ کرسکیں غرض یہ کہ ان سب کے حقوق کو ادا کرو تحقیق اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو متکبر ہو یعنی جو دل سے اپنے کو بڑا خیال کرے اور دوسرے کو حقیر سمجھے اور زبان سے اپنی بڑائی کرتا ہو یعنی خدا تعالیٰ نے جو اس کو دوسروں سے زائد نعمت دی ہے اس پر فخر کرتا ہو اور کمتر کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہو خدا تعالیٰ نے جس کسی کو کچھ دیا وہ بلا استحقاق محض اپنے فضل سے دیا پھر فخر کس بات پر کرتا ہے نیز جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کی ترغیب دیتے ہیں جیسے اس زمانہ میں ماہرین علم اقتصاد اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو ان کو مال و دولت دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں کہ کوئی حاجت مند ہمارا مال دیکھ کر ہم سے سوال نہ کر بیٹھے اس ڈر کے مارے اپنے کو مفلس ظاہر کرتے ہیں اس میں مال اور علم دونوں داخل ہیں مستحق سے مال کا اور علم کا چھپانا ناجائز ہے اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے متکبر اور بخیل دنیا میں بھی ذلیل ہے اور آخرت میں بھی۔

بخیل ار بود زاھد بحر و بر بہشتی نباشد بحکم خبر

اور وہ لوگ جو ظاہر میں بخیل نہیں معلوم ہوتے اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں یعنی محض اپنی نمود اور شہرت کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے خرچ کرنے سے ثواب آخرت انہیں مقصود نہیں ہوتا تو ایسے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ان کا دوست تو شیطان ہے اور شیطان جس کا ساتھی اور دوست ہو تو وہ بہت ہی بُرا ساتھی اور بہت ہی بُرا دوست ہے یہ یار تو مار (سانپ) سے بھی برا ہے اور ان پر کیا مصیبت آجاتی اور ان کا کیا بگڑ جاتا اگر یہ لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان لے آتے اور اس کثیر مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو دیا ہے کچھ اس کی راہ میں خرچ کر ڈالتے یعنی یہ لوگ اگر یہ کام کرتے تو ان کا کیا حرج ہو جاتا ان کاموں میں تو ان کا نفع ہی تھا ﴿مَاذَا عَلَيْهِمْ﴾ سے ان کی جہالت اور حماقت پر توبیخ مقصود ہے کہ ان نادانوں نے اس شے کو جس میں اعلیٰ درجہ کا نفع تھا اس کو ضرر اور نقصان کی شے سمجھا اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے یعنی جو لوگ اپنی نمود اور شہرت کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی نیتوں کا حال خوب معلوم ہے تحقیق اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا ہر ایک کو اس کے نیک عمل کا پورا ثواب دیتا ہے ایمان لانے والوں اور راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کو آخرت کے دن ضرور ثواب دے گا اور اگر وہ عمل ذرہ برابر نیکی ہوگی تو جہاں تک چاہے گا تو اس کے ثواب اور اجر کو بڑھائے گا یعنی اس کے ثواب کی کوئی حد مقرر نہیں جس قدر چاہتا ہے بڑھاتا چلا جاتا ہے کسی کو دس گونہ اور کسی کو دس لاکھ الی غیر النہایہ زیادتی کا مدار نیت اور اخلاص پر ہے جتنا جس کا اخلاص ہوگا اتنا ہی خدا اس کی نیکی کو بڑھائے گا اور اس کے علاوہ اپنے پاس سے اجر عظیم دے گا یعنی عمل کے مقابلہ میں جو وعدہ کیا ہے اس کے علاوہ اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ دے گا۔ پس کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو نہ اللہ کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ بندوں کے جس وقت کہ ہم حاضر کریں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہی دینے والا یعنی اس امت کا نبی جو ان پر ان کے بھلے اور برے کی گواہی دے اور اے محمد ﷺ ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے حاضر کریں گے یعنی قیامت کے دن ہر نبی اپنی امت کی نافرمانی اور فرمانبرداری کو بیان کرے گا اور اس بات کی گواہی دے گا کہ میں نے اللہ کے احکام امت تک پہنچا دیئے تھے امتیں ان کی تکذیب کریں گی اس وقت محمد رسول اللہ ﷺ انبیاء سابقین علیہم السلام کی صداقت پر گواہی دیں گے آپ کی گواہی کے بعد مجرمین پر جرم ثابت ہو جائے گا اور کافروں کے لیے عجب پریشانی اور اضطراب کا وقت ہوگا اس وقت وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور پیغمبر کی نافرمانی اور عدول حکمی کی یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہو جائیں مطلب یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہائم اور وحوش اور طیور اور درندوں سے کہے گا کہ تم سب مٹی ہو جاؤ وہ سب مٹی ہو جائیں گے اور زمین اس سے ہموار کر دی جائے گی اس حال کو دیکھ کر کافر یہ آرزو اور تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی جانوروں کی طرح زمین کے ساتھ ہموار کر دیئے جاتے اور ان کی طرح مٹی ہو جاتے تاکہ عذاب سے رہائی پاتے جیسا کہ سورۂ نباء میں ہے ﴿وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا﴾ (النباء: ۴۰) یعنی قیامت میں کافر یہ کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے شروع میں اگرچہ اپنے کفر و شرک کا انکار کریں گے اور یہ کہیں گے ﴿وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ (الانعام: ۲۳) خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے مگر اس کے بعد ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء اور جوارح کو حکم ہوگا کہ وہ شہادت دیں چنانچہ اعضاء و جوارح ان تمام اعمال کی شہادت دیں گے جو انہوں نے کیے ہوں گے اور پھر ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا
اے ایمان والو! نزدیک نہ ہو نماز کے جب تم کو نشہ ہو جب تک کہ سمجھنے لگو
مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ
جو کہتے ہو اور نہ جب جنابت میں ہو مگر راہ چلتے ہوئے جب تک کہ غسل کر لو اور اگر
كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ
تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے کوئی شخص تم میں جائے ضرور سے یا
لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا
لگے ہو عورتوں سے پھر نہ پایا پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا
فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳
پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنا۔

حکم ہشتدہم۔ متعلق بہ صلوٰۃ وطہارت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ . . . الٰى . . . اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳ ﴾

ربط : گزشتہ آیت میں عبادت کا ذکر تھا اور ایمان کے بعد تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس لیے اس آیت میں نماز کے آداب کو بیان فرماتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو کیونکہ نشہ کی حالت میں آدمی کو یہ علم نہیں رہتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہا ہوں اور کس ذات بابرکات کے سامنے کھڑا ہوں اور اس سے کیا عرض ومعروض کر رہا ہوں یہ حکم اس وقت تھا کہ جب تک شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی چند صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دعوت میں جمع تھے چونکہ ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان لوگوں نے شراب پی مغرب کا وقت آ گیا تو اسی حالت میں نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی اور ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ ﴾ کی جگہ ﴿ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ نشہ کی حالت میں پڑھ دیا جس سے معنی بالکل غلط ہو گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور قطعاً اس کی ممانعت کر دی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ آئیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اوقات نماز میں شراب پینا چھوڑ دی دوسرا ادب نماز کا اس آیت میں یہ بتلایا کہ حالت جنابت میں نماز نہ پڑھنا حالت جنابت میں انسان شیاطین کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرو اور اس سے شرماؤ اور من جملہ حیاء کے یہ ہے

کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے نزدیک نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھو اور جانو کہ تم اپنی زبان سے کیا کہہ رہے ہو اور کس ذات پاک سے مناجاۃ اور خطاب کر رہے ہو اور کیا خطاب کر رہے ہو نہ معلوم اس حالت میں تمہارے منہ سے کیا کلمہ نکل جائے اور سکران یعنی مست وہ ہے کہ جو اپنے کہے ہوئے کو نہ سمجھتا ہو اور بعض کہتے ہیں کہ سکران وہ ہے جو مرد اور عورت میں فرق نہ کرے یا زمین اور آسمان میں تمیز نہ کرے یا چلنے میں لڑکھڑاتا ہو۔

اور نہ حالت جنابت میں (جب کہ تم ناپاک ہو اور غسل تم پر فرض ہو،) نماز کے قریب جاؤ جب تک غسل نہ کرلو مگر ہاں بحالت سفر جب کہ پانی نہ ملے تو پھر تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو یعنی حالت جنابت میں بغیر غسل کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں مگر سفر میں تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے جس کا حکم آئندہ آیت میں آتا ہے اور سفر سے عذر کی حالت مراد ہے یعنی عذر کی حالت میں تیمم جائز ہے چونکہ اس آیت میں اجمالی طور پر تیمم کی طرف اشارہ فرمایا اس لیے آئندہ آیت میں اسباب عذر اور مواقع تیمم کو بیان فرماتے ہیں کہ چاروں حالتوں میں تیمم جائز ہے۔ ① بیماری ② مسافری ③ اور حدث اصغر یعنی پیشاب اور پاخانہ کرنے کے بعد اور ④ حدث اکبر۔ یعنی اپنی عورتوں سے صحبت کے بعد۔ مگر ان چاروں صورتوں میں شرط یہ ہے کہ ﴿فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً﴾ یعنی پانی نہ ملے ان چار حالتوں میں پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم جائز ہے۔ پس ﴿فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً﴾ کی قید ان چاروں قسموں سے متعلق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر تم مریض ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی شخص پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر جاء ضرور سے آیا ہے یعنی قضاء حاجت کر کے آیا ہے یا تم نے عورتوں سے مباشرت اور اختلاط کیا ہے پھر ان تمام صورتوں میں تم طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ یعنی وضو اور غسل کے لیے پانی نہ پاؤ جس سے تم حدث اصغر اور حدث اکبر کو زائل کر سکو پانی نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی موجود ہی نہ ہو یا موجود تو ہو مگر بیماری اور معذوری کی وجہ سے استعمال نہ کر سکتا ہو تو یہ بھی نہ ہونے ہی کے حکم میں ہے۔ پس تم ان تمام حالتوں میں طہارت حاصل کرنے کے لیے تیمم کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ تم پاک زمین کا قصد کرو پس مسح کر لو اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر پاک زمین کا قصد کرنا یہ تو تیمم کی نیت ہوئی اور چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لینے کا نام تیمم ہے بے شک اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑے بخشنے والے ہیں کہ اس نے اپنی رحمت سے مٹی کو پانی کے قائم مقام کر دیا کہ جو پانی سے بھی زیادہ سہل الوصول ہے اور تمہارا مبدا اور منتہیٰ ہے۔ ﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ﴾ (طٰہٰ) اور تواضع اور خاکساری کا خاص نشان ہے جو ظاہری اور باطنی نجاستوں کے زائل کرنے میں پانی سے کم نہیں۔

فوائد

① ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ آیت میں صلوٰۃ سے نماز مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم زبان سے کیا کہہ رہے ہو۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے موضع صلوٰۃ یعنی مسجد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں مسجد میں نہ جایا کرو جب نشہ اُتر جایا کرے اور ہوش میں آجاؤ اور اپنے قول کو سمجھنے لگو کہ کیا کہتے ہو اس وقت جایا کرو۔

② اور علیٰ ہذا ﴿وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىۡ سَبِيۡلٍ﴾ میں بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ﴿عَابِرِىۡ سَبِيۡلٍ﴾ سے مسافر مراد ہے اور

مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز کے قریب مت جاؤ جب تک غسل نہ کر والا یہ کہ تم مسافر ہو اور وہاں تم کو پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبداللہ بن عباس اور مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم کا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ سے نفس نماز مراد ہے۔ اور دوسرا قول عبداللہ بن مسعود اور سعید بن مسیب اور عطاء ان وغیرہم کا ہے کہ ﴿عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ سے عبور فی المسجد یعنی مسجد سے گزرنا مراد ہے ان حضرات کے نزدیک ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ میں صلوٰۃ سے مواضع صلوٰۃ یعنی مساجد مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ نشہ کی حالت اور جنابت کی حالت میں مسجد میں مت جاؤ مگر یہ کہ گزرے چلے جاؤ اس فریق کے نزدیک جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو اس کو مسجد میں سے گزر جانا روا ہے۔

اور فریق اوّل کے نزدیک حالت جنابت میں مسجد سے گزر جانا جائز نہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ فریق ثانی کے نزدیک حالت جنابت میں بیٹھنا اور ٹھہرنا تو گناہ ہے مگر مسجد سے گزر جانا گناہ نہیں اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے دلائل کی تفصیل امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوبکر جصاص کے کلام میں دیکھئے۔

③ فریق اوّل یعنی حضرت علی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بناء پر ﴿اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ استثناء کا تعلق فقط ﴿وَلَا جُنُبًا﴾ سے ہے اور ﴿اَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ اور فریق ثانی یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بناء پر ﴿اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ کا تعلق دونوں حالتوں سے ہے یعنی ﴿وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ اور ﴿وَلَا جُنُبًا﴾ دونوں سے متعلق ہے اور دونوں حالتوں کے حکم سے استثناء ہے۔ (کذا فی تفسیر ابی السعود وروح المعانی وروح البیان)

④ آیت ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ میں ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں حضرت علی اور عبداللہ بن عباس اور قتادہ رضی اللہ عنہم اور مجاہد اور حسن بصری اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ملامسۃ نساء (عورتوں کے چھونے) سے صحبت اور جماع مراد ہے اور عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور شعبی رضی اللہ عنہم اور نخعی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایک جسم کا دوسرے جسم سے اتصال یعنی لگ جانا مراد ہے خواہ جماع سے یا بغیر جماع کے۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ فریق اوّل کے نزدیک عورت کو چھو دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور فریق ثانی کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔

⑤ ﴿صَعِيْدًا﴾ کے معنی روئے زمین اور ﴿طَيِّبًا﴾ کے معنی ظاہر کے ہیں یعنی وہ زمین جس پر تیمّم کیا جائے پاک ہو نجس نہ ہو زجاج اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین کی تمام سطح کا نام صعید ہے خواہ وہ مٹی ہو یا وہ پاک پتھر ہو جس پر مٹی اور غبار کا نام ونشان بھی نہ ہو اس سے بھی تیمّم جائز ہے۔ اگر متیمم ایسے پتھر پر اپنا ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرے تو کافی ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صعید سے مراد صرف مٹی ہے۔ پس ان کے نزدیک ایسے پتھر سے تیمم جائز نہیں ہے جس پر مٹی یا غبار نہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ صعید صعود سے مشق ہے جس کے معنی اوپر کو چڑھنے کے ہیں یہ اشتقاق اسبات کو متقضی ہے کہ تیمم ایسی چیز سے ہونا چاہیے جو بالطبع اوپر چڑھنے والی ہو یعنی مٹی یا غبار سے۔

⑥ تیمم کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اور اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں۔ اوّل دفعہ ہاتھ مٹی پر مار کے منہ پر پھیرے اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک پھیرے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ زمین پر مار کے منہ پر اور ہاتھوں پر پھیرے کہنیوں تک پھیرنا ضروری نہیں۔ احادیث کثیرہ اور قیاس علی الوضوء

پہلے ہی قول کی تاکید کرتی ہیں اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

⑦ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نشہ کی حالت میں نماز مغرب میں بجائے ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ (الکافرون:۲) کے ﴿اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ پڑھ دینا جس سے معنی بالکل برعکس ہوگئے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نشہ کی حالت میں اگر زبان سے کوئی کلمۂ کفر اور شرک نکل جائے اور اس کو مطلق اس کی خبر نہ ہو کہ میری زبان سے کیا نکلا ہے تو ایسا شخص عنداللہ کافر نہ ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ

تو نے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ کتاب سے خرید کرتے ہیں گمراہی اور

يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَ كَفٰى

چاہتے ہیں کہ تم بھی بہکو راہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ بس

بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۤ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ

ہے حمایتی اور اللہ بس ہے مددگار وہ جو یہودی ہیں بے ڈھب کرتے ہیں

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ

بات کو اس کے ٹھکانا سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سن نہ سنایا

مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَ لَوْ اَنَّهُمْ

جائیو اور راعنا موڑ دے کر اپنی زبان کو عیب دے کر دین میں اور اگر وہ

قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ

کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

لعنت کی ان کو اللہ نے ان کے کفر سے سو ایمان نہیں لاتے مگر کم۔

ذکر بعض قبائح یہود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ ... الٰى ... فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾﴾

ربط: یہاں تک مواقع تقویٰ اور حدود اللہ سے ان تعدیوں کا بیان تھا جن کا تعلق مسلمانوں سے تھا اب آئندہ آیات میں اہل کتاب کی

تعدی کو بیان فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لیے یہود کی بعض قبائح اور ان کے مکروفریب اور ان کی پرانی اور جبلی شرارتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہود ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین سے پھیر دیں اور توریت میں تحریف کرتے ہیں اور دین اسلام پر طرح طرح کے طعن اور اعتراضات کرتے ہیں تا کہ لوگ شک میں پڑ جائیں اور جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو نہایت گستاخانہ اور تمسخر آمیز ہوتی ہے۔ مال و دولت [1] کے نشہ نے اور تکبر اور غرور نے ان کو اندھا بنا رکھا ہے اور یہود کے ان شنائع اور قبائح کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان ان کے مکروفریب پر مطلع ہو جائیں تا کہ ان سے علیحدہ رہیں چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ) کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن کو کتاب یعنی توریت کے علم سے بہرہ ور کیا گیا ہے اور اس کے علم سے ان کو ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی کیا آپ کو ان کی گمراہی اور شرارت کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیسے سخت گمراہ اور شریر ہیں کہ وہ لوگ ہدایت کو دے کر گمراہی خرید کراتے ہیں یعنی یہود آنحضرت ﷺ کی تکذیب کر کے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدتے ہیں خود تو گمراہی کے خریدار بنے ہی اور مزید برآں چاہتے یہ ہیں کہ تم بھی سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤ۔ لہٰذا تم ان سے احتیاط رکھنا کیونکہ یہ تمہارے دشمن ہیں اور شاید تم کو ان کی دشمنی کا علم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے یعنی تمہیں ان کی عداوت کا حال معلوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ ان کے سینے تمہاری عداوت سے لبریز ہیں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ تم ان کو اپنا دشمن سمجھو اور ان سے بچتے رہو اور ان کی باتوں میں نہ آؤ اور ان کی دشمنی کا حال سن کر پریشان بھی نہ ہو جانا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کافی حمایتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا کافی مددگار ہے یعنی ان کی عداوت تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے اس کی حمایت کے مقابلہ میں سارے عالم کی عداوت ہیچ ہے اور اللہ تمہارا مددگار ہے۔ اس کی نصرت اور حمایت پر بھروسہ رکھو اور ان سے بالکل نہ ڈرو اس کے بعد یہود کی چند عادتیں ذکر فرماتے ہیں تا کہ تم کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن سے وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو کتاب الٰہی یعنی توریت کے کلمات اور الفاظ کو ان کے موقع اور محل سے لفظاً یا معنیً پھیر دیتے اور ہٹا دیتے ہیں یعنی توریت میں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف مذکور ہیں کبھی تو ان الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اور اصل الفاظ کو نکال کر ان کی جگہ دوسرے الفاظ رکھ دیتے ہیں مثلاً توریت میں آنحضرت ﷺ کے حلیہ کے بیان میں لفظ ربعۃ لکھا ہوا تھا جس کے معنی میانہ قد کے ہیں انہوں نے اس لفظ کو نکال کر اس کی جگہ آدم طویل رکھ دیا اور اسی طرح لفظ رجم کی جگہ لفظ حد یدر کھ دیا یہ تو لفظی تحریف ہوئی اور کبھی ایسا کرتے کہ توریت کی آیتوں کے معنی غلط کرتے اور تاویلات باطلہ سے سامعین کو شبہ ڈالتے۔ غرض یہ کہ یہ لوگ لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے کبھی الفاظ کی تفسیر غلط کرتے اور کبھی الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اگر سمجھتے کہ لفظوں کے بدلنے کی ضرورت نہیں ہمارا کام تاویل باطل ہی سے چل جائے گا تو لفظوں کو نہ بدلتے فقط غلط معنی بیان کرنے پر اکتفاء کرتے۔ جیسا کہ اہل بدعت کا طریقہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں لفظی تحریف پر تو قادر نہیں اپنی من مانی تاویلیں کرتے ہیں اور اگر جانتے کہ آیت میں ایسے صریح الفاظ ہیں کہ اس میں ہماری کوئی تاویل نہیں چل سکتی اور مسلمانوں کو اس سے ہمارے خلاف سند اور حجت ملے گی تو اس کے لفظوں ہی کو بدل ڈالتے جیسا کہ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ:۷۹) کی تفسیر میں مفصل گزرا قرآن مجید کی یہ آیت یہود کی

---

[1] چونکہ گزشتہ آیت ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ اور ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾ میں تکبر اور فخر کی اور حالت نشہ میں نماز کی ممانعت تھی اس اعتبار سے بھی اس آیت کو گزشتہ آیت سے ربط ہو گیا۔

تحریف لفظی کا صریح اور واضح ثبوت ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور اگر دیکھتے کہ اس وقت نہ تحریف لفظی کا موقع ہے اور نہ تحریف معنوی کا تو اس کو چھپا لیتے جیسا کہ ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ:۴۲) کی تفسیر میں گزرا۔

فائدہ: ﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ (المائدہ:۱۳) میں کلمات اور الفاظ کو اپنے ٹھکانوں سے ہٹانے اور پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے ایک کلمہ کو اس کی جگہ سے نکال ڈالا تو گویا انہوں نے اس کلمہ کو اپنے اصلی ٹھکانہ سے ہٹا کر بے ٹھکانہ کر دیا اور اسی طرح جب انہوں نے اس کلمہ کی غلط تفسیر اور غلط تاویل کی تو گویا کہ انہوں نے اس کلمہ کو اس کے اصلی ٹھکانہ سے جو باعتبار معنی کے اس کے لیے متعین تھا ہٹا دیا تحریف کی اصل حقیقت ہی یہ ہے کہ حروف کو اپنی جگہ سے منحرف کر دیا جائے تحریف کا اصل تعلق حروف سے ہے اور معنی سے بواسطہ حروف کے ہے۔

ایک اطلاع:

توریت اور انجیل میں لفظی تحریف اور بے شمار تغیرات اور اختلافات کی تحقیق اگر درکار ہو تو اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام اور ازالۃ الشکوک ہر سہ مصنفہ حضرت مولانا کیرانوی قدس سرہٗ کی مراجعت کریں یہود اور نصاریٰ کے جن اور انس بھی اگر جمع ہو جائیں تو ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ ہرگز ہرگز اس کے جواب پر قادر نہ ہوں گے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ توریت اور انجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی صرف معنوی تحریف ہوئی ہے یہ خیال خام ہے جو بالکل غلط ہے اور جو آیات اور احادیث صریح تحریف لفظی پر شاہد ہیں یہ قول ان میں تحریف کے مترادف ہے اور اب تو تحریف اس درجہ بدیہی ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ خود تحریف لفظی کے معترف اور مقر ہیں توریت و انجیل میں تحریف لفظی کے منکر مدعی ست اور گواہ چست کے مصداق ہیں جس شخص کا یہ گمان ہے کہ توریت و انجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی تو وہ یہ بتلائے کہ توریت اور انجیل کے نسخوں میں جو ہزارہا اختلافات موجود ہیں وہ کہاں سے آئے اور قرآن کریم میں جو صراحۃً یہ آیا ہے کہ نبی اُمّی کا ذکر توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اور حسب ارشاد باری ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ (الفتح:۲۹) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر بھی توریت اور انجیل میں موجود تھا۔ پس توریت و انجیل میں تحریف لفظی کے منکر اگر ان آیات قرآنیہ پر ایمان رکھتے ہیں تو بتلائیں اور دکھلائیں کہ توریت و انجیل میں کس جگہ نبی اُمّی اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے اور پھر تاویل کریں کیونکہ تاویل تو موجود میں چلتی ہے نہ کہ معدوم میں الحمد للہ ثم الحمد للہ ہم اہل اسلام ببانگ دہل کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی شان تو بہت ہی بلند ہے۔ مؤطا، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کے نسخوں کو ملا لیجیے بحمدہٖ تعالیٰ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب کے نسخوں میں بھی تفاوت نہ ملے گا اور یہود کی ایک عادتِ بد یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کوئی حکم سناتے ہیں تو یہود جواب میں یہ کہتے ہیں ﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو سن لیا اور دل میں یا آہستہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے نہیں مانا۔ یعنی ہم نے فقط کان سے سن لیا مگر دل سے نہیں مانا مطلب یہ ہے کہ یہ بات ہم کو منظور نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ظاہر میں کہتے تھے اور مقصود ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر تھا لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اس میں ان کے نفاق کے کھل جانے کا غالب احتمال ہے اور اثناء گفتگو میں ایک لفظ یہ کہتے ہیں اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ سن تو۔ نہ سنایا جائیو اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں اگر یہ معنی لیے جائیں کہ آپ ہماری بات سنیے اور خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات بُری اور خلافِ مزاج نہ سنائے تو اس معنی کر یہ کلمہ دعا اور تعظیم کا ہے اور اگر اس کے یہ معنی لیے جائیں کہ آپ ہماری بات سنیے اور

خدا آپ کو نہ سنائے یعنی بہرا کر دے یا یہ معنی ہوں کہ تمہاری کوئی بات نہ سنی جائے یا یہ معنی ہوں کہ کوئی ایسی بات نہ سنو کہ جو تمہاری مرضی اور خوشی کے مطابق ہو تو اس معنی کر یہ کلمہ بد دعا اور تحقیر کا ہے غرض یہ کہ شرارت سے پیچدار اور ذو معانی لفظ بولتے تھے کہ سننے والا اچھے معنی پر محمول کرے اور دل میں برے معنی مراد ہوں اور من جملہ ان کی شرارتوں کے ایک شرارت یہ تھی وہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کرتے وقت راعنا کہتے اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ ہماری رعایت فرمایئے اور ہماری طرف توجہ اور التفات فرمایئے دوسرے معنی اس کے احمق اور مغرور کے ہیں رعونت سے مشتق ہے یا یہ کہ یہود کی زبان میں اس کے معنی احمق اور شیخی خورے کے ہیں ان کی زبان میں یہ کلمہ تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر اور عین کو کھینچ کر راعینا کہتے۔ جس کے معنی یہ ہو جاتے کہ اے ہمارے چرواہے اور گڈریے یہود کی یہ محض شرارت تھی کہ ذو معانی لفظ بولتے ظاہر کرتے کہ ہم اس کا استعمال اچھے معنی میں کر رہے ہیں مگر ان کا مقصود محض تمسخر ہوتا حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

غرض یہ کہ یہود ان ذو معنیین الفاظ کو اپنی زبانیں مروڑ کر اور دین اسلام میں طعنہ کی نیت سے کہتے ہیں عموماً استہزاء کرنے والوں کا یہ طریقہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ اپنی زبانوں کو اینٹھتے اور مروڑتے ہیں اور ایسے انداز سے بولتے ہیں کہ سننے والا الفاظ کو اچھے معنی پر محمول کر لے اور بُرے معنی کی طرف اس کا خیال بھی نہ جائے اور ان الفاظ سے یہود کا مقصود دین اسلام پر عیب لگانا اور طعنہ دینا تھا یہود اپنے دوستوں سے کہتے کہ ہم باتوں ہی باتوں میں محمد ﷺ کو بُرا کہہ جاتے ہیں مگر وہ ہماری بات کو نہیں سمجھتا اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہماری بات کو سمجھتا اور ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا۔

سو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو خوب کھول دیا اور ان کے مکر کو سب پر واضح اور آشکارا کر دیا۔

اور آنحضرت ﷺ تو ان کے لب ولہجہ ہی سے ان کے نفاق اور ان کے باطنی خُبث کو جان لیتے تھے: کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ﴾ (محمد: ۳۰) مگر حتی الوسع اغماض اور مسامحت فرماتے تھے۔

اور اگر یہ لوگ بجائے ان ذی وجوہ اور ذو معنیین الفاظ کے یہ کلمات کہتے۔ یعنی بجائے ﴿سَمِعۡنَا وَ عَصَیۡنَا﴾ کے ﴿سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا﴾ کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کے حکم کو گوش ہوش سے سنا اور دل وجان سے اس کو مانا اور بجائے ﴿اِسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ﴾ کے صرف اسمع کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہماری بات سن لیجیے اور بجائے راعنا کے انظرنا کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری طرف نظر التفات فرمایئے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور نہایت درست ہوتا یعنی یہ لوگ اگر بجائے ان پیچ دار اور ذو معانی الفاظ کے یہ کلمات کہتے جو ہم نے تلقین کیے تو وہ ان کے حق میں مفید اور نافع ہوتا اور فی حد ذاتہ بات بھی سیدھی اور سچی تھی یعنی حق تھی جس میں کسی قسم کا اینچ پیچ نہ تھا۔ ولیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر اور عناد کے باعث اپنی رحمت سے دور کر دیا اس لیے وہ مفید اور سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے آدمی جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کہ وہ ان خباثتوں اور شرارتوں سے مجتنب رہے اس لیے وہ اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے اور مشرف باسلام ہوئے۔

⁂

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

اے کتاب والو! ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا سچ بتاتا تمہارے پاس والے کو

مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ

پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں کتنے منہ پھر الٹ دیں ان کو پیٹھ کی طرف یا ان کو لعنت کریں

كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

جیسے لعنت کی ہفتہ والوں کو اور اللہ نے جو حکم کیا سو ہوا تحقیق اللہ

لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ

نہیں بخشتا ہے یہ کہ اس کا شریک پکڑے اور بخشتا ہے اس سے نیچے جس کو چاہے اور جس نے

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا طوفان باندھا۔

اہل کتاب کو نصیحت اور ایمان کی دعوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا... الٰى... فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اہل کتاب کی باطنی خباثتوں اور ظاہری شرارتوں کو بیان فرمایا اب بمقتضائے رحمت عامہ وشفقت تامہ ان کو اسلام اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور بطور نصیحت تحریف اور تکبر اور تمسخر کے برے انجام سے ڈراتے ہیں کہ قبل اس کے کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹائیں اور اصحاب سبت کی طرح تم پر لعنت کریں تم کو چاہیے کہ ایمان لے آؤ تا کہ اس ذلت اور رسوائی سے محفوظ ہو جاؤ اور بطور الزام اور اتمام حجت یہ فرمایا کہ یہ قرآن، کتب سابقہ کی تصدیق کرتا ہے اس پر ایمان لانا کتب سابقہ پر ایمان لانا ہے اور اس کی تکذیب کتب سابقہ کی تکذیب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے اہل کتاب جن کو کتاب (توریت) دی گئی حسد اور عناد کو چھوڑ دو اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے اور حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے درانحالیکہ وہ اس کتاب (توریت) کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے قرآن کی تصدیق توریت کی تصدیق ہے ایک روز رسول اللہ ﷺ نے اثناء گفتگو میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسد اور دیگر علماء یہود سے یہ فرمایا:

((یا معشر یہود اتقوا اللہ واسلموا فواللہ انکم لتعلمون ان الذی جئتکم به الحق)).

ترجمہ: "اے گروہ یہود خدا سے ڈرو اور اسلام قبول کرو قسم ہے خدا تعالیٰ کی تحقیق تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس جو

دین لے کر آیا ہوں وہ بالکل حق ہے۔"

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے اور دیدہ و دانستہ حق کا انکار کیا اور کفر پر اصرار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۴۴ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ محمد رسول ﷺ کی دعوت اور بشارت کی توریت سے تصدیق ہوتی ہے تو پھر تم کو ان پر ایمان لانے میں کیا عذر ہے تم کو چاہیے کہ توریت میں تحریف نہ کرو اور اس سے قبل ایمان لے آؤ کہ ہم تمہارے چہروں کی صورت اور ہیئت کو مٹا کر پشتوں کی طرف پھیر دیں یعنی تمہارے چہروں کی ناک اور کان اور آنکھ سب مٹا کر گدیوں کی طرح سطح واحد بنا دیں اور تمہارے چہرے تمہاری گدیوں کے ہم شکل ہو جائیں مطلب یہ ہے کہ چہروں پر آنکھوں اور ناک اور بھوؤں کا کچھ نشان باقی نہ رہے اور اس طرح چہرے گدیوں کے ہم شکل ہو جائیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی صورتوں کے نشانات اور اثرات کو سامنے سے ہٹا کر گدیوں کی طرف لگا دیں اور ان کی گدیوں کو منہ کی طرف پھیر دیں مقصود اس سے ان کی اہانت اور تذلیل ہوگی یہ ان کی تحریف کی اور کتاب الٰہی میں تغیر و تبدل کی سزا ہوگی یا اس سے بھی بڑھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں۔ وہ یہ کہ ہم ان پر لعنت کریں جیسا کہ ہم نے ہفتہ کی بے حرمتی کرنے والوں پر لعنت کی تھی یعنی جس طرح ہم نے ان یہودیوں کے اسلاف کو اپنی رحمت سے دور کر دیا تھا اسی طرح ان کو بھی اپنی رحمت سے دُور کر دیں۔ مفصل قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں آئے گا یہ تشبیہ صرف لعنت میں ہے کیفیت لعنت میں نہیں ہے مطلب صرف اس قدر ہے کہ جس طرح وہ ملعون ہوئے تھے یہ بھی ملعون ہو جائیں یہ مطلب نہیں کہ جس طرح وہ بندر اور سور ہوئے تھے یہ بھی بندر اور سور بن جائیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی دُعا کی برکت سے یہ امت مسخ کے عذاب سے محفوظ کر دی گئی اور اس کو بعید نہ سمجھو، اللہ کا حکم اور اللہ کا کام تو ہو کر ہی رہتا ہے اللہ پر یہود کے چہروں کا مٹانا اور ان پر لعنت کرنا کچھ دشوار نہیں پس تم کو چاہیے کہ چہروں کو مٹا کر گدیوں پر لگائے جانے سے پہلے اور لعنت سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

جاننا چاہیے کہ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ نہ ایمان لانے کی صورت میں ان امور کا وقوع ضروری ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو ممکن ہے کہ پہلی امتوں کی طرح تم کو بھی یہ سزائیں اور ذلتیں دیکھنا پڑیں کیونکہ اس قسم کی سزاؤں کا واقع ہونا ناممکن اور محال تو نہیں خدا تعالیٰ جب چاہے کر سکتا ہے۔ لہٰذا تم کو ڈرنا چاہیے اور اس سے پہلے ہی تم کو ایمان لے آنا چاہیے۔

چنانچہ بہت سے اہل کتاب جن کے دل میں خوف خدا تھا وہ اس آیت کو سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں مسلمان ہو چکے تھے کعب احبار رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسی آیت کو سن کر اسلام لائے کعب احبار رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے سنا، سنتے ہی دل پر اس قدر خوف ہوا کہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر دیکھا کہ میری صورت تو مسخ نہیں ہوگئی اور اسی جگہ اور اسی وقت اسلام لے آئے۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۴۴ ج ۵)

عدم مغفرت شرک و کفر

گزشتہ آیت میں ایمان نہ لانے پر وعید اور تہدید تھی اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ یہ خیال نہ کریں کہ کفر اور شرک بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے جس کی معافی اور مغفرت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ یہود کا زعم تھا کہ ﴿سَيُغْفَرُ لَنَا﴾

کہ ہم جو گناہ کریں گے وہ معاف ہو جائے گا بلکہ کفر اور شرک کے متعلق قانونِ خداوندی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بلا توبہ کے نہیں بخشا کفر اور شرک کے جرم کو اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے جیسا کہ تم لوگ عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ کر خدا کا شریک گردانتے ہو اور کفر اور شرک سے کمتر اور نیچے کے درجہ کے گناہوں کو خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ بلا توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے مگر سب کے لیے نہیں بلکہ جس کے لیے وہ معاف کرنا چاہے اس کے لیے معاف کر دیتا ہے بلا توبہ کی قید اس لیے لگائی کہ توبہ سے تو سو سال کا کفر اور شرک بھی ایک منٹ میں معاف ہو جاتا ہے۔ مقصود بلا توبہ کے مغفرت کا مسئلہ بتلانا ہے کہ کفر اور شرک بلا توبہ کے قابل مغفرت نہیں ان کی سزا دائمی عذاب ہے البتہ کفر اور شرک سے نیچے درجہ کے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب بلا توبہ کے قابل مغفرت ہیں اللہ تعالیٰ جس کی چاہے مغفرت کر دے اور جس کو چاہے وہ عذاب دے اشارہ اس طرف ہے کہ یہود اور نصاریٰ شرک میں مبتلا ہیں وہ مغفرت کی توقع نہ رکھیں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بڑا ہی طوفان باندھا جو قطعاً قابل مغفرت نہیں خدا تعالیٰ پر افتراء ایسا جرم عظیم ہے کہ وہ کسی طرح قابل معافی نہیں اس لیے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے کہ مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے۔

لطائف و معارف

① کتاب و سنّت اور اجماع امت سے یہ امر قطعاً ثابت ہے کہ کفر اور شرک یعنی کافر اور مشرک دونوں ہی قابل مغفرت نہیں مگر اس جگہ آیت میں شرک کا ذکر ہے کفر کا ذکر نہیں اور بعض کافر ایسے بھی ہیں جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں مگر اسلام کے قائل نہیں اس شبہ کے چند جواب ہیں۔

جواب اوّل: ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف شرک کا ذکر ہے اور دوسری آیات میں صرف کفر کا ذکر ہے اور بعض آیات میں دونوں کا ذکر ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر آیت میں مَعًا دونوں کا ذکر ہو۔ پس مجموعہ آیات سے کفر اور شرک دونوں ہی کا غیر مغفور اور نا قابل مغفرت ہونا ثابت ہو گیا حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ ⑥﴾ (البینہ) اس آیت میں کافرین اہل کتاب اور مشرکین دونوں ہی کے لیے خلود فی جہنم کا ذکر فرمایا جس سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین کی طرح کافر کی مغفرت بھی نہیں ہو سکتی۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ ... الی قوله ... كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۚ﴾ (الحج: ۱۹ تا ۲۱) اور ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ (محمد: ۳۴) ان آیات میں کافروں کے عذاب کا دائمی ہونا اور ان کی عدم مغفرت کا ذکر ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ۙ اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ﴾ اس آیت میں کافروں اور ظالموں یعنی مشرکوں دونوں ہی کے متعلق فرمادیا کہ ان کی مغفرت نہیں ہو سکتی ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرا جواب: آیت میں شرک سے مطلق کفر مراد ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (روح المعانی ص ۴۶ ج ۵)
شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ترجمہ مشکوٰۃ میں یہی فرماتے ہیں کہ شرک سے مطلق کفر مراد ہے خواہ وہ کسی قسم کا ہو اور علامہ

خیالی حاشیہ شرح عقائد میں فرماتے ہیں:

وقوله تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ای يكفر به وانما عبر عن الكفر بالشرك لان كفار العرب كانو امشركين. انتهٰى

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ اس میں شرک سے مطلق کفر مراد ہے اور کفر کو شرک کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا ہے کہ کفار عرب مشرک ہی تھے۔

تیسرا جواب: ① کہ مشرک اس کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو تو مانتا ہو مگر اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانتا ہو پس جب اس کی مغفرت نہیں تو جو سرے ہی سے خدا کا کافر اور منکر ہو اس کی تو بدرجہ اولیٰ مغفرت نہیں ہوگی۔

② کفر اور شرک کے ناقابل مغفرت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کفر اور شرک اسلام کی نقیض ہے اور بغیر اسلام کے مغفرت اور نجات ممکن نہیں۔ پس اگر کفر اور شرک بھی قابل مغفرت ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام کے بغیر بھی نجات اور مغفرت ممکن ہے۔

② نیز تمام انبیاء کرام علیہم السلام کفر و شرک کا دروازہ بند کرنے کے لیے مبعوث ہوئے اور کفار و مشرکین سے جہاد و قتال کیا پس اگر کفر اور شرک کی بھی مغفرت ممکن ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان لانا ضروری نہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور ایمان اور اسلام کی دعوت اور اہل کفر اور اہل شرک سے جہاد و قتال سب عبث تھا معاذ اللہ کفر اور شرک کی مغفرت کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔

③ نیز بے شمار آیات و احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم قطعی دیا ہے کہ کافروں اور مشرکوں کا عذاب دائمی ہوگا کبھی عذاب دائمی سے رہا نہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم قطعی میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ کافر کا عذاب دائمی ہے تو صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اس کی مغفرت ممکن نہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ کفر اور شرک کا عذاب دائمی اور ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا جیسا کہ نصوص قطعیہ اور مؤکدہ اس پر دلالت کرتی ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ کفر اور کافروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عداوت ذاتیہ ثابت ہو چکی ہے تو ناچار رحمت و رأفت جو صفات جمال میں سے ہے اس سے آخرت میں کافروں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا اور صفت رحمت حق تعالیٰ کی عداوت ذاتی کو دور نہ کرے گی۔ کیونکہ جو چیز ذات سے تعلق رکھتی ہے وہ بہ نسبت اس چیز کے جو صفت سے تعلق رکھتی ہے کہیں زیادہ اقویٰ اور ارفع ہوتی ہے۔ پس مقتضائے ذات کو نہیں بدل سکتا اور یہ جو حدیث قدسی میں ہے کہ:

((سبقت رحمتي على غضبي)). "میری رحمت میرے غضب پر بڑھی ہوئی ہے۔"

سو اس غضب سے غضب صفاتی سمجھنا چاہیے جو کہ گنہ گاروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضب ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے اور حق تعالیٰ شانہ، کا یہ ارشاد:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الاعراف:۱۵۶) "میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔"

سو جاننا چاہیے کہ مومنوں اور کافروں کے حق میں رحمت کا وسیع ہونا صرف دنیا ہی میں مخصوص ہے اور آخرت میں تو کافروں کو رحمت کی بو بھی نہ پہنچے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷﴾ (یوسف) "اللہ کی رحمت سے سوائے کافروں کے کوئی نا اُمید نہ ہوگا۔"

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ جب کافروں کو دُنیا میں خدا کی رحمت سے نصیب اور حصہ ہے تو پھر دنیا میں صفت رحمت نے حق تعالیٰ کی ذاتی عداوت کو کیسے دور کر دیا۔

جواب: کافروں کو دُنیا میں جو رحمت سے حصہ ملا ہے وہ فقط ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور در حقیقت ان کے حق میں وہ استدراج اور مکر ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ ﴿ اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمۡ بِہٖ مِنۡ مَّالٍ وَّ بَنِیۡنَ نُسَارِعُ لَھُمۡ فِی الۡخَیۡرٰتِ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ○ ﴾ (المومنون:۵۵،۵۶) اور آیت کریمہ ﴿سَنَسۡتَدۡرِجُھُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ وَاُمۡلِیۡ لَھُمۡ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ○ ﴾ (القلم:۴۵) انہی معنی پر شاہد ہیں۔ فَافۡھَمۡ ذٰلِكَ وَاسۡتَقِمۡ. (مکتوب ۲۶ از دفتر اول)

④ یہ آیت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب بغیر توبہ کے مرجائے تو وہ اللہ کی مشیت میں ہے وہ اگر چاہے تو اپنے فضل وکرم اور جود واحسان سے اس کو معاف کر کے جنت میں داخل کرے اور چاہے اس کو عذاب دوزخ میں مبتلا کرے۔ پس یہ آیت معتزلہ اور قدریہ پر حجت قاطعہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کبھی نہیں بخشا جائے گا اور یہ کہتے ہیں کہ گناہوں کی معافی کا وعدہ بشرط توبہ ہے مگر معتزلہ کا یہ قول بالکل غلط بلکہ ایک مضحکہ خیز امر ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشے گا نہیں اور شرک سے کم درجے کے جتنے گناہ ہیں اُن کو اگر چاہے گا تو بخش دے گا اور ظاہر ہے کہ توبہ کے ساتھ یہ وعدہ صحیح نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ توبہ سے تو بالاتفاق شرک بھی معاف ہو جاتا ہے اور کبیرہ کا تو توبہ سے معاف ہونا اور بھی یقینی ہے۔ لہٰذا اس کی نسبت یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ اگر خدا چاہے گا بخش دے گا غرض یہ کہ آیت اس امر پر نص قاطع ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور بے شمار احادیث اور اقوال صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ بلا توبہ کے اللہ کی رحمت سے معاف ہوسکتا ہے اور پھر آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے لاتعد ولا تحصیٰ کبائر معاف ہوں گے۔

⑤ ﴿مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ﴾ کا بہتر ترجمہ یہ ہے کہ جو گناہ شرک سے کمتر اور نیچے کے درجہ میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے زید دون عمرو زید عمرو سے کم تر اور فروتر ہے دون کے معنی کمتر اور فروتر کے ہیں ہر گناہ شرک سے کمتر ہے اور ہر کفر شرک کے یا تو برابر ہے یا اس سے بالا اور برتر ہے۔

⑥ اس آیت کی تفسیر میں معتزلہ کو سخت مشکل پیش آئی ہے کیونکہ معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ شرک کی طرح بلا توبہ معاف نہیں ہوسکتا اور علامہ زمخشری نے بڑی دور دراز تاویلیں کی ہیں مگر بنتی اور چلتی نہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ ؕ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَ
تو نے نہ دیکھے وہ جو آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے۔ جس کو چاہے اور
لَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ۝۴۹ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ وَ
ان پر ظلم نہ ہو گا تاگے برابر دیکھ کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور

ع ۸ / ۴

كَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

یہی کفایت ہے گناہ صریح۔

یہود کے دعوائے تقدس کی تردید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ... الى ... وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہود کا حال بیان کیا کہ وہ کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث اور آلودہ ہیں اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہود باوجود ان خرابیوں کے اپنے آپ کو پاک اور مقدس کہتے ہیں کبھی یہ کہتے ہیں ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں ﴿لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا﴾ (البقرہ:۱۱۱) یعنی جنت میں سوائے یہود کے کوئی اور داخل نہ ہوگا اور کبھی یہ کہتے ہیں ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ (البقرہ:۸۰) یعنی سوائے چند روز کے دوزخ کی آگ ہم کو چھوئے گی نہیں ہمارے باپ دادا نبی تھے ان کی سفارش سے ہم رہا ہو جائیں گے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہم تو معصوم بچوں کی طرح بے گناہ ہیں ان کے اس فخر و مباہات کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جو باوجود گوسالہ پرستی کے اور باوجود حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے کے اپنے آپ کو کفر اور شرک سے پاک اور مقدس بتاتے ہیں حالانکہ کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث ہیں خود بخود پاکی اور تقدس کے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ اور عمل صالح کی دولت سے نوازا وہ پاک ہوا۔ جزاء و سزا اعمال کے مطابق ہوگی اور قیامت کے دن تاگے کے برابر بھی ان پر ظلم نہ ہوگا دیکھئے تو سہی کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ باوجود کفر اور شرک کے اپنے کو پاک بتلاتے ہیں اور باوجود مغضوب اور معتوب ہونے کے اپنے کو محبوب خداوندی کہتے ہیں اور باوجود بدکار ہونے کے اپنے کو معصوم کہتے ہیں اور یہی بات یعنی دیدہ و دانستہ خدا پر جھوٹ بولنا صریح گناہ اور صریح جرم ہونے کے لیے کافی ہے۔ بالفرض اگر کوئی بھی گناہ نہ ہو تو خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا کھلا گناہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اپنے کو پاک باز کہنا اور تقدس کا دعویٰ کرنا صریح گناہ ہے۔

اگر مردی از مردیئے خود مگوی — نہ ہر شہسوارے بدر برد گوئے
گنہ گار اندیشہ ناک از خدا — بسے بہتر از عابد خود نما
اگر مشک خالص نداری مگو — وگر ہست خود فاش گردد بوی

⁂

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ

تو نے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا مانتے ہیں بتوں کو

الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ

اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو یہ زیادہ پائے ہیں

اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝۵۱ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ

مسلمانوں سے راہ وہی ہیں جن کو لعنت کی اللہ نے اور جس کو لعنت کرے اللہ پھر

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝۵۲ؕ

تو نہ پاوے کوئی اس کا مددگار

مذمت یہود بر عداوت اسلام وحسد بر مسلمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا... الٰی... فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝۵۲ؕ﴾

ربط: اوپر کی آیت میں یہود کی شرارت اور خباثت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں یہود کی ایک اور قباحت اور خباثت کا بیان ہے وہ یہ کہ یہود کو اسلام سے اس درجہ عداوت ہے کہ مشرکین کو موحدین پر ترجیح دیتے ہیں یہودیوں کو جب آنحضرت ﷺ سے عداوت بڑھی تو یہود خیبر کے علماء اور رؤساء کا ایک وفد جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا اس غرض سے مکہ آیا کہ قریش کے ساتھ آپ ﷺ سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے کے لیے عہد کرلے اور قریش نے وفد یہود کی بہت خاطر تواضع کی اور قریش نے یہ اطمینان دلایا کہ ہم تا حد امکان تمہارے ساتھ ہو کر محمد ﷺ کے ساتھ لڑنے میں دریغ نہ کریں گے۔ مگر ہم تو ان پڑھ ہیں ہم کو کچھ علم نہیں اور تم علم والے لوگ ہو یہ بتلاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا پیروانِ محمد کا کعب بن اشرف نے کہا کہ تم مجھے اپنا دین بتلاؤ کہ وہ کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اور مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اور خانۂ خدا کو آباد رکھتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں اور ہم حرم کے رہنے والے ہیں اور محمد نے اپنے بزرگوں کا دین چھوڑ دیا اور رشتوں کو توڑ دیا اور حرم سے جدا ہو گیا اور ہمارا دین قدیم ہے پہلے سے چلا آرہا ہے اور محمد ﷺ کا دین نیا ہے کعب نے کہا بخدا تم بہ نسبت محمد کے زیادہ ہدایت اور راہ راست پر ہو اور تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے اور یہود نے قریش کی خاطر سے بتوں کو سجدہ کیا اور ان کی تعظیم کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن کو کتاب (تورات) کے علم سے ایک حصہ دیا گیا ہے باوجود اس کے وہ بتوں اور معبود باطل پر ایمان لاتے ہیں اور شیطان کو مانتے ہیں اور یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ وہ مسلمانوں کی عداوت میں کفار مکہ اور مشرکین کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ مشرکین مکہ مسلمانوں سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شرک توحید سے بہتر ہے حالانکہ جس کتاب (توریت) پر یہ ایمان رکھتے ہیں وہ

توحید کی تعلیم اور بت پرستی کی مذمت سے بھری پڑی ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے یعنی جن لوگوں نے مشرکین کو موحدین پر ترجیح دی اور طریقہ کفر و شرک کو طریقہ اسلام سے افضل بتلایا ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے تو (اے نبی) آپ اس کا کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے جو اس کو دنیا اور آخرت کی ذلت اور رسوائی سے بچا سکے۔ چنانچہ یہود مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلیل اور خوار ہوئے کوئی قید ہوا اور کوئی قتل اور قریش کی کوئی مدد ان کے کام نہ آئی اس آیت میں اسلام کے غلبہ اور یہود کے مغلوب ہونے کی بشارت ہے۔

فائدہ: جبت بتوں کو کہتے ہیں اور طاغوت شیاطین کو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ طاغوت ہر سرکش کو کہتے ہیں اس جگہ طاغوت سے کعب بن اشرف یہودی مراد ہے جو شیطان تھا صورت میں انسان کے اور بعض کا قول یہ ہے کہ ہر معبود باطل کو طاغوت کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾
یا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر
اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ
یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے دی ہے
اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ
ابراہیم کے گھر میں کتاب اور علم اور ان کو دی ہم نے بڑی سلطنت پھر ان میں
مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾
کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے اٹک رہا اور دوزخ بس ہے جلتی آگ
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ
جو لوگ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں جس وقت پک جاوے گی
جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
کھال ان کی بدل کردیں گے ان کو اور کھال کہ چکھتے رہیں عذاب بیشک اللہ
كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ
ہے زبردست حکمت والا اور جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ان کو ہم داخل کریں گے

جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ

باغوں میں جن کے نیچے بہتی نہریں رہ پڑے وہاں ہمیشہ ان کو وہاں

اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِیۡلًا ﴿۵۷﴾

عورتیں ہیں ستھری اور ان کو ہم داخل کریں گے گھن کی چھاؤں میں۔

مذمت یہود بر بخل وحسد

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿اَمۡ لَهُمۡ نَصِیۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ... الٰی... وَّ نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِیۡلًا ﴿۵۷﴾﴾

ربط: یہ آیت بھی یہود کے حق میں ہے گزشتہ آیات میں یہود کے معائب بیان ہوئے کہ وہ باوجود کفروشرک میں ملوث ہونے کے اپنے آپ کو پاک اور مقدس بتلاتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں اور مشرکین کو موحدین پر ترجیح دیتے ہیں اب ان آیات میں یہود کے بخل اور حسد کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ غایت درجہ بخیل اور حاسد ہیں محض حسد کی وجہ سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے کہ نبی آخر الزمان بنی اسمٰعیل میں سے کیوں ہوئے بنی اسرائیل میں سے کیوں نہ ہوئے؟ نیز یہود کا یہ دعوےٰ اور زعم تھا کہ اخیر زمانہ میں یہود کی سلطنت ہوگی اور یہ کہتے تھے کہ آخر حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ کر رہے گی برائے چندے اگر اوروں کو مل جائے تو مضائقہ نہیں۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تکذیب کی اور ان کے دعوے کو جھوٹا قرار دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا ان کے لیے ان کی آرزو کے مطابق سلطنت اور بادشاہی میں سے کوئی حصہ ہے ہرگز نہیں یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ نہیں پھر ان کو آنحضرت ﷺ کے اتباع سے کیوں عار آتی ہے ان لوگوں پر ظلم اور طغیان اور عصیان اور عدوان کی وجہ سے ذلت اور مسکنت کی مہر لگ چکی ہے۔ پس اگر ان لوگوں کو سلطنت مل جائے تو یہ لوگ اس درجہ بخیل ہیں کہ لوگوں کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیں اور سلطنت کے منافع کو اپنے لیے مخصوص کرلیں اور جو لوگ اس درجہ بخیل ہوں کہ سلطنت ملنے کے بعد لوگوں کو ایک تل دینا بھی گوارا نہ کریں وہ سلطنت کے حق دار اور اہل نہیں یہ اُن کے بخل کا بیان تھا اب آئندہ آیت میں ان کے حسد کو بیان کرتے ہیں کیا یہ یہود عرب کے لوگوں یعنی بنی اسماعیل کی اس نعمت پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے لوگوں سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب مراد ہیں اور نعمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور نبوت کے ساتھ حکومت اور بادشاہت بھی دی حسد اس پر ہے کہ نبوت اور بادشاہت تو حصہ بنی اسرائیل کا تھا دین و دنیا کی نعمت بنی اسمٰعیل کو کیسے مل گئی۔

حق تعالیٰ شانہٗ ان کے جواب میں فرماتے ہیں: پس تحقیق دی ہے ہم نے اولاد ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت اور بادشاہت بھی دی ہے جیسے حضرت یوسف اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی ... ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اسی طرح سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ کی نبوت اور ریاست پر کیوں حسد کرتے ہیں حق تعالیٰ شانہ، نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک خاندان (بنی اسرائیل) کو نبوت و بادشاہت سے سرفراز کیا۔ اب دوسرے خاندان یعنی بنی اسمٰعیل کو نبوت و بادشاہت عطاء کی تو حسد اور تعجب کی کیا بات ہے یہود بے بہود کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی خاندان کو نہیں ملے گا۔ پس ان حاسدین میں سے کوئی تو آپ پر ایمان لایا جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء اور کوئی ایمان لانے سے باز رہا۔ جیسے کعب بن اشرف وغیرہ اور ان کی سزا کے لیے دوزخ کی دھکتی ہوئی آگ کافی ہے اور بعض علماء نے بہ کی ضمیر انبیاء سابقین کی طرف راجع کی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں سے جن نبیوں کو ہم نے کتاب وحکمت دی تھی ان پر بعض یہود تو ایمان لائے اور بعض نے ان کو بھی نہ مانا۔ پس اے نبی کریم ﷺ اگر یہ لوگ آپ کی نبوت کو بھی نہ مانیں تو کوئی تعجب نہیں ان کی جو روش پہلے تھی وہی اب بھی ہے۔ ایسے ہٹ دھرموں کی سزا کے لیے دوزخ کافی ہے۔ یہ آیت تو یہود کے حق میں تھی اب آیندہ آیت میں عام مومنین اور عام کفار کی جزا وسزا کا بطور قاعدۂ کلیہ ذکر ہے جس میں یہود بھی داخل ہیں تحقیق جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو نہیں مانا ہم ضرور ان کو آگ میں ڈالیں گے جب کبھی (آگ سے) ان کی کھالیں جل جایا کریں گی تو ہم فوراً پہلی کھالوں کے سوا دوسری نئی کھالیں بدل دیا کریں گے تاکہ اچھی طرح عذاب کا مزہ چکھتے رہیں اور ہر لحظہ اور ہر ساعت عذاب کا الم محسوس کرتے رہیں تازہ کھال کو جس قدر الم محسوس ہوتا ہے جلی ہوئی کھال کو اتنا محسوس نہیں ہوتا بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے وہ سب پر غالب ہے۔ کوئی اس کو عذاب دینے سے روک نہیں سکتا اور حکمت والا ہے اس کا عذاب عین حکمت اور مصلحت ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان باغوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے اور کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے ان کے لیے ان باغوں میں پاک وصاف بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو بڑے گنجان سایہ کی جگہ میں بھی داخل کریں گے۔ یعنی جنت میں نہ گرمی ہوگی اور نہ سردی بلکہ ایسا آرام ملے گا جیسا سایہ میں بیٹھ کر ملتا ہے ملک عرب چونکہ نہایت گرم ہے۔ اس لیے وہاں کے لوگ سایہ کو غایت درجہ کی راحت جانتے تھے۔ اس مقام پر لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جب جنت میں سورج نہیں تو سایہ کیسا؟ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا﴾ (الدھر: ۱۳)

جواب: یہ ہے کہ روشنی اور دھوپ کے لیے خاص آفتاب کا وجود ضروری نہیں اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے نور اور تیز روشنی پیدا کردے اُخروی نعمتوں کو دنیاوی نعمتوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے جس طرح وہ آخرت میں دودھ اور شہد بلا اسباب ظاہرہ کے محض اپنی قدرت سے پیدا فرمائے گا۔ اسی طرح وہ جنت میں روشنی اور سایہ بھی اپنی قدرت سے پیدا فرمادے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ
اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچاؤ امانتیں امانت والوں کو اور جب چکوتی کرنے لگو
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ
لوگوں میں تو چکوتی کرو انصاف سے اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ

اللہ ہے سنتا دیکھتا اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور

أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

حکم مانو رسول کا اور جو اختیار والے ہیں تم میں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں

فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور دن

۸ ع ۹ ۵ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ ع

پچھلے پر یہ خوب ہے اور بہتر تحقیق کرنا ہے۔

حکم نوزدہم۔ اداءِ امانت واقامت عدل

ربط: دُور سے یہود کے قبائح اور حدود اللہ سے ان کی تعدیوں کا بیان چلا آرہا ہے اب ان آیات میں ان کی ایک اور تعدی کو بیان فرماتے ہیں کہ منجملہ تعدی حدود اللہ کے ایک تعدی امانت میں خیانت اور فیصلہ میں بے انصافی ہے یہود کی یہ عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فصل خصومات میں رشوت لے کر بے انصافی کرتے اس لیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ امانت داری اور عدل وانصاف اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اس لیے دخول جنت ✽ اور ازواج مطہرہ اور ظِل ظلیل کے مستحق اہل امانت اور اہل عدالت ہی ہو سکتے ہیں۔ اور اعمال صالحہ میں امانت اور عدالت بہت بڑا عمل صالح ہے بلکہ تمام اخلاق اور اعمال اور معاملات دینیہ ودنیویہ اور حکومت وریاست کی روح بھی صفت عدل وامانت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ اور سپرد کردو خواہ وہ امانتیں دُنیا سے متعلق ہوں یا دین سے اس آیت میں عثمان بن طلحہ کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی عثمان نے کنجی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں آپ کو خدا کا رسول جانتا تو میں کنجی دینے سے انکار نہ کرتا لیکن میرے علم میں آپ خدا کے رسول نہیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عثمان کا ہاتھ پکڑ کر مروڑ دیا اور کنجی اُن سے چھین لی اور خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جب آپ باہر نکلے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے درخواست کی کہ یہ کنجی مجھ کو دے دی جائے تا کہ سقایت زمزم یعنی حاجیوں کو زمزم

✽ جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔

پلانے کی خدمت کے ساتھ خانہ کعبہ کی حجابت (کلید برداری) بھی مجھے مل جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالہ کر دو۔ علی رضی اللہ عنہ نے کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالہ کر دی اور کہا کہ تمہارے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی عثمان بن طلحہ نے جب یہ آیت سنی تو فوراً مسلمان ہو گئے اور کہا کہ:
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن طلحہ فتح مکہ کے دن اس آیت کے نزول کے بعد مشرف باسلام ہوئے لیکن اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ عثمان بن طلحہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں خالد بن ولید کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور جب فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ مکہ آئے اور عثمان سے خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی تو عثمان نے بے تامل آپ کے حوالے کر دی اور پھر خانہ کعبہ سے باہر آ کر جب آپ وہ کنجی عثمان کو دینے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بول اُٹھے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کنجی میرے حوالے کر دی جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے عثمان کی امانت (کنجی) عثمان کے حوالے کر دی اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کنجی تم کو واپس دلائی ہے اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہے گی اور جو شخص یہ کنجی تم سے چھینے گا وہ ظالم کہلائے گا مرتے دم تک یہ کنجی عثمان ہی کے پاس رہی مرتے وقت یہ کنجی اپنے بھائی شیبہ کو دی۔ چنانچہ اب تک خانہ کعبہ کی کنجی شیبہ کی اولاد میں ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اسی کی اولاد میں رہے گی۔

عدل کا حکم

اور اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو یعنی فیصلہ میں کسی کی رعایت نہ کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو۔ مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کو اپنے پاس بٹھا کر دونوں کی طرف متوجہ ہو اور دونوں کی بات سن کر جو حق معلوم ہو اس کے مطابق فیصلہ کر دو اور اپنے اور پرائے کا امتیاز نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بہت ہی عمدہ نصیحت کرتا ہے یعنی امانت کا ادا کرنا اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا بلاشبہ امانت اور عدالت نہایت ہی عمدہ خصلت ہے۔ جس پر دین و دنیا کی صلاح اور فلاح موقوف ہے آخرت کا معاملہ تو بہت بڑا ہے دنیائے فانی کی حکومت بھی بدون امانت اور عدالت نہیں چلتی بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال و افعال کو جو فیصلہ کے وقت سرزد ہوتے ہیں سننے والا دیکھنے والا ہے تمہاری امانت اور خیانت اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ پس تم کو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلو اور اختلاف کے وقت اللہ اور اس کے رسول یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اطاعت اور فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی جو قانون عدل اور امانت کا واضع ہے اور فرمانبرداری کرو پیغمبر خدا کی جو قانون خداوندی کا شارح ہے رسول جو بھی کہتا ہے وہ سب خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے نبی کی زبان حکم خداوندی کی ترجمان ہے اور فرمانبرداری کرو اپنے فرماں رواؤں کی بشرطیکہ وہ تم میں سے ہوں یعنی مسلمانوں سے ہوں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوں اور ان حُکام کا مقصود حکومت سے یہ ہو کہ احکام شریعت کو لوگوں میں جاری اور نافذ کریں اور کتاب و سنت کے مطابق لوگوں میں امانت اور عدالت کے ساتھ فیصلہ کریں تو ایسے حکام کی اطاعت واجب ہے اور اگر تم میں اور حکام میں کسی وقت کسی شے میں باہم نزاع اور اختلاف ہو جائے کہ یہ حکم اور فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کو موافق ہے یا مخالف تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف راجع کرو یعنی جس بات میں اختلاف ہو تو اس کو

کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یعنی اگر تم اس پر ایمان رکھتے ہو کہ قانون خداوندی کی اطاعت واجب ہے اور اس پر ایمان رکھتے ہو کہ قیامت کے دن قانون شریعت پر عمل کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کو جزاء و سزا ضرور ملے گی تو نزاع کے وقت کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو۔ یہ یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا ہی تمہارے لیے غایت درجہ نافع اور بہتر ہے اور اگر بالفرض والتقدیر اس وقت تم کو حکم شرعی نافع اور مفید نہ معلوم ہو تو خوب سمجھ لو کہ وہ باعتبار انجام کے تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے یعنی اس کی عاقبت محمود ہے فیصلہ میں خدا کی طرف رجوع کرنے کا انجام بہتر ہے اور اپنی خواہش اور غرض کی طرف رجوع کرنے کا انجام بُرا ہے۔

لطائف و معارف

① امانت کی حقیقت یہ ہے کہ جس کسی کا جو حق تم پر واجب ہو اس کو طیب خاطر کے ساتھ ادا کر دو۔

② آیت کا نزول اگرچہ خاص واقعہ مفتاح میں ہوا ہے لیکن بالاجماع یہ آیت مال ودیعت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ لفظ امانات میں جملہ اقسام کی امانتیں داخل ہیں کیونکہ الامانات پر جو الف لام داخل کیا گیا ہے وہ استغراق کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جملہ اقسام کی امانتوں کی رعایت واجب ہے کسی امانت میں بھی خیانت روا نہیں۔

③ جاننا چاہیے کہ انسان کے معاملات کی کل تین قسمیں ہیں یا تو انسان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور یا لوگوں کے ساتھ اور یا اپنے نفس کے ساتھ ہے تینوں قسموں میں امانت کی رعایت ہر انسان پر فرض ہے۔

① خدا تعالیٰ کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ جن باتوں کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو بجا لائے اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے رکا رہے احکام خداوندی کی بجا آوری میں خیانت نہ کرے۔

② اور لوگوں کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ ان کی ودیعتیں اور ان کے قرض ادا کرے ماپ تول میں کمی نہ کرے اور بادشاہوں کی امانت یہ ہے کہ رعایا کے حقوق ادا کریں عہدہ اور منصب کسی نااہل کو نہ دیں نااہل کو عہدہ اور منصب دینا رعایا کے ساتھ خیانت ہے اور علماء کی امانت یہ ہے کہ احکام خداوندی بلا کم و کاست شریعت کے مطابق لوگوں تک پہنچا دیں۔

③ اور اپنے نفس کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ اپنے اعضاء و جوارح سے وہ کام نہ لے جو دنیا اور آخرت میں اس کے لیے مضر ہوں مثلاً زبان کو کلمات کفر اور بدعت اور کذب و غیبت سے محفوظ رکھے اور آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اس کو حرام کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھے اور کان کی امانت یہ ہے کہ جھوٹ اور غیبت اور گانے بجانے کے سننے سے محفوظ رکھے اور شرمگاہ کی امانت یہ ہے کہ اس کو حرام سے بچائے۔

قرآن کریم میں جا بجا امانت ادا کرنے کی تاکید آئی ہے اور حدیث میں ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔

④ دوسری آیت یعنی ﴿ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ میں حکام کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے اختلافات اور نزاعات کا فیصلہ عدل اور انصاف کے ساتھ کریں حق کے مطابق فیصلہ کریں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ کریں۔

دنیا کے اعتبار سے عدل کا فائدہ یہ ہے کہ حکومت کا بقاء اور استحکام عدل و انصاف پر موقوف ہے حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی جس حکومت سے عدل و انصاف رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ملک کی برکتیں بھی رخصت ہو جاتی ہیں آسمان کی بارشیں کم ہو جاتی ہیں اور زمین کی پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے مروتیں مضمحل ہو جاتی ہیں ملک میں مکر و فریب پھیل جاتا ہے اور سکون اور اطمینان گم ہو جاتا ہے اور جب مظلوم دادرسی اور فریاد سے محروم ہو کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو قہر خداوندی جوش میں آتا ہے اور پھر بعد چندے وہ ہوتا ہے جو دنیا دیکھتی ہے اللہ پناہ میں رکھے اور آخرت کے اعتبار سے عدل کا فائدہ یہ ہے کہ عدل و انصاف قیامت کے دن حق تعالیٰ کے قرب و رضا اور اعزاز و اکرام کا ذریعہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے حاکموں کو قیامت کے دن نور کے منبروں پر بٹھایا جائے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ① عادل فرمانروا ② روزہ دار ③ مظلوم

اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات شخصوں کو عرش کے سایہ میں جگہ دے گا منجملہ ان کے ایک عادل فرمانروا ہے۔

⑤ اولو الامر کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اولی الامر سے امراء اور حکام مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اولی الامر سے فقہاء اور علماء دین مراد ہیں۔

حضرت ابن عباس، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم حسن بصری ضحاک مجاہد رحمۃ اللہ علیہما کا یہی قول ہے۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۷۶ ج ۲)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہی قول مختار اور پسندیدہ ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۵۹ ج ۵)

اور شیعہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے ایمہ اثنا عشر مراد ہیں یعنی ایمہ معصومین مراد ہیں جن کا دنیا میں کہیں وجود نہیں نہ معلوم کہ حضرات شیعہ نے معدوم کی اطاعت کی کیا صورت نکالی ہے۔

اور غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر کے معنی ارباب حکومت اور اہل اختیار کے ہیں جو امراء اور حکام ❶ اور علماء دین اور خلفاء راشدین سب پر صادق آتی ہیں۔ کیونکہ شاہ عبدالقادر نے اولی الامر کا ترجمہ (اور جو اختیار والے ہیں تم میں) کیا ہے اور مولانا اشرف علی صاحبؒ نے اولی الامر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے اور جو لوگ تم میں اہل حکومت ہیں اور حکومت اور اختیار عام ہے خواہ دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے اعتبار سے تدبیر ملکی اور حرب و ضرب میں امراء و حکام کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ ان کے احکام شریعت کے مطابق ہوں اور اگر امیر اور حاکم معصیت کا حکم دے تو پھر امیر اور حاکم کی اطاعت جائز نہیں۔

اور دینی اعتبار سے علماء اور فقہاء حاکم اور ذی اختیار ہیں عوام پر علماء اور فقہاء کا اتباع واجب ہے اس لیے کہ علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور احکام شریعت کے خازن و امین ہیں اور خزانہ علم نبوی کے حفیظ علیم ہیں۔

---

❶ قال العلامة الألوسی وحمله کثیر علی ما یعم الجمیع لتناول الاسم لهم لان للامراء تدبیر امر الجیش والقتال وللعلماء حفظ الشریعة ولیس ببعید۔ (روح المعانی ص ۵۹ ج ۵)

وقال ابن کثیر والظاهر واللّٰه اعلم انها عامة فی کل اولی الامر من الامراء والعلماء کما تقدم۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۸ ج ۱)

اورحق جل شانہ، کا یہ ارشاد ﴿ وَ لَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَ اِلٰۤى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ يَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ ﴾[1] بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ اولی الامر سے علماء مجتہدین مراد ہیں جو اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جو احکام اور مسائل بصراحت کتاب وسنت میں نہ پائے جائیں وہاں عوام پر علماء مجتہدین و مستنبطین کی تقلید اور اتباع واجب ہے غرض یہ کہ جو کوئی مسلمانوں کی دینی یا دنیوی صلاح کا والی اور متولی ہو وہ اولی الامر کے تحت میں داخل ہے اور خلفائے راشدین چونکہ نبی اکرم ﷺ کے قائم مقام تھے اس لیے وہ دونوں قسم کی اصلاح کے والی اور متولی تھے اور دین دُنیا دونوں اعتبار سے حاکم اور فرمانروا اور ذی اختیار تھے اور سب سے زیادہ اولی الامر کے لقب کا استحقاق رکھتے تھے جو خلفائے راشدین کی سنت کے اتباع کو واجب نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں۔

⑥ اُصولِ دین اور اَدِلہ شرعیہ:

امام رازی[2] قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں: کہ اس آیت شریفہ میں اصول دین اور ادلہ شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ علمائے اُصول نے لکھا ہے کہ ادلہ شرعیہ چار ہیں: ① کتاب اللہ ② سنت رسول اللہ ﷺ ③ اجماع اُمت اور ④ قیاسِ فقہاء، مجتہدین۔ ﴿ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ ﴾ میں کتاب اللہ کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو اصول دین میں اصل اول ہے اور ﴿ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ﴾ میں سنت رسول اللہ ﷺ کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثانی ہے اور ﴿ اُولِى الۡاَمۡرِ ﴾ کی اطاعت سے اجماع علماء کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثالث ہے کیونکہ حقیقت میں امراء اور ﴿ اُولِى الۡاَمۡرِ ﴾ سے وہی علماء ربانیین اور راسخین فی العلم مراد ہیں جو کتاب وسنت سے احکام خداوندی کا استنباط کر سکتے ہوں اور علماء اصول کی اصطلاح میں ایسے ہی لوگوں کو اہل حل وعقد کہا جاتا ہے۔ اور ایسے ہی علماء مستنبطین کے قول و اقرار سے اجماع منعقد ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد قطعی اور جزمی طور پر جس کا اتباع واجب اور لازم ہے وہ اجماع علماء ہے۔ علماء فرداً فرداً اگرچہ غیر معصوم ہیں لیکن علماء ربانیین اور مستنبطین کا اجماع معصوم عن الخطاء ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ((لا تجتمع امتی علی الضلالۃ)) اس لیے اُولی الامر کے اجماع کی اطاعت اور اتباع کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر ایک اطیعوا کے تحت میں ذکر فرمایا ہے اور فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ میں نزاع اور اختلاف سے اس شے میں نزاع اور اختلاف مراد ہے جس کا حکم کتاب وسنت واجماع میں منصوص اور مصرح نہ ہو کیونکہ جس کا حکم منصوص ہوگا وہ ﴿ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِى الۡاَمۡرِ ﴾ میں داخل ہوگا پھر اس قضیہ شرطیہ یعنی ﴿ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ ﴾ لانے کی کیا ضرورت ہوگی۔

عالم میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے احکام منصوص ہیں دوم وہ جو منصوص نہیں اوّل الذکر کے متعلق ﴿ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِى الۡاَمۡرِ ﴾ کا حکم دیا گیا اور دوسری قسم یعنی جس واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو تو اس کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ ﴿ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ ﴾ یعنی جس واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو تو اس غیر منصوص کا حکم معلوم کرنے کے لیے کتاب

---

[1] اخرج ابن ابی شیبۃ وابن جریر عن ابی العالیۃ فی قولہ ﴿ وَ اُولِى الۡاَمۡرِ ﴾ قال ھم اھل العلم الاتری انہ یقول ﴿ وَ لَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَ اِلٰۤى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ يَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ ﴾ (تفسیر درمنثور ص ۱۷۶ ج ۲ وتفسیر قرطبی ص ۲۶۲ ج ۵)

[2] تفصیل کے لیے حضرات اہل علم اصل تفسیر کی مراجعت کریں۔ ۱۲

وسنت کی طرف رجوع کرو اور اس جیسے واقعات کا جو حکم کتاب وسنت میں ہے وہی اس غیر منصوص کے لیے ثابت کرو اور مشابہت اور مماثلت کی بناء پر غیر منصوص کے لیے منصوص کا حکم ثابت کرنا اسی کا نام قیاس اور اجتہاد اور استنباط ہے جو دین کی اصل چہارم ہے کتاب و سنت احکام خداوندی کا خزینہ اور دفینہ ہے جو احکام کتاب وسنت میں منصوص اور صراحتاً مذکور ہیں وہ بمنزلہ ایسے خزانہ کے ہیں جو گھر میں رکھا ہوا ہے ہر ایک بصیر اور بینا کو دکھائی دے سکتا ہے اور جو احکام غیر منصوص ہیں وہ بمنزلہ دفینہ کے ہیں جو کتاب وسنت کے عمق اور گہرائی میں مدفون اور مستور ہیں جن کا سوائے حاذق اور ماہر کے کسی کو پتہ نہیں چل سکتا پس جو علوم اور احکام کتاب وسنت کی تہ میں مدفون اور مخزون ہیں ان کو اپنی باطنی حذاقت اور اندرونی بصیرت سے باہر نکال لانے کا نام اجتہاد اور استنباط ہے اور جو شخص خود استنباط نہ کر سکے اس کو مستنبطین کا اتباع لازم ہے ع چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش، اور اسی کا نام تقلید ہے جو لوگ اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان پر راسخین فی العلم اور مستنبطین کا اتباع واجب ہے اور اپنی ناقص رائے اور ناتمام فہم کا اتباع ناجائز ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں دو نعمتیں اتاریں ایک حفظ کی اور ایک فہم کی حفظ کی نعمت سے محدثین اور لغویین کو سرفراز فرمایا اور فہم وفراست کی نعمت سے فقہاء اور عارفین یعنی اولیاء اللہ کو سرفراز فرمایا انتہی کلامہ۔

پس جس طرح حق تعالیٰ شانہ، نے ذخیرۂ حدیث کی تدوین کے لیے بخاری اور مسلم اور ابوداؤد وترمذی کو خاص طور پر منتخب فرمایا اور اُمت محمدیہ کو ان حضرات کی تدوین کردہ کتابوں کی تلقی بالقبول کا الہام فرمایا اسی طرح تدوین فقہ اور استنباط مسائل کے لیے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کو منتخب فرمایا اور اُمت کے علماء وصلحاء عوام وخواص کے دلوں میں ان کی تقلید کا داعیہ پیدا فرمایا کہ ان حضرات کے فہم واستنباط پر بھروسہ اور اعتماد کر کے ان کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت پر عمل کریں ائمہ مجتہدین کی تقلید پر انکار کرنے والوں اور تقلید شخصی کو شرک وبدعت بتانے والوں پر تعجب ہے کہ صحت حدیث اور جرح وتعدیل میں بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ کا اتباع اور تقلید تو مستحسن ہو اور مسائل اجتہادیہ میں ابوحنیفہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا اتباع کورانہ تقلید اور بدعت اور شرک کہلائے۔ دنیا میں سینکڑوں محدث اور بے شمار حدیث کی کتابیں ہیں مگر ان میں سے جس طرح صحیحین اور صحاح ستہ کو علماء نے منتخب کر لیا ہے اور بلا دلیل ان کتابوں کی حدیث کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور کوئی شرک اور بدعت نہیں بتلاتا۔ اسی طرح دُنیا میں بہت سے مجتہد گزرے مگر من جانب اللہ اُمت محمدیہ کے محدثین اور مفسرین اور اولیاء اور متکلمین انہی چار کی اتباع اور تقلید میں منحصر ہو گئے اور سب علماء کا اس پر اجماع ہو گیا کہ ان چار حضرات سے زیادہ کوئی عالم کتاب وسنت اور احکام شریعت کو سمجھنے والا نہیں۔ عقلاً اگرچہ اب بھی اجتہاد ممکن ہے نبوت کی طرح اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا لیکن یہ امکان ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ بخاری اور مسلم جیسا حافظ حدیث ہونا اب بھی ممکن ہے۔ حافظہ بخاری اور مسلم پر ختم نہیں ہو گیا بے شک امکان عقل اب بھی موجود ہے لیکن فقہاء جیسا اجتہاد اور استنباط اور بخاری ومسلم جیسا حافظہ من جانب اللہ دنیا سے اٹھا لیا گیا اور یہ امکان عادۃً مفقود ہو گیا۔

جو لوگ صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث کو بلا دلیل معتبر سمجھتے ہیں ان کے پاس بجز حسن ظن کے کوئی دلیل نہیں منکرین تقلید کو نہ اسانید کا علم ہے اور نہ رجال سند کے اسماء اور کنیٰ اور موالید اور نہ وفیات اور ان کی ثقاہت اور ضعف کی کچھ خبر ہے محض بخاری اور مسلم کی امامت اور جلالت قدر پر بھروسہ اور اعتماد کر کے بلا دلیل ان کی احادیث کو محض حسن ظن کی بناء پر صحیح تسلیم کرتے ہیں کیا یہ تقلید نہیں۔

اسی طرح مقلدین امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے تفقہ اور اجتہاد واستنباط پر حسن ظن کی بناء پر اعتماد کر کے شریعت کا اتباع

کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُمت محمدیہ کے علماء کا اجماع ہے کہ ابو حنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد رحمۃ اللہ علیہم تفقہ اور اجتہاد کے آسمان تھے اور ہم ذرۂ بے مقدار ہیں اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ہم ان مستنبطین کی طرف رجوع کریں اور جو شخص ان آئمہ ھدیٰ کی تقلید شخصی سے منحرف ہے وہ اپنے ظلوم وجہول نفس کی تقلید شخصی میں گرفتار ہے۔

⑦ ان چار اصول یعنی کتاب وسنت اور اجماع اور قیاس مجتہدین کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا: ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح کتاب وسنت کا اتباع لوازم ایمان میں سے ہے اسی طرح اجماع امت اور قیاس مجتہد کا اتباع بھی مقتضیات ایمان میں سے ہے اور ﴿ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ کا مصداق ہے کیونکہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ﴾ کی قید جمیع امور مذکور فی الآیت سے متعلق ہے اور ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ بھی سب سے متعلق ہے۔

⑧ تمام علماء اُمت کے نزدیک ادلۂ شرعیہ چار ہیں: ① کتاب ② سنت ③ اجماع اور ④ قیاس۔

اور امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام میں اجماع اور قیاس کا دلیل شرعی ہونا کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے۔

مگر غیر مقلدین کے نزدیک ادلۂ شرعیہ صرف دو ہیں ایک کتاب اور ایک سنت اجماع اور قیاس کی حجیت کے قائل نہیں حتیٰ کہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی قائل نہیں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق کے تین ہونے کے قائل نہیں اور نام اپنا اہل حدیث رکھ لیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ

تو نے نہ دیکھے وہ جو دعوے کرتے ہیں کہ یقین لائے ہیں جو اترا تیری طرف اور جو اترا

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ

تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جاویں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ

يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا

اس سے منکر ہو جاویں اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہکا کر دُور لے ڈالے اور جو

قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ

ان کو کہیے آؤ اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو تو دیکھے منافقوں کو

يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ ج فَكَيْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا

بند ہو رہتے ہیں تیری طرف سے اٹک کر پھر وہ کیسا کہ جب ان کو پہنچے مصیبت اپنے

فَقَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ

ہاتھوں کے کئے سے پیچھے آویں تیرے پاس قسمیں کھاتے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر

اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ق

بھلائی اور ملاپ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾

سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ ان کے حق میں بات کام کی

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے فرمان سے اور اگر

ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

ان لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ

ان کو بخشواتا اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان سو قسم ہے تیرے رب کی ان کو ایمان نہ ہوگا جب تک تجھ ہی کو منصف

فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

نہ جانیں جو جھگڑا اٹھے آپس میں پھر نہ پاویں اپنے جی میں خفگی تیری چکوتی سے اور قبول رکھیں

وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ

مان کر اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا

اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ط وَ لَوْ اَنَّهُمْ

چھوڑ نکلو اپنے گھر تو کوئی نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں اور اگر یہی کریں

فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ لا وَّ اِذًا

جو ان کو نصیحت ہوتی ہے تو ان کے حق میں بہتر ہو اور زیادہ ثابت ہوں دین میں اور اسی میں

لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

ہم دیں ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب اور چلا دیں ان کو سیدھی راہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور جو لوگ حکم میں چلتے ہیں اللہ کے اور رسول کے سو ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے نوازا

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ

نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت اور خوب ہے

اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ ع

ان کی رفاقت یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بس ہے خبر رکھنے والا۔

مذمت منافقین بر انحراف از فیصلہ شریعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ ... اِلٰى ... وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾﴾

ربط: یہ آیت بھی اہل کتاب سے متعلق ہے ان میں کے کچھ لوگ منافقانہ طور پر مسلمان بن گئے تھے اور فصل خصومات میں رعایت اور رشوت کے عادی ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے دل میں کفر والحاد تھا محض زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کر لیا تھا جب کوئی مقدمہ پیش آتا تو اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں اور سرداروں کے پاس لے جانا پسند کرتے کہ وہ ان کی رعایت کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس فیصلہ کے لیے جانے سے گریز کرتے اس لیے کہ آپ جو فیصلہ کریں گے وہ غایت درجہ عادلانہ ہو گا اس میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ ہو گی۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ ایک منافق بشر نامی کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے اس خیال سے کہ وہ حق پر تھا یہ چاہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کرایا جائے کہ آپ بلا کسی رعایت کے حق فیصلہ کریں گے منافق نے چاہا کہ کعب بن اشرف یہودی سے فیصلہ کرایا جائے۔ یہودی نے کعب بن اشرف کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی اور کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا آخر یہ طے ہوا کہ آنحضرت ﷺ سے فیصلہ کرایا جائے آپ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا اور یہودی ہی حق پر تھا وہ منافق اس پر راضی نہ ہوا جب وہ دونوں آپ کے پاس سے باہر آئے تو منافق یہودی کو چمٹ گیا اور کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو وہ ٹھیک فیصلہ کریں گے۔ منافق کو غالباً یہ گمان ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے حق میں بہت سخت ہیں اور میں کلمہ گو ہوں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بمقابلہ یہودی میری رعایت کریں گے۔ یہودی اس پر راضی ہو گیا اور سمجھا کہ گو عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے حق میں سخت ہیں مگر حق پرست ہیں دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے فیصلہ چاہا۔ یہودی نے سارا ماجرا ان سے کہا یہ سن کر وہ گھر میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں اور آکر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر چلے گئے اور تلوار لے کر آئے اور

آتے ہی اس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ عمر رضی اللہ عنہ اس طرح کیا کرتا ہے۔ منافق کے رشتہ دار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف اس لیے گئے تھے کہ شاید عمر رضی اللہ عنہ صلح کرا دیں یہ وجہ نہ تھی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ تھے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں اصل حقیقت ظاہر کر دی گئی۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

((انت الفاروق)). "تو فاروق ہے۔"

اور جبریل علیہ السلام نے یہ کہا:

((اِنَّ عُمَر فرق بين الحق و الباطل فسمّي الفاروق)).

"تحقیق عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا اس لیے ان کا نام فاروق رکھا گیا۔"

اور اسی بارہ میں یہ تمام آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶۴ ج ۵)

اور بطور تعجب ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی کہ جو زبان سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی باوجود اس دعوائے ایمان کے چاہتے یہ ہیں کہ فیصلہ اور تصفیہ کے لیے ایک سرکش کی طرف جائیں یعنی سردارانِ کفر اور کاہنوں کے پاس اپنا مقدمہ لے جانا چاہتے ہیں تا کہ رشوت یا رورعایت سے مطلب برآری ہو سکے حالانکہ انکو تمام کتب الٰہیہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کے معتقد نہ بنیں اور اس کے حکم کو نہ مانیں کیونکہ طاغوت (سرکش) تو طغیان (سرکشی) اور حکم خداوندی سے انحراف ہی کی طرف بلائے گا اور طاغوت کے پاس جا کر یہ لوگ شیطان کے تابعدار اور فرمانبردار بنیں گے کیونکہ شیطان اِنسی اور جِنّی یہ چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر ہدایت سے اتنا دُور لے جا کر ڈال دے کہ پھر ہدایت کی طرف لوٹنا مشکل ہو جائے اور شیطان اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا کہ ہدایت سے ان کو بہت دور لے جا کر ڈال دیا دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے منافقین کو کہ وہ آپ کی طرف رجوع کرنے سے اعراض کرتے ہیں کنارہ کشی اور انحراف کے طور پر اور حکم خداوندی اور حکم رسول کی طرف رجوع سے اعراض یہی دلیل ہے اس امر کی کہ شیطان نے ان کو بہکا کر ہدایت سے دُور لے جا کر ڈالا ہے بہر حال اس وقت تو آپ کی طرف رجوع کرنے سے اعراض کرتے ہیں اور کسی حیلہ سے اپنی جان بچا لیتے ہیں پس اس وقت کیا کریں گے کہ جب ان کو گزشتہ بداعمالیوں کی سزا میں کوئی مصیبت پہنچے گی اور اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ سامنے آئے گا۔ مصیبت سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس منافق کو قتل کرنا یا نفاق کا کھل جانا اور خباثت باطنی کا پردہ چاک ہو جانا اور لوگوں میں ذلیل ہونا اور باز پرس ہونا ہے یعنی اس وقت فکر ہوتی ہے کہ طاغوت کے پاس مقدمہ لے جانے کی کیا تاویل کریں تو پھر چار و ناچار خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں کہ آپ کے غیر کے پاس مقدمہ لے جانے سے ہمارا مقصود سوائے بھلائی اور باہمی میل و ملاپ کے اور کچھ نہ تھا۔ یعنی ہم جو آپ کے پاس سے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے اس سے ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ شاید وہ فریقین میں باہم صلح اور ملاپ کرا دیں کیونکہ آپ جو فیصلہ فرمائیں گے تو وہ عین حق اور عین عدل ہوگا اس میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ ہوگی اور باہمی فیصلہ میں کچھ نہ کچھ

رعایت ہو جاتی ہے یا رسول اللہ آپ ہم کو اپنا مخلص اور نیاز مند سمجھئے دوسری جگہ مقدمہ لے جانے سے ہماری غرض اور نیت بری نہ تھی ہم کو اس مصیبت یعنی ذلت سے بچائیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو شرم نہیں آتی کہ کیسی ذلت اور ندامت کے ساتھ اس کے پاس عذر لے کر حاضر ہوئے جس سے ان کو نفرت تھی یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے ان کے دلوں میں کیا نفاق اور جھوٹ اور باطل کا میلان بھرا ہوا ہے لاکھ زبانی باتیں بنائیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی دلی باتوں کا خوب علم ہے لاکھ اپنے نفاق کو چھپائیں مگر خدا سے کہاں چھپ سکتا ہے۔ پس اے نبی کریم ﷺ جب آپ خدا تعالیٰ کے بتلانے سے ان کے نفاق سے آگاہ ہو گئے تو مصلحت یہ ہے کہ آپ ان سے تغافل برتیے اور ان کی سزا اور مؤاخذہ سے اعراض فرمائیے اور فی الحال علم خداوندی پر اکتفاء کیجئے ان کے ساتھ ظاہری معاملہ اسلام کا سا رکھیے اور دل کا حال اللہ کے سپرد کیجیے اور ان کو نصیحت کیجیے یعنی نفاق اور کذب کے برے انجام سے ان کو ڈرائیے کہ اگر تم نے یہ نفاق نہ چھوڑا تو صریح کفر کے احکام تم پر جاری ہوں گے اور ان سے ایسی بات کہیے جو ان کے دلوں میں خوب اچھی طرح پہنچ جائے یعنی ان کے دلوں میں اُتر جائے اور اثر کر جائے مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی ان باتوں کو دیکھ کر مایوس نہ ہوں وعظ و نصیحت برابر ان کو کرتے رہیں شاید ان میں سے کوئی راہِ راست پر آ جائے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی پیغمبر مگر اس لیے کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے اور دل و جان سے اس کے حکم کو مانا جائے محض زبان سے رسالت کا اقرار کافی نہیں یہ ان منافقین پر زجر و توبیخ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے ناخوش تھے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم ﷺ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے لہٰذا دل و جان سے آپ ﷺ کی اطاعت ان پر فرض ہے۔ پس جو آپ کا حکم نہیں مانتا وہ درحقیقت اللہ کا حکم نہیں مانتا تو باذن اللہ کے یہ معنی ہوئے کہ نبی ﷺ کی بے چون و چرا اطاعت اللہ کے حکم سے فرض ہے۔ اور بعض علماء نے باذن اللہ کے معنی بتوفیق اللہ کے لیے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا کہ ان کی اطاعت کی جائے مگر ان کی اطاعت وہی شخص کرے گا جس کو خدا تعالیٰ توفیق دے گا آگے پھر انہیں منافقین کے حق میں ارشاد ہے اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم و ستم یعنی گناہ کرنے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہو جاتے پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان یعنی قبول توبہ کے بعد اللہ کی مہربانی بھی ہوتی معافی کے بعد انعام بھی ملتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ منافق گناہ کرنے کے بعد بھی متنبہ ہو جاتے اور اس وقت آپ ﷺ کے پاس چلے آتے جب کہ انہوں نے طاغوت کے پاس اپنا مقدمہ لے جا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور اس طرح آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غیر حاضری کا تدارک اور کفارہ کرتے اور پھر اپنے نفاق سے توبہ اور استغفار کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے دعاء مغفرت کرتے تو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول فرما لیتا اور ان پر مہربان ہو جاتا مگر انہوں نے تو یہ غضب کیا کہ اوّل تو رسول اللہ ﷺ کے حکم اور فیصلہ سے اعراض کیا جو بعینہٖ اللہ کے حکم اور فیصلہ سے اعراض کے مرادف تھا پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا اور ذلیل و خوار ہوئے تو جب بھی متنبہ اور تائب نہ ہوئے بلکہ جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے لگے پھر ایسوں کی مغفرت کیسے ہو عذر گناہ بدتر از گناہ۔

اس آیت میں ﴿ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ ﴾ یعنی رسول ان کے لیے مافی مانگتا اس سے مقصود رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کا اظہار ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور اس کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان سفیر اور ترجمان

ٹھہرایا اگر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے دعاء مغفرت کی درخواست کرتے تو اللہ تعالیٰ اس کی سفارش ضرور قبول کرتا ہر گناہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے لیے ذاتی توبہ اور استغفار کافی ہے اس کے ساتھ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں لیکن اس آیت میں منافقین کی معافی کے لیے رسول اللہ ﷺ کے استغفار کو بھی شرط قرار دیا یا وجہ اس کی یہ ہے کہ جو منافقین رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے اور طاغوت کے فیصلہ کو رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر ترجیح دی تو ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے دل کو صدمہ اور ایذاء پہنچائی۔ لہٰذا بغیر رسول اللہ ﷺ کو راضی کیے ان کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

شرائط ایمان

اب آئندہ آیت میں مضمون سابق کی تائید کے لیے فرماتے ہیں کہ ایمان کی شرط یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اپنا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے چاہیے اور جو فیصلہ وہ فرمادیں اس کو حق جان کر دل وجان سے اس کو مان لے اور دل سے اس پر راضی ہو اور دل میں اس سے کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائے۔ جب تک دل وجان سے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر راضی نہ ہو اس وقت تک ایمان صحیح نہیں محض ظاہری اطاعت ایمان کے لیے کافی نہیں بلکہ بلاشبہ نفاق ہے حدیث میں ہے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے تابع نہ ہو جائے یعنی میرا حکم آگے آگے ہو اور اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے پیچھے دوڑ رہی ہو۔

چنانچہ فرماتے ہیں: پس یہ لوگ جو آپ ﷺ کے فیصلہ سے اعراض کرتے ہیں اگرچہ زبان سے دعوے کریں کہ ہم مومن ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ مومن نہیں دعوائے ایمان اور تحاکم الی الطاغوت جمع نہیں ہو سکتے قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ جو زبانی ایمان کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں حقیقی مومن نہیں ہو سکتے جب تک باہمی جھگڑوں میں آپ ﷺ کو حاکم اور منصف نہ جانیں اور پھر آپ کے فیصلہ اور تصفیہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی اور ناگواری یعنی شک اور تردد کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی نہ پائیں اور طیب خاطر اور شرح صدر اور طمانینت قلب سے آپ ﷺ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کریں کماحقہ، تسلیم کرنا یعنی پورے طور سے تسلیم کریں۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک آپ ﷺ کے حکم کو اپنی رائے پر مقدم نہ سمجھیں گے مسلمان نہ ہوں گے پیغمبر خدا کے سامنے بے چون وچرا سر تسلیم خم کر دینے ہی کا نام اسلام ہے۔

زباں تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

حق جل شانہ جب اہل کتاب کی شرارتوں کو بیان کر چکے اور ناقابل عفو شرارتوں کے معاف کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا تو اب اپنی رحمت کاملہ کا اظہار فرماتے ہیں کہ دیکھو دین اسلام میں اللہ تعالیٰ نے کیسی آسانی رکھی ہے کوئی حکم اس کا سخت نہیں دیکھو اگلے زمانہ میں جب کوئی گناہ کرتا تھا تو اس کی توبہ قبول ہونے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کرے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گوسالہ پرستوں کے بارہ میں گزرا ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ (البقرہ: ۵۴) اور ہم نے تمہاری توبہ قبول ہونے کے لیے کوئی سخت شرط نہیں لگائی صرف رسول خدا سے معافی کا خواستگار ہونا اور پیغمبر خدا کی سفارش کرنا مقرر کیا ہے مگر افسوس تم اس پر بھی اطاعت اور انابت کے لیے تیار نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اگر ہم ان منافقین پر یہ حکم کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ ان میں سوائے چند آدمیوں کے اکثر اس کام کو نہ کرتے یعنی اگر ہم ان منافقین پر یہ باتیں فرض کر دیتے تو بہت ہی تھوڑے لوگ جن کے دل میں ایمان کا داعیہ بہت ہی قوی ہوتا وہ اس حکم پر عمل کرتے۔ لہٰذا ان کو ہمارا مشکور ہونا چاہیے کہ ہم نے ان کو کوئی سخت حکم نہیں دیا بلکہ ایسے آسان حکم دیئے جن پر نہایت آسانی سے عمل کر سکتے ہیں، اگر ہم ان کو سخت حکم دیتے تو کیسی ذلت اور رسوائی ہوتی؟ مطلب یہ ہے کہ صادق الایمان وہ شخص ہے جو خدا کی راہ میں جان دینے اور وطن سے ہجرت کرنے میں دریغ نہ کرے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جان و مال دھن اور وطن سب قربان کر دیا۔

اور اگر یہ لوگ وہ کام کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو دین و دنیا کے اعتبار سے ان کے حق میں نہایت بہتر ہوتا اور ان کے دین و ایمان کی زیادہ مضبوطی اور ثبات قدمی کا باعث ہوتا یعنی احکام خداوندی پر عمل کرنے سے ان کا دین اور ایمان مضبوط اور مستحکم ہو جاتا اور اسلام پر ثابت قدم ہو جاتے ایمان اور اسلام میں تردد اور تزلزل نہ رہتا اخلاص اور اتباع حق سے قلب میں قوت آتی ہے اور نفاق سے بزدلی اور کمزوری منافق کا دل ہمیشہ ڈانوا ڈول رہتا ہے۔ اور اس وقت ہم ان کو البتہ اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتے اور البتہ چلاتے ہم ان کو سیدھی راہ پر یعنی ہم ان کو اس صراط مستقیم پر چلاتے جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ ہے جس تذبذب اور تردد کی راہ پر منافقین چل رہے ہیں وہ مغضوبین اور ضالین کی راہ ہے اللہ اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وعدہ معیت (مرافقت) اہل انعام بر اطاعت احکام

اُوپر سے سلسلۂ کلام اطاعتِ خدا اور رسول کی ترغیب و تاکید کے بارہ میں چلا آ رہا ہے اب اس آیت میں اطاعت پر ایک خاص بشارت اور مطیعین کے لیے ایک خاص وعدہ کا ذکر فرماتے ہیں وہ یہ کہ جو لوگ ضروری احکام میں خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں جن کو مطیعین کہتے ہیں یہ لوگ اگرچہ فضائل و کمالات میں مرتبۂ کمال کو نہ پہنچے ہوں مگر بسبب اطاعت خدا اور رسول ان کو جنت میں کاملین یعنی نبیین و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت اور مرافقت نصیب ہوگی باوجود قصور رتبہ کے ان کو اہل انعام کی معیت اور مرافقت کا شرف حاصل ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے المرأ مع من احب جو شخص خدا کے برگزیدہ بندوں سے محبت رکھے گا وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوگا اور جو کفار و فجار سے محبت رکھے گا وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوگا۔

اس آیت کا شانِ نزول جیسا کہ حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی رحمہما اللہ نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور دیگر چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں ہماری جانوں اور اولاد سے زیادہ محبوب ہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ جب کبھی گھر میں آپ یاد آ جاتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں لیتے تو صبر نہیں آتا خیر یہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتے ہیں لیکن جب آخرت کا خیال آتا ہے تو دل بے چین ہو جاتا ہے کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے دیکھ سکیں گے؟ اس لیے کہ آپ تو اعلیٰ علیین اور جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہوں گے وہاں حاضر ہو کر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے دیکھ سکیں گے؟ اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری کرے اللہ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پس ایسے مطیع اور فرمانبردار لوگ قیامت کے دن ان برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص الخاص انعام فرمایا یعنی

انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

ہمچو بلبل دوستیء گل گزیں تاشوی باخبرِ منِ گل ہمنشیں
زاغ چوں مردار راشد ہمنفس یار او مر دار خواہد بود و بس

جاننا چاہیے کہ ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب ایک درجہ میں ہوں گے کیونکہ یہ تو محال ہے ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے یہاں لوگوں کے درجے مختلف ہیں ساتھ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نیچے کے درجہ والے اُوپر کے درجے والوں سے ملتے رہیں گے۔ درجات اور مراتب کا تفاوت زیارت اور ملاقات سے مانع نہ ہوگا جس طرح دنیا میں تفاوتِ درجات مانع ملاقات نہیں اسی طرح آخرت میں بھی مانع نہ ہوگا۔

حق جل شانہٗ نے اس آیت میں اہل انعام کی چار قسمیں ذکر فرمائیں: ① انبیاء کرام علیہم السلام، ② صدیقین، ③ شہداء ④ صالحین۔ اوران چار کے علاوہ ایک پانچویں قسم مطیعین کی ذکر فرمائی جو درجہ اور مرتبہ میں ان چار قسموں سے کمتر اور فروتر ہیں۔ اس پانچویں قسم یعنی مطیعین کے لیے حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا کہ مطیعین اگرچہ درجہ اور رتبہ میں اہل انعام سے کمتر ہیں مگر ہم ان مطیعین کو باوجود قصور رتبہ کے اہل انعام کی معیت اور مرافقت سے نوازیں گے اور یہ لوگ جنت میں ایک دوسرے کی زیارت سے مشرف ہوتے رہیں گے۔

حق جل شانہٗ نے اس آیت شریفہ میں مراتب کمالات انسانی کو ترتیب وار ذکر کیا ہے۔

پہلا مرتبہ نبوت کا ہے:

جو تمام مراتب انسانی میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے نبی وہ برگزیدہ شخص ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنا پیغام دے کر بندوں کے پاس بھیجا ہو اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہو اب یہ مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے بے شک وہ نبی ہوں گے مگر ان کو نبوت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مل چکی ہے۔

دوسرا مرتبہ صدیقیت کا ہے:

نبوت کے بعد دوسرا مرتبہ صدیقیت کا ہے نبی کے بعد سب سے افضل صدیق ہوتا ہے۔ صدیق وہ ہے کہ جس کی رگ و پے میں ظاہر اور باطن میں صدق ایسا سرایت کر گیا ہو کہ کذب کے جزء لایتجزیٰ کی بھی اس میں گنجائش نہ رہی ہو اور پیغمبر خدا جو حق اور صدق لے کر آیا ہے سنتے ہی اس کی بلا دلیل اور بلا تردد و تامل صدقِ دل سے اس طرح تصدیق کرے کہ گویا کہ یہ اس کے دل کی آواز ہے اور جب نبی اس کو دعوت دے تو فوراً وہ اپنے نور قلب سے اس کی نبوت کو پہچان لے اور اس کی تصدیق کرے جس طرح کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس اُمت مرحومہ کے صدیق اکبر تھے کہ بلا تردّد و تامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی۔

چشم احمد بر ابوبکرؓ ے زدہ
از یکے تصدیق صدیق آمدہ

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو دین کے تمام اُمور کی تصدیق کریں اور ان کو دین میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہو، جیسا کہ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ﴾ یعنی جو لوگ اللہ

اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی صدیق ہیں اور اس اُمت میں اس وصف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب کے پیشوا اور مقتدا ہیں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہر موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے کوئی مشہد اور غزوہ ایسا نہیں جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوں یارِ غار جس طرح غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اسی طرح وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہیں۔

تیسرا درجہ شہادت کا ہے:

صدیقیت کے بعد درجہ شہادت کا ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا۔ شہید وہ ہے جو پیغمبر کے حکم پر اپنی جان قربان کرے۔

چوتھا درجہ صلاحیت کا ہے:

صالحین وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے اعتقادات اور اعمال میں صحیح طریق پر ہوں۔ یعنی ان کے اعتقادات اور اعمال میں کسی قسم کا خلل اور فساد نہ ہو لغت میں صلاح نقیض فساد کی ہے صالح اور نیک بخت وہ لوگ ہیں جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی اور اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔ (ماخوذ از موضح القرآن)

خلاصۂ کلام

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن اہل انعام کے ساتھ گنے گا اور باوجود قصور رتبہ کے ان کو کاملین ہی کی شمار اور ذیل میں لے لیا جائے گا ان حضرات کی رفاقت اور معیت بھی بڑی دولت اور فضیلت کی بات ہے اور یہ فضیلت ان کو محض اللہ کے فضل و کرم سے ملی ہے ورنہ ان کی اطاعت اس کے لیے کافی نہ تھی اور رہروانِ آخرت کے لیے یہ گروہ بہترین رفیق طریق ہیں اور ان حضرات کی معیت اور رفاقت یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ عمل تو تمہارا اس درجہ کا نہ تھا مگر حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور مہربانی سے تم پر یہ انعام کیا کہ کاملین کی معیت اور رفاقت سے سرفراز کیا ورنہ قاعدہ کا اقتضاء یہ تھا کہ ہر عمل کا اجر اسی کے درجہ کے مطابق دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اطاعت کس درجہ کی ہے اور استحقاق سے زیادہ کسی کو کچھ دے دینا یہ فضل ہے۔

*

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا
اے ایمان والو! کر لو خبر داری پھر کوچ کرو جدی جدی فوج یا
جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ
سب اکھٹے اور تم میں کوئی ایسا ہے کہ البتہ دیر لگاوے گا پھر اگر تم کو مصیبت پہنچے

قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَ لَئِنْ

کہے اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ اور اگر

اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ

تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے گا کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں

مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ

کچھ دوستی اے کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ تو بڑی مراد پاتا سو چاہیے لڑیں

سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ

اللہ کی راہ میں جو لوگ بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت پر اور جو کوئی لڑے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہووے ہم دیں گے اس کو بڑا ثواب

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

اور تم کو کیا ہے کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں اور واسطے ان کے جو مغلوب ہیں مرد

وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ

اور عورتیں اور لڑکے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّ اجْعَلْ

بستی سے کہ ظالم ہیں لوگ اس کے اور پیدا کر ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور پیدا کر

لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ ؕ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

ہمارے واسطے اپنے پاس سے مدد گار وہ جو ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ

اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا

میں اور وہ جو منکر ہیں سو لڑتے ہیں مفسدوں کی راہ میں سو لڑو تم

اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى ع ۱۰/۶

شیطان کے حمایتیوں سے بے شک فریب شیطان کا سست ہے تو نے نہ دیکھے

الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ

وہ لوگ جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ بند رکھو اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا اسی وقت ان میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے

كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا

جیسا ڈر ہو اللہ کا یا اس سے زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کی ہم پر

الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا

لڑائی کیوں نہ جینے دیا ہم کو تھوڑی سی عمر تو کہہ فائدہ دنیا کا

قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ

تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیزگار کو اور تمہارا حق نہ رہے گا ایک تاگا جہاں

مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَ اِنْ

تم ہو گے موت تم کو آ پکڑے گی اگرچہ تم ہو مضبوط برجوں میں اور اگر

تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی کہیں یہ ہے اللہ کی طرف سے اور اگر ان کو پہنچے برائی

يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ

کہیں یہ تیری طرف سے تو کہہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو کیا حال ہے

الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ

ان لوگوں کا لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات جو تجھ کو بھلائی پہنچے

فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ
سو اللہ کی طرف سے اور جو تجھ کو برائی پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام

لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ
پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ بس ہے سامنے دیکھتا جس نے حکم مانا رسول کا اس

اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ؕ وَ
نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر نگہبان اور

يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
کہتے ہیں کہ قبول پھر جب باہر گئے تیرے پاس سے مشورت کرتے ہیں بعضے بعضے ان میں رات کو

غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ
سوائے تیری بات کے اور اللہ لکھتا ہے جو ٹھہراتے ہیں سو تو تغافل کر ان سے اور

تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ
بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَا
اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو پاتے اس میں بہت تفاوت اور جب

جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى
ان پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی اس کو مشہور کرتے ہیں اور اگر اس کو پہنچاتے

الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ
رسول تک اور اپنے اختیار والوں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں

مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ
اس کی اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر تو تم شیطان کے پیچھے جاتے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ

مگر تھوڑے سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تجھ پر ذمہ نہیں مگر اپنی جان سے اور تاکید کر

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ

مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ بند کرلے لڑائی کافروں کی اور اللہ

اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

سخت ہے لڑائی والا اور سخت ہے سزا دینے والا۔

حکم بستم۔ وجوب جہاد برائے احیاء دین وتخلیص ضعفاء ومظلومین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ... الی ... وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل کتاب اور منافقین اور اعداء دین کی شرارتوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ان سے جہاد کا حکم دیتے ہیں جو احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے اور بدسرشتوں کے قلع قمع کا بہترین طریقہ ہے اور جو مسلمان کافروں کے پنجۂ ظلم میں بے طرح گرفتار ہیں ان کی خلاصی اور رہائی کی سبیل ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اطاعت خدا اور رسول ﷺ کا (جس کا ماقبل میں ذکر تھا) اعلیٰ اور اکمل فرد ہے جس سے اندرونی اخلاص اور نفاق ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ جہاد کا حکم منافقین پر بہت شاق اور گراں گزرتا ہے اسی وجہ سے یہاں سے لے کر چھ رکوع تک اسی مضمون کے متعلقات کا بیان چلا گیا ہے۔

اور اس ضمن میں حق جل شانہ نے منافقین کی ایک عجیب کیفیت بیان فرمائی وہ یہ کہ جب کسی غزوہ میں مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے تو یہ منافقین بہت خوش ہوتے ہیں اور اپنے شریک جنگ نہ ہونے کو انعام الٰہی سمجھتے ہیں اور جب مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے تو بہت پچھتاتے ہیں اور حسرت سے یہ کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی شریک جنگ ہوتے تو ہم کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خدا کا بول بالا کرنے کے لیے دشمنان خدا سے جہاد وقتال کرو خدا اور رسول کی بہترین اطاعت یہ ہے کہ اس کی راہ میں جانبازی وسرفروشی دکھلاؤ مگر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو تم اپنی احتیاط اور بچاؤ کو پوری طرح ملحوظ رکھو۔ پس ہتھیاروں اور سامان جنگ اور تدبیر عقل سے تیر وتلوار سے درست ہو کر اور دشمن کے داؤ گھات سے ہوشیار اور باخبر ہو کر دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے گھر سے باہر نکلو خواہ متفرق اور دستے دستے بن کر نکلو یا سب مجتمع اور اکٹھے ہو کر ایک لشکر عظیم کی صورت میں دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلو جیسا موقع اور مصلحت ہو ویسا کرو اور تحقیق تم سے بعض ایسے بھی ہیں مراد اس سے منافقین ہیں جو تمہارے ساتھ جہاد میں نکلنے سے دیر کرتا ہے یعنی جہاد میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوتے پھر اگر جہاد اور لڑائی میں تم کو کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے جیسے شکست وغیرہ تو یہ منافق خوش ہو کر یہ کہتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا ہی فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں حاضر نہ ہوا اور اگر تمہیں حق تعالیٰ کا

فضل پہنچے اور لڑائی میں تم فتحیاب ہو جاؤ اور کچھ مال غنیمت تم کو مل جائے تو یہ منافق نہایت حسرت کے ساتھ اس طرح کہتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستانہ تعلق ہی نہ تھا مالی اور دنیوی نفع کے فوت ہونے پر اس طرح کہتا ہے اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔ یعنی ان منافقین کا مطمح نظر فقط دنیاوی نفع ہے مالی فائدہ کو وہ اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں خدا کی فرمانبرداری سے ان کو کوئی سروکار نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کے فضل سے مسلمانوں کو فتح ہوگئی اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آ گیا تو یہ منافق پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبۂ حسد سے کف افسوس ملتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ افسوس اگر میں بھی جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی مال غنیمت میں سے حصہ ملتا۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ ان دنیا طلب لوگوں کی طرح دنیاوی نفع پر نظر نہ رکھیں اور یہ منافقین اگر دنیوی منافع کو تکتے رہتے ہیں تو تکتے رہیں مگر جو لوگ دنیاوی زندگی کو فروخت کر کے اس کے بدلے آخرت لے رہے ہیں اور دنیائے فانی پر لات مار چکے ہیں ان کو چاہئے کہ خدا کی راہ میں دشمنانِ خدا سے محض خدا کے لیے جہاد و قتال کریں دُنیاوی زندگی اور اس کے مال و دولت پر نظر نہ رکھیں اور جو خدا کی راہ میں جنگ کرے پھر مارا جائے یا دشمن پر غالب آوے تو ہر حالت میں ہم اس کو ضرور اجر عظیم دیں گے جس کے سامنے دنیاوی منافع کی کوئی حقیقت نہیں آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ہم بالفرض تم سے اجر عظیم کا وعدہ بھی نہ کرتے تب بھی تم پر دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو یہ کہ اللہ کا دین غالب اور بلند ہو دوسرے یہ کہ جو مظلوم مسلمان مکہ میں کافروں کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور جو معصوم بچے ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں ان کی نجات اور رہائی کی صورت نکلے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور تم کو کیا ہوا کہ تم خدا کی راہ میں جہاد و قتال نہ کرو اور اس کا بول بالا کرنے کے لیے اس کے دشمنوں سے نہ لڑو اور تم کو کیا ہوا کہ تم بے چارہ اور بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے چھڑانے کے لیے نہیں لڑتے جو کفار کی اذیتوں سے تنگ آ کر یہ دعا مانگتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! کسی طرح ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے بڑے ہی ظالم اور ستم گر ہیں جن کے ساتھ نباہ بہت ہی مشکل ہے اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی کارساز مقرر کر دیجیے جو ہمارے دین و ایمان کی حفاظت کر سکے اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی مددگار مقرر کر دیجیے جو کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر سکے اور ان ظالموں کے پنجہ سے ہم کو چھڑائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ نبی اکرم ﷺ کو ان کی حمایت کے لیے کھڑا کیا۔ چنانچہ آپ نے مکہ فتح کیا اور کافروں کے ہاتھ سے ان کو چھڑایا اور عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو ان پر حاکم مقرر کیا جو مظلوموں کی مدد کرتے تھے اور زبردست سے کمزور کا بدلہ لیتے تھے جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ بتقاضائے ایمان خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو اور حق باطل پر غالب آ جائے اور جو لوگ کافر ہیں وہ معبود باطل کی راہ میں لڑتے ہیں تاکہ دنیا میں طغیان اور سرکشی اور گمراہی کا خوب دور دورہ ہو اور نفس اور شیطان کے مقابلہ میں نیکی اور سچائی کا اثر بڑھنے نہ پائے۔ پس اے خدا کے دوستو! تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو اور ان کے کید اور مکر کی پروا نہ کرو تحقیق شیطان کا داؤ اور فریب بہت کمزور ہے، خدا کے دوستوں کے مقابلہ میں کارگر نہیں ہو سکتا۔ تمہارا حامی اور مددگار اللہ ہے تمہارے مقابلہ میں ان کا لشکر نہیں ٹھہر سکتا۔ لہٰذا تم خدا پر نظر کر کے خدا کی راہ میں جہاد و قتال کرو اور ہرگز ان سے نہ ڈرو ان کی سب تدبیریں غلط ہو جائیں گی تم غالب ہو گے اور وہ مغلوب۔

پادری لوگ مسئلہ جہاد پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ دین کے سلسلہ میں تو صرف وعظ و پند پر اکتفاء کرنا چاہیے قتل و قتال کی کیا ضرورت ہے؟ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا۔ اس آیت میں اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان کے دوست تو

شیطان کی راہ میں باطل اور دُنیاوی اور نفسانی اغراض کے لیے لڑتے ہیں ان پر تو تم اعتراض نہیں کرتے اور جو حق اور صداقت کی نصرت اور حمایت کے لیے خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اس کو تم معیوب سمجھتے ہو۔

شکایت دوستاں بر تمنائے التواء حکم جہاد

گزشتہ آیات میں جہاد و قتال کی ترغیب تھی اب ان آیات میں پھر جہاد پر جوش اور غیرت دلائی جاتی ہے اور اس بارہ میں ایک خاص شکایت کی جاتی ہے وہ یہ کہ جب مسلمان مکہ مکرمہ میں کفار کی اذیتوں اور مظالم سے تنگ آ گئے تو آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم ان لوگوں سے سخت تنگ آ گئے ہیں آپ ہم کو اجازت دیں کہ ہم ان سے جہاد و قتال کریں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابھی تک جہاد کی اجازت نازل نہیں ہوئی۔ لہٰذا فی الحال تم صبر کرو اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور حسب دستور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ [1] دیتے رہو ہجرت کے بعد جب جہاد کی اجازت ملی تو بعضے کچے مسلمان اور دل کے کمزور طبعی طور پر ڈرنے لگے اور موت کے خوف سے یہ کہنے لگے کہ کاش اگر اور تھوڑی مدت جہاد و قتال کا حکم نازل نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے شکایت فرمائی کہ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو تم ڈرنے لگے تم کو خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری درخواست قبول کی اور تمہاری دلی تمنا اور آرزو پوری ہوئی یا تو پہلے یہ زور و شور تھا یا اب یہ بے نمکی ہے اور آئندہ ان کو نصیحت فرماتا ہے کہ دُنیا تو چند روزہ ہے اس کے آرام و تکلیف کا خیال نہ کرو موت اپنے وقت مقرر پر آئے گی وقت سے پہلے نہ آئے گی اس لیے اس کا خوف بے سود ہے یہ دُنیا فانی یا تو خواب ہے یا سراب ہے۔

دنیا خوابیست زندگانی دروے خوابست کہ در خواب بہ بینی آنرا

چنانچہ فرماتے ہیں: کہ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو ابتداء میں یہ حکم ہوا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھوں کو جہاد و قتال سے روکے رکھو اور حسب سابق نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو یہ حکم ہجرت سے پہلے تھا۔ پس جب ہجرت کے بعد ان پر جہاد و قتال فرض کر دیا گیا تو ناگہاں ایک گروہ ان میں سے اپنے مخالف لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے خدا سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگا اس گروہ سے یا تو منافقین کا گروہ مراد ہے یا ضعیف الایمان اور کمزور اور کچے مسلمان مراد ہیں اور یہ خوف ان کا طبعی تھا اعتقادی نہ تھا کہ معاذ اللہ دل سے حکم خداوندی کو ناپسند کرتے ہوں جیسے مؤمن موت کو حق سمجھتا ہے مگر طبعاً موت اس کو گراں معلوم ہوتی ہے اس لیے بعض ضعیف الایمان طبعی کمزوری کی بناء پر برائے چندے التواء جہاد کی تمنا اور آرزو میں یہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد و قتال کو فرض کر دیا کیوں نہ ڈھیل دی آپ نے ہم کو ایک قریبی وقت تک یعنی ذرا اور بے فکری سے جی لیتے ضعیف الایمان مسلمانوں کا یہ کہنا بطور اعتراض نہ تھا بلکہ طبعی کمزوری کی بناء پر بطور حسرت اور تمنا تھا ان پر کوئی گناہ نہیں ہوا آگے اس کا جواب ارشاد ہے (اے نبی کریم ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ دُنیا کی بہرمندی بہت تھوڑی ہے دنیا کے فوائد فنا اور زائل ہونے والے ہیں۔ ان سے دل لگانا نہیں چاہیے۔ لہٰذا اس التواء کی تمنا بے سود ہے آخرت تا بکے۔ اور آخرت پرہیزگار کے لیے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور نعماء آخرت کے حصول کا بہترین ذریعہ یہ جہاد ہے اور آخرت میں تم پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ اگر جہاد نہ بھی کیا تو موت سے بچ نہیں

---

[1] مکی آیتوں میں جو زکوٰۃ کا ذکر ہے بعض علماء کے نزدیک اس سے فقراء اور محتاجین کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا مراد ہے یا یوں کہو کہ اجمالی طور پر زکوٰۃ کا حکم اگرچہ مکی آیتوں میں ہے مگر زکوٰۃ کی مقدار اور انصاب کی تفصیل مدینہ جا کر ہوئی۔ واللہ اعلم

سکتے جس جگہ بھی تم ہوگے تو موت تم کو آ پکڑے گی اگرچہ تم مضبوط محلوں میں ہو جہاں اگرچہ قاتل نہ پہنچ سکے لیکن موت کا فرشتہ تو ضرور پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا موت کے ڈر سے جہاد سے جان چرانا نادانی ہے اور اسلام میں کمزوری اور کچے ہونے کی دلیل ہے۔

منافقین کے ایک خیالِ خام کی تردید

آئندہ آیات میں منافقین کے ایک خیالِ خام کا دفعیہ فرماتے ہیں جو بعض منافقین کو ہوتا تھا وہ یہ کہ جب کبھی جہاد میں کوئی فتح و نصرت ہوتی اور مال غنیمت ہاتھ آتا تو یہ کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے اتفاقاً بات بن گئی ہے رسول اللہ ﷺ کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے اور جب کبھی شکست ہوتی اور کچھ نقصان پہنچتا تو اس کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتے اور یہ کہتے کہ یہ مصیبت آپ کی اور آپؐ کے اصحاب کی نحوست سے ہم کو پہنچی ہے۔ آئندہ آیت میں منافقین کی اس بے ہودہ بات کا جواب دیتے ہیں اور اگر پہنچتی ہے ان منافقین کو کوئی نعمت اور راحت یعنی خوشحالی اور کامرانی تو یہ کہتے کہ یہ منجانب اللہ اتفاقاً ہوگئی ہے اس میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی تدبیر کو کوئی دخل نہیں جیسے محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بات تو منجانب اللہ ہے یعنی تمہاری تدبیر کا نتیجہ نہیں اور اگر ان منافقین کو کوئی بُرائی اور تکلیف پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں کہ (اے محمد ﷺ) یہ مصیبت اور بلا آپ کے پاس سے آئی ہے یعنی یہ آپ کی نحوست ہے آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو ان ایام میں مدینہ میں غلہ اور پھلوں کی افراط تھی اور ہر چیز کا نرخ ارزاں تھا پھر جب منافقوں نے اپنے نفاق کا اور یہودیوں نے اپنی عناد کا اظہار کیا تو خدا تعالیٰ نے ان کے رزق میں کسی قدر تنگی کردی پیداوار کم ہوئی اور نرخ چڑھ گیا اس پر یہودیوں اور منافقوں نے کہا کہ جب سے یہ شخص ہمارے شہر میں آیا ہے اسی وقت سے ہمارے پھلوں اور کھیتوں میں نقصان ہونے لگا اس آیت میں انہی منافقوں کا بیان ہے پس حسنہ (بھلائی) سے مراد پیداوار کی کثرت اور نرخ کی ارزانی ہے اور سیۂ (بُرائی) سے مراد قحط اور مہنگائی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بھلائی سے مراد فتح اور غنیمت ہے اور بُرائی سے مراد قتل اور ہزیمت ہے بہر حال جو بھی مراد ہو حسنہ اور سیئہ کا لفظ سب کو شامل ہے۔

اور اس آیت کی بناء پر مطلب یہ ہے کہ اگر لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے اور غنیمت ان کے ہاتھ آتی ہے جیسے بدر میں تو منافق یہ کہتے ہیں کہ یہ فتح اور غنیمت اللہ کی طرف سے اتفاقاً پیش آ گئی ہے اور مسلمان جو اس فتح کو اپنی تائید غیبی اور نبی اکرم ﷺ کی دلیل نبوت اور برہان صداقت سمجھتے ہیں یہ سب غلط ہے یہ فتح محض ایک اتفاقی امر ہے اور اگر مسلمانوں کی شکست ہوتی ہے جیسے اُحد میں تو کہتے ہیں کہ یہ بات محمد ﷺ کی طرف سے ہے یعنی آپ ﷺ کی بے تدبیری کا نتیجہ ہے۔ آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجیے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ یعنی فتح و شکست اور قتل اور غنیمت اور سما اور ارزانی اور قحط اور گرانی سب خدا ہی کے طرف سے ہے میرا ان میں کوئی دخل نہیں جو اُمور باعث آرام ہیں وہ خدا تعالیٰ کا انعام ہیں اور جو باعث تکلیف ہیں وہ اس کی طرف سے ابتلاء اور آزمائش ہیں۔ پس کیا حال ہے ان منافقین کا کہ ایک بات کے سمجھنے کے پاس نہیں جاتے۔ یعنی ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ان منافقین کو عقل ہوتی تو سمجھ لیتے کہ ہر راحت اور مصیبت کا خالق اور موجد حق تعالیٰ ہی ہے ارزانی اور گرانی اور فتح اور شکست سب اللہ ہی کی قضاء و قدر سے ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر کی تدبیر بھی اللہ کی قضا و قدر سے ہے

اور اللہ تعالیٰ ہی کے الہام سے ہے۔ لہٰذا نبی پر تمہارا الزام رکھنا غلط اور کم فہمی ہے اور بگڑے کو بگڑا نہ سمجھو یہ اللہ کی حکمت ہے اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری تقصیروں پر متنبہ کرتا ہے اور تم کو سدھارتا اور سنوارتا اور آزماتا ہے یہ منافقین کے الزام کا اجمالی جواب ہوا آئندہ آیت میں اس کی تفصیل ہے اے انسان تجھ کو نعمت اور راحت اور بھلائی کی قسم سے جو چیز پہونچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور برائی کی قسم سے جو چیز تجھ کو پہنچے تو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کو جو نعمت اور راحت پہنچتی ہے وہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اور جو تکلیف اسے پہنچتی ہے وہ اس کے اعمال کی شامت سے پہنچتی ہے۔

اس سے اُوپر کی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ بھلائی ہو یا بُرائی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور برائی بندہ کی طرف سے ہے بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت تعارض نہیں دوسری آیت پہلی آیت کی تفصیل ہے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ عالم اسباب سے قطع نظر کر کے فاعل حقیقی اور مسبب الاسباب کی طرف خیال کرو تو ہر بھلائی اور بُرائی کا خالق اور موجد صرف وہی ہے اس اعتبار سے تمہارا بھلائی اور برائی میں تفرقہ کرنا یہ بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور یہ بُرائی رسول کی طرف سے ہے سراسر حماقت ہے ﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝۷۸﴾ یعنی یہ لوگ ایسے نادان ہیں کہ اپنی حماقت کو بھی نہیں سمجھتے اور اگر عالم اسباب پر نظر کرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ عالم اسباب میں تم کو جو خیر اور بھلائی پہنچتی ہے وہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اس میں تمہارے کسی عمل کو دخل نہیں تم جو عمل صالح کرتے بھی ہو تو وہ بھی اللہ ہی کا فضل اور احسان ہے اس کی توفیق سے اور اس کی دی ہوئی قدرت سے اور اس کے دیئے ہوئے اعضاء اور جوارح سے کرتے ہو تمہارا وجود بھی اسی کا فضل اور احسان ہے اور اگر تم کو کوئی بُرائی اور تکلیف پہنچے تو سمجھ لو کہ وہ تمہارے اعمال بد کا نتیجہ ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ (الشوریٰ: ۳۰) لہٰذا ادب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ برائی کو اپنی طرف اور بھلائی کو خدا کی طرف منسوب کرو اور فتح اور کامرانی کو اللہ کا فضل جانو اور قحط اور گرانی اور شکست اور ناکامی کو اپنے اعمال کی شامت جانو۔ پیغمبر خدا پر کوئی الزام نہ رکھو اور یقین رکھو کہ بھلائی اور برائی کا خالق اور موجد صرف حق تعالیٰ کی ذات والاصفات ہے تم کو جو برائی پہنچتی ہے بے شک اس کا خالق اور پیدا کرنے والا تو حق تعالیٰ ہی ہے مگر تمہارا عمل اس کا سبب ہے اور پیغمبر خدا ﷺ اس بُرائی کے نہ خالق اور موجد ہیں اور نہ سبب ہیں۔ لہٰذا پیش آمدہ بُرائی کو معاذ اللہ نبی ﷺ کی نحوست بتلانا کمال حماقت ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ منافقین کے الزام دُور کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ سے خطاب کر کے فرماتے ہیں اور (اے نبی ﷺ) آپ کا سبب نحوست ہونا تو قطعاً ناممکن اور محال ہے اس لیے کہ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے نفع اور ہدایت کے لیے پیغام دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ہر خیر کی طرف دعوت دیں اور ہر شر سے ڈرائیں آپ ﷺ کی ذات بابرکات تو ہر خیر اور رحمت کا منبع اور سرچشمہ ہے وہ نحوست کا سبب کیسے بن سکتی ہے نحوست کا منبع خود ان کا نفس امارہ ہے اور یہود اور منافقین جس برائی کا مشاہدہ کر رہے ہیں وہ ان کے اعمال کی شامت ہے۔ اے نبی کریم ﷺ آپ ان کے بے ہودہ الزام کی پروا نہ کیجیے اور غمگین اور رنجیدہ نہ ہو جایئے، اپنا کارِ رسالت کیے جایئے اور اگر یہ لوگ آپ کی رسالت کا انکار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت کا کافی گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو معجزات عطا کیے ہیں وہ سب من جانب اللہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے گواہ ہیں اور ظاہر ہے کہ رسالت اور نحوست کا اجتماع عقلاً ناممکن ہے

نحوست جب آتی ہے تو بارگاہ رسالت کی مخالفت سے آتی ہے۔ اس لیے کہ جس کسی نے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کی۔ اطاعت موجب خیر و برکت اور باعث رحمت ہے نہ کہ باعث شوم و نحوست اور جو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت سے اعراض کرے تو اس کو اختیار ہے کہ خیر و برکت سے روگردانی کر کے نحوست میں داخل ہو جائے۔ ہم نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ جبراً و قہراً ان کو نحوست سے بچالیں یا نکال لیں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بے فکر رہیں ان کے بارہ میں آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی آپ کا کام پہنچا دینا ہے۔

فرستادۂ خاص پروردگار رسانندۂ حجت استوار
گرانمایہ تر تاج آزاد گاں گرامی تراز آدمی زادگاں

بیان حقیقتِ حال منافقین

اور منافقین کی حالت یہ ہے کہ بظاہر نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور آپ کے سامنے یہ کہتے ہیں ہمارا شیوہ تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی فرمانبرداری ہے زبان سے تو اظہارِ فرمانبرداری کرتے ہیں، پھر جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ان میں کے کچھ لوگ یعنی ان کے سردار رات کے وقت آپ کے فرمودہ اور حکم کے برخلاف مشورے کرتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ جو کچھ مشورے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نامہائے اعمال میں لکھتا ہے اور پھر بذریعہ وحی کے اپنے نبی کو ان کے پوشیدہ مشوروں سے مطلع کرتا ہے اور منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پوشیدہ مشوروں کی کسی کو کیا خبر ہو سکتی ہے پس اے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہم نے آپ پر ان کا نفاق ظاہر کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان سے تغافل برتیے نہ ان کو سزا دیں نہ ان کی فکر میں پڑیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور خدا تعالیٰ پورا کارساز ہے۔ خدا تعالیٰ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا یہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

اثباتِ رسالت محمدیہ باعجاز قرآن

اُوپر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے منافقین کی انواع و اقسام کی دورنگیاں اور دغابازیاں بیان کیں جن کا اصل منشاء اور سبب یہ تھا کہ وہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو دعوائے رسالت میں سچا نہیں سمجھتے تھے اور قرآن کریم کو کلام الٰہی نہیں جانتے تھے۔ اس لیے اس آیت میں ان کو یہ حکم دیا کہ تم قرآن میں غور و فکر کرو جو آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے اگر تم نے اس میں صدق دل سے غور و فکر کیا تو تم پر روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خدا تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ منافقین قرآن میں غور و فکر نہ کریں گے تاکہ اس کے اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کو دیکھ کر اس کا کلام الٰہی ہونا ان پر واضح ہو جائے اور یہ سمجھ جائیں کہ جس پر یہ کلام الٰہی نازل ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا رسول ہے۔

اس لیے کہ اس قرآن کی فصاحت و بلاغت ایسی بے نظیر ہے جو طاقت بشری سے باہر ہے اور اس کے تمام احکام عین حکمت اور عین صواب ہیں اور جا بجا قرآن میں غیب کی خبریں ہیں جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتا گزشتہ کی اس میں خبریں ہیں اور آئندہ کی اس میں پیشین گوئیاں ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضور پرنور اُمی ہیں پڑھے لکھے نہیں جو کسی سے پڑھ کر یا کسی کتاب کو دیکھ کر یہ علوم

ومعارف بیان کرتے ہوں جس سے بخوبی ثابت ہوا کہ بلاشبہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور آپ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا یعنی اگر خدا کا کلام نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ آنحضرت ﷺ کا بنایا ہوا ہوتا یا کسی اور بشر کا کلام ہوتا جیسا کہ مخالفین اسلام کہتے ہیں تو ضرور پاتے اس میں بہت سخت اختلاف اور تناقض اور تفاوت کوئی خبر اس کی صحیح ہوتی اور کوئی غلط کوئی جملہ اس کا فصیح ہوتا اور کوئی رکیک مگر اس میں کسی قسم کا اختلاف اور تناقض نہیں فصاحت وبلاغت میں اوّل سے آخر تک یکساں ہے۔ اس کے ایک بیان سے دوسرے بیان کی تصدیق ہوتی ہے اس کی پیشین گوئیاں تمام صحیح اور واقع کے مطابق ہیں باہمی تناقض اور اختلاف کا نام ونشان نہیں اور ظاہر ہے کہ غیب کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔

ان باتوں سے ہر شخص بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے کیونکہ بشر کا کلام ایک اسلوب اور ایک حال پر کبھی بھی نہیں رہ سکتا۔ بشر پر مختلف احوال پیش آتے ہیں ہر حالت میں اسی حالت کے مطابق کلام کرتا ہے دوسری حالت کا دھیان نہیں رہتا نیز آدمی جب کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح ہوتا ہے اور کوئی غیر فصیح اور قرآن عظیم اتنی بڑی کتاب ہے اس کا ان جملہ اختلافات سے پاک ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ خداوند ذوالجلال کا کلام ہے۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ منافقین قرآن میں غور نہیں کرتے کہ اس کے عدم اختلاف اور عدم تناقض سے رسول اللہ ﷺ کا صدق معلوم کر لیں کم از کم اسی میں غور کر لیں کہ قرآن کریم تمہارے باطنی نفاق اور اندرونی عقائد اور خیالات کی صحیح صحیح خبر دے رہا ہے جو اس امر کی دلیل قطعی ہے کہ یہ وحی خداوندی ہے سوائے خدا کے کون کسی کے دل کا حال بتلا سکتا ہے۔ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو منافقین کے نفاق اور اسرار باطنی کے متعلق جو خبریں دی جاتی ہیں تو منافقین ان میں ضرور اختلاف اور فرق پاتے منافقین کے متعلق قرآن کی کوئی خبر سچی نکلتی اور کوئی جھوٹی اور اگر ان منافقین کو قرآن میں کوئی اختلاف اور تناقض نظر آتا تو ضرور اس کو شائع کرتے اس لیے کہ ان کی عادت یہ تھی کہ جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسی وقت اس کو شائع اور مشہور کر دیتے ہیں منافقوں کی عادت یہ تھی کہ جب مسلمانوں کی فتح یا شکست کی خبر ان کو کہیں سے ملتی تو بلا تحقیق اس کو شائع اور مشہور کر دیتے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا کیونکہ بعض خبریں تو جھوٹی ہوتی ہیں اور بعض کا ظاہر کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ان منافقین کو قرآن میں کوئی اختلاف اور تناقض نظر آتا تو اس کو بھی ضرور شائع اور مشہور کر ڈالتے اور ان کے نفاق کے متعلق قرآن میں جو خبریں دی جارہی ہیں ان میں سے اگر کوئی خبر غلط نکلتی تو آسمان وزمین ایک کر دیتے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر ان منافقین کے پاس مسلمانوں کی فتح اور غنیمت یا قتل اور ہزیمت کی کوئی خبر آتی ہے تو خواہ مخواہ جھوٹی ہو یا سچی اور اس کے ظاہر کرنے میں مصلحت ہو یا نہ ہو یہ لوگ اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر بجائے خود مشہور کرنے کے یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو لوگ ذی رائے اور ذی اختیار ہیں ان تک پہنچاتے۔ یعنی یہ لوگ اگر خبر سننے کے بعد اس خبر کو رسول اللہ ﷺ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچا دیتے اور از خود اس کو شائع نہ کرتے تو اہل اسلام میں سے جو لوگ بات کی تہہ اور گہرائی کو پہنچنے والے ہیں تو وہ بے شک پہچان لیتے کہ یہ خبر مشہور کرنے کے قابل ہے یا نہیں ہر شخص بات کی تہہ اور گہرائی کو نہیں پہنچتا۔ لہٰذا ایسے اشخاص کو چاہیے کہ وہ مستنبطین اور مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان سے بغیر دریافت کیے دین کی کوئی خبر اور بات زبان سے نہ نکالیں۔

استنباط کے لغوی معنی زمین کھود کر اس کی تہہ میں سے پانی نکالنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نصوص شریعت کی تہہ میں جو حقائق اور معارف مستور ہیں ان کو خداداد فہم وفراست سے کھود کر نکالنے کا نام استنباط اور اجتہاد ہے شریعت کے بہت سے احکام آیات

اوراحادیث کے ظاہر سے مفہوم نہیں ہوتے لیکن وہ بلاشبہ نصوص شریعت اور کتاب وسنت کی گہرائیوں میں مستور اور پوشیدہ ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ شریعت نے کوئی امر چھوڑ دیا ہو اور اس کے متعلق کوئی حکم نہ دیا ہو فقہاء کرام جن کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خاص خیر کا ارادہ فرمایا وہ اپنے دقیق اور عمیق نظر اور فکر کے ذریعہ سے زمین شریعت کو کھود کر اس کی تہہ اور گہرائیوں میں سے ان پوشیدہ احکام کو نکال کرلاتے ہیں جو زمین شریعت کی ظاہری سطح پر نمایاں نہ تھے شریعت کی تہہ اور گہرائی میں سے کسی پوشیدہ حکم کے نکال لینے کا نام استنباط اور اجتہاد اور قیاس ہے۔

اسی بناء پر حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ قیاس مظہر حکم ہے نہ کہ مُثْبِتِ حکم یعنی قیاس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا بلکہ جو حکم قرآن وحدیث میں پہلے موجود تھا مگر مخفی تھا قیاس نے اس کو اب ظاہر کردیا حکم درحقیقت کتاب وسنت ہی کا ہے قیاس خدا اور رسول ﷺ کے پوشیدہ حکم کا مظہر اور محض ظاہر کرنے والا ہے قیاس مثبتِ حکم نہیں یعنی قیاس اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتا عرف عام میں چونکہ قیاس کے معنی خیال اور گمان اور وہم کے ہیں اس لیے بہت سے نادانوں نے یہ گمان کرلیا کہ قیاس شرعی کی حقیقت بھی یہی ہے اور اصطلاح شریعت میں قیاس شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ غیر منصوص الحکم کے مشابہ اور مماثل دیکھ کر بوجہ مماثلت اور مشابہت کے منصوص الحکم کے حکم کو غیر منصوص کے لیے ثابت کرنا اس کا نام قیاس ہے یعنی جس چیز کا حکم کتاب وسنت اور اجماع امت میں منصوص اور مصرح نہیں اس میں یہ غور وفکر کرنا کہ جس چیز کا حکم شریعت میں موجود ہے یہ غیر منصوص کس کے ساتھ زیادہ مشابہ اور مماثل ہے مشابہت کی بناء پر غیر منصوص کے لیے اس حکم کے ثابت کرنے کا نام قیاس شرعی ہے جیسے ہائی کورٹ کا کوئی فاضل جج جس مقدمہ کا حکم صراحۃً قانون میں موجود نہ ہو وہاں نظائر کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ صادر کرتا ہے یہ بھی تو ایک قسم کا قیاس ہی ہوا عدالتوں میں ہزارہا مقدمات کا فیصلہ نظائر ہی پر ہوتا ہے نظیر کے موافق حکم دینا یہی قیاس ہے معلوم ہوا کہ ہر قانون میں قیاس موجود ہے بلا قیاس کے عدالتوں کا فیصلہ ناممکن ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قیاس کی یہی حقیقت قرار دی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: باب من شبه اصلا معلوما باصل مبين قد بين الله حكمها يفهم السائل جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ قیاس کی حقیقت تشبیہ اور تمثیل ہے۔ اور اس بارہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد تراجم قائم فرمائے ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ قیاس اور رائے کی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور ایک مذموم، مذموم وہ ہے جس کی کتاب وسنت اور اجماع میں کوئی اصل موجود نہ ہو اور محمود وہ ہے جو کتاب وسنت اجماع امت سے ماخوذ ہو حضرات اہل علم فتح الباری جلد سیزدہم ۱۳ باب الاعتصام کی مراجعت فرمائیں۔

اور اگر تم پر خدا کا یہ خاص فضل اور یہ خاص مہربانی نہ ہوتی یعنی اگر بالفرض تمہاری ہدایت کے لیے حق تعالیٰ یہ قرآن نازل نہ فرماتے اور نبی اکرم ﷺ کو تمہاری تعلیم اور تزکیہ کیلیے مبعوث نہ فرماتے جس نے تم پر حق اور باطل کا فرق واضح کیا تو البتہ تم شیطان کے پیرو ہوجاتے اور کفر وشرک میں مبتلا ہوجاتے مگر بہت کم ایسے ہوتے جو خداداد نور فہم وفراست سے توحید کو اختیار کرتے اور شرک سے محفوظ رہتے جیسے زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ اور ورقہ بن نوفل وغیرہم کہ جو خداداد نور فہم سے زمانہ جاہلیت میں کفر وشرک سے محفوظ رہے اتباع شیطان سے اس قسم کی محفوظیت اور معصومیت سے بہت ہی کم افراد کو نوازا جاتا ہے۔ لہٰذا اتباع شیطان سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر مستنبطین کی اجازت کے کوئی خبر شائع نہ کریں بغیر اہل الرای کے صلاح اور حکم کسی خبر کو شائع کرنا شیطان کی پیروی ہے۔

پس اے نبی کریم ﷺ اگر یہ منافقین اور ضعیف الایمان مسلمان تمہارا ساتھ چھوڑ دیں تو پروانہ کیجیے آپ ﷺ تن تنہا خدا کی

راہ میں جہاد و قتال کیجیے آپ ﷺ صرف اپنی ذات کے ذمہ دار ہیں غیروں کی ذمہ داری آپ پر نہیں اور آپ تو صرف مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجیے ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے گا اور اللہ تعالیٰ سخت ہیبت والا اور سخت عذاب دینے والا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی نہیں جیت سکتا اور نہ کوئی اس کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ
جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کو بھی ملے اس میں سے ایک حصہ اور جو کوئی سفارش کرے
شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
بُری بات میں اس پر بھی ہے ایک بوجھ اس میں سے اور اللہ ہے ہر چیز کا حصہ
مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾
بانٹنے والا۔

حکم بست و یکم ۔ ترغیب در شفاعت حسنہ و ترہیب از شفاعت سیئہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً ... الٰى ... وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب تھی اب ان آیات میں سفارش کے متعلق ایک قانون بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص عمدہ سفارش کرے (مثلاً شرکت جہاد کی ترغیب دے) اس کو اس میں سے حصہ ملے گا یعنی اس کو بھی اسی قدر ثواب ملے گا جس قدر اس پر عمل کرنے والوں کو اور جو کوئی بری سفارش کرے مثلاً لوگوں کو شرکت جہاد سے روکے اور ان کو جہاد میں جانے سے ڈرائے تو اس کو گناہ میں سے حصہ ملے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں جو شخص نیک کام کی سفارش کرے گا اس کو اس نیک کام کے ثواب سے حصہ ملے گا اور جو کوئی شخص بُری سفارش کرے گا اس کو اس بُرے کام کے گناہ سے حصہ ملے گا۔ مثلاً کسی امیر سے سفارش کر کے کسی حاجت مند کو کچھ دلوا دے تو اس خیرات کے ثواب میں یہ بھی شریک ہوگا اور اگر کسی حاکم سے سفارش کر کے کسی چور اور بدکار کو چھڑوا دیا تو یہ بھی اس چوری اور بدکاری میں شریک اور حصہ دار ہوگا کیونکہ شفاعت کی حقیقت غیر کے لیے حصول خیر میں واسطہ بننے کے ہیں پس اگر وہ خیر حقیقتاً خیر ہے تو اس کو اجر ملے گا ورنہ گناہ ہوگا۔

گزشتہ آیت کے ساتھ اس آیت کا تعلق یہ ہے کہ منافقین ایک دوسرے کے لیے آنحضرت ﷺ سے یہ سفارش کیا کرتے تھے کہ آپ انہیں جنگ سے پیچھے رہنے کی اجازت دیدیں اور مومنین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اگر کسی کے پاس سامان جنگ نہ دیکھتے تو دوسرے صاحب مقدرت مسلمانوں سے کہہ سن کر ان کو سامان جنگ دلوا دیتے تا کہ جہاد میں شریک ہوسکیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو شخص اچھی یا بُری سفارش کرے گا اس کی جزاء و سزا اس کو بھگتنی پڑے گی اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر۔ یعنی وہ اچھی سفارش پر ثواب اور بری سفارش پر عذاب دینے پر قادر ہے نہ کوئی اس کے ثواب کو روک سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی سزا کو۔ اور بعض علماء نے مُقِیت کے معنی نگہبان کے کیے ہیں اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے یعنی اچھی اور بری سفارش اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں وہ ہر سفارش کرنے والے کے حال سے بخوبی واقف ہے۔

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر اللہ
كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾
ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا۔

حکم بست و دوم۔ بابت تحیۂ اسلام و تعلیم جواب سلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ ... اِلٰی ... حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں شفاعت حسنہ کا ذکر تھا اب اس آیت میں تحیۂ اسلام یعنی کسی کو السلام علیکم کہنے کا حکم مذکور ہے اور کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اس کی سلامتی کی شفاعت حسنہ ہے کہ اے اللہ اس کو دنیا اور آخرت کی امن اور سلامتی عطا فرما۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب تم کو کسی قسم کا سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں اس کے سلام کا جواب دو مثلاً کوئی شخص تم کو السلام علیکم کہے جو دنیا اور آخرت کے امن اور سلامتی کی دعا ہے تو تم اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہو دعاء سلامتی پر دعاء رحمت اور برکت کا اضافہ کرو تا کہ تمہارا جواب اس سے بہتر ہو جائے یا جواب میں وہی الفاظ لوٹا دو یعنی السلام علیکم کے جواب میں فقط وعلیکم السلام کہہ دو۔

اشارہ اس طرف ہے کہ اگر احسان کا بدلہ اصل سے زیادہ ہو تو بہتر ہے ورنہ برابر سرابر بھی کافی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔ یعنی سلام کرنے والے اور اس کے جواب دینے والے کو بقدر اس کے سلام اور بقدر زیادتی کے جزاء دے گا۔

فائدہ: تحیہ کے لغوی معنی دعاء حیات کے ہیں زمانۂ اسلام سے پیشتر عرب میں یہ رواج تھا کہ جب دو آدمی ملتے تو ایک دوسرے کو حَيَّاكَ اللّٰهُ کہتے یعنی خدا تعالیٰ تجھ کو زندہ رکھے۔ یہ دعا اُن کے یہاں تحیہ کہلاتی تھی شریعت اسلام نے اس دعا کو لفظ السلام علیکم سے بدل دیا اور تحیۂ اسلام اس کا نام رکھا پس آیت میں تحیہ سے اسلامی تحیہ یعنی السلام علیکم مراد ہے۔ شریعت اسلام نے جو تحیہ مقرر کیا وہ زمانۂ جاہلیت کے تحیہ سے کہیں زیادہ فاضل اور کامل ہے کیونکہ السلام علیکم کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ تم کو ہر قسم کے غم اور الم اور جملہ آفات اور بلیات سے سلامت اور محفوظ رکھے اور حَيَّاكَ اللّٰهُ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھے اور ظاہر ہے کہ سلامتی کے لیے زندگی لازم

ہے اور زندگی کے لیے سلامتی لازم نہیں اس لیے کہ جو شخص آفات و بلیات میں مبتلا ہے زندگی اس کو حاصل ہے مگر سلامتی اس کو حاصل نہیں نیز دعاء سلامتی ایک خاص بشارت ہے اور لفظ سلام دراصل اللہ کا نام ہے لہٰذا ملاقات کی ابتداء اللہ کے نام اور بشارت سے ہونا یہ غایت درجہ بہتر ہے۔

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں کی ایک جماعت جو وہاں بیٹھی تھی اس کی طرف اشارہ کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس جماعت کو جا کر سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے آدم علیہ السلام نے ان کے پاس جا کر کہا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ تو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے جواب میں لفظ ورحمۃ اللہ زیادہ کیا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَ
اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن اس میں شک نہیں اور
مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع
اللہ سے سچی کس کی بات

ع ۱۱/۱۱ ۸

تاکید وعید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ . . . الٰى . . . اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیت یعنی ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ ﴾ وعید اور تہدید تھی اب اس آیت میں اس کی تاکید کے لیے اپنی توحید اور عظمت اور قیامت کا ذکر فرماتے ہیں اللہ کی شان یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں ذرہ برابر کسی قسم کا شک نہیں۔ یعنی قیامت ضرور آئے گی اور حساب و کتاب اور جزاء اعمال کے لیے سب ایک جگہ ضرور جمع ہوں گے اور اللہ سے کون زیادہ بات میں سچا ہو سکتا ہے۔ یعنی جب اس نے قیامت کی خبر دیدی تو اس کو سچ جانو اور تعمیل احکام کا خاص اہتمام کرو اور یقین جانو کہ جو اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کرے گا قیامت کے دن اس کو سزا دے گا۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ
پھر تم کو کیا پڑا ہے منافقوں کے واسطے دو جانب ہو رہے ہو اور اللہ نے ان کو الٹ دیا ان کے کاموں پر
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ
کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو بچلایا اللہ نے اور جس کو اللہ راہ نہ دے پھر تو نہ پاوے اس کے

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً

واسطے کہیں راہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جیسے وہ ہوئے پھر سب برابر

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ

ہو جاؤ سو تم ان میں کسی کو مت پکڑو رفیق جب تک وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں پھر اگر

تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا

قبول نہ رکھیں تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ اور نہ ٹھہراؤ

مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

کسی کو رفیق اور نہ مددگار مگر وہ جو مل رہے ہیں ایک قوم سے جن میں

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ

اور تم میں عہد ہے یا آئے ہیں تمہارے پاس خفا ہو گئے ہیں دل ان کے تمہارے لڑنے سے

اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ

اور اپنی قوم کے لڑنے سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دیتا پھر تم سے لڑتے

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا

تو اگر تم سے کنارہ پکڑیں پھر نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح لاویں تو

جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ

اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ اب تم دیکھو گے ایک اور لوگ چاہتے ہیں

اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا

کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جس بار بلائے جاتے ہیں فساد کرنے کو الٹ جاتے

فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا

ہیں اس ہنگامہ میں پھر اگر تم سے کنارہ نہ پکڑیں اور صلح نہ لاویں اور اپنے

اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰٓئِكُمۡ

ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ اور ان پر

جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۹۱﴾ ع

۱۲ ع ۹

ہم نے ملا دی تم کو سند صریح

حکم بست وسوم۔ متعلق بہ معاملۂ منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿فَمَا لَكُمۡ فِي الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِئَتَيۡنِ... الی... جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۹۱﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں منافقین کے احوال کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں کو منافقین کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے حاصل حکم یہ ہے کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ اس وقت تک کیا جائے گا کہ جب تک ان کا نفاق چھپا رہے اور جب ان کا کفر اور نفاق واضح اور ظاہر ہو جائے تو پھر ان کی ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے جب دلائل کفر کے واضح ہو جائیں تو پھر تردد کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس رکوع کی تفسیر سمجھنا چند روایات کے نقل پر موقوف ہے اسلیے ہم ان روایات کو نقل کرتے ہیں

پہلی روایت: مشرکین عرب میں سے کچھ لوگ مدینہ آئے اور یہ ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں کچھ دنوں مدینہ میں مقیم رہے پھر مدینہ کی آب وہوا کے موافق نہ آنے کا عذر کر کے آنحضرت ﷺ سے یہ اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت دیں تو ہم جنگل میں جا کر رہیں یہاں کی آب وہوا موافق نہیں آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ یہ بہانہ کر کے جب مدینہ سے باہر نکل گئے تو منزل بمنزل کوچ کرتے اور کھسکتے رہے یہاں تک کہ مشرکین مکہ سے جا ملے اور گھر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو ایک جھوٹ موٹ خط لکھا کہ آپ ﷺ ہماری طرف سے کچھ خیال نہ کریں ہم آپ ہی کے دین پر رہیں گے اور ہم مدینہ کی آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے اپنے وطن مکہ چلے آئے ہیں۔ یہ حال سن کر مسلمان ان کے ایمان اور کفر میں اختلاف کرنے لگے۔ بعض نے کہا کہ یہ منافق ہیں ہم ان کو قتل کریں گے اگر وہ ہماری طرح مسلمان ہوتے تو مصائب پر صبر کرتے اور ہجرت کو ترک کر کے واپس نہ ہوتے، اور بعض نے کہا ایسا نہیں وہ مسلمان ہیں ہم کو ان سے بدگمانی نہ کرنی چاہیے جب تک ہم پر ان کا پورا حال نہ کھل جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کا کفر اور نفاق ظاہر کر دیا اور ارشاد فرمایا: کہ اے مسلمانو! ان منافقوں کے بارہ میں دو گروہ کیوں ہو گئے یہ لوگ تو ایسے پکے کافر ہیں کہ تم کو بھی کافر اور گمراہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۰۶ ج ۵ و تفسیر کبیر ص ۲۸۹ ج ۳ و روح المعانی ص ۹۷ ج ۵)

دوسری روایت: آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے قبل ہلال بن عویمر اسلمی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ نہ آپ کو مدد دے گا اور نہ آپ کے مقابلہ میں کسی کو مدد دیگا اور جو شخص ہلال کے پاس چلا جائے اور اس کی پناہ پکڑے تو اس کو ہماری طرف سے ایسی ہی پناہ ہوگی جیسے خود ہلال کو خواہ وہ شخص اس کی اپنی قوم کا ہو یا کسی غیر قوم کا اس پر یہ آیتیں ﴿وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ

وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ...الی... فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۰۹ ج ۵ و تفسیر کبیر ص ۲۹۱ ج ۳)

تیسری روایت: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ ... الخ﴾ اسد اور غطفان کے بارہ میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ جب مدینہ آتے تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تاکہ ان کو مسلمانوں سے کسی قسم کی مضرت نہ پہنچے اور جب اپنی قوم میں جاتے تو کفر کا اظہار کرتے اور ان جیسی کہتے تاکہ اُن سے بھی امن رہے اور جب اُن کی قوم کا کوئی آدمی پوچھتا کہ تم کس چیز پر ایمان لاتے ہو تو کہتے ہم بندر اور بچھو پر ایمان لائے ہیں۔ ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ﴾ میں اس فرقہ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۱۱ ج ۵)

خلاصہ کلام یہ کہ اس رکوع کی آیتیں ان تین گروہوں کے بارہ میں نازل ہوئیں جن کا ذکر ان روایات میں گزرا، اب ان آیات کی تفسیر دیکھیے۔

پہلے فرقہ کا بیان

پس اے مسلمانو! جب تم نے ان منافقین کے کفر اور ارتداد اور ان کی باطنی خباثت کو ظاہر طور پر دیکھ لیا تو تمہیں کیا ہوا کہ ان منافقین کے بارہ میں تم دو گروہ ہو گئے ایک فریق ان کو مسلمان بتاتا ہے اور دوسرا کافر حالانکہ ان سے ایسی باتیں ظہور میں آ چکی ہیں جو ان کے کفر اور نفاق کی صریح دلیل ہیں لہٰذا تم کو ان کے کفر میں شک نہ کرنا چاہیے۔

فائدہ: ان * لوگوں کو گزشتہ حالت کے اعتبار سے منافقین کہا گیا ہے ورنہ جب کفر واضح اور ظاہر ہو گیا تو اب کھلے کافر کہلائیں گے اور ان کے ساتھ منافقین کا سا معاملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ کھلے کافروں کے احکام ان پر جاری ہوں گے۔ (روح المعانی ص ۹۷ ج ۵)

غرض یہ کہ جب ان منافقین کا پردہ چاک ہو چکا ہے تو تم ان کے بارہ میں کیوں اختلاف کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعمال قبیحہ کی بدولت علانیہ کفر کی طرف لوٹا دیا ہے۔ اسلام کی راہ راست چھوڑ کر اُلٹے کفر میں جا پڑے اور کافروں سے جا ملے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کیا تم اس کو راہ راست پر لے آ ؤ اور جس کو خدا گمراہ کرے تو اے مخاطب تو اس کو ہدایت پر لانے کی کوئی سبیل نہ پائے گا۔ یہ بدنصیب کہاں راہ راست پر آ سکتے ہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ یہ ازلی گمراہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انہی جیسے کافر ہو جاؤ اور پھر تم اور وہ گمراہی میں سب برابر اور یکساں ہو جاؤ بھلا ایسے لوگوں کے کفر میں کیوں شک اور اختلاف کرتے ہو اب آگے ان منافقین کے بارہ میں حکم دیتے ہیں پس جب ان منافقین کی یہ حالت ہے تو تم ان منافقین میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ۔ یعنی ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے دوستانہ تعلقات نہ رکھو تاوقتیکہ یہ لوگ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں یعنی تاوقتیکہ خدا کی راہ میں گھر بار اور خویش و اقارب کو چھوڑ کر مومن مخلص نہ بن جائیں اس وقت تک ان کو اپنا دوست نہ بناؤ ابتداء اسلام میں تکمیل ایمان کے لیے ہجرت بھی فرض تھی بغیر ہجرت کے ایمان معتبر نہ تھا پس اگر وہ اسلام اور ہجرت سے منہ موڑیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو تم ان کو پکڑو یعنی قید کرو اور اسیر بناؤ اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔ یعنی ان کا قتل حِل اور حرم دونوں جگہ مباح ہے اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ

---

* وذکرہم بعنوان النفاق باعتبار وصفہم السابق۔ (روح المعانی ص ۹۷ ج ۵)

اور نہ مددگار کیونکہ سب تمہارے دشمن ہیں یہ تمہارے دوست اور مددگار کیوں بننے لگے مطلب یہ ہے کہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھو اور نہ ان سے کوئی مدد مانگو۔

دوسرے فرقہ کا بیان

مگر ان میں کے جو کافر ان لوگوں سے جا ملیں جن کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے یہ استثناء قید اور قتل کے حکم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں کو جہاں پاؤ گرفتار کرو اور قتل کرو لیکن جو منافق ان لوگوں کی پناہ میں چلے جائیں جن کے ساتھ تمہارا صلح کا عہد ہے تو ان کو قتل نہ کرنا کیونکہ وہ جب تمہارے ہم عہدوں کی پناہ میں آ گئے تو حکماً ان کے ساتھ بھی تمہارا عہد ہو گیا حلیف کا حلیف بھی ایک درجہ میں حلیف ہی ہوتا ہے ان کو قتل کرنا ایک قسم کی عہد شکنی ہوگی یا وہ منافق تمہارے پاس ایسی حالت میں آئیں کہ ان کے سینے تمہارے ساتھ لڑنے سے اور اپنی قوم کے ساتھ بھی لڑنے سے تنگ ہوں۔ یعنی جو کافر اور منافق ایسے ہوں کہ نہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں بلکہ حقیقۃً غیر جانبدار رہیں تو ان لوگوں کو بھی تم قتل نہ کرنا کیونکہ جب ان سے تمہیں نقصان کا اندیشہ نہیں تو پھر ان کے قتل کی ضرورت نہیں خلاصۂ کلام یہ کہ جو تم سے بالواسطہ یا بلاواسطہ صلح کا خواستگار ہو تو وہ حکم اخذ اور قتل سے مستثنیٰ ہے کیونکہ باوجود قوت اور قدرت کے ان کا یکسو اور غیر جانبدار رہنا ان کے امن پسندی کی دلیل ہے اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر ضرور مسلط کر دیتا پھر وہ ضرور ہی تم سے لڑتے۔ یعنی یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ باوجود قوت وقدرت کے ان کا دل تمہارے ساتھ لڑنے سے تنگ کر دیا اور تمہاری ہیبت ان کے دل میں ڈال دی ورنہ وہ تم سے ضرور لڑتے۔ پس خدا کی اس نعمت کا شکر کرو کہ اس نے تم کو اس پریشانی سے بچا لیا۔ لہٰذا تم ان سے تعرض نہ کرو پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور تمہارے ساتھ نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر دست درازی کی کوئی راہ نہیں رکھی یعنی اس صورت میں ان سے لڑنے کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

تیسرے فرقہ کا بیان

عنقریب تم ان کے علاوہ کچھ ایسے چالاک اور عیار لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں یہ قبیلہ اسد اور غطفان کا حال بیان فرمایا کہ جب مدینہ آتے ہیں تو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو ان کی سی کہتے ہیں تاکہ ہر طرف سے امن میں رہیں۔

مگر ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ جب کبھی بھی فساد اور فتنہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تو اس میں اوندھے ہو کر گرتے ہیں۔ یعنی جب کبھی ان کو اسلام کے مقابلہ اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بلایا جاتا ہے تو افتاں وخیزاں یعنی نہایت خوشی کے ساتھ تم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں غرض یہ کہ بڑے مفسد اور چالاک ہیں۔ پس اگر یہ لوگ تم سے یکسو اور کنارہ کش نہ ہوں اور اپنی شرارت سے باز نہ آئیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام نہ ڈالیں اور تمہاری لڑائی سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو تم ان کو پکڑو اور جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ قتل کرو اور یہی لوگ ہیں کہ ہم نے تم کو ان کے قتل کرنے کی صریح حجت اور واضح سند دی ہے یعنی ان کی عہد شکنی نے تمہارے لیے ان کے قتل کو جائز کر دیا ہے جب ان کی عداوت اور خباثت اور عہد شکنی اور غداری اور مکاری واضح ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کے پکڑنے اور قتل کرنے کی

اجازت دے دی ایسے لوگوں سے درگذر مت کرو، تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آ گئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ
اور مسلمان کا کام نہیں کہ مار ڈالے مسلمان کو مگر چوک کر اور جس نے مارا
مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى
مسلمان کو چوک کر تو آزاد کرنی گردن ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچانا اس کے
اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ
گھر والوں کو مگر وہ خیرات کریں پھر اگر وہ تھا ایک قوم میں کہ تمہارے دشمن ہیں اور آپ
مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ
مسلمان تھا تو آزاد کرنی گردن ایک مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایک قوم میں کہ تم میں اور
بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
ان میں عہد ہے تو خون بہا پہنچانا اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرنی گردن
مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ
ایک مسلمان کی پھر جس کو پیدا نہ ہو تو روزے دو مہینے لگتے بخشوانے کو
اللّٰهِ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾
اللہ سے اور اللہ جانتا سمجھتا ہے۔

حکم بست و چہارم۔ متعلق بہ قتل خطا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا ... اِلٰى ... وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں اور منافقوں کے قتل کی اجازت دی تھی اب ان آیات میں مومنین کے قتل کی ممانعت فرماتے ہیں اور چونکہ بعض اوقات لڑائی میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی اور خطاء سے کافر سمجھ کر مار ڈالتا ہے اس لیے ان آیات میں کچھ احکام قتل خطاء کے متعلق بیان فرماتے ہیں اور اسی ذیل میں دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت

کو بھی بیان فرماتے ہیں۔

شان نزول:

اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں نقل کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

پہلی روایت یہ آیت عیاش بن ربیعہ مخزومی کے بارہ میں نازل ہوئی جو ابوجہل کا اخیافی بھائی تھا جس کا سبب یہ ہوا کہ ہجرت سے پیشتر جب آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے عیاش آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا مگر گھر والوں کے ڈر سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا اور جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ آ گئے تو عیاش بن ابی ربیعہ بھی مدینہ آ گیا اور اپنے بھائیوں کے ڈر کے مارے کسی قلعہ میں چھپ کر رہنے لگا۔ عیاش کی ماں کو جب اس کی خبر ملی تو اس کو سخت قلق ہوا اور عیاش کے غم میں کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے دونوں بیٹوں حارث اور ابوجہل کو جو عیاش کے اخیافی بھائی تھے، عیاش کو واپس لانے کے لیے روانہ کیا اور ماں نے یہ قسم کھائی کہ جب تک تم عیاش کو میرے پاس واپس نہ لاؤ گے میں چھت کے نیچے نہیں بیٹھوں گی اور نہ دانہ پانی کا مزہ چکھوں گی۔ ماں کا یہ کلام سن کر دونوں بھائی عیاش کی تلاش میں روانہ ہوئے اور حارث بن زید بن اُمنیہ کنانی بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ بالآخر پتہ لگا کر یہ تینوں مدینے پہنچے اور عیاش سے جا کر ملے عیاش قلعہ میں روپوش تھا ان تینوں نے باہر سے کہا کہ تو قلعہ سے نیچے اُتر آ۔ جب سے تو اپنی ماں سے جدا ہوا ہے اس وقت سے تیری ماں چھت کے نیچے نہیں بیٹھی اور نہ اس نے دانہ پانی کا مزہ چکھا ہے اور اس نے یہ قسم کھائی ہے کہ جب تک تو اس کے پاس لوٹ کر نہیں جائے گا اس وقت تک دانہ پانی اس پر حرام ہے اور ہم خدا کو درمیان میں ڈال کر تجھ سے عہد کرتے ہیں کہ تجھ کو کسی ایسی بات پر مجبور نہ کریں گے جو تیرے دین کے خلاف ہو۔ عیاش نے جب ماں کی بے قراری اور بے چینی کا حال سنا تو دل بھر آیا اور قلعہ سے اُتر کر ان کے پاس آ گیا اور ان کے ساتھ ہو لیا مدینہ سے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے عیاش کو ایک تسمہ میں باندھ لیا اور تینوں میں سے ہر ایک نے عیاش کے سو سو کوڑے لگائے اور اس طرح اس کو اس کی ماں کے پاس لے گئے ماں نے دیکھ کر یہ کہا کہ میں تجھے اس وقت تک نہ کھولوں گی جب تک اس کا انکار نہ کرے جس پر تو ایمان لایا ہے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں چھوڑ دیا اور عرصہ تک اس کو تکلیف دیتے رہے۔ بالآخر عیاش نے مجبور ہو کر بادل نخواستہ جبراً و قہراً جو انہوں نے کہلایا کہہ دیا۔

اس پر حارث بن زید نے (جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا) اس کو چھیڑا اور کہا: اے عیاش! جس دین پر تو تھا اگر وہ راہ ہدایت تھا تو تُو نے ہدایت کو کیوں چھوڑا، اور اگر وہ گمراہی تھا تو تُو اتنے دنوں گمراہی پر رہا۔ اس پر عیاش کو سخت طیش آیا اور یہ قسم کھائی کہ اگر بخدا تو مجھے کہیں تنہائی میں مل گیا تو میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ بعد چندے عیاش نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ چلا گیا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے حارث بن زید کو بھی اسلام کی توفیق بخشی اور وہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں، ہجرت کر کے حاضر ہوا، اتفاق سے اس دن عیاش مدینہ میں موجود نہ تھا، اس کو حارث کے مسلمان ہونے کی خبر نہ ہوئی ایک دن عیاش قبا کو جا رہا تھا اتفاقاً اس کو حارث مل گیا۔ عیاش نے اس کو قتل کر دیا اور اپنی قسم پوری کی۔ جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو عیاش کو ملامت کی کہ تو نے یہ کیا کیا حارث رضی اللہ عنہ تو مسلمان تھا عیاش رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو میرا اور حارث کا قصہ معلوم ہے، لیکن جب میں نے اس کو قتل کیا تو مجھے اس کے مسلمان ہونے کی خبر نہ تھی اور اپنی اس غلطی اور لاعلمی پر ندامت ظاہر کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۹۲ ج ۲) وہکذا فی تفسیر القرطبی مختصراً ص ۳۱۳ ج ۵ و تفسیر

ابن کثیر ص ۵۳۴ ج ۱)۔

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت حذیفہ بن الیمان کے والد کے بارہ میں نازل ہوئی جو جنگ اُحد میں مسلمانوں کی غلطی سے مارے گئے مسلمانوں نے غلطی سے ان کو کافر سمجھ کر ان پر تلواریں چلائیں حذیفہ نے دُور سے دیکھ کر یہ کہا بھی کہ یہ میرے باپ ہیں مگر ہنگامہ میں کوئی نہ سمجھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گئے۔ جب وہ قتل ہو گئے تب معلوم ہوا کہ یمان مسلمان تھے حذیفہ نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطی اور خطا کو معاف کرے مسلمانوں کو جب اپنی اس غلطی کا علم ہوا تو بہت سخت ملول ہوئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تیسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی جس کا سبب یہ ہوا کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کسی لشکر میں تھے اتفاقاً اپنے لشکر سے جدا ہو کر کسی ضرورت سے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں گئے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار چلائی اس نے کہا ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ ابوالدرداء نے یہ سمجھا کہ محض اپنی جان بچانے کے لئے کہہ رہا ہے اس لیے اس کو قتل کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر جب اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تُو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا تب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو اور بھی ندامت ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۹۳ ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ۵۳۴ ج ۱)

غرض یہ کہ آیت کا جو بھی شان نزول ہو سب کا ماحصل یہ ہے کہ کسی مؤمن کو کسی مؤمن کا قتل کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں مگر بھول چوک سے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر سمجھ کر یا کسی اور غلطی کی بناء پر قتل کر ڈالے تو وہ معذور ہے لیکن دیت اور کفارہ واجب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور کسی مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی اور بھول چوک سے اگر ایسا ہو جائے تو اور بات ہے اب آگے قتل خطاء کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں۔

حکم اوّل:

اور جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد غلطی سے قتل کر دے تو اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ ایک تو اس پر ایک مسلمان بُردہ یعنی مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے اور دوسرے اس قتل کرنے والے پر دیت (خون بہا) بھی واجب ہے جو مقتول کے گھر والوں کے حوالہ اور سپرد کی جائے یعنی مقتول کے وارثوں کو بقدر حصص میراث دیت ان کے حوالہ کی جائے اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام وارثوں کے ہے مگر یہ کہ اولیاء مقتول دیت اور خون بہا کو معاف کر دیں تو معاف ہے پھر اس کا مطالبہ نہیں خواہ وہ کل دیت معاف کر دیں یا بعض اتنی ہی معاف ہو جائے گی۔

حکم دوم:

پھر اگر وہ مقتول خطاء اس گروہ سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں یعنی دار الحرب کا باشندہ ہو اور وہ مقتول شخص خود بذاتہٖ مؤمن ہے خود مسلمان تھا مگر دار الحرب میں رہتا تھا اور کسی وجہ سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں نہیں آیا تھا کسی مسلمان نے اس کو اپنا دشمن سمجھ کر مار ڈالا تو قاتل پر صرف کفارہ واجب ہے یعنی صرف ایک مسلمان بردہ کا آزاد کرنا اس پر واجب ہے۔ دیت واجب نہیں اس لیے کہ حربی کا کوئی حق نہیں جو اس کی دیت واجب ہو البتہ بحق اسلام اس کے قتل کا کفارہ دینا ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ صورت مذکورہ میں فقط کفارہ واجب ہو اور دیت واجب نہ ہو اس

لیے کہ اگر دارالحرب میں رہنے والے مسلمان کے قتل میں دیت واجب کی جاتی تو جو لوگ دارالحرب میں غزوہ کرنے جاتے تو اس بات پر مجبور ہوتے کہ غزوہ کرنے سے پہلے اس امر کی تحقیق کریں کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر اور مشرک ہے اور یہ امر نہایت دشوار ہے مجاہدین کو سخت تنگی اور ضیق میں ڈالنے والا ہے لہٰذا حق تعالیٰ نے دارالحرب میں رہنے والے مسلمان کے قتل میں دیت واجب نہیں کی تاکہ لوگ احتیاط کے خیال سے جہاد اور غزوہ سے پرہیز نہ کرنے لگیں البتہ بحق اسلام اس پر کفارہ واجب کر دیا۔ یہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ تم نے اس کے ایک مسلمان بندہ کو مار ڈالا۔ (تفسیر کبیر ص ۲۹۸ ج ۳)

حکم سوم:

اور اگر وہ مسلمان مقتول جو غلطی سے مارا گیا اس گروہ سے ہو جن کے اور تمہارے درمیان کسی قسم کا کوئی عہد اور پیمان ہو تو قاتل پر ایک تو دیت خون بہا واجب ہوگا جو اس مقتول کے وارثوں کو پہنچائی جائے۔ اگر اس مسلمان مقتول کے مسلمان وارث موجود ہوں تو دیت ان کو پہنچا دی جائے اور اگر اس مقتول کے اقارب مسلمان نہ ہوں تو پھر یہ دیت ان کو نہ دی جائے اگرچہ وہ معاہد ہی کیوں نہ ہو اور علاوہ دیت کے ایک مسلمان بُردہ کا آزاد کرنا بھی واجب ہے مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ پس جس شخص کو آزاد کرنے کے لیے بُردہ غلام یا لونڈی میسر نہ آئے تو اس پر بجائے اس آزاد کرنے کے متواتر (لگاتار) دو مہینہ کے روزے واجب ہیں جمہور کے نزدیک روزے صرف بُردہ کا بدل ہیں دیت مفلس اور مالدار ہر ایک پر واجب ہے لیکن مسروق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ اور دیت دونوں کا بدل ہیں یہ حکم اللہ کی طرف سے خطا کرنے والے کی توبہ کے لیے مشروع اور مقرر ہوا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے کہ وہ خطاء اور غلطی کی مقدار اور کمیت اور اس کی حقیقت اور کیفیت کو خوب جانتا ہے اور اس نے جو دیت اور کفارہ کا حکم دیا ہے اس میں بڑی حکمت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں:

ایک قول تو یہ ہے کہ ﴿وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ... الآية﴾ میں ضمیر کانَ مقتول مؤمن کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مقتولِ خطاء مؤمن ہو مگر اس قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو تم پر اس کی دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

حسن بصری اور جابر بن زید اور ابراہیم نخعی وغیرہم کا یہی قول ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ابتداء سے سلسلۂ کلام قتل مؤمن کے بارہ میں آ رہا ہے۔ لہٰذا ضمیر مقتول مؤمن ہی کیطرف راجع کرنا اولیٰ ہوگا نیز ایک قراءت میں اس طرح آیا ہے ﴿وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾

امام قرطبی ص ۳۲۵ ج ۵ میں فرماتے ہیں: کہ حسن بصری کی قراءت میں اسی طرح آیا ہے اور ابوحیان فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی قراءت میں اس طرح آیا ہے ﴿وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (البحر المحیط ص ۳۲۵ ج ۳)

اور امام فخر الدین رازی اور شیخ الاسلام ابوالسعود اور علامہ آلوسی وغیرہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس ناچیز نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور مطلب یہ ہوا کہ آیت میں قتل مؤمن خطاء کی تین صورتیں مذکور ہوئیں۔ اوّل یہ کہ جس مسلمان کو غلطی سے مارا گیا

اس کے وارث مسلمان ہیں تو اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔ دوم یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہارا کوئی عہد اور پیمان ہے تو اس صورت میں بھی دیت (خون بہا) اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔ سوم یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہاری دشمنی ہے تو اس صورت میں صرف کفارہ واجب ہوگا اور دیت (خون بہا) دینا لازم نہ ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ کی ضمیر ایسے مقتول کافر کی طرف راجع ہے کہ جو ذمی یا معاہد ہو یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ اور شعبی اور نخعی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا ہے اور اس کو امام ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے کیونکہ گزشتہ آیت کی طرح اس آیت میں وَهُوَ مُؤْمِنٌ کی قید مذکور نہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۲۵ ج ۵)

امام ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن ص ۲۴۴ ج ۲ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فقہاء حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ کافر ذمی اور معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا کہ کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر دینے کا حکم دیتے تھے۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۲۳۹ ج ۲)

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے بیان القرآن میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ
اور جو کوئی مارے مسلمان کو قصد کر کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے اس میں اور
غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾
اس پر غضب ہوا اللہ کا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب۔

تتمۂ حکم سابق

تہدید شدید و وعید اکید بر قتلِ عمد مؤمن را

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ... الی ... عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں قتل خطاء کے احکام مذکور ہوئے اب اس آیت میں کسی مومن کو عمداً قتل کرنے کی وعید مذکور ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو دُنیاوی حکم تو اس کا قصاص ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذرا اور حکم اُخروی اس کا یہ ہے کہ اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا۔ یعنی اس کو اپنی خاص رحمت سے دُور کر دے گا اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے جو دوسرے کبائر کے عذاب سے بہت بڑھ کر ہے۔ اس آیت میں جو حکم مذکور ہے وہ اس شخص کے لیے ہے جو شخص جان بوجھ کر بلا وجہ کسی مؤمن کو مار ڈالے اور پھر بغیر توبہ کے مر جائے تو وہ طویل مدت

تک دوزخ میں رہے گا اس لیے کہ توبہ سے تو ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے حتیٰ کہ کفر اور شرک بھی معاف ہوجاتا ہے کل قرآن کا طرز بیان ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی گناہ کی سزا بیان کی گئی ہے اس کے ساتھ عدم توبہ شرط ہے خواہ وہ شرط لفظوں میں مذکور ہو یا نہ ہو خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا۔ ظاہر ہے کہ شرک اسی حالت میں نہیں بخشا جائے گا جب کہ مشرک بغیر توبہ کے مرجائے۔ اس لیے کہ توبہ سے شرک کا بخشا جانا قطعی اور یقینی ہے ہر جگہ اس شرط کے ذکر کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ توبہ سے ہر گناہ کا بخشا جانا اسلام کے اصول مسلمہ میں سے ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اس کی تصریح فرمادی کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ (طٰہٰ: ۸۲) یعنی میں بلا شبہ اس کو معاف کرنے والا ہوں جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور آئندہ کو نیک کام کیے۔ یہ حکم تو عمومی ہے جس میں کفر اور شرک اور تمام اعمال قبیحہ سب اس میں داخل ہیں اور سورۂ فرقان میں تو اسی قتل کے بارہ میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝۶۸ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝۶۹ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۰﴾ (الفرقان)

نیز اس آیت میں خلود سے طویل مدت تک دوزخ میں رہنا مراد ہے کافروں کی طرح غیر محدود اور ابدی طور پر رہنا مراد نہیں اس لیے کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں کہ آیت میں خلود سے زیادہ مدت تک رہنا مراد ہے قاتل کے خلود اور کافر کے خلود میں فرق ہے کافر کا خلود ابدی ہے اس وجہ سے قرآن کریم میں کافروں کے خلود کے ساتھ اَبَدًا کا لفظ آیا ہے اور قاتل کا خلود غیر ابدی ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورۂ فرقان میں قتل نفس پر توبہ کا ذکر ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے حالت شرک میں کسی کو قتل کیا اور بعد میں توبہ کی تو اس کی توبہ قبول ہے اور یہ آیت یعنی ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝۹۳﴾ اس شخص کے حق میں ہے جو مؤمن ہو پھر وہ دوسرے مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اُس کی توبہ قبول نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس میں کوئی تاویل بھی نہیں اور نہ یہ آیت منسوخ ہے بلکہ آیات مغفرت کے لیے ناسخ ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول تغلیظ اور تشدید پر محمول ہے تاکہ لوگ اس وعید کو سن کر قتل مؤمن پر جرأت نہ کریں ورنہ آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور احادیث اس بارہ میں صریح ہیں کہ کفر اور شرک سے کم درجہ سے جو گناہ ہیں وہ اللہ کی مشیت میں ہیں چاہے اللہ ان کو معاف کرلے اور چاہے ان کو عذاب دے گزشتہ اُمتوں میں سے ایک شخص کا سو آدمیوں کا قتل کرنا اور پھر اس سے توبہ کرنا اور پھر اس کی توبہ کا مقبول ہونا بخاری اور مسلم میں مذکور ہے۔

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِذَا	ضَرَبْتُمْ	فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ	فَتَبَيَّنُوْا	وَلَا	تَقُوْلُوْا				
اے	ایمان	والو!	جب	سفر	کرو	اللہ	کی	راہ	میں	تو	تحقیق	کرو	اور	مت کہو

لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ

جو شخص تمہاری طرف سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں چاہتے ہو مال

الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ

دنیا کی زندگی کا تو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں تم ایسے ہی تھے پہلے پھر

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِى

اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کرو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے برابر نہیں

الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ

بیٹھنے والے مسلمان جن کو بدن کا نقصان نہیں اور لڑنے والے

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ

اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے اللہ نے بڑائی دی لڑنے والوں کو اپنے مال

وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ

اور جان سے ان پر جو بیٹھتے ہیں درجہ میں اور سب کو وعدہ دیا اللہ نے خوبی کا اور زیادہ کیا

اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ

اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے بڑے ثواب میں بہت درجوں میں اپنے ہاں کے اور

مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع ۱۳ / ۱۵ / ۱۰

بخشش میں اور مہربانی میں اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

حکم بست وپنجم۔ وجوب احتیاط در قتلِ مسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . . . الى . . . وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ﴾

ربط: یہ بھی حکم سابق کا تتمہ ہے کہ مسلمان کا قتل قطعاً حرام ہے۔ مجاہدین کو چاہیے کہ جہاد میں غایت درجہ احتیاط سے کام لیں اثناء سفر میں اگر کوئی شخص تم کو ملے اور تم کو مسلمانوں کے طریقہ سے سلام کرے یا زبان سے کلمہ شہادت پڑھے تو تم یہ گمان کر کے کہ اس کا یہ فعل محض

جان بچالینے کے لیے ہے اس کے قتل پر جرأت نہ کرو۔ جیسا کہ بعض غزوات میں بعض لوگوں سے یہ غلطی ہوئی کہ کسی چرواہے نے ان کو السلام علیکم کہا، وہ سمجھے کہ یہ شخص محض جان بچانے کے لیے سلام کر رہا ہے اس لیے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر آنحضرت ﷺ کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں سخت تنبیہ کی گئی کہ آئندہ ہرگز ہرگز نہ کرنا علامات اسلام کا اظہار کافی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جہاں ایمان کی جھلک نظر آوے تو اپنے ہاتھوں کو روک لو۔ جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سفر کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام علیک کرے تو اس کو یہ نہ کہو کہ تو دل سے مسلمان نہیں محض جان بچانے کے لیے تو سلام علیک کہہ رہا ہے تم دُنیاوی زندگانی کا سامان چاہتے ہو حالانکہ تمہیں اس حقیر سامان کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے بہت سی غنیمتیں ہیں جن کے سامنے ان چند بکریوں کی کوئی حقیقت نہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے۔ یعنی مکہ میں تمہاری یہی حالت تھی کہ تم اپنا ایمان چھپاتے تھے اور شروع اسلام میں سوائے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کچھ نہیں جانتے تھے جیسے یہ چرواہا چھپاتا تھا اور تمہارے سامنے ظاہر کیا تم پر اللہ نے احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قوی کیا اور کافروں پر تم کو غلبہ عطاء کیا اور تم علانیہ طور پر اسلام ظاہر کرنے لگے۔ پس جس طرح حق تعالیٰ نے ابتداء میں تمہارے ظاہری اسلام کو قبول کیا اور باطن کی تحقیق وتفتیش پر موقوف نہیں رکھا۔ پس اسی طرح تم بھی احتیاط سے کام لو اور تحقیق کر لیا کرو جو شعارِ اسلام کو ظاہر کرے اس کو قتل نہ کرو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے پورا خبردار ہے تمہاری بے احتیاطی اور جلد بازی اس سے پوشیدہ نہیں۔

فضائل مجاہدین

اب آئندہ آیات میں مجاہدین کے فضائل بیان فرماتے ہیں کہ مبادا احتیاط میں غلو کی وجہ سے ایسا نہ کرنا کہ جہاد میں جانا ہی چھوڑ بیٹھو اور یہ خیال کرنے لگو کہ لاؤ گھر بیٹھے ہی عبادت کر لیا کریں گے سو ارشاد فرماتے ہیں کہ معذور لوگوں کے سوا جو مسلمان جہاد سے گھر میں بیٹھے رہیں وہ رتبہ میں ان مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو خدا کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے جہاد کی شرکت سے معذور رہیں۔ جیسے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بوجہ نابینا ہونے کے جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے تھے اور جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنگ بدر کی شرکت سے معذور رہے۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی جو اُن کے نکاح میں تھیں وہ شدید بیمار تھیں ان کی تیمارداری کے لیے نبی اکرم ﷺ نے ان کو ٹھہرنے کا حکم دیا تھا اس وجہ سے غنائم بدر میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حصہ دیا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدریین میں شمار کیے گئے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ بغیر عذر جہاد میں شریک نہ ہونے والے مسلمان مرتبہ اور ثواب میں ان مسلمانوں کے برابر نہیں جو جہاد میں شریک ہوتے ہیں لیکن جو مسلمان کسی معذوری یا مجبوری کی بناء پر جہاد میں شریک نہیں ہوتے۔ مثلاً وہ اندھے یا لنگڑے یا بیمار ہیں یا کسی بیمار کے تیماردار ہیں مگر دل شوق جہاد سے لبریز ہے تو ایسے معذورین حُسنِ نیت کی بناء پر مجاہدین کے برابر ہو سکتے ہیں یعنی ان کو وہی ثواب ملے گا جو مجاہدین کو ملتا ہے بشرطیکہ جہاد میں نہ شریک ہونا صرف اسی معذوری اور لاچاری کی بناء پر ہو اللہ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں ایسے بیٹھنے والوں پر جن کی نیت تو جہاد کی تھی مگر معذوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکے ایک درجہ فضیلت دی ہے اور وعدہ بھلائی کا اللہ نے ہر ایک سے کیا ہے یعنی وعدہ نیکی کا مجاہدین اور قاعدین دونوں سے ہے کیونکہ جہاد کی نیت

سب کی تھی مگر مجاہدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت ہے اس لیے کہ یہاں نیت جہاد کے ساتھ عمل جہاد بھی مقرون ہے اور اللہ نے مجاہدین کو ان بیٹھنے والوں پر جو تندرست تھے اور معذور نہ تھے اجر عظیم کے لحاظ سے فضیلت دی ہے یعنی اپنے پاس سے اُن کو بڑے مرتبے عطا کرے گا اور مغفرت اور رحمت سے ان کو نوازے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے جس پر جہاد فرض نہ ہو وہ اگر گھر بیٹھے بھی عبادت و ریاضت کرتا رہے تو اللہ اس کی بھی مغفرت فرمائے گا۔

فائدہ: چونکہ بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے پہلی آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت ہے اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کئی درجہ فضیلت ہے اس لیے ہم نے اس شبہ کے رفع کرنے کے لیے یہ تفسیر اختیار کی کہ پہلی آیت میں قاعدین سے قاعدین معذورین مراد ہیں۔ اور دوسری آیت میں قاعدین سے قاعدین غیر معذورین مراد ہیں قاعدین معذورین پر مجاہدین کو ایک درجہ فضیلت ہے اور قاعدین غیر معذورین پر مجاہدین کو کئی درجہ فضیلت حاصل ہے اور جمہور علماء نے پہلی آیت میں درجہ سے جنس کا مرتبہ مراد لیا ہے اور دوسری آیت کو اس کی تفصیل قرار دیا ہے۔ (روح المعانی ص ۱۱۰ ج ۵ و تفسیر مظہری ص ۲۰۴ ج ۲)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ

جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں تم کس

كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ

بات میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے مغلوب اس ملک میں کہتے ہیں کیا نہ تھی

اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

زمین اللہ کی کشادہ کہ وطن چھوڑ جاؤ وہاں سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ

وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ

اور بہت بُری جگہ پہنچے کی مگر جو ہیں بے بس مرد اور عورتیں اور

الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۙ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓىِٕكَ

لڑکے نہ کر سکتے ہیں تلاش اور نہ جانتے ہیں راہ سو ایسوں کو

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

اُمید ہے کہ اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشتا۔

حکم بست وششم۔ وجوب ہجرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ . . . الٰی . . . وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴾ ۹۹

ربط: گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب اور بے عذر جہاد ترک کرنے والوں کا بیان تھا اب اس آیت میں ہجرت کی ترغیب دیتے ہیں اس لیے کہ ہجرت جہاد کا مقدمہ ہے اور بے عذر ہجرت ترک کرنے والوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان پر کیا گزرتی ہے اس لیے کہ ایمان کے بعد پہلے ہجرت کا حکم ہوا اور پھر ہجرت کے بعد جہاد کا حکم ہوا۔ پس جو لوگ باوجود قدرت کے ہجرت نہیں کرتے گویا کہ وہ لوگ عمداً تارک جہاد ہیں۔ اس لیے ان آیات میں ہجرت کی ترغیب کا بیان ہے کہ ہجرت سعادت دارین کا سبب ہے اور ترک ہجرت محرومی کا سبب ہے اس لیے کافروں میں رہ کر نہ تو احکام اسلام کو کھل کر بجا لاسکتا ہے اور نہ دین کی تبلیغ کر سکتا ہے اور نہ اسلام اور مسلمانوں کی کوئی مدد کر سکتا ہے اس لیے ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

شانِ نزول:

کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر مکہ میں مشرکوں کے ساتھ رہے اور مشرکین کے ڈر کے مارے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت بھی نہیں کی اور بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آئے اور مارے گئے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۴۵ ج ۵ صحیح بخاری و فتح الباری کتاب التفسیر)

تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے اس حال میں جانیں نکالیں کہ وہ لوگ دار الحرب میں پڑے پڑے اپنے دین کو برباد کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے یعنی اسلام لانے کے بعد باوجود قدرت کے ہجرت نہ کی اور اپنی خیالی کمزوری اور وہمی مجبوری کی بناء پر کافروں ہی میں پڑے رہے اور ان کا ساتھ دیتے رہے اور مشرکوں کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جاتے رہے حتیٰ کہ اسی حالت میں وہ مر گئے تو اس وقت موت کے فرشتوں نے ان سے بطور توبیخ اور سرزنش یہ پوچھا کہ تم کس حال میں تھے یعنی مسلمانوں کے ساتھ تھے یا کافروں کے ساتھ ان ظالموں نے یہ جواب دیا کہ دل سے تو ہم مسلمان تھے مگر سرزمین مکہ میں ہم نہایت کمزور اور بے بس تھے اس لیے ہم احکام اسلام کو اعلانیہ طور پر بجا نہیں لا سکتے تھے اور ظاہر میں کافروں میں رہتے تھے اور ان کا ساتھ دیتے تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین کشادہ اور فراخ نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے اس میں چلے جاتے اس طرح تم کفار کے نرغہ سے نکل جاتے اور وہاں جا کر اطمینان سے اللہ کی عبادت کرتے حاصل یہ کہ تمہارا یہ عذر کہ ہم بے بس تھے غلط ہے تم بے بس نہ تھے ہجرت پر تو قادر تھے۔ اس سے وہ لاجواب ہو جائیں گے اور جرم ان کا ثابت ہو جائے گا سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بے چارہ اور بے بس ہیں کہ وہ کسی حیلہ سے بھی ہجرت پر دسترس نہیں رکھتے مثلاً کفار کی قید میں ہیں یا نابینا اور معذور ہیں یا ان کے پاس سفر خرچ نہیں اور نہ وہ راستہ سے واقف ہیں سو ایسے لوگوں کے متعلق اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے خدا کے دشمنوں میں پڑا رہنا کوئی معمولی جرم نہ تھا مگر بے بسی اور معذوری کی بناء پر خدا تعالیٰ سے معافی کی توقع ہے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ مسلمان کافروں کی سرزمین میں ذلیل اور خوار ہو کر پڑا رہے اور احکام اسلام کو آزادی کے ساتھ بجا نہ لا سکے اور آزادی کے ساتھ دین کا علم حاصل نہ کر سکے کافر حکومت جو جبری تعلیم نافذ کر

دے اس کے حاصل کرنے پر مجبور ہو ایسی حالت میں ہجرت فرض ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ

اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ

اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے وطن چھوڑ کر اللہ اور رسول کی طرف پھر آ پکڑے اس کو

الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۰۰ ع ۱۴ ۱۱

موت سو ٹھہر چکا اس کا ثواب اللہ پر اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ترغیب ہجرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ... الٰى... وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۰۰﴾

گزشتہ آیت میں ترک ہجرت پر وعید تھی اب اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور اس پر سعادت دارین کا وعدہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو شخص خدا کی راہ میں دار الکفر اور دار الحرب سے ہجرت کر جائے تو وہ وطن کے مقابلہ میں خدا کی زمین میں علی رغم الاعداء بہت جگہ اور وسعت رزق پائے گا۔ اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے اور پھر مقام ہجرت تک پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں اس کو موت آ جائے تو تحقیق اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔ یعنی گو اس کی ہجرت پوری نہیں ہوئی لیکن چونکہ اس کی نیت ہجرت کرنے کی تھی اس لیے اس کو ہجرت کا پورا ثواب ملے گا۔ اور یہی حال ہے تمام اعمال کا جس عمل کو انسان خدا کے لیے شروع کرے اور اختتام سے پہلے مر جائے تو اس کو پورے عمل کا ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ یعنی اس ہجرت سے پہلے جو کافروں اور مشرکوں میں ٹھہرا رہا اللہ تعالیٰ اس کی گزشتہ خطا کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں مسلمانوں کو ہجرت کی رغبت دلائی ہے کہ وطن مالوف چھوڑنے سے یہ خیال نہ کریں کہ پردیس میں تکلیف ہوگی۔ نہیں بلکہ انہیں وطن سے زیادہ آرام ملے گا کشادہ جگہ اور فراخ روزی ملے گی اور نہ یہ خیال کریں کہ شاید منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں انتقال ہو جائے اس لیے کہ ہجرت کا ثواب پورا ہی ملے گا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اُوپر کی آیتیں یعنی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ... الخ﴾ نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مسلمانوں کے پاس بھیج دیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی تو جندب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ جو ایک بوڑھا اور بیمار شخص تھا اسنے جب یہ آیتیں سنیں تو کہا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ میں ہجرت پر حیلہ پاتا ہوں اور میرے پاس اس قدر مال موجود ہے جس کے سہارے میں مدینہ پہنچ سکوں اور قسم کھائی کہ میں بخدا اب رات مکہ میں نہیں گزاروں گا ان کے بیٹے ان کو ایک تخت پر

لٹکا کر لے چلے جب مقام تنعیم میں پہنچے تو موت نے آ پکڑا نزع کے وقت انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ اے پروردگار! یہ ہاتھ تیرے لیے ہے اور یہ ہاتھ تیرے رسول ﷺ کے لیے تجھ سے ان پر بیعت کرتا ہوں جن باتوں پر تیرے رسول ﷺ بیعت لیتے ہیں اور انتقال کر گیا۔ جب اس کی خبر صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہنچی تو کہنے لگے کہ اگر مدینہ پہنچ کر موت آتی تو کیا اچھا ہوتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا

اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں کہ کچھ کم کرو

مِنَ الصَّلٰوةِ ۖۗ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ

نماز میں سے اگر تم کو ڈر ہو کہ ستاویں گے تم کو کافر

كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَ اِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ

البتہ کافر تمہارے دشمن ہیں صریح اور جب تو ان میں ہو پھر ان کو نماز

فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ قف فَاِذَا

میں کھڑا کرے تو چاہیے ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنے ہتھیار پھر جب

سَجَدُوْا فَلْیَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَ لْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ

یہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جاویں اور آوے دوسری جماعت جن نے نماز نہیں کی

یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ

وہ نماز کریں تیرے ساتھ اور پاس لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار

وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ

کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تو

عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى

تم پر جھک پڑیں ایک حملہ کر کر اور گناہ نہیں تم پر اگر تم کو تکلیف ہو

مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا

مینہ سے یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لو اپنا

حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ

بچاؤ اللہ نے رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار پھر جب

الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ

نماز کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے پھر جب خاطر جمع سے ہو

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

تو درست کرو نماز یہ نماز ہے مسلمانوں پر وقت باندھا حکم

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ

اور مت ہارو ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہیں

كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

جس طرح تم بے آرام ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵ ۴ ۱۲

جانتا ہے حکمت والا

حکم بست وہفتم۔ متعلق بہ صلوٰۃ سفر وصلوٰۃِ خوف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ... اِلٰی... وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں جہاد و ہجرت کا ذکر تھا اور غالب احوال میں جہاد اور ہجرت کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے اب ان آیات میں حالت جہاد اور سفر میں نماز پڑھنے کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور سفر اور خوف کی وجہ سے نماز میں جو رعایتیں اور سہولتیں عطا کی ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

حکم صلوٰۃِ سفر:

اور جب تم سفر کرو زمین میں جس کی مقدار تین منزل ہو یا اڑتالیس ۴۸ میل ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تم

رباعی (چار رکعت والی نماز میں سے دو رکعت) کم کر دو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے بے شک تمام کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ابتداء میں قصر کا حکم خوف کے ساتھ مشروط تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ شرط ساقط کر دی جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قصر نماز میں خوف کی قید کی بابت دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بغیر خوف کے بھی نماز میں قصر ہے اور یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے اس کو قبول کرنا چاہیے نیز آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سفر میں بحالت امن بھی قصر کیا ہے معلوم ہوا کہ قصر کی مشروعیت خوف پر موقوف نہیں اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ سفر کی نماز میں قصر کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ جب کافروں سے فتنہ کا خوف ہو اور جمہور سلف اور خلف کے نزدیک بدوں شرط مذکور کے بھی قصر درست ہے اور آیت میں جو ﴿اِنْ خِفْتُمْ﴾ کی شرط ہے وہ قید احترازی نہیں بلکہ بیان واقع کے لیے ہے جس کا مفہوم معتبر نہیں۔

مسافت قصر:

اہل ظاہر اس آیت کے ظاہری عموم سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ سفر کی کوئی مقدار یا حد معین نہیں ہر سفر میں قصر جائز ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت ہو یہاں تک کہ تین میل کے سفر میں بھی قصر جائز ہے کیونکہ آیت میں سفر کی کوئی حد نہیں بیان کی گئی لیکن تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تھوڑے سفر میں قصر نہیں اور سب نے الگ الگ سفر کی حد بیان کی ہے فقہاء حنفیہ کے نزدیک قصر صرف اس سفر میں ہے جو تین دن کا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مسافر کے لیے مسح علی الخفین تین دن تک کے لیے جائز ہے اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات اور عثمان غنی اور عبداللہ بن مسعود اور حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک چار برید کی مسافت کے سفر میں قصر ہے۔ یعنی اگر اڑتالیس ۴۸ میل کا سفر ہو تو قصر جائز ورنہ نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اے اہل مکہ چار برید (اڑتالیس میل) سے کم میں قصر نہ کرو۔ (رواہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

قاضی * ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ جو لوگ سفر کی مقدار یا حد معین نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہر سفر میں قصر جائز ہے وہ دین کے ساتھ کھیل اور تماشہ کرتے ہیں تین چار میل بلکہ دس میل جانا بھی عرف میں سفر نہیں کہلاتا یہ مذہب اس قابل نہیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا جائے یا اس کو خیال اور خاطر میں لایا جائے یا اس کا ذکر بھی کیا جائے۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۵۴ ج ۵)

لطیفہ: *

ایک غیر مقلد صاحب جب اپنے کھیت پر جاتے تو نماز میں قصر کرتے کسی نے سوال کیا کہ بندۂ خدا تم بدون مسافت قصر کے کیسے

---

* قال القاضی ابن العربی وقد تلاعب قوم بالدین فقالوا ان من خرج من البلد الی ظاہرہ قصر واکل و قائل ہذا اعجمی لا یعرف السفر عند العرب او مستخف بالدین ولو لا ان العلماء ذکروہ لما رضیت ان المحہ بمؤخر عینی ولا افکر فیہ بفضول قلبی اھ.
(تفسیر قرطبی ص ۳۵۴ ج ۵)

* یہ لطیفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے وعظ مسمی بہ عصم الصنوف ص ۷ وعظ سوم از سلسلۂ البلاغ و وعظ الہدیٰ والمغفرۃ نمبر ۱۳۶ از سلسلۂ تبلیغ میں مذکور ہے۔

قصر کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ قصر کے لیے کسی خاص مسافت کا ہونا شرط نہیں اس لیے کہ آیت میں ﴿ضَرَبۡتُمۡ فِي الۡاَرۡضِ﴾ آیا ہے جس کے معنی زمین میں چلنے کے ہیں اور یہ مفہوم کھیت پر جانے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے۔ ایک حنفی عالم نے اس کو خوب جواب دیا کہ پھر تم کو ہمیشہ ہی قصر کرنا چاہیے اس لیے کہ جب تم اپنے گھر سے مسجد جاتے ہو تو سیر فی الارض اس پر بھی صادق آ جاتا ہے غیر مقلد صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

حکم صلوٰۃ الخوف

اور اے نبی کریم ﷺ جب آپ مسلمانوں کی فوج میں موجود ہوں پھر ان کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں اور اندیشہ ہو کہ کافر نماز میں حملہ نہ کر دیں تو ایسی حالت میں یہ چاہیے کہ مسلمانوں کے دو گروہ ہو جائیں ان میں سے ایک گروہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور دوسرا گروہ نگرانی کی خاطر دشمن کے مقابل کھڑا ہو جائے تاکہ دشمن کو دیکھتے رہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہیں وہ بھی نماز میں اپنے ہتھیار ساتھ لیے رہیں شاید کسی وقت ضرورت پڑ جائے۔ پھر جب یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کر چکیں یعنی ایک رکعت پوری آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں۔ یعنی دشمن کے مقابلہ پر چلے جائیں اور دوسرا طائفہ (گروہ) آ جائے جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔ یعنی پہلا طائفہ جس نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی ہے وہ تو دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا طائفہ جو اب تک دشمن کے مقابلہ میں تھا وہ آ جائے پھر وہ آ کر آپ ﷺ کے ساتھ باقی ماندہ نماز میں شریک ہو جائیں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنی احتیاط اور بچاؤ کو مضبوط پکڑے رہیں اور اپنے ہتھیار بھی لیے رہیں۔ کافروں کی تمنا اور آرزو یہ ہے کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور سامان حرب سے غافل ہو تو یکبارگی ہی تم پر حملہ کر دیں اور تم پر ٹوٹ پڑیں پس احتیاط اور ہوشیاری کا مقتضی یہی ہے کہ ہتھیار ساتھ لیے رہو۔ اس آیت میں دونوں گروہوں کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا ذکر فرمایا بقیہ نماز کا حکم بیان نہیں کیا کہ وہ کس طرح ادا کریں اس کا طریقہ احادیث میں یہ آیا ہے کہ دوسرا گروہ امام کے سلام پھیر دینے کے بعد دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور ہر گروہ بطور خود اپنی باقی نماز پوری کر لے اور یہ حکم اس وقت کے لیے ہے کہ جب جماعت ممکن ہو۔ اور اگر جماعت ممکن نہ ہو تو پھر ہر شخص تنہا یا جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے۔ نیز یہ حکم جب ہے کہ جب سب ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں ورنہ دو جماعتیں کر لی جائیں ایک گروہ کو ایک امام نماز پڑھا دے اور دوسرے گروہ کو دوسرا امام جیسا کہ دُرمختار میں ہے اور عجب نہیں کہ ﴿وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ﴾ سے اشارہ اسی طرف ہو کہ جب آپ ﷺ جیسا امام ہو اور سب اس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں تو پھر مسلمانوں کی فوج کے دو حصے کر دیئے جائیں اور امام ہر ایک حصہ کو ایک ایک رکعت نماز پڑھا دے اس طرح ہر گروہ کی آدھی آدھی نماز اس محبوب امام کے پیچھے ہو جائے اور باقی آدھی نماز دونوں گروہ جدا جدا پڑھ لیں۔ واللہ اعلم

اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم کو بارش کی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو اور ایسی حالت میں تم کو ہتھیار اٹھانا دشوار ہو تو ایسی حالت میں تم اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو تو کوئی حرج نہیں اور پھر بھی اپنی احتیاط اور بچاؤ اور حفاظت کو خوب پکڑے رہو۔ یعنی اگر بارش اور بیماری کی وجہ سے تم کو ہتھیار اٹھانا دشوار ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہاں اپنی احتیاط پھر بھی رکھو بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ آخرت میں تو ان کو عذاب ہوگا ہی مگر منشاء خداوندی یہ ہے کہ دُنیا میں کافر

تمہارے ہاتھوں ذلیل اور رسوا ہوں لہٰذا تم کو احتیاط بہت ضروری ہے پھر جب تم نماز خوف کو ختم کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یعنی اس کی تسبیح و تحمید و تہلیل و تکبیر میں لگ جاؤ کیونکہ اللہ کی یاد سے خوف جاتا رہتا ہے اور دل کو سکون اور اطمینان ہوتا پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ اور خوف اور سفر کی حالت ختم ہو جائے اور تم کو امن حاصل ہو جائے تو پھر معمول کے مطابق پوری نماز اطمینان کے ساتھ اور اصلی ہیئت کے ساتھ ادا کرو اس لیے کہ قصر اور نماز میں آمد و رفت کی جو اجازت تھی وہ ایک عارض کی وجہ سے تھی اب وہ ختم ہو گئی بے شک نماز مسلمانوں پر بقید اوقات وقت معین پر فرض کی گئی اس کو اپنے اوقات سے نکالنا اور اس کی ہیئت میں کسی قسم کا تغیر کرنا جائز نہیں جہاد جیسی عظیم عبادت کی وجہ سے عارضی طور پر نماز میں آمد و رفت کی اجازت دے دی گئی اور جب یہ عارض ختم ہوا تو اجازت بھی ختم ہوئی اور اے مسلمانو جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ جہاد ایسی عظیم عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے نماز میں آمد و رفت کی اجازت دی گئی تو خوب سمجھ لو کہ کافروں کے تعاقب یعنی پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا جب ابوسفیان اور اس کے ہمراہی اُحد سے واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے تعاقب میں کچھ آدمی بھیجے ان آدمیوں نے زخموں کے درد کی شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اگر تم زخموں کی تکلیف سے دردمند ہو تو بے شک وہ بھی دردمند اور بے آرام ہیں جیسے تم دردمند اور بے آرام ہو پھر تم ان کے تعاقب میں سستی اور اپنے زخموں کی شکایت کیوں کرتے ہو جب وہ اپنے زخموں کی پرواہ نہیں کرتے اور برابر تم پر حملہ کیے جا رہے ہیں تو تم کو کیا ہوا تم اللہ سے وہ اُمیدیں رکھتے جو وہ نہیں رکھتے۔ اس لیے تمہاری تکلیف ان کی تکلیف سے کم ہے تم جزاء اعمال کے قائل ہو تم کو خدا تعالیٰ سے دُنیا میں فتح و نصرت کی اور آخرت میں جنت کے درجات عالیہ کی وہ اُمیدیں ہیں جو ان کو نہیں پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں سست ہو اور ہے اللہ جاننے والا اور حکمت والا تم کو جو حکم دیتا ہے اس کی نسبت وہ جانتا ہے کہ اس میں حکمت اور مصلحت ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس کے حکم کو مانو اور اپنی رائے کو اس میں دخل نہ دو۔

مسائل

① امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ سفر میں قصر کرنا جائز ہے واجب نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں تو معلوم ہوا کہ قصر کرنا واجب نہیں بلکہ جائز ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک قصر واجب ہے۔ اور یہی قول حضرت عمر اور علی اور ابن عمر اور جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی حسن بصری اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اور قتادہ اور دیگر علماء تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نماز اوّل دو دو رکعت فرض ہوئی پھر نماز سفر تو اسی طرح برقرار رہی اور نماز حضر میں زیادتی کر دی گئی۔ لہٰذا جب سفر کی اصل نماز دو رکعت ہوئی تو اس میں زیادتی جائز نہ ہو گی۔

اور ﴿لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ سے یہ استدلال کرنا کہ قصر کرنا رخصت ہے اس لیے کہ ﴿لَا جُنَاحَ﴾ کا استعمال رخصت کیلئے ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ نہیں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرہ:۱۵۸) طواف صفا اور مروہ کے حق میں آیا ہے حالانکہ سعی بین الصفا والمروہ واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے سو جاننا چاہیے کہ ﴿لَا جُنَاحَ﴾ کا لفظ رخصت اور اباحت کے لیے نہیں لایا گیا بلکہ ان لوگوں کا وہم دفع کرنے کے لیے لایا گیا کہ جو اس کو گناہ خیال کرتے تھے ان کا انقباض

رفع کرنے کے لیے لفظ لا جناح لایا گیا ہے۔

② ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے اوقات معین ہیں ان میں تقدیم وتاخیر جائز نہیں اور قرآن کریم میں ہے ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ نمازوں کی حفاظت کرو یعنی ان کو اپنے وقت پر ادا کرو اور جامع ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمع بین الصلاتین کیا۔ یعنی دو نمازوں کو وقت واحد میں پڑھا وہ گناہ کبیرہ کے دروازہ میں داخل ہوا۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر صرف ایک راوی ایسا ہے کہ جس کو بعض نے ضعیف کہا اور بعض نے اس کو ثقہ بتایا اور اگر بالفرض کسی حدیث کے تمام راوی ضعیف ہوں اور حدیث آیت قرآنی اور شریعت کے اصول مقررہ اور خلفائے راشدین کی سنت مستمرہ کے موافق ہو تو وہ ضعیف حدیث بھی حجت ہے اور مؤطا امام محمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح منقول ہے۔

انه كتب الى الإفاق ينهٰهم ان يجمعوا بين الصلوتين ويخبرهم ان الجمع بين الصلاتين فى وقت واحد كبيرة من الكبائر.

"یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ممالک اسلامیہ کی اطراف وجوانب میں یہ فرمان روانہ کیا جس میں ان کو اس بات سے منع کیا کہ دو نمازوں کو جمع کریں اور ان کو خبردار کیا کہ دو نمازوں کو وقت واحد میں جمع کرنا بہت بڑا گناہ ہے من جملہ بڑے گناہوں کے۔"

اور اسی پارہ پنجم کے شروع میں یہ آیت گزر چکی ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝۳۱﴾

"اے مسلمانو! اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور تم کو جنت میں داخل کریں گے۔"

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان واجب الاذعان سے یہ معلوم ہوگیا کہ جمع بین الصلاتین گناہ کبیرہ ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملا کر یہ مطلب ہوگا کہ جو جمع بین الصلاتین سے اجتناب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیں گے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ ان کے نزدیک سوائے عرفات اور مزدلفہ کے کسی جگہ بھی جمع بین الصلاتین جائز نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حالت سفر میں خاص شرائط کے ساتھ جمع بین الصلاتین جائز ہے کیونکہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت سفر جمع بین الصلاتین فرمایا۔

جواب: فقہاء حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ جن بعض احادیث میں جمع بین الصلاتین کا ذکر آیا ہے وہ مجمل ہیں اور جو روایتیں مفصل اور واضح آئی ہیں ان میں اس کی تصریح ہے کہ ظہر کی نماز کو اخیر میں پڑھا اور عصر کو اوّل وقت میں پڑھا۔ پس ظاہراً ایسا معلوم ہوا کہ دونوں نمازیں ایک وقت میں پڑھی گئیں حالانکہ حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت کے اندر پڑھی گئیں خوب سمجھ لو زیادہ تفصیل کے لیے شروح بخاری اور شروح ہدایہ کو دیکھو۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ

ہم نے اتاری تجھ کو کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو سو جھاوے تجھ کو

ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ

اللہ اور تو مت ہو دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا اور بخشوا اللہ سے بے شک

كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ

اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور مت جھگڑ ان کی طرف سے جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں

إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ

اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو دغا باز گنہ گار چھپتے ہیں

ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا

لوگوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہے جب رات کو ٹھہراتے ہیں جس

يَرْضَىٰ مِنَ ٱلْقَوْلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَٰٓأَنتُمْ

بات سے وہ راضی نہیں اور جو کرتے ہیں اللہ کے قابو میں ہے سنتے ہو

هَٰٓؤُلَآءِ جَٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَمَن يُجَٰدِلُ ٱللَّهَ

تم لوگ جھگڑے ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پھر کون جھگڑے گا ان کے بدلے اللہ

عَنْهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾ وَمَن يَعْمَلْ

سے قیامت کے دن یا کون ہو گا ان کا کام بنانے والا اور جو کوئی کرے گناہ

سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾

یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے بخشواوے پاوے اللہ کو بخشتا مہربان

وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُۥ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا

اور جو کوئی کماوے گناہ سو کماتا ہے اپنے حق میں اور اللہ سب جانتا ہے

حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ

حکمت والا اور جو کوئی کماوے تقصیر یا گناہ پھر لگاوے بے گناہ کو اس نے

۱۶ ع ۸ ۱۳ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ

سر دھرا طوفان اور گناہ صریح اور اگر نہ ہوتا تجھ پر فضل اللہ کا اور

رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ط وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ

مہر تو قصد کیا ہی تھا ان میں ایک جماعت نے کہ تجھ کو بہکاویں اور بہکا نہ سکتے مگر

اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ط وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

آپ کو اور تیرا کچھ نہ بگاڑتے اور اللہ نے نازل کی تجھ پر کتاب

وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ

اور کام کی بات اور تجھ کو سکھایا جو تو نہ جان سکتا اور اللہ کا فضل تجھ پر

عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ

بڑا ہے کچھ بھلی نہیں اکثر ان کی مشورت مگر جو کوئی کہے خیرات کو

اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ط وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ

یا نیک بات کو یا صلح کروانے کو لوگوں میں اور جو کوئی یہ چیزیں کرے اللہ کی

مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ

خوشی چاہ کر تو ہم اس کو دیں گے بڑا ثواب اور جو کوئی مخالفت کرے

الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

رسول سے جب کھل چکی اس پر راہ کی بات اور چلے سب مسلمانوں کی راہ

۱۷ ع ۳ ۱۴ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

سے سوا ہم اس کو حوالے کریں وہی طرف جو اس نے پکڑی اور ڈالیں اس کو دوزخ میں اور بہت بری جگہ پہنچا۔

حکم بست و ہشتم ۔ ممانعت از حمایتِ اہل خیانت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ . . . الٰی . . . وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار اور منافقین کے معاملات کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں منافقین کے ایک شرانگیز قصہ کا بیان ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ کافروں پر ظلم کرنا اور بے گناہ پر تہمت اور الزام لگانا جائز نہیں اور خیانت کرنے والے کی حمایت جائز نہیں اگرچہ وہ کلمہ گو ہو مقدمہ کا فیصلہ عدل و انصاف سے ہونا چاہیے۔

شانِ نزول: ①

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک منافق طُعمہ بن اُبیرق نامی نے ایک انصاری کے گھر میں نقب لگائی اور آٹے کا ایک تھیلا جس میں زرہ و ہتھیار رکھے ہوئے تھے چرا کر لے گیا۔ اتفاق سے اس تھیلہ میں ایک سوراخ تھا چور کے گھر تک راستہ میں آٹا گرتا گیا جس سے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ طعمہ بن ابیرق کی یہ کارسازی ہے طعمہ کو جب ڈر ہوا کہ میں پکڑا جاؤں گا تو اس نے یہ تدبیر کی کہ رات ہی کو وہ مال لے جا کر زید بن سمین یہودی کے پاس رکھ دیا جو اس کا ہمسایہ تھا۔ صبح کو جب تحقیق و تفتیش شروع ہوئی آٹے کے سراغ سے طعمہ کو جا پکڑا مگر تلاشی کے بعد اس کے گھر میں سے کچھ نہ نکلا اور چور نے قسم کھائی کہ بخدا مجھے اس کا کچھ علم نہیں۔ لوگوں نے چھوڑ دیا اور یہودی کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے وہ زرہ برآمد ہوئی۔ جب اس یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا میں چور نہیں میرے پاس تو طعمہ بن ابیرق امانت رکھ گیا ہے۔ طعمہ نے اس سے صاف انکار کر دیا اور اپنے عزیزوں سے خفیہ مشورہ کر کے اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مال فلاں شخص کے گھر سے برآمد ہوا ہے اور لوگ مجھ پر چوری کی تہمت لگا رہے ہیں۔ آپ ﷺ سب کے سامنے میری صفائی اور براءت کر دیں اور یہودی کو چور ٹھہرائیں۔ مگر نفس الامر میں یہودی اپنے قول میں سچا تھا اور طعمہ اپنے قول میں جھوٹا تھا اور واقع میں وہی چور تھا۔ قتادۃ بن النعمان وغیرہ جو طعمہ کو چور بتلا رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ فرمایا کہ تم بغیر کسی ثبوت اور کسی شہادت کے کسی پر کیسے چوری کی تہمت لگاتے ہو اس پر حق تعالیٰ نے پورے دو رکوع نازل فرمائے جن میں طعمہ کی خیانت اور یہودی کی براءت کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور اشارہ فرمایا کہ خیانت کرنے والوں کی حمایت کا تصور بھی نہ کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے اس بیجا حمایت کے تصور کی بھی معافی مانگئے ظاہر حال اور لاعلمی کی بناء پر آپ نے جو فرمایا اگرچہ وہ فی حد ذاتہٖ گناہ نہ ہو مگر آپ ﷺ کی شانِ عالی کے لیے مناسب نہیں کہ لسانِ نبوت سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے جو نفس الامر کے خلاف ہو۔ اگرچہ اس کلمہ کا صدور لاعلمی ہی کی بناء پر ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: (اے نبی ﷺ) تحقیق یہ مقدس کتاب ہم نے آپ ﷺ کی طرف حق اور راستی کے ساتھ اُتاری ہے تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے درمیان خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سمجھائے یا دکھلائے یا صراحتاً یا اشارۃً آپ ﷺ کو بتلائے یا سمجھائے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾ سے دل کی آنکھ سے دکھلانا مراد ہے کیونکہ حکم اور فیصلہ سر کی آنکھ سے نہیں دیکھا

---

① منقول از تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۱ ج ا و تفسیر قرطبی ص ۳۷۵ ج ۵۔

جا سکتا۔ (تفسیر قرطبی) ❶

لغت میں سر کی آنکھ سے دیکھنے کو رؤیت کہتے ہیں اور دل کی آنکھ سے دیکھنے کو رائے کہتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کتاب وسنت میں دل کی آنکھ سے دیکھ کر حکم دیتے ہیں علماء اصول نے لفظ ﴿بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رائے اور اجتہاد سے حکم دیتے۔ اور اگر کسی وقت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور اجتہاد میں کسی قسم کی کوئی خطا واقع ہوئی تو فوراً بذریعہ وحی صریح اس پر مطلع کر دیا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس بارہ میں کوئی وحی نازل نہ ہو تو مدت انتظار گذر جانے کے بعد نبی کا اجتہاد اور اس کی رائے بمنزلہ وحی جلی اور نص صریح کے ہو جاتا۔ جاننا چاہیے کہ نبی کا اجتہاد اور اس کی رائے وحی باطنی ہے اور قطعی ہے اور مجتہدین کی رائے اور ان کا اجتہاد ظنی ہے۔

اور اے ہمارے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بننا اور لاعلمی اور بے خبری کی حالت میں اصل واقعہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے محض ظاہر حال کی بنا پر جو کلمہ آپ کی زبان سے نکل گیا ہے اس کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگئے طعمہ جیسے خائن کی براءت کا تصور بھی گناہ ❷ ہے اور قابل استغفار ہے بظاہر حکم استغفار کا حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر دراصل خائنین کو سنانا مقصود ہے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں نے حسن ظن کی بناء پر طعمہ اور بنی ابیرق کو سچا اور بری سمجھ لیا تھا ان کے لیے استغفار کیجیے۔ اس میں ان مؤمنین مخلصین کے لیے تنبیہ ہوگئی جو بوجہ حسن ظن یا اسلامی تعلق کی بناء پر طعمہ کی براءت اور یہودی کے چور بنانے میں ساعی ہوئے اور آئندہ بھی اے نبی ایسے لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑنا جو دوسرے کی خیانت کر کے درحقیقت اپنی جانوں سے خیانت اور دغا کر رہے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ دغا باز اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا کہ گناہ (چوری) تو خود کریں اور چالاکی سے دوسروں کے سر لگا دیں یہ دغا باز لوگ اپنی خیانتوں کو لوگوں سے چھپانا چاہتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے اور اللہ سے کیسے چھپا سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کو ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جن کو اللہ پسند نہیں کرتا یعنی جب طعمہ کی قوم کے لوگ یہ مشورہ کر رہے تھے کہ ہم اپنی جھوٹی قسم اور شہادت سے طعمہ کی براءت اور یہودی کی چوری ثابت کر دیں گے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا اور ان کے حال کو دیکھ رہا تھا اور ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا احاطہ کرنے والا اس پر تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تمہارا ظاہر و باطن سب اس کے احاطہ میں ہے خبردار اے طعمہ کے حامیو اور طرف دار و تم ہی ایسے نادان لوگ ہو کہ تم ان خائنین کی طرف سے دنیاوی زندگی میں تو جھگڑے اور خیانت کے الزام سے انکو بری کر لیا سو یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے دن کون ان کی طرف سے جھگڑے گا یا کون ان کا وکیل بنے گا اور جو شخص ان خائنین کی حمایت اور وکالت سے توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اس لیے کہ

---

❶ قال القرطبی قولہ تعالی بما اراک اللّٰہ معناہ علی قوانین الشرع اما برأیٍ و نصّ او بنظر جارٍ علی سنن الوحی وھذا اصل فی القیاس وھو یدل علی ان النبی ﷺ اذا رأی شیئا اصاب لان اللّٰہ تعالی اراہ ذلک و قد ضمن اللّٰہ تعالی لانبیائہ العصمۃ فاما احدنا اذا رأی شیئا یظنہ فلا قطع فیما رأہ ولم یرد رویۃ العین ھنا لان الحکم لا یری بالعین وفی الکلام اضمار ای بما اراکہ اللّٰہ وفیہ اضمار آخر وامض الاحکام علی ماعرفناک من غیر اغترار باستز لالھم۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۷۶ ج ۵)

❷ ذھب الطبری الی ان المعنی استغفر اللّٰہ من ذنبک فی خِصَامک الخائنین فامرہ بالاستغفار لما ھَمَّ بالدفع عنھم وقطع ید الیہودی وھذا مذھب من جوز الصغائر علی الانبیاء علیھم السلام قال ابن عطیۃ و ھذا لیس بذنب لان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم انما دافع علی الظاھر و ھو یعتقد براءتھم۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۷۷ ج ۵)

حق تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو شخص ایسا برا کام کرے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے جیسے چوری وغیرہ اور کسی پر تہمت لگانا یا صرف اپنی جان پر ظلم کرے یعنی یا ایسا کام کرے جس کا ضرر اس کی ذات تک محدود رہے پھر اس کے بعد حق تعالیٰ سے معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ طعمہ اور اس کی قوم کو توبہ کر لینی چاہیے اگر وہ توبہ کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما لے گا اور جو شخص گناہ کرتا ہے وہ اپنے ہی برے کے لیے کرتا ہے کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور اللہ بڑا دانا اور حکمت والا ہے۔ اور جو شخص نادانستہ کوئی خطا کر گذرے یا دیدہ و دانستہ کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے پھر بجائے شرمندہ اور تائب ہونے کے اس گناہ کو کسی بے گناہ پر لے جا کر پھینک دے یعنی اپنا گناہ کسی دوسرے کے سر لگا دے تو بے شک اس شخص نے بڑے بہتان اور کھلے گناہ کو اپنے سر پر اٹھالیا اس آیت میں خطاء سے گناہ صغیرہ اور اثماً سے گناہ کبیرہ مراد ہے اور اے نبی اگر آپ پر اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت نہ ہوتی تو ان منافقین میں کا ایک گروہ یہ ارادہ کر چکا تھا کہ اپنی چرب لسانی سے آپ کو غلطی میں ڈال دیں۔ یعنی طعمہ کی قوم آپ ﷺ سے خلاف حق فیصلہ کرانا چاہتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اپنا فضل کیا کہ بذریعہ وحی کے اصل واقعہ سے آپ کو مطلع کر دیا اور آپ ﷺ کی عصمت کو قائم رکھا اور چونکہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل آپ ﷺ کا شامل حال ہے۔ اس لیے یہ لوگ سوائے اپنے نفسوں کے اور کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا حافظ و ناصر ہے اور کسی کا آپ کو نقصان پہنچانا ناممکن اور محال ہے اس لیے کہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے آپ پر کتاب کو نازل کیا اور حکمت کی باتیں اتاریں اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جان سکتے تھے یعنی بہت سی غیب کی خبروں پر آپ کو مطلع کیا جن کا آپ کو پہلے سے کچھ علم نہ تھا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تجھ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ کا خاص فضل ہو اس کو کون ضرر اور نقصان پہنچا سکتا ہے (اے نبی ﷺ) ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور مشوروں میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں مگر اس سرگوشی اور مشورہ میں نیکی اور بھلائی ہے جس میں کوئی صدقہ اور خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے یہ آیت اگرچہ خاص طعمہ کی قوم کی سرگوشیوں کے بارہ میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ سوائے ان تین قسم کی باتوں کے جو مذکور ہوئیں کسی اور بات میں سرگوشی نہیں کرنی چاہیے اور جو شخص یہ کام محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کریگا ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے یعنی جو شخص خیرات یا نیکی کی بات یا صلح کرائے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب ضرور دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ یہ کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرے شہرت اور نمود کے لیے نہ کرے اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ راہ ہدایت اس پر کھل چکی ہے اور جو شخص مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ کی پیروی کرے یعنی مسلمانوں کے مسلم اور متفق علیہ طریقہ کو چھوڑ کر جو شخص نیا طریقہ اختیار کرے گا تو ہم ایسے شخص کے منہ کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے یعنی اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور جو کرتا ہے وہ کرنے دیں گے اور جس طرف وہ پھرا ہے اسی طرف اس کو پھیر دیں گے اور کبھی اس کو ہدایت نصیب نہ ہوگی اور اخیر میں اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ اجماع اُمت حجت ہے اور مسلمانوں پر اس کی پیروی واجب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے اس لیے کہ سبیل المؤمنین سے وہ عقیدہ اور عمل مراد ہے جس پر تمام صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہو۔

حجیتِ اجماعِ اُمت:

پہلے گزر چکا ہے کہ اصولِ شریعت چار ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماعِ اُمت اور قیاسِ اجماع کے معنی لغت

میں اتفاق رائے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایک زمانہ میں مجتہدین اور علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا کسی دینی امر پر اتفاق رائے کر لینے کا نام اجماع ہے اور جس طرح قرآن وحدیث حجت ہیں اسی طرح اجماع بھی حجت ہے اور اجماع کی حجیّت کتاب وسنت اور اجماع اُمت اور قیاس عقلی سے ثابت ہے منجملہ ان آیات قرآنیہ کے جن سے علماء نے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا۔ یہ آیت ہے یعنی ﴿وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ جوشخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے یا مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو اس کا انجام جہنم ہے معلوم ہوا کہ جس راہ کو مسلمانوں نے اختیار کیا ہو اور اسی کا ترجمہ اجماع ہے اس کی مخالفت ایسی ہی موجب عذاب ہے جیسے رسول کی مخالفت موجب عذاب ہے پس جس طرح رسول کا حکم حجت اور واجب التسلیم ہے اسی طرح اجماع بھی حجت اور واجب التسلیم ہوگا۔ اور حدیث میں ہے ((لا تجتمع امتی علی الضلالة)) یعنی میری اُمت گمراہی پر اجماع نہیں کر سکتی معلوم ہوا کہ جو حکم اجماع سے ثابت ہوگا وہ سراسر ہدایت ہی ہوگا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض علماء نے اس حدیث کو متواتر المعنی کہا ہے یعنی اس مضمون کی حدیثیں اس کثرت سے آئی ہیں کہ سب سے مل کر یہ مضمون حد تواتر کو پہنچ جاتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت غور وفکر کے بعد اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے اور وہ بہترین اور نہایت قوی استنباط ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۵ ج ۱)

اور حدیث میں ہے:

((ید اللہ علی الجماعة فمن شذ شذ فی النار)). (اخرجه الترمذی)

"یعنی جوشخص جماعت سے علیحدہ ہوا وہ علیحدہ جہنم میں جائے گا۔" (ترمذی)

اور خلفائے راشدین خصوصاً صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا طریقہ رہا کہ جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تو جو صحابہ اہل الرائے اور اہل فقہ تھے ان کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور جس پر وہ متفق ہو جاتے اس کے مطابق حکم صادر فرماتے اور قیاس عقلی اور فطری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اجماع کو حجت مانا جائے خصوصاً اس زمانہ میں تو کثرت رائے ایک مسلّم اصول بن گیا ہے کہ اگر سو میں سے اُنچاس (۴۹) ایک طرف ہوں اور اکیاون (۵۱) ایک طرف ہوں تو اکیاون والی رائے کو اختیار کیا جاتا ہے اور اُنچاس والی رائے کو محض ایک رائے کی کمی کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے اور کسی بات پر سو کے سو کو اتفاق ہو اور ایک رائے بھی اس کے خلاف نہ ہو تو وہ بات نہایت صحیح اور پختہ سمجھی جاتی اور اسی کا ترجمہ اجماع ہے پھر اجماع میں اور کثرت رائے میں فرق یہ ہے کہ آج کل اسمبلیوں میں محض کثرتِ آراء یا اتفاقِ آراء سے فیصلہ ہو جاتا ہے اور اجماع شرعی میں یہ شرط ہے کہ رائے دینے والے علماء اور صلحاء اور اتقیاء ہوں ہر کس وناکس کی رائے کا اعتبار نہیں دُنیا کا مسلمہ اُصول ہے کہ علاج کے متعلق اطباء کا متفقہ فیصلہ اور تعمیر کے متعلق انجینئروں کا متفقہ فیصلہ حجت اور سند ہے تو علماء شریعت کا کسی امر پر اتفاق کیسے حجت نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ

اللہ یہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرائے اور اس سے نیچے بخشتا ہے جس کو چاہے اور

مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ

جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ دور پڑا بھول کر اس کے سوا پکارتے

دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ

ہیں سو عورتوں کو اور اس کے سوائے پکارتے ہیں سو شیطان سرکش کو جس کو لعنت کی اللہ نے

وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِکَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّہُمۡ وَ

اور وہ بولا کہ میں البتہ لوں گا تیرے بندوں سے حصہ ٹھہرایا اور اُن کو بہکاؤں گا اور

لَاُمَنِّیَنَّہُمۡ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّہُمۡ

اُن کو توقعیں دوں گا اور ان کو سکھاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے کان اور ان کو سکھاؤں گا

فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ

کہ بدلیں صورت بنائی اللہ کی اور جو کوئی پکڑے شیطان کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر

فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۹﴾ یَعِدُہُمۡ وَ یُمَنِّیۡہِمۡ ؕ وَ مَا یَعِدُہُمُ

وہ ڈوبا صریح نقصان میں ان کو وعدہ دیتا ہے تو قعیں بتاتا ہے اور جو توقع دیتا ہے ان کو

الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۫ وَ لَا یَجِدُوۡنَ

شیطان سو سب دغا ہے ایسوں کا ٹھکانہ ہے دوزخ اور نہ پاویں گے

عَنۡہَا مَحِیۡصًا ﴿۱۲۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُہُمۡ

وہاں سے بھاگنے کو جگہ اور جو یقین لائے اور عمل کئے نیک ان کو ہم داخل کریں گے

جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ وَعۡدَ اللّٰہِ

باغوں میں جن کے نیچے بہتی نہریں رہ پڑے وہاں ہمیشہ کو وعدہ ہے اللہ کا

حَقًّا ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَآ
سچا اور اللہ سے سچی کس کی بات نہ تمہاری آرزو پر ہے نہ

اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ
کتاب والوں کی آرزو پر جو کوئی برا کرے گا اس کی سزا پاوے گا اور نہ پاوے گا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ
اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی نہ مددگار اور جو کوئی کچھ عمل نیک کرے گا

مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا
مرد ہو یا عورت اور ایمان رکھتا ہو گا سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور ان کا

يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَ مَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ
حق نہ رہے گا تل بھر اور اس سے بہتر کس کی راہ جس نے منہ دھرا اللہ کے حکم پر

هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ
اور نیکی میں لگا اور چلا دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور اللہ نے پکڑا ابراہیم کو

خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ
یار اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کے ڈھب میں ہے

شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸ / ۱۱ / ۱۵
سب چیز

شرک اور اہل شرک کی مذمت اور رسوم جاہلیت کا ابطال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ . . . الٰی . . . وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾﴾

یہ آخری آیت ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾ بھی طعمہ ہی کے بارہ میں نازل ہوئی جب اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ فاش کر دیا تو وہ مرتد ہو کر چلا گیا۔ ایک شخص کی دیوار میں نقب لگایا اتفاقاً دیوار اس پر گر پڑی اور وہ مر

گیا۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ شرک کی بابت ارشاد فرماتے ہیں کہ شرک تو بغیر توبہ کے کسی حال میں نہیں بخشا جاتا البتہ شرک اور کفر کے علاوہ اور گناہ بغیر توبہ کے بھی بخشے جا سکتے ہیں۔ پس اگر طعمہ مرتد نہ ہوتا اور مشرکین کے ساتھ نہ جا ملتا تو ممکن تھا کہ چوری وغیرہ کا گناہ بغیر توبہ ہی کے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو معاف کر دیتا لیکن وہ بدنصیب کافر اور مرتد ہو جانے کی وجہ سے اور پھر کفر و شرک پر مر جانے کی وجہ سے بالکلیہ خدا تعالیٰ کی عفو اور مغفرت سے محروم ہو گیا چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ بلا توبہ نہیں بخشا اس بات کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے چہ جائیکہ سرے ہی سے خدا تعالیٰ کا انکار کر دیا جائے اور کفر اور شرک سے نیچے اور کم درجے کے گناہ کو بلا توبہ کے بھی جس کے لیے چاہیں معاف کر دیں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے وہ بلاشبہ گمراہ ہو کر ایسی گمراہی میں جا پڑا کہ جو ہدایت سے بہت ہی دُور ہے اور ہدایت سے اتنا دُور ہو گیا کہ قابل عفو و مغفرت نہ رہا بخلاف مسلمان کے کہ وہ کتنا ہی سخت گنہگار کیوں نہ ہو اس کی گمراہی صرف اس کے اعمال تک ہے اور اس کا عقیدہ گمراہی اور خرابی سے محفوظ ہے۔

فائدہ: شروع سورت کی تمہید میں گزر چکا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس سورت میں پانچ آیتیں مجھ کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں ان میں سے ایک آیت یہ ہے یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ... الآیۃ﴾ بظاہر وجہ یہ ہوگی کہ گنہگاروں کے لیے سہارا ہے۔

نکتہ: یہ آیت اسی سورت میں پہلے ہی گزر چکی ہے مگر پہلی بار اہل کتاب کے سلسلہ میں گزری جو اہل علم تھے اور جان بوجھ کر خدا کے لیے بیٹا اور شریک ٹھہراتے تھے اس لیے وہاں آیت کے ختم پر ﴿فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾ فرمایا کیوں کہ اہل کتاب جان بوجھ کر اللہ پر افتراء کرتے تھے اور اس جگہ اس آیت کو مشرکین عرب اور مرتدین کے سلسلہ میں ذکر فرمایا جو جاہل اور گمراہ تھے اس لیے یہاں آیت کے ختم پر ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا﴾ فرمایا کہ مشرکین عرب جہالت کی بناء پر گمراہی میں مبتلا ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۴۳ ج ۵)

باقی شرک اور کفر کی عدم مغفرت کی وجوہ بالتفصیل پہلی آیت کے ذیل میں گذر چکی ہیں۔

اب آئندہ آیت میں ان کی ضلال بعید کے وجوہ بیان فرماتے ہیں یہ مشرک خدا کو چھوڑ کر نہیں پرستش کرتے مگر عورتوں کی یعنی بتوں کی جو ان کے خیال میں عورت ہیں اس لیے کہ اہل عرب اپنے بتوں کے نام مؤنث رکھتے تھے جیسے لات اور عزیٰ اور مناۃ۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر قبیلہ کے بت کو اس قبیلہ کا انثیٰ کہا کرتے تھے اور عورتوں کی طرح ان کو زیورات پہنایا کرتے تھے اور وہ لوگ اپنے بتوں کو خدا کی لڑکیاں بھی کہا کرتے تھے اور انثیٰ کا اطلاق اس سبب سے کرتے تھے کہ وہ بے جان ہیں اور بے جان چیز کے لیے زبان عرب میں مؤنث کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور جا پڑے ہیں کہ قادر توانا کو چھوڑ کر کمزور اور عاجزوں اور عورتوں کی پرستش کرتے ہیں کس درجہ کے بے عقل اور ناسمجھ اور گمراہ ہیں اور در حقیقت نہیں پرستش کرتے مگر شیطان سرکش کی یعنی بتوں کو جو پوجتے ہیں تو صرف شیطان کے اغواء سے پوجتے ہیں تو گویا در حقیقت شیطان کو پوجتے ہیں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کو اپنی رحمت خاصہ سے دور پھینک دیا ہے اور ظاہر ہے کہ عورتوں کی اور ملعون اور مردود کی پرستش بلاشبہ ضلال بعید ہے شیطان کی پرستش تو حماقت معنویہ ہے۔ اور عورتوں کی پرستش حماقت حسیہ ہے اس لیے کہ عورتیں باعتبار جسم کے مردوں سے زیادہ کمزور ہیں فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں اسی طرح اور اسی نسبت سے عورتیں عقل میں بھی مردوں سے بہت کمزور ہیں کامل العقل جنس کا ناقص العقل جنس کی پرستش کرنا کیا یہ حِسّی اور ظاہری حماقت اور ضلال بعید نہیں اور جس وقت شیطان سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی سے ملعون اور مردود ہوا تو اس وقت اس نے یہ کہا کہ میں تو غارت ہو ہی چکا مگر اولادِ آدم کے غارت کرنے میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ

رکھوں گا اور اے پروردگار میں تیرے بندوں میں ایک معین حصہ جو تیرے علم ازلی میں مقرر اور معین ہے ضرور لے کر رہوں گا۔ یعنی اے پروردگار تیرے کچھ بندے تجھے چھوڑ کر میری راہ پر ہو لیں گے تو اس طرح تیرے بندوں میں میرا حصہ بھی ضرور ہوگا اور عقائد میں ان کو طریق ہدایت سے ضرور گمراہ کروں گا اور بہکاؤں گا اور اعمال زندگانی میں ان کو طرح طرح کی اُمیدوں اور آرزؤں میں ضرور مبتلا کروں گا تاکہ بے دھڑک ہو کر وہ تیری معصیتیں کریں۔ حتیٰ کہ جزا و سزا اور آخرت کا ان کو خیال بھی نہ آئے اور میں انہیں ضرور اعمال کفریہ و رسوم شرکیہ کا حکم دوں گا کہ وہ میرے حکم سے بتوں کے نام پر جانوروں کے کان کاٹیں گے۔ مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر بتوں کے نام پر اس کو چھوڑ دیتے نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کی اُون سے منتفع ہوتے اور یہ سمجھتے کہ یہ فعل خدا کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ اس آیت میں اسی رسم کی طرف اشارہ ہے اور میں ان کو یہ حکم بھی ضرور دوں گا، جس سے وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑیں گے جیسے داڑھی منڈانا اور بتوں کے نام کی سر پر چوٹی رکھنا اور عورتوں کا اپنی کھال کو گدوانا اور اپنے بالوں میں دوسرے بال وصل کرانا وغیرہ وغیرہ۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مردوں کا سیاہ خضاب کرنا اور مردوں کا عورتوں کے مشابہ بننا اور عورتوں کا مردوں کے مشابہ اور ہم لباس بننا وہ بھی تغیر خلق اللہ میں داخل ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ شیطان تمہارا ازلی دشمن اور حاسد ہے اور وہ اپنی دشمنی کو صاف ظاہر بھی کر چکا ہے اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا تو اس وقت یہ کہہ کر آیا تھا کہ اے خدا میں تیرے بندوں کو ضرور گمراہ کروں گا تو اس واضح دشمنی اور عداوت کے بعد کیوں اس کی پیروی کرتے ہو اور اس کے بہکانے پر کیوں عمل کرتے ہو اور کیا لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے اور اس کے مشوروں پر چلے تو وہ صریح نقصان میں جا پڑا کہ جنت کو فروخت کر کے جہنم خرید لی شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور طرح طرح کی امیدیں ان کو دلاتا ہے شیطان کے پاس سوائے زبانی وعدوں اور خیالی آرزؤں کے کیا رکھا ہے اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان سے مگر خالص دھوکے اور فریب کا یعنی شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے کہ دنیا کی لذتیں ہمیشہ ان کو نصیب ہوتی رہیں گی اور حساب و کتاب سب ڈھکوسلہ ہے اور جو شخص حساب و کتاب اور قیامت کے انکار پر آمادہ نہیں ہوتا اسے یہ آرزو دلاتا ہے کہ ابھی زندگی بہت پڑی ہے جلدی کیا ہے اخیر وقت میں توبہ کر لینا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

ناصحا توبہ کی جلدی کیا ہے یہ بھی کر لیں گے جو فرصت ہو گی

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: خوب سمجھ لو کہ شیطان کے وعدے سب جھوٹے ہیں ایسے ہی لوگ جنہوں نے شیطان کو اپنا رفیق بنایا ہے ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کبھی اس دوزخ سے مفر اور مخلصی نہ پائیں گے۔ یعنی اس سے بھاگ کر کبھی رہائی نہ پاسکیں گے اور برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے درختوں کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور ان باغات میں ان کا داخل ہونا عارضی نہ ہوگا بلکہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے خدا تعالیٰ نے ان سے اس کا پکا اور سچا وعدہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ سے بات میں کون زیادہ سچا ہو سکتا ہے اور جب تم کو یہ معلوم ہو چکا تو تم کو چاہیے کہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے عمل کرو شیطان کے جھوٹے وعدوں پر بھروسہ کر کے دھوکہ میں نہ آؤ اس لیے کہ آخرت کا ثواب اے مسلمانو! نہ تمہاری آرزؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزؤں پر ہے خالی آرزؤں اور تمناؤں سے کام نہیں چلتا جب تک کہ ایمان اور عمل صالح نہ ہو۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ اہل کتاب اور اہل اسلام میں گفتگو ہوئی اہل کتاب نے کہا ہماری کتاب مقدم ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے مقدم ہیں اور مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب تمام کتابوں کی ناسخ ہے۔ لہٰذا ہم تم سے بہتر ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ قرب خداوندی اور آخروی کامیابی محض تمناؤں سے حاصل نہیں ہو سکتی بلا ایمان اور بلا عمل صالح عقبیٰ کی راحت کی توقع رکھنا سراسر نادانی ہے قانون خداوندی یہ ہے کہ جو برا کام کرے گا سزا پائے گا اور آخرت کے دن وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنے لیے نہ حمایتی پائے گا اور نہ مددگار جو اس کو خدا کے عذاب سے چھڑائے اور جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو یعنی مسلمان ہو۔ پس یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور تل برابر بھی ان پر ظلم نہ کیا جائے گا اور مؤمن کی قید اس لیے لگائی کہ بغیر ایمان اور اسلام کے کسی عمل صالح کا اعتبار نہیں مطلب یہ ہے کہ عمل صالح کا اہتمام کرو محض تمنا اور نری آرزو کافی نہیں اب اہل کتاب کے اس خیال کی تردید فرماتے ہیں کہ ان کا دین مسلمانوں کی دین سے بہتر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اہل کتاب کا یہ خیال کہ ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے محض غلط ہے کیونکہ باعتبار دین کے اس شخص سے کون اچھا ہوسکتا ہے کہ جو اپنے چہرہ یعنی اپنی ذات کو خدا کے سپرد کر دے یعنی سراپا خدا کا مطیع اور فرمانبردار بن گیا ہو درانحالیکہ وہ مخلص ہو اور ملت ابراہیمی کا پیرو ہو جو کہ حنیف تھے یعنی ماسوی اللہ سے یکسو تھے۔ یعنی دین اسلام سے بہتر اور کوئی دین نہیں کیونکہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو خدا کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہے جو حکم وہ دیتا ہے وہی کرتے ہیں اور مخلص اور نیکوکار ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں جو خدا کے خاص الخاص بندہ تھے اور جن کو خدا نے اپنا جانی دوست بنایا تھا اور جو بڑے موحد تھے اور سب سے الگ ہو کر ایک طرف یعنی ایک خدا کی طرف ہو رہے تھے اور تمام حنفاء اور موحدین کے مقتدا اور پیشوا تھے اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے جد امجد تھے تو ان کی راہ سب راہوں سے زیادہ بہتر ہوگی اور دین اسلام ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب تھا تو جب مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے تو پھر اُن کے دین سے بڑھ کر کس کا دین ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آخرت کی نعمتیں انہیں لوگوں کو ملیں گی جو ملت ابراہیمی کے خط کے متبع ہوں گے یعنی حنیف اور موحد ہوں گے اور کسی کو خدا کا شریک اور بیٹا نہ سمجھتے ہوں اور اس وجہ سے کہ ابراہیم علیہ السلام سب کو چھوڑ کر ایک خدا کے ہو گئے تھے اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خالص دوست بنالیا جن کے خلال قلب میں اللہ کی محبت اور عظمت ایسی سرایت کر چکی تھی کہ کسی غیر کی اس میں گنجائش باقی نہ رہی تھی اور پورے طور پر وہ خدا کے مطیع اور فرمانبردار ہو چکے تھے پس مسلمان اسی ابراہیم خلیل اللہ کے طریقہ پر ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سب پر مقدم ہیں۔ حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیرت کے ساتھ غیر اللہ کو چھوڑ کر بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اور خلیل اللہ وہ شخص ہے جو حق تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ فنا ہو چکا ہو کہ طبعی اور فطری طور پر اس کا ارادہ اور اختیار اور رغبت اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے اور خلیل اللہ ہونا بارگاہ خداوندی میں تقرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور یہ مقام ہمارے نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھا جیسا کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں جو آخری خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا:

((اما بعد ایها الناس فلو کنت متخذًا من اهل الارض خلیلا لا تخذت ابا بکر بن ابی قحافة خلیلا ولکن صاحبکم خلیل الله)).

"اما بعد، اے لوگو! اگر میں کسی کو اہل زمین سے اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر بن ابی قحافہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن تمہارا صاحب خطاب

(یعنی ذات قدسی) خلیل اللہ ہے یعنی اللہ کا خلیل ہے۔"

اور جندب بن عبداللہ البجلی اور عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان الله اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراهیم خلیلا)).

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا خلیل بنایا تھا۔"

اس مضمون کی روایتیں تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۰ ج ۱ میں مذکور ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلیل ہونے کے علاوہ حبیب اللہ بھی تھے جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے ((انا حبیب الله ولا فخر)). غرض یہ کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام خلت اور مقام محبت دونوں حاصل تھے۔ بعض محققین کا قول ہے کہ محبت کا دائرہ خلت کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے۔ تفصیل کے لیے روح المعانی ص ۱۴۰ ج ۵ کو دیکھیے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت اور بزرگی اور ان کا تقدم زمانی اور رُتبی تمام ملل اور امم میں مسلم ہے کہ وہ حنیف اور خلیل تھے یعنی فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھے اور دین اسلام اپنے اندر ملت ابراہیمی کو مع شئی زائد سموئے ہوئے ہے۔

دین اسلام ملت ابراہیمی کے علاوہ اور بہت سے علوم اور احکام پر مشتمل ہے اور توحید و تفرید اور انقیاد ظاہری و باطنی اور اخلاص کامل اور فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کی تعلیم و تلقین کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کونسا دین ہوسکتا ہے اور یہودیت اور نصرانیت میں سوائے گمراہانہ عقیدۂ ابنیت و کفارہ کے اور سوائے جاہلانہ آرزوؤں کے اور کیا رکھا ہے۔ پس عیسائیوں کا یہ گمان کہ تمام گناہ حضرت مسیح اٹھا کر لے گئے اور اب ہم شریعت اور حلال و حرام کی قید سے آزاد ہیں۔ اور اسی طرح یہودیوں کا یہ گمان کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اور ہم خدا کے دوست ہیں ہمیں دوزخ میں جانا نہیں پڑے گا اور اگر جائیں گے بھی تو تھوڑے دنوں کے لیے اور پھر ہمارے باپ دادا جو پیغمبر تھے وہ ہم کو چھڑا لائیں گے یہ سب یہود و نصاریٰ کی آرزوئیں ہیں جن سے کچھ کام نہیں چلتا اطاعت کے بغیر نجات ممکن نہیں اور ان آیات سے فرقہ مرجیہ کا بھی رد ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ فقط ایمان نجات کے لیے کافی ہے اور اعمال صالحہ ضروری نہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایمان صرف آرزو کا نام نہیں تاوقتیکہ دل میں اعتقاد نہ ہو اور عمل اس کی تصدیق نہ کرے۔

پس ثابت ہوا کہ یہود و نصاریٰ کا دعوی باطل ہے اور دین اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں اور دین اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں اور مسلمانوں سے زیادہ کوئی گروہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب نہیں کما قال الله تعالیٰ: ﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۶۸) اور یہود اور نصاریٰ اخلاص اور توحید اور اسلام اور احسان سے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا کوسوں دُور ہیں۔ پس ان کا یہ دعویٰ کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی جب وہ آسمان اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے تو ابراہیم علیہ السلام کا بھی وہی مالک اور خدا ہے اور ابراہیم علیہ السلام اس کے بندہ ہیں اس مالک مطلق نے اپنے اختیار سے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل اور مقرب بنایا مقام خُلّت سے اُن کو شرف اور عزت حاصل ہوئی مگر دائرۂ عبودیت اور مملوکیت سے باہر نہیں ہوئے اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اپنی قدرت اور علم و حکمت سے احاطہ کرنے والا کوئی شے اس کے احاطۂ قدرت اور قہر سے باہر نہیں۔ پس وہی ذات اس قابل ہے کہ خالص اس کی بندگی کی جائے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے اور یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب سب شرک میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان

سب کے اعمال کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔ پس قیامت کے دن ضرور ان کے اعمال کی ان کو سزا دے گا۔

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَ مَا يُتْلٰى

اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کی تو کہہ اللہ تم کو رخصت دیتا ہے اُن کی اور وہ جو

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ

تم کو سناتے ہیں کتاب میں سو حکم ہے یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے

لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ

اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لو اور مغلوب لڑکوں کا

وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور یہ ہے کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ

كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ

کو معلوم ہے اور اگر ایک عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا

اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ

جی پھر جانے سے تو گناہ نہیں دونوں پر کہ کر لیں آپس میں کچھ صلح اور صلح

خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

خوب چیز ہے اور جیوں کے سامنے دھری ہے حرص اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیز گاری تو اللہ کو

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ

تمہارے سب کام کی خبر ہے اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے

النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ

عورتوں کو اگرچہ اس کا شوق کرو سو نرے پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے ادھر میں لٹکتی

وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا

اور اگر سنوارتے رہو اور پرہیز گاری کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر دونوں جدے ہو جاویں

يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَ لِلّٰهِ مَا

تو اللہ ہر ایک کو محفوظ کرے گا اپنی کشائش سے اور اللہ کشایش والا ہے تدبیر جانتا اور اللہ کا ہے جو

فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور ہم نے کہہ رکھا ہے پہلی کتاب والوں

مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

کو اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر منکر ہو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي

آسمان و زمین میں اور اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

آسمان و زمین میں اور اللہ بس ہے کام بنانے والا اگر چاہے تم کو دور کرے

اَيُّهَا النَّاسُ وَ يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

اے لوگو! اور لے آوے اور لوگ اور اللہ کو یہ قدرت ہے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ

جو کوئی چاہتا ہو انعام دنیا کا سو اللہ کے ہاں ہے انعام دنیا اور آخرت کا

وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹ ۸ ۱۲

اور اللہ ہے سنتا دیکھتا۔

رجوع بسوئے احکام نساء و ولدان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ... الی ... وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾

ربط: حق جل شانہٗ نے اس سورۃ کو تقویٰ اور پرہیز گاری کے حکم سے شروع فرمایا اور عورتوں اور یتیموں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا اور مہر اور میراث کے بارہ میں زمانہ جاہلیت سے رسم چلی آ رہی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے اس ظالمانہ رسم کو باطل کیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے ہرگز تعدی نہ کرنا دور تک سلسلۂ کلام اسی طرح چلا گیا کہ عورتوں اور یتیموں اور نکاح و مہر وغیرہ کے متعلق احکام بیان فرمائے اور پھر اللہ کی عبادت اور اہل قرابت اور فقراء و مساکین کے ساتھ سلوک اور احسان کا حکم دیا یہاں تک حقوق العباد کے متعلق تقویٰ کے احکام اور حدود الٰہیہ کا بیان ہوا۔

اس کے بعد اہل کتاب کو توحید اور تقویٰ اور دین حق کی دعوت دی اور دور تک یہی سلسلۂ کلام چلا گیا اور درمیان میں آخرت کے متعلق مختلف مضامین آتے رہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جائے اور قرآن کریم کا یہ خاص طریقہ ہے کہ چند احکام بیان کرنے کے بعد اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عظمت و جلال اور دار آخرت کی خوبی اور اعمال صالحہ کی ترغیب اور اعمال سیئہ سے ترہیب ذکر کرتے ہیں اور وعدہ اور وعید اور ثواب اور عقاب کو ملا کر بیان کرتے ہیں دین حق کی طرف دعوت کا یہ بہترین طریقہ ہے اسی ترتیب کے مطابق جب اس سورت کے شروع میں عورتوں اور یتیموں کے احکام بیان فرمائے جو فروع دین سے تھے اور بعد میں اہل کتاب کے متعلق جو مضامین بیان ہوئے وہ زیادہ تر اصول دین سے متعلق تھے اب پھر عورتوں اور یتیموں کے احکام کی طرف رجوع فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ حقوق العباد میں کسی کو ضعیف اور کمزور (عورت اور یتیم) سمجھ کر کوتاہی کرنا سراسر تقویٰ کے منافی ہے اور حدود اللہ سے تعدی ہے قرآن کریم کا یہ طریقہ نہیں کہ ایک موضوع سے متعلق تمام احکام کو ایک سیاق میں جمع کر دے یہ طریقہ مصنّفین اور مؤلفین کا ہے قرآن کریم کا مقصد وحید ہدایت حق اور نصیحت اور موعظت اور تذکیر آخرت ہے اگر ایک مضمون کی تمام آیات کو ایک جگہ کر دیا جائے تو یہ مقصد فوت ہو جائے یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں شرک اور اعمال شرک کا ذکر تھا اب ان آیات میں رسوم شرکیہ کو بیان کرتے ہیں جو عورتوں کے متعلق ہیں اور قریب العہد بجاہلیت ہونے کی وجہ سے فی الجملہ بعض مسلمانوں میں بھی موجود تھیں۔

شانِ نزول:

زمانہ جاہلیت سے عرب میں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو قبیلہ اور خاندان کی طرف سے دشمنوں سے لڑے۔

اور اگر کوئی یتیم لڑکی اپنے باپ سے مال کی وارث ہوتی اور پھر وہ کسی کی ولایت اور پرورش میں ہوتی تو اگر وہ خوبصورت ہوتی تو اس کا ولی اور متولی خود اس سے نکاح کر لیتا مگر اس کا مہر پورا نہ دیتا اور اگر وہ لڑکی بدصورت ہوتی تو نہ خود اس سے نکاح کرتا اور نہ کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کرتا تاکہ اس لڑکی کا مال دوسرے کے قبضہ میں نہ چلا جائے اس پر سورۂ نساء کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی جن میں عورتوں اور یتیموں کے حقوق اور ان کی میراث کے احکام مفصل بیان کر دیئے گئے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ جب قرآن کریم میں احکام میراث نازل ہوئے تو لوگوں پر یہ چیز (طبعاً) شاق ہوئی اور یہ

کہنے لگے کہ کیا لڑکا اور عورت بھی مرد کی طرح وارث ہوں گے (اور اپنے خیال میں یہ سمجھے کہ لڑکا اور عورت قابل میراث ہی نہیں) اس لیے یہ گمان کیا کہ شاید یہ حکم وقتی طور پر دیا گیا ہو اور بعد چندے یہ حکم منسوخ ہو جائے اور نسخ کی توقع اور انتظار میں رہے جب دیکھا کہ اس حکم کا کوئی ناسخ بھی نازل نہیں ہوتا تو پھر مشورہ یہ ہوا کہ ہم کو خود جا کر حضور پُر نور ﷺ سے دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ حاضر ہو کر دریافت کیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ... الآیات﴾ اخرجہ ابن جریر و ابن المنذر عن سعید بن جبیر۔ (تفسیر در منثور ✽ ص ۲۳۱ ج ۲ و روح المعانی ص ۱۴۳ ج ۵)

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے عورتوں اور یتیموں کے حقوق میں کوتاہی کی تو اس پر سورۂ نساء کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں بعد چندے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر عورتوں کے متعلق کچھ مسائل دریافت کیے۔ اس پر یہ آیت ﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ... الیٰ آخرها﴾ نازل ہوئی۔ غالباً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دوبارہ سوال سے مقصد یہ ہوگا کہ شاید احکام سابقہ میں کوئی ترمیم و تنسیخ یا تخفیف ہو جائے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ اس باب میں جو حکم نازل ہو چکا ہے وہ قطعی ہے اور وہ اسی طرح قائم رہے گا اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوگا عورتوں کے نکاح اور ان کی میراث اور یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کا جو حکم پہلے بیان ہو چکا ہے وہ بدستور قائم ہے۔ اسی پر عدل و انصاف اور ایمانداری کے ساتھ عمل کرو اور خدا تعالیٰ اور اس کی کتاب نے تم کو جو فتویٰ دیا ہے اس کی پابندی کرو غرض یہ کہ ان آیات میں عورتوں کے متعلق کچھ احکام بیان فرماتے ہیں میراث کی تخصیص نہیں اور بعض مفسرین نے جو میراث کا ذکر کیا ہے وہ بطور تخصیص نہیں بلکہ بطور تمثیل ہے اس لیے ان آیات میں میراث کے علاوہ اور بھی احکام بیان کیے ہیں۔

شیخ الاسلام ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے عورتوں کے متعلق مختلف مسائل دریافت کیے جن اُمور کا حکم پہلے نازل ہو چکا تھا۔ اس آیت میں ان کا حوالہ دے دیا گیا اور جو مسائل اور اُمور ایسے تھے جن کا حکم پہلے بیان نہ ہوا تھا ان کا حکم ان آیات میں بیان کر دیا گیا۔ (تفسیر ابی السعود ✽ برحاشیہ تفسیر کبیر ص ۱۴۳ ج ۳)

✽ اخرج ابن جریر وابن المنذر عن سعید بن جبیر قال کان لا یرث الا الرجل الذی قد بلغ ان یقوم فی المال و یعمل فیہ ولا یرث الصغیر ولا المرأۃ شیئا فلما نزلت المواریث فی سورۃ النساء شق ذلک علی الناس و قالوا ایرث الصغیر الذی لا یقوم فی المال والمرأۃ التی ھی کذلک فیرثان کما یرث الرجل فرجوا ان یاتی فی ذلک حدث من السماء فانتظروا فلما رأوا انہ لا یاتی حدث قالوا لئن تم ھذا انہ لواجب ما عنہ بد ثم قالوا سلوا فسالوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ تعالی ﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۚ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فی اول السورۃ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾۔ (کذا فی الدر المنثور ص ۲۳۱ ج ۲)۔

✽ قال شیخ الاسلام ابو السعود قال تعالی ﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ﴾ ای فی حقھن علی الاطلاق کما ینبیء عنہ الاحکام الآتیۃ لا فی حق میراثھن فانہ صلی اللہ علیہ و سلم قد سئل عن احوال کثیرۃ مما یتعلق بھن فما بین حکمہ فیما سلف احیل بیانہ علی ما ورد فی ذالک من الکتاب وما لم یبین حکمہ بعد بین ھھنا۔ (تفسیر ابی السعود ص ۴۲۱ ج ۳) و کذا فی فی روح المعانی ص ۱۴۳ ج ۵ وما ورد من تخصیص ذکر المیراث فی تفسیر الا ستفتاء فھو علی سبیل التمثیل لا علی سبیل التخصیص لان اللہ تعالی قد ذکر فی الآیۃ احکاما سوی احکام المیراث فافھم۔

چنانچہ * عورتوں پر ظلم کی حرمت کے بارہ میں تو ابتداء سورت کی آیتوں کا حوالہ دیا گیا کہ وہاں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے اور دوسرا مسئلہ عورتوں کے نشوز اور ایک بیوی کی طرف میلان کلی اور دوسری بیوی سے اعراض اور بوقت اجازت طلاق کا مسئلہ تھا اس کا حکم ان آیات میں بیان کر دیا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارہ میں فتوے پوچھتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھیں اور بعض یہ امید رکھتے ہیں کہ عورتوں کے بارے میں جو احکام سابق میں نازل ہو چکے ہیں شاید ان میں کچھ تخفیف ہو جائے آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تم کو ان کے بارہ میں وہی فتوی اور حکم دیتا ہے جو پہلے دے چکا ہے اور وہ آیتیں بھی تم کو فتویٰ دیتی ہیں جو کتاب الٰہی میں تم پر ان یتیم عورتوں کے بارہ میں پڑھی جاتی ہیں جن کو تم وہ حقوق نہیں دیتے جو میراث اور مہر وغیرہ کے بارہ میں ان کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اگر وہ عورتیں صاحب مال ہوں مگر صاحب جمال نہ ہوں تو چاہتے ہو کہ بغیر حقوق ادا کئے تھوڑے سے مہر پر اُن سے نکاح کر لو تا کہ یہ مال کہیں اور نہ چلا جائے اس لیے کسی اور سے اس کو نکاح نہیں کرنے دیتے اس لیے حکم یہ ہے کہ اگر اس کا حق ادا نہ کر سکو تو نکاح میں نہ لاؤ اور کسی اور کو دے دو تا کہ تم اس کے حمایتی اور سرپرست رہو اور اگر ولی خود اس لڑکی کے حقوق ادا کرے تو اجازت ہے کہ ولی اس کو اپنے نکاح میں لاوے کیونکہ جو خاطر اور مدارات تم کر سکتے ہو وہ غیر نہیں کر سکتا اور جو آیتیں ناتواں اور کمزور بچوں کے حقوق کی حفاظت کے بارہ میں پڑھی جاتی ہیں وہ بھی تم کو فتویٰ دیتی ہیں اور حکم خداوندی سے تم کو آگاہ کرتی ہیں اور اس بارہ میں تم کو حکم دیتی ہیں کہ یتیموں کے بارہ میں عدل اور انصاف کو قائم رکھو اور اس کے علاوہ جو بھلائی اور نیکی کرو گے وہ سب اللہ کو معلوم ہے تم کو اس کی جزاء خیر دینگے مطلب یہ ہے کہ سورت کے شروع میں عورتوں اور یتیموں کے بارہ میں جو آیتیں نازل ہو چکی ہیں وہ اب بھی حسب سابق واجب العمل ہیں جیسا کہ ﴿وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی﴾ یتامیٰ النساء کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اور ﴿وَ اٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ﴾ یتیموں کے اموال کی حفاظت کے بارہ میں نازل ہوئی۔

اور بعد ازاں آیت ﴿وَ لَا تَاۡکُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّ بِدَارًا﴾ میں اور مزید تاکید فرمادی اور ﴿لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ ... الخ﴾ میں سب کی میراث کو مجملاً اور ﴿یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰهُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ... الخ﴾ میں مرد اور عورت کی میراث کو مفصلاً بیان فرمایا اور ﴿وَ لَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ﴾ میں عورتوں پر نکاح کے بارہ میں جو ظلم و زیادتی کرتے تھے اس کی ممانعت فرمائی۔ حاصل مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم کو یتیم عورتوں اور بچوں کے حق میں وہی فتویٰ اور حکم دیتا ہے جو اس سورت کے شروع آیتوں میں تم کو سنا دیا گیا۔ اور اب پھر اجمالاً تم کو سنایا جاتا ہے کہ جو احکام عورتوں اور یتیموں کے بارہ میں پہلے نازل ہو چکے ہیں ان پر عمل کرو اور جو کوئی ان کے بارہ میں تم سے کچھ دریافت کرے تو یہ کہہ دو کہ اس کا جواب اور حکم وہی ہے کہ جو پہلے سورۂ نساء کے شروع میں بیان ہو چکا ہے جن سب کا خلاصہ اور اجمال یہ ہے ﴿وَ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡیَتٰمٰی بِالۡقِسۡطِ﴾ یعنی یتیموں کے بارہ میں انصاف پر قائم رہو۔

---

* شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ اپنے فارسی ترجمہ کے فوائد میں لکھتے ہیں جواب ایں استفتاء تفصیلے داشت پس خدا تعالیٰ بعض مسائل را حوالہ فرمود بر آیات (و آن مسئلہ تحریم ظلم بر یتامی النساء است و بعض را اینجا جواب داد و آں مسئلہ نشوز و تحریم میل کلی بیک زن و اعراض از زن دیگر و اباحت طلاق در صورت ضرورت) واللہ اعلم۔

بیان بعض احکام متعلقہ بہ معاشرۂ زوجین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِھَا نُشُوْزًا ... الی ... وَکَانَ اللّٰہُ وَاسِعًا حَکِیْمًا ﴿۱۳۰﴾﴾

اوپر آیتوں میں ان احکام کا حوالہ تھا جو سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکے اب یہاں سے عورتوں کے متعلق دوسرے نئے احکام کا بیان شروع ہوتا ہے جو میاں اور بیوی کے باہمی معاشرت سے متعلق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی بدمزاجی یا بے التفاتی اور بے اعتنائی سے ڈرے مثلاً عورت بدشکل ہو یا بڑھیا ہوگئی ہو اور اس کو قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے یا دوسری بیوی کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں میاں بیوی پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کرلیں۔ مثلاً یہ کہ عورت اپنا نفقہ اور باری معاف کر دے یا کم کر دے اور مرد اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے اور طلاق اور مفارقت اور باہمی منازعت سے صلح ہی بہتر ہے عورت کو اس بات پر ضد نہ کرنی چاہیے کہ وہ اپنا پورا ہی حق لے گی اور مرد کو اس بات پر نہ اڑنا چاہیے کہ وہ اس کو جدا ہی کر کے رہے گا اور طبیعتیں حرص اور بخل پر حاضر کردی گئی ہیں یعنی حرص اور بخل انسان کی سرشت میں رکھا ہوا ہے مرد اور عورت کوئی بھی اپنے حق اور نفع میں کمی نہیں کرنا چاہتا ہر ایک اپنے لیے حریص اور بخیل ہے مگر آدمی کو چاہیے کہ اپنی حرص اور بخل کو دبائے اور دوسرے کے ساتھ سلوک کرے اور اے مردو اگر تم عورتوں کے ساتھ سلوک اور احسان کرو اور ان کی حق تلفی سے بچو تو بے شک جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے تمہیں اس کی جزاء دے گا اور ہم تم کو بتلائے دیتے ہیں کہ تم متعدد بیبیوں کے درمیان پوری برابری ہرگز نہیں کر سکتے گو تم کتنا ہی چاہو۔ یعنی جس شخص کی کئی بیبیاں ہوں تو یہ اس کی قدرت اور اختیار سے باہر ہے کہ محبت اور میلان قلبی میں سب کو برابر رکھے کیونکہ جب صورت اور سیرت میں سب برابر نہیں تو سب کے ساتھ محبت کیونکر ہو سکتی ہے جب متعدد عورتوں میں پوری برابری نہیں کر سکتے تو ایسا بھی نہ کرو کہ بالکل اور ہمہ تن ایک ہی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری بی بی کو معلق (ادھر میں لٹکی ہوئی) چھوڑ دو نہ بیوہ میں ہے اور نہ خاوند ہی والی نہ نکاح کر سکتی ہے اور نہ شوہر سے فائدہ ہی اٹھا سکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر محبت اور میلان قلبی میں مساوات نہیں کر سکتے تو یہ بھی نہ کرو کہ تقسیم نوبت اور نفقہ میں بھی ایک ہی طرف کو جھک پڑو یہ تو تمہاری قدرت میں ہے کہ تقسیم نوبت اور نفقہ وغیرہ میں سب کے ساتھ یکساں سلوک رکھو آنحضرت ﷺ کو باوجودیکہ عائشہ صدیقہ ؓ سے زیادہ محبت تھی (اس لیے کہ عائشہ صدیقہ ؓ کمالات باطنی میں مریم صدیقہ علیہا السلام کا نمونہ تھیں اور صدیقہ بنت صدیق تھیں) مگر پھر بھی تمام ازواج کے حقوق برابر ادا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں اختیار کے موافق ہر ایک کا حق برابر ادا کرتا ہوں مگر جو امر میرے اختیار میں نہیں یعنی قلبی محبت اس میں تو مجھ کو معذور رکھ اور اگر تم اصلاح کرلو۔ یعنی گزشتہ میں جو بے انصافی کر چکے ہو اس کی تلافی کرلو اور آئندہ کے لیے عورت کے حق میں ناانصافی سے بچتے رہو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے تمہاری گزشتہ کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف کر دے گا اور اگر صلح اور موافقت کی کوئی صورت نہ ہو سکے اور میاں بیوی طلاق یا خلع کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو کفایت کرے گا اپنی وسعت سے یعنی خدا ہر ایک کا کارساز ہے مرد کو دوسری عورت مل جائے گی اور عورت کو دوسرا شوہر مل جائے گا اور روزی میں ایک دوسرے کا محتاج نہ رہے گا اور ہے اللہ وسعت والا اور حکمت والا اس کی تو انگری اور رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے جس کو جتنا چاہے دے یہ اس کے واسع ہونے کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر اور کیا وسعت ہوسکتی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی کل چیزوں کا مالک ہے۔

وصیت ونصیحت:

اب آگے بطور تتمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ احکامِ عدل وانصاف کچھ تمہارے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پہلی اُمتوں کو بھی ان احکام پر عمل کرنے کی تاکید کی تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے تاکیدی حکم دیا اُن لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاریٰ اور تمام اہل کتاب کو تاکیدی حکم دیا ہے اور خاص تم کو بھی اس کی تاکید ہے کہ اللہ سے ڈرو یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری اور خدا ترسی کا حکم شریعت قدیمہ ہے تمام اُمتوں کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ سب آسمانی کتابوں میں اس کی تاکید اکید ہے اور اگر تم منکر ہو جاؤ۔ یعنی اللہ کی وصیت کو نہ مانو تو تم کو خوب معلوم ہے کہ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کفر سے اس کا کیا بگڑتا ہے اور ہے اللہ تعالیٰ تو انگر اور بے پروا اس کو تمہارے تقویٰ اور اطاعت کی ذرہ برابر احتیاج نہیں اور وہ ہر حال میں قابل تعریف ہے۔ اس کی شان وشوکت تمہاری اطاعت پر موقوف نہیں کسی کی نافرمانی سے اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا کوئی اس کی حمد وثناء کرے یا نہ کرے وہ ہر حال میں حمید ہے اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے اس لیے کہ وہ قادر ومختار مطلق ہے۔ لہٰذا اس کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ چاہیے۔ اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو ناپید کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے اس کو تمہاری پروا کیا ہے اور ہے اللہ اس پر قادر یعنی وہ تمہارے ناپید کرنے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو آباد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے لیکن یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تم کو ہلاک نہیں کیا تو تم ایسے حلیم وکریم کی اطاعت کیوں نہیں کرتے اس سے سرکشی کر کے اس کا کیا بگاڑو گے اپنی ہی نقصان کرو گے۔

فائدہ: حق جل شانہٗ نے اس مقام پر تین دفعہ فرمایا ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ پہلی دفعہ میں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا﴾ یعنی اللہ کی وسعت جود وکرم اور کشائش کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور دوسری بار اپنی بے نیازی اور بے پروائی کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کو کسی کی اطاعت اور تقویٰ سے نفع نہیں اور سارے عالم کے کفر اور فسق وفجور سے اس کا کوئی نقصان نہیں اور تیسری بار میں اپنی کارسازی کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر تم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ تمہارا کارساز ہے۔ اس لیے کہ وہ زمین وآسمان کی سب چیزوں کا مالک ہے اور ایک ہی دلیل سے متعدد دعوؤں کو ثابت کرنا اور ہر دعویٰ کے بعد اسی دلیل کو لانا اہل ذوق کے نزدیک قند مکرر ہے۔

ربط: آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ سب مل کر اللہ کے دین پر قائم رہو اللہ تم کو دین اور دنیا دونوں ہی دے گا فقط دُنیاوی فوائد کو مطمح نظر نہ بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے اعمال کے صلہ میں صرف دُنیا کا انعام چاہتا ہے تو یہ اس کی نادانی ہے اسے معلوم نہیں کہ اللہ کے یہاں دُنیا اور آخرت دونوں کا انعام ہے تو جب اعلیٰ اور ادنیٰ سب اس کی قدرت میں ہیں تو اعلیٰ (آخرت کو چھوڑ کر ادنیٰ اور خسیس یعنی دُنیا کو مانگنا تو کیا یہ کمال ابلہی نہیں ﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ (البقرہ:۶۱) اللہ تعالیٰ سے دُنیا اور آخرت دونوں کی نعمتیں مانگو اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور اگر تم اللہ کے سچے محب اور مخلص ہو تو صرف اخروی ثمرات کو پیش نظر رکھو اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا وہ بندوں کی دعائیں سنتا ہے کہ کون دنیا کی درخواست کرتا ہے اور کون آخرت کی اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے کہ دل میں کیا چھپا ہوا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ

اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف اگرچہ

عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ

نقصان ہو اپنا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا اگر کوئی محظوظ ہے یا

فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۚ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ

محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے تم سے زیادہ سو تم جی کی چاہ نہ مانو اس بات میں کہ برابر سمجھو اور اگر

تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

حکم بست ونہم - اقامت عدل واداء شہادت حق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ... الى... بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾﴾

ربط: ابتداء سورت میں حق تعالیٰ نے عورتوں اور یتیموں کے حقوق کے بارہ میں عدل اور انصاف کا حکم دیا پھر ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں طعمہ بن اُبَیرق منافق کا قصہ مذکور ہوا جو جھوٹی شہادت اور اہل خیانت کی حمایت سے متعلق تھا پھر ﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ... الخ﴾ کے ذیل میں ﴿وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ میں قیام عدل وانصاف کا حکم ہوا اب ان احکام مختلفہ کے بعد آیات ذیل میں حکام کو تو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم مقدمات کا فیصلہ انتہائی عدل وانصاف کے ساتھ کرو فیصلہ میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ کرو اور گواہوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم حق اور صدق کے ساتھ شہادت دو اور بلا رورعایت سچی گواہی دو حتی کہ ماں باپ عزیز وقریب کی بھی رعایت نہ کرو اور یہی دو چیزیں یعنی عدل وانصاف اور شہادت حق دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کا اصل اصول ہیں اور تمام احکام سابقہ مع شی زائد انہی دو چیزوں میں مندرج ہیں گویا کہ قیام عدل وادائے شہادت حق کا حکم احکام سابقہ کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ گزشتہ آیات میں عدل خاص کا ذکر تھا جو خاص عورتوں اور یتیموں سے متعلق تھا اب ان آیات میں عدل عام اور تام کا حکم دیتے ہیں جو تمام حقوق کو حاوی اور شامل ہو اور ان آیات میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ توریت وانجیل میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارت مذکور ہے تم اس کی شہادت کیوں نہیں دیتے اس کو چھپاتے کیوں ہو۔

قرآن کریم میں یہودیوں کی جابجا جو مذمت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ: ﴿اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ (المائدہ: ۴۲) "رشوت خوار ہیں۔" یہود نے کتاب الٰہی میں تحریف کی اور امراء اور حکام کی خاطر احکام الٰہی کو بدلا اور رشوت لے کر فیصلے کیے اس لیے یہود پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگا دی گئی۔ اس وقت کے نام نہاد مسلمان حاکم جو رشوت لے کر فیصلے کر رہے ہیں وہ یہود کے نقش قدم پر

جا رہے ہیں اسلام ان پر نفرین بھیجتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہو جاؤ تم تمام معاملات میں انصاف کے قائم رکھنے والے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے اگرچہ اس گواہی کا نقصان اور ضرر تمہاری ہی جانوں پر پڑے یا تمہارے والدین پر یا رشتہ داروں پر یعنی گواہی میں اپنا اور اپنے والدین کا بھی خیال نہ کرو جو حق ہو وہ کہو چاہے اس میں کسی کا نفع ہو یا نقصان ہو حق کو کسی حال میں نہ چھپاؤ اگر وہ شخص جس پر تم گواہی دیتے ہو مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر تم سے زیادہ مہربان ہے یعنی گواہی میں نہ مال دار کا پاس کرو اور نہ محتاج کا جو سچ ہو وہی کہہ دو اللہ کو ان کے ساتھ تم سے زیادہ ہمدردی ہے۔ پس گواہی میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ عدل وانصاف سے عدول کر جاؤ اور اگر تم گواہی میں پیچ دار بات کہو گے یعنی گول مول بات کہو گے صاف کھول کر حق کو بیان نہ کرو گے یا گواہی دینے سے اعراض اور کنارہ کشی کرو گے تو خوب سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے وہ تمہیں اس گول مول اور پیچ دار گواہی کی اور حق کے اظہار سے اعراض کی ضرور سزا دے گا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ
اے ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی ہے
عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ
اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر
وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا
اور اس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور پچھلے دن پر وہ دور پڑا بھول
بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا
کر جو لوگ مسلمان ہوئے پھر منکر ہوئے پھر مسلمان ہوئے پھر منکر ہوئے پھر بڑھتے رہے
كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ ؕ
انکار میں اللہ ان کو بخشنے والا نہیں اور نہ ان کو دیوے راہ

بیان ارکان خمسہ ایمان

وترغیب درایمانے کہ نزد شرع صحیح ومعتبر باشد وذکر ذمائم منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ ... الٰی ... لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ ؕ﴾

ربط: یہاں تک زیادہ تر احکام فرعیہ کا بیان ہوا اور قریب ہی میں اولین اور آخرین کو تقویٰ کی وصیت اور کفر سے بچنے کی تاکید اور ثواب آخرت کی ترغیب بیان فرمائی اور گزشتہ آیات میں عدل اور انصاف اور شہادت حق وصدق کی تاکید اکید فرمائی اور ظاہر ہے کہ تقویٰ وطہارت اور عدالت وشہادت حق اور آخرت کی فکر ورغبت کا تمام تر دارومدار ایمان باللہ والیوم الآخر پر ہے۔ اس لیے اب آیندہ آیات میں ایمان کے ارکانِ خمسہ کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ شریعت میں کونسا ایمان صحیح اور معتبر ہے اور کونسا دعوائے ایمان غیر معتبر ہے۔ پس جو شخص ① اللہ تعالیٰ پر ② اور اس کے تمام رسولوں پر ③ اور تمام فرشتوں پر ④ اور اس کی تمام نازل کردہ کتابوں پر ⑤ اور یوم آخرت پر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے، وہ ایمان تو شریعت میں معتبر ہے اور جو شخص محض ظاہری طور پر ایمان لائے اور دل میں متردد اور مذبذب ہو یا اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو تو مانتا ہو مگر پیغمبروں کو نہ مانتا ہو اور پیغمبروں کے اقوال و افعال کو حجت نہ سمجھتا ہو تو ایسا شخص پکا کافر اور منافق ہے۔ پھر اس سلسلہ میں منافقین کے ذمائم کو بیان فرمایا اور ان کے ساتھ مجالست اور موالاۃ کی ممانعت فرمائی اور ضمن میں اہل کتاب کا بھی رد فرمایا جو دعویٰ ایمان کا رکھتے تھے اور جس نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارتیں توریت وانجیل میں مذکور ہیں اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کی شہادت دیتے ہیں اور سچی شہادت کو چھپا کر لوگوں کے سامنے جھوٹی شہادت دیتے ہیں کہ یہ وہ نبی آخر الزمان ﷺ نہیں جس طرح طعمہ کی قوم نے اپنی قوم کی رعایت سے جھوٹی گواہی دی تھی۔ اسی طرح اہل کتاب بھی اپنی قوم کی رعایت سے آنحضرت ﷺ کی بشارتوں کو چھپاتے ہیں اور آپ کے بارہ میں جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! ایمان لاؤ خدا تعالیٰ پر اور اس کے رسول محمد ﷺ پر جو عدالت اور راستی کے قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ یعنی قرآن مجید پر جو عدل اور احسان اور انصاف اور امانت و دیانت کے قائم کرنے کے لیے اُتارا گیا ہے اور ان تمام کتابوں پر جو خدا نے انبیاء سابقین پر قرآن سے پہلے اتاری ہیں بغیر ان باتوں کا یقین کیے ہوئے خدا کے یہاں آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا: ① اللہ تعالیٰ پر یعنی اس کی ذات وصفات پر ② اور اس کے رسول پر جو حق تعالیٰ کے نائب اور سفیر اور برگزیدہ بندہ ہیں ③ اور قرآن پر اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے پہلے پیغمبروں پر نازل کی ہیں اور ملائکہ (فرشتے) اور روز قیامت پر ایمان لانے کا ذکر اس آیت میں نہیں فرمایا اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ملائکہ اور یوم جزاء پر ایمان لانے کو مستلزم ہے گویا یہ تین امور تمام عقائد اسلامیہ کا اجمال اور خلاصہ ہیں۔

مطلب * یہ ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو اس کے لیے تفصیلی طور پر ان چیزوں کی تصدیق ضروری ہے بغیر ان سب چیزوں کے مانے مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اس آیت میں اجمالاً صرف تین چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں ملائکہ اور یوم آخر یعنی روزِ جزا کا بھی ذکر فرماتے ہیں جو اسی اجمال کی تفصیل ہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور روزِ آخرت کا منکر ہو وہ بے شک دور کی گمراہی میں جا پڑا یعنی جو شخص ایسا کرے وہ حد درجہ کا گمراہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں اللہ کا

---

* شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں: مترجم گوید مراد آنست کہ ہر کہ در ملت اسلامیہ داخل شد بہ تفصیل تصدیق ایں چیزہا باید کرد۔ ۱۲

انکار تو کھلی گمراہی ہے اور اللہ کی کتابیں اور اللہ کے فرشتے اور اس کے پیغمبر ہی رشد اور ہدایت کا ذریعہ ہیں اس لیے ان کا انکار بھی سخت گمراہی ہے بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار درحقیقت کلام خداوندی اور احکام خداوندی کا انکار ہے اور روزِ آخرت کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ جزاء وسزا اور ثواب وعقاب اور جنت وجہنم سب غلط ہے ایسے شخص کی زندگی انسانی زندگانی نہیں بلکہ حیوانی زندگی ہے کہ جہاں چاہا منہ مارا اور کھالیا اور جس مادہ سے چاہا جفتی کر لی حیوانی زندگی میں حلال وحرام کی تقسیم نہیں اور نہ حیوان کو نکاح کی ضرورت ہے آج کل مغربی تہذیب کا یہی حال ہے۔

ذم مرتدین

ربط: گزشتہ آیت میں اہل کفر کی مذمت مذکور ہوئی اب اس آیت میں مرتدین کے ایک خاص فرقہ کا بیان کرتے ہیں یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا﴾ فرمایا تھا۔ اب اس آیت میں اصحاب ضلال بعید کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو محض ظاہری طور پر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور کفر ونفاق ان کے دلوں پر اس درجہ چھایا ہوا تھا کہ ان کے دلوں سے ایمان کی استعداد ختم ہو چکی تھی بے شک جو لوگ پہلے تو مسلمان ہوئے پھر کافر اور مرتد ہو گئے پھر دوبارہ مسلمان ہوئے اور اس دوسری بار کے اسلام پر بھی قائم نہ رہے بلکہ پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ کفر کی حالت ہی میں ان کی موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہرگز نہیں بخشیں گے اور نہ ان کو راہ ہدایت دکھائیں گے یہ آیت منافقین کے خاص گروہ کے بارہ میں اُتری ہے جو کبھی مسلمان ہوتے اور کبھی کافر جب مسلمانوں کے پاس آئے تو مسلمان بن گئے اور کافروں کے پاس گئے تو کافر بن گئے۔ ایسے لوگ جو دین کو کھیل اور تماشہ بنا لیتے ہیں عادۃً ان کا دل مسخ ہو جاتا ہے پھر ان کو ایمان کی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اس پر مغفرت مرتب ہو سکے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اگر یہ لوگ اخلاص کے ساتھ اور صحیح طور پر ایمان لے آئے تو ان کا ایمان اور ان کی توبہ قبول نہ ہوتی ہزار بار کفر کے بعد بھی اگر صدق دل سے صحیح توبہ کرے تو وہ قبول ہے بلکہ آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دین کو کھیل وتماشہ بنا لیا ہے ایسے لوگ اللہ کی مغفرت اور ہدایت سے محروم کر دیئے گئے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ
خوشی سنا منافقوں کو کہ ان کو ہے دکھ کی مار وہ جو پکڑتے ہیں
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ
کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت
فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ۱۳۹
سو عزت اللہ کی ہے ساری

ذمائم منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا . . . الٰى . . . فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۱۳۹ ﴾

ربط: پہلی آیتوں میں اہل کفر کا بیان تھا اب ان آیات میں منافقین کے ذمائم کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دُنیا کے مقابلہ میں دین کی پروانہیں کرتے کبھی کرستان بنتے ہیں اور کبھی مسلمان اور کفار ومشرکین کے جاہ وحشم کو دیکھ کر ان سے یارانہ جوڑتے ہیں کہ ہم کو عزت و شوکت حاصل ہوگی اور یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ ان کو یہ معلوم ہے کہ جس جگہ احکام الٰہی کا مذاق اڑایا جاتا ہو وہاں بیٹھنا بھی ناجائز ہے چہ جائیکہ اُن سے دوستی کی جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: منافقین کو خوشخبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے کیونکہ یہ منافقین باوجود دعوائے اسلام کے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں۔ یعنی یہ منافق جو مسلمانوں کو چھوڑ کر یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں تو کیا ان کا خیال یہ ہے کہ یہودیوں کے پاس بیٹھنے سے ان کو دنیا میں عزت ملے گی یہ سب غلط ہے اور خیال خام ہے پس ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ تحقیق بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے اس کے سوا کون عزت دے سکتا ہے اسی عزیز مقتدر کی چوکھٹ پر سرِ ذلت ٹیکنے ہی سے عزت ملتی ہے۔ ﴿ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ﴾ (آل عمران:۲۶)

عزیز یکہ از در گہش سر بتافت　　　　بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

جس کے پاس خود عزت نہیں وہ دوسروں کو کہاں سے عزت دیدے گا دُنیا میں فرمانروائے سلطنت اور ارکان دولت سے تعلق اور ان کی وفاداری اور اطاعت شعاری سے عزت حاصل ہوتی ہے اور بادشاہ اور وزراء کی نافرمانی اور عدول حکمی اور دشمنان سلطنت اور باغیان حکومت سے دوستی اور آشنائی ذلیل وخوار بناتی ہے۔ پس اسی طرح جو احکم الحاکمین کا اور اس کے وزراء اور سفراء یعنی انبیاء ومرسلین علیہم السلام کا وفادار اور اطاعت شعار بنے گا بقدر وفاداری اور بقدر اطاعت شعاری اس کو بارگاہ خداوندی سے عزت حاصل ہوگی اور جو خدا اور اس کے رسول کا منکر اور باغی ہوگا وہ ذلیل وخوار ہوگا اور یہی ایمان اور کفر کی حقیقت ہے خداوند احکم الحاکمین اور اس کے وزراء وسفراء یعنی انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے ساتھ حلف وفاداری کا نام ایمان ہے اور حلف وفاداری سے انکار کا نام کفر ہے۔ نمرود اور فرعون اگرچہ دنیاوی تخت وتاج کے مالک تھے مگر حقیقی عزت حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہما السلام کو حاصل تھی۔ ''جوہر اگر در خلاب افتد ہماں نفیس است وغبار اگر بر فلک رود ہماں خسیس''۔

عزت کی تعریف:

کسی کی محبت اور عظمت کی بناء پر محض اس کے حکم پر جان اور مال اور آبرو قربان کر دینے کا نام عزت ہے یہ عزت سوائے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے اور سوائے ان کے وارثوں کے کسی کو دُنیا میں حاصل نہیں ہوئی۔ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کے جوش اور ولولہ میں بلا کسی مال ومنال اور بلا کسی دنیوی فائدہ اور غرض کے اپنے اہل وعیال اور خویش واقارب سب کو چھوڑ دیا بلکہ آپ کی محبت میں اپنے بیٹوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور خویش واقارب کا مقابلہ کیا اور غزوات میں بے دریغ ان پر تلوار چلائی اور سوائے آپ کی خوشنودی کے کوئی دُنیاوی فائدہ ان کی نظروں کے سامنے نہ تھا کیا کوئی فرمانروا اور شہنشاہ اس عزت کا کوئی

نمونہ دکھلاسکتا ہے۔

بخدائے ذوالجلال اگر اس بے مثال عزت کی زکوٰۃ (یعنی چالیسواں حصہ) نکالا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرمائی اور پھر اس کا چالیسواں حصہ کل عالم کے بادشاہوں اور شہنشاہوں پر تقسیم کر دیا جائے تو عزت ورفعت کے دولت مند بن جائیں۔

دنیا میں بڑے بڑے صاحب جاہ وجلال اور صاحب جود ونوال بادشاہ گذرے اور اپنے وفاداروں کی جائز اور ناجائز خواہشیں پوری کیں اور طرح طرح کے ان کو انعام دیئے مگر تاریخ عالم شاہد ہے کہ کسی زمانہ میں بھی کسی بادشاہ کا کوئی عاشق اور شیدائی نہیں ہوا۔ بخلاف حضرات انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے کہ ہزاروں اور لاکھوں ان کے ایسے عاشق صادق اور شیدائی گزرے کہ مجنون کی محبت بھی ان کی محبت کے سامنے گرد ہے حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو لذات وشہوات اور ناجائز امور سے روکتے اور منع کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے یا تھوکتے یا سنکتے تو آپ کا تھوک اور سنک اور وضوء کا دھوون زمین پر نہیں گرتا تھا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو اپنے ہاتھوں پر لے کر اس کو منہ پر مل لیتے تھے یہ تو محبت کا حال تھا اور عظمت کا یہ حال تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ بے محابا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ پس جس ذات بابرکات کی محبت اور عظمت دلوں میں ایسی راسخ ہو عزت اس کو حاصل ہے اور اصل عزت یہ ہے اور فوج اور پولیس کے چند ملازمین کا کسی امیر اور وزیر کے اِردگرد کھڑے ہو جانے کا نام عزت نہیں بہت سے بہت اس کو عزت کی صورت اور نمائش کہا جاسکتا ہے عزت وہ ہے جو دل سے ہو جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے دشمن تھے دل سے وہ بھی ان کی عزت کرتے تھے اور ان کی بددعا سے ڈرتے تھے۔

نصیحت: بہت سے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب اور تمدن اور انگریزی لباس میں عزت ہے یہ نادانی ہے ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ عزت کس کو کہتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اصل عزت اتباع شریعت میں ہے غیر قوموں کی نقل میں کوئی عزت نہیں غیروں کی نقل در پردہ غلامی کا اعتراف ہے۔

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں ایک فصل منعقد کی ہے کہ مغلوب وضع اور قطع اور لباس اور معاشرت میں غالب کا اتباع کرتا ہے اور یہ در پردہ اپنی کمتری اور دوسرے کی برتری کا اقرار ہے اور ادبار اور زوال کی علامت ہے انتہٰی کلامہ۔

اور آج کل مسلمانوں کی ذلت کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیا بڑے بڑے وزراء اور ارکان دولت کے پاس انگریزی لباس موجود ہے مگر عزت مفقود ہے عزت وہ ہے کہ جس سے دلوں پر قبضہ ہو اور لوگ بلاغرض کے اس کے لیے جان ومال فدا کرنے کے لیے تیار ہوں جیسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان ومال قربان کرتے ہیں محض کسی کو دیکھ کر کھڑے ہو جانا عزت نہیں اگر بھیڑیا آ جائے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں سو یہ تعظیم اور عزت نہیں بلکہ اپنا بچاؤ ہے ظالموں کی عزت اسی قسم کی ہے ان کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل سے بددعا دیتے ہیں اور خلوتوں میں اُن کو بُرا کہتے ہیں خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح تموّل اور دولت مِلک مال کا نام ہے اسی طرح عزت مِلکُ القلوب کا نام ہے۔ یعنی لوگوں کے دل کسی پر شیدا اور فریفتہ ہوں اور یہ بات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان ہی کو حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (المنافقون:۸)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا

اور حکم اتار چکا تم پر کتاب میں کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے

وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ

اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ جب تک وہ بیٹھیں اور بات میں

غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ

اس کے سوائے نہیں تو تم بھی ان کے برابر ہوئے اللہ اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں

فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝۱۴۰ۙ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ

کو دوزخ میں ایک جگہ وہ جو تکا کرتے ہیں تم کو پھر اگر تم کو

فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۡ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ

فتح ملے اللہ کی طرف سے کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر ہوئی کافروں

نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

کی قسمت کہیں ہم نے گھیر نہ لیا تھا تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ

سو اللہ چکوتی کرے گا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱ۧ ع ۲۰/۱۷

مسلمانوں پر راہ

جس جگہ احکامِ خداوندی کے ساتھ تمسخر (مذاق) کیا جاتا ہو وہاں بیٹھنے کی ممانعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ... الٰی... وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱ۧ﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں کافروں سے دوستی کی ممانعت تھی اب ان آیات میں ان لوگوں کی مجالست سے منع فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی ممنوع ہے جو احکام خداوندی کے ساتھ تمسخر (مذاق) کرتے ہوں کسی کے ساتھ تمسخر کرنا یہ اس کی انتہائی تحقیر اور تذلیل

ہے جس طرح احکام حکومت کے ساتھ تمسخر (مذاق) عدالت اور حکومت کی توہین ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخواست اور دوستانہ تعلقات قانوناً جرم ہے۔ اسی طرح احکام شریعت کے ساتھ تمسخر قانون خداوندی کی توہین وتذلیل ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی ممنوع اور جرم ہے چہ جائیکہ ان سے دوستی کی جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے مسلمانو! جس کتاب پر تم ایمان رکھتے ہو اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کا انکار ہوتے ہوئے یا ان کا تمسخر اور مذاق ہوتے ہوئے سنو تو اس حالت میں ان کفر کرنے والے مسخروں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ یہاں تک کہ وہ اس کفر اور مسخرہ پن کو چھوڑ کر کسی اور بات میں نہ لگ جائیں کیونکہ اس حالت میں اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ اس لیے کہ جب تم احکام خداوندی کا تمسخر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے اور اس کی تردید نہ کی تو تم اور وہ برابر ہو گئے۔ اس لیے کہ ایسی حالت میں تمہارا ان کے ساتھ بیٹھنا اس بات کی علامت ہے کہ تم بھی اس کفر اور استہزاء پر راضی ہو مشرکین مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر قرآن کا مشغلہ بناتے اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑاتے اور اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت سے ان کی مجلس میں جاتا تو اس کو قرآن کریم کی نسبت نامناسب الفاظ سننے پڑتے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں یہ حکم نازل کیا: ﴿وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ﴾ (الانعام: ۶۸) اور جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو احبار یہود نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور مشرکین مکہ کی تقلید کی منافق ان کی مجلسوں میں جاتے اور مضحکہ میں ان کے ساتھ شریک ہوتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو شخص آیات خداوندی کے ساتھ ہنسی کرنے والوں کے پاس بیٹھے گا وہ بھی کفر اور استہزاء میں ان کا شریک ہوگا۔

فائدہ: بے دینوں کا قدیم دستور ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی باتوں کا مذاق اڑایا کرتے ہیں جو شخص باوجود دعوائے اسلام کے احکام شریعت اور آنحضرت ﷺ کی حدیثوں کا مذاق اڑائے وہ شخص بلا شبہ منافق ہے اور پہلے زمانہ کے منافقوں سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہ مہذب اور متمدن بے دین احکام خداوندی کا مذاق اڑانے میں پہلے منافقوں سے آگے ہے بے شک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے گا جس طرح وہ دنیا میں اکٹھے ہو کر اللہ کی آیتوں کا مذاق کرتے تھے۔ اسی طرح وہ عذاب دوزخ میں بھی اکٹھے رہیں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ منافقین کا ایک اور حال بیان کرتے ہیں جس سے ان کی دورنگی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جدھر غلبہ دیکھا اسی طرف ہو گئے اور وہ حال یہ ہے کہ یہ منافق لوگ تمہارے متعلق انتظار کی راہ دیکھتے رہتے ہیں کہ دشمنوں کے مقابلہ میں تم غالب ہوتے ہو یا مغلوب تاکہ جس فریق کا غلبہ دیکھیں اس کی رفاقت اور دوستی کا دم بھرنے لگیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو فتح نصیب ہو جائے تو تم سے یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ہم کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دو، اور اگر وقتی طور پر کسی وقت کافروں کو غلبہ سے کوئی حصہ مل جائے یعنی اتفاق سے کافروں کو فتح اور غلبہ حاصل ہو جائے تو کافروں سے یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں کی مار سے نہیں بچایا یعنی اگر کسی وقت کافر مسلمانوں پر غلبہ پاتے ہیں تو یہ منافق کافروں سے حصہ مانگتے ہیں اور ان پر یہ احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان تو تم پر غالب آ ہی گئے تھے مگر ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا اور ایسی تدبیریں کیں کہ مسلمان تم پر غالب نہ آئیں ان کی مدد میں ہم نے کوتاہی کی اور تمہاری طرف سے انہیں ایسا خوف دلایا جس سے وہ سست پڑ گئے۔ اس طرح ہم نے تم کو ان کی مار سے بچایا اگر ہم تمہارے بچانے کی کوشش نہ کرتے تو مسلمان تم کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے غرض یہ کہ منافق درہم و دینار کے بندے ہیں ہر طرف ہاتھ مارتے ہیں۔ پس اے منافقو! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اس وقت تم پر

اسلام کی خوبی اور نفاق کی برائی کھل جائے گی اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر غالب ہونے کی کوئی راہ ہرگز نہیں دے گا کہ اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے اور اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان نہ رہے۔ شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ [1] فرماتے ہیں یعنی نہ شود کہ اسلام را مستاصل گردانند۔ واللہ اعلم

یا یہ مطلب ہے کہ مسلمان جب تک اسلام پر قائم رہیں اس وقت تک کوئی ان پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دنیا کے متعلق نہیں تا کہ یہ شبہ ہو کہ دنیا میں بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ آیت قیامت کے متعلق ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے پہلے جملہ ﴿فَاللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ﴾ میں اس کی تصریح ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسلمانوں اور کافروں میں فیصلہ فرمائیں گے اور وہ فیصلہ مسلمانوں کے موافق ہو گا کہ وہ حق پر تھے اور کافر باطل پر تھے وہ فیصلہ کا دن ہے وہاں حق کو اور اہل حق ہی کو غلبہ ہو گا۔

پس مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ فرمائیں گے اور اس فیصلہ میں کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غلبہ کی کوئی راہ نہ دیں گے مگر علماء محققین اس طرف گئے ہیں کہ پہلی آیت ﴿فَاللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ﴾ میں آخرت کے متعلق حکم مذکور ہے اور دوسری آیت ﴿وَ لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا﴾ میں دنیا کے متعلق حکم مذکور ہے کہ دُنیا میں کافروں کو یہ قدرت نہ ہو گی کہ مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام ونشان مٹا دیں کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡہُمۡ وَ اخۡشَوۡنِ﴾ (المائدہ:۳) شیخ جلال الدین سیوطی نے تفسیر جلالین [2] میں اسی قول کو اختیار فرمایا اور اسی کو شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے اختیار فرمایا جیسا کہ ہم نقل کر چکے ہیں اور اس ناچیز کے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل فرمائے: الاوّل ان ذلك یوم القیامة. قال ابن العربی هذا ضعیف۔ والثانی ان الله لا یجعل لهم سبیلا یمحو به دولة المؤمنین ویذهب آثارهم ویستبیح بیضتهم۔ اور اسی قول کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا اور اس ناچیز نے بھی اسی کو راجح سمجھا)۔ الثالث ان الله سبحانه ﴿لَا یَجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا﴾ الا ان یتواصوا بالباطل ولا یتناهوا عن المنکر ویتقاعدوا عن التوبة فیکون تسلیط العدو من قبلهم کما قال الله تعالیٰ ﴿وَ مَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ﴾ قال ابن العربی هذا نفیس جدا۔ (الرابع) ان الله سبحانه ﴿لَا یَجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا﴾ شرعا فان وجد فبخلاف الشرع۔ (الخامس) ﴿وَ لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا﴾ ای حجة عقلیة ولا شرعیة یستظهرون بها الا ابطلها ودحضت۔
(کذا فی تفسیر القرطبی ص ۴۱۹ ج ۵ ملخصا)

[2] قوله تعالیٰ: ﴿وَ لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا﴾ ای طریقا بالاستیصال ۱۲ جلالین۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى

منافق جو ہیں دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا اور جب کھڑے ہوں

الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا

نماز کو تو کھڑے ہوں جی ہارے دکھانے کو لوگوں کے اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر

قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ

کم ادھر میں لٹکتے دونوں کے بیچ نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾

اور جس کو بھٹکاوے اللہ پھر تو نہ پاوے اس کے واسطے کہیں راہ

تتمہ ذمائم منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ . . . الى . . . فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾﴾

اب ان آیات میں منافقوں کی ایک ظاہری علامت بیان فرماتے ہیں تاکہ مسلمان اپنے آپ کو اس سے بچائیں اور اس وصف سے اجتناب کا خاص طور پر خیال رکھیں جو نفاق کی علامت ہے اور جس میں یہ علامت پائی جاتی ہو اس کو مومن جان کر دھوکہ نہ کھائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: بے شک یہ منافق لوگ دعوائے ایمان اور ظاہری اطاعت سے خدا کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں اس لیے کہ دعوائے ایمان اور نماز وغیرہ سے ان کا مقصود لوگوں کو دکھلانا اور دنیوی فوائد حاصل کرنا ہے۔ اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں اور ان بے عقلوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی ان کے ساتھ فریب کر رہا ہے اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ کافر اور منافق ہیں اور اس کے دین کے دشمن ہیں مگر معاملہ دوستوں کا سا ہو رہا ہے دنیا کی عیش و راحت میں کوئی کمی نہیں تاکہ دل کھول کر گناہ کر لیں اور جب پیمانہ لبریز ہو جائے تو پکڑ کر دائمی جیل خانہ (دوزخ) میں ڈال دیا جائے خدا تعالیٰ کے فریب دینے کے یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اعزاز اور اکرام ہے اور در پردہ تذلیل و تحقیر مقدر ہو چکی ہے جس طرح وہ دوستی کے پردہ میں اسلام کی دشمنی کر رہے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے دوستی کے پردہ میں ان سے دشمنی کی جا رہی ہے اور یہ منافق جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی اور بے دلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں ان کا مقصود نماز ہے ہی نہیں محض لوگوں کو دکھلانے کے لیے نماز کیلیے کھڑے ہو جاتے ہیں آخرت کا ثواب ان کو مقصود نہیں اور نہ وہ نماز کو واجب سمجھتے ہیں ان کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ مسلمان ہم کو نمازی سمجھیں قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کا ڈر نہ ہوتا تو منافق کبھی کوئی نماز نہ پڑھتے اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر بہت ہی کم۔ یعنی لوگوں کے سامنے نماز پڑھ لیتے ہیں مگر اس میں نہ تسبیح و تہلیل ہوتی ہے اور نہ خشوع و خضوع صرف اُٹھنا اور بیٹھنا ہوتا ہے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو بالکل ہی نہیں پڑھتے۔

یا یہ مطلب ہے کہ نماز کے علاوہ دن رات میں بجز دنیاوی باتوں کے ان کے منہ سے اللہ کا نام نہیں نکلتا مگر بہت ہی کم بخلاف مسلمان کے کہ وہ دنیا میں مشغول رہتے ہوئے بھی کبھی ان شاء اللہ کہتا ہے اور کبھی ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور کبھی ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اور کبھی ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ﴾ موقع بموقع اس کی زبان سے اللہ کا نام نکلتا رہتا ہے۔ آگے منافقین کا ایک اور حال بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ لوگ کفر اور اسلام کے درمیان متردد ہیں نہ پورے ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف نہ مؤمنین مخلصین ہی کے ساتھ ہیں اور نہ کھلے کافروں ہی کے ساتھ ہیں اور جس کو خدا گمراہ کردے تو اس کے لیے ہدایت کی کوئی سبیل ہرگز نہ پاؤ گے جو شخص تذبذب اور تردّد کی وادی تیہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ وہ اس طرح بھٹکتا پھرتا ہے کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر۔

بدرّد یقین پر دہائے خیال
نماند سرا پردہ الاجلال

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ
اے ایمان والو! نہ پکڑو کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر

اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ
کیا لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح منافق ہیں

فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ﴿۱۴۵﴾ ۙ اِلَّا
سب سے نیچے درجہ میں آگ کے اور ہرگز نہ پاوے گا تو ان کے واسطے کوئی مددگار مگر

الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ
جنہوں نے توبہ کی اور سنوارا آپ کو اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور نرے حکم بردار ہوئے اللہ کے

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا
سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور آگے دے گا اللہ ایمان والوں کو ثواب

عَظِیْمًا ﴿۱۴۶﴾
بہت بڑا

ممانعت از موالاۃ کفار *

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ . . . الى . . . اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

حق جل شانہٗ جب منافقین کے اعمال قبیحہ کا بیان کر چکے تو اب مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرنا ورنہ جو ان کی سزا ہے وہ تمہاری ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے ((المرء مع من احب)) کیونکہ ان کی دوستی سے تمہارے دلوں سے خدا تعالیٰ کی محبت جاتی رہے گی آخرت کو بھول جاؤ گے اور ان کی طرح دنیا کے شیدائی اور فدائی بن جاؤ گے کیونکہ ایک دل دو طرف نہیں رہ سکتا ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ﴾ (الاحزاب: ۴) اللہ اپنی پناہ میں رکھے اے ایمان والو ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح نہ دو اور منافقوں کی طرح مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ مبادا ان کی دوستی سے کفر کے جراثیم تم کو نہ لگ جائیں ایک دوست دوسرے دوست کی خصلتوں کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتا ہے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کا صریح الزام اپنے اوپر قائم کرلو یعنی اگر تم کافروں اور منافقوں کو دوست بناؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی حجت تم پر قائم ہو جائے گی کیونکہ اللہ نے تم کو ان کی دوستی کی ممانعت کی ہے قیامت کے دن تم پر اللہ یہ حجت قائم کریں گے کہ دعویٰ تو ایمان کا تھا مگر دوست رکھتے تھے میرے دشمنوں کو اور اجتماع ضدین باتفاق عقلاء محال ہے خوب سمجھ لو کہ کافروں اور منافقوں کی دوستی سے تم کو کوئی نفع نہ ہوگا اس لیے کہ بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے جس کا عذاب تمام طبقوں سے بڑھا ہوا ہے دوزخ کے سات طبقے ہیں ایک کے نیچے ایک سب سے نیچے کے طبقہ میں سب سے زیادہ سخت عذاب ہے اور یہ طبقہ خاص منافقوں کے لیے ہے اس لیے کہ کھلے کافر صرف کھلے کافر تھے مسلمانوں کو فریب تو نہ دیتے تھے اور منافق کفر کے علاوہ جھوٹ بھی بولتے تھے اور مسلمانوں کو فریب بھی دیتے تھے۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب منافقین اور اصحابِ مائدہ اور آل فرعون کو ہوگا اور قرآنِ کریم میں اس کی تصدیق موجود ہے ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ اور اصحاب مائدہ کے بارہ میں ہے: ﴿ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (المائدہ: ۱۱۵) اور آل فرعون کے بارہ میں ہے ﴿ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ (المومن: ۴۶)۔ (تفسیر قرطبی ص ۴۲۵ ج ۵)

اور اے مخاطب تو ان منافقین کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا جو ان کو نیچے کے طبقہ سے نکال سکے مگر ہاں ان میں جو لوگ نفاق سے توبہ کرلیں اور اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کرلیں اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑ لیں۔ یعنی تذبذب اور تردد میں نہ رہیں بلکہ اللہ کی باتوں پر پورا پورا یقین رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کردیں۔ یعنی دین سے مقصود محض اللہ کی رضا اور خوشنودی ہو ریاء و نمود اور دنیاوی غرض کا اس میں شائبہ نہ ہو۔ پس ایسے لوگ جنہوں نے نفاق سے سچی توبہ کرلی ہے اور عقائد اعمال کی اصلاح کرلی ہے اور بلا کسی تردّد اور تذبذب کے مضبوطی کے ساتھ دین کی رسی کو پکڑ لیا اور اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے

---

* یعنی کافروں سے دوستی کی ممانعت۔

تو ایسے ✽ لوگ جہنم کے کسی طبقے میں نہ ہوں گے بلکہ جنت میں ان مؤمنین کاملین کے ساتھ ہوں گے کہ جو از اول تا آخر صدق اور اخلاص کے ساتھ ایمان پر قائم رہے اور ہمیشہ ہمیشہ ان کا ایمان نفاق اور ریاء کے شائبہ سے محفوظ رہا۔

یا یہ ✽ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نفاق سے توبہ کرنے والوں کو مؤمنین کی جماعت میں شمار کرے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان مؤمنین صادقین اور مخلصین کو جو از اول تا آخر صدق اور اخلاص کے ساتھ ایمان اور اسلام پر قائم رہے ان کو آخرت میں اجر عظیم دے گا جو ان تائبین کے اجر اور ثواب سے بڑھ کر ہوگا یا یہ معنی ہیں کہ نفاق سے سچی توبہ کرنے والوں کو مومنین صادقین اور عباد مخلصین کے ساتھ اجر اور ثواب میں شریک کر دیا جائے گا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ
کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کر اگر تم حق مانو اور یقین رکھو اور اللہ
شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾
قدر دان ہے سب جانتا۔

خطاب بسوئے منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ ... الى ... وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾﴾

اب آگے منافقین کو خطاب فرماتے ہیں کہ عذاب خداوندی کا دارومدار کفر اور فسوق اور عصیان پر ہے خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر اگر تم اللہ کے شکر گزار ہو جاؤ اور اللہ پر ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی قدردان اور دانا ہے تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے نیک کاموں کا قدردان ہے تو جو شخص خدا کا شکر گزار اور فرمانبردار اور اطاعت شعار بندہ ہو تو وہ ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا وہ تو عذاب صرف انہیں لوگوں کو دیتا ہے جو پرلے درجہ کے سرکش اور متمرد ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ناحق بلا وجہ کسی کو عذاب دے جو جاننے والا اور قدردان ہو وہ بلا وجہ کسی کو عذاب نہیں دے سکتا اور اس سے زیادہ کیا قدردانی ہوگی کہ ایک نیکی کا ثواب دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ اور اس سے زیادہ بھی عطا فرماتے ہیں۔

الحمدللہ آج بروز چہارشنبہ ۲۶ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ بوقت سوا تین بجے بین الظہر والعصر جامعہ اشرفیہ۔ لاہور مسلم ٹاؤن پارہ پنجم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ الحمد للہ الّذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم۔ اٰمین یا ارحم الرّاحمین

✽ قال العارف المھایمی فاولٓئک یعلو رتبتھم بھذہ الامور لا یکونون فی درک من النار فضلا عن الاسفل بل مع المؤمنین المستمرین علی الایمان بلا نفاق فی الجنات. (تفسیر مہمائمی ص ۱۷۱ ج ۱)

✽ قال الفرّاء معنی فاولٓئک مع المؤمنین ای من المؤمنین و قال القتبی حاد عن کلامھم غضبا علیھم فقال فاولٓئک مع المؤمنین ولم یقل ھم المؤمنون. (تفسیر قرطبی ص ٤٢٥ ج ٥)

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ کَانَ

اللہ کو خوش نہیں آتا بُری بات کا پکارنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو اور ہے

اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ

اللہ سنتا جانتا اگر تم کھلی کرو کچھ بھلائی یا اس کو چھپاؤ یا معاف کرو

سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾

بُرائی کو تو اللہ بھی معاف کرنے والا ہے مقدور رکھتا۔

حکم سی ام (۳۰)۔ جواز شکایت ظالم برائے مظلوم وفضیلت عفو

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْٓءِ... الٰی... فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں منافقین کے جبلی کج طبعی اور آیات خداوندی میں ان کی طعنہ زنی اور عیب جوئی اور مسلمانوں پر ان کے مظالم بیان کیے گئے اب ان آیات میں یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اللہ بڑا حلیم وکریم اور ستار العیوب ہے کسی کا عیب ظاہر کرنا اور کسی کی برائی کرنا اور کسی کا پردہ فاش کرنا پسند نہیں کرتا اسی طرح ہم کو بھی حلم اور پردہ پوشی سے کام لینا چاہیے ہاں مگر جس کسی پر ظلم ہوا ہو سو وہ مظلوم اگر ظالم کی برائی یا زیادتی کا افشا کرے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر معاف کر دے تو وہ اور بھی بہتر ہے اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عادت باوجود قدرت کے خطا کاروں سے معاف کرنے اور درگذر کرنے کی ہے مگر حق تعالیٰ نے منافقین کے معایب اس لیے بیان فرمائے کہ یہ بڑے ہی ظالم ہیں ان کا کید اور مکر عظیم ہے اور ان کا ضرر شدید ہے اللہ کے رسول کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور ہر وقت مسلمانوں کی ایذاء رسانی کے درپے رہتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقین کے شر اور فتنہ سے آگاہ کرنے کے لیے ان کے معایب اور مثالب بیان کیے۔ پس حق تعالیٰ نے ان ظالموں کے پوشیدہ عیوب اور برائیوں کو علی الاعلان بیان کیا تاکہ مسلمان ان کے شر اور ان کے ظلم وستم سے محفوظ رہیں اور ان جیسے اخلاق واعمال سے بھی اجتناب اور پرہیز کریں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَ لَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْہِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُہُمْ ؕ وَ کَثِیْرٌ مِّنْہُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾﴾ (الحدید) لہٰذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان ظالموں کے مظالم اور معایب کو بیان کریں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ فاسق اور بدکار کے عیوب کو ظاہر کرو تاکہ لوگ اس سے احتیاط اور پرہیز کریں۔ مطلب یہ ہوا کہ جس ظالم کا ضرر شدید ہو اور اس کا کید اور مکر عظیم ہو تو اس کے فضائح اور قبائح کے اعلان اور اظہار میں کوئی حرج نہیں خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان ظالم منافقوں کی برائیاں اس لیے بیان فرمائیں تاکہ لوگ ان کی شرارتوں سے آگاہ اور باخبر ہو جائیں اور ان کے شر اور ضرر سے محفوظ ہو جائیں اور اپنے آپ کو ان جیسے اخلاق اور اعمال سے بچائیں اور ان ظالموں نے مسلمانوں پر حد سے زیادہ

ابتداء یوم جمعۃ المبارک ۲۸ شعبان ۱۳۸۲ھ بوقت دس بجے دن کے۔

ظلم وستم کیا ہے اور ظلم کی کوئی حد باقی نہیں چھوڑی۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان ظالموں کے مظالم اور معایب کو ظاہر کریں حاصل یہ ہے کہ ہم کو ظالم کے ظلم کی پردہ دری اور شکایت کا جواز بیان کرنا مقصود تھا اس لیے ہم نے ان منافقوں کی برائیاں بیان کیں۔ (تفسیر کبیر ص ۹۵ ج ۳ اور تفسیر البحر المحیط ص ۳۸۲ ج ۳)

یا یوں ✱ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں منافقین کے عیوب بیان کیے مگر نام کسی کا نہیں لیا اس لیے کہ اللہ کو یہ ناپسند ہے کہ کسی کا نام لے کر اس کا عیب بیان کیا جائے ہاں اگر مظلوم اپنے ظالم کا نام لے کر اس کا عیب بیان کرے اور اس کی شکایت کرے تو یہ جائز ہے ظالم کی شکایت داخل غیبت نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ بغیر ظالم کا نام لیے ہوئے مظلوم چارہ جوئی نہیں کر سکتا اور اس کے علاوہ اور بھی بعض صورتیں ہیں جن میں غیبت روا ہے۔ تفصیل کے لیے احیاء العلوم ص ۱۳۲ ج ۳ و شرح احیا العلوم للزبیدی ص ۵۵۳ ج ۷ کو دیکھیں۔

اور یہ حکم شاید یہاں اس لیے بیان فرمایا کہ مسلمان کو چاہیے کہ کسی منافق کا نام مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اس کو بدنام نہ کرے۔ اصل مقصود نصیحت ہے نہ کہ فضیحت اس لیے حق تعالیٰ نے مبہم طریقہ سے منافقین کا حال بیان فرمایا اور کسی کا نام نہیں لیا شاید منافق اس مبہم نصیحت سے سمجھ جائے اور ہدایت پا جائے اور منافق اس پردہ پوشی کو دیکھ کر مخلص صادق بن جائے ہدایت اور اصلاح کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی کا نام لیے اجمالی طور پر معایب اور اعمال قبیحہ اور ان کے مفاسد اور ان کی خرابیوں کو بیان کیا جائے تاکہ لوگ آگاہ ہو جائیں اور نام کسی کا نہ لیا جائے شاید اس پردہ پوشی کو دیکھ کر وہ مجرم اور بدکار اپنے دل میں شرمندہ ہو اور ہدایت پر آجائے اور ممکن ہے کہ بدنام کرنے سے اس کا دل اور سخت ہو جائے اور پہلے سے زیادہ بے باک ہو جائے آنحضرت ﷺ کا یہی طریقہ تھا کہ کسی کا نام لے کر نہیں فرماتے تھے۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیات میں منافقوں کی بُری عادتوں کا ذکر فرمایا اور حدیث میں ہے کہ منافق کی ایک عادت یہ ہے کہ وہ لڑائی اور جھگڑے کے وقت منہ سے گالی نکالتا ہے اس لیے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ زبان سے بری بات نہ نکالیں مگر مظلوم کے لیے جائز ہے کہ وہ ظالم کی بقدر ظلم کے واجبی شکایت زبان سے نکال سکتا ہے اور اگر مظلوم معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت ﴿اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا... الخ﴾ میں یہ بیان تھا کہ بدکار اور گنہگار توبہ کے بعد مؤمنین کاملین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب اس آیت میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ توبہ کے بعد گذشتہ نفاق اور مکر و فریب اور دیگر عیوب کا ذکر کر کے طعن و تشنیع کرنا اور اس کو بُرا بھلا کہنا روا نہیں ہاں مظلوم کو بقدر ظلم و ستم اپنے ظالم کو بُرا کہنا جائز ہے۔ حدیث میں ہے: ((ان لصاحب الحق مقالا رواہ احمد)) صاحب حق کو کہنے اور بولنے کی گنجائش ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۹۵ ج ۳)

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا: ﴿مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو بلا وجہ عذاب دینا پسند نہیں کرتے۔ اب اس آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ اللہ کو یہ بھی پسند نہیں کہ کسی کو بُرا بھلا کہا جائے مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ بقدر ظلم کے زبان سے کچھ کہہ دے لیکن وہ بھی اگر معاف کر دے تو بہت اچھا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عَفُوًّا قَدِیۡرًا ہے باوجود قدرت کے معاف

✱ ہذا توضیح مافی موضح القرآن۔

کرتا ہے۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت ﴿ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴾ میں اس طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ شکر کے اعلان اور اظہار کو پسند کرتے ہیں۔ اب اس آیت میں اس کی ضد کو بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ بُرائی کے اعلان اور اظہار کو ناپسند کرتے ہیں۔ (دیکھو حاشیۃ الشہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص ۱۹۳ ج ۳۔ و روح المعانی ص ۳ ج ۶)

یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گذار بندوں کو عذاب نہیں دیتا اللہ تعالیٰ تو اُن لوگوں کو عذاب دیتا ہے جو بجائے شکر کے اس کی شکایت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو مخلوق کی شکایت کو بھی پسند نہیں کرتے۔ اس لیے کہ اللہ نہیں پسند کرتا بُری بات کے افشاء اور اظہار کو یعنی اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کسی کی بُرائی کو ظاہر کیا جائے۔ مگر مظلوم کو اپنے ظلم و ستم کے اظہار اور بیان کی اجازت ہے کہ بغیر اس کے اس کو چارہ نہیں۔ لہٰذا اگر مظلوم اپنے ظالم کی شکایت کرے تو وہ گناہ نہیں۔ جاننا چاہیے کہ جہر سے آواز بلند کرنا مراد نہیں بلکہ مطلق اظہار مراد ہے اگرچہ آواز بلند نہ ہو اور ہے اللہ سننے والا جاننے والا وہ مظلوم کی دُعا کو سنتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ ظالم نے کتنا ظلم کیا ہے اور وہ کتنی سزا کا مستحق ہے اگرچہ مظلوم اپنی زبان سے کچھ نہ کہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ مظلوم کی شکایت ظالم کے ظلم کی مقدار کے مطابق ہے یا اس سے زیادہ ہے۔ پھر آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگرچہ مظلوم کو شکایت کی اجازت ہے مگر برائی کرنے والے کے ساتھ احسان یا عفو کا معاملہ خدا کے یہاں اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے اگر تم برائی کرنے والے کے ساتھ کوئی بھلائی کرو خواہ اس بھلائی کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو یہ بہت بلند مقام ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۴) یا بُرائی سے درگذر کرو یعنی معاف کر دو تو یہ اہل ہمت کا مقام ہے اور تخلق باخلاق الٰہیہ ہے اس لیے کہ بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔ قدرت کے بعد عفو اللہ کی خاص صفت ہے تمہیں چاہیے کہ اللہ کی اس صفت اور عادت کا اتباع کرو۔

ع در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

اور ایک اثر میں ہے کہ حاملان عرش اللہ کی تسبیح کرتے ہیں بعض ان میں سے یہ کہتے ہیں: سبحانك علی حلمك بعد علمك اور بعض یہ کہتے ہیں: سبحانك علی عفوك بعد قدرتك۔

فائدہ: حق تعالیٰ نے اس آیت میں تین مرتبے بیان فرمائے۔ **اوّل:** یہ کہ انتقام جائز ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿ وَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ○ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ○ ﴾ یہ ضعفاء کی شان ہے۔ **دوم:** عفو یعنی معاف کر دینا یہ اہل ہمت کی شان ہے۔ **سوم:** بُرائی کرنے والے کے ساتھ سلوک اور احسان یہ اہل عزم اور کاملین کا مقام ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ
جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں
اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ یُرِیْدُوْنَ
اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں

اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۵۰ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ
کہ نکالیں بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور
اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۵۱ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ
ہم نے تیار رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر
وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ
اور جدا نہ کیا کسی کو ان میں ان کو دے گا ان کے ثواب
وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۵۲ ع
اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

ع ۲۱ / ۱۱

اہل کتاب کی اعتقادی وعملی قباحتوں وشرارتوں کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ . . . الى . . . وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۵۲﴾

ربط: منافقین کے بعد اب اہل کتاب کی قباحتوں اور شرارتوں کا ذکر فرماتے ہیں کیونکہ منافقین زیادہ تر یہود میں سے تھے یا یہودیوں سے ربط وضبط رکھتے تھے۔ اس لیے قرآن کریم میں اکثر منافقین اور یہود کا ذکر اکٹھا ہی فرماتے ہیں دُور تک اہل کتاب کی قباحتوں اور شناعتوں اور ان کی جہالتوں اور شرارتوں کا ذکر چلا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے سب سے پہلے ان کی ایک عظیم قباحت کو بیان فرمایا وہ یہ کہ یہ لوگ تفریق فی الایمان کے قائل ہیں۔

تفریق فی الایمان

اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہود کے عقائد کفریہ ہیں ان کا سب سے بڑا کفر تفریق فی الایمان ہے یعنی خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں تفریق کرتے ہیں اور تفریق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو مانتے اور رسول کو نہ مانتے جیسے یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کو مانتے ہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔ نصاریٰ تمام انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور اشرف الرسل کے منکر ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: کہ کیا یہ لوگ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دوسرا طریقہ نکالنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دوسری چیز نہیں نکل سکتی۔ مقصود یہ ہے کہ اگر مؤمن بننا چاہتے ہیں تو سب نبیوں پر ایمان لائیں جس نے ایک نبی کا انکار کیا اس نے

سارے نبیوں کا انکار کیا کیونکہ ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کا انکار ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کا ارادہ رکھتے ہوں تو خوب سمجھ لیں کہ وہ اللہ کے نزدیک پکے کافر ہیں جن کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ منکر ہیں اللہ کے یعنی اللہ ہی کو نہیں مانتے اور منکر ہیں اس کے پیغمبروں سے اور یہ چاہتے ہیں کہ تفریق کریں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان میں ایک راہ نکالیں ایسے ہی لوگ بلا شبہ پکے کافر ہیں اور منکروں کے لیے ہم نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب پیغمبروں پر اور انہوں نے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں کوئی تفرقہ نہیں کیا ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اجر ضرور دیں گے اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا مہربان یعنی ایمان کی برکت سے ان کے اعمال کا اجر دے گا اور گناہوں کو معاف کرے گا۔

نکتہ: یہ آیت پہلی آیت یعنی ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ کے مقابل ہے مگر اس آیت میں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ نہیں فرمایا صرف اجر اور ثواب کا ذکر فرمایا وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں فقط ایمان کا ذکر ہے اور اعمال صالحہ کا ذکر نہیں اور بغیر اعمال صالحہ کے مومن کامل نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ (الانفال)

پس معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں یہ صفات فاضلہ پائی جائیں وہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ کے مصداق ہو سکتے ہیں۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ

تجھ سے مانگتے ہیں کتاب والے کہ ان پر اتار لاوے کتاب آسمان سے سو

سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ

مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بڑی چیز بولے ہم کو دکھاوے اللہ کو سامنے پھر ان کو پکڑا

الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

بجلی نے ان کے گناہ پر پھر بنا لیا بچھڑا نشانیاں پہنچے پیچھے

الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۱۵۳ وَ

پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا اور دیا موسیٰ کو غلبہ صریح اور

رَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَ قُلۡنَا لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا

ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ ان کے قول لینے میں اور ہم نے کہا داخل ہوؤ دروازے میں سجدہ کر کر

وَّ قُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِي السَّبۡتِ وَ اَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۱۵۴﴾

اور ہم نے کہا ان سے زیادتی مت کرو ہفتہ کے دن اور ان سے لیا قول گاڑھا

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ وَ كُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ

سو ان کے قول توڑنے پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر پیغمبروں کا

بِغَيۡرِ حَقٍّ وَّ قَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ

ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے کوئی نہیں پر اللہ نے مہر کی ہے ان پر مارے کفر کے

فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۵۵﴾ صۖ وَّ بِكُفۡرِهِمۡ وَ قَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا

سو یقین نہیں لاتے مگر کم اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان بولنے پر

عَظِيۡمًا ﴿۱۵۶﴾ لا وَّ قَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ

اور اس کہنے پر کہ ہم نے مارا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا

اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوۡهُ وَ مَا صَلَبُوۡهُ وَ لٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيۡنَ

اللہ کا اور نہ اس کو مارا ہے اور نہ اس کو سولی پر چڑھایا ہے لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ

اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِيۡ شَكٍّ مِّنۡهُ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ

اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ شبہ میں پڑے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر مگر

الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ﴿۱۵۷﴾ لا بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

اٹکل پر چلنا اور اس کو مارا نہیں بے شک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ

عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۱۵۸﴾

زبردست حکمت والا۔

بیان دیگر ذمائم اہلِ کتاب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ . . . الی . . . وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴾

ربط: گذشتہ آیت میں اہل کتاب کی عظیم شناعت یعنی تفریق فی الایمان کو بیان کیا اب یہاں سے اہل کتاب کی دوسری قباحتوں اور شناعتوں کو اور ان پر جو عقوبتیں اور مصیبتیں نازل ہوئیں ان کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ) اہل کتاب یعنی یہود آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر ایک کتاب آسمان سے اتار لادیں جس کو آسمان سے اترتے ہوئے ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جیسا کہ کعب بن اشرف اور فنحاص بن عازوراء وغیرہ علماء یہود نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو ایک ہی دفعہ ایک لکھی ہوئی پوری کتاب آسمان سے ہم پر اُتارو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر جب بیعت کریں گے کہ جب فلاں اور فلاں شخص کے نام اللہ کی طرف سے یہ تحریر آجائے کہ آپ اللہ کے رسول اور نبی آخر الزمان ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے حالانکہ یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے دلائل نبوت اور اعجاز قرآنی کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ ان کی یہ درخواست تحقیق حق کے لیے نہیں محض ضد اور عناد پر مبنی ہے بالفرض اگر ان کی یہ درخواست پوری کر دی جائے تو کل کو اور اسی قسم کی درخواست کریں گے اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ اے ہمارے نبی پس آپ ان کے اس قسم کے معاندانہ اور متکبرانہ سوالات سے تعجب نہ کیجئے اس لیے کہ تحقیق ان کے اسلاف موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑھ کر درخواست کر چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھلا دو یعنی ضد اور عناد اور کٹ حجتی ان کی قدیمی اور موروثی عادت ہے ان کے آباء واجداد موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بڑھ کر درخواست کر چکے ہیں کیونکہ کتاب الٰہی کا دنیا میں آسمان سے نازل ہونا فی حد ذاتہٖ ممکن ہے مگر دنیا میں بلا کسی حجاب اور پردہ کے علانیہ اور آشکارا طور پر دیدار خداوندی ناممکن اور محال ہے۔ پس اس گستاخی کی وجہ سے بجلی نے ان کو آ پکڑا اور آناً فاناً سب کو ہلاک کر ڈالا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کیا۔ مقصود اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ ﷺ ان کے سوال کی پرواہ نہ کیجیے ضد اور عناد ان کی سرشت میں رکھا ہوا ہے کسی طور پر بھی حق کی طرف آنا نہیں چاہتے اگر ہم آج ان کی یہ درخواست پوری بھی کر دیں تو اور کوئی حیلہ نکال کھڑا کریں گے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں ہمیشہ شبہے نکالتے رہے اور اس سے ان کے شبہ مذکورہ کا جواب اس طرح ہوا کہ یہ سب تمہارے حیلے بہانے ہیں اگر ایک مرتبہ کتاب کا مل جانا سچ ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام سے جن کو ایک ہی مرتبہ توریت مل گئی تھی یہ سوال کیوں کیا تھا کہ ہم کو اللہ پاک کا دیدار کرادو تب یقین کریں گے۔ ان کو تو کتاب ایک ہی دفعہ ملی تھی یقین کے واسطے کیوں کافی نہ ہوئی پھر اس گستاخانہ درخواست سے بڑھ کر ایک اور حرکت کر چکے ہیں وہ یہ کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا بعد اس کے کہ ان کے پاس حق تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے واضح اور قطعی دلائل آچکے تھے پر جب انہوں نے توبہ کی تو ہم نے ان کا قصور معاف کر دیا اور عبادت عجل یعنی گوسالہ پرستی کو دیدارِ خداوندی کی درخواست سے بڑھ کر اس لیے فرمایا کہ رؤیت خداوندی تو فقط دنیا ہی میں محال ہے اور آخرت میں ممکن ہے مگر غیر اللہ کا معبود ہونا تو ہر زمان اور ہر مکان میں قطعاً ناممکن اور محال ہے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے معجزات اور دلائل واضحات کے دیکھنے کے بعد بھی ایک احمق حیوان یعنی بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا ان سے ہدایت اور ایمان کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جب کسی کو احمق اور کودن بتلانا ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو حیوان اور یہ تو بیل ہے بیل اور بچھڑا احماقت میں ضرب المثل ہے

پس جس قوم نے ایک احمق حیوان کو اپنا معبود بنایا حماقت کا اندازہ لگالو کہ احمق معبود کے بندے کیسے ہونگے باقی مفصل قصہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے اور فعفونا عن ذلك سے مقصود یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اب بھی اپنے ناشائستہ سوال اور شرارتوں سے توبہ کر لیں تو ہم ان کا بھی قصور معاف کر دیں گے اور دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات قاہرہ عطا کیے جن کو دیکھ کر فرعون جیسا متکبر بھی ڈر گیا گویا کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت ہے کہ آپ ان لوگوں کی سرکشی سے شکستہ دل نہ ہوں موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ان سرکشوں پر غلبہ عنایت کرے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہلاک ہوں گے۔ اور جب یہود نے احکام توارت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو ہم نے ان کے سروں پر کوہ طور کو اٹھا کر معلق کھڑا کر دیا ان سے پختہ عہد اور میثاق لینے کے لیے جب بنی اسرائیل نے توریت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کے احکام سخت ہیں ہم سے ان تمام احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو خدا تعالیٰ نے کوہ طور کو اکھاڑ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ قبول کرتے ہو تو کرو ورنہ ابھی تم پر پہاڑ گرا دیا جائے گا اور سب کچلے جاؤ گے تب مجبور ہو کر اس کو قبول کیا اور کہا کہ بہت اچھا آپ کا حکم ہم کو منظور ہے ہماری توبہ ہم کبھی خدا کے حکم کے خلاف نہیں کریں گے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ... الآیۃ﴾ (الاعراف: ۱۷۱) مفصل قصہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے اور ہم نے ان کے غرور اور سرکشی کو توڑنے کے لیے یہ حکم دیا کہ شہر ایلیاء کے دروازہ میں خشوع اور خضوع اور نیازمندی کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہونا مگر ان سرکشوں نے اس حکم کو بھی نہ مانا اور بجائے سر جھکانے کے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون مسلّط کیا جس میں قریب ستر ہزار کے قریب مر گئے اور ہم نے ان کو یہ حکم بھی دیا کہ ہفتہ کے دن میں تعدی اور زیادتی نہ کرنا۔ یعنی ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار نہ کرنا کہ وہ تم پر حرام ہے اور خدا کے اس حکم سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لے لیا مگر ان بدعہدوں نے حیلہ اور بہانہ سے اللہ کے صریح حکم اور پختہ عہد کو توڑا جس کا مفصل قصہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے۔ ﴿وَ سْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ﴾ (الاعراف: ۱۶۳) یہاں تک قدرے یہود کی شرارتوں اور سرکشیوں کو بیان کیا اب آگے یہود کا مورد غضب اور محل لعنت اور مستحق ذلت و مسکنت ہونا بیان کرتے ہیں۔ پس [1] ہم نے ان باتوں کی وجہ سے جن کو ہم ذکر کرتے ہیں یہود پر لعنت کی اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ان کے اپنے پختہ عہد و پیمان کے توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور اللہ کی آیتوں کے نہ ماننے کی وجہ سے بھی اور خدا کے پیغمبروں کو دیدہ و دانستہ ناحق اور بے وجہ محض عناد اور سرکشی کی بناء پر قتل کرنے کی وجہ سے اور اس قسم کے متکبرانہ اور مغرورانہ کلمات کی وجہ سے مثلاً اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف اور پردوں میں ہیں یعنی جس طرح باہر کی چیز کا اثر پردہ کے اندر نہیں پہونچتا اسی طرح (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی باتوں کا اثر ہمارے دلوں تک نہیں پہنچتا ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بات کہتے ہیں وہ ہمارے دل کو نہیں لگتی۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۵) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے دل علم و حکمت کے غلاف و مخزن ہیں یعنی ان میں شریعت موسویہ کا علم بھرا ہوا ہے ہمیں کسی دوسری شریعت کے علم کی ضرورت نہیں۔

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ کی باء جارہ ﴿لَعَنّٰا﴾ فعل محذوف کے متعلق ہے۔ کما قال القرطبی والباء متعلقة بمحذوف والتقدیر بنقضهم ميثاقهم لعنّاهم وحذف هذا لعلم السامع۔ (تفسیر قرطبی ص ۷ ج ۶)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب غلط ہے کوئی بات نہیں نہ دل ان کے پردہ میں ہیں اور نہ ان کے دل علم کا مخزن ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے کہ باہر سے کوئی ہدایت اور نصیحت اندر نہیں پہنچتی اور دلوں کے اندر جو کفر اور گمراہی سربمہر ہوچکی ہے وہ اندر سے باہر نہیں نکلتی ان کے دل علم کا مخزن نہیں بلکہ کفر اور گمراہی کا مخزن ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتی مگر بہت تھوڑا یعنی صرف موسیٰ علیہ السلام اور ان کی توریت پر ایمان رکھتے ہیں جو کفر کے مساوی ہے۔ اس لیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننا تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے مرادف ہے اور نیز ان کے کفر [1] پر کفر کرنے کی وجہ سے اور نیز حضرت مریم علیہا السلام پر ایک ایسا عظیم بہتان لگانے کی وجہ سے جس کو آدمی سن کر مبہوت ہوجائے اور تعجب اور حیرت میں پڑ جائے ان پر لعنت کی۔ یعنی لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر زنا کی تہمت لگائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہانت اور تکذیب کو مستلزم ہے اہانت کو تو اس لیے کہ کسی کی ماں کو زانیہ اور بدکار کہنے کے یہ معنی ہیں کہ معاذ اللہ یہ شخص ولد الزنا ہے جو صریح اس کی توہین ہے اور العیاذ باللہ نبی کے حق میں ایسا تصور بھی بدترین کفر ہے اور تکذیب اس طرح لازم آئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے حضرت مریم علیہا السلام کی براءت اور نزاہت ظاہر ہوچکی ہے۔ اب اس کے بعد کسی پر تہمت لگانا براءت اور نزاہت کا صاف انکار کرنا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول اور مصلوب ہونے کی تردید

اور نیز ان کے اس قول کی وجہ سے کہ جو بطور فخر کہتے تھے تحقیق ہم نے مار ڈالا مسیح کو یعنی مریم کے بیٹے عیسیٰ کو جو رسول کہلاتا تھا اللہ کا ان پر لعنت کی اوّل تو ان کا کہنا دلیل ہے عداوت کی اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عداوت بلاشبہ کفر ہے اور پھر اس کفر پر فخر کرنا کفر بالائے کفر ہے۔ پس ان تمام وجوہ مذکورہ کی بناء پر ہم نے یہود پر لعنتیں اور مصیبتیں نازل کیں اور ذلت اور مسکنت کی مہر ان پر لگائی۔

فائدہ : یہود عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ نہیں مانتے تھے مگر اس مقام پر اُن کا رسول اللہ کہنا بطور تمسخر تھا جیسے فرعون نے کہا تھا ﴿اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝۲۷﴾ (الشعرآء) اور جیسے کفار مکہ آنحضرت ﷺ کو بطور تمسخر اس طرح خطاب کیا کرتے تھے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶﴾ (الحجر) اس طرح یہود نہایت فخر سے طنزاً کہا کرتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو جو خدا کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے قتل کر ڈالا اب آئندہ آیت میں اُن کے دعوائے قتل و صلب کی تکذیب فرماتے ہیں اور یہود بے بہبود کا یہ دعویٰ اور ان کا یہ قول کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو قتل کر ڈالا بالکل غلط ہے اس لیے کہ یہود نے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کے لیے ایک دوسرا شخص [2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا گیا اور اسی ہم شکل کو انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سمجھ

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَ بِكُفْرِهِمْ﴾ کا عطف ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ﴾ پر ہے اور ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ میں کفر کا تکرار تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ ﴿وَ كُفْرِهِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ میں ایک مرتبہ ان کے کفر کا ذکر ہوچکا ہے اب دوبارہ ﴿وَ بِكُفْرِهِمْ﴾ فرمانا تاکید کے لیے ہے۔ جیسا امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
ثم کرر وبکفرهم لیخبرانهم کفروا کفرا بعد کفر. وقیل المعنی وبکفرهم بالمسیح فحذف لدلالة ما بعده علیه۔ (تفسیر قرطبی ص ۸ ج ۶)

[2] اشارہ اس طرف ہے کہ شُبِّہَ کا نائب فاعل ضمیر مستتر ہے کہ جو شخص مقتول و مصلوب کی طرف راجع ہے اس لیے کہ یہ الفاظ یعنی ﴿وَ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا ... وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ﴾ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کسی شخص کو قتل کرنا اور صلیب پر چڑھانا چاہتے ہیں اس لیے شُبِّہ کی اسناد شخص مقتول و مصلوب کی طرف نہایت درست ہوئی۔ چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے (حاشیہ جمل علی الجلالین ص ۵۳۳ ج ۱) اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ =

کرسولی پر چڑھا دیا۔ مطلب یہ ہے کہ بظاہر جو قتل اور صلب پیش آیا ہے اس کا عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق ایک دوسرے شخص سے ہے جو من جانب اللہ اُن کے ہم شکل بنا دیا گیا تھا اور تحقیق جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اختلاف کیا۔ البتہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ کی طرف سے شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں ان لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصل حال کا کوئی علم نہیں صرف اٹکل کی پیروی کر رہے ہیں خود اُن کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کیے جانے اور سولی پر چڑھائے جانے کا یقین نہیں۔ اس لیے کہ علماء یہود و نصاریٰ کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت حواری تو سب بھاگ گئے تھے اور یہودی جو گرفتار کرنے کے لیے گئے تھے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پہچانتے نہ تھے پس مسیح علیہ السلام کی صحیح خبر نہ ان کو اور نہ ان کو سب شک میں ہیں یقین کسی کو بھی نہیں بلکہ جس وقت انہوں نے اپنی دانست میں عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اسی وقت سے شک میں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عروج آسمانی و رفع جسمانی

اور خوب سمجھ لو کہ یقیناً انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ البتہ اور یقینی اور قطعی بات یہ ہے کہ جس وقت وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور صلب کا ارادہ ہی کر رہے تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ صحیح سالم بذریعہ فرشتہ اپنی طرف اٹھا لیا یعنی آسمان پر اٹھا لیا تاکہ ان کے قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہو جائے یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے تھے اللہ تعالیٰ نے قتل کے مقابلہ میں رفع کو ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ قتل و صلب واقع نہیں ہوا بلکہ قتل اور صلب کے بدلہ میں رفع الی السماء واقع ہوا یہود کا دعوائے قتل یعنی ﴿اِنَّا قَتَلْنَا﴾ کہنے سے حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کو ثابت کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ سے اس کے بالمقابل ان کی حیات کو ثابت کیا۔ پس معلوم ہوا کہ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ میں رفع جسمانی مراد ہے۔ اس لیے کہ یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے جسم کے قتل اور صلب کے مدعی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید اور ابطال کے لیے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ فرمایا یعنی تم غلط کہتے ہو کہ تم نے ان کو قتل کر دیا یا صلیب پر چڑھایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو صحیح سالم آسمان پر اٹھا لیا۔ گذشتہ آیت میں جس چیز کے قتل اور صلب کی نفی کی گئی تھی اس آیت یعنی ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ میں اسی چیز کا رفع الی السماء یعنی اُوپر اٹھایا جانا بیان فرمایا مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ لطائف و معارف کے ذیل میں آئے گی۔

نکتہ اوّل: حق جل شانہ نے اس آیت میں یہود کے ملعون ہونے کے اسباب بیان کیے ہیں جن میں ایک سبب یہ ذکر فرمایا ﴿وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ یعنی انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کی وجہ سے ملعون اور مغضوب ہوئے اور ایک سبب یہ بیان فرمایا ﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ یعنی یہود کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں صرف یہ کہنا کہ ہم نے اُن کو قتل کر ڈالا ان کی لعنت کا سبب بن گیا معلوم ہوا کہ ان سے سوائے اس قول کے کوئی ناشائستہ فعل سرزد نہیں ہوا ورنہ اگر ان سے کوئی اور فعل سرزد ہوا ہوتا مثلاً پکڑنا یا سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا اور منہ پر تھوکنا اور منہ پر طمانچے مارنا تو اسباب لعنت میں ان ناشائستہ امور کو ضرور ذکر کیا جاتا اور

= فرماتے ہیں قولہ تعالیٰ ﴿شُبِّهَ لَهُمْ﴾ اے القی شبھہ علی غیرہ کما تقدم فی آل عمران۔ (تفسیر قرطبی ص۹ ج۶)

اور مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ لطائف و معارف کے ذیل میں آئے گی ۱۲۔

صرف اس زبانی قول کے ذکر پر اکتفاء نہ کیا جاتا ایسے موقع میں صرف دعوائے قتل کو تو نقل کرنا اور جو جرائم وذمائم اس سے ہزار درجہ بڑھ کر ہوں اُن سے سکوت کرنا سمجھ میں نہیں آتا یہود چونکہ قتل انبیاء علیہم السلام کے دعوے میں صادق تھے اس لیے حق تعالیٰ نے اس بارہ میں اُن کی کوئی تردید نہیں کی اور نہ اس معاملہ میں کسی شک اور اشتباہ کا ذکر فرمایا صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اُن کے دعوائے قتل کو ﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ﴾ کے عنوان سے ذکر کیا اور پھر شد ومد سے اُن کے قول کی تردید کی اور ان کے لیے شک اور اشتباہ کو بیان کیا۔

نکتہ دوم: نیز اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے دعوائے قتل کو ذکر کر کے ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ فرمایا اور گذشتہ آیت میں انبیاء سابقین علیہم السلام کے قتل کو بیان کر کے ﴿بَلْ رَّفَعَهُمُ اللّٰهُ إِلَيْهِ﴾ نہیں فرمایا حالانکہ قتل کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ بلا شبہ آسمان پر اٹھائی گئیں معلوم ہوا کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے۔

نکتہ سوم: ابتداء میں قتل اور صلب کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا اور فرداً فرداً ہر ایک کی نفی کی مگر چونکہ یہود کا اصل مقصود قتل تھا۔ اس لیے اخیر کلام میں فقط قتل کی نفی کا اعادہ فرما کر رفع الی السماء کو ثابت کیا اور اس طرح فرمایا: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ﴾ (عقیدۃ الاسلام ص ۱۸۶ وص ۱۷۱)

اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کو مستبعد نہ سمجھو اس لیے کہ ہے اللہ غالب اور حکمت والا اس کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین سب برابر ہیں اور اس کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں اس نے اپنی کسی حکمت کی بناء پر کسی شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمشکل بنا کر ان کی جگہ قتل کرا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور آسمان میں ان کو دشمنوں سے محفوظ کر دیا۔ رہا یہ امر کہ کیا خدا زمین پر حفاظت نہیں کر سکتا حفاظت کے لیے رفع الی السماء کا طریقہ کیوں اختیار کیا؟ اس میں کیا حکمت ہے؟ سو اس کا علم سوائے خداوند علیم وحکیم کے کسی کو نہیں۔ یہ سوال تو ہر طریقہ حفاظت میں جاری ہو سکتا ہے کیا کوئی یہ بتلا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ اور ابراہیم علیہ السلام کو عراق سے شام لے جانے کی کیا ضرورت تھی کیا اللہ اس پر قادر نہ تھا کہ ان کو اپنے وطن عزیز ہی میں رہنے دیتا اور وہیں اُن کی حفاظت فرماتا اس طرح کے ہزاروں سوال ہو سکتے ہیں جس کا جواب حافظ شیرازی نے دیا ہے ؎

حدیث از مطرب ومی گو و راز دہر کمتر جو — کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بحکمت ایں معمارا

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ
اور جو فرقہ ہے کتاب والوں میں سو اس پر یقین لاویں گے اس کی موت سے پہلے اور قیامت
الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ ﴿۱۵۹﴾
کے دن ہو گا ان کا بتانے والا

نزول عیسیٰ علیہ السلام یعنی ان کے نزول جسمانی اور آمد ثانی کی خبر بہجت اثر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾﴾

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے یہود کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ جس ذلت وخواری کا ارادہ رکھتے تھے اس میں وہ سراسر ناکام رہے بجائے ذلت وخواری کے اللہ تعالیٰ نے اُن کو بے مثال عزت ورفعت عطا فرمائی کہ ان کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھالیا اب آیندہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک اور بڑی عزت کی خبر دیتے ہیں جو ان کو قیامت کے قریب حاصل ہوگی۔ یعنی ان کے نزول جسمانی اور آمد ثانی کی خبر دیتے ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب خاص شان کے ساتھ آسمان سے نازل ہوں گے اور اس وقت اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے ❁ سے پہلے ایمان نہ لے آئے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی آسمان میں زندہ موجود ہیں اور قیامت کے قریب جب یہود میں مسیح دجال ظاہر ہوگا۔ اس وقت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان سے اُتریں گے اور اترنے کے بعد مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ اس وقت یہود ونصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت پر ایمان لے آئیں گے اور سب پر صحیح حقیقت واضح ہوجائے گی کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا اور خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق ہیں اور زندہ ہیں مرے نہیں اور یہود جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے ان کو مارڈالا وہ بالکل غلط تھا وہ تو خدا کے پاس زندہ تھے۔ یہ دیکھ کر یہود تو اپنی دشمنی اور عداوت سے تائب ہوجائیں گے اور نصاریٰ عقیدۂ ابنیت سے تائب ہوجائیں گے اور سب اہل کتاب اس بات پر ایمان لے آئیں گے کہ قرآن اور حدیث نے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کی اور قیامت کے قریب آسمان سے زندہ نازل ہونے کی خبر دی تھی وہ بالکل حق اور صدق تھی۔

فائدہ: اس آیت میں قبل موتہٖ کا لفظ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں جیسا کہ حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے:

((قال رسول اللہ ﷺ ان عیسٰی لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة)).

(تفسیر ابن کثیر و تفسیر در منثور ص ۳۶ ج ۲)

”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک مرے نہیں اور وہ قیامت کے قریب تمہاری طرف واپس آنے والے ہیں۔“

نازل ہونے کے بعد جب سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے تب اس کے بعد ان کی وفات ہوگی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت یعنی ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ... الخ﴾ باعتبار مضمون کے دوسری آیت ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ (الزخرف:۶۱) کے مشابہ ہے۔ یعنی جس طرح ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی علامت بتلایا ہے اسی طرح ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ... الخ﴾ (الزخرف:۶۱) میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۵۸۳ ج ۱)

اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے یعنی قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود ونصاریٰ دونوں کے برخلاف

❁ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ﴾ اور ﴿وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ اور ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ اور ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ میں تمام ضمائر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی طرف راجع ہیں اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی باسناد صحیح یہی منقول ہے کہ بِهٖ اور قَبْلَ مَوْتِهٖ کی دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور اسی کو امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری ص ۳۵۷ ج ۶)

گواہی دیں گے یہود کی نسبت یہ کہیں گے کہ انہوں نے میری تکذیب کی اور نصاریٰ کی نسبت یہ کہیں گے کہ انہوں نے میرے حکم کے خلاف مجھے خدا اور خدا کا بیٹا بنایا اور شرک میں مبتلا ہوئے حالانکہ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں صرف خدا کی عبادت کرو اور بحق رسالت میری اطاعت کرو یہی سیدھا راستہ ہے مگر انہوں نے میری نصیحت نہیں سنی اے خداوند عالم میں ان سے بری ہوں ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (المائدہ)

اقوالِ مفسرین:

اس آیت یعنی ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ ... الخ ﴾ کی تفسیر میں صحابہ وتابعین وعلماء مفسرین کے دو قول ہیں۔

① ایک قول:

تو یہ ہے کہ ﴿لَيُؤْمِنَنَّ﴾ کی ضمیر تو کتابی کی طرف راجع ہے اور بِہٖ اور قَبْلَ مَوْتِهٖ کی دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ زمانہ آئندہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اس وقت اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہ رہے گا کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے سے پہلے ایمان نہ لے آئے۔ پس اس آیت میں اہل کتاب سے اس زمانہ کے اہل کتاب مراد ہوں گے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول من السماء کے وقت موجود ہوں گے۔

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی باسناد صحیح یہی منقول ہے کہ بِہٖ اور قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔ چنانچہ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وبهذا جزم ابن عباس رضی الله عنهما فيما رواه ابن جرير من طريق سعيد بن جرير عنه باسناد صحيح ومن طريق ابی رجاء عن الحسن قال قبل موت عيسى والله انه الأن لحیّ ولكن اذا نزل اٰمنوا به اجمعون ونقله اكثر اهل العلم ورجحه ابن جرير وغيره. (فتح الباری ص ۳۵۷ ج ۶)

”اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی کا جزم اور یقین کیا ہے جیسا کہ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے باسناد صحیح اس کو روایت کیا ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے قبل موت عیسیٰ مراد ہے حسن بصری فرماتے ہیں خدا کی قسم عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں جب آسمان سے نازل ہوں گے۔ اس وقت سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے اور یہی تفسیر اکثر اہل علم سے منقول ہے اور اس کو امام ابن جریر وغیرہ نے راجح قرار دیا ہے۔“

امام ابن جریر ص ۱۴ ج ۶ میں فرماتے ہیں کہ قتادہ اور ابو مالک سے بھی یہی منقول ہے کہ قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بِہٖ اور قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔

((عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بيده ليوشكن ان ينزل فيكم ابن مريم حكما عدلا فيكسر الصليب و يقتل الخنزير ويضع الحرب ويفيض المال حتى لا يقبله احد حتى تكون السجدة الواحدة خير اله من الدنيا وما فيها ثُمَّ يقول ابوهريرة واقرؤا ان شئتم وان من اهل الكتاب الاليومنن به قبل موتِهٖ ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا)).

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک عنقریب تم میں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے درآنحالیکہ وہ فیصلہ کرنے والے اور انصاف کرنے والے ہوں گے صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور لڑائی کو ختم کردیں گے اور مال کو پانی کی طرح بہادیں گے یہاں تک کہ کوئی مال کا قبول کرنے والا نہ ملے گا اور اس وقت ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ پھر اس حدیث کو بیان کرکے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے کہ اگر قرآن سے اس حدیث کے مضمون کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو ﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ... الخ﴾

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

((وھذا مصیر من ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی ان الضمیر فی قولہ بہ و موتہ یعود علے عیسٰی علیہ السلام ای الالیؤمنن بعیسٰی قبل موت عیسٰی)). (فتح الباری ص ۳۵۷ ج ٦)

"روایت حدیث کے بعد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اس آیت کو حدیث کی تصدیق کے لیے پڑھنا اس امر کی دلیل ہے کہ آیت میں بِهٖ اور مَوْتِهٖ کی دونوں ضمیریں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں یعنی ہر شخص زمانہ آئندہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ضرور ایمان لے آئے گا۔"

② قول ثانی:

آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ بِهٖ کی ضمیر تو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے لیکن قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہے اور ابی بن کعب کی قراءت ﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ﴾ اس معنی کی مؤید ہے اس لیے کہ اس قراءت میں بجائے قَبْلَ مَوْتِهٖ کے قَبْلَ مَوْتِهِمْ بصیغہ جمع آیا ہے جو صراحتاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قَبْلَ مَوْتِهِمْ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع ہونی چاہیے تاکہ دونوں قراءتیں متفق ہوجائیں۔ حافظ عسقلانی فتح الباری ❋ میں فرماتے ہیں: کہ علماء کی ایک جماعت نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت کی بناء پر اس دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کہ موتہ کی ضمیر کتابی کی طرف راجع کی جائے۔ انتہی

اس قول کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور ان کی عبدیت پر ایمان نہ لے آتا ہو یعنی جب وہ قریب المرگ ہوتا ہے اور علامات موت اس پر ظاہر ہوتی ہیں تو اس وقت اس پر حقیقت حال منکشف ہوجاتی ہے اور اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان لے آتا ہے کہ بے شک وہ خدا کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے معاذ اللہ نہ وہ مفتری اور کذاب تھے اور نہ خدا اور خدا کا بیٹا تھے مگر اس وقت کا ایمان بے سود اور بے فائدہ ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ یہودی کے پاس جب ملائکۃ الموت آتے ہیں تو اس کے منہ اور سرین پر دُرّے مارتے ہیں کہ اے عدو اللہ تیرے پاس عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ آئے اور تو نے ان کی تکذیب کی اور ان کے قتل کے درپے ہوا اس وقت یہودی ایمان لے آتا ہے کہ بے شک عیسیٰ بن مریم علیہما السلام خدا کے رسول برحق تھے اور نصرانی کو ملائکۃ الموت یہ کہتے ہیں کہ اے عدو اللہ تیرے پاس اللہ کے بندے اور رسول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آئے تو تُو نے

❋ اصل عبارت اس طرح ہے: و رجح جماعۃ ھذا المذھب بقراءۃ ابی بن کعب الالیؤمنن بہ بالضم قبل موتھم... الخ
(فتح الباری ص ۳۵۷ ج ٦)

اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا۔ اس وقت وہ ایمان لے آتا ہے کہ بے شک عیسیٰ بن مریم علیہما السلام خدا کے بندہ اور رسول برحق تھے خدا نہ تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہودی یا نصرانی اپنی حیات سے بالکل نا اُمید ہو جاتا ہے اور اس کی جان نکلنے لگتی ہے تو وہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عبداللہ اور رسول ہونے پر ایمان لے آتا ہے خواہ آگ میں جل کر مرے یا پہاڑ سے گر کر یا اور کسی طرح سے غرض جان کندنی کے وقت ہر ایک کتابی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے اور مقصود اس خبر دینے سے یہود و نصاریٰ کو شرم دلانا ہے کہ اے یہود و نصاریٰ جب تم مرو گے تو مرتے وقت چار و نا چار حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قرآن کی تعلیم کے مطابق ایمان لانا ہی پڑے گا تو بہتر یہی ہے کہ پہلے ہی ایمان لے آؤ تا کہ تمہیں اس ایمان سے فائدہ پہنچ جائے ورنہ مرتے وقت کا ایمان بے کار ہے۔

اس قول کی بناء پر آیت میں اہل کتاب سے ہر زمانہ کے تمام اہل کتاب مراد ہوں گے بخلاف پہلے قول کے کہ اس کے مطابق آیت میں اہل کتاب سے وہی اہل کتاب مراد ہوں گے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانہ میں موجود ہوں گے۔

ترجیح ارجح وتصحیح اَصح:

جمہور سلف اور خلف کے نزدیک آیت کی تفسیر میں پہلا ہی قول ارجح اور اصح ہے اور احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں وہ اسی کی مؤید ہیں اور اسی قول کو امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما نے راجح اور مختار قرار دیا ہے۔ اور دوسرا قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا دار و مدار ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت شاذّہ پر ہے جو کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں بلکہ اس کی سند کے راوی ضعیف اور مجروح ہیں۔ واللہ اعلم

تطبیق وتوفیق:

جاننا چاہیے کہ دو قراءتیں دو مستقل آیتوں کا حکم رکھتی ہیں ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی قرآت سے ہر کتابی کا اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت اور رسالت پر ایمان لانا معلوم ہوتا ہے اور قراءت متواترہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ آئندہ میں تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ضرور ایمان لے آئیں گے ان دونوں قراءتوں میں کوئی تعارض نہیں دونوں حق ہیں ہر ایک قرآت بمنزلہ مستقل آیت کے ہے قراءت متواترہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول کا ذکر ہے اور اہل کتاب کے اس ایمان کا ذکر ہے جو وہ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے صحیح ایمان لائیں گے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت شاذہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نہ حیات کا ذکر ہے اور نہ نزول کا اور موت اور وفات کا ذکر ہے صرف اہل کتاب کے اس ایمان کا ذکر ہے جو کہ اہل کتاب اپنی روح نکلتے وقت لاتے ہیں غرض یہ کہ ہر قراءت میں ایک جدا واقعہ کا ذکر ہے جیسا کہ ﴿الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ﴾ میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءت غلبت بصیغۂ ماضی معروف ہے اور ایک قراءت بصیغۂ ماضی مجہول اور ہر قراءت میں علیحدہ علیحدہ واقعہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ کتب تفسیر میں مذکور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے یہ قراءت شاذہ منقول ہے وہ سب کے سب بالاتفاق حضرت مسیح علیہ السلام کے بجسدہ العنصری زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونے کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ تفسیر درمنثور میں اُم المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور محمد ابن الحنیفہ سے مروی ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول سے پہلے مریں گے وہ لوگ اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام پر صحیح ایمان لاتے رہیں گے اور اجو اہل کتاب حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ نزول کو پائیں گے وہ تمام کے تمام حضرت

مسیح علیہ السلام پر حضرت مسیح علیہ السلام کی موت سے پہلے ضرور ایمان لے آئیں گے۔ لہٰذا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت نزول عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے مرنے والے اہل کتاب کے حق میں ہے اور قراءت متواترہ اُن اہل کتاب کے حق میں ہے جو نزول کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی موت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائیں گے دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (در منثور ✱ ص ۲۴۱ ج ۲) اور (عقیدۃ الاسلام ص ۲۰۹ طبع جدید)

پھر یہ کہ جو اہل کتاب اپنے مرنے سے پہلے ایمان لاتے ہیں وہ بھی یہی ایمان لاتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ صحیح و سالم آسمان پر اُٹھائے گئے۔ جیسا کہ روایت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

اخرج عبد بن حميد و ابن المنذر عن شهر بن حو شب فى قوله تعالىٰ وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته عن محمد بن على بن ابى طالب و هوا بن الحنفية قال ليس من اهل الكتاب احد الا اتته الملائكة يضربون وجهه ود بره ثم يقال يا عدوالله ان عيسىٰ روح الله و كلمته كذبت على الله وزعمت انه الله ان عيسى لم يمت و انه رفع الى السماء وهو نازل قبل ان تقوم الساعة فلا يبقى يهودى ولا نصرانى الا آمن به . انتهىٰ)). (تفسير در منثور ص ٢٤١ ج ٢)

"امام عبداللہ بن حمید اور امام ابن منذر نے شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ محمد بن حنفیہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے) آیت ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ... الخ﴾ کی اس طرح تفسیر فرماتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی شخص اہل کتاب میں سے مگر آتے ہیں فرشتے اس کی موت کی وقت اور خوب مارتے ہیں اُس کے چہرے پر اور سرین پر اور کہتے ہیں کہ اے اللہ کے دشمن بیشک عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کی خاص روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں تو نے اللہ پر جھوٹ بولا اور یہ گمان کیا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) خود خدا ہیں خوب سمجھ لے تحقیق بلاشبہ عیسیٰ (علیہ السلام) ابھی نہیں مرے ہیں بلکہ زندہ ہیں اور تحقیق وہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور وہ قیامت سے پہلے آسمان سے نازل ہوں گے۔ پس اس وقت کوئی یہودی اور نصرانی ایسا نہ رہے گا جو حضرت مسیح (علیہ السلام) پر ایمان نہ لے آئے۔"

امام ابن جریر اور ابن کثیر رحمہما اللہ فرماتے ہیں: کہ جب موت انسان کے سر پر آجاتی ہے تو حق اور باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے جب تک دین حق اور دین باطل کا امتیاز نہ ہو جائے اس وقت تک روح نہیں نکلتی۔ اسی طرح کتابی پر مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں اس پر حق واضح ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کے بندہ اور رسول برحق تھے معاذ اللہ خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے جیسا کہ نصاریٰ کہتے

✱ وہ روایت یہ ہے: ((اخرج ابن المنذر عن شهر بن حو شب قال قال الحجاج يا شهر آية من كتاب الله ماقرأ تها الااعترض فى نفسى منها شئ قال الله ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته وانى اوتى بالا سارى فاضرب اعناقهم ولا اسمعهم يقولون فقلت رفعت اليك على غير و جهها ان النصرانى اذا خرجت روحه ضربته الملائكة من قبله ومن دبره و قالوا ا ى خبيث ان المسيح الذى زعمت انه الله او ابن الله او ثالث ثلاثة عبد الله وروحه فيومن حين الاينفعه ايمانه وان اليهودى اذا خرجت نفسه ضربته الملائكة من قبله ودبره و قالوا اى خبيث ان المسيح الذى زعمت انك قتلته عبد الله وروحه فيومن به حين لا ينفعه الايمان فاذا كان عند نزول عيسىٰ آمنت به احياؤهم كما آمنت به موتاهم فقال من اين اخذتها فقلت من محمد بن على قال لقد اخذتها من معدنها قال شهر و ايم الله ماحدثنيه الاام سلمة و لكنى احببت ان اغيظه)).(تفسير در منثور)

ہیں اور نہ وہ مقتول و مصلوب ہوئے جیسا کہ یہود کہتے ہیں بلکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ
سو یہود کے گناہ سے ہم نے حرام کیں ان پر کتنی پاک چیزیں جو ان کو حلال تھیں اور
بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا
اس سے کہ اٹکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت اور ان کے سود لینے پر اور ان کو اس سے منع ہو چکا ہے
عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ
اور لوگوں کے مال کھانے پر ناحق اور تیار کی ہے ہم نے منکروں کے واسطے
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ
دکھ کی مار لیکن جو ثابت ہیں علم پر ان میں اور ایمان والے
يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ
سو مانتے ہیں جو اترا تجھ پر اور جو اترا تجھ سے پہلے اور آفرین نماز پر قائم رہنے والوں کو اور
الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ
دینے والے زکوٰۃ کے اور یقین رکھنے والے اللہ پر اور پچھلے دن پر ایسوں کو
۲۲ ع ۱۰ ۲ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع
ہم دیں گے بڑا ثواب۔

تتمہ ذمائم یہود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ ... الٰى ... سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾﴾

گذشتہ آیت میں یہود کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کو بیان فرمایا اب ان آیات میں بھی ان کی اور چند نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر کرتے ہیں مثلاً سود کھانا اور رشوت لینا اور خدا کی راہ سے روکنا اور لوگوں کا مال ناحق اپنے تصرف میں لانا اور ان شرارتوں کے علاوہ اُن

بعض عقوبتوں اور سزاؤں کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ جو دنیا میں ان پر نازل ہوئیں منجملہ ان سزاؤں کے ایک سزا یہ تھی کہ بہت سی حلال چیزیں ان کی نافرمانیوں کی سزا میں ان پر حرام کر دی گئیں جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت میں اس کی تفصیل ہے:

﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۱۴۶﴾ (الانعام)

یعنی ان پر ان حلال چیزوں کے حرام ہونے کی علت وہی ان کی سرکشی اور ظلم اور زیادتی اور سود خواری اور رشوت ستانی وغیرہ وغیرہ ہے رہا یہ امر کہ یہ چیزیں کس زمانہ میں اور کس نبی کے عہد میں یہود پر حرام کی گئیں سو کتب تفسیر میں اس کی تصریح نہیں غالباً یہ چیزیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مختلف زمانوں میں حرام ہوئیں جیسے جیسے یہود کی شرارت بڑھتی گئی حرام ہوتی گئیں۔ واللہ اعلم

پس خلاصہ کلام یہ کہ یہودیوں کے عظیم ظلم اور زیادتی کی وجہ سے جسکی کچھ تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور کچھ آئندہ آتی ہے، ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال کی گئی تھیں۔ یعنی جب یہود کے ظلم و زیادتی اور عناد اور سرکشی کی کوئی حد نہ رہی تو خدا تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ جو چیزیں پاک اور حلال تھیں وہ ان پر حرام کر دیں تاکہ رزق کا دائرہ تنگ ہو جائے اور ان کی سرکشی ٹوٹے اور بسبب ان کے روکنے کے خدا کی راہ سے بہتوں کو یعنی ہم نے ان پر پاک چیزوں کو ان کے ظلم کے سبب سے حرام کیا اور نیز اس لیے بھی حرام کیا کہ وہ بہتوں کو خدا کی راہ سے روکتے تھے اور بسبب اُن کے سود لینے کے حالانکہ اُن کو اس کی ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھا لیتے تھے ان وجوہ کی بناء پر ہم نے حلال چیزیں ان پر حرام کر دیں یہ تو دُنیا کی سزا تھی اور آخرت میں ہم نے اُن کے لیے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ پس عام حالت تو اہل کتاب کی یہی ہے جو بیان کی گئی لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ اور مضبوط ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء جن کی ان بشارتوں پر نظر ہے کہ جو انبیاء سابقین علیہم السلام نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی دی ہیں سو یہ لوگ اور دیگر مسلمان ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف اُتاری گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری گئی اور خاص کر وہ لوگ کہ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں وہ قابل صد آفرین ہیں اور وہ لوگ جو زکوٰۃ دیتے ہیں وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے اور آپ سے پہلے نبیوں پر جو اُترا ہے اور وہ لوگ کہ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر یعنی اللہ کی وحدانیت اور قیامت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور مبدأ اور معاد کو مانتے ہیں یہ بھی اس چیز پر جو آپ پر اور پچھلے پیغمبروں پر اتری ہے ایمان لاتے ہیں ایسے لوگوں کو ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے جو ان کے وہم و گمان سے کہیں بالا ہوگا۔

فائدہ ①: ﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ﴾ پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ قواعد نحویہ کے مطابق والمقیمون چاہیے تھا کیونکہ معطوف علیہ مرفوع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب چند مرفوعات کا بطور عطف ذکر ہوتا ہے اور ان میں سے ایک چیز سب سے اشرف ہوتی ہے تو اہل عرب اس کو اپنے کلام میں بطور مدح یا بطور اختصاص منصوب لاتے ہیں جو اَمْدَحُ یا اَخُصُّ مقدر کا معمول ہوتا ہے جس سے ان کا مقصد اس چیز کی شرافت اور فضیلت اور خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے اسی قاعدہ کے مطابق اس جگہ وَالْمُقِيْمِيْنَ منصوب لایا گیا اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں اوصاف مذکورہ پائے جاتے ہیں اگرچہ وہ اوصاف سب کے سب نہایت عمدہ ہیں مگر نماز ان میں سے خصوصیت سے قابل ذکر ہے اور اس وجہ سے شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے ﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ﴾ کا ترجمہ اس طرح فرمایا: اور آفرین نماز قائم رکھنے والوں

کو اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا:

"و مدح می کنم بر پادارندگان نماز را۔"

باپ اور بیٹے کے ترجموں میں اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ﴾ منصوب علی المدح والاختصاص ہے۔

فائدہ ②: ﴿وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت موسویہ میں بھی سود حرام تھا۔

لطائف ومعارف

حق جل شانہ نے ان آیات میں یہود کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا اور خاص طور پر ان کے اس قول کی تردید اور تکذیب کی کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا کہ ان کا یہ قول بالکل غلط ہے وہ نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے مثال عزت و رفعت عطا کی کہ ان کو آسمان پر اٹھالیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ﴾ اور اس کے علاوہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک دوسری پیش آنے والی عظیم الشان عزت و شوکت کی خبر دی کہ وہ قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور اس وقت ان کی شان و شوکت و جاہ و جلال کو دیکھ کر اہل کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ضرور ایمان لے آئے گا پھر قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہی دیں گے۔

اب ہم اس اجمال کے بعد مضامین مذکورہ بالا کی قدرے تفصیل اور تشریح کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کے لیے موجب ہدایت و طمانینت ہو۔

اس سلسلہ میں مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے دلائل و براہین سے اس امر کو واضح کر دیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام قطعاً مقتول اور مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے خبر دی ہے ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ اور ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ﴾ اور حق تعالیٰ نے جو خبر دی ہے وہی حق اور صدق ہے ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾

① عقیدۂ قتل وصلب کا ابطال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾

نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہوئے اور تین دن قبر میں مردہ رہ کر زندہ ہو گئے اور اٹھ کر آسمان پر چڑھ گئے۔

نصاریٰ کا یہ مسئلہ سراسر خلاف عقل ہے اس لیے کہ قتل اور صلب اور موت سب مخلوق کیلیے ہے نہ کہ خالق کے لیے اور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب بلکہ صحیح و سالم اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے اور یہود بے بہبود کی جو جماعت ان کے قتل کے ارادہ سے اُن کے مکان میں داخل ہوئی تھی انہی میں کا ایک شخص بحکم خداوندی حضرت مسیح علیہ السلام کی ہمشکل بنا دیا گیا دشمنوں نے اسی کو مسیح علیہ السلام سمجھ کر قتل کر ڈالا۔

قرآن کریم اس دعوے کی نہایت شدومد سے تردید کرتا ہے کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کو قتل کیا یا صلیب پر چڑھایا ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾

اور قرآن یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور اہل کتاب کو اصل حقیقت کا علم ہی نہیں یہ لوگ شک اور اختلاف کی وادی تیہ میں سرگرداں ہیں۔

یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جو سب سے بڑی شہادت ہے اور نصاریٰ کے متعدد فرقے بھی اسی کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ دیکھو نوید جاوید ص ۳۷۲ تا ص ۳۹۴ کلیسا نمبر (۸) اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب اس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا اپنی محرّف انجیلوں سے اور مؤرخین کے اقوال سے ثابت کرتے ہیں اور علاوہ محرف ہونے کے اناجیل کے بیانات اس درجہ مختلف اور متعارض ہیں کہ بیان سے باہر ہیں جیسا کہ نوید جاوید از ص ۳۸۵ تا ص ۳۹۲ میں ان اختلافات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

قرآن پاک یہ کہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ان کے پاس اس واقعہ قتل کا کوئی عینی شاہد موجود ہے اس لیے کہ تاریخی حیثیت سے یہ امر مسلّم ہے کہ جب یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے گئے تو وہ رات کا وقت تھا اور گرفتاری کے وقت مصلوبی سے پہلے ہی تمام حواری حضرت مسیح علیہ السلام کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ واقعہ کے وقت کوئی حواری حاضر نہ تھا تو پھر متی اور لوقا اور مرقس اور یوحنا اور پولوس کس بات کی شہادت دیتے ہیں؟ کیا کسی انگریزی عدالت میں ایسے شخص کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے جو واقعہ کے وقت موجود نہ ہو بلکہ یہ کہے کہ میں خود تو موجود نہ تھا ہاں کسی سے سنا ہے کہ فلاں آدمی کو سولی پر چڑھایا گیا اور جس سے سنا ہے اس کا نام بھی معلوم نہیں۔ اس لیے کسی انجیل میں کسی حواری نے کسی سند متصل کے ساتھ یہ روایت نہیں کیا کہ فلاں شخص نے اپنی آنکھ سے دیکھ کر یہ واقعہ بیان کیا۔

غرض [1] یہ کہ گرفتاری کے وقت حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے تمام شاگرد تن تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے جیسا کہ انجیل متی باب ۲۶ درس ۵۶ میں ہے۔

سب نے بے وفائی کی حالانکہ پہلے وفا کا بڑا دم بھرتے تھے نیز اگر نامردی اور بے وفائی کی وجہ سے ایسی پریشانی کے وقت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ گرفتار ہونا یا جان دینا مشکل تھا تو کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے رات کو جاگتے رہنا بھی مشکل تھا؟ مگر حواری بے فکری کے ساتھ سوتے رہے حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو تاکید کی تھی کہ میرا دل مرنے تک بہت غمگین ہے تم یہاں میرے ساتھ جاگتے رہو۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۶ درس (۳۸) پھر اس حکم کے بعد حضرت ذرا دُور جا کر سر بسجود دُعا میں مشغول ہو گئے (۴۰) پھر شاگردوں کے پاس آ کر انہیں سوتے پایا اور پطرس (حواری سے خاص طور پر یہ) کہا کیوں تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے (۴۱) جاگو اور دعا مانگو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۶ از درس ۳۸ تا درس ۴۶۔

---

[1] دیکھو ازالۃ الشکوک ص ۱۵۰ ج ۱ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بار بار شکایت کی کہ تم اب بھی سوتے ہو اور آرام کرتے ہو اور ظاہر ہے کہ اگر حواریین کو مسیح علیہ السلام سے کچھ بھی محبت ہوتی تو ایسے وقت میں کبھی ان کو نیند نہ آتی دُنیاداروں کا یہ حال ہے کہ اگر اُن کے کسی عزیز اور دوست پر کوئی پریشانی آجاتی ہے تو گھبرا کر اٹھتے ہیں اور آنکھوں سے نیند اُڑ جاتی ہے۔

اور یہوداہ نے تو یہ ستم کیا کہ تیس (۳۰) درہم رشوت لے کر اپنے خداوند یسوع مسیح کو یہودیوں کے ہاتھ گرفتار کرا دیا جیسا کہ انجیل متی باب ۲۶ آیت ۱۴ میں ہے اور انجیل مرقس باب ۱۴ درس ۱۰۔۱۱ میں ہے اور انجیل لوقا باب ۲۲ درس ۳ میں مذکور ہے اور پطرس جو کہ نصاریٰ کے نزدیک اعظم الحواریین ہے اُس نے تو قسم کھا کہ کہہ دیا کہ میں اس شخص (مسیح) کو جانتا ہی نہیں جیسا کہ ولیم میور نے اپنی تاریخ کے پہلے باب کے تیرھویں دفعہ میں لکھا ہے کہ مسیح کے حواریوں اور شاگردوں نے اب تک (یعنی مسیح کے مصلوب ہونے تک) اس کی تعلیم کی حقیقت اور مطلب کو بالکل نہیں سمجھا تھا اور اُن کا سُست ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی امید میں لگا تھا اس کے گرفتار ہوتے ہی وہ سب بھاگ گئے اور پطرس نے جو عدالت میں گیا وہاں اپنے خداوند کا انکار کیا۔ (منقول از ازالۃ الشکوک ص ۱۷۹ ج ۱)

غرض یہ کہ یہ تو حواریین کا حال ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت سب بھاگ گئے تھے ان میں سے کوئی موجود نہ تھا جو گواہی دے سکے اور اپنا عینی مشاہدہ بیان کر سکے حتیٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام بھی اس وقت موجود نہ تھیں جب اُن کے لختِ جگر کو پھانسی دی جا رہی تھی اس وقت اگر شاگرد بھاگ گئے تھے تو والدہ کو تو ضرور بالضرور موجود رہنا چاہیے تھا۔

باقی رہے یہود بے بہبود جن کو نصاریٰ گواہی میں پیش کرتے ہیں علاوہ ازیں کہ وہ ایک ظالم حاکم کے پولیس کے چند بے دین سپاہی چپراسی تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم مسیح کو قتل کر آئے جن کا حال یہ تھا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پہچانتے ہی نہ تھے اور اشتباہ میں پڑے ہوئے تھے اس لیے کہ اگر یہود کو اشتباہ نہ تھا تو حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک شاگرد کو تیس (۳۰) درہم رشوت دینے کی کیا ضرورت تھی تیس روپیہ رشوت کے اسی لیے دیئے کہ وہ ان کو بتا سکے کہ مسیح علیہ السلام یہ ہیں۔ چنانچہ یہود جب وہاں پہنچے تو یسوع نے اُن سے کہا کہ کسے ڈھونڈتے ہو انہوں نے جواب دیا یسوع ناصری کو یسوع نے اُن سے کہا کہ میں ہی ہوں اور یہ کہتے ہی سب زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑے بار بار ایسا ہی ہوا۔ دیکھو انجیل یوحنا باب ۱۸ درس ۵۔

پس اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے حاضرین میں سے ایک شخص کو حضرت مسیح علیہ السلام کا ہم صورت اور ہمشکل بنا دیا جس کو یہود نے مسیح علیہ السلام سمجھ کر قتل کر ڈالا۔ اس طرح اللہ نے ان کو اشتباہ میں ڈال دیا اور ایک فرشتہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مدد کے لیے آسمان سے نازل ہوا جوان کو اٹھا کر آسمان پر لے گیا۔ (دیکھو دلیل خامس وسادس از کتاب الفارق ص ۲۸۷)

وعدۂ خداوندی:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے ہی وعدہ کر لیا تھا کہ وہ تیری بابت فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے۔ دیکھو انجیل متی باب ۴ درس ۶ اور انجیل لوقا باب ۴ درس دہم میں اس طرح ہے کیونکہ لکھا ہے کہ وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ تیری حفاظت کریں (۱۱) اور یہ بھی کہ وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھا لیں گے ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر کی ٹھیس لگے۔ اھ

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی:

حق تعالیٰ نے حضرت مسیح سے وعدہ فرمایا کہ تم دشمنوں سے گھبرانا نہیں اللہ تمہاری حفاظت کے لیے فرشتوں کو حکم دے گا حضرت مسیح کو حق تعالیٰ کے وعدہ پر یقین واثق تھا اس لیے حضرت مسیح نے حادثۂ صلیب سے چند دن پہلے ہی یہ پیشین گوئی فرما دی تھی کہ میں صرف چند روز تمہارے ساتھ ہوں پھر میں عنقریب اپنے خدا کے پاس چلا جاؤں گا اور لوگ مجھے ڈھونڈیں گے مگر نہیں پائیں گے اور جہاں میں ہوں وہاں نہیں آسکیں گے۔ دیکھو انجیل یوحنا باب ۷ درس ۳۳ اور یہی مضمون انجیل یوحنا کے باب ہشتم از درس ۲۱ تا درس ۲۴ میں مذکور ہے اور اسی کے قریب قریب انجیل یوحنا باب ۱۶ درس ۵ میں مذکور ہے اور انجیل متی کے باب ۲۴ درس ۳۹ میں ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے ہرگز نہ دیکھو گے۔

معلوم ہوا کہ کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کے پکڑنے پر قادر نہ ہوگا اور کوئی ڈھونڈنے والا ان کو ہرگز نہ پا سکے گا اور نہ کوئی ان کو دیکھ سکے گا۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیح کو ڈھونڈ کر پا لیا اور پکڑ کر ان کو سولی پر چڑھا دیا پس وہ لوگ حضرت مسیح کے اس قول کی تکذیب کرتے ہیں۔

حضرت مسیح تو یہ فرماتے ہیں کہ جہاں میں جاتا ہوں وہاں کوئی نہیں آسکتا اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) حضرت مسیح نے غلط کہا جہاں حضرت مسیح گئے وہاں اُن کے دشمن یہود بھی پہنچ گئے اور ڈھونڈ کر ان کو پا لیا پس نصاریٰ تو اس عقیدہ صلب سے حضرت مسیح کے اس قول کی تکذیب کر رہے ہیں اور اہل اسلام حضرت مسیح کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت مسیح نے سچ فرمایا کہ کوئی ڈھونڈنے والا ان کو نہیں پا سکا اور جہاں یعنی آسمان پر وہ تشریف لے گئے وہاں کوئی نہیں جا سکتا اور نہ کوئی ان کو دیکھ سکا۔ دیکھو الفارق ص ۲۸۹ دلیل رابع عشر اور دیکھو الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح ص ۲۷۴۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دُعاء:

① چاروں انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ جب حضرت مسیح کو یہ محسوس ہوا کہ یہود میرے قتل پر آمادہ ہیں تو سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ موت کا یہ پیالا مجھ سے ٹل جائے اور آنسو بہا بہا کر خدا سے دعائیں اور التجائیں کیں اور خدا ترسی کی وجہ سے ان کی دعا سنی گئی جیسا کہ پولس کے خط عبرانیوں کے نام کے پانچویں باب اور ساتویں درس میں اس کی تصریح ہے دیکھو دلیل اوّل از کتاب الفارق ص ۲۸۶۔ پس جب اُن کی دعا قبول ہوئی تو پھر گرفتاری کے کیا معنی

② نیز زبور باب ششم کے درس ہشتم میں ہے۔

ء۸ مجھ سے دور ہوا ے سارے بدکردار و کہ خداوند نے میرے رونے کی آواز سنی۔

ء۹ خداوند نے میری فریاد سنی ہے خداوند میری دعا قبول کرے گا۔

ء۱۰ میرے سارے دشمن شرمندہ ہو جائیں گے اور نہایت کپکپی میں پڑیں گے وہ پھریں گے اور ناگہانی خجالت کھینچیں گے۔ انتہیٰ

علماء نصاریٰ کے نزدیک یہ زبور حضرت مسیح کے حق میں ہے جس میں صراحتاً یہ مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہو گی اور ان کے دشمن ناکام اور شرمندہ ہو کر واپس ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ دشمن حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل و صلب پر قادر نہ ہوں گے حتیٰ کہ ان کے قریب بھی نہ جا سکیں گے۔

③ نیز زبور باب ۱۰۹ ایک سونو اور درس چھبیس ۲۶ میں ہے۔

ع ۲۶ اے خداوند میرے خدا میری کمک کر اپنی رحمت کے مطابق مجھے نجات دے۔

ع ۲۷ تا کہ وہ جانیں کہ یہ تیارہا تھ ہے کہ تو نے اے خداوند یہ کیا ہے۔

ع ۲۸ وہ لعنت کریں پر تو برکت دے جب وہ اٹھیں تو شرمندہ ہوں پر تیرا بندہ شادمان ہو۔

ع ۲۹ میرے دشمن خجالت کی پوشاک سے ملبّس ہوں اور اپنی شرمندگی کی چادر سے آپ کو چھپالیں۔

ع ۳۰ میں اپنے منہ سے خداوند کی بہت ہی ستائش کروں گا میں بہتوں کے بیچ اس کی حمد گاؤں گا۔اھ

یہ زبور بھی باتفاق علماء نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی نجات اور دشمنوں کی خجالت کی دُعا کی ہے۔

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک مایوس انسان کی طرح خدا کا شکوہ کرتے کرتے جان دے دی اس لیے کہ ایلی ایلی لما سبقتنی کہتے ہوئے جان دیدینا صریح مایوسی اور شکوۂ خداوندی ہے اور یہ قطعاً ناممکن اور محال ہے کہ پیغمبر خدا تعالیٰ سے مایوس ہو کر اس کا شکوہ کرنے لگے۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ (یوسف)

علماء نصاریٰ کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر جب موت کا وقت آیا تو غایت درجہ شاداں و فرحاں تھے کہ اب خداوند ذوالجلال سے لقاء کا وقت آیا اور کوئی بھی ان میں سے موت سے نہیں گھبرایا۔

اور نصاریٰ کے اعتقاد میں تو حضرت مسیح علیہ السلام خدا تھے تو بجائے اس کے کہ بندے (یہود) خدا سے ڈرتے معاملہ برعکس تھا کہ خدا بندوں سے ڈر رہا تھا معلوم ہوا کہ جزع فزع کرنے والا شخص مصلوب حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور شخص تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں قتل کیا گیا اس لیے کہ موت سے گھبرانا معمولی شخص کا کام ہے موت کے متعلق تو اولیاء کا یہ حال ہوتا ہے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان تو اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم سے کہیں بلند ہے۔ دیکھو دلیل تاسع از کتاب الفارق ص ۲۸۸۔

حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ محض ایک خواب کی بناء پر انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ اپنے باپ کے ساتھ اپنے آپ کو ذبح کرنے کے لیے مذبح کی جانب روانہ ہوئے۔

فرشتہ کا حضرت مسیح علیہ السلام کی مدد کے لیے نمودار ہونا:

حضرت مسیح علیہ السلام جب دعا کر چکے تو خدا تعالیٰ کی جانب سے ایک فرشتہ ان کی تائید اور اعانت کے لیے آیا جیسا کہ انجیل لوقا باب ۲۲ آیت ۳۹ میں ہے اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا وہ اُسے تقویت دیتا تھا۔اھ

یعنی آسمان سے فرشتہ نازل ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالے جائے ورنہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام یہود کے ہاتھ سے قتل ہو گئے تو پھر اس فرشتہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی کیا مدد کی اور اس کے آنے سے کیا فائدہ ہوا کیا وہ فرشتہ محض قتل کا تماشہ دیکھنے آیا تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جانا:

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے جیسا کہ انجیل یوحنا باب ۱۲ درس ۳۷ میں ہے یسوع یہ باتیں کہہ کر چلا گیا اور اپنے آپ کو اس نے چھپا لیا۔ اھ

اور انجیل یوحنا کے باب ۲۰ آیت ۲۰ میں ہے یسوع آیا اور بیچ میں کھڑا ہوا بولا تم پر سلام الخ اور اس کے بعد کتاب الاعمال باب ۱ آیت ۹ میں ہے اور وہ یہ کہہ کے اُن کے دیکھتے ہوئے اوپر اٹھایا گیا اور بدلی نے اسے اُن کی نظروں سے چھپا لیا اور اس کے جاتے ہوئے جب وے آسمان کی طرف تک رہے تھے دیکھو دو مرد سفید پوشاک پہنے ان کے پاس کھڑے تھے اور کہنے لگے اے جلیلی مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو۔ یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے آسمان پر جاتے دیکھا پھر آئے گا ناظرین غور کریں کیا انجیل کے ان بیانات سے قرآن کریم کے اس قول ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ﴾ کی صراحتاً تصدیق اور تائید نہیں ہوتی۔

دعوائے صلب وقتل خلاف عقل بھی ہے:

نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ حضرت مسیح مصلوب ہوئے خلاف عقل بھی ہے اس لیے کہ نصاریٰ کے نزدیک جب حضرت مسیح خدا ہیں اور یہود اُن کے بندے ہیں تو خدا کا اپنے بندوں کے ہاتھ سے مقہور و مجبور ہونا اور صلیب پر لٹکایا جانا سراسر خلاف عقل ہے جس دین میں معاذ اللہ خدا بندوں کے ہاتھ سے سولی دیا جا سکے وہ دین نصاریٰ ہی کو مبارک ہو۔

تواتر اور شہرت میں فرق:

نصاریٰ کا یہ زعم ہے کہ واقعہ صلیب تواتر سے ثابت ہے سو یہ زعم زعم فاسد ہے اس لیے کہ تواتر اس کو کہتے ہیں عین واقعہ کے وقت چشم دید شہادت دینے والے اتنے کثیر تعداد میں ہوں کہ عادۃً اُن کا متفق ہو کر جھوٹ بنا لینا محال ہو اور جب عین واقعہ کا کوئی عینی گواہ ہی نہ ہو تو زمانہ مابعد کی شہرت محض افواہ کا درجہ رکھتی ہے اُس کو تواتر نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ ہندوؤں میں یہ مشہور ہے کہ راون کے دس سر تھے اور ہنومان جی نے پہاڑ اٹھا لیا تھا تو اس قسم کی بے سروپا خبروں کو متواتر نہیں کہا جا سکتا۔ رہا نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام تین دن قبر میں رہنے کے بعد زندہ ہو گئے اور قبر سے اُٹھ کھڑے ہوئے، نصاریٰ کے پاس اس کا کوئی شاہد عینی موجود نہیں نہ حوارین میں سے نہ عوام سے نہ عورتوں میں سے اور نہ یہود میں سے اور نہ چپراسیوں میں سے اور نہ پہرہ داروں میں سے کوئی بھی اس کا گواہ نہیں کہ میں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قبر سے اٹھتے دیکھا ہے اور مریم علیہا السلام کی جو روایت نقل کی جاتی ہے اس میں فقط اتنا ہے کہ مریم علیہا السلام نے قبر کے پاس دُور سے کچھ فرشتے اور کچھ آدمی دیکھے باقی حضرت مسیح علیہ السلام کو قبر سے اٹھتے ہوئے دیکھنا مریم علیہا السلام نے بھی بیان نہیں کیا۔ دیکھو الفارق ص ۲۹۰ دلیل سادس عشر۔

اسی مضمون کی ایک دوسری آیت:

﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ (المائدہ:۱۱۰)

حق تعالیٰ نے جب سورۂ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا ذکر کیا تو ان میں ایک بڑا انعام یہ شمار کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یاد کرو اس وقت کو کہ بنی اسرائیل کو تم سے روک دیا تھا کہ وہ تمہارے پاس آنے پر بھی قادر نہ ہوئے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل عیسیٰ علیہ السلام کو گزند نہیں پہنچا سکے۔

جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ہے ﴿اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ﴾ (المائدہ:۱۱)

پس جس طرح ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں سے بالکلیہ محفوظ رہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہود سے بالکلیہ محفوظ رہے۔

لطیفہ: ایک پادری صاحب ایک مجلس میں تشریف لائے اور لوگوں کو دین مسیحی کی تبلیغ کرنے لگے اثناء گفتگو میں یہ بیان کیا کہ خداوند یسوع نے لوگوں کے لیے تمام رنج اٹھائے اور سولی پر چڑھا اور مدفون ہوا اور تین دن جہنم میں رہا تو مجلس میں ایک ظریف الطبع مسیحی بھی تھا سن کر کہنے لگا کہ باپ بڑا ہی سخت دل تھا کہ بیٹے کو طرح طرح کی ایذاؤں میں مبتلا کیا اور تین روز تک جہنم میں پڑا رہنے دیا پادری صاحب نے خفا ہو کر اس کو مجلس سے نکال دیا مجلس سے باہر آنے کے بعد وہ مسیحی اس مہمل عقیدہ سے تائب ہوا اور مسلمان ہو گیا۔

اطلاع: علامہ شیخ عبدالرحمٰن آفندی نے اپنی کتاب الفارق بزبان عربی میں از ص ۲۸۰ تا ۲۹۱ اخبار تاریخیہ اور ادلہ عقلیہ سے دعویٰ صلب کی مفصل تردید فرمائی ہے۔ حضرات اہل علم اصل کی مراجعت کریں اور شیخ ابوالفضل مالکی مسعودی نے منتخب التنجیل میں باب ہفتم اور باب ہشتم میں ص ۹۷ تا ص ۱۲۳ اس پر کلام کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ان کا کوئی شبیہ اور مثیل مقتول و مصلوب ہوا ہے حضرات اہل علم اصل کتاب کو دیکھیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ واقعہ قتل کے وقت حواریین اور اصحاب عیسیٰ علیہ السلام میں سے موقع پر کوئی موجود نہ تھا صرف پولیس کے چند یہودی موجود تھے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو پہچانتے بھی نہ تھے اُن کو خود معلوم نہ تھا کہ مسیح کون ہے اور ہم کس کو گرفتار کر رہے ہیں اُن کو خود یقین نہ تھا کہ ہم نے حضرت مسیح کو قتل کیا ہے نشان دہی کے مطابق ایک شخص کو مسیح سمجھ کر قتل کیا۔ پس کیا پولیس کے ایسے چند بے خبر چپراسیوں کی خبر کو خبر متواتر کہا جا سکتا ہے اور کیا اہل عقل کے نزدیک ایسی خبر سے کوئی جزم اور یقین حاصل ہو سکتا ہے عجب نہیں کہ کسی منافق نے یہود سے رشوت لے کر انجیلوں میں قتل و صلب کی فرضی داستان شامل کر دی ہو تا کہ لوگ نصاریٰ کے دین کا مذاق اڑائیں نصاریٰ کے نزدیک جب رشوت لے کر خدا کو گرفتار کرا دینا ممکن ہے تو رشوت لے کر بائبل میں کوئی الحاق کر دینا کیا مشکل ہے۔ (دیکھو منتخب التنجیل ص ۱۰۵)

② ﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾

آئمہ تفسیر نے اس آیت کی دو [1] طرح تفسیر فرمائی ایک تو یہ کہ لفظ ﴿لَهُمْ﴾ کو ﴿شُبِّهَ﴾ کا نائب فاعل قرار دیا جائے اور مطلب یہ ہو کہ یہود جب گرفتاری کے لیے اندر گھسے تو وہاں عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حقیقت

---

[1] قال الامام الرازی قوله شبه مسند اعلی ماذا؟ فیه وجهان (الاول) انه مسند الی الجار والمجرور وهو کقولک خیل الیه کانه قیل وقع لهم الشبه (الثانی) ان یسند الی ضمیر المقتول لان قوله وما قتلوه یدل علی انه وقع القتل علی غیره فصار ذالک الغیر مذکورا بهذا الطریق فحسن اسناد شبه الیه تفسیر کبیر ص ۳۵۰ ج ۳ و کذافی البحر المحیط ص ۳۹۰ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۰ ج ۵ و تفسیر غرایب القرآن للنیسابوری ص ۱۷ ج ۶)۔

یہ ہے کہ اللہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور یہود کو شبہ اور اشتباہ میں ڈال دیا گیا۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے: "ولیکن مشتبہ شد برایشان" اور شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ترجمہ کیا اور لیکن شبہ ڈالا گیا واسطے ان کے۔ اھ۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا تو انہوں نے کسی اور شخص کو قتل کر کے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسیح بن مریم علیہما السلام کو قتل کر ڈالا دوسری تفسیر یہ ہے کہ شبہ کی ضمیر مقتول و مصلوب کی طرف راجع کی جائے جو لفظ ﴿اِنَّا قَتَلْنَا﴾ اور ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ﴾ سے سمجھا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرا شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شبیہ اور مثیل بنا دیا گیا جس طرح حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا کے مشابہ بنا دیا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولیکن وہی صورت بن گئی اُن کے آگے" یعنی من جانب اللہ ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم صورت اور ہمشکل بنا دیا گیا تا کہ لوگ اس کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر قتل کریں اور ہمیشہ کے لیے اشتباہ اور التباس میں پڑ جائیں۔

یہ دوسرا ترجمہ پہلے ترجمہ کے مغائر نہیں بلکہ اسی شبہ اور اشتباہ کی توضیح اور تفسیر ہے کہ شبہ میں دوسرے شخص کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی دیدی اور اُن کو ایسا ہی معلوم ہوا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے رہے ہیں یعنی اس صورت وشباہت سے وہ اشتباہ اور التباس میں پڑ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو آسمان پر اٹھالیا اور حاضرین میں سے ایک شخص پر اُن کی شباہت ڈالدی گئی لوگوں نے اس ہمشکل کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا اور یہ اُن کے شبہ اور اشتباہ کا سبب بنا اور اسی وجہ سے وہ اختلاف میں پڑ گئے۔

تفسیر دیگر:

اور بعض علماء تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ شُبِّہ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو دشمنوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دیئے گئے مگر اُن کی شبیہ اور اُن کی مثال ان کے سامنے کر دی گئی۔ دیکھو حاشیہ عقیدۃ الاسلام ص ۱۷۸

جیسا کہ حدیث میں ہے: ((رأیت الجنة والنار ممثلتین فی قبلة الجدار)). دیکھو حاشیہ عقیدہ الاسلام ص ۱۷۹۔

یا یوں کہو کہ مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اُن کے لیے مشتبہ بنا دیئے گئے حتی کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پہچان سکے اور اس اشتباہ میں دوسرے کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

غرض یہ کہ ظاہر قرآن سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو قتل اور صلب سے محفوظ رہے اور اُن کے شبہ اور اشتباہ میں کسی دوسرے شخص کو ان کے ہمشکل سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا اور یہی حق ہے اور چاروں انجیلیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔

① اس لیے کہ چاروں انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ شخص مصلوب نے اس وقت یہود سے پانی مانگا تو یہود نے اس کو ایک نہایت کڑوا سرکہ لا کر دیا جس کو وہ نہ پی سکا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مصلوب حضرت مسیح نہ تھے اس لیے کہ حضرت مسیح تو چالیس دن و رات کا صوم وصال رکھتے تھے اُن کو اپنے دشمنوں سے ذلت اور نیازمندی کے ساتھ پانی مانگنے کی کیا حاجت تھی معلوم ہوا کہ جس پانی مانگنے والے کو سولی دیدی گئی وہ عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تھا جو اُن کے ہم صورت اور ہمشکل ہونے کی وجہ سے سولی چڑھایا گیا دیکھو دلیل ثامن از کتاب الفارق ص ۲۸۷۔

② نیز توراۃ سے یہ امر ثابت ہے کہ شریر نیک کا فدیہ ہوتا ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شخص مصلوب حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا

شخص تھا ورنہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ حضرت مسیح علیہ السلام اشرار میں سے ہوں۔ دیکھو دلیل ثامن عشر از فارق ص ۲۹۰

③ نیز حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کے درمیان نشو ونما پائی حضرت مسیح علیہ السلام دن رات اُن کو وعظ کہتے اور اُن سے مناظرے کرتے اور وہ آپ کی فصاحت و بلاغت اور حکمت و موعظت سے تعجب کرتے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو خوب جانتے پہچانتے تھے مگر صلیب کے وقت ان کو نہ پہچان سکے۔ پس جس ذات کو تیس (۳۰) سال سے دیکھ رہے ہوں اس کو نہ پہچاننا یہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ من جانب اللہ کوئی اشتباہ پیش آیا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ حضرات اہل علم الاجوبۃ الفاخرۃ از ص ۷۶ تا ص ۸۲ ملاحظہ کریں۔

تنبیہ : سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈالی گئی وہ یہودی تھا جیسا کہ وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اسی کو امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا یا منافق عیسائی تھا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مخلص حواری تھا حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفسیر ابن ابی حاتم میں باسناد صحیح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ جس شخص پر میری شباہت ڈالی جائے گی وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۴ ج ۱ اور تفسیر قرطبی ص ۱۰۰ ج ۴ سورۂ آل عمران اور اسی طرح مجاہد اور قتادہ اور سدی سے تفسیر ابن جریر ص ۱۱ ج ۶ میں مذکور ہے کہ جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈالی گئی وہ اُن کے حوارین میں سے تھا۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مطیع اور فرمانبرداروں میں سے تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مفصل روایت تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے جس کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

قال ابن ابی حاتم حدثنا احمد بن سنان حدثنا ابو معاویة عن الاعمش عن المنهال بن عمرو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما اراد الله ان یرفع عیسیٰ الی السماء خرج علی اصحابه و فی البیت اثنا عشر رجلا من الحواریین یعنی فخرج علیهم من عین فی البیت وراسه یقطر ماء فقال ان منکم من یکفر بی اثنی عشر مرة بعد اَنْ آمن بی ثم قال ایکم یلقی علیه شبهی فیقتل مکانی ویکون معی فی درجتی فقام شاب من احدثهم سنا فقال له اجلس ثم اعاد علیه فقام الشاب فقال انافقال هو انت ذاك فالقی علیه شبه عیسیٰ ورفع عیسیٰ من روزنة فی البیت الی السماء قال وجاء الطلب من الیهود فاخذوا الشبه فقتلوه ثم صلبوه فکفر به بعضهم اثنی عشر مرة بعد ان آمن به وافترقوا ثلاث فرق فقالت فرقة کان الله فینا ماشاء ثم صعد الی السماء وهؤلاء الیعقوبیة وقالت فرقة کان فینا ابن الله ماشاء ثم رفعه الله الیه وهو لاء النسطوریة وقالت فرقة کان فینا عبد الله و رسوله ماشاء الله ثم رفعه الله الیه وهولاء المسلمون فتظاهرت الکافرتان علی المسلمة فقتلوها فلم یزل الاسلام طامسا حتی بعث الله محمدا ﷺ وهذا اسناد صحیح الی ابن عباس ورواه النسائی عن ابی کریب عن ابی معاویة بنحوه و کذا ذکره غیر واحد من السلف انه قال لهم ایکم یلقی علیه شبهی فیقتل مکانی وهو رفیقی فی الجنة۔ انتهی۔ تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۴ ج ۱ اور ایسا ہی قرطبی ص ۱۰۰ ج ۴ تفسیر

آل عمران میں ہے۔

"امام ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو گھر میں ایک چشمہ تھا وہاں جا کر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے غسل فرمایا اور غسل فرما کر باہر مجلس میں تشریف لائے جہاں بارہ حواری موجود تھے (غالباً یہ غسل آسمان پر جانے کے لیے تھا جیسے مسجد میں آنے سے پہلے وضو کرتے ہیں) حواریوں کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ تم میں سے ایک شخص مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر (انکار) کرے گا بعد ازاں یہ فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس پر راضی ہے کہ اس پر میری شباہت ڈال دی جائے اور وہ میری جگہ قتل ہو اور پھر وہ جنت میں میرا رفیق بنے یہ سنتے ہی ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور اپنے آپ کو اس جاں نثاری اور فدائیت کے لیے پیش کیا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیٹھ جا اور پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اسی سابق کلام کا اعادہ فرمایا پھر وہی نوجوان کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔

ع نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا تو ہی وہ شخص ہے اس کے فوراً بعد ہی اس نوجوان پر عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام مکان کے ایک روشندان سے آسمان پر اٹھا لیے گئے بعد ازاں یہود کے پیادے عیسیٰ علیہ السلام کے پکڑنے کے لیے گھر میں داخل ہوئے اور اسی شبیہ کو عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا اور ایک شخص نے بارہ مرتبہ عیسیٰ (علیہ السلام) کا انکار کیا بعد ازاں لوگوں میں تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ نے تو یہ کہا کہ اللہ ہمارے درمیان میں جب تک چاہا رہا پھر وہ آسمان پر چڑھ گیا اس فرقہ کو یعقوبیہ کہتے ہیں۔ دوسرے فرقہ نے یہ کہا کہ اللہ کا بیٹا ہمارے درمیان تھا جب تک چاہا رہا پھر اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا، اس فرقہ کو نسطوریہ کہتے ہیں۔ تیسرے فرقہ نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول تھے جب تک خدا نے چاہا ہمارے درمیان رہے پھر اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ لوگ مسلمان تھے اوّل کے دو کافر فرقوں نے اس مسلمان فرقہ پر چڑھائی کر کے اس کو قتل کر دیا۔ اس دن سے اسلام یعنی حق بے نام و نشان ہو گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا (جنہوں نے آ کر دنیا کو صحیح حقیقت سے آگاہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تک روایت کی سند نہایت صحیح ہے۔ اور اسی طرح نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور اسی طرح بہت سے سلف نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ جس پر میری شباہت ڈالی جائے اور وہ میرے بدلہ میں قتل ہو تو وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ انتہی

بہر حال جس پر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شباہت ڈالی گئی خواہ وہ یہودی تھا یا حواری اس بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل اور صلب سے بالکل محفوظ رہے اور یہود نے کسی اور شخص کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

جس نے یہود و نصاریٰ سب کو شبہ اور اشتباہ میں ڈال دیا اور ان کے باہمی اختلاف کا سبب بن گیا وہ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اس کی حکمت تھی۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ﴾

مسیلمۂ قادیان کا ہذیان *

یہود اور نصاریٰ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر مار دیا گیا بعد میں ان میں اختلاف ہو گیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہوئے یا نہیں سو یہود کا قول یہ ہے کہ وہ زندہ نہیں ہوئے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہوئے اور آسمان پر چلے گئے۔

اور اس چودھویں صدی کا مسیلمہ پنجاب یعنی متنبیٔ قادیان یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل تو نہیں ہوئے مگر ہاں وہ سولی ضرور دیئے گئے جب وہ بے ہوش ہو گئے تو یہود نے اُن کو مردہ سمجھ کر قبر میں دفن کر دیا جب قبر میں اُن کو ہوش آیا تو وہ قبر سے خفیہ طور پر نکل کر چلے گئے اور ریاست کشمیر کے مشہور شہر سری نگر میں جا کر قیام کیا اور خفیہ طور پر اپنے زخموں کا علاج کرتے رہے اور ستاسی (۸۷) سال زندہ رہ کر فوت ہوئے اور وہیں محلہ خان یار میں مدفون ہوئے اور وہی ان کا مزار ہے۔ یہ سب مرزائے قادیان کی بکواس ہے جس پر کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں "دیوانہ گفت ابلہ باور کرد" کا مصداق ہے۔ مرزائے قادیان کے قول کی بناء پر آیت اس طرح ہونی چاہیے تھی۔ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَشْمِيْرَ﴾

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں یہود و نصاریٰ دونوں ہی کا ردّ فرمایا اور اگرچہ دونوں کے رد کے لیے صرف ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ﴾ کافی تھا مگر علام الغیوب نے اس کے ساتھ ﴿وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ بھی بڑھا دیا یعنی دشمن حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر بھی نہیں چڑھا سکے۔ جس سے یہود و نصاریٰ کا نہایت بلیغ طریقہ سے ردّ ہو گیا یعنی قتل تو در کنار ان کو تو سولی بھی نہیں دی گئی جس کے وہ مدعی ہیں اور جس کو سولی دی گئی وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا شبیہ اور مثیل تھا۔

اور یہود و نصاریٰ کے رد کے ساتھ قادیانی فرقہ کا بھی ردّ ہو گیا جو اس بارہ میں اُن کا مقلد تھا اور حق تعالیٰ نے قتل اور صلب کی علیحدہ علیحدہ نفی فرما دی تاکہ ان کی حیات اور سلامتی اور محفوظیت میں کسی قسم کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل اور صلب سے بالکل محفوظ رہے اور قادیان کے دہقان یہ کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم علیہما السلام صلیب سے نجات پا کر خفیہ طور پر کشمیر چلے آئے۔ شاید مرزا صاحب کے نزدیک اس زمانہ میں کشمیر بیت المقدس سے زیادہ متبرک ہو گا۔ حیرت کا مقام ہے کہ قرآن کریم نے جس زمین کے متعلق ﴿اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا﴾ فرمایا ہو اور جو زمین انبیائے بنی اسرائیل کا مولد و مسکن ہو اور جس زمین میں ان کا قبلہ یعنی ﴿الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ (بنی اسرائیل: ۱) ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُس مبارک زمین کو چھوڑ کر سرزمین کشمیر کی طرف ہجرت فرمائیں جہاں اس وقت سوائے شرک اور بت پرستی کے خدا پرستی کا نام و نشان نہ ہو اور پھر ہجرت فرمانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی تمام زندگی خاموشی اور گمنامی میں گذار دیں اور کشمیر پہنچ کر کسی کو توحید کی دعوت نہ دیں اور نہ کسی کو قیامت سے ڈرائیں اور نہ کسی کو خدا کی عبادت کی تعلیم و تلقین فرمائیں اسی طرح خاموشی میں زندگی بسر کر کے شہر سری نگر میں انتقال فرما جائیں اور محلہ خان یار میں اس طرح دفن ہو جائیں کہ سوائے مرزا قادیان کے روئے زمین پر کسی کو اس کا علم نہ ہو۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○

---

* دیکھو حل القرآن ص ۷۷ و دیکھو عقیدۃ الاسلام ص ۱۸۵ ص ۱۹۰ ص ۱۹۳۔

③ ﴿ وَ إِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ﴾

حق جل شانہٗ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور صلب کے بارہ میں اختلاف رکھتے ہیں یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ سچی شہادت ہے۔

نصاریٰ کے متعدد فرقے اس کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے جیسا کہ تواریخ میں مذکور ہے اور پادری سیل نے بھی اپنے ترجمہ میں سورۂ آل عمران میں ان بعض فرقوں کا ذکر کیا ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح مقتول و مصلوب نہیں ہوئے اور یہ بتلایا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے بہت مدت پہلے عیسائیوں کے بہت سے فرقوں کا یہی اعتقاد تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے۔ چنانچہ فرقۂ بے سی لی ڈین اور فرقۂ سیر نہ تھیں اور فرقۂ کار پا کریشن جو سب کے سب آنحضرت ﷺ سے پہلے گزرے ہیں ان سب کا اعتقاد یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرا شخص جو آپ کے ہمشکل تھا وہ صلیب دیا گیا۔ (ختم ہوا خلاصہ کلام جارج سیل کا)

معلوم ہوا کہ واقعہ صلیب نصاریٰ کے نزدیک متفق علیہ نہیں بلکہ نصاریٰ کے بہت سے قدیم فرقوں کا مذہب یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب نہیں ہوئے جیسا کہ قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

مولانا سید ابو منصور امام فن مناظرہ نوید جاوید ص ۳۸۲ میں لکھتے ہیں اور قرآن مجید کے اس ترجمہ میں جس پر عیسائی علماء نے اپنے طور کا حاشیہ لکھا اور پریز بیٹرین مشن پریس الہ آباد میں ۱۸۴۴ء کو چھاپا۔

ترجمۂ آل عمران آیت ۵۳ کے حاشیہ صفحہ ۸۳ میں لکھا ہے کہ زمانۂ اسلام سے آگے عیسائیوں میں باسیلی دی ایک فرقہ تھا جو خیال کرتے تھے کہ آپ مسیح آپ مصلوب نہ ہوا پر شمعون قرینی (جو صلیب اٹھا کر چل رہا تھا اس کے عوض پکڑا گیا اور مصلوب بھی ہوا پھر سرنہ تھی اور کار پوک راتی اور دوسیتی تین فرقے تھے جو زمانہ اسلام سے پیشتر یہی خیال رکھتے تھے۔ انتہی وتم کلامہ (نوید جاوید ص ۳۸۲)

گناستی فرقہ کے عیسائیوں کا یہ قول تھا کہ دنیا مادہ سے پیدا ہوئی اور مادہ کے لیے شرارت اور معصیت ضرور ہے اور مسیح مادہ سے پیدا نہیں ہوا تھا اس لیے مصلوب نہیں ہو سکا کیونکہ اس کا جسم نہ تھا۔ (انتہی)

چنانچہ تعلیم الایمان چھاپہ لدھیانہ ۱۸۶۹ء صفحہ ۲۳۶ میں لکھتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ایک فرقہ نے یہ گمان کیا کہ مسیح کا حقیقی جسم نہ تھا اور نہ وہ پیدا ہوا نہ اس نے دکھ اٹھایا پر اس کا جسم ایک مجازی طور پر تھا جیسا کہ فرشتے اکثر اوقات انسانیت کو اختیار کر لیتے تھے یا جیسا کہ روح کبوتر کی مانند اتری تھی۔ چنانچہ محمد ﷺ نے بھی اسی تعلیم کو اختیار کر کے اپنے تابعین کو تلقین کیا کہ مسیح خود نہیں مارا گیا انتہی اور دیکھو رومن تواریخ کلیسا چھاپہ مرزا پور ۱۸۵۶ء صفحہ ۹۶ دین حق کی تحقیق مصنفہ پادری اسمتھ صاحب وغیرہ مطبوعہ الہ آباد ارفن پریس ۱۸۶۶ء صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ مسیح کا احوال کہ کس طرح وہ ہنڈولے میں بولا مٹی کی چڑیاں بنائیں اور یہودیوں کو بندر بنایا اور یہ کہ وہ نہیں مارا گیا بلکہ دوسرا اس کے عوض مصلوب ہوا یہ باتیں اس نے (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ) نے ناصریوں کے قصے سے نکالیں جن کو دو تین شخصوں نے مسیح کے پانچ یا چار سو برس بعد بنایا تھا انتہی اور برنباس کی انجیل میں مسیح نے اپنی مصلوبی کا بطلان صاف بیان کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ دنیا ہی میں یہودا کی موت کے سبب میری تضحیک ہو جائے اور ہر شخص یہ گمان کر لے کہ میں صلیب پر کھینچا گیا پر یہ ساری ہتک اور

ہنسائی محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے تک رہے گی جب وہ دنیا میں آئے گا تو ہر ایک ایمان دار کو اس غلطی سے آگاہ کر دے گا اور یہ دھوکا لوگوں کے دل سے اٹھادے گا۔ انتہی۔ ترجمہ قرآن شریف مصنفہ سیل صاحب صفحہ ۴۳۔ انتہی۔ دیکھو (نوید جاوید ص ۳۸۳) اور دیکھو دلیل ثانی عشر از کتاب الفارق ص ۲۸۹۔

پس ان عبارات سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا ہے کہ اسلام سے پیشتر نصاریٰ کے متعدد فرقے اسی بات کے قائل تھے جو قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب۔

اسی بناء پر بہت سے محققین علماء نصاریٰ اس طرف گئے ہیں کہ عقیدۂ صلیب اور کفارہ اور الوہیت یہ سب پولوس کی اختراع ہے حواریین اور متقدمین نصاریٰ اس کے قائل نہ تھے دیکھو۔ (الدلیل الحادی عشر من کتاب الفارق ص ۳۸۸)

شک اور اختلاف کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی:

انجیل مرقس ومتی ولوقا ویوحنا اور ان کی تفاسیر میں یہ مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب حواریین کے ساتھ جبل زیتون کی طرف گئے تو شاگردوں سے یہ فرمایا: کلکم تشکون بی فی ھذا اللیل (تم سب اس رات میرے بارہ میں شک کروگے)

ناظرین غور فرمائیں کہ چاروں انجیلوں میں حضرت مسیح کا یہ لفظ کلکم تشکون بی قرآن کریم کے اس ارشاد ﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ﴾ کے حرف بحرف اور لفظ بلفظ مطابق ہے۔ دیکھو دلیل عاشر از کتاب الفارق ص ۲۸۸ اور الجواب الفسیح لمالفقہ عبد المسیح ص ۴۰۷ اور اجوبہ فاخرہ از ص ۷۹ تا ص ۸۲۔

④ ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ﴾

اور یہودیوں نے بالیقین حضرت عیسیٰ کو نہیں قتل کیا بلکہ یقینی بات یہ ہے کہ جس زندہ شخصیت کو وہ قتل کر کے اس کی حیات کو ختم کرنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ اور صحیح سالم اپنی طرف اٹھالیا تا کہ قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہوجائے اس لیے کہ قتل وصلب تو جب ہی ممکن ہے کہ وہ جسم ان کے اندر موجود رہے اور جب خدا تعالیٰ نے اس جسم ہی کو اپنی طرف اٹھالیا تو قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہوا معلوم ہوا کہ آیت میں رفع سے اسی جسم کا رفع مراد ہے جس کو قتل کرنا چاہتے تھے آیت میں نہ روح کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کے قتل وصلب کا کوئی مسئلہ ہے جس کی طرف رفعہ کی ضمیر راجع ہوسکے لفظ بَلْ کلام عرب میں اضراب اور ابطال کے لیے آتا ہے یعنی مضمون سابق کی نفی کر کے اس کے منافی اور مقابل مضمون کو ثابت کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ رفع قتل کے جب ہی منافی ہوسکتا ہے جب رفع سے جسم کا زندہ اور صحیح سالم اٹھانا مراد لیا جائے ورنہ رفع روح یا رفع روحانی بمعنی بلندی رتبہ قتل کے منافی نہیں جو شخص بھی خدا کی راہ میں مارا جائے گا اس کا مرتبہ ضرور بلند ہوگا پس رفع کے معنی بلندی رتبہ کے لینا کسی طرح بھی قتل کے منافی نہیں اور لفظ بَلْ یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں رفع سراسر قتل کے منافی ہے۔ لہٰذا قطعاً ثابت ہوگیا کہ رَفَعَهُ میں رفع سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے۔

نیز یہودی جسم کے قتل اور صلب کے مدعی تھے اللہ نے اولاً جسم کے قتل اور صلب کی نفی فرمائی اور ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ﴾ فرمایا اور پھر اسی جسم کے لیے رفع ثابت فرمایا ﴿ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ﴾ معلوم ہوا کہ جس جسم کا قتل اور صلب چاہتے تھے اسی جسم کو اللہ نے

اپنی طرف صحیح سالم اٹھالیا اور ظاہر ہے کہ قتل اور صلب جسم ہی کا ہوتا ہے نہ کہ روح کا اس لیے کہ روح کا قتل اور صلب ناممکن ہے معلوم ہوا کہ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ﴾ میں جسم ہی کا رفع مراد ہے

نیز رفع کے اصل معنی اٹھانے اور بلند کرنے اور اوپر لے جانے کے ہیں اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے اور نہ روح کی رفع کبھی اجسام کا ہوتا ہے اور کبھی معانی اور اعراض کا ہوتا ہے اور کبھی اقوال اور افعال کا اور کبھی مرتبہ اور درجہ کا جس جگہ لفظ رفع کا مفعول یا متعلق کوئی جسمانی شے ہوگی تو اس جگہ یقیناً رفع جسمانی مراد ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾ "اٹھایا ہم نے تم پر کوہ طور" ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ "اللہ ہی نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو" ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ (البقرہ: ۱۲۷) "یاد کرو اس وقت کو کہ جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسمٰعیل ان کے ساتھ تھے" ﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ "یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت کے اوپر اٹھایا" ان تمام مواقع میں لفظ رفع اجسام میں مستعمل ہوا ہے اور ہر جگہ رفع جسمانی مراد ہے اور ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (الانشراح: ۴) "ہم نے آپ کا نام بلند کیا" اور ﴿رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (الزخرف: ۳۲) ہم نے بعض کو بعض پر درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے بلند کیا۔

اس قسم کے مواضع میں رفعت شان اور بلندی رتبہ مراد ہے اس لیے کہ رفع کے ساتھ خود ذکر اور درجہ کی قید مذکور ہے اور ایک حدیث میں ہے:

((اذا تواضع العبد رفعه الله الى السماء السابعة رواه الخرائطى فى مكارم الاخلاق)).

"بندہ جب اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ساتویں آسمان تک اٹھا لیتے ہیں۔"

اس حدیث میں قرینہ کی بناء پر رفع معنوی مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ تواضع سے انسان جسمانی طور پر آسمان پر نہیں اٹھا لیا جاتا اور قرینہ کی بناء پر اگر کسی لفظ کے معنی مجازی ہی مراد لیے جائیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ جب کبھی یہ لفظ بولا جائے گا تو معنی مجازی ہی مراد ہوں گے یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ لفظ اسد کے معنی شیر کے نہیں بلکہ بہادر آدمی کے ہیں اور مثال میں یہ مقولہ پیش کرے رایت اسدًا یرمی (میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے دیکھا) تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ لفظ اسد کے حقیقی معنی شیر کے نہیں اور یہ لفظ ہمیشہ بہادر ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر لفظ رفع کسی جگہ کسی قرینہ کی بناء پر رفع درجات کے معنی میں مستعمل ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ لفظ رفع کبھی رفع جسمانی کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔ مزید تفصیل کے لیے اس ناچیز کا رسالہ "کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ" مطالعہ کریں۔

ایک شبہ: ﴿رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ میں خدا کی طرف اٹھانا مذکور ہے آسمان کا کوئی ذکر نہیں۔

ازالۂ شبہ: جواب یہ ہے کہ خدا کی طرف اٹھانے کے معنی ہی یہ ہیں آسمان کی طرف اس کو اٹھایا گیا اس لیے کہ خدا کے لیے بے چون وچگون فوقیت اور علو ثابت ہے۔

نیز خود مرزائے قادیان نے رفعہ اللہ کے معنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے کیے ہیں لکھتا ہے قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہو جانے کے بعد ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ (ازالۃ الاوہام ص ۲۶۴/ ۱۰۹ ط ۲/ ۱)

مرزا صاحب کی اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ رفع سے تو آسمان پر ہی اٹھایا جانا مراد ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ

آسمان پر روح کا اٹھایا جانا مراد ہے یا جسم مع الروح کا اور ہم یہ پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ آیت میں رفع جسم مراد ہے۔

نیز مرزا صاحب لکھتے ہیں:

﴿اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ﴾ (الفاطر:۱۰)

"یعنی پاک روحیں خدا کی طرف صعود کرتی ہیں اور عمل صالح ان کا رفع کرتا ہے۔" (ازالہ ص ۴۴۰/ ۱۸۳ : ۲/ ۱)

اس جگہ بھی مرزا صاحب نے پاک روحوں کے صعود سے آسمان ہی کی طرف جانا مراد لیا ہے۔

مرزائے قادیان کا ہذیان:

مرزائے قادیان یہ کہتا ہے کہ رفع کے معنی عزت کی موت دینا ہے یا مرنے کے بعد روحانی طور پر بہشت میں داخل ہونا مراد ہے۔

جواب: یہ کہ رفع کے معنی اٹھانے اور بلند کرنے کے ہیں جیسا کہ تمام لغت کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور "عزت کی موت" یہ رفع کے معنی نہیں یہ مرزا صاحب کی گھڑت ہے۔ نیز احادیث میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور اس نزول کو بمقابلہ اُن کے مرفوع ہونے کے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ سیاق احادیث سے ظاہر ہے۔ پس جب دونوں لفظ اس حیثیت سے متقابل ٹھہرے تو یقیناً جو ایک لفظ کے معنی ہوں گے۔ دوسرے لفظ میں اس کا مقابل مراد ہوگا۔ پس اگر رفع سے مع الجسم آسمان پر اٹھایا جانا مراد لیا جائے تو نزول سے مع الجسم زمین پر اترنا مراد ہوگا جس میں نہ تقابل فوت ہوا اور نہ کوئی خرابی لازم آئی اور اگر بقول منکرین رفع، جسمانی رفع سے عزت کی موت مراد لی جائے تو نزول سے بقرینۂ مقابلہ ذلت کی پیدائش مراد لینی چاہیے پس معنی حدیث نزول کے یہ ہوں گے کہ معاذ اللہ پھر عیسیٰ علیہ السلام ذلت کے ساتھ پیدا ہوں گے اور اگر یہاں یہ معنی مراد نہ لیے جائیں تو مقابلہ فوت ہو جائے گا پس ثابت ہوا کہ رفع سے عزت کی موت کے معنی مراد لینا صحیح نہیں نیز بعض روایات میں ینزل من السماء کا لفظ آیا ہے اور صحیح مسلم میں ہے: فینزل بین مهرود تین واضعا کفیه علی اجنحة ملکین. پس بقول منکرین نزول من السماء کی حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان سے پیدا ہوں گے اور دو رنگین کپڑے پہنے ہوئے اور دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ اوّل تو یہ مطلب مہمل ہے پھر افسوس کہ مدعی مسیحیت میں یہ صفت بھی نہیں پائی جاتی اور اپنے کو اس کا مصداق بتانا صریح جھوٹ ہے۔

⑤ ﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾

اس آیت کی تفسیر میں ہم دو قول نقل کر چکے ہیں۔ جمہور کے نزدیک جو قول راجح ہے اس بناء پر اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر دی گئی ہے جو احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور تمام اُمت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ اخیر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور جس طرح ان علامات قیامت پر ایمان لانا فرض ہے جو قرآن اور احادیث متواترہ سے ثابت ہیں اسی طرح نزول عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان لانا فرض ہے اس لیے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام بھی قرآن سے اور احادیث متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اگر حق تعالیٰ کی توفیق ہوئی تو مسئلہ نزول کے متعلق احادیث کو ﴿وَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ وَ مَا توفیقی الا باللّٰه.

ناچیز نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھ دیا ہے جس کا نام القول المحکم فی نزول سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ناظرین اس رسالہ

کا مطالعہ فرمائیں۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت:

کتب سابقہ میں دو مسیح کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت کی اور ایک مسیح ضلالت کی مسیح ہدایت کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مسیح ضلالت کا مصداق دجال اکبر ہے جو قوم یہود سے ہوگا اور بنی اسرائیل ان دو شخصیتوں کے منتظر تھے کہ کب ان کا ظہور ہوتا ہے۔

جس وقت مسیح ہدایت یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا تو یہود نے ان کو مسیح ضلالت سمجھا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے اور اپنے زعم میں اُن کو قتل کر ڈالا اور نصاریٰ نے مسیح ہدایت کو مانا تو سہی مگر اُن کی تعظیم میں غلو کیا اور نبوت و رسالت کے مرتبہ سے بڑھا کر اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا مان لیا اخیر زمانہ میں جب مسیح دجال ظاہر ہوگا تو یہود اس کو مسیح ہدایت سمجھ کر اس کا اتباع کریں گے اس وقت مسیح ہدایت یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تاکہ اہل کتاب کے دونوں گروہ یہود اور نصاریٰ کی غلطی واضح ہو جائے یہود پر تو یہ واضح ہو جائے کہ جس مسیح ہدایت کو تم نے اپنے زعم میں قتل کر دیا تھا وہ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا اور اب زندہ آسمان سے نازل ہو رہا ہے تاکہ مسیح ضلالت یعنی دجال کو قتل کرے اور تم جس مسیح کے قتل کے مدعی تھے تم اس کو قتل نہیں کر سکے تھے بلکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اُس کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور اب وہ زندہ آسمان سے یہودیوں کے سردار مسیح دجال کے قتل کے لیے نازل ہو رہا ہے تاکہ یہود جب مسیح ہدایت کے ہاتھ سے مسیح ضلالت کا قتل دیکھیں تو اپنی گمراہی سے تائب ہو جائیں اور نصاریٰ پر یہ واضح ہو جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے معاذ اللہ خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے۔ دیکھو الجواب الصحیح ص ۱۴۱ ج ۳ و ص ۱۸۱ ج للحافظ ابن تیمیہ و فتح الباری ص ۳۵۷ ج ۶۔ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام

اور اس بارہ میں ناچیز کا مستقل رسالہ ہے جس کا نام لطائف الحکم فی اسرار نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہے جو چھپ چکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

عقیدۂ قتل و صلب میں یہود و نصاریٰ کا فرق:

یہود فخر کے ساتھ کہتے ہیں ﴿إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ﴾ اور اس قتل کو حضرت مسیح کے لیے موجب لعنت سمجھتے ہیں اور نصاریٰ یہود کی طرح قتل اور صلب کے تو قائل ہیں مگر اس قتل اور صلب کو کفارۃ الذنوب سمجھتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اصل قتل اور صلب ہی کی نفی فرما دی کہ سرے ہی سے نہ قتل ہوا اور نہ صلب تاکہ جب اصل واقعہ ہی کی تردید کر دی جائے تو یہود و نصاریٰ کی یہ ذہنی اور خیالی تفریعات خود بخود ختم ہو جائیں گی اس لیے کہ قتل کو موجب لعنت سمجھنا یا موجب کفارہ سمجھنا یہ سب یہود و نصاریٰ کے ذہنی خیالات اور فکری اختراعات ہیں جو سب کے سب وقوع قتل و صلب پر موقوف ہیں پس جب اصل ہی کی نفی ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ قتل کا سارا قصہ محض ایک افسانہ ہے تو اُس فرضی افسانہ پر جو ذہنی تفریعات لگائی گئی ہیں وہ خود بخود ختم ہو جائیں گی اس لیے کہ کاذب اور غلط پر جو تفریع قائم کی جائے گی وہ بھی کاذب اور غلط ہی ہوگی۔

قرآن کریم نے قتل و صلب کے بارہ میں تو یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کی تردید کی مگر رفع الی السماء کے بارہ میں نصاریٰ کی تصدیق کی اور قتل و صلب کے نفی سے نصاریٰ کا مسئلہ کفارہ بھی ختم ہو گیا جس کا بہت سے علماء نصاریٰ کو بھی اقرار ہے کہ یہ مسئلہ کفارہ بولوس کی

ایجاد اور اختراع ہے اور بہت سے علماء یہود اس بات کے معترف ہیں کہ پولوس نے قتل وصلب کا مسئلہ علماء یہود کے حکم سے یہودیت کی حمایت میں اختراع کیا اور منافقانہ طور پر اس کو دین نصاریٰ کا ایک بنیادی عقیدہ بنا دیا۔ دیکھو عقیدۃ الاسلام از ص ۱۶۱ تا ص ۱۶۶

آیت نساء اور آیت آل عمران کے سیاق میں فرق:

سورۂ نسا کی آیات کا سیاق اہل کتاب کی تردید میں ہے اس لیے ان آیات میں نہایت تاکید کے ساتھ قتل وصلب کی نفی کی گئی اور رفع الی السمآء کو ثابت کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر اہل کتاب کے ایمان لانے کو نہایت تاکید کے ساتھ بیان کیا بخلاف آل عمران کی آیتوں کے ان کا تمام سیاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی کے لیے ہے سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی کے لیے توفی اور رفع اور تطہیر اور غلبہ متبعین عیسیٰ وغیرہ وغیرہ کا ذکر فرمایا تاکہ یہود کے مکر وفریب سے قلب پر جو خوف وہراس تھا وہ یکلخت دور ہو جائے اور یہ تمام امور جب ہی باعث تسلی ہو سکتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام زندہ اور صحیح وسالم آسمان پر اٹھائے جائیں اگر سورۂ آل عمران میں تَوَفِّیْ سے وفات بمعنی موت مراد ہوتی تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تو تسلی نہ ہوتی بلکہ یہود کو تسلی اور بشارت ہو جاتی کہ تم بے فکر رہو کہ قتل سے جو تمہارا مقصود ہے وہ ضرور حاصل ہو جائے گا۔ دیکھو عقیدۃ الاسلام ص ۱۶۹

پس آل عمران میں توفی کا ذکر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے لیے ہے کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام) میں تم کو پورا پورا لے لوں گا۔

اور آیات نساء کا سیاق تسلی کے لیے نہیں بلکہ یہود ونصاریٰ کے قول کی تردید کے لیے اس لیے ہے کہ سورۂ نساء میں قتل اور صلب کی نفی کی اور رفع الی السمآء کو ثابت کیا اور توفی سے کوئی تعرض نہ کیا۔ نیز آل عمران میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تسلی کے لیے رفع الی السمآء کا وعدہ فرمایا: کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ اور سورۂ نساء میں سابق وعدۂ رفع الی السماء کے ایفاء کا ذکر ہے۔ ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ﴾ کہ اللہ نے رفع کا وعدہ پورا کر دیا۔

اور سورۂ مائدہ کے اخیر میں فقط توفی کا ذکر فرمایا: ﴿وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ﴾ (المائدہ: ۱۱۷) اس لیے کہ سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا ذکر ہے اس لیے وہاں فقط توفی کا ذکر فرمایا کہ توفی کے بعد کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ جس کی میں گواہی دے سکوں اور اس جگہ قتل اور صلب کی نفی کا کوئی ذکر نہیں فرمایا صرف توفی کا ذکر فرمایا کہ جو مانع شہادت تھی اس لیے سیاق شہادت میں صرف مانع شہادت کو ذکر فرمایا۔ دیکھو عقیدۃ الاسلام ص ۱۹۱۔

خلاصۂ کلام:

یہ کہ سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء کی آیات میں اُمور ذیل کا بغیر کسی ابہام کے نہایت واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل اور صلب سے بالکلیہ محفوظ رہے اور اسی جسم عنصری کے ساتھ صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھائے گئے عہد صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے لے کر چودہ صدی کے علمائے مفسرین نے ان آیات کا یہی مطلب بیان کیا ہے جو ہم نے ہدیۂ ناظرین کیا ہے اس کے خلاف جو تفسیر ہے وہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے۔

تنبیہ : اس مقام پر تین چیزیں ہیں: اوّل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دشمنوں کے قتل اور صلب سے بالکلیہ محفوظ رہنا۔ دوم مسیح علیہ السلام کا زندہ مع جسم کے آسمان پر اٹھایا جانا۔ سوم اُن کا دوبارہ دُنیا میں آسمان سے نازل ہونا امر اول اور امر دوم کا نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ آیات قرآنیہ میں بیان ہوا ہے اور امر سوم کا قرآن کریم کی متعدد آیات میں اجمالاً بیان ہوا ہے مگر احادیث صحیحہ اور صریحہ جو حد

تواتر کو پہنچی ہیں ان میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا نزول اس درجہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ مذکور ہے کہ ان میں ذرہ برابر کسی تاویل اور تحریف کی گنجائش نہیں۔

حیاتِ عیسیٰ ونزول عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے

جاننا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے دنیا میں نازل ہونے کا عقیدہ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے وقت سے لے کر آج تک تمام علماء امت اس پر متفق چلے آئے ہیں۔

اس اجمالی عقیدہ کا انکار سب سے پہلے سرسید علی گڑھی نے کیا اور پھر اس کی تقلید میں مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا اور وفات مسیح علیہ السلام کو اپنی صداقت کا معیار قرار دیا۔

حالانکہ بفرض محال اگر تھوڑی دیر کے لیے حضرت مسیح کی وفات کو مان بھی لیا جائے تو اس سے مرزائے قادیان کی نبوت کیسے ثابت ہوسکتی ہے۔

مان لو کہ ایک بادشاہ مر گیا اور اس کا تخت بھی خالی ہے اور بادشاہت کا سلسلہ بھی بند نہیں ہوا تو کیا اس سے کسی بھنگی یا چمار کی بادشاہت ثابت ہوسکتی ہے جس میں نہ کسی قسم کی قابلیت ہے اور نہ کوئی لیاقت بلکہ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو منصب بادشاہی کے بالکل مباین اور مخالف ہیں۔

کس نیاید بزیر سایۂ بوم
درہما از جہاں شود معدوم

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ جب کسی مرزائی شخص سے بحث کا موقع آجائے تو یہ کہہ دے کہ حیات اور وفات کی بحث کو علماء پر چھوڑو مرزا صاحب میں اوصاف نبوت کو ثابت کرو خود مرزا کو اپنے مراق اور خرابی حافظہ کا اقرار ہے کیا معاذ اللہ خبطی اور مراقی بھی نبی ہوسکتا ہے اور علماء اسلام نے کتابوں میں مرزا کے جھوٹ نقل کیے ہیں کیا جھوٹا بھی نبی ہوسکتا ہے۔

دعوائے نبوت سے پہلے خود مرزائے قادیان کا یہی عقیدہ تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب اپنی الہامی کتاب میں لکھتے ہیں۔

اور جب مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لاویں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا براہین احمدیہ ص ۴۹۸ وص ۴۹۹ مصنفہ مرزا صاحب اور مرزائے قادیان لکھتا ہے اس بات پر تمام سلف وخلف کا اتفاق ہوچکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوگا تو اُمت محمدیہ میں داخل ہوگا۔ (ازالۃ الاوہام ص ۵۶۹ ج ۲ سطر ۶)

إِنَّآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ كَمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰ نُوحٖ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعۡدِهِۦۚ

ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی نوح کو اور نبیوں کو اس کے بعد

وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ وَٱلۡأَسۡبَاطِ

اور وحی بھیجی ابراہیم کو اور اسمٰعیل کو اور اسحٰق اور یعقوب کو اور اس کی اولاد کو

وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيۡمَٰنَۚ وَءَاتَيۡنَا دَاوُۥدَ

اور عیسیٰ کو اور ایوب کو اور یونس کو اور ہارون کو اور سلیمان کو اور ہم نے دی داؤد کو

زَبُورٗا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلٗا قَدۡ قَصَصۡنَٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِن قَبۡلُ وَرُسُلٗا لَّمۡ

زبور اور کتنے رسول جن کا احوال سنایا ہم نے تجھ کو آگے اور کتنے رسول جن کا احوال نہیں

نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكۡلِيمٗا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلٗا مُّبَشِّرِينَ

سنایا تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰ سے بول کر کتنے رسول خوشی

وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةُۢ بَعۡدَ ٱلرُّسُلِۚ

اور ڈر سنانے والے تا نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کی جگہ رسولوں کے بعد

وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمٗا ﴿١٦٥﴾ لَّٰكِنِ ٱللَّهُ يَشۡهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيۡكَۖ

اور اللہ ہے زبردست حکمت والا لیکن اللہ شاہد ہے اس پر جو تجھ کو

أَنزَلَهُۥ بِعِلۡمِهِۦۖ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ يَشۡهَدُونَۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾

نازل کیا کہ یہ نازل کیا ہے اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے گواہ ہیں اور اللہ بس ہے حق ظاہر کرنے والا

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَصَدُّواْ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ قَدۡ ضَلُّواْ ضَلَٰلَۢا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾

جو لوگ منکر ہوئے اور اٹکے اللہ کی راہ سے وہ دور پڑے ہیں بھول کر

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَظَلَمُواْ لَمۡ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِيَهۡدِيَهُمۡ

جو لوگ منکر ہوئے اور حق دبا رکھا ہرگز اللہ بخشنے والا نہیں ان کو اور نہ اُن کو ملاوے

طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ

راہ مگر راہ دوزخ کی پڑے رہیں اس میں ہمیشہ اور یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

اللہ پر آسان ہے۔

جواب از شبہ اہلِ کتاب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ... الى... وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾﴾

ربط: گزشتہ رکوع میں اہل کتاب کی شناعتوں اور قباحتوں کو بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اہل کتاب کا وہ سوال جو ﴿يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ میں منقول ہوا وہ سراسر جہل اور عناد پر مبنی ہے جس کا اجمالی اور الزامی جواب تو ﴿فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ کے ذریعہ دے دیا گیا۔ اب اصل سوال کا تحقیقی اور تفصیلی جواب ارشاد فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب کا یہ کہنا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ پر بھی دفعتاً کوئی کتاب آسمان سے نازل کی جائے یہود کا یہ سوال سراسر جاہلانہ اور معاندانہ ہے اس لیے کہ اثبات نبوت کے لیے یہ سوال کہ توریت کی طرح آپ پر کوئی کتاب دفعتاً نازل کی جائے محض لغو اور مہمل ہے۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے بہت سے نبی گذر چکے ہیں جن کی نبوت اہل کتاب کے نزدیک مسلم ہے حالانکہ یہ حضرات کوئی آسمانی نوشتہ لے کر نہیں آئے تھے معلوم ہوا کہ نبوت کا ثبوت آسمانی نوشتہ کے نزول پر موقوف نہیں نبوت کی تصدیق کے لیے معجزہ کا صادر ہو جانا کافی ہے خواہ کوئی معجزہ ہو ثبوت مدعا کے لیے یہ کافی ہے کہ کسی دلیل سے مدعا ثابت ہو جائے۔ خصم کو یہ اختیار نہیں کہ کسی خاص دلیل اور کسی خاص گواہ کا مطالبہ کرے اور نہ مستدل اور مدعی پر یہ ضروری ہے کہ خصم کی یہ خواہش پوری کرے خصوصاً جب کہ اثبات دعوی کے لیے متعدد دلائل پیش ہو چکے ہوں۔ پس جب آنحضرت ﷺ کی نبوت صدہا دلائل نبوت یعنی سینکڑوں معجزوں سے ثابت ہو چکی تو بغیر اس کے کہ ان میں کوئی خرابی نکالی جائے ایک خاص معجزہ اور من مانی دلیل کی درخواست کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ صرف عناد اور جھگڑا مقصود ہے طلب حق مقصود نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ) تحقیق ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور اُن پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے اور جس طرح ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب علیہم السلام میں جو نبی گذرے اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی اور جس طرح ہم نے داؤد علیہ السلام کو بتدریج زبور دی۔ یعنی جیسے ہم نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام وغیرہ ہم کو نبی بنایا ویسا ہی تم کو بھی نبی بنایا آپ کی نبوت اور اُن کی نبوت میں کوئی فرق نہیں لوگوں کو ان حضرات کی نبوت کا علم مختلف معجزات سے ہوا موسیٰ علیہ السلام کی طرح پوری لکھی ہوئی کتاب یک دم ان میں کسی پر نازل نہیں ہوئی تمام نبیوں میں صرف موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے نبی گزرے ہیں جن کو ساری کتاب ایک دفعہ ملی تھی ان کے سوا جتنے پیغمبر ہیں

ان پر حسب ضرورت وقتاً فوقتاً وحی نازل ہوتی رہی۔ پس اس طرح وحی کا تھوڑا تھوڑا اُترنا اور لکھی ہوئی کتاب کا یکدم نازل نہ ہونا ان حضرات کی نبوت میں خلل انداز نہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں کیسے خلل انداز ہوسکتا ہے۔ غرض یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی بھیجنے میں خدا تعالیٰ نے وہی طریقہ اختیار کیا جو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی نازل کرنے میں اختیار کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو جو زبور عطا کی وہ بھی اس کیفیت سے اُتری ہے جس کیفیت سے قرآن اُترا ہے۔ یعنی زبور بتدریج نازل ہوئی اور علماء اہل کتاب زبور کو منزل من اللہ مانتے ہیں چونکہ مقصود ان آیات سے یہود کے اس شبہ کا جواب دینا ہے کہ تصدیق نبوت کے لیے یکدم لکھی ہوئی کتاب کا نازل ہونا ضرور نہیں اس لیے سلسلہ کلام میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں فرمایا اور کتنے ہی رسول ہیں جن کا حال اس سے پہلے ہم مکی سورتوں میں آپ سے بیان کرچکے ہیں اور کتنے ہی رسول ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا ان سب کو اللہ نے پیغمبر بنایا اور حسب ضرورت تھوڑی تھوڑی وحی ان پر نازل کی مگر بلاواسطہ فرشتہ کے ان میں سے کسی سے بھی اللہ نے کلام نہیں کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ فرشتہ کے کلام کیا یہ خاص اُن کی خصوصیت تھی تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ سوائے موسیٰ علیہ السلام کے جن سے خدا نے بلاواسطہ فرشتہ کے کلام نہیں کیا وہ نبی نہ ہوں اسی طرح اگر کسی نبی کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح یکبارگی کتاب نہ ملے تو کیا اس کی نبوت میں کوئی خلل آجائے گا۔

تمام نبیوں پر وحی فرشتہ کے ذریعہ آئی ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا کی کہ خدا نے اُن سے پس پردہ کلام کیا اور فرشتہ کا واسطہ درمیان میں نہ رکھا یہ ان پر خدا تعالیٰ کی خاص عنایت تھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس میں یہ خصوصیت نہ پائی جائے وہ نبی ہی نہیں اسی طرح لکھی ہوئی کتاب کا یکدم نازل ہونا موسیٰ علیہ السلام کی خاص خصوصیت تھی نبوت کی شرط نہیں حق تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہر نبی کو کسی خاص فضیلت اور کسی خاص معجزہ سے سرفراز فرماتے ہیں کسی میں کوئی فضیلت رکھی اور کسی میں کوئی موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنایا مگر اپنے دیدار سے محروم رکھا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کو شب معراج میں اپنے کلام سے اور اپنے دیدار پُرانوار سے مشرف فرمایا (ھذا کلہ توضیح کلام الامام الرازی فی التفسیر الکبیر ص ۵۴ ج ۳ و ھو نفیس ولطیف جدا)

خلاصہ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اس پر موقوف نہیں کہ ان پر لکھی ہوئی کتاب (توریت) یکدم نازل ہوئی تھی بلکہ اگر بالفرض ان پر کوئی نوشتہ خداوندی بھی نازل نہ ہوتا تو اُن کا صاحب وحی اور صاحب کلام الٰہی اور صاحب معجزات ہونا یہ اُن کے دعوائے نبوت کی تصدیق کے لیے کافی تھا نیز موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ توریت کتاب الٰہی ہے یہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک دعویٰ ہے اس کی تصدیق خود ان کی تصدیق نبوت پر موقوف ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ یہود کا آنحضرت ﷺ سے یہ کہنا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح لکھی کتاب یکدم آپ پر بھی نازل ہونی چاہیے بالکل مہمل اور لایعنی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول اس لیے بھیجے ہیں تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام رکھنے کی کوئی جگہ نہ رہے یعنی رسولوں کے بھیجنے سے ہماری محض یہ غرض ہے کہ لوگوں کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور فرمانبرداروں کو انعام خداوندی کی خوشخبری سنائیں اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرائیں تاکہ قیامت کے دن لوگ خدا کے سامنے یہ عذر نہ کرسکیں کہ ہمیں آپ کے احکام اور مرضی، نامرضی کا علم نہ تھا اگر ہمارے پاس آپ کے پیغمبر آتے تو ہم ضرور ان کا حکم مانتے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ آیت بھی یہود کے اسی سابق سوال کا دوسرا جواب ہے اور مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بھیجنے سے

مقصود فرمانبرداروں کو بشارت دینا اور نافرمانوں کو ڈرانا ہے خواہ ایک دم کتاب نازل کی جائے یا پارہ پارہ کرکے نازل کی جائے مقصود ہر حال میں حاصل ہے بلکہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں فائدہ زیادہ ہے اس لیے کہ انسان یکبارگی تمام احکام نازل ہونے سے گھبراتا ہے اور تھوڑے تھوڑے احکام پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔ پس یکدم کتاب نازل کرنے کی درخواست کرنا سراسر لغو اور بیجا ہے اور ہے اللہ غالب اور حکمت والا اُسے یکدم کتاب کا نازل کرنا دشوار نہیں لیکن اس کی حکمت اس امر کو مقتضی ہوئی کہ یہود کی اس معاندانہ اور مہمل درخواست کو پورا نہ کیا جائے اور نہایت حکیمانہ طریق سے اس شبہ کا قلع قمع کر دیا جائے۔

خلاصۂ کلام [1]

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام وغیرہم کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں یہود اپنے عناد اور ہٹ دھرمی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت نہ دیں تو نہ دیں لیکن واقع میں آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے آپ کی نبوت و رسالت کی بذریعہ اس کتاب کے جو اس نے آپ کی طرف اتاری یعنی یہ قرآن آپ کی نبوت کی گواہی دیتا ہے اس لیے کہ اس کا اعجاز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ نے اس قرآن کو اپنے خاص علم کے ساتھ اتارا ہے جو علوم اور معارف اس کتاب میں ودیعت رکھے ہیں وہ کسی کتاب میں نہیں اس کے علوم و معارف ادراک بشری سے کہیں بالا اور برتر ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کے عجائب و غرائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ یہ قرآن منبع ہدایت ہے جس قدر ہدایت لوگوں کو قرآن سے ہوئی وہ اور کسی کتاب سے نہیں ہوئی اور فرشتے بھی آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتے ہیں جنگ بدر اور جنگ حنین اور دیگر مواضع میں بحکم خداوندی فرشتے آپ کی تائید کے لیے نازل ہوئے اور بالفرض کوئی بھی آپ کی نبوت کی شہادت نہ دے تو خدا تعالیٰ آپ کی نبوت و رسالت کا کافی گواہ ہے اللہ کی گواہی کے بعد کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں مطلب یہ ہے کہ یہود باوجود شبہ رفع ہو جانے کے پھر بھی آپ کی نبوت کی شہادت نہ دیں تو پرواہ نہ کیجئے خدا تعالیٰ آپ کی نبوت کی شہادت دیتا ہے اور خدا کی شہادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو دلائل نبوت یعنی معجزات عطا کیے اور یہ کتاب مستطاب یعنی قرآن آپ پر اتارا جس کا اعجاز اور اس کی بے نظیر فصاحت و بلاغت اور اس کا اخبار غیبیہ پر مشتمل ہونا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور وہ آپ کے نبی ہونے کی شہادت دیتا ہے بے شک جن لوگوں نے شبہ دُور ہو جانے کے بعد بھی آپ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی بشارتوں اور صفتوں کو چھپایا اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا یقیناً وہ راہ راست سے بہت دُور جا پڑے تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور حق کو دبایا اور حق قبول کرنے والوں کو ستایا تو نہیں ہے خدا تعالیٰ ایسا کہ ایسوں کو معاف کر دے اور نہ وہ ایسا ہے کہ ان کو کوئی راہ دکھاوے یا چلاوے مگر جہنم کی راہ انہیں سیدھا جہنم میں پہنچائے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کسی وقت بھی کوئی راہ اس سے نکلنے کی نہ ہوگی یہود اس خیال خام میں نہ رہیں کہ چند روز کے بعد جہنم سے باہر آ جائیں گے اور یہ امر اللہ پر بہت

---

[1] خلاصہ کلام سے جو عبارت ہے وہ ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ﴾ کے استدراک کی توضیح و تشریح کے لیے ہے۔ کما قال الامام الرازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ لما انزل انا اوحینا الیک قالوا نحن لا نشہد لک بذلک لکن اللہ یشہد الخ (تفسیر کبیر ص ۳۵۵ ج ۳ والبحر المحیط ص ۳۹۹ ج ۳) وقال شیخ الاسلام ابو السعود ہو استدراک عما یفہم مما قبلہ کانہم لما تعنتوا علیہ بما سبق من السؤال واحتج علیہم بقولہ انا اوحینا الیک الخ قیل انہم لا یشہدون بذلک لکن یشہد بما انزل الیک۔

ہی آسان ہے یعنی اہل عناد کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دینا اللہ پر آسان ہے اس امر کے لیے اسے کسی سامان اور اہتمام کی ضرورت نہیں۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا
اے لوگو! تم پاس رسول آچکا ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی سو مانو کہ بھلا ہو
لَّكُمْ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ
تمہارا اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں اور ہے
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾
اللہ سب خبر رکھتا حکمت والا۔

خطاب عام برائے قبول دعوت حق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ ... الٰى ... وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ ﴾

ربط: نبوت محمدیہ ﷺ کے متعلق یہود کے تمام شکوک اور شبہات کا کافی اور شافی جواب دینے کے بعد تمام بنی آدم کو حق کی دعوت دیتے ہیں کہ دین محمدی میں داخل ہو جاؤ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں اللہ کی طرف سے حق کو لے کر آئے ہیں اس کو قبول کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے اور اگر نہیں قبول کرتے تو اللہ کو اس کی پرواہ نہیں وہ آسمان وزمین کا مالک ہے تمام فرشتے اور شجر وحجر سب اسکی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اُسے تمہاری تسبیح وتحمید کی کوئی حاجت نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے اللہ کے سچے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ دین حق لے کر آچکے ہیں جس سے مقصود تمہاری تربیت ہے اور حق تو جس طرح بھی پہنچے اس کے قبول میں تامل نہ کرنا چاہیے تھوڑا تھوڑا اور چاہے یکدم اور پھر مزید برآں یہ کہ وہ رسول برحق، حق اور صداقت کو لے کر خود تمہارے پاس پہنچ گیا چاہیے تو یہ تھا کہ تم خود حق کی تلاش میں نکلتے لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پیغمبر خدا تو حق لے کر تمہارے پاس پہنچ گیا اور تم ہو کہ اس میں خدشے نکال رہے ہو کہ یہ دین حق تھوڑا تھوڑا ہو کر کیوں نازل ہو رہا ہے یکدم کتابی شکل میں کیوں نازل نہیں ہو جاتا پس عقل اور دانائی کا مقتضی یہ ہے کہ اس حق اور اس رسول برحق پر تم فوراً ایمان لے آؤ ایمان لانا ہی تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کو نہیں مانو گے تو اللہ کو تمہارے ایمان کی کوئی حاجت نہیں تحقیق اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ایمان لانے میں تمہارا ہی نفع ہے اُس کا کوئی فائدہ نہیں اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا اسے تمہارے ایمان اور کفر کی سب خبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

يٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ ؕ

اے کتاب والو! مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں اور مت بولو اللہ کے حق میں مگر بات

اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلۡقٰٮهَاۤ

تحقیق مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام جو ڈال دیا

اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ ؗ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوۡلُوۡا

مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور مت بتاؤ اس کو

ثَلٰثَةٌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ

تین یہ بات چھوڑو کہ بھلا ہو تمہارا اللہ جو ہے سو ایک معبود ہے اس لائق

يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

نہیں کہ اس کی اولاد ہو اسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے اور اللہ بس ہے

وَكِيۡلًا ﴿۱۷۱﴾ ع لَنۡ يَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِيۡحُ اَنۡ يَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓـئِكَةُ ع ۲۳ ۹ ۳

کام بنانے والا مسیح ہرگز برا نہ مانے اس سے کہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتے

الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَمَنۡ يَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَيَسۡتَكۡبِرۡ فَسَيَحۡشُرُهُمۡ

نزدیک والے اور جو کوئی کنیاوے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے

اِلَيۡهِ جَمِيۡعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ

ان سب کو اپنے پاس اکٹھا پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل کیے نیک سو ان کو پورا دے گا

اُجُوۡرَهُمۡ وَيَزِيۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡتَنۡكَفُوۡا وَ

ان کا ثواب اور بڑھتی دے گا اپنے فضل سے اور جو کنیائے اور

اسۡتَكۡبَرُوۡا فَيُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ

تکبر کیا سو ان کو مارے گا دکھ کی مار اور نہ پاویں گے اپنے واسطے

اللّٰہِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۱۷۳﴾ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ
اللہ کے سوائے کوئی حمایتی اور نہ مددگار اے لوگو! تم پاس پہنچ چکی تمہارے رب کی طرف سے سند
رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ
اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح سو جو یقین لائے اللہ پر اور
اعْتَصَمُوْا بِہٖ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَ فَضْلٍ لا وَّ یَھْدِیْھِمْ
اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اپنی مہر میں اور فضل میں اور پہنچا دے گا
اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۱۷۵﴾ ط
اپنی طرف سیدھی راہ

خطاب خاص باہل کتاب باعتاب نصیحت مآب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ . . . الٰی . . . صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۱۷۵﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہود کے شبہات اور معاندانہ سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے اور اُن کے قبائح وفضائح سب کے سامنے کھول دیئے جنہیں وہ چھپاتے تھے۔ پس جب آنحضرت ﷺ کی نبوت ثابت ہوگئی تو اس کے بعد ایک خطاب عام فرمایا اور تمام بنی آدم کو دین حق اور رسالت محمدیہ کی تصدیق کی دعوت دی اب خطاب عام کے بعد پھر اہل کتاب کو خطاب خاص فرماتے ہیں اور گو عنوان عام ہے مگر اصل مقصود بالخطاب، نصاریٰ ہیں جس میں اُن کو اس کی نصیحت ہے کہ اپنے عقائد فاسدہ سے باز آکر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اگر انحراف کریں گے تو انہیں بہت سخت عذاب ہوگا اور چونکہ ان کے عقائد فاسدہ کا اصل سبب یہ تھا کہ اُن کی طبیعت میں غلو یعنی مبالغہ پسندی تھی جس کے معتقد ہوئے اس کو حد سے بڑھا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے بڑھا کر الوہیت کا درجہ دے دیا اس لیے حق تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی غلو اور مبالغہ کے ترک کا حکم دیا جو ان کی گمراہی کا اصل سبب تھا اور خاص طور پر اہل کتاب کو مخاطب بنایا کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو کیونکہ یہ ایسی پاکیزہ اور عمدہ بات ہے کہ کسی کو اس کے تسلیم کرنے میں تردّد نہیں ہوسکتا اور یہی بلاغت کمال ہے اور اسی کو حسن استدلال کہتے ہیں کہ اوّلاً ایک مقدمہ مسلمہ پیش کردیا جائے تاکہ مخاطب اس کا انکار نہ کرسکے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے اہل کتاب! اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو یعنی حد سے آگے نہ بڑھو اور حد سے زیادہ کسی کی تعظیم نہ کرو اور اللہ کی نسبت سوائے حق کے کوئی لفظ نہ کہو تمہارا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا خدا تعالیٰ کی تنقیص ہے اور خدا کے ذمہ جھوٹ لگانا ہے

کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنایا ہے۔ اہل کتاب کے دو گروہ تھے ایک یہود اور ایک نصاریٰ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تنقیص کی اور اُن کی شان کو گھٹایا اور اُن کے قتل کے درپے ہوئے اور ان کی والدہ مطہرہ علیہا السلام کو متہم کیا۔ غرض یہ کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیر میں حد سے گذر گئے اور نصاریٰ اُن کی تعظیم میں حد سے گذر گئے اور اُن کی تعظیم میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا اس آیت میں اہل کتاب سے خاص طور پر نصاریٰ مراد ہیں گزشتہ رکوع میں یہود کی غلطی بیان فرمائی اب اس کے بعد خاص طور پر نصاریٰ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلط عقیدہ نہ رکھیں اور نصاریٰ کے اکثر فرقے خدا کی ذات میں باامتیاز حقیقی تین اقنوم کے قائل ہوئے اور اس کا نام تثلیث رکھا اور پھر تماشہ یہ کہ یہ کہا کہ تین ایک میں ہیں اور ایک تین میں ہے اور یہ نصاریٰ کا بنیادی عقیدہ ہے اور نجات کی سیڑھی ہے اور اس کو وہ توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے نام سے موسوم کرتے ہیں نصاریٰ کے کل چار فرقے تھے یعقوبیہ، ملکانیہ، نسطوریہ، مرقوسیہ ان میں سے یعقوبیہ اور ملکانیہ مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے تھے اور نسطوریہ خدا کا بیٹا اور مرقوسیہ ان کو تین کا تیسرا اقرار دیتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا تین اقنوم ہیں یعنی خدا باپ اور بیٹے اور روح القدس سے مرکب ہے ان میں سے ایک اقنوم عیسیٰ علیہ السلام ہے تو عیسیٰ علیہ السلام تین خدا میں سے ایک خدا ہے گویا کہ عیسائی مذہب میں الوہیت کے تین رکن ہیں جن سے خدائی قائم ہے۔

حق جل شانہٗ نے اس آیت میں ان چاروں فرقوں کی تردید فرمائی ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے اہل کتاب دین میں غلو اور مبالغہ نہ کرو یعنی حد سے تجاوز نہ کرو اور جو باتیں دین میں نہیں ہیں اُن کو اپنی طرف سے دین میں نہ داخل کرو اپنی طرف سے دین میں کسی بات کو داخل کرنا درحقیقت اللہ پر جھوٹ بولنا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے حالانکہ اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا لفظ ﴿لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ﴾ سے گمراہی کا مبدأ اور منشا بیان فرمایا کہ ہر گمراہی کا اصل سبب دین میں غلو اور مبالغہ ہے اور لفظ ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ سے گمراہی کا منتہیٰ اور اس کا انجام بیان فرمایا کہ غلو اور مبالغہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دین میں وہ باتیں داخل ہو جاتی ہیں جن کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور بغیر حکم خداوندی کسی چیز کو دین کہنا اور موجب ثواب وعقاب بتانا یہ اللہ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا﴾ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کی بیوی ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد ہے خدا تعالیٰ شرکت اور حلول سب سے پاک اور منزہ ہے خدا نے ہرگز نہیں کہا کہ مسیح میرا بیٹا ہے جزایں نیست کہ مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام خدا کے پیغمبر ہیں وہ خدا کے بیٹے نہیں بلکہ وہ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں اور ظاہر ہے کہ عورت کا مولود معبود اور معبود کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف پیغمبر خدا ہیں خدا سے ان کا کوئی نسب اور رشتہ نہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اللہ کی طرف سے ایک خاص روح ہیں مسیح علیہ السلام کو خدا کا کلمہ اس لیے کہا کہ وہ محض کلمہ کن سے پیدا ہوئے ان کی پیدائش عام لوگوں کی طرح کسی مادہ منویہ سے نہیں ہوئی اور چونکہ اُن کی ولادت روح الامین کے نفخۂ روحانیہ سے ہوئی اور روحانیت ان پر خاص طور پر غالب تھی اس لیے اُن کو روحٌ مِنْہُ فرمایا۔

اس جگہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے چار وصف بیان فرمائے

پہلا وصف یہ ہے کے وہ ابن مریم علیہا السلام ہیں یعنی بحکم خداوندی بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہوئے ہیں۔ معاذ اللہ حرام فعل کی بنا پر نہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں اور معاذ اللہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔

دوسرا وصف رسول اللہ ﷺ ہے۔ یعنی وہ خدا کے رسول تھے اس میں یہود کا بھی ردّ ہے اور نصاریٰ کا بھی، یہود اُن کو خدا کا رسول نہیں سمجھتے تھے بلکہ معاذ اللہ ان کو جھوٹا اور جادوگر کہتے تھے اور نصاریٰ اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے کہ خدا نے مریم علیہا السلام کے پیٹ میں حلول کیا اور انسانی صورت میں ظاہر ہوا جیسا کہ ہنود اپنے اوتاروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں لفظ رسول اللہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کا ردّ فرمایا۔

تیسرا وصف یہ کہ وہ اللہ کا کلمہ تھے یعنی صرف کلمہ کن سے بلا توسط اسباب پیدا ہوئے اگرچہ تمام لوگوں کی خلقت اللہ ہی کے کلمہ سے ہوتی ہے مگر چونکہ بظاہر اور لوگوں میں کچھ اسباب ظاہری کا بھی لگاؤ ہوتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں یہ بھی نہ تھا اس لیے ان پر کلمۃ اللہ کا اطلاق زیادہ موزوں ہوا اس صفت میں اشارہ اس طرف تھا کہ دشمن آپ کے قتل پر قادر نہ ہوں گے اس لیے کہ کوئی شخص اللہ کے کلمہ کو پست نہیں کر سکتا اللہ کا کلمہ اوپر ہی کو چڑھے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ (الفاطر:۱۰)

چوتھا وصف رُوْحٌ مِّنْهُ ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ اللہ کی طرف سے ایک پاکیزہ اور لطیف روح ہیں جو روح الامین کے پھونک مارنے سے ظہور پذیر ہوئی ہے صورت آپ کی اگرچہ بشری ہے مگر فطرت اور اندرونی حقیقت ملکی اور جبریلی ہے۔

نقش آدم لیک معنی جبرئیل　　　　رستہ از جملہ ہواؤ وقال و قیل

یہ عجب نہیں کہ اسی بناء پر آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہو کہ جس طرح کلمہ کے الفاظ اور حروف میں ایک لطیف معنی مستور ہوتے ہیں اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت بشریہ میں ایک نہایت لطیف شے یعنی حقیقت ملکیہ اور معنی جبریلی مستور اور مخفی تھے۔

نقابیست ہر سطر من زیں کتیب　　　　فرد ہشتہ بر عارض دلفریب

معانی است در زیر حرف سیاہ　　　　چو در پردہ معشوق ودر میغ ماہ

اور اس وصف میں اشارہ اس طرف تھا کہ جب آپ کی فطرت ملکی اور روحانی ہے تو ملائکہ اور روحانیین کی طرح آپ کے لیے عمر بھر میں ایک مرتبہ عروج الی السماء اور نزول ضرور پیش آئے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ　　　　فرشتے اور روح (جبرئیل علیہ السلام) آسمان پر جاتے ہیں۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ　　　　فرشتے اور روح (جبرئیل علیہ السلام) آسمان سے اترتے ہیں۔

پس جس طرح روح الامین کے لے عروج اور نزول ثابت ہے اسی طرح جناب مسیح علیہ السلام جو خدا کی ایک خاص روح ہیں اور روح الامین علیہ السلام کے پھونک مارنے سے ظہور پذیر ہوئے ہیں اُن کے لیے بھی ضرور عروج الی السماء اور نزول الی الارض ہوگا اور چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سراپا روح قرار دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ وہ سراپا من جانب اللہ ایک روح ہیں اور یہ نہیں کہا گیا فیہ روح (یعنی اس میں روح ہے) اس لیے یہود اُن کے قتل پر قادر نہ ہوئے اس لیے کہ قتل جسم کا ممکن ہے روح کا قتل ممکن نہیں پس جس کو خدا تعالیٰ رُوْحٌ مِّنْهُ کہے اُسے کون قتل کر سکتا ہے۔

اور چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو رُوْحٌ مِّنْهُ فرمایا اور روح کا خاصہ یہ ہے کہ جس شے سے روح کا اتصال ہو جاتا ہے وہ شے زندہ ہو جاتی ہے اس لیے آپ کو احیاء موتیٰ کا معجزہ عطا کیا گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے پر مردہ زندہ ہو جاتا تھا اس لیے کہ حضرت

عیسیٰ خدا تعالیٰ کی خاص روح تھے جس سے خدا کی یہ روح ملتی وہ شئی باذن اللہ زندہ ہوجاتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اور ان صفات فاضلہ مذکورہ کے ساتھ موصوف تھے معاذ اللہ خدا اور خدا کا بیٹا نہ تھے۔ پس اے اہل کتاب تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر صحیح ایمان لاؤ کہ اللہ ایک ہے نہ اس کے بیوی ہے اور نہ اولاد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں یعنی یہ خیال نہ کرو کہ خدائی تین چیزوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ بعض نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ خدا تین ہیں باپ، بیٹا، روح القدس اور انہی تین چیزوں کو نصاریٰ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ پس اے اہل کتاب تم باز آجاؤ تین خدا کہنے سے یعنی تثلیث اور اتحاد اور حلول کے عقیدہ سے توبہ کرو یہی تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں بہتر ہوگا کیونکہ جز ایں نیست کہ اللہ ہی تمہارا ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی دوسرا اور تیسرا معبود نہیں اور جو شخص تین خدا کا قائل ہے وہ توحید کا منکر ہے اور وہ نادان الوہیت میں جمہوریت کا قائل ہے اور توحید کا قائل ہوجانا اور تثلیث سے باز آجانا اسی میں دنیا اور آخرت کی بہتری ہے دُنیا کی بہتری تو یہ ہے کہ لوگ تم کو بے عقل نہ کہیں گے اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ عذاب سے نجات پاؤ گے۔

عقیدہ تثلیث کے ابطال کے بعد عقیدہ ابنیت کو باطل فرماتے ہیں اللہ منزہ ہے اس سے کہ اس کے لیے کوئی فرزند ہو کیونکہ ولد والد کا جزء ہوتا ہے اور باپ سے حادث (پیدا) ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ تجزی اور حدوث سے پاک ہے نیز ولادت خاصہ حیوان کا ہے جس سے خدا تعالیٰ منزہ ہے نیز جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں اور غلام کی طرح، بیٹا باپ کا مملوک نہیں نیز بیٹا باپ کے مماثل اور مشابہ ہوتا ہے اور خدا کا کوئی مثل نہیں۔ نیز باپ ایک درجہ میں اولاد کا محتاج ہوتا ہے اس لیے کہ اولاد اس لیے ہوتی ہے کہ زندگی میں باپ کی مددگار رہو اور مرنے کے بعد باپ کے قائم مقام ہو اور اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے اور اللہ کافی کارساز ہے اسے اپنی کارسازی میں اولاد کی امداد کی حاجت نہیں۔ پس وہ جب اپنی تدبیر اور کارسازی میں اکیلا کافی ہے تو دوسرے اور تیسرے معبود ماننے کی کیا ضرورت اور بے ضرورت اور فالتو چیز کو معبود بنانا اور خدائی میں اس کو شریک ٹھہرانا بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے۔

نصاریٰ کا ایک شبہ اور اس کا جواب:

الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح کے باطل کرنے کے بعد نصاریٰ کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ اگر نصاریٰ یہ کہیں کہ ہم تو دین میں غلو نہیں کرتے لیکن اے مسلمانو! تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص کرتے ہو کہ اُن کو تم خدا کا بندہ بتاتے ہو حالانکہ اُن سے خدائی افعال سرزد ہوتے تھے وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور مادرزاد اندھوں کو اچھا کرتے تھے ایسی برگزیدہ ذات کو خدا کا بندہ کہنا یہ ان کی تنقیص اور تحقیر ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ مسیح بن مریم علیہما السلام ہرگز اللہ کا بندہ ہونے سے عار نہیں کرتے بلکہ وہ خدا کی بندگی کو اعلیٰ درجہ کی عزت اور رفعت سمجھتے تھے تم خود مقر ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام رات بھر زیتون کی پہاڑی پر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ذوق وشوق کے ساتھ خدا کی عبادت وہی کرے گا جو خدا کا بندہ ہونے پر فخر کرے گا معبود کسی کی عبادت نہیں کیا کرتا اور نہ مقرب فرشتے خدا کی بندگی سے عار کرتے ہیں حالانکہ فرشتے نورانیت اور روحانیت میں حضرت مسیح علیہ السلام سے بڑھے ہوئے ہیں فرشتے بغیر ماں باپ کے محض نور سے بلا اسباب ظاہری کے محض کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور ظہور خوارق اور عالم غیب کے علم وادراک میں اور آسمان وزمین کے عروج ونزول میں حضرت مسیح علیہ السلام سے بڑھ کر ہیں فرشتوں کا اصل مسکن آسمان ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام اصل باشندہ زمین کے ہیں جو بہ نسبت آسمانوں کے

بہت پست ہیں مگر باایں ہمہ فرشتے خدا اور خدا کے بیٹے نہیں دن رات اللہ کی تسبیح وتحمید تہلیل وتمجید میں لگے رہتے ہیں۔

نجران کے عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اے محمد ﷺ آپ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا رتبہ گھٹاتے ہیں کہ آپ ان کو خدا کا بندہ بتلاتے ہیں اس سے تو ان کی کسر شان ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خود خدا کا بندہ بننے سے عار نہیں ہے اور یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ مسیح کو خدا کا بندہ بننے سے عار ہے اور نہ ملائکہ مقربین کو اس سے عار ہے یہ تمہاری اور مشرکوں کی حماقت اور نادانی ہے کہ تم مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہو اور مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں خدا کا بندہ بننا کسی طرح بھی موجب عار نہیں بلکہ موجب صد فخر اور باعث صد شکر ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام اور ملائکہ مقربین کو یہ خوب معلوم ہے کہ جو شخص اللہ کی بندگی سے عار کرے اور تکبر کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حساب کے لیے مستنکفین اور غیر مستنکفین سب کو جمع کرے گا جس دن سوائے بندگی کے کوئی چیز نفع نہ دے گی۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اس کی عبودیت اور عبادت سے استنکاف اور استکبار نہیں کیا۔ پس اللہ ایسے لوگوں کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور بلکہ انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا یعنی جس قدر ثواب کے وہ مستحق ہیں وہ اس سے زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے اس کی بندگی کو موجب عار سمجھا اور تکبر کیا سو ان کو دردناک عذاب دے گا جو خدا کی بندگی سے عار کرنے والوں کی ذلت ورسوائی کا ذریعہ ہوگا اور نہ پاویں گے یہ لوگ اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی مددگار جو ان کو ذلت سے بچا سکے یا چھڑا سکے۔

خاتمۂ کلام برخطاب عام

جس طرح یہود کے خطاب کے بعد عام لوگوں کو مخاطب بنایا اسی طرح اب نصاریٰ کے خطاب خاص کے بعد عام لوگوں سے خطاب فرماتے ہیں اے لوگو! تحقیق آچکی تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے ایک روشن دلیل یعنی آنحضرت ﷺ [1] کی ذات بابرکات۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب   گر دلیلے باید از وے رومتاب

اور اتارا ہم نے آپ کی طرف ایک واضح روشنی کو تا کہ تم کو حق اور باطل کا فرق نظر آئے۔ پس لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہوگئی اور کسی کے لیے حق قبول نہ کرنے میں کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ پس جو لوگ ایمان لائے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر اور اس کی رسی کو مضبوط پکڑا اور خدا کی برہان اور اس کے نور مبین کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا سو اللہ اُن کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا رحمت سے مراد جنت اور ثواب عظیم ہے اور فضل سے وہ نعمت مراد ہے کہ جو وہم وگمان سے کہیں زائد ہو اور اُن کو سیدھے راستہ پر چلا کر اپنے تک پہنچا دے گا خدا تعالیٰ کی عطا کردہ برہان اور اس کے نازل کردہ نور مبین ہی کی روشنی میں آخرت کی راہ طے ہوسکتی ہے۔

ابطال الوہیت عیسیٰ علیہ السلام

تمام تاریخوں اور ناقابل تردید روایتوں اور انجیل کی بے شمار آیتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن آدم اور انسان مجسم تھے حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے اُن کا جسم انسانوں ہی کا سا تھا انسانوں کی طرح اعضاء رکھتے تھے انسانوں ہی کی طرح

---

[1] یعنی برہان سے آنحضرت ﷺ کی ذات والا صفات مراد ہے جیسا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۷ ج ۶)

کھانے پینے کے محتاج تھے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے سوتے اور جاگتے تھے چلتے اور پھرتے تھے غرض یہ کہ انسانیت کے تمام لوازم ان میں موجود تھے پس ایسے وجود کو کیسے خدا مان لیا جائے اور کس طرح اس کے لیے خدائی صفات ثابت کردی جائیں۔

① خدا تو اس ذات پاک کا نام ہے کہ جو خود بخود موجود ہو اور تمام صفات کمال وجلال کے ساتھ متصف ہو اور تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہو قادر مطلق ہو عاجز نہ ہو۔

اے نصارائے حیاریٰ خدارا یہ تو بتلاؤ کہ کیا خدا کو بھی مجبوری لاحق ہوسکتی ہے اور کیا سولی پر چلا کر دم دے دینا خدا کی شان کے شایان ہے انجیل لوقا باب ہشتم آیت ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں ہے۔

"پھر ایک دن ایسا ہوا کہ وہ (مسیح علیہ السلام) اور اس کے شاگرد کشتی پر چڑھے اور اس نے ان سے کہا کہ آؤ جھیل کے پار چلیں۔ پس وہ روانہ ہوئے مگر جب کشتی چلی جاتی تھی تو وہ سو گیا اور جھیل پر بڑی آندھی آئی اور کشتی پانی سے بھری جاتی تھی اور وہ خطرے میں تھے انہوں نے پاس آکر اُسے جگایا اور کہا کہ صاحب ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔"

② پس مسیح اگر خدا ہوتا تو اس قدر بے خبر نہیں ہوسکتا اور نہ اس پر نیند طاری ہوسکتی تھی۔

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ﴾ (البقرہ)

"اللہ وہ ذات پاک ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایسا زندہ ہے جس پر موت نہیں وارد ہوسکتی وہ تمام کائنات کے وجود کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔"

سب کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بشری عوارض لاحق تھے اور کوئی خدائی صفت ان میں موجود نہ تھی پس کس طرح اُن کو ازلی اور ابدی اور غیر مخلوق اور خدا تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

③ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باوجود صاحب جسم وصاحب لحم ودم ہونے کے خدا اور خالق عالم ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ رب معبود کا کچھ حصہ تو قدیم اور ازلی ہے اور کچھ حصہ مخلوق اور حادث ہے اس لیے کہ جسم اور لحم اور دم بلاشبہ مخلوق اور حادث ہے اور بقول نصاریٰ اندر کی روح قدیم ہے۔

④ نیز نصاریٰ ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساری دُنیا کا خالق مانتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُنیا کا ایک جز تھے تو نتیجہ یہ نکلا کہ دُنیا کا یہ جز خالق بھی ہے اور مخلوق بھی ہے۔

⑤ نیز انجیل سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے بال بھی کٹواتے تھے اور ناخن ترشواتے تھے جو زمین میں گر کر لاشے بن جاتے تھے تو نصاریٰ کے مذہب پر نتیجہ یہ نکلے گا کہ خالق ازلی کے بعض اجزاء کا کٹ جانا اور کٹ کر زمین میں مل جانا اور پھر اُن کا فنا ہو جانا سب جائز ہے۔

⑥ نیز نصاریٰ کے نزدیک یہ بھی مسلّم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے کے بعد بتدریج نشو ونما پایا اور اُن کے طول وعرض میں زیادتی ہوئی حتیٰ کہ جوان ہوئے اور پیدائش سے لے کر اخیر عمر تک قسم قسم کے تغیرات بشریہ اُن کو لاحق ہوتے رہے۔

تو حضرات نصاریٰ بتائیں کہ معاذ اللہ کیا خدا بھی بتدریج نشو ونما پاتا ہے اور بشری تغیرات اس کو لاحق ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ اس کے طول وعرض میں زیادتی ہوتی ہے۔ (الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح ص ۱۱)

⑦ نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بھی مانتے ہیں اور قدیم اور ازلی بھی مانتے ہیں حالانکہ یہ امر بدیہی ہے کہ والد اور ولد کا وجود ساتھ نہیں ہوتا بلکہ ولد کا وجود والد کے وجود سے مؤخر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو شے وجود میں مؤخر ہوگی وہ کسی طرح قدیم اور ازلی نہیں ہوسکتی بلاشبہ وہ حادث اور مخلوق ہوگی۔ (الجواب الفسیح ص ۲۰)

⑧ نیز عیسیٰ علیہ السلام اگر خدا ہوتے تو یہودیوں سے خائف نہ ہوتے اور نہ اُن سے چھپنے کی کوشش کرتے اور نہ موت کا پیالہ ٹلنے کی خدا سے دُعا مانگتے دشمنوں سے ڈرنا اور دُعا مانگنا بندہ کا کام ہے، خدا تعالیٰ نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے۔

⑨ نیز ابتداء ولادت سے لے کر اخیر عمر تک بچپن اور جوانی وغیرہ وغیرہ کے مراحل سے گزرنا یہ بھی تردید الوہیت کے لیے کافی ہے کیونکہ اس قسم کے بے شمار تغیرات بلاشبہ الوہیت کے منافی ہیں۔

⑩ نیز نصاریٰ جب اُن کی موت کا عقیدہ رکھتے ہیں تو عقیدۂ موت کے بعد تو تردید الوہیت کے لیے کسی دلیل کی حاجت ہی نہیں رہتی کیونکہ باتفاق عقلاء خدا کا حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ ہونا ضروری ہے خدا تعالیٰ دکھ اور بیماری اور موت سے پاک ہے۔

نصاریٰ کے چند شبہات اور ان کے جوابات

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ یعنی اللہ کی روح اور اللہ کا کلمہ کہا گیا ہے اور خدا کی روح خدا سے کمتر نہیں معلوم ہوا کہ حضرت مسیح مرتبۂ الوہیت میں تھے اور علی ہذا الفظ کلمۃ اللہ میں مرتبۂ الوہیت کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن کریم میں کسی نبی کو اللہ کی روح اور اللہ کا کلمہ نہیں کہا گیا قرآن کریم نے ان دو صفتوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کو تمام پیغمبروں پر فوقیت دی ہے۔ اس سے اشارہ ان کے مرتبۂ الوہیت کی طرف ہے حضرت مسیح علیہ السلام کلمۂ خدا تھے اسی سے سارا جہاں پیدا ہوا اس لحاظ سے لفظ کلمۃ اللہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کل کائنات کے مبداء ہیں۔

پہلی بات کا جواب:

① ﴿رُوْحٌ مِّنْهُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پاکیزہ روح ہیں جن کو حق تعالیٰ نے بغیر باپ کے محض نفخ جبریل علیہ السلام سے پیدا کیا جیسے جبریل امین کو روح الامین کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ پاک روح ہیں جو محض نور سے پیدا کی گئی اور ﴿رُوْحٌ مِّنْهُ﴾ میں روح کی نسبت اور اضافت اللہ کی طرف محض تشریف و تکریم کے لیے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں بیت اور ناقہ کی اضافت اللہ کی طرف محض تشریف کے لیے ہے روح کے معنی خدا کے نہیں قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے نفس ناطقہ پر من روحہ اور من روحی کا اطلاق فرمایا ہے۔

کما قَالَ اللہُ تَعَالیٰ: ﴿ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ﴾ (السجدہ:۹)

وَ قَالَ اللہُ تَعَالیٰ: ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝﴾ (ص:۷۲)

② نیز جو چیز بطور خرق عادت عجیب و غریب طریقہ سے ظہور میں آئے تو خاص طور پر اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں جیسے ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ میں صالح علیہ السلام کی ناقہ کو خدا تعالیٰ کی طرف اس لیے مضاف کیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ اُونٹنی

خلاف عادت الٰہیہ محض اللہ کی قدرت سے پتھر سے نکلی ہے اور اس کے لیے کوئی مادّہ اور نر نہ تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس لیے روح اللہ کہتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے بلا سبب ظاہری کے پیدا ہوئے نہ کہ اس وجہ سے کہ معاذ اللہ وہ خدا ہیں یا خدا کی روح ہیں۔

③ نیز لفظ روح۔ رحمت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور قرآن کریم میں روح کا اطلاق وحی خداوندی پر آیا ہے: کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (الشوریٰ: ۵۲) اس لیے کہ وحی خداوندی رحمت عظمیٰ ہے اور لوگوں کی روحانی حیات کا ذریعہ ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجودِ باجود لوگوں کے لیے ابرِ رحمت اور آبِ حیات تھا اس لیے اُن کو روح اللہ کہا گیا۔

④ نیز انجیل میں جا بجا ہر سچے واعظ پر روح اللہ اور روح الحق کا اطلاق آیا ہے۔ چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے اے دوستو! ہر روح پر ایمان نہ لاؤ بلکہ ان کا امتحان کرو جو روح اللہ کی طرف سے ہو اس پر ایمان لاؤ۔ پس اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر روح اللہ کا اطلاق بالکل درست ہے کہ وہ بلا شبہ سچے واعظ تھے۔

⑤ نیز عہد عتیق میں روح اللہ کا اطلاق ہر اس نفس ناطقہ پر بھی آیا ہے جو کامل الادراک ہو اور منبع حسنات اور مصدر اُمور غریبہ ہو جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۴۱ درس ۳۸ میں بادشاہ مصر کا قول یوسف علیہ السلام کے حق میں یوں منقول ہے اور فرعون نے اپنے نوکروں سے کہا کیا تم ایسا، جیسا یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی روح ہے پا سکتے ہو۔

اور کتاب دانیال میں شاہ بابل کا قول دانیال علیہ السلام کے حق میں اس طرح منقول ہے کہ خدا کی مقدس روح تیرے اندر ہے۔

پس اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نفس ناطقہ کامل الادراک اور منبع حسنات و برکات تھا اس لیے ان کو روح اللہ کہا گیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس قسم کے اطلاقات سے الوہیت ثابت کرنا کمال ابلہی اور غایت سفاہت ہے ہاں اس قسم کے اطلاقات سے ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے سو اس میں بحمدہٖ تعالیٰ اہل اسلام کو کوئی کلام نہیں عہد عتیق اور عہد جدید میں روح اللہ کا اطلاق بکثرت خدا کے برگزیدہ بندوں پر آیا ہے کیا نصاریٰ ان سب کو خدا اور خدا کا بیٹا ماننے کے لیے تیار ہیں تفصیل کے لیے ازالۃ الشکوک حصّہ اول از ص ۲۸ ج ۱ تا ص ۴۰ ج ۱ دیکھئے۔

دوسری بات کا جواب:

لفظ کلمہ کلام عرب میں کہیں بھی بمعنی ذات خدا یا بمعنی اقنوم علم مستعمل نہیں ہوا قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ کلمہ یا کلمات خدا تعالیٰ کی طرف مضاف ہے مثلاً كَلِمَةُ اللّٰهِ وَ كَلِمَةُ رَبِّكَ ، وَ كَلِمَاتُ رَبِّهَا وغیرہ وغیرہ بمعنی کلام خدا یا حکم خدا مستعمل ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ (التوبہ: ۴۰)۔ ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا﴾ (الانعام: ۱۱۵)۔ ﴿وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (الصافات: ۱۷۱) وغیرہ وغیرہ ان تمام مواضع میں لفظ کلمہ یا کلمات خدا تعالیٰ کی طرف اضافت کے ساتھ مستعمل ہوا ہے اور سب جگہ خدا کی باتیں اور خدا کے احکام کے معنی میں مستعمل ہوا ہے لفظ کلمہ یا کلمات جو خدا کی طرف مضاف ہو تمام قرآن میں کہیں بھی بمعنی ذات خدا یا اقنوم علم کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا۔

اور عہد عتیق اور عہد جدید کی کتابوں میں بکثرت لفظ کلمۃ اللہ اور کلمۃ الرب بمعنی کلام خدا یا حکم خدا آیا ہے چنانچہ زبور ۳۳۔ درس ۶ میں ہے بکلمۃ الرب تثبت السموات، وبروح فیہ جمیع جنودھا اور فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں ہے آسمانہا بکلام خداوند

وتمامی عسا کر آنہا بنفس دہانش ساختہ شدہ اند۔ اور ہندی نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں ہے خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور اُن کے سارے لشکر اُس کے منہ کے دم سے اور اخبار الایام کے پہلی کتاب کے سترھویں باب تیسرے درس میں ہے۔ فلما کان فی تلک اللیلۃ حلت کلمۃ اللہ علی ناتان النبی۔ اھ اور اردو نسخہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں ہے اور اسی رات ایسا ہوا کہ خدا کا کلام ناتن کو پہنچا۔

اسی طرح قرآن کریم میں کلمہ کا اطلاق حضرت مسیح پر اس لیے کیا گیا کہ وہ بغیر باپ کے بحکم خداوندی کلمۂ کن سے پیدا ہوئے جس سے مقصود حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک فضیلت اور بزرگی کو ظاہر کرنا ہے تاکہ یہود بے بہبود کا رد ہو جائے۔

غرض یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کلمۃ اللہ یا روح اللہ کا لفظ اُن کی خصوصیت اور فضیلت ثابت کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ اُن کی الوہیت بتلانے کے لیے اس لیے کہ سارا قرآن الوہیت مسیح کے انکار اور ردّ سے بھرا پڑا ہے اور الوہیت کے ماننے والوں کو کافر بتاتا ہے اس قسم کے الفاظ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت نکالنا پرلے درجہ کی نادانی ہے حضرت مسیح علیہ السلام کو حقیقتاً کلام خداوندی یا حکم خداوندی کہنا عقلاً محال ہے اس لیے کہ کلمۂ خداوندی کی نسبت یہ کہنا کہ معاذ اللہ یہ کلمۂ خداوندی حقیقتاً ایک کنواری کے پیٹ سے متولد ہوا اور پھر وہ کلمۂ خداوندی اور کلام الٰہی اور حکم یزدانی دشمنوں کے جبر وقہر سے صلیب پر لٹکا یا گیا الیٰ آخرہ کیا یہ دیوانہ کی بڑ نہیں سب کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ذات محدود اور شخص تھے جو ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ لہٰذا ان کی نسبت یہ کہنا کہ وہ تمام کائنات کے مبداء تھے سراسر حماقت ہے۔

عقیدۂ ابنیت

نزول قرآن کے وقت نصاریٰ کے مختلف فرقے تھے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عین خدا ہیں اور خدا ہی بشکل مسیح علیہ السلام دُنیا میں اتر آیا ہے۔

اور دوسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ مسیح ابن اللہ ہے یعنی خدا کا بیٹا ہے۔

اور تیسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے۔

① باپ ② بیٹا ③ روح القدس اور بعضے روح القدس کی جگہ حضرت مریم علیہا السلام کو اقنوم ثالث کہتے ہیں۔

قرآن کریم نے تینوں جماعتوں کو جدا جدا بھی مخاطب کیا ہے اور یکجا بھی اور دلائل اور براہین سے یہ واضح کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا شدہ خدا کے برگزیدہ انسان اور رسول برحق تھے۔ اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ باطل محض ہے یہود بے بہبود کا عقیدہ یہ ہے کہ معاذ اللہ حضرت مسیح علیہ السلام شعبدہ باز اور مفتری تھے اور نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے ہیں یا تین میں تیسرے ہیں۔ قرآن کریم نے یہود کی تفریط اور نصاریٰ کی افراط دونوں کا ردّ کیا اور واضح اعلان کر دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے تھے بلکہ خدا کے برگزیدہ رسول برحق تھے اور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بلکہ ازل سے خدا ہے خدا کی خدائی حضرت مسیح علیہ السلام پر موقوف نہیں۔

اور توریت اور انجیل میں جہاں کہیں کسی کو بیٹا یا فرزند کہا گیا ہے وہاں یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ یہ لوگ حقیقتاً خدا کے بیٹے ہیں بلکہ اس سے خدا کے مقبول اور خاص برگزیدہ بندے مراد ہیں توریت وانجیل میں ابن اللہ کا اطلاق انبیاء ومرسلین اور تمام عباد صالحین پر آیا

ہے اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی خصوصیت نہیں جس سے ان کی الوہیت پر استدلال کیا جاسکے۔ دیکھو نوید جاوید ص ۱۴۳ مصنفہ مولانا سید ابوالمنصور امام فن مناظرہ۔

عقیدۂ تثلیث (ثالوث)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق جل شانہٗ کے رسول برحق تھے اور توحید خالص کے منادی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارین اور اوّلین اصحاب سب کے سب توحید اور تسبیح وتقدیس کا عقیدہ رکھتے تھے توریت وانجیل میں اس عقیدہ کا کہیں نام ونشان بھی نہیں اور نہ کسی نبی نے اس کی تعلیم دی عقیدۂ ثالوث (تثلیث) پولوس رسول کے عہد سے دین مسیحی میں داخل ہوا اور رفتہ رفتہ الوہیت مسیح اور ابنیت مسیح اور تثلیث کلیسا کا مقبول عقیدہ بن گیا۔ عقیدۂ تثلیث کا جب ظہور اور آغاز ہوا تو علماء نصاریٰ میں اس کے ردوقبول پر بڑی بحثیں ہوئیں اور مختلف فرقے پیدا ہوگئے فرقۂ آریوس یہ کہتا تھا کہ خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام تمام کائنات سے افضل اور برتر ہیں اور فرقۂ سابیین یہ کہتا تھا کہ خدا تعالیٰ ذات واحد ہے اور اب اور ابن اور روح القدس یہ اسی ذات واحد کی مختلف صورتیں ہیں جن کا مختلف حیثیتوں سے ذات واحد پر اطلاق کیا جاتا ہے بعد میں کلیسا کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء اور قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ ۳۸۱ء نے ثالوث (تثلیث) کو مسیحی عقیدہ کی بنیاد تسلیم کرلیا اور یہ اعلان کردیا کہ اَب اور ابن اور روح القدس یہ تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں اور یہی حق ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا نام عقیدۂ امانت رکھا جس کا متن روح المعانی اور الجواب الفسیح میں مذکور ہے اور دوسرے فرقوں کے متعلق فتویٰ صادر کردیا کہ جو تثلیث کا عقیدہ نہ رکھے وہ ملحد اور بے دین ہے اور عقیدۂ توحید کو بدعت قرار دیا۔ اب عام طور پر نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے کہ خدا تین اقنوم (اصل) ہیں باپ بیٹا روح القدس اور ان ہی تین اقانیم کی مجموعی حقیقت کا نام خدا ہے اور اس توحید حقیقی میں تثلیث مضمر ہے اور اس کی تفصیل اس طرح کرتے ہیں کہ خدا تین اقنوم ہیں اقنوم اوّل باپ ہے جس سے دوسرا اقنوم بیٹا پیدا ہوا اور دوسرے اقنوم سے تیسرا اقنوم پیدا ہوا۔ رہا یہ امر کہ اقنوم اوّل سے اقنوم ثانی اور اقنوم ثانی سے اقنوم ثالث کس طرح پیدا ہوا اور توحید کس طرح تثلیث بن جاتی ہے اور تثلیث کس طرح توحید ہوجاتی ہے اس کی تشریح اور توضیح وتلویح میں نصاریٰ کے عجیب وغریب مباحث ہیں جو اُن کی عقل وادراک سے بھی خارج ہیں عجیب عجیب بولیاں بولتے ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ دوسرا اقنوم پہلے اقنوم کی طرح ازلی نہیں البتہ اس عالم ناسوت سے غیر معلوم مدت پہلے اقنوم اوّل سے پیدا ہوا ہے جس کا درجہ باپ کے درجہ سے کم اور اس کے بعد ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ خدا کے دو ہی اقنوم ہیں باپ اور بیٹا اور روح القدس مخلوق خداوندی ہے منجملہ فرشتوں کے ایک فرشتہ ہے جس کا مرتبہ تمام فرشتوں سے بلند ہے اور بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ خدا کا تیسرا اقنوم مریم علیہا السلام ہیں یہ فرقہ روح القدس کو اقنوم ثالث نہیں مانتا بلکہ بجائے روح القدس کے حضرت مریم علیہا السلام کو اقنوم ثالث مانتا ہے نصاریٰ کے بہت سے فرقے روح القدس کو خدا نہیں مانتے اور نصاریٰ کے بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ اب اور ابن اور روح القدس یہ تین علیحدہ علیحدہ اقنوم نہیں بلکہ ذات واحد کی تین بنیادی صفات علم و حکمت اور قدرت اور حفظ وضبط کی طرف اشارہ ہے نصاریٰ کے اکثر فرقے ذات خداوندی میں توحید اور تثلیث کو حقیقی مانتے ہیں اور اقانیم ثلاثہ یعنی اقنوم اب اور اقنوم ابن اور اقنوم روح القدس میں امتیاز اور فرق حقیقی مانتے ہیں۔ چنانچہ مفتاح الاسرار کی فصل اوّل باب دوم کے آخر میں نسخۂ مطبوعہ ۱۸۵۰ عیسوی میں ہے ہرچند خدا کی ذات میں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے درمیان حقیقی امتیاز ہے پھر

ذات کی وحدانیت زائل نہیں ہوتی اور تثلیث کی تعلیم سے ذات کو نقصان اور قصور نہیں پہنچتا بلکہ حقیقت میں صرف ایک خدائے واحد حقیقی ہے۔

اور تیرھویں صدی عیسوی کے متعدد فرقوں نے یہ صاف طور پر کہہ دیا کہ عقیدۂ تثلیث عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے اور ناقابل تسلیم ہے مگر قومی عصبیت نے ان کو اسلامی عقیدہ قبول کرنے سے باز رکھا۔

اہل اسلام کا مسیحیین کے ساتھ نزاع اس صورت میں کہ جب تین اقنوم خارج میں حقیقتاً علیحدہ علیحدہ مانیں اور تینوں کو واجب الوجود مانیں اور ان کے درمیان امتیاز حقیقی جانیں اور اگر امتیاز حقیقی کے قائل نہ ہوں یا توحید کو مجازی یا توحید اور تثلیث دونوں کو مجازی کہیں اور اقانیم سے محض صفات مراد لیں علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا تین مستقل ذاتیں نہ مانیں تو پھر نصاریٰ کے ساتھ اہل اسلام کا یہ نزاع نہ ہوگا کوئی اور نزاع ہوگا مگر عام طور پر نصاریٰ اقانیم ثلاثہ کو محض صفات الٰہیہ نہیں مانتے بلکہ تین شخصیتیں باعتبار وجود اور شخص کے علیحدہ علیحدہ جدا اور ممتاز مانتے ہیں اور صفات کا وجود موصوف سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

ابطال تثلیث

نصاریٰ کا یہ عقیدہ کہ تین ایک ہیں اور ایک تین ہیں سراسر خلاف عقل ہے فرقہ یونی ٹیرین جو عیسائی فرقوں میں شمار کیا جاتا ہے اب اس کے بھی لاکھوں آدمی یورپ میں موجود ہیں وہ تثلیث کا منکر ہے اور بہت سے علماء نصاریٰ و فرنگ نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے توریت اور انجیل میں کسی جگہ بھی لفظ تثلیث موجود نہیں اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور نہ کسی حواری نے کسی عیسائی کو یہ تعلیم دی کہ تم تثلیث کا عقیدہ رکھو بغیر اس کے نجات ممکن نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو نوید جاوید کلیسا ششم سکرمنٹ (۱) از ص ۳۳۴ تا ص ۳۵۵ مصنفہ امام فن مناظرہ مولانا سیّد ابوالمنصور رحمۃ اللہ علیہ۔

① اور بلاشبہ یہ عقیدہ صریح البطلان ہے اور بداھۃً خلاف عقل ہے توحید کا تثلیث کے ساتھ جمع ہونا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ توحید کا تربیع اور تخمیس اور تسدیس کے ساتھ جمع ہونا محال ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ وحدت حقیقی تین کے ساتھ تو جمع ہو سکے اور چار یا پانچ یا چھ کے ساتھ جمع نہ ہو سکے وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماع ضدین باجماع عقلاء محال اور ناممکن ہے زوجیت اور فردیت اور وحدت اور کثرت کا ایک ذات میں جمع ہونا عقلاء عالم کے نزدیک ایک بدیہی محال ہے جس سے عقل کوسوں دُور بھاگتی ہے اور اس حماقت کا سننا بھی گوارا نہیں کرتی مختصر یہ کہ نصاریٰ یہ بتلائیں کہ یہ تینوں اقانیم اپنے وجود اور تشخص میں ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہیں یا نہیں اگر یہ کہیں کہ تینوں کا تشخص اور وجود علیحدہ علیحدہ ہے تو پھر یہ تین اشخاص ہوئے توحید کہاں رہی ایک کہنا غلط ہوا اور اگر یہ کہیں کہ تینوں کا وجود ایک ہے تو پھر تین کہنا غلط ہوا اور تثلیث ختم ہوئی۔

② نیز تینوں کا مجموعہ مل کر خدائے مستقل ہے یا جداگانہ ہر ایک مستقل خدا ہے پہلی صورت میں کوئی بھی خدا نہ رہا نہ حضرت مسیح علیہ السلام اور نہ روح القدس بلکہ خود خدا بھی خدا نہ رہا اس لیے کہ خدا تو تینوں کا مجموعہ ہے جداگانہ کوئی بھی مستقل خدا نہیں اور دوسری صورت میں جب ہر ایک جداگانہ مستقل خدا ہے تو توحید کہاں رہی۔

③ نیز ایک تین کا ثلث یعنی تہائی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی شے اپنے ثُلُث (تہائی) کا عین نہیں ہو سکتی۔

④ نیز تین کل ہیں اور ایک تین کا جز ہے اور کل اور جز کا ایک ہونا عقلاً محال ہے اس لیے کہ کل اور جز کیسے ایک ہوسکتے ہیں۔

⑤ نیز جب تین ایک کا عین ہوگا تو لازم آئے گا کہ ایک اپنے نفس کا بھی ثُلث ہو اور تین اپنا ثلث ہو اور کسی شے کا خود اپنا ثلث ہونا بداہۃً محال ہے۔

⑥ نیز ایک تین کا جز ہونے کی وجہ سے مقدم اور تین بوجہ کل ہونے کے مؤخر ہے اس لیے کہ جز کل سے مقدم ہوتا ہے اور کل جز سے مؤخر ہوتا ہے۔

پس اگر ایک اور تین ایک ہوں تو مقدم کا عین مؤخر ہونا اور مؤخر کا عین مقدم ہونا لازم آئے گا جو بداہۃً محال ہے۔

⑦ بلکہ شے کا خود اپنے نفس پر مقدم ہونا لازم آئے گا جو بداہۃً محال ہے۔

⑧ نیز تمام اعداد حقیقت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور جدا ہیں۔ لہٰذا شیٔ واحد کا حقیقتاً ایک ہونا اور تین ہونا عقلاً محال ہے۔

⑨ نیز مسیحین کے نزدیک جب خدا تین اقنوموں کا مجموعہ ہوا اور ہر اقنوم واجب الوجود ہوا تو مجموعہ اپنے وجود خارجی میں ان تین اجزاء یعنی تین اقنوموں کا محتاج ہوگا اور مجموعہ معلول ہوگا اور اقانیم ثلثہ اس کی علّت ہوں گے اور جو کسی علّت کا محتاج ہو وہ واجب الوجود نہیں ہوسکتا اس لیے کہ معلول علّت سے مؤخر ہوتا ہے وہ ممکن اور حادث ہوتا ہے۔

⑩ نیز حضرت مسیح علیہ السلام کو جب خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو باپ کو بیٹے پر ضرور تقدم زمانی ہوتا ہے اور بیٹے کو تاخر زمانی اور بیٹا اپنے وجود میں باپ کا محتاج بھی ہوتا ہے اور مؤخر اور محتاج خدا نہیں ہوسکتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عقیدۂ تثلیث سراسر خلاف عقل ہے نصاریٰ کے اوّلین وآخرین میں کوئی شخص ایک دلیل عقلی بھی توحید فی التثلیث اور تثلیث کے لیے نہیں پیش کرسکتا اور بلاشبہ عقیدۂ تثلیث عقیدۂ شرک ہے اور توحید اور تثلیث کے اجتماع کا عقیدہ رکھنا۔ اجتماع نقیضین کا عقیدہ رکھنا ہے۔ اس وجہ سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہم نے دُنیا میں نصاریٰ کے مذہب سے زیادہ کوئی مذہب رکیک اور عقل سے بعید نہیں دیکھا اس وجہ سے جارج سیل نے اپنے ترجمۂ قرآن مطبوعہ ۱۸۳۶ء میں عیسائیوں کو وصیت کی ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایسے مسئلے نہ بیان کرو جو خلافِ عقل ہوں کلیسا میں یہ طاقت نہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ لے... الخ۔ (دیکھو ازالۃ الشکوک ص ۲۶ ج ۱)

حکایت : کسی زمانہ میں ایک پادری صاحب نے چین کے علاقہ میں جا کر بڑی کوشش سے تین آدمیوں کو عیسائی بنایا اور طوطے کی طرح اُن کو یہ مسئلہ یاد کرایا اور وہ بھی تین تین ٹکے روز یا تین تین روپیہ مہینہ کی لالچ سے مسئلۂ تثلیث کو طوطے کی طرح ٹی ٹی کرتے رہے۔ اتفاقاً ایک مدّت کے بعد پادری صاحب کا ایک دوست وہاں آ گیا اور پھر اثنائے تذکرہ میں اس نے پوچھا کہ تم نے اتنی مدّت میں کتنے شخصوں کو عیسائی بنایا پادری صاحب نے کہا عیسیٰ خداوند کے مسیح کے فضل سے تین شخص مسیحی جماعت میں داخل ہوئے ہیں اور مسیح کے وفادار سپاہی اور خدمت گزار ہیں وہ سن کر ان کی ملاقات کا مشتاق ہوا پادری صاحب نے اوّل ایک کو بلایا اور اپنے دوست کو بتلانے کے لیے یہ مسئلہ اس سے پوچھا۔ اُس شاگرد نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ خدا تین ہیں ایک جو آسمان پر رہتا ہے۔ دوسرا وہ جو بی بی مریم علیہا السلام کنواری کے پیٹ میں نو مہینہ رہ کے پیدا ہوا تھا۔ تیسرا وہ جو اس دوسرے خدا پر تیس برس کی عمر میں کبوتر کی شکل ہو کے اُترا تھا۔ پادری صاحب خفا ہوئے اور فرمانے لگے یہ نامعقول ہے۔ دوسرے کو جو اس سے زیادہ عاقل تھا آواز دی وہ

فوراً حاضر ہوا اُس سے پوچھا۔اس نے کہا کہ آپ نے مجھے یہ سکھایا ہے کہ خدا تین تھے ایک تو سولی پا کر مر گیا اور دو ابھی تک جیتے ہیں پادری صاحب اس پر بھی چیں بر جبیں ہوئے۔اور تیسرے کو جو اُن میں فرد کامل تھا بلایا اور اس سے پوچھا اس نے کہا کہ جیسا آپ نے سکھایا ہے ویسا ہی مجھے خوب یاد ہے کہ تین میں ایک اور ایک میں تین اور تینوں ایک تھے اور جب ایک خدا پنطوس پلاطوس کی حکومت میں سولی پا کر مر گیا تو تینوں مر گئے اور اب کوئی خدا باقی نہیں رہا۔ پادری صاحب بہت لال سرخ ہوئے اور اس وقت تینوں کو اپنے سامنے سے نکلوا دیا۔ (منقول از ازالۃ الشکوک ص ۲۵ ج ا۔ والفارق)

بے شک یہ عقیدہ ایسا ہی ہے جاہل تو کیا عاقل بھی اس کو نہیں سمجھ سکتے تفصیل اگر درکار ہو تو نوید جاوید کلیسا ششم سکرمنٹ نمبر ۳ مصنفہ مولانا سید ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۵۵ تا ص ۳۶۹ دیکھیں۔

ذکر عقیدۂ امانت سراپا خیانت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم خالص توحید اور تفرید کی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد عرصہ اکیاسی سال تک لوگ توحید پر قائم رہے پھر رفتہ رفتہ نصاریٰ میں مختلف فرقے ہو گئے پھر ایک یہودی شخص جس کا نام پولوس تھا وہ فریب سے عیسائی مذہب میں داخل ہوا اور ظاہراً عیسائی بن کر اس نے عیسائی مذہب میں طرح طرح کی خرابیاں ڈالیں منجملہ ان کے یہ مسئلہ تثلیث ہے رفتہ رفتہ یہ عقیدہ نصاریٰ میں شائع ہو گیا نصاری میں جب عقیدۂ تثلیث شائع ہوا تو آریوس نے جو اسکندریہ کے قسیسین میں سے تھا اس عقیدۂ باطلہ کی تردید کی اور تثلیث کو دین مسیحی میں بدعت قرار دیا اور علی الاعلان حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت سے انکار کیا اور یہ تعلیم دی کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور عیسیٰ علیہ السلام خدا کے مخلوق اور برگزیدہ بندے ہیں آریوس کا یہ عقیدہ جب لوگوں میں شائع ہوا تو اہل تثلیث کو اس کی فکر دامن گیر ہوئی بالآخر ۳۲۵ء میں شہر نائیس میں قسطنطین شاہِ روم کے سامنے مجلس مناظرہ منعقد ہوئی آریوس نے اپنے عقیدۂ توحید کی شرح اور تفصیل کی بہت سے پادریوں نے اس کی حمایت کی مگر مجلس کی اکثریت نے عقیدۂ تثلیث کی حمایت کی اور آریوس کی تعلیم کو باطل ٹھہرایا عقیدۂ تثلیث جب مجلس کی اکثریت سے طے ہو گیا تو بادشاہ نے سرکاری طور پر حکم جاری کر دیا کہ جو شخص تثلیث سے انکار کرے گا اس کا مال و متاع ضبط کیا جائے گا اور اس شخص کو جلاوطن کیا جائے گا تب اکثر لوگوں نے بادشاہ کے خوف سے عقیدۂ تثلیث کو قبول کیا اس وقت سے تثلیث کا سلسلہ چلا اور اس عقیدہ تثلیث پر جو متفقہ تحریر تیار کی گئی اس کا نام امانت رکھا گیا اس عقیدۂ امانت کے متن کو شیخ ابوالفضل مالکی مسعودی نے منتخب التنجیل ص ۵۶ میں ذکر کیا ہے اس عقیدۂ امانت کے ابطال کے لیے ایک مستقل باب (یعنی باب چہارم منعقد کیا ہے جس میں تفصیل کے ساتھ) اس کی خرابیوں اور قباحتوں کو بیان کیا ہے اور علیٰ ہذا علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی ص ۲۳ ج ۶ میں تفسیر پارۂ ششم تحت تفسیر قولہ تعالیٰ ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ﴾ اور پھر اُن کے صاحبزادہ سید نعمان آلوسی نے الجواب الفسیح لمالفقہ عبدالمسیح از ص ۱۶ تا ص ۲۱ میں اس کو ذکر کیا ہے اور پھر اس عقیدۂ امانت سراپا خیانت کی خیانتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور علامہ قرافی مالکی نے الاجوبۃ الفاخرہ ص ۱۵۸ مطبوعہ برحاشیۂ الفارق میں اس عقیدۂ امانت کے متن کو مختصر تردید کے ساتھ ذکر کیا ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں مگر باوجود اس کے کہ شاہی حکم سے عقیدۂ تثلیث ملک میں شائع کیا گیا بہت سے لوگوں نے جو آریوس کے معتقد تھے انہوں نے اس عقیدۂ تثلیث کو تسلیم نہیں کیا اور آریوس کے مرنے کے بعد بھی اس پر مباحثے ہوتے رہے اور سلسلۂ اختلاف جاری رہا اور بہت سے

لوگ آریوس ہی کی تعلیم کے قائل اور معتقد رہے اور کئی قرنوں تک یہ اعتقاد جاری رہا اور فرقۂ آریوسیہ کی طرح یونی ٹیرین فرقہ کے لوگ بھی تثلیث سے انکار کرتے ہیں اور الوہیت صرف خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں تاریخی حیثیت سے اگر ان اختلافات کی تفصیل درکار ہے تو نوید جاوید سکرمنٹ نمبر ۳ مصنفہ مولانا سیّد ابوالمنصورؒ از ص ۳۵۵ تا ۳۶۰ کی مراجعت کریں۔

متن عقیدۂ امانت سراپا خیانت

اب ہم ناظرین کے سامنے نصاریٰ کے عقیدۂ امانت کا متن پیش کرتے ہیں جو ان کے نزدیک قانون نجات اور مدار ایمان ہے پھر ان کے اس مزعوم عقیدۂ امانت کی خیانت کو ظاہر کریں گے تاکہ اس امانت کی حقیقت منکشف ہو جائے وہوٰذا۔

نؤمن بالله تعالیٰ الواحد الاب صانع كل شئ مالك كل شئ صانع مايرى ومالايرى وبالرب الواحد يسوع المسيح ابن الله تعالىٰ الواحد بكر الخلائق كلها الذى ولد من ابيه قبل العوالم كلها وليس بمصنوع اله حق من جوهر ابيه الذى بيده اتقنت العوالم وخلق كل شئ الذى من اجلنا معاشر الناس ومن اجل خلاصنا نزل من السماء وتجسد من روح القدس ومريم وصار انسانا وحبل به وولد من مريم البتول واتجع وصلب ايام فيلاطس ودفن وقام فى اليوم الثالث كماهو مكتوب وصعد الى السماء وجلس عن يمين ابيه وهو مستعد للمجيئ تارة اخرى للقضاء بين الاموات والاحياء ونؤمن بروح القدس الواحد روح الحق الذى يخرج من ابيه وبعمودية واحد لغفران الخطايا والجماعة واحدة قدسية كاطولكية ولحياة الدائمة الى ابد الآبدين. انتهى كذافى روح المعانى الآلوسى ص ۲۴ ج ۶ ومنتخب التنجيل ص ۵۶ باب چهارم للشيح ابے الفضل المسعودى المالكى رحمة الله عليه والاجوبة الفاخرة المطبوع على هامش كتاب الفارق ص ۱۵۸ سوال بستم للشيخ القرا فى المالكى رحمة الله عليه.

”ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر جو باپ ہے اور ہر چیز کا بنانے والا اور مالک ہے اور مرئی اور غیر مرئی، یعنی جو چیزیں نظر آتی ہیں اور جو نظر نہیں آتیں ان سب چیزوں کا وہ صانع ہے اور ہم ایمان لائے ہیں ایک پروردگار یسوع مسیح پر جو خدائے واحد کا بیٹا ہے اور ساری مخلوق میں سب سے اول باپ سے پیدا ہوا وہ مصنوع نہیں وہ خدائے برحق ہے جو خدائے برحق سے نکلا ہے اور باپ کے جوہر سے ہے وہ جس کے ہاتھوں سے تمام جہانوں نے پختگی اور استحکام پایا اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اے دنیا کے لوگو! وہ ہماری ہی خلاصی اور چھٹکارے کے لیے آسمان سے اترا اور روح القدس اور مریم علیہا السلام سے متجسد ہو کر انسان بن گیا اور روح القدس سے اس کا حمل قرار پایا اور مریم بتول کے بطن سے پیدا ہوا اور دکھ اور درد اٹھائے اور پیلاطوس کے ایام حکومت میں سولی پر لٹکایا گیا اور پھر مر کر قبر میں دفن ہوا اور پھر تیسرے روز مُردوں میں سے جی اٹھا جیسا کہ نوشتوں میں تھا پھر آسمان پر چڑھ گیا اور باپ کے دائیں جانب جا کر بیٹھ گیا اور وہ دوبارہ آنے کے لیے تیار ہے تاکہ مردوں اور زندوں کے درمیان فیصلہ کرے اور ہم روح القدس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ایک ہے اور روح حق ہے اور باپ سے نکلی ہے اور ہم ایمان

لاتے ہیں اس بات پر کہ ایک بپتسمہ گناہوں کی مغفرت کے لیے کافی ہے اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کاطولیکی جماعت پاک اور مقدس جماعت ہے (جس نے یہ عقیدہ امانت ایجاد کیا ہے) اور ہم ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی پر ایمان لاتے ہیں جو ابدال آباد تک رہے گی۔" (عقیدہ امانت کا ترجمہ ختم ہوا)

کشف حقیقت از عقیدۂ امانت سراپا خیانت

یہ وہ عقیدۂ امانت ہے جس پر سوائے فرقۂ آریوسیہ اور یونی ٹیرین کے نصاریٰ کے اکثر فرقے متفق ہیں فرقۂ یعقوبیہ اور ملکانیہ اور نسطوریہ ان سب کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ بغیر اس ایمان کے کوئی عبادت اور کوئی قربت بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں حالانکہ کسی انجیل میں اس اعتقاد اور ایمان کا کہیں نام ونشان بھی نہیں اور نہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے مروی ہے اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام کے تلامذہ اور حواریین سے منقول ہے بلکہ چوتھی صدی عیسوی میں نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کی مرتب کردہ عبارت ہے جو شاہی حکم اور اقتدار سے نافذ ہوئی ہے اس کو دین اور ایمان کیسے کہا جاسکتا ہے عقیدہ وہ چیز بن سکتی ہے جو آسمانی کتابوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں سے صریح اور قطعی طور پر ثابت ہو۔

علاوہ ازیں یہ عقیدۂ امانت بہت سی خلاف عقل باتوں پر مشتمل ہے اور متعارض اور متناقض باتوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں بعض سے بعض کی تردید ہوتی ہے۔

① عقیدۂ امانت کے شروع اور اول ہی میں اس کا صریح اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور تمام کائنات کا خالق اور مالک اور ضابط ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ علیہا السلام اور روح القدس علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ پھر دوسری سطر میں اس کے برخلاف مسیح بن مریم علیہما السلام کی الوہیت اور وحدانیت اور خالقیت پر ایمان لانے کا ذکر ہے کہ ہم مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام اشیاء کا خالق ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدائے واحد کے ساتھ ایک دوسرا خدا بھی ہے جو پہلے خدا کا فرزند ہے جو اپنے باپ سے پیدا ہوا ہے اور باپ کی طرح بیٹا بھی تمام کائنات کا خالق ہے یہ سارا کلام صریح کفر اور شرک ہے اور پہلے کلام کی ضد اور نقیض ہے گویا کہ باپ اور بیٹا ہر ایک عالم کا خالق ہے۔

② نیز جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام عالم کا خالق مانا گیا تو ضروری ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا وجود سارے عالم پر مقدم ہو کیونکہ خالق مخلوق سے مقدم ہوتا ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام تو حضرت آدم علیہ السلام کے ہزارہا سال بعد مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے۔ نصاریٰ بتلائیں کہ مؤخر الوجود اپنے سے مقدم الوجود کے لیے کیسے خالق ہو گیا۔

③ پھر نصاریٰ یہ بھی کہتے ہیں وہ بیٹا تمام مخلوقات سے پہلے اپنے باپ سے پیدا ہوا یہ امر بھی مشاہدہ کے خلاف ہے اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام معاذ اللہ خدا تعالیٰ سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ پیدائش عالم کے ہزارہا سال بعد مریم بتول علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔

④ پھر نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ وہ بیٹا باپ کے اصل جوہر سے پیدا ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ باپ اور بیٹے کی حقیقت ایک ہے اور یہ بیٹا ذات وصفات میں اپنے باپ کے مشابہ اور مساوی ہے کیا یہ صریح شرک نہیں جس کے مٹانے کے لیے تمام انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث

ہوئے۔

⑤ نیز انجیل میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ مجھے قیامت کا علم نہیں کہ کب ہوگی قیامت کے وقت کو سوائے باپ کے کوئی نہیں جانتا۔ اھ

پس اگر عیسیٰ علیہ السلام کا اصل جوہر اور اصل حقیقت وہی ہوتی جو خدا تعالیٰ کی ہے تو خدا تعالیٰ کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ضرور قیامت کا علم ہوتا۔ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا نہ تھے بلکہ انسان حق تھے اور انسان حق یعنی داؤد کے بیٹے تھے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسان اور بشر تھے اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے خدا نہ تھے اور نہ خدا کے ساتھ متحد تھے۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے جب کبھی قیامت کے متعلق دریافت کیا گیا تو سب نے یہی کہا کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔

⑥ نیز اس نادان کو یہ علم نہیں کہ جسم انسانی لحم اور شحم اور دم اور معدہ اور امعاء سے مرکب ہے جن سے خداوند قدوس پاک اور منزہ ہے۔ پس ایک ابن آدم اور ابن مریم علیہما السلام کا اصل جوہر خداوند قدوس کے اصل جوہر کے ساتھ کیسے متحد ہو سکتا ہے۔

⑦ تمام عقلاء عالم کا اس پر اتفاق ہے کہ حادث اور قدیم کی حقیقت جدا جدا ہے۔ پس خداوند قدیم اور ایک شیر خوار بچہ کی حقیقت ایک کیسے ہو سکتی ہے جسم اور روح کی حقیقت ایک نہیں تو قدیم اور حادث کی حقیقت ایک کیسے ہو سکتی ہے۔

⑧ نیز اگر ایک الٰہ حق سے دوسرا الٰہ حق پیدا ہو سکتا ہے تو دوسرے الٰہ سے تیسرا الٰہ اور تیسرے الٰہ سے چوتھے الٰہ کا اور چوتھے الٰہ سے پانچویں الٰہ کا پیدا ہونا بھی ممکن ہوگا (بلکہ) پہلے ہی خدا سے بے شمار خداؤں کا پیدا ہونا ممکن ہوگا۔ اس لیے کہ جس انسان سے ایک بیٹے کا پیدا ہونا ممکن ہے اسی سے دس بیٹوں کا پیدا ہونا بھی بلاشبہ ممکن ہے اور خداوند قدوس کی صفات کمال تو غیر محدود اور غیر متناہی ہیں تو اگر بفرض محال بقول نصاریٰ ولادت خداوند قدوس کی صفت بن سکتی ہے تو پھر وہ غیر متناہی ہونی چاہیے ایک محدود بیٹے پر اس کو ختم کر دینا مناسب نہیں۔

⑨ نیز عقیدۂ امانت میں یہ کہنا کہ مسیح کے ہاتھ سے ہر چیز پیدا ہوئی اس سے لازم آتا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ علیہا السلام بھی ان کی مخلوق ہوں بلکہ ان کے آباء واجداد بھی اُن کی مخلوق ہوں کیونکہ ہر چیز میں وہ بھی داخل ہیں اور مولود کو اپنی والدہ اور اپنے آباء و اجداد کا خالق کہنا دیوانہ کا کام ہے۔

⑩ نیز نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ باپ کی طرح بیٹے نے بھی تمام کائنات کو پیدا کیا گویا کہ کائنات کے دو خالق ہو گئے ایک باپ اور ایک بیٹا اگر باپ تمام کائنات کا خالق ہے تو بیٹے کے لیے کیا باقی رہا اور اگر بیٹا خالق کائنات ہے تو بات کے لیے کیا باقی رہا۔

⑪ نیز عقیدۂ امانت میں یہ کہنا کہ وہ خدا آسمان سے نازل ہوا اور مجسم ہو کر کنواری کے بیٹے سے پیدا ہوا تاکہ عالم کی خلاصی اور نجات کا سبب بنے سو یہ امر بھی سراسر غیر معقول ہے اور ذرہ برابر قابل قبول نہیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ خدا تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ بندہ مسیح بن مریم علیہما السلام پر صریح بہتان اور افتراء ہے اور الوہیت اور نبوت کی تحقیر و تذلیل کی ایک عجیب و غریب من گھڑت داستان ہے جس کو کوئی ادنیٰ عقل والا بھی ماننے کے لیے تیار نہیں اور اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور تجسم عالم کی خلاصی اور نجات کے لیے ہوا تھا تو علماء نصرانیت اور عقلاء مسیحیت یہ بتائیں کہ تمہارے زعم کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام نے جو مصیبت اور ذلت تمہاری خلاصی اور نجات کے لیے اختیار فرمائی وہ تمہاری کس مصیبت اور ذلت سے

نجات دینے کے لیے اختیار فرمائی اگر یہ کہیں کہ یسوع مسیح نے ہم کو دنیا کی تکالیف اور مصائب و آلام اور امراض و اسقام اور موت سے نجات دلائی تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا کوئی فرد بشر دنیا میں ایسا نہیں کہ جو طلب معاش میں سرگرداں اور حیران نہ ہو اور رنج وغم اور بیماری اور موت سے نجات پا گیا ہو اور اگر یہ کہیں کہ نفس و شیطان کے پنجہ سے ہم کو نجات دلائی تو یہ بھی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ نصاریٰ کی جس مجلس میں چاہے چلے جاؤ اور آنکھ سے دیکھ لو نفس اور شیطان نے نصاریٰ کا کس طرح کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے۔ نصاریٰ سے بڑھ کر کوئی قوم نفس و شیطان کی اسیر نہیں اور اگر یہ کہیں کہ خلاصی اور نجات سے ہماری مراد یہ ہے کہ دارِ دنیا میں احکام خداوندی کی بجا آوری اور پابندی سے خلاص اور آزاد ہو گئے اور نماز اور روزہ ہم پر ضروری اور فرض نہیں رہا اور ہم جو چاہیں کریں خدا کا ہم پر کوئی مواخذہ نہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریین کے اقوال اس کی تکذیب کریں گے جو خدا تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کے متعلق اُن سے اناجیل میں منقول ہیں۔ اور اگر یہ کہیں کہ خلاصی اور نجات سے ہماری مراد یہ ہے کہ دار آخرت کے احکام سے خلاص ہو گئے اور نجات پا گئے یعنی دنیا میں چاہیں چوری کریں یا زنا اور بدکاری اور شراب خوری کریں اور رقص و سرور کی محفلیں کریں غرض یہ کہ جو چاہیں نفس و شیطان کے مطابق کام کریں آخرت میں ہم پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ یسوع مسیح ہمارا نجات دہندہ ہے اُس نے صلیب کی تکلیف اور مصیبت جھیل کر ہم کو قیامت کے مواخذہ اور حساب اور عذاب اور عقاب سے نجات دلا دی ہے۔ سو اگر نصاریٰ کے نزدیک خلاصی اور نجات سے یہ معنی مراد ہیں تو یہ معنی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہیں اور توریت اور انجیل اس کی تکذیب کرتی ہے۔ انجیل میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اہل یمین سے یہ کہیں گے کہ جاؤ نعیم مقیم کی طرف اور اہل شمال کو اوّلاً توبیخ اور سرزنش کریں گے کہ تم نے یہ کیا اور یہ کیا جاؤ اس کی سزا بھگتو اور اس عذاب کی طرف جاؤ جو تمہارے لیے پہلے سے تیار کیا گیا ہے۔ پس اے نصارائے حیاریٰ جب تم کو اپنی دُنیا اور آخرت کا حال معلوم ہو گیا تو خدارا یہ بتاؤ کہ تمہارے زعم کے مطابق جس خدا نے آسمان سے اُتر کر تمہاری نجات اور خلاصی کے لیے صلیبی موت کا مزہ چکھا اُس نے کس مصیبت سے تم کو نجات دلائی اور جس کا نام تم نے مخلص عالم اور نجات دہندۂ جہاں رکھا یہ بتلاؤ کہ اس نے تم کو دنیا اور آخرت کی کس مصیبت اور بلاء سے نجات اور خلاصی بخشی اور تم کو دنیا اور آخرت کی کن پریشانیوں سے بے فکر بنا دیا اور کیا تم اس مفروضہ صلیبی موت کے ذریعہ نفس اور شیطان کے چنگل سے نجات پا گئے ہو۔

⑫ پھر یہ کہ عقیدۂ امانت میں یہ ذکر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آکر زندہ اور مردوں کے درمیان فیصلہ کریں گے تو عرض یہ ہے کہ جو ذات نصاریٰ کے نزدیک اس قدر عاجز اور لاچار اور بے بس کہ اپنے چند دشمنوں کو بھی جو اس کی مخلوق ہیں ان کو بھی دفع نہ کر سکی وہ دوبارہ نازل ہونے کے بعد سارے عالم کا کس طرح فیصلہ کر سکے گی؟ ممکن ہے کہ پہلی مرتبہ کی طرح دوسری مرتبہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر اُن کے دشمن غالب آجائیں اور نصاریٰ کے پاس اس کی کیا کفالت ہے کہ حضرت مسیح کے دوبارہ آمد کے بعد پہلی مرتبہ کی طرح ذلت اور اہانت کا ماجرا پیش نہیں آسکتا۔

⑬ نیز اس عقیدۂ امانت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسیح مریم عذراء اور روح القدس سے مجسم ہوئے تو اس سے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسیح روح القدس کے بیٹے ہوں جیسا کہ وہ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں نہ کہ خدا کے بیٹے اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو جب روح القدس سے تجسد اور تجسم حاصل ہوا تو وہ ابن روح القدس ہوئے نہ کہ ابن اللہ۔

⑭ پھر یہ کہ اس عقیدۂ امانت کے اخیر میں یہ ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں روح القدس پر جو کہ روح حق ہے اور باپ سے نکلی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح روح القدس بھی باپ سے نکلے ہیں اور یہ بھی خدا کے بیٹے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بھائی ہیں اس لیے کہ جب مسیح کی طرح روح القدس بھی باپ سے نکلے تو وہ بھی اسی باپ کے بیٹے ہوئے جس باپ کے حضرت مسیح علیہ السلام بیٹے ہیں اور ایک باپ کے دو بیٹے آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام روح القدس کے بھائی ہوئے اور اس اعتبار سے کہ حضرت مسیح، روح القدس سے مجسم اور متجسد ہوئے ہیں (جیسا کہ ابھی گذرا) حضرت مسیح روح القدس کے بیٹے ہوئے اور ایک ہی ذات کا ایک ہی ذات کے حق میں بیٹا اور بھائی بننا عقلاً محال ہے۔

⑮ نیز عیسائیوں کی کتابوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بیٹا باپ سے متولد ہوا اور ان دونوں سے روح القدس متولد ہوئے۔ (دیکھو استفسار ص ۲۴) جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسیح بن مریم علیہما السلام تو خدا کے بیٹے ہیں اور روح القدس خدا کے پوتے ہیں کیونکہ بیٹے کا بیٹا پوتا ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ نصاریٰ کا یہ بنیادی عقیدہ ہے جس کے بغیر اُن کے نزدیک نجات ممکن نہیں ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ یہ عقیدہ، عقیدۂ امانت نہیں بلکہ در حقیقت عقیدۂ خیانت ہے کہ جو از اوّل تا آخر جہالتوں اور حماقتوں اور متناقض اور متضاد باتوں کا مجموعہ ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات و تلقینات اور حضرت مسیح اور حواریین کی تصریحات کے صریح خلاف ہے اس لیے کہ تمام کتب سماویہ اور توریت اور زبور اور انجیل توحید کی تعلیم سے بھری پڑی ہیں۔

پھر یہ عقیدۂ امانت عجب گورکھ دھندہ ہے جس کا اوّل اور آخر متناقض اور متضاد ہے اس لیے کہ اس عقیدہ کے ابتداء میں اس بات کا اعتراف ہے کہ مسیح مولود اور مخلوق ہیں اور اللہ ہی ہر نظر آنے والی اور نہ نظر آنے والی چیز کا خالق ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام اور اُن کی والدہ بھی داخل ہیں پھر اس ایمان اور اقرار کے بعد چند جملوں کے بعد یہ کہہ دیا کہ ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ مسیح خدا ہے اور تمام اشیاء کا خالق ہے تو کیا یہ دونوں ایمان ایک دوسرے کی ضد اور نقیض نہیں تو جس عقیدہ میں اس درجہ اختلاف اور تناقض ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتا ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝﴾

نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے معبود بھی کہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مولود بھی تھے مریم کے پیٹ میں حمل رہے اور پھر اس سے متولد ہوئے نصاریٰ بتلائیں کہ کیا ایک فرزند مولود بھی خدائے معبود ہو سکتا ہے ایک ذات میں مولودیت اور معبودیت کا اجتماع عقلاً ناممکن اور محال ہے مگر خیال یہ آتا ہے کہ نصاریٰ سے کیا کہیں اُن کے نزدیک تو خدا مر کر اور قبر میں دفن ہونے کے باوجود بھی خدا ہو سکتا ہے اور موت اور دفن ان کے نزدیک الوہیت کے منافی نہیں تو شکم مادر سے ولادت اُن کے نزدیک کہاں سے الوہیت کے منافی ہوگئی۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات ولا حول ولا قوۃ الا باللہ سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون۔

خاتمۂ کلام بر معذرت واستدعائے مغفرت

حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (الانفال:۸) اس لیے اس ناچیز نے

اس مقام پر احقاقِ حق کے ساتھ ابطال باطل یعنی تردید تثلیث وغیرہ پر مفصل کلام کیا تا کہ حضرات اہل علم تتبع اور استقراء کی مشقت سے بچ جائیں اور اس ناچیز کو دعائے مغفرت سے نوازیں۔ بحمدہ تعالیٰ جو کچھ لکھا ہے وہ مسئلہ کی تحقیق اور تفصیل ہے تطویل نہیں بلکہ ردّ نصرانیت میں سلف اور خلف کی تحقیق کا عطر اور لب لباب ہے۔

فالحمدلله الذی هدانا لهٰذا و ما کنا لنهتدی لو لا ان هدانا الله

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ
حکم پوچھتے ہیں تجھ سے تو کہہ کہ اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا اگر ایک مرد مرگیا کہ
لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ
اس کو بیٹا نہیں اور اس کو ایک بہن ہے تو اس کو پہنچے آدھا جو چھوڑ مرا اور وہ بھائی وارث ہے
لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ
اس بہن کا اگر نہ رہے اس کو بیٹا پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو پہنچے دو تہائی جو کچھ چھوڑ مرا
وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ
اور اگر کئی شخص ہیں اس ناتے کے مرد اور عورتیں تو مرد کو دو برابر حصہ عورت کا
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع
بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے کہ نہ بہکو اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

۲۴ ع ۴

خاتمۂ سورت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ ... الٰی ... وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع﴾

ربط: اس سورت کے اوّل میں میراث کے احکام بیان کیے گئے اب اسی پر اس سورت کو ختم فرماتے ہیں اس لیے کہ میراث کے احکام سخت دشوار ہیں جن میں بڑے بڑے عقلاء کی عقلیں حیران ہیں اللہ کی ہدایت نے اور اس کے نازل کردہ نورمبین نے ان دقیق احکام کو واضح اور روشن کیا اور خدا کی برہان یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لوگوں پر حجت پوری ہوئی۔

اور لفظ کلالہ کا اطلاق وارث اور مورث دونوں پر ہوتا ہے۔ پس آیت میں کلالہ سے یا تو وہ میت مراد ہے کہ جس کے وارث اس کے ماں باپ اور اولاد نہ ہوں یا وہ وارث مراد ہے کہ جو میت کے نہ ماں باپ میں سے ہو اور نہ اس کی اور اولاد میں سے ہو۔

صحیحین میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ میری عیادت کو آئے۔ اس وقت میں اپنے ہوش میں نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر چھڑکا جس سے مجھ کو ہوش آ گیا تو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کلالہ ہوں میری میراث کیسے تقسیم ہوگی؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کلالہ کی میراث کے بارہ میں لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں یعنی جس شخص کے اصول وفروع ماں باپ اور اولاد نہ ہوں اس کی میراث کا کیا حکم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرما دیجیے کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارہ میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو نہ بیٹا نہ بیٹی اور نہ پوتا اور نہ پوتی اور علیٰ ہذا نہ ماں باپ ہوں اور اس کے ایک عینی یا علاتی بہن ہو تو اس بہن کو اس کے ترکہ میں سے نصف حصہ ملے گا اس آیت میں بہن سے سگی یا علاتی بہن مراد ہے کیونکہ اخیافی بہن کا حکم شروع سورت میں گزر چکا ہے اور اگر وہ شخص جس کا اوپر ذکر ہوا وہ تو زندہ ہو اور اس کی بہن مذکورہ مرجائے تو یہ بھائی اپنی بہن کے کل ترکہ کا وارث ہوگا بشرطیکہ اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو نہ والدین ہوں یعنی اگر کوئی عورت مرجائے اور اس کے اولاد نہ ہو اور نہ والدین ہوں اور صرف ایک سگا بھائی یا ایک علاتی بھائی چھوڑے تو وہ بھائی اپنی اس بہن کے کل مال کا وارث ہوگا لیکن اخیافی بھائی کا یہ حکم نہیں اس کا صرف چھٹا حصہ ہے جیسا کہ شروع سورت میں گزر چکا یہ تو ایک بہن کا بیان تھا اب اگر شخص مذکور مرجائے اور ویسی ہی اس کی دو بہنیں یا زیادہ ہوں تو ان کا حصہ اس مال کا دو تہائی ہے اور دو سے زیادہ بہنوں کا بھی یہی حکم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے باپ اور لڑکا نہ ہو اور وہ دو یا دو سے زیادہ حقیقی یا علاتی بہنیں چھوڑے تو ان سب کا حصہ میت کے ترکہ میں سے دو تہائی ہے اور اگر ایسا میت جس کے نہ اولاد ہے اور نہ والدین خواہ وہ میت مذکر ہو یا مؤنث وہ مرنے کے بعد چند وارث چھوڑے جو ملے جلے مرد وعورت ہوں یعنی بھائی اور بہنیں ملے جلے ہوں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے بشرطیکہ وہ سب عینی یا سب علاتی ہوں اور اگر عینی اور علاتی مخلوط ہوں تو ان کا حکم دوسرا ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے اب اللہ تعالیٰ ان احکام کی حکمت بیان فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان احکام اور فرائض کو اس لیے بیان کرتا ہے کہ لاعلمی کی بناء پر تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور کسی کو حق سے کم یا زائد نہ دیدو اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے تم کو چاہیے کہ اس کے حکم کے پابند رہو اور اپنی ناقص رائے سے اس میں دخل نہ دو کیونکہ تمہیں خود اپنی ہی مصلحتوں کا علم نہیں دنیا کی مصلحتوں کو کیا جانو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرائض کے متعلق شروع سورۂ نساء میں جو آیتیں نازل فرمائیں ان میں سے پہلی آیت اولاد اور ماں باپ کی میراث کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت شوہر اور بیوی اور اخیافی بھائی بہنوں کی میراث کے بارہ میں ہے اور جس آیت پر اللہ نے سورۂ نساء کو ختم فرمایا وہ حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث کے بارہ میں ہے اور خاتمہ سورۂ انفال کی آیت ذوی الارحام کے بارہ میں ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۶۰ ج ۳)

اس سورت کا آغاز خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کے بیان سے ہوا اور اختتام کمال علم کے بیان پر ہوا اور کمال قدرت اور کمال علم ہی سے اللہ کی ربوبیت اور الوہیت اور جلال اور عزت ثابت ہوتی ہے۔ پس بندوں کا فرض ہے کہ اس علیم وقدیر کے احکام کی بے چون و چرا تعمیل کریں اور دل وجان سے اس کے اوامر اور نواہی کے پابند رہیں۔ (تفسیر کبیر) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آج بوقت چاشت ۲۳ رمضان المبارک یوم دوشنبہ ۱۳۸۲ھ جامعہ اشرفیہ لاہور میں سورۂ نساء کی تفسیر

اختتام کو پہنچی ان شاء اللہ تعالیٰ اب اس کے بعد سورۂ مائدہ کی تفسیر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست اور دُعا ہے کہ اپنے فضل ورحمت سے اس تفسیر کو اس فقیر کے ہاتھ مکمل فرمائے آمین۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب و لاحول و لا قوۃ الا باللہ. ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم واٰخر دعوانا ان الحمدُ للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و ازواجہ و ذریاتہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الرّاحمین۔

آیاتُھَا ۱۲۰ ⑤ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۱۲) رُکُوْعَاتُھَا ۱۶

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو بیس ۱۲۰ آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

تفسیر سورۂ مائدہ

اس سورت کو مائدہ کہتے ہیں اس لیے کہ اس میں اس مائدہ (خوان) کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اور اس سورت کا نام سورۃ العقود بھی ہے اور یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اس میں ایک سو بیس ۱۲۰ یا ایک سو بائیس یا ایک سو تیئیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ سورۂ مائدہ اُن سورتوں میں سے ہے جو اخیر میں نازل ہوئیں جو اس میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور جو حرام پاؤ اس کو حرام جانو بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سورت سب سے اخیر میں نازل ہوئی اس کے بعد کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر اکثر مفسرین کے نزدیک اس کی بعد ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ﴾ نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی۔ واللہ اعلم

ربط: گزشتہ سورت (سورۂ نساء) میں حق تعالیٰ نے مختلف عقود اور عہود کو بیان کیا مثلاً عقد نکاح اور عقد مہر اور عقد حلف اور عقد امان اور عقد امانت اور عقد ودیعت وغیرہ وغیرہ کو ذکر فرمایا پھر اخیر سورت میں ﴿فَبِمَا نَقْضِھِمْ مِّیْثَاقَھُمْ ... الخ﴾ میں یہود کی بدعہدیوں کو ذکر کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے احکام کو وفاء عقود کے حکم سے شروع فرمایا وفاء عہد کا حکم دیا اور عہد شکنی سے منع فرمایا نیز گزشتہ سورۃ میں یہود ونصاریٰ کی قبائح وشنائع کا بیان تھا اور اُن کے عقائد فاسدہ کا ابطال تھا اور اس سورت کا اکثر حصہ بھی یہود ونصاریٰ کے محاجہ پر مشتمل ہے گویا کہ سورت مائدہ سورت نساء کا تتمہ اور تکملہ ہے پہلی سورت یعنی سورۂ نساء کا آغاز خطاب عام یعنی ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ﴾ سے ہوا اور اس سورت یعنی سورۂ مائدہ کا آغاز خطاب خاص یعنی ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ سے ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ

اے ایمان والو! پورا کرو قرار

تاکید اکید در بارۂ ایفاء عقود وعہود خواہ متعلق بحقوق عباد باشند یا بحقوق معبود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ﴾

اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ پورا کرو اُن عہدوں کو جو تم نے التزام احکام کے بارہ میں خدا تعالیٰ سے باندھے ہیں خواہ وہ براہ راست خدا تعالیٰ سے متعلق ہوں یا بندوں سے متعلق ہوں یا دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے متعلق ہوں اس لیے کہ ایمان درحقیقت ایک معاہدۂ التزام ہے کہ میں دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام کو صحیح اور صادق سمجھ کر اُن کو واجب الالتزام اور لازم العمل تسلیم کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ دل وجان سے اُن احکام کی تعمیل کروں گا پس یہ عہد التزام ایمان کی حقیقت ہے جس میں تمام احکام آ گئے اور یہ ایمان درحقیقت عہد الست کی تجدید ہے جس میں حق ربوبیت ادا کرنے کا عہد لیا گیا تھا اسی طرح ایمان جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد اور اقرار ہے اس لیے حکم یہ دیتے ہیں کہ اے ایمان والو تم نے ایمان لا کر التزامِ احکام کا اجمالی طور پر جو عہد اور پیمان کیا ہے اُس کو پورا کرو پھر اس حکم اجمالی کے بعد خاص خاص عہدوں اور خاص خاص حکموں کے پورا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ عقود جمع عقد کی ہے جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر خوب باندھ دیا جائے اس جگہ عقود سے تکالیف شرعیہ اور احکام دینیہ مراد ہیں جن میں اللہ نے بندوں کو باندھ دیا ہے اور بندہ ان میں جکڑا ہوا ہے بندہ پر اُن کی پابندی اور التزام ضروری ہے۔ پس یہ معلوم ہو گیا کہ ایمان درحقیقت التزام اطاعت کا اجمالی معاہدہ ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں حلف وفاداری کہتے ہیں یہ اجمالی معاہدہ تو ایک امر بسیط ہے لیکن تمام احکام شرعیہ اس معاہدہ کی دفعات ہیں اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی نہیں اس لیے کہ ایمان درحقیقت التزام اطاعت خداوندی کے معاہدہ کا نام ہے جو ایک امر بسیط ہے اس میں فی حد ذاتہٖ تجزّی اور تبعّض اور کمی اور زیادتی جاری نہیں ہوتی جیسے عقد نکاح حقوق زوجیت کے التزام کا ایک اجمالی معاہدہ ہے اور وہ ایک امر بسیط ہے جس میں کمی اور زیادتی نہیں ایجاب اور قبول سے پورا ہو جاتا ہے اور نان نفقہ اور سکنی وغیرہ یہ تمام امور عقد نکاح کے اجزاء ترکیبیہ نہیں بلکہ اس کے دفعات اور لوازم ہیں۔ اسی طرح اعمالِ صالحہ عقد ایمان کے لوازم اور اس کی دفعات ہیں جن کی بجا آوری لازم اور ضروری ہے معاہدۂ ایمان کے اجزاء ترکیبیہ نہیں۔ حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یعنی جب آدمی مسلمان ہوا تو سب حکم اللہ کے قبول کرنے ٹھہرا چکا اب آگے حکم فرماتے ہیں کہ اُن کو قبول کرو۔ (موضح القرآن) یعنی حسب عہد اُن احکام کو بجا لاؤ جن کے التزام کا تم نے عہد کیا ہے خلاف عہد کوئی کام نہ کرو بے وفائی اور عہد شکنی بہت بُری چیز ہے۔

اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ غَيۡرَ مُحِلِّى

حلال ہوئے تم کو چوپائے مواشی سوا اس کے جو تم کو سنا دیں گے مگر حلال نہ جانو

الصَّيۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا يُرِيۡدُ ①

شکار کو اپنے احرام میں اللہ حکم کرتا ہے جو چاہے۔

تفصیل بعد از اجمال یعنی عقود و عہود کی تفصیل

عقد اوّل = تحلیل بہیمۃ الانعام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ... الى... اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا يُرِيۡدُ ①﴾

ربط: گزشتہ آیت یعنی ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ﴾ میں اجمالی طور پر وفاء عقود کا حکم تھا اب اس اجمال کی تفصیل شروع ہوتی ہے سب سے پہلے عقد حلت وحرمت کو بیان فرمایا کہ حلال وحرام کے بارہ میں حق تعالیٰ نے تم سے جو عہد لیا ہے اُس کو پورا کرو سورۂ نساء کے اخیر میں گزر چکا ہے کہ یہود پر ظلم اور بدعہدی کی سزا میں بعض حلال اور طیب چیزیں حرام کردی گئیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ﴾ (النساء:۱۶۰)

جن کی تفصیل سورۂ انعام میں ہے۔ اب اس آیت میں اُمت محمدیہ کو ایفاء عہد کی ہدایت کی جاتی ہے کہ جو چیزیں ہم نے تم پر اپنی رحمت سے حلال کر دی ہیں صرف اُن کو استعمال کرو اور جو چیزیں تم پر حرام کر دی ہیں ان سے پرہیز کرو اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اے مسلمانو! تم نصاریٰ کی طرح حلال وحرام کی تقسیم کو ختم نہ کر دینا بہائم اور حیوانات کے نزدیک حلال وحرام کی کوئی تقسیم نہیں جہاں چاہا منہ مارا اور کھا لیا یہی حال آج کل متمدن قوموں کا ہے یہ مذہب انسانوں کا نہیں بلکہ یہ مذہب حیوانوں کا ہے چنانچہ فرماتے ہیں حلال کر دیئے گئے تمہارے لیے تمام چوپائے مویشی مگر وہ جانور جن کی حرمت آئندہ تمہارے سامنے بیان کی جائے گی وہ تمہارے لیے حلال نہیں یعنی وہ جانور جن کا آئندہ آیت ﴿حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ... الخ﴾ میں ذکر ہے وہ باوجود بہیمۃ الانعام میں داخل ہونے کے حلت کے حکم سے مستثنیٰ ہیں باقی ان کے علاوہ سب جانوروں کا کھانا اور شکار کرنا تمہارے لیے ہر حال میں حلال ہے مگر حالت احرام میں تم شکار کو حلال نہ جانو لہٰذا بحالت احرام اور حدود حرم کے اندر کسی جانور کا شکار نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس احکم الحاکمین سے یہ دریافت کر سکے کہ یہ حکم کیوں دیا نیز حق تعالیٰ حاکم مطلق ہونے کے علاوہ حکیم مطلق بھی ہیں اُسی نے اپنی حکمت بالغہ سے ہر جانور میں ایک خاص صفت اور خاص کیفیت اور خاص استعداد رکھی ہے جس جانور کو بندوں کے لیے مفید جانا اس کو اپنی رحمت سے حلال کر دیا اور جس کو مضر جانا اس کو حرام کر دیا ہے۔ پس اس نے اپنے علم وحکمت سے جو حکم دیا اس کا اتباع کرو۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا

اے ایمان والو! حلال نہ سمجھو اللہ کے نام کی چیزیں اور نہ ادب والا مہینہ اور نہ

الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ

نیاز کے جانور جو کعبے کو جاویں اور نہ گلے میں لٹکن والیاں اور نہ آنے والوں کو ادب والے گھر کی طرف ڈھونڈتے ہیں

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ط وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ط وَ لَا

فضل اپنے رب کا اور خوشی اور جب احرام سے نکلو تو شکار کرو اور باعث نہ ہو

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ

تم کو ایک قوم کی دشمنی کہ تم کو روکتے تھے ادب والی مسجد سے اس پر کہ

تَعْتَدُوْا م وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ص وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ

زیادتی کرو اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور

الْعُدْوَانِ ص وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کا عذاب سخت ہے۔

حکم دوم۔ شعائر دین اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ... الٰى... اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②﴾

ربط: گزشتہ آیت میں احلال بہیمۃ الانعام کے لیے غیر محلی الصید کی قید ذکر فرمائی جو کہ احرام اور حرم محترم کی تعظیم میں مخل تھی اس لیے اب آئندہ آیت میں شعائر دین کی بے حرمتی کی ممانعت فرماتے ہیں جو معنیٰ شعائر دین کے احترام کا حکم ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اللہ کے دین کے احترام اور ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھو۔ لہٰذا تم اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو یعنی جن چیزوں کو اللہ نے اپنے دین کی نشانی قرار دیا ہے جیسے کعبۃ اللہ اور صفا اور مروہ اور حجر اسود اور عرفات اور منیٰ مزدلفہ اور قربانی کے جانور وغیرہ ان کی بے حرمتی نہ کرو۔

فائدہ: شعائر دین اُن اُمور کو کہتے ہیں جو اسلام کی خاص علامت ہوں اور اُن سے اسلام کی خاص شان و شوکت ظاہر ہوتی ہو جیسے اذان اور حج اور عمرہ اور قربانی اور نہ ماہ حرام کی بے حرمتی کرو یعنی جن چار مہینوں کی لڑائی حرام ہے ان میں لڑائی کر کے اُن کی بے حرمتی نہ کرو

ابتداء میں چار مہینوں یعنی محرم اور رجب اور ذیقعدہ اور ذی الحجہ میں قتل وقتال کی ممانعت تھی بعد میں یہ ممانعت باقی نہیں رہی جس کا بیان ان شاء اللہ سورۂ توبہ میں آئے گا اور نہ قربانیوں کی بے حرمتی کرو یعنی جو جانور بغرض قربانی خانہ کعبہ بھیجے جاتے ہیں اُن پر لوٹ ڈال کر اُن کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ اُن جانوروں کی بے حرمتی کرو جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں ایسے جانوروں سے تعرض کرنا بہت ہی بُرا ہے۔ اس لیے کہ جب ان کے ساتھ قربانی کی شناخت موجود ہے تو پھر یہ عذر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم کو خبر نہ تھی کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور نہ اُن لوگوں کی بے حرمتی کرو جو خانہ کعبہ کی زیارت کے قصد سے جا رہے ہوں اور جو اپنے پروردگار کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہوں خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ جو اس کی زیارت کو جا رہا ہے اُس سے تعرض نہ کرو اس لیے کہ جب خانہ کعبہ کے ادب اور احترام میں قربانی کے جانور سے تعرض جائز نہیں تو انسان سے تعرض کرنا کیسے روا ہوگا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جس کام میں اللہ کی تعظیم کریں اس کام میں کافروں کی مزاحمت نہ کرو البتہ بت وغیرہ کی تعظیم میں اُن کی مزاحمت اور اہانت کرو مشرکین عرب اپنے آپ کو ملتِ ابراہیم کا پیرو کہتے تھے اور اسی بناء پر وہ حج اور عمرہ کی نیت سے سفر کرتے اور اپنے گمان میں وہ اللہ کی خوشنودی کا قصد کرتے ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کے قصد سے آتے ہیں ان سے تعرض نہ کرو یہ حکم اس وقت تھا کہ جب مشرکین کو خانہ کعبہ کی زیارت کی اجازت تھی اور جب ﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ ﴾ (التوبہ:۲۸)

یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکین کو خانہ کعبہ میں آنے کی ممانعت کر دی گئی اور اس ممانعت کی عام منادی کر دی گئی اور اے مسلمانو! حالت احرام میں تم پر شکار حرام ہے لیکن جب تم احرام سے باہر ہو جاؤ تو تم کو اجازت ہے کہ تم شکار کرو حج اور عمرہ کے احترام کے احترام میں شکار کی ممانعت تھی اور جب احترام ختم ہو گیا تو حرمت بھی ختم ہو گئی اور اے مسلمانو! تم کو خانہ کعبہ اور مسجد حرام کا احرام دوستی اور دشمنی ہر حالت میں ملحوظ رہنا چاہیے یہاں تک کہ کسی قوم کی دشمنی اور عداوت اس بناء پر کہ انہوں نے تم کو حدیبیہ کے سال مسجد حرام کی زیارت سے روکا تھا یہ دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم حدود ادب سے تجاوز کر جاؤ اور جوش عداوت میں احرام اور حدود حرم کے ادب اور احترام کی حدود سے باہر ہو جاؤ اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدی یعنی ظلم وستم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو بلکہ اس کے برعکس نیکی اور پرہیز گاری کی ترغیب دو پہلی آیت میں دشمنی کا دستور العمل تھا کہ دشمنی تم کو بے انصافی پر آمادہ نہ کرے اور اس آیت میں دوستی کا دستور العمل ہے کہ دوستی میں کسی کی بیجا حمایت نہ کرو جیسے آج کل پارٹیوں میں ہوتا ہے بلکہ برّ اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو سخت عذاب دینے والا ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو تا کہ تم کو اللہ کے فضل اور رضوان سے حصہ ملے اور سخت عذاب سے محفوظ رہو برّ یعنی نیکی سے لوگ خوش ہوتے ہیں اور تقویٰ سے اللہ خوش ہوتا ہے جس نے دونوں باتوں کو اپنے اندر جمع کر لیا اس نے سعادت مکمل کر لی بِر (نیکی) فعل خیرات کا نام ہے اور تقویٰ اور پرہیز گاری ترک منکرات کا نام ہے جس میں یہ دونوں خصلتیں جمع ہو جائیں اس کی خوش نصیبی کا کیا پوچھنا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ
حرام ہوا تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا اور جس چیز پر نام پکارا
لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَ
اللہ کے سوا کا اور جو مرگیا گھٹ کر یا چوٹ سے یا گر کر یا سینگ مارے سے اور
مَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۖ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ
جس کو کھایا پھاڑنے والے نے مگر جو تم نے ذبح کرلیا اور جو ذبح ہوا کسی تھان پر اور یہ کہ
تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ
بانٹا کرو پانسے ڈال کر یہ گناہ کا کام ہے۔

حکم سوم۔ تفصیل محرّمات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ... الٰی ... ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾

ربط: شروع سورت میں ﴿إِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ سے جن چیزوں کی تحریم کی طرف اجمالی اشارہ تھا اب اس آیت میں اُن محرمات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ وہ بہیمۃ الانعام جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے وہ بعض احوال میں حرام ہوجاتے ہیں اور اس حالت میں اُن کا استعمال ممنوع ہوجاتا ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ ان محرمات سے بچو تا کہ خدا تعالیٰ کے شدید عذاب سے محفوظ رہو جیسا کہ گزشتہ آیت میں حکم دیا تھا ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ اور حرام سے بچنے کا نام تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اب آئندہ آیت میں ان محرمات کی تفصیل فرماتے ہیں جن کا اوپر کی آیت ﴿إِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ میں اجمالاً ذکر فرمایا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! وہ چیزیں جو کہ حلال چیزوں سے مستثنیٰ کی گئیں اور تم پر حرام کی گئیں وہ گیارہ چیزیں ہیں۔

(اوّل) مردار جانور یعنی جو بلا ذبح اور بلا شکار کے اپنی طبعی موت سے مرجائے وہ تم پر حرام کیا گیا۔ اس لیے کہ جب وہ جانور ذبح نہیں کیا گیا تو اس کا خون اندر ہی اندر منجمد ہوگیا جس کا کھانا تمہارے لیے غایت درجہ مضر صحت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار جانوروں کا کھانا حرام کیا۔

اور **(دوسری)** چیز جو تم پر حرام کی گئی وہ خون ہے جو بہتا ہوا ہو جیسا کہ دوسری جگہ ہے ﴿أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا﴾ مشرکین عرب خون جما کر کسی توے اور کڑھائی میں تل کر کھایا کرتے تھے۔ اس آیت میں اس کو حرام کردیا گیا البتہ وہ خون جو گوشت پر لگا رہ جائے وہ اس سے مستثنیٰ ہے اور علیٰ ہذا کلیجی اور تلی بھی مستثنیٰ ہے خون کا کھانا چونکہ نہایت مضر صحت ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے اس کا کھانا حرام فرمایا۔

اور (تیسری) چیز سور کا گوشت حرام کیا گیا جس میں اس کی چربی اور اس کی کھال بھی شامل ہے غذا کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے اور سور میں بہت سی صفات ذمیمہ پائی جاتی ہیں وہ حد درجہ کا حریص اور پرلے درجہ کا بے غیرت ہے بے غیرتی اس کے خمیر میں داخل ہے جو قومیں سور کا گوشت کھاتی ہیں وہ بے غیرت ہیں عیاں راچہ بیاں اس لیے شریعت نے سور کے گوشت کو حرام کیا تا کہ مسلمان بے غیرتی سے محفوظ رہیں قرآن کریم میں اگرچہ سور کے گوشت کی حرمت کا ذکر آیا ہے لیکن تمام اُمت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ سور نجس العین ہے اور اس کے کسی جزء سے انتفاع درست نہیں خدا تعالیٰ نے کھانے کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ جانور سے بڑا مقصود کھانا ہی ہوتا ہے۔

اور (چوتھی) چیز وہ جانور جو بقصد تقرّب غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو وہ بھی تم پر حرام کیا گیا بقصد تقرب و تعظیم جانور کو غیر اللہ کے لیے نامزد کرنا یہ شرک ہے اس نیت شرکیہ کی وجہ سے وہ جانور نجس ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے اس لیے کہ حرمت کا مدار اس نیت شرکیہ پر ہے جب تک اس نیت سے توبہ نہ کرے گا حلال نہ ہوگا جس طرح کلب اور خنزیر اور بہائم محرّمہ۔ ذبح کے وقت خدا کا نام لینے سے حلال نہیں ہو جاتے اسی طرح ﴿مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے سے حلال نہ ہوگا جب تک اُس نیت شرکیہ سے توبہ نہ کرے اور حدیث میں ہے ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) اس بارہ میں مفصل کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جو جانور غیر خدا کی تعظیم کے لیے ذبح کیا جائے وہ مردار ہے۔

اور (پانچویں) چیز وہ جانور جو گلا گھٹ کر مر جائے وہ بھی تم پر حرام کیا گیا اس لیے کہ ایسا جانور درحقیقت مردار ہے۔

اور (چھٹی) چیز وہ جانور جو چوٹ کھا کر مرا ہو وہ بھی تم پر حرام کیا گیا یعنی لکڑی کی چوٹ سے مر گیا وہ بھی حرام کیا گیا۔

اور (ساتویں) چیز وہ جانور جو اوپر سے نیچے گر کر مرا ہو خواہ وہ خود گر مرا ہو یا کسی نے گرایا ہو وہ بھی حرام کیا گیا۔

اور (آٹھویں) چیز وہ جانور کہ جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہو وہ بھی تم پر حرام کیا گیا وہ بھی مردار ہے۔

اور (نویں) چیز وہ جانور جس کو درندے نے پھاڑ کھایا ہو اس کا بقیہ تم پر حرام ہے لیکن منخنقہ اور موقوذہ اور متردیہ اور ما اکل السبع میں جن جانوروں کا ذکر ہے ان میں سے اگر تم کسی جانور کو جان نکلنے سے پہلے قاعدہ شرعیہ کے مطابق ذبح کر ڈالو تو وہ اس حرمت کے حکم سے مستثنیٰ اور خارج ہے یعنی ان جانوروں میں اگر تم کسی کو جیتا ہوا پاؤ اور مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر لو تو وہ حرام نہیں ہے۔

فائدہ: منخنقہ اور موقوذہ اور متردیہ اور ما اکل السبع اگرچہ یہ سب چیزیں میتۃ میں داخل تھیں لیکن ان کو علیحدہ ذکر کیا کہ عام اطلاق میں میتۃ اسی جانور کو کہتے ہیں کہ جس کی موت کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو اور منخنقہ وغیرہ میں موت کا ظاہری سبب موجود ہے اس لیے ان کو علیحدہ ذکر کیا کہ یہ سب مردار کے حکم میں ہیں۔

اور (دسویں) چیز جو تم پر حرام کی گئی وہ وہ جانور ہے کہ ذبح کیا جائے کسی تھان پر یعنی کسی معبود کے باطل نشان پر وہ بھی حرام ہے تھان سے مراد وہ مقامات ہیں جن کو لوگ متبرک سمجھ کر خدا کے سوا دوسروں کی نذر و نیاز چڑھاتے تھے۔

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نُصُب اُن پتھروں کو کہتے ہیں جن کو مشرکین عرب غیر اللہ کی عبادت کے لیے نصب کرتے تھے اور جانوروں کو لے جا کر وہاں ذبح کرتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴾ (المعارج) (مفردات ص ۵۱۳)

نُصُب اور صنم میں فرق یہ ہے کہ نُصُب اس غیر مصوّر پتھر کو کہتے ہیں کہ جو کسی دیوتا یا دیوی کے نام پر کھڑا کیا جائے اور صَنَم وہ

مصوّر پتھر ہے جس پر کسی دیوتا یا دیوی کی تصویر یعنی صورت بنی ہوئی ہو خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر کھڑے کیے ہوئے تھے جن کو مشرکین اپنے دیوتاؤں کا تھان سمجھ کر بتوں کے لیے ان کے پاس آ کر قربانیاں کیا کرتے تھے اور کچھ خون بھی ان پر چھڑک دیتے تھے اور ان پتھروں کو بدلتے بھی رہتے تھے ایک پتھر کے بجائے دوسرا اچھا پتھر رکھ دیتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی نجس اور حرام کر دیا اور ان قربانیوں کے کھانے کی ممانعت کی جو ان تھانوں پر کی جائیں کیونکہ یہ صورت بھی فی الحقیقت نذر بغیر اللہ کی ایک خاص صورت ہے گو ذبح کے وقت زبان سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ دیا جائے اس لیے کہ اصل مقصود اور اصل نیت اس ذبح سے غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب ہے جو شرک ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُس کو حرام قرار دیا کیونکہ حرمت کا اصل دار و مدار نیت شرکیہ پر ہے جس کا ظہور کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے یعنی ایسے مقامات پر ذبح کرنے سے جو بتوں کے نام پر بنے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ذبیحہ کا کھانا حرام قرار دیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۵۷ ج ۶ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۱ ج ۲ و تفسیر کبیر ص ۳۶۶ ج ۳)

نکتہ: گزشتہ آیت میں ہدی کے ادب اور احترام کا ذکر تھا کہ جو جانور تقرب الی اللہ کی غرض سے خانہ کعبہ پہنچ جاتے ہیں اُن سے تعرض نہ کرو اب اس آیت میں اس کے بالمقابل اس جانور کا ذکر فرمایا جو خدا کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح کیا جائے یا خانہ خدا کے سوا کسی دوسرے مکان کی تعظیم کے لیے ذبح کیا جائے تو وہ حرام اور مردار ہے۔ (ماخوذ از موضح القرآن)

اس تقریر سے ﴿مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ اور ماذبح علی النصب کا فرق واضح ہو گیا۔ فللہ الحمد

اور (گیارھویں) چیز جو تم پر حرام کی گئی وہ یہ ہے کہ پانسوں سے تم قسمت معلوم کرو ازلام زلم کی جمع ہے جس کے معنی تیر کے ہیں ازلام اُن تیروں کو کہتے ہیں جو بتوں کے مجاوروں کے پاس ہوا کرتے تھے مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی اور کسی مہتم بالشان کام کا ارادہ کرتے تو قسمت (انجام) معلوم کرنے کے لیے ان مجاوروں کے پاس جا کر سوال کرتے کہ مثلاً میں نکاح کروں یا نہ کروں اور اس سفر میں جاؤں یا نہ جاؤں تو وہ مجاور اپنا تھیلا نکالتا جس میں تین تیر ہوتے تھے ایک پر لکھا ہوا تھا امرنی ربی (حکم دیا مجھ کو میرے رب نے) دوسرے تیر پر لکھا ہوا تھا نہانی ربی (منع کیا مجھ کو میرے رب نے) اور تیسرا تیر خالی تھا یہ تینوں تیر مجاور کے پاس ایک تھیلے میں رکھے رہتے تھے جب کسی کو کسی کام میں کوئی تردّد اور تذبذب لاحق ہوتا تو مجاور کے پاس جاتے اور وہ تھیلے میں ہاتھ ڈال کر تیر نکالتا اگر امرنی ربی والا تیر نکل آیا تو وہ کام کرتے اور اگر نہانی ربی والا تیر نکل آیا تو ایک سال کے لیے اُس کام سے رک جاتے اور اگر خالی تیر نکلتا تو پھر یہی عمل کیا جاتا یہاں تک کہ کرو یا نہ کرو والا تیر نکلتا چونکہ یہ بتوں سے ایک قسم کا مشورہ اور استعانت تھی جس کی بناء خالص جہالت اور وہم پرستی اور افتراء علی اللہ پر تھی اس لیے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اس رسم کی حرمت کو شدت کے ساتھ ذکر فرمایا اور اس مقام پر میتہ اور خنزیر جیسی گندی چیزوں کے ساتھ ملا کر اس کی حرمت کو بیان فرمایا اور یہ بتلا دیا کہ یہ ایک مشرکانہ اور جاہلانہ رسم ہے اس طریقہ سے قسمت اور انجام کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتا شریعت نے بجائے اس رسم قبیح کے استخارہ کا حکم دیا کہ جب کسی امر میں تردد ہو تو استخارہ کرو یہ تمام باتیں جو تم پر حرام کی گئیں سب فسق و فجور یعنی گناہ اور بدکاری ہیں یا یوں کہو کہ ذلکم کا اشارہ فقط اخیر یعنی استقسام بالازلام کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ تیروں سے قسمت اور انجام کا معلوم کرنا سراسر فسق اور ضلالت اور شرک اور جہالت ہے مؤمن کا کام یہ ہے کہ جب اُس کو کسی کام میں تردد ہو تو خداوند ذوالجلال کی طرف رجوع کرے اور استخارہ کرے جیسا کہ احادیث میں اس کا طریقہ وارد ہوا ہے۔

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ؕ

آج ناامید ہوئے کافر تمہارے دین سے سو ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ

آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے

لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

تمہارے واسطے دین مسلمانی

حکم چہارم۔ تاکید تمسک بشرائع اسلام مع بشارت اکمال دین واتمام انعام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا... الٰی... وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾

ربط: حلال وحرام کی تفصیل کے بعد اب اس آیت میں بشارت دیتے ہیں کہ تمہارا دین مکمل ہوگیا کوئی خیر اور بھلائی ایسی باقی نہ رہی جو نہ بتلادی گئی ہو اور کوئی شر اور برائی ایسی نہیں رہی جس سے منع نہ کر دیا گیا ہو اور اس کے ساتھ اللہ نے تم کو اتنی قوت اور عزت عطا کردی کہ کافر نااُمید ہو چکے ہیں اور دین اسلام کے مٹانے کا تصور اور خیال خام اُن کے دلوں سے نکل چکا ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم بے خوف وخطر ہو کر دین اسلام کے فرائض اور احکام کو بجالاؤ اور کافروں کی نفرت اور وحشت کو خاطر میں نہ لاؤ دین کا غلبہ مکمل ہو چکا ہے اب کسی میں یہ طاقت نہیں کہ حلال وحرام کے بارہ میں کوئی مزاحمت کر سکے اور جاہلیت کی طرح خبائث یعنی میتہ اور خمر اور خنزیر وغیرہ کو حلال کر سکے ابتداء میں اسلام ضعیف اور کمزور تھا مخالفین اسلام کے جور وستم کی وجہ سے مسلمان آزادی کے ساتھ شرائع اسلام اور حلال وحرام پر عمل نہیں کر سکتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ضعف کو قوت سے اور اس کے خوف کو امن سے اور اس کے فقر کو غنی سے بدل دیا ہے اب تم آزادی کے ساتھ بے خوف وخطر شرائع اسلام کو بجالاؤ اور جس چیز کو خدا تعالیٰ نے حلال کیا ہے اس کو استعمال کرو اور جسے حرام کیا ہے اس سے بچو۔ چنانچہ فرماتے ہیں آج کے دن یعنی اب کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے یعنی اُس کے مٹانے یا اس پر غالب آجانے سے مایوس ہو گئے اب تک تو یہ سمجھتے تھے کہ اسلام چند روز کا مہمان ہے اور جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں وہ عنقریب دین اسلام چھوڑ کر پھر اپنی جاہلیت میں جا ملیں گے لیکن اب وہ بالکل ناامید ہو گئے اور سمجھ گئے ہیں کہ یہ شمع بجھنے والی نہیں اور یہ پروانے اُسے چھوڑنے والے نہیں پس جب یہ بات ہے کہ کفار تمہارے دین کے مٹانے اور اس پر غالب آنے سے نااُمید ہو چکے ہیں تو تم اس دین پر عمل کرنے میں اُن سے بالکل نہ ڈرو وہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے اور مجھ سے ڈرو یعنی اُن کی خوشامد میں شریعت کے خلاف کر کے اپنے کو تباہ نہ کرو اس دین کو کوئی نہیں مٹا سکتا اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ ایک فعل مہمل ہے اور بزدلانہ حرکت ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۳۶۸ ج ۳)

اب میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا تمام حلال وحرام فرض اور واجب چیزیں مکارم اخلاق اور عقائد اور

اُصول اور قواعد سب بیان کر دیئے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا کہ تم کو دین کامل دیا اور اب تم کسی دین اور کسی شریعت کے محتاج نہیں رہے اور کافروں پر تمہیں غلبہ بخشا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت دو اعتبار سے تم پر تمام ہوئی ایک قوت وشوکت کے اعتبار سے کہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کیا ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الفتح:۲۸) کا وعدہ پورا کیا دوسرے قواعد اور احکام اور حلال وحرام کی تفصیل اور مبداء اور معاش اور معاد کی تفصیل کے اعتبار سے اتنا کامل کر دیا کہ اب قیامت تک جتنے واقعات پیش آئیں گے اُن سب کے احکام اسی دین حق (یعنی کتاب وسنت) کی روشنی میں معلوم ہو سکیں گے یا یوں کہو کہ اتمام نعمت سے یہ مراد ہے کہ لذائذ اور طیبات کو تمہارے لیے حلال کر دیا اور خبائث اور ارجاس کو تم پر حرام کر دیا اس طرح تم پر اپنی نعمت پوری کی یا یوں کہو کہ حج فرض کر کے ارکان دین کو مکمل کر دیا۔

فائدہ: چونکہ حدیث اور اجماع اور قیاس کی حجیت خود قرآنِ کریم سے ثابت ہے اس لیے جو حکم حدیث اور اجماع اور قیاس سے ثابت ہوگا وہ بھی دین کا جز ہوگا جس نے حدیث نبوی یا اجماع امت یا قیاس فقہاء کو دین سے خارج اور اس کا مقابل اور قسیم سمجھا وہ بے دین اور بے عقل ہے قرآنِ کریم اور حدیث شریف اور اجماع علماء اور قیاس فقہاء سب دین کے اجزاء اور اقسام ہیں نیز قیاس مُظہرِ حکم ہے مُثبِتِ حکم نہیں یعنی جو حکم کتاب وسنّت میں پوشیدہ اور مخفی تھا قیاس اسے ظاہر کر دیتا ہے جیسا کہ ﴿لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ﴾ (النساء:۸۳) کی تفسیر میں گزر چکا ہے قیاس کے معنی خود رائی اور جدید حکم کے نہیں۔

رہا اجماع سو وہ بھی کسی آیت یا حدیث ہی کے مختلف فیہ مضمون پر ہوتا ہے چیز (دین) ایک ہے الوان (رنگتیں) مختلف ہیں ؎

عبار اتنا شتّٰی و حسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من از رفتار پایت می شناسم

اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو یعنی اب یہی دین خدا کے نزدیک مرضی اور پسندیدہ اور تمام دینوں سے بہتر اور برتر ہے اور اب قیامت تک یہی دین رہے گا اور کبھی منسوخ نہ ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد اسی دین اور شریعت کا اتباع کریں گے۔ لہٰذا اب دین کامل اور پسندیدۂ خداوندی کے بعد جو شخص سوائے دین اسلام کے کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ خدا کے یہاں ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾۔

فوائد ولطائف

① حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ دن حجۃ الوداع کا تھا یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں جمعہ کے دن عصر کے وقت یہ آیت نازل ہوئی وہ وقت تقریباً سال کا بھی آخر تھا اور ہفتہ کا بھی آخری دن تھا اور دن بھی قریب الختم تھا اس لیے کہ عصر کے بعد غروب کا وقت آ جاتا ہے۔

اسی طرح حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کا بھی آخری زمانہ تھا اس کے تین ماہ بعد ربیع الاوّل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہماری اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ آخر سے حقیقی آخر مراد نہیں بلکہ قریب آخر مراد ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ

غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ یہ آیت نازل ہوئی۔ لہٰذا اب یہ اشکال وارد نہ ہوگا کہ جب دین کامل ہو چکا تو پھر یہ حکم مضطر کیسے نازل ہوا اس لیے کہ مراد آخر سے قریب آخر ہے اس پر خدشہ وارد نہیں ہوتا نیز الیوم سے خاص آج کا دن مراد نہیں بلکہ الیوم سے زمانہ حاضر مراد ہے جو ماقبل اور مابعد سے متصل ہے۔ لہٰذا اب شُبہ نہ رہے گا کہ جب آج دین کامل ہو گیا تو اس کے بعد کوئی حکم نازل نہ ہونا چاہیے اور آیات احکام میں یہ آخری آیت اور آخری حکم ہونا چاہیے بحمدہٖ تعالیٰ اس شبہ کے دو جواب ہو گئے۔

② دین کے کامل کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ حدود اور فرائض اور حلال و حرام کے احکام اور مبدأ اور معادِ دُنیا اور آخرت اور زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ایسے اصول اور قواعد بتلا دیئے گئے کہ قیامت تک آنے والے واقعات اور جزئیات کے احکام انہی کلیات سے صراحتاً یا اشارۃً معلوم ہو سکیں گے اور قیامت تک اس میں زیادتی اور ترمیم کی ضرورت نہ ہوگی نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم ہوئی اور یہ آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی کتاب آسمان سے نازل نہ ہوگی۔

طِبّ کامل وہ ہے جس سے ہر مرض کا علاج معلوم ہو سکے اسی طرح دین کامل وہ ہے جو اصول اور قواعد کلیہ کا جامع ہو اور تمام جزئیات کا حکم اُس سے معلوم ہو سکے خلاصۂ کلام یہ کہ اکمال دین کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تمام حلال و حرام اور فرائض اور واجبات اور اُصول و قواعد بیان کر دیئے گئے اب تمہیں دینی یا دنیوی ہدایت کے لیے کسی اور دین کی ضرورت نہیں اور نہ کسی اور نبی کی حاجت رہی یہی دین تمہاری دینی اور دنیوی اور تدبیر منزلی اور تدبیر ملکی اور سیاست داخلیہ اور خارجیہ کی مشکلات میں ہدایت اور رہنمائی کے لیے کافی اور شافی ہے جیسا کہ کتب فقہ میں کتاب و سنت کی روشنی میں ان امور کی تفصیل موجود ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اکمال دین کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ عطا کیا مگر راجح قول وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

③ اور ﴿ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم کو دین کامل دے کر تم پر اپنی نعمت پوری کر دی کہ تم کو ایسا کامل اور غایت درجہ معتدل قانون اور دستور عطا کیا کہ جو تمام شریعتوں کا خلاصہ اور لُب لباب ہے اور جو باتیں ادیان سماویہ میں ناتمام تھیں اس دین کامل میں اُن کی تکمیل اور تتمیم کر دی گئی۔ اب قیامت تک اس میں کسی اضافہ اور ترمیم کی گنجائش نہیں البتہ اُس کے احکام کی توضیح اور تلویح اور تفصیل اور تشریح ہوتی رہے گی۔ جس طرح حدیث قرآن کریم کی تفسیر ہے اسی طرح فقہ حدیث کی شرح ہے اور وہ قانون ایسا واضح اور صاف ہے کہ کوئی ملحد اس میں تحریف اور تبدیل کی اُمید قائم نہیں کر سکتا اور ظاہری قوت و شوکت کے اعتبار سے اس کی جڑیں اتنی مضبوط کر دی ہیں کہ کفار اس کے مٹانے سے مایوس ہو چکے ہیں فتح مکہ سے تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگین آ گیا اور کفر کی یہ مجال نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے مطلب یہ ہوا کہ دین کامل دے کر دین اور دُنیا دونوں اعتبار سے تم پر اللہ کی نعمت پوری ہوئی۔

④ حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام کو جو شریعتیں عطاء کی گئیں وہ ناقص نہ تھیں بلکہ اپنے اپنے وقت اور اس خاص زمان اور اُس خاص مکان اور اُس خاص خطّہ کے لحاظ سے کامل تھیں اُن کا کامل ہونا ایک مخصوص قوم اور محدود زمانہ کے لیے تھا اسی وجہ سے دوسرے کے آنے سے شریعت سابقہ کے کچھ احکام منسوخ ہو جاتے تھے مگر شریعت اسلامیہ کامل مطلق ہے اس کا کامل ہونا کسی زمان اور مکان اور کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں شریعت اسلامیہ کا کمال کمال مطلق بھی ہے اور دائم اور مستمر بھی ہے قیامت تک اس کا کوئی حکم منسوخ نہ

ہوگا۔ (کذا فی السراج المنیر للشربینی ص ۲۹۲ ج ۲)

یا یوں کہو کہ ہر شریعت فی حد ذاتہٖ کامل تھی مگر حق تعالیٰ اپنے علم اور ارادہ سے جس حد تک پہنچانا چاہتے تھے اس کے اعتبار سے سابق شریعتیں کم تھیں مثلاً حق تعالیٰ نے کسی کو ساٹھ برس کی عمر عطا کی اور کسی کو سو سال کی۔ سو ساٹھ سال کی عمر فی حد ذاتہٖ ناقص نہیں مگر اس عمر کے لحاظ سے ناقص ہے جو اللہ تعالیٰ نے دوسرے کو عطا کی ابتداء میں ظہر اور عصر اور عشاء کی دو دو رکعتیں تھیں بعد میں چار چار رکعتیں کردی گئیں۔ لہٰذا یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ چار رکعتیں دو رکعتوں سے زیادہ کامل ہیں اور دو رکعتیں اس سے کم ہیں لیکن یہ کمی کسی عیب یا خلل یا قصور کی بناء پر نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے اضافہ اور تکمیل کے اعتبار سے کم ناقص ہیں یعنی حق جل شانہٗ نے جس مرتبہ کمال تک پہنچانے کا ارادہ فرمایا تھا اس کے اعتبار سے ناقص ہیں اور جو جو احکام شرعیہ بتدریج حد کمال کو پہنچے اُن کو بھی اسی طرح سمجھو۔ (تفسیر قرطبی ص ۶۲ ج ۶)

⑤ جس طرح حکومت کے دستور اور آئین کا مکمل ہونا موجب صد مسرت ہے اسی طرح خداوند ذوالجلال کی طرف سے بندوں کو دستور کامل یعنی دین کامل اور شریعت کاملہ کا عطا ہونا ایک نعمت عظمیٰ اور بشارت کبریٰ ہے خداوند ذوالجلال، احکم الحاکمین ہے اور دین اسلام اس کے قوانین اور احکام کا نام ہے چنانچہ کسی یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی اس دن بحمد اللہ مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہوگئی تھیں اور یہ دونوں دن بحمد اللہ ہمارے لیے عید ہیں ایک یوم عرفہ اور ایک یوم جمعہ یعنی ہمیں اپنی طرف سے کسی اور عید کی ضرورت نہیں بس ہمیں وہی عید کافی ہے جو من جانب اللہ ہے۔

⑥ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین اسلام ایک عظیم نعمت ہے اور نعمت کا شکر عقلاً و شرعاً واجب ہے اس لیے امت میں اسلام جیسی نعمت کے شکر کے لیے یہ کلمہ مشہور ہے۔ الحمد للہ علی نعمۃ الاسلام۔ (تفسیر کبیر ۳۶۹ ج ۳)

اور حق تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ﴾ (ابراہیم: ۷)۔ لہٰذا جو اسلام کی نعمت کا شکر کرے گا اللہ اس کے اسلام اور دین میں زیادتی اور خیر و برکت عطا کرے گا۔

⑦ ﴿وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا﴾ یعنی اللہ کے نزدیک یہی دین پسندیدہ اور مقبول ہے اور اسی پر نجات کا دارومدار ہے جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بغیر اسلام قبول کیے اپنے مذہب پر عمل کرنے سے نجات ہوسکتی ہے جیسا کہ اس زمانہ کے بعض آزاد منشوں کا یہ خیال خام ہے کہ گاندھی بھی بغیر اسلام میں داخل ہوئے اُخروی عذاب سے نجات پا سکتا ہے سو یہ ایسا صریح کفر ہے کہ جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔

کیا اسلام مانع ترقی ہے؟:

اسلام حقیقی ترقی کا ہر گز ہر گز مانع نہیں بلکہ حقیقی ترقی کا حکم دیتا ہے اس سے بڑھ کر کیا ترقی ہوسکتی ہے کہ صحابہ کرام علیہم السلام نے چند ہی روز میں قیصر و کسریٰ کی سلطنت پر قبضہ کیا اور روئے زمین پر اپنی سیادت اور اقتدار کو قائم کردیا اور شریعت اسلامیہ کا دستور اور قانون دنیا میں رائج کردیا اور جس سرزمین پر قدم رکھا بغیر کسی کالج اور یونیورسٹی کے وہاں کی زبان عربی بن گئی اور وہاں کا تمدن اسلامی تمدن بن گیا اور آج سے دو سو سال پیشتر تک تمام سلاطین اسلام کا یہی حال رہا اور اللہ نے ان کو وہ عزت دی جو خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ البتہ اسلام اس خیالی ترقی کا مانع اور مخالف ہے جس کی حقیقت سوائے حرص اور طول اَمل کے کچھ نہیں شیخ چلّی کی سی پلاؤ

پکالینے کا نام ترقی نہیں۔

عالم کی اصل ترقی کا دارومدار چار چیزیں ہیں زراعت اور تجارت اور صنعت وحرفت اور ملازمت جس کو اصطلاح شریعت میں اجارہ کہتے ہیں شریعت کی بے شمار نصوص سے ان تمام اُمور کی تاکید اور ترغیب ثابت ہے اور حق تعالیٰ نے ان اُمور کے متعلق احکام صادر کیے ہیں جو چیزیں حقیقتاً مفید اور نافع تھیں ان کو جائز قرار دیا اور جو چیزیں حقیقتاً مضر تھیں اُن کو ناجائز قرار دیا اگرچہ کوئی خودغرض بعض چیزوں کو اپنے لیے مفید اور نافع سمجھتا ہو ہر حکومت نے اپنی قانون میں رشوت اور چوری اور ڈاکہ زنی کو جرم اور ممنوع قرار دیا ہے حالانکہ چوری اور ڈاکہ زنی شخصی منافع سے خالی نہیں چوری سے اور رشوت سے مال میں بڑی ترقی ہوتی ہے مگر کوئی شخص بھی حکومت اور قانون پر یہ اعتراض نہیں کرتا کہ یہ قانون ہماری ترقی میں حارج اور مزاحم ہے۔ لہٰذا اس کو منسوخ کیا جائے اسی طرح شریعت نے سود اور قمار اور رشوت کو حرام قرار دیا جو مضرت میں چوری اور ڈاکہ سے کہیں بڑھ کر ہے لیکن افسوس کہ شریعت کے احکام کو مانع ترقی سمجھتے ہیں اور قوانین حکومت کو مانع ترقی نہیں سمجھتے معترضین یہ بتلائیں کہ شریعت کے کون سے احکام ایسے ہیں جو حقیقتاً دُنیاوی ترقی میں حارج اور مزاحم ہیں بتلائیں تو سہی کہ کیا شراب اور زنا اور بے پردگی کی اجازت سے ملک کو مادی ترقی حاصل ہوجائے گی شریعت پروپیگنڈے کو ممنوع قرار دیتی ہے حیرت کا مقام ہے کہ جھوٹ سے تو ملک کو ترقی ہو اور سچائی سے ملک کو تنزل ہو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان نجاست خوروں (جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والوں) کو صدق اور سچائی کی حلاوت اور لذت کس طرح سمجھائیں بلکہ حق یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز سے منع کیا ہے وہی چیز تنزل کا سبب ہے اور جس چیز کا حکم دیا ہے وہی ترقی کا ذریعہ ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ													
پھر	جو	کوئی	ناچار	ہوگیا	بھوک	میں	کچھ	گناہ	پر	نہیں	ڈھلتا	تو	اللہ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③													
بخشنے	والا	ہے	مہربان۔										

تتمۂ حکم سوم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③﴾

پہلی آیت میں جو میتہ وغیرہ کی حرمت کا ذکر تھا یہ آیت اُسی حکم سابق کا تتمہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس جو شخص بھوک کی شدت میں مجبور اور لاچار ہوجائے وہ اگر ان حرام چیزوں میں سے بقدر سدرمق کچھ کھالے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو یعنی پیٹ بھر کر نہ کھائے اور مقدار حاجت سے تجاوز نہ کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اس نے اپنی رحمت سے مجبوری کی حالت کو حرمت سے مستثنیٰ فرمادیا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کو کیا حلال ہے تو کہہ تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں اور جو سدھاؤ

مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ

شکاری جانور دوڑانے کو کہ ان کو سکھاتے ہو کچھ ایک جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے سو کھاؤ اس میں

اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

سے کہ رکھ چھوڑیں تمہارے واسطے اور اللہ کا نام لو اُس پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

شتاب لینے والا ہے حساب

حکم پنجم۔ متعلق بہ شکار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ ... الٰی ... اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④ ﴾

ربط: دین کامل کی ایک علامت یہ ہے کہ اس میں حلال وحرام کی پوری تفصیل ہو گزشتہ آیت میں حرام چیزوں کی تفصیل تھی اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ حلال کیا کیا چیزیں ہیں تو اب جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ حلال کا دائرہ بہت وسیع ہے چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں دینی یا دنیوی روحانی یا جسمانی نقصان تھا اُن کے علاوہ دنیا کی تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور چونکہ شکار کے متعلق بعض لوگوں نے خصوصیت سے سوال کیا تھا اس لیے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا جواب دیا گیا لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا چیز اُن کے لیے حلال کی گئی عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل رضی اللہ عنہما نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم شکاری لوگ ہیں کتوں اور بازوں سے شکار کرتے ہیں تو ہم کو کس جانور کا شکار حلال ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے تمام پاکیزہ اور ستھری چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ یعنی جن چیزوں کو اہل عرب پاکیزہ سمجھتے ہوں یعنی جن چیزوں کو طبائع سلیمہ لذیذ اور پاکیزہ سمجھتی ہوں اور نیز اُصول شریعت (یعنی کتاب اور سنت اجماع اور قیاس) سے اُن کی حرمت ثابت نہ ہو مطلب یہ ہے کہ یہ سب پاکیزہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں حلال تھیں جب توریت نازل ہوئی تو یہود کی سزا میں اکثر چیزیں ممنوع ہو گئیں اور انجیل میں حلال وحرام کا بیان نہ ہوا۔ اب قرآن میں وہی چیزیں دین ابراہیمی کے مطابق سب حلال ہوئیں اور فرمایا کہ اہل کتاب کا کھانا حلال ہے۔ یعنی اُن کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اُن کا ذبح کیا ہوا اُس شرط کے مطابق ہو جو اوپر ذبح کی شرط ذکر کی گئی کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور غیر اللہ کی تعظیم مقصود نہ ہو اور حلال کیا گیا تمہارے لیے شکار اُن جانوروں کا جن کو تم نے سدھایا ہے اور شکار پکڑنے کے طریقے اُن کو سکھائے ہیں درانحالیکہ تم اُن کو شکار کا وہ طریقہ سکھلاتے ہو جو خدا تعالیٰ نے تم کو سکھایا ہے جوارح کے معنی شکار کرنے والے

جانوروں کے ہیں جس میں کتا اور باز اور شکرا وغیرہ سب آ گئے پس تم کو اس شکار کے کھانے کی اجازت ہے کہ جس کو شکاری جانور تمہارے لیے روک رکھیں یعنی خود اُس سے نہ کھائیں پس جس شکار کو شکاری جانور پکڑ کر تمہارے لیے لے آئے اور خود اُس میں سے نہ کھائے تو وہ شکار تمہارے لیے حلال ہے اگر چہ وہ شکار اُن کے پکڑنے سے مرجائے اور ذبح کرنے کی نوبت نہ آئے کیونکہ تعلیم یافتہ جانور کا اس کو قتل کر دینا قائم مقام ذبح کے ہے اور اس پر اللہ کا نام لو یعنی جب تم اُس شکاری جانور کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو تا کہ اللہ کے نام کی برکت سے اُس کا قتل کیا ہوا حلال ہوجائے۔

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں شکار کے حلال ہونے کی شرائط کی طرف اشارہ فرمایا۔ اوّل یہ کہ وہ شکاری جانور تعلیم یافتہ یعنی سدھایا ہوا ہو کیونکہ جب اُس نے آدمی کی خو سیکھی تو گویا کہ آدمی نے ذبح کیا اس لیے سدھانا اور تعلیم دینا شرط ہوا اور جانور کے تعلیم یافتہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ مالک کے کہنے سے شکار پر حملہ کرے اور اُس کے منع کرنے سے رُک جائے۔ جب یہ حالت کم از کم تین مرتبہ تجربہ میں آجائے تو وہ تعلیم یافتہ سمجھا جائے گا۔ دوم یہ کہ شکار کو وہ خود نہ کھائے اپنے مالک کے لیے روک لے۔ سوم یہ کہ کتے کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو اور اللہ سے ڈرو یعنی ایسے شکار کو مت کھاؤ جس میں شرائط مذکورہ میں سے کوئی شرط مفقود ہو تحقیق اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے جو حرام کھائے گا اس سے مواخذہ ہوگا۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ

آج حلال ہوئیں تم کو سب چیزیں ستھری اور کتاب والوں کا کھانا

لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ

تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے اور قید والی عورتیں مسلمان اور

الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

قید والی عورتیں پہلے کتاب والوں کی جب دو ان کو مہر اُن کے

اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ

قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو اور جو

يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤ ع ۱ / ۵

منکر ہوا ایمان سے اس کی محنت ضائع ہوئی اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں ہے۔

حکم ششم۔ متعلق بذبیحۂ اہل کتاب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ... الٰی ... وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

ربط: گزشتہ آیت میں شکار کا حکم بیان فرمایا اب اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کے ذبیحہ کا حکم بیان فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کا حکم بھی بیان فرماتے ہیں کیونکہ حلت اور انتفاع دونوں میں مشترک ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے اہل اسلام آج تم پر اللہ کا بڑا انعام ہوا کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئیں حالانکہ یہود پر بہت سی پاکیزہ چیزیں ان کی سرکشی اور ظلم کی وجہ سے حرام کر دی گئی تھیں وہ چیزیں ہمیشہ کے لیے تم پر حلال کر دی گئیں اور کبھی ان کی حلت منسوخ نہ ہوگی اور یہ حکم اگرچہ پہلی آیت میں مذکور ہو چکا تھا لیکن بغرض تاکید اور آئندہ کی تمہید کے لیے پھر اس کو دہرایا اور حلال کیا گیا تمہارے لیے ذبیحہ اہل کتاب کا یہاں طعام سے ذبیحہ مراد ہے یعنی اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور تمہارے لیے حلال ہے طعام سے خشک چیزیں مراد نہیں اس لیے کہ اس میں اہل کتاب کی تخصیص نہیں خشک چیزیں ہر انسان کے ہاتھ کی جائز ہیں خواہ وہ کسی مذہب اور ملت کا ہو۔

اور اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور تین شرطوں کے ساتھ حلال ہے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ذبیحہ ان چیزوں میں سے نہ ہو جو مسلمانوں پر کتاب وسنّت میں حرام کی گئیں ہیں جیسے لحم خنزیر وغیرہ دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

اس لیے کہ اہل کتاب کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح جائز نہیں اس اصل اعتقاد کی وجہ سے حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ تمہارے لیے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں اور غیر اللہ کی تعظیم مقصود نہ ہو اور سوائے اہل کتاب کے کسی اور دین اور مذہب والے کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ وہ ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لے اُس کا خدا کا نام لے کر ذبح کرنا بھی معتبر نہیں۔

حضرت علی اور عبداللہ بن عمر اور عائشہ صدیقہ اور دیگر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک اہل کتاب کا وہ ذبیحہ حلال ہے جو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو نہ وہ کہ جو مسیح علیہ السلام اور عزیز کے نام سے ذبح کیا گیا ہو۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ (الانعام:۱۲۱)۔ (تفسیر قرطبی ص ۷۶ ج ۶)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ جو قرآن کریم میں متعدد جگہ مذکور ہے۔ لہٰذا اہل کتاب کا وہ ذبیحہ جو حضرت مسیح اور عزیر علیہما السلام کے نام پر ہو وہ تو ﴿وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ میں داخل ہے اور جو کنیسہ اور صلیب کے نام پر ذبح کیا جائے وہ ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ میں داخل ہے اہل کتاب کا وہی ذبیحہ معتبر ہے جو اُن کی اصلی اور صحیح شریعت حقہ کے مطابق ہو اور اُن کا جو ذبیحہ شریعت محرفہ کے مطابق ہو اس کا اعتبار نہیں۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم سب کا مذہب یہی ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ جب حلال ہے کہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور اگر مسیح اور عزیر علیہما السلام کا نام لیا گیا ہو تو وہ حلال نہیں۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۳۲۲ ج ۲)

اور بعض علماء نے مطلقاً ذبیحۂ اہل کتاب کو حلال قرار دیا ہے مگر صحیح اور راجح قول وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور اسی میں احتیاط ہے غیر اللہ کے نام پر تو مسلمان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں چہ جائیکہ غیر مسلم کا ذبیحہ غیر اللہ کے نام پر ہو وہ کیسے حلال ہو سکتا ہے۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو اس لیے کہ مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں شریعت میں مرتد کے احکام جداگانہ ہیں۔

اور تمہارا ذبیحہ اُن کے لیے حلال ہے یعنی اگر تم اپنا ذبیحہ ان کو کھلاؤ یا اُن کے ہاتھ فروخت کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اس جملہ سے پہلے جملہ کی تاکید مقصود ہے کہ جس طرح تمہارا ذبیحہ اہل کتاب کے لیے حلال ہے اسی طرح اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اباحت ذبیحہ طرفین سے ہے مگر اباحت نکاح (جس کا آئندہ آیت میں ذکر آتا ہے) وہ صرف ایک جانب کے ساتھ مخصوص ہے یعنی مسلمان مرد کتابی عورت سے نکاح کر سکتا ہے مگر نصرانی مرد مسلمان عورت سے کسی حال میں نکاح نہیں کر سکتا۔ (تفسیر کبیر ص ۳۷ ج ۳)

حکم ہفتم۔ متعلق بہ نکاح کتابیات

پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اب اُن کی عورتوں سے نکاح کی حلت کو بیان فرماتے ہیں اور ان دونوں آیتوں سے مقصود یہ ہے کہ اہل کتاب عام کافروں سے دو حکموں میں مخصوص اور ممتاز ہیں ایک یہ کہ اُن کا ذبیحہ حلال ہے بت پرست اور مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ وہ خدا کا نام لے کر ذبح کرے اور چونکہ اہل کتاب کا اصل عقیدہ توحید ہے اور وہ اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں۔ اس لیے آیت میں یہ قید نہیں لگائی گئی ورنہ یہ قید لازمی طور پر معتبر ہے جیسا کہ بیان ہو چکا دوم یہ کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح درست ہے مشرکین اور مجوس کی عورتوں سے نکاح درست نہیں ان دو حکموں میں اہل کتاب عام کفار سے مخصوص ہیں غالباً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نسبت کی رعایت سے اہل کتاب کو عام کافروں سے بعض احکام میں مخصوص اور ممتاز کر دیا گیا اور یہ خصوصیت اور امتیاز فقط دنیا میں ہے آخرت میں ہر کافر مردود اور مطرود ہے۔ چنانچہ حق جل شانہٗ کا حلت ذبیحہ اور اباحتِ نکاح کے بعد یہ فرمانا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ اسی طرف اشارہ ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت اور اُن کی عورتوں سے نکاح کی اجازت سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ جیسا دنیا میں اہل کتاب کو مشرکین اور مجوس پر ترجیح دی گئی شاید آخرت میں بھی اُن کو ترجیح دی جائے تو حق تعالیٰ نے ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ﴾ سے بتلا دیا کہ آخرت کا معاملہ اور وہاں کا ثواب وعقاب فقط ایمان اور کفر پر دائر ہے آخرت میں سب کافر برابر ہیں۔ (تفسیر کبیر)

چنانچہ فرماتے ہیں اور حلال کی گئیں تمہارے لیے پاکدامن مسلمان عورتیں اور اسی طرح حلال کی گئیں پاکدامن عورتیں فقط اہل کتاب کی نہ مشرکین اور مجوس وغیرہ کی بشرطیکہ تم اُن کا مہر ادا کرو اس طرح سے کہ تم اُن کو ہمیشہ کے لیے قید نکاح میں لانے والے ہو میعادی نکاح درست نہیں نہ تو علانیہ طور پر مستی نکالنے والے اور شہوت رانی کرنے والے ہو اور نہ پوشیدہ طور پر آشنائی کرنے والے ہو مطلب یہ ہے کہ نکاح کی تو اجازت ہے مگر آشنائی اور یارانہ کی اجازت نہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ حلال وحرام کی بابت تم سے جو عہد لیے گئے اُن کو پورا کرو اور جو ایمان کے عہدوں سے مکر جائے اور خدا کے حلال وحرام کو نہ مانے تو اس کے تمام اعمال

آخرت میں غارت ہوئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت اور اُن کی عورتوں سے نکاح کے بعد کافروں کے حبط اعمال کا مسئلہ ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ اہل کتاب اگرچہ حلت ذبیحہ اور اباحت نکاح میں من وجہ دنیا میں مسلمانوں کے مشابہ قرار دے دیئے گئے مگر قبول اعمال میں مسلمانوں کے مشابہ نہیں اہل کتاب کے اعمال آخرت میں حبط اور اکارت ہوں گے اور اہل ایمان کو اعمال صالحہ کا اضعافاً مضاعفہ اجر ملے گا لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھیں مسلمانوں کو کتابی عورتوں سے نکاح کی اس لیے اجازت دی گئی ہے کہ تم ان کو اپنی ماتحتی میں لے کر ان پر اسلام کی ضوفشانی کرو کہ اُن کے کفر کی ظلمت ختم ہو جائے اس لیے اجازت نہیں دی گئی کہ تم اُن سے تعلق قائم کرنے کے بعد اپنی اسلام کی شمع کو تو بجھا دو اور اُن کی طرح تم بھی کفر کی ظلمت اور تاریکی میں داخل ہو جاؤ۔

خلاصۂ کلام:

یہ کہ اس آیت میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ اے مسلمانو تم کو جو کتابیات سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے وہ اس لیے دی گئی ہے کہ تم اس کو اپنی قوت ایمانی سے اسلام کی طرف کھینچ لو نہ اس لیے کہ تم ان پر مفتون ہو کر اپنی بھی متاع ایمانی کو کھو بیٹھو اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاؤ اسی فتنہ کے سدّ باب کے لیے حل ذبیحہ اور اباحت کے مضمون کو ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ پر ختم فرمایا۔

فائدہ جلیلہ: بعض علماء کا قول ہے کہ آیت ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ﴾ میں کفر بالایمان کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفس ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کو ضروری نہ سمجھے جیسے آج کل بعضے تعلیم یافتہ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کے تمام احکام کو ماننا ضروری نہیں صرف وہ احکام کہ جو اُن کی عقل کے مطابق ہوں اُن کو مان لیا جائے اور جو باتیں ان کے نزدیک خلاف عقل ہوں اُن کے ماننے کی ضرورت نہیں، یہ کفر ہے۔

مسائل واحکام

① اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو مذہباً اہل کتاب ہوں نہ کہ وہ صرف قومیت کے لحاظ سے یہودی یا نصرانی ہوں خواہ عقیدۃً وہ دہریہ ہوں اس زمانہ کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت ایسے ہیں جو نہ خدا کے قائل ہیں اور نہ مذہب کے قائل اور نہ آسمانی کتاب کے قائل ایسے لوگوں پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔

② ان آیات میں ذبیحہ کی حلت اور نکاح کی اباحت سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ چیزیں فی حد ذاتہٖ جائز ہیں معاذ اللہ ترغیب دینا مقصود نہیں کہ تم خواہ مخواہ مسلمان عورتوں کو اور اپنے خاندان کی لڑکیوں کو چھوڑ کر کتابیات سے نکاح کیا کرو بلکہ تنگی دفع کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی وقت ضرورت اور مصلحت داعی ہو تو اہل کتاب کی عورتوں سے فی حد ذاتہٖ نکاح جائز ہے بشرطیکہ خارجی اثرات اور حالات سے کسی مضرت اور مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو اور خدانخواستہ یہ اندیشہ ہو کہ اُن کے جال میں پھنس کر اپنی دین اور دنیا کو تباہ کرے گا تو ان حالات میں کتابیات سے نکاح کی حلت مبدل بہ حرمت ہو جائے گی جو چیز شرعاً حلال ہو مگر اس حلال سے متمتع

ہونے میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑے تو وہ حلال بھی حرام ہو جاتا ہے بلکہ موجودہ زمانہ کے یہود اور نصاریٰ کے ساتھ بے ضرورت اختلاط اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر طیبات کا کھانا بھی خالی از فتنہ نہیں مناکحت تو بڑی چیز ہے ان کے ساتھ تو محض مواکلت اور مشاربت کا یہ اثر ہے کہ انسان کفر سے مانوس اور اسلام سے اور اہل اسلام سے بیزار اور متنفر ہو جاتا ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ۔ آمین

③ اسلام نے تمام مشرکین اور مشرکات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے مگر اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال قرار دیا اس لیے کہ اہل کتاب اقرب الی الاسلام ہیں اہل کتاب اصولی طور پر توحید اور رسالت اور قیامت کے قائل ہیں اہل کتاب کا اہل اسلام کے ساتھ اختلاف صرف سیدنا و مولانا محمد الرسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت میں ہے۔ پس جب مسلمان مرد ایک کتابیہ عورت سے نکاح کرے گا تو عقلی اور نقلی دلائل سے اور اسلام کی قوی حجتوں سے کتابیہ عورت کو اسلام کی طرف بسہولت کھینچ سکتا ہے بخلاف مشرک اور مشرکہ کے کہ وہاں شرک اور بت پرستی کی وجہ سے اُن کو اسلام سے غایت درجہ بُعد اور منافرت ہے اہل شرک نہ توحید کے قائل اور نہ نبوت کے اور نہ قیامت کے اہل شرک کسی دین کے قائل نہیں اور نہ کسی خیر و شر اور نہ کسی حلال و حرام اور نہ کسی جائز و ناجائز کی تقسیم کے قائل ہیں۔ اس لیے ایسے شدید اختلاف کے ہوتے ہوئے مشرک اور مشرکہ کے ساتھ نکاح اور زوجیت کا مقصد حاصل نہ ہوگا یعنی باہمی اتحاد اور اعتماد اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور غمخواری میسر نہ ہوگی بلکہ ایسی معیّت وبال جان ہو جائے گی اور عیش کو منغص اور مکدر بنا دے گی اور معاشرۂ زوجیت قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے کہ جب زن و شوہر کے اعتقادات اور خیالات میں اختلاف شدید ہوتا ہے تو پھر اس سے اور طرح طرح کے اختلافات نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اتحاد اور یکجہتی کی کوئی صورت نہیں رہتی جو نکاح کا مقصد ہے اور اگر باوجود اختلاف خیال و اعتقاد ظاہراً اتحاد نظر آئے تو وہ درحقیقت نفاق اور ظاہر داری ہے غرض یہ کہ کتاب و سنت نے مشرکین اور اہل کتاب میں فرق کیا ہے کہ مشرکین اور مشرکات کے ساتھ تو نکاح کو بالکلیہ ممنوع قرار دیا اور اہل کتاب کے بارہ میں یہ حکم دیا کہ مسلمان مرد کو تو کتابیہ عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے کہ وہ مسلمان مرد اسلام کی قوی اور روشن حجتوں کے ذریعہ کتابیہ کو اور اس کے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچ سکے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ کتابیہ سے نکاح کرنے کے بعد یہی خود اس کے حسن و جمال یا مال و منال کی وجہ سے اس کے ہاتھ بک جائے گا اور اپنی متاع ایمانی کو نصرانیت پر قربان کر دے گا تو پھر کتابیہ کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوگا۔ قرآن اور حدیث میں مؤمنات صالحات اور دیندار عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب اور فاسقات اور فاجرات اور خبیثات سے نکاح کی ممانعت آئی ہے اگرچہ وہ مسلمان ہوں اس لیے کہ بددین عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے اس کے بھی خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو نصرانیہ اور یہودیہ میں تو یہ اندیشہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے اور چونکہ عورت طبعاً اور عقلاً اور فطرۃً کمزور ہوتی ہے اور شوہر کے تابع ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں یہ طاقت نہیں کہ مرد کو اپنے تابع بنا سکے اس لیے شریعت اسلامیہ نے مسلمان عورت کو کتابی مرد کے ساتھ نکاح کرنے کو ممنوع قرار دیا اور اخیر آیت ﴿مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ میں یہ بتلا دیا کہ گو دنیا میں اہل کتاب کے ساتھ یہ رعایت کر دی گئی کہ مسلمانوں کے لیے اُن کا ذبیحہ اور اُن کی عورت سے نکاح جائز کر دیا گیا لیکن آخرت میں اہل کتاب اور دیگر کفار کے مابین کوئی فرق نہیں آخرت میں سب کافروں کا ایک ہی حکم ہے سب کے اعمال اکارت ہیں اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ

اے ایمان والو جب تم اُٹھو نماز کو تو دھو لو اپنے منہ اور

اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى

ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو اور پاؤں

الْكَعْبَيْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ

ٹخنوں تک اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو اور اگر تم بیمار ہو یا

عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

سفر میں یا ایک شخص تم میں آیا ہے جائے ضرور سے یا لگے ہو عورتوں سے

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ

پھر نہ پاؤ پانی تو قصد کرو زمین پاک کا اور مل لو اپنے منہ اور

اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ

ہاتھ اس سے اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ مشکل رکھے اور لیکن

يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥

چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنا احسان پورا کیا چاہے تم پر کہ شاید تم احسان مانو

حکم ہشتم ۸۔ ونہم ۹ ۔ ودہم ۱۰

فرضیتِ وضو، وفرضیت غسل، ومشروعیت تیمم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ ... الی ... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥﴾

ربط: ابتداء سورت میں اجمالی طور پر عقود اور عہود کے ایفاء کا حکم دیا پھر اس کی تفصیل شروع فرمائی تو سب سے پہلے کھانے کی چیزوں کی اباحت اور حلت کو بیان فرمایا پھر حلال عورتوں کا ذکر کیا جن سے نکاح کی اجازت دی گئی اور چونکہ انسانی حاجتیں اور کھانے پینے کی ضرورتیں بہ نسبت نکاح کے زیادہ ہیں اس لیے اُن کو مقدم فرمایا اور نکاح کو اُن کے بعد بیان کیا ان عقود کا تعلق دنیا سے تھا اب اُن عقود اور

عہود کو بیان کرتے ہیں جو دین اور عبودیت سے متعلق ہیں اور چونکہ اکل حلال اور وطی حلال خداوند ذوالجلال کی عبادت میں بہت معین ہے اس لیے اس کو مقدم فرمایا اب ان سب کے بعد عہد عبودیت کے ایفاء کا مطالبہ فرماتے ہیں اور اعلیٰ ترین عبودیت نماز ہے جس کے لیے طہارت نہایت ضروری ہے اس لیے ان آیات میں وضو اور غسل اور تیمم کے حکم کی تفصیل فرمائی۔ (تفسیر کبیر ص ۷۴ ج ۳)

فرضیت وضو:

اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکیزگی کو ملحوظ رکھو اور کفر اور معصیت کی نجاست اور گندگی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو اکل طیبات اور نکاح محصنات کا تم کو حکم اس لیے دیا گیا کہ تم کو روحانی اور باطنی طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو اس لیے تم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جب دربار خداوندی میں حاضری کا ارادہ کرو تو اکل طیبات اور مخالطت محصنات سے جو تمہاری باطنی طہارت اور نزاہت میں خلل آیا ہے تو اس کو وضو یا غسل یا تیمم کی طہارت سے دور کرو کیونکہ موجبات وضو مثلاً پیشاب اور پاخانہ اور قے اور خون ان سب کا منشاء اکل طعام ہے اور موجبات غسل کا منشاء نکاح ہے۔ اس لیے اکل طیبات اور نکاح محصنات کے بعد وضو اور غسل کے احکام کا بیان نہایت مناسب ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! جب تم نماز کے لیے اُٹھو تو دھولیا کرو اپنے مونہوں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرلیا کرو اپنے سروں پر اور اپنے پاؤں کو دھولیا کرو ٹخنوں تک یعنی پیروں کو ٹخنوں تک دھونا فرض ہے سر کی طرح کا مسح کافی نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جو امت کو وضو کی تعلیم دی وہ یہی ہے کہ وضو میں پیروں کو دھویا کریں نہ یہ کہ ان پر مسح کیا کریں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو آنحضرت ﷺ کے وضو کی روایت اور حکایت کی ہے سب میں غسل قدمین کی صراحت آئی ہے کسی ایک جگہ بھی مسح قدمین کا ذکر نہیں آیا۔

محقق ابن امیر الحاج شرح تحریر الاصول ص ۶ ج ۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ نے آپ ﷺ کے وضوء کو روایت کیا ہے اور اس پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے وضو میں پیروں کو دھویا ہے سفر اور حضر، سردی اور گرمی کسی حالت میں بھی آپ ﷺ نے پیروں پر مسح نہیں فرمایا بعد ازاں محقق ابن امیر الحاج نے اُن تیس سے زیادہ روایتوں کو مع تخریج روایت اور حوالۂ کتاب ذکر فرمایا اس لیے ہم اہل علم اور طلبہ کے افادہ کے لیے اصل عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

اذقد اطبق من حکی وضوءہ من الصحابۃ ویقربون من ثلاثین علیہ ای علی غسلہ ﷺ رجلیہ بل یزیدون علی ذلک وقد اسعف المصنف (ای ابن الھمام) بذکر اثنین وعشرین منھم فی فتح القدیر عثمان رواہ البخاری ومسلم وعلی رواہ اصحاب السنن وعائشۃ رواہ النسائی وغیرہ وابن عباس والمغیرۃ رواہ البخاری وغیرہ وعبداللہ بن زید رواہ الستۃ وابومالک الاشعری وابوھریرۃ وابوامامۃ والبراء بن عازب رواہ احمد وابوبکر رواہ البزار ووائل بن حجر رواہ الترمذی ونفیل بن مالک رواہ ابن حیان وانس رواہ الدار قطنی وابوایوب الانصاری وابوکاھل وعبداللہ بن انیس رواہ الطبرانی والمقدام بن معدی کرب و کعب بن عمرو الیامی والربیع بنت معوذ وعبداللہ بن عمرو بن العاص رواہ ابوداؤد و عبداللہ بن ابی اوفی رواہ ابو یعلی وممن حکاہ ایضا زیادۃ علی ھؤلاء عمر رواہ عبد بن حمید وابن عمر وابی بن کعب رواہ ابن ماجۃ ومعاویۃ رواہ ابوداؤد ومعاذ بن جبل وابورافع

وجابر بن عبداللہ وتمیم بن غزیۃ الانصاری وابوالدرداء وام سلمۃ رواہ الطبرانی وعمار رواہ الترمذی وابن ماجہ وزید بن ثابت رواہ الدار قطنی فبلغت الجملۃ اربعۃ وثلاثین وباب الزیادۃ مفتوح للمستقرئ ثم المراد اتفاق الجم الغفیر الذی یمنع العقل تواطئہم علی الکذب من الصحابۃ علی نقل غسلھما عنہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم اتفاق الجم الغفیر الذی ھم بھذہ المثابۃ من التابعین علی نقل ذلك عن الصحابۃ وھلم جراحتی الینا ولیس معنی التواتر الاھذا وتوارثہ ای ولتوارث غسلھما من الصحابۃ ای لاخذنا غسلھما عمن یلینا وھم ذلك عمن یلیھم وھکذا الی الصحابۃ وھم اخذوہ بالضرورۃ عن صاحب الوحی فلا یحتاج الی ان ینقل فیہ نص معین. (کذا فی فصل التعارض من شرح التحریر للمحقق ابن امیر الحاج ص ٦ ج ٣)

غرض یہ کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وضو میں پیروں کو دھوتے تھے اور عہد صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ سے لے کر اس وقت تک اُمت کا تعامل یہی چلا آ رہا ہے کہ وضو میں پیروں کو دھویا جائے اور عہد صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ سے لے کر اس وقت تک پوری اُمت کا مسلسل عمل خود ایک مستقل دلیل ہے جس کے بعد کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی نیز کتب شیعہ میں بھی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے پاؤں کا دھونا منقول ہے اور یہ روایتیں صحیح ہیں اور ثابت ہیں اور بالاتفاق فریقین کے نزدیک مسلمہ ہیں اور مسح کے بارہ میں اختلاف ہے۔ پس احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ متفق علیہ اور مسلمۂ فریقین کو لے لیا جائے اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیا جائے۔

تحقیق اختلاف قراءت در لفظ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

جاننا چاہیے کہ لفظ ﴿ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ میں دو قراءتیں ہیں ایک قراءتِ نصب ہے یعنی بفتح لام اور دوسری قراءتِ جر ہے یعنی ﴿ وَ اَرْجُلِكُمْ ﴾ بکسر اللام پہلی قراءت کی بناء پر ﴿ وَ اَرْجُلَكُمْ ﴾ کا عطف ﴿ وَ اَيْدِيَكُمْ ﴾ پر ہوگا اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھویا کرو اس قراءت سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے جو اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے دوسری قراءت یعنی بکسر اللام کی بناء پر ﴿ وَ اَرْجُلِكُمْ ﴾ کا عطف بظاہر لفظ ﴿ رُءُوْسِكُمْ ﴾ پر ہوگا اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اپنے سروں پر اور اپنے پیروں پر مسح کر لیا کرو۔ اس قراءت سے وضوء میں مسح رجلین کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یہ شیعہ اور امامیہ فرقہ کا مذہب ہے کہ وضوء میں بجائے غَسْلِ رِجْلَيْن کے مَسح رِجْلَيْن فرض ہے اہل سنّت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قراءتیں متواتر ہیں اور بمنزلہ دو آیتوں کے ہیں اور کلام خداوندی میں تعارض ناممکن ہے یہ امر قطعاً ناممکن ہے کہ وقت واحد میں دو مختلف اور متضاد چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مراد ہوں لہٰذا حق تعالیٰ کے نزدیک غَسْلِ رِجْلَيْن اور مسح رِجْلَيْن میں سے ایک ہی معنی مراد ہوں گے رہا یہ امر کہ حق تعالیٰ کے نزدیک کون سے معنی مراد ہیں سو اس اجمال اور اشتباہ کے دور کرنے کے لیے احادیث نبویہ اور تعامل صحابہ و تابعین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کی طرف رجوع کرنا ضروری معلوم ہوا۔ سو احادیث متواترہ صحیحہ اور صریحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اُمت کو جو وضو کی تعلیم دی اس میں پیروں کے دھونے کا حکم دیا اور پھر یہ فرمایا: ھذا وضوء لایقبل اللہ الصّلوٰۃ الا بہ یعنی بغیر اس طرح کے وضو کے خدا تعالیٰ کے یہاں نماز قبول نہیں نیز مدت العمر کبھی بھی آپ نے مسح رجلین نہیں فرمایا نہ سفر میں اور نہ حضر میں بلکہ جن لوگوں کو غسل رِجلَيْن

میں کوتاہی کرتے دیکھا اُن کو بآواز بلند یہ فرمایا: ویل للاعقاب من النار یعنی اُن ایڑیوں کے لیے ہلاکت اور عذاب نار ہے جن کو پانی نہیں پہنچا معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے مسح کافی نہیں۔

اور عمرو بن عبسہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور پُرنور ﷺ نے وضو کی تلقین کرتے ہوئے یہ فرمایا:

ثم یغسل قدمیه کما امره الله رواه ابن خزیمة فتح الباری ص ۲۳۲ ج ۱۔ باب غسل الرجلین

"پھر قدمین کو دھوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دھونے کا قرآن میں حکم دیا ہے۔"

اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی سنن کبریٰ ص ۷۱ ج ۱ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ حکم دیا۔

اغسلوا القدمین الی الکعبین کما امرتم۔

"اپنے قدموں کو ٹخنوں تک دھوؤ جیسا کہ تم کو قرآن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔"

معلوم ہوا کہ قرآن نے جو حکم دیا ہے وہ غسلِ رجلین کا حکم دیا ہے نہ کہ مسح قدمین کا اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ وہ یہ فرماتے تھے کہ غسل قدمین پر تمام صحابہ کا اجماع ہے۔ (فتح الباری ص ۲۳۲ ج ۱۔ باب غسل الرجلین)

پس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول اور فعل دونوں سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ آیت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک غَسلِ رجلین مامور بہ ہے جیسا کہ قراءت نصب اس پر دلالت کرتی ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک یہی معنی متعین اور مراد ہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال نہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں قراءت جر کی ایسی تفسیر کرنی لازم ہوگئی جو قراءت نصب کے ہم معنی ہوجائے اس لیے حضرات مفسرین نے مختلف تفسیریں کی ہیں جن سے قراءت جر کا قراءت نصب کے ہم معنی ہونا واضح ہوجائے اور دونوں قراءتوں کے تعارض رفع کرنے کے لیے مختلف جوابات دیتے ہیں جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں غور سے پڑھیں۔

جواب اوّل: بلاشبہ قراءتِ جر کی صورت میں بظاہر پیروں کا مسح کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن آیت میں پیروں کے مسح سے غَسلِ خفیف مراد ہے اس لیے کہ لفظ مسح کا اطلاق لغت میں غَسل خفیف پر بھی آتا ہے۔ جیسا کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب کو جب یہ کہنا ہوتا ہے کہ میں نے نماز کے لیے وضو کیا تو ایسے موقع پر تَمَسَّحتُ للصَّلٰوۃِ بولتے ہیں یعنی میں نے نماز کے لیے وضو کی نیز جب یہ کہنا ہوتا ہے کہ وضو کے لیے پانی لاؤ تو اس طرح بولتے ہیں ھات ما اتمسح به للصلاۃ یعنی وہ چیز لاؤ جس سے نماز کے لیے وضو کروں ابوحاتم کہتے ہیں کہ وضو کو مسح کے لفظ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وضو کرنے والا محض پانی بہا لینے سے خوش نہیں ہوتا جب تک اپنے اعضاء کو پونچھ نہ لے۔

غرض یہ کہ ان محاورات سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسح کا اطلاق غسل خفیف پر بھی آتا ہے۔ پس اب ہم کہتے ہیں کہ ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ سر کے مسح سے سر پر محض تر ہاتھ کا پھیر لینا مراد ہے اور مسح رجلین سے غسل خفیف مراد ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے پیروں کے مسح میں ﴿اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ کی قید لگائی ہے اگر سر اور پیروں کا مسح ایک ہی قسم کا ہوتا تو یہ تحدید نہ لگائی جاتی جس طرح سر کو بلا تعیین مقدار بیان کیا گیا۔ اسی طرح پیروں کی بھی کوئی حد اور مقدار نہ بیان کی جاتی ہاتھوں اور پیروں کی حد مقرر کرنے سے اور سر کی حد نہ مقرر کرنے سے صاف عیاں ہے کہ ہاتھوں اور پیروں کا حکم تو ایک ہے اور سر کا حکم ان سے مختلف ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۹۲ ج ۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں کہ لغت عرب میں لفظ مسح بمنزلہ جنس عام کے ہے جس کے تحت دو نوعیں یعنی

دو قسمیں مندرج ہیں ایک اِسَالَہٗ یعنی پانی بہانا اور دوسرے غیر اِسالَہٗ یعنی بغیر پانی بہائے تر ہاتھ پھیر لینا اصل لغت کے اعتبار سے لفظ مسح عرفی مسح اور غسل دونوں کو شامل ہے جیسے لفظ ذوی الارحام بمعنی ذوی القرابات لغت کے لحاظ سے ذوی الفروض اور عصبات وغیرہ سب کو شامل ہے مگر چونکہ عرف میں ذوی الفروض اور عصبات خاص قسم کے وارثوں کا نام ہو گیا اس لیے لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ ذوی الارحام ذوی الفروض اور عصبات کا قسیم اور مقابل ہے ورنہ اصل لغت کے لحاظ سے ذوی الفروض اور عصبات دونوں ذوی الارحام کی ایک قسم ہیں عرف میں چونکہ اقارب عصبات ایک خاص نام سے پکارے جانے لگے اس لیے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ لفظ ذوی الارحام عصبات کا قسیم اور مقارب ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ لفظ حیوان اصل لغت کے لحاظ سے انسان کو بھی شامل ہے مگر عرف میں غیر انسان کے لیے بولا جاتا ہے اس طرح لفظ مسح کو سمجھو کہ وہ اصل لغت کے اعتبار سے عرفی مسح اور غَسْل (دھونے) دونوں کو شامل ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں وامسحوا کے تحت دو چیزوں کو ذکر کیا ایک رؤسکم یعنی سر کو جس میں مسح سے عرفی معنی مراد ہیں اور دوسرا ﴿وَ اَرْجُلَكُمْ﴾ اس میں مسح سے غَسْل اور اسالہٗ یعنی دھونے اور پانی بہانے کے معنی مراد ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا دیکھو منہاج السنۃ ص ۱۵۱ ج ۲۔

یہ بندۂ ناچیز کہتا ہے کہ کلام عرب میں بسا اوقات ایک ذو معنیین لفظ بولا جاتا ہے اور اس کے تحت بطریق عطف مختلف متعلقات اور معمولات کو ذکر کیا جاتا ہے لیکن معطوف علیہ میں اُس لفظ سے ایک معنی مراد ہوتے ہیں اور اسی لفظ سے معطوف میں اس لفظ کے دوسرے معنی مراد ہوتے جیسے حق تعالیٰ کا یہ قول ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (الاحزاب:۵۶) اس میں ﴿يُصَلُّوْنَ﴾ کی ضمیر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف راجع کی گئی ہے اور دونوں جگہ صلوٰۃ سے مختلف معنی مراد ہیں اللہ کی صلوٰۃ کے معنی نبی کریم ﷺ پر رحمت خاص نازل کرنے کے ہیں اور فرشتوں کی صلوٰۃ کے معنی دُعا کے ہیں۔ اسی طرح ﴿وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ﴾ میں سمجھو کہ مسح رؤس سے تر ہاتھ پھیرنا مراد ہے اور مسح اَرْجُل سے اِسَالَہٗ پانی بہانا اور غسل خفیف مراد ہے اور اصل لغت کے اعتبار سے لفظ مسح ایک معنی کلّی کے لیے وضع ہوا ہے یعنی الافضاء الی المحل یعنی پانی کا کسی جگہ تک پہنچا دینا اور اس معنی کلّی کے دو فرد ہیں ایک مسح عرفی اور ایک غَسْل اور الافضاء بالماء الی المحل اور اصابۃ الماء یہ معنی کلی دونوں فردوں کو شامل ہیں مگر ﴿بِرُءُوْسِكُمْ﴾ میں معنی کلی کا ایک فرد مراد ہے یعنی عرفی اور ﴿وَ اَرْجُلَكُمْ﴾ میں دوسرا فرد مراد ہے خوب سمجھ لو۔

جواب دوم: قرأت جر میں اگرچہ لفظ ﴿وَ اَرْجُلِكُمْ﴾ کا عطف لفظ ﴿رُؤُسِكُمْ﴾ پر ہے لیکن معنیً اس کا عطف ﴿وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ﴾ پر ہے اور اَرْجُل اعضاء مغسولہ کے ساتھ وجوب غسل میں شریک ہے اور قرأت جر میں جر یعنی لام کا کسرہ جوار کی وجہ سے ہے یعنی ﴿بِرُءُوْسِكُمْ﴾ کے قُرب اور مجاورت کی وجہ سے ﴿وَ اَرْجُلِكُمْ﴾ کو مجرور پڑھا گیا ورنہ فی الحقیقت اس کا عطف ﴿وُجُوْهَكُمْ﴾ اور ﴿اَيْدِيَكُمْ﴾ پر ہے اور چہرہ اور ہاتھوں کی طرح پیروں کا دھونا بھی فرض ہے۔

اور قرآن عزیز اور کلام عرب میں جر جوار بکثرت آیا ہے۔

① كما قال الله تعالى: ﴿يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ﴾ (الرحمٰن:۳۵) بالجر نُحَاسٍ کا جر نارٍ کے جوار کی وجہ سے ہے ورنہ نحاس فی الحقیقت شواظ پر معطوف ہے اور معنیً مرفوع ہے۔

② و قال الله تعالى: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝۲۱ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝۲۲﴾ (البروج) قراءت جر میں لفظاً مجرور ہے مگر معنیً مرفوع ہے

اس لیے کہ قرآنٌ کی صفت ہے جرمحض مجاورت کی وجہ سے ہے۔

③ وَ قَالَ اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ عَذَابُ يَوۡمٍ مُّحِيۡطٍ ﴾ محیط کا جرمحض یوم کی مجاورت اور مقارنت کی وجہ سے ہے ورنہ محیط فی الحقیقت صفت عذاب کی ہے۔

④ وَ قَالَ اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ عَذَابُ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ ﴾ بجر الیم کہ اَلیم اصل میں صفت عذاب کی ہے مگر یومٍ کے جوار کی وجہ سے مجرور ہوا۔

⑤ اور امرئ القیس کا قول ہے:

کأن ابانا فی افانین ودقه　　　کبیر اناس فی بجاد مزمل

اس شعر میں مزمل کا جرمحض جوار کی وجہ سے ہے ورنہ مزمل دراصل رجل کی صفت ہے اور معنی مرفوع ہے اگرچہ لفظا مجرور ہے۔

⑥ اور عرب میں یہ مثل مشہور ہے جُحرُضب خربٍ۔ خربٍ کا جرمحض ضب کے جِوار اور قرب کی بناء پر ہے ورنہ خربٌ دراصل جُحرٌ کی صفت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جرجوار محاورۂ عرب میں شائع اور ذائع ہے اور تمام ائمہ عربیت اور ماہرین نحو کلام فصیح میں اس کے استعمال کے قائل ہیں سوائے زجاج کے جرجوار کا کوئی منکر نہیں۔ (روح المعانی ص ۶۸ ج ۶)

اور شواہد مذکورہ کے ہوتے ہوئے کسی کا انکار قابل اعتبار نہیں خوب سمجھ لو۔

جواب سوم: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ظاہر میں ﴿ وَ اَرۡجُلَكُمۡ ﴾ کا عطف رؤس پر ہے لیکن بایں ہمہ حکم دونوں کا مختلف ہے اس لیے کہ کلام عرب میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک شے کا دوسری شے پر عطف ہوتا ہے مگر حکم میں دونوں مختلف ہوتے ہیں اور یہ صورت وہاں ہوتی ہے کہ جہاں دو فعل متقارب فی المعنی جمع ہوجائیں اور ہر ایک کا متعلق اور معمول علیحدہ ہو تو ایسے موقع پر بغرض ایجاز واختصار ایسا کرتے ہیں کہ ایک فعل کو تو حذف کردیتے ہیں مگر اُس کے معمول اور مفعول کا فعل مذکور کے معمول پر عطف کردیتے ہیں بظاہر معطوف معطوف علیہ کے ساتھ حکم میں شریک ہوتا ہے لیکن معنیً مختلف ہوتا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

يَالَيۡتَ بَعۡلُكِ قَدۡ غَدَا　　　متقلداً سيفا و رُمۡحًا

"اے کاش تیرا شوہر صبح کے وقت ایسے حال میں روانہ ہوتا کہ گلے میں تلوار اور نیزہ کا قلادہ ڈالے ہوئے ہوتا۔"

اس شعر میں وَرُمحًا کا عطف بظاہر سیفًا پر ہے جو متقلدًا کا مفعول ہے لیکن حقیقت میں رُمحًا متقلدا کا مفعول نہیں اس لیے کہ نیزہ گلے میں ڈالنے کی چیز نہیں بلکہ تقدیر کلام اس طرح ہے۔

متقلدا سیفا وحاملا رمحا یعنی تلوار گلے میں ڈالے ہوئے اور نیزہ ہاتھ میں اٹھائے ہوئے مگر چونکہ حاملا اور متقلدا دونوں متقارب المعنی تھے اس لیے بغرض ایجاز حاملاً کو حذف کردیا گیا اور حاملاً کے مفعول یعنی رُمحا کا عطف متقلدا کے مفعول یعنی سیفا پر کردیا گیا کہ اہل سخن قرینۂ مقام اور سیاق کلام سے مراد کو سمجھ جائیں گے ایک دوسرا شاعر کہتا ہے۔

لَمَّا حَطَطۡتُ الرَّحۡلَ عَنۡهَا وَارِدًا　　　علفتها تبنًا وَمَاءً بَارِدًا

"جب میں نے اونٹنی کا کجاوا اتارا تو اس اونٹنی کو بھس کھلایا اور ٹھنڈا پانی۔"

اس شعر میں بظاہر اگرچہ وماءً باردًا کا عطف تبنًا پر ہو رہا ہے لیکن علفت کے حکم میں اس کے ساتھ شریک نہیں اس لیے کہ

ٹھنڈا پانی بھُس کے حکم میں نہیں، پانی پلایا جاتا ہے بھُس کی طرح کھلایا نہیں جاتا بلکہ تقدیر کلام اس طرح سے ہے علفتھا تبنا وسقیتھا ماء بارداً۔ میں نے اس اونٹنی کو بھُس کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا لیکن چونکہ سقیت اور علفت دونوں متقارب فی المعنی تھے اس لیے سقیت کو حذف کرکے اُس کے مفعول (ماء باردا) کا عطف علفت کے مفعول تبنًا پر کردیا گیا کہ اہل فہم قرینۂ مقام سے مراد سمجھ لیں گے پس وماء بارداً اگرچہ لفظاً تبنًا پر معطوف ہونے کی وجہ سے بظاہر شریک حکم ہے مگر معنیً اُس سے مختلف اور جدا ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

فعلا فروع الا یھقان وَاطفلت بالجلھتین ظباء ھاونعامھا

اس شعر میں ونعامھا کا ظباءھا پر عطف کیا گیا ہے اور بظاہر دونوں واطفلت کے حکم میں شریک ہیں لیکن معنی مختلف ہیں اس لیے کہ شتر مرغ بچے نہیں دیتا بلکہ بیضے دیتا ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے۔ واطفلت ظباء ھا وباضت نعامھا۔

اسی طرح آیت میں تقدیر کلام یوں ہے: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاغْسِلُوْٓا اَرْجُلَكُمْ غُسْلًا خَفِيْفًا﴾ یعنی اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو نرمی اور اعتدال کے ساتھ دھوؤ پیروں پر پانی بہانے میں مبالغہ اور اسراف نہ کرو چونکہ غسل خفیف اور مسح دونوں متقارب المعنی تھے۔ اس لیے واغسلوا غسلاً خفیفاً کو حذف کرکے اس کے مفعول یعنی ﴿اَرْجُلَكُمْ﴾ کا عطف ﴿بِرُءُوْسِكُمْ﴾ پر کردیا گیا۔ یہ تیسرا جواب تمام تر امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۹۵ ج ۶ روح المعانی ص ۶۹ ج ۶)

جواب چھارم: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں قراءتوں میں کوئی تعارض نہیں ہر قراءت میں ایک جداگانہ حالت کا حکم بیان کیا گیا ہے قراءت جر جس سے مسح قدمین معلوم ہوتا ہے یہ حکم اس حالت میں ہے کہ جب قدمین پر خفین ہوں یعنی جس حالت میں موزے پہنے ہوئے ہوں تو مسح رجلین کرے اور اگر پیروں میں موزے نہ ہوں تو ایسی حالت میں غسل قدمین فرض ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دو قراءتیں دو مختلف حالتوں پر محمول ہیں اس لیے کہ عقلاً یہ ناممکن ہے کہ وقت واحد اور حالت واحدہ میں عضو واحد کا غسل بھی فرض ہو اور مسح بھی فرض ہو۔ معلوم ہوا کہ ان دو قراءتوں میں دو مختلف حالتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ص ۲۳۴ ج ۱)

بحر العلوم۔ ✽ شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں کہ فخر الاسلام بزدوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ توجیہ نہایت لطیف ہے اور فرماتے ہیں کہ قراءت جر میں الی الکعبین کا لفظ مسح کی غایت نہیں اس لیے کہ مسح تو ظاہر خفین پر کافی ہے کعبین تک مسح کرنا بالاجماع ضروری نہیں بلکہ یہ تَخَفُّف کی غایت ہے کہ جو سیاق کلام سے مفہوم ہوتا ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ پیروں پر مسح کرلیا کرو درانحالیکہ تم ٹخنوں تک موزے پہنے ہوئے ہو اور اگر موزہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو پھر موزوں پر مسح درست نہ ہوگا۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۱۹۶ ج ۲۔ طبع مصر)

جواب پنجم: امام طحاوی اور ابن حزم کہتے ہیں کہ ابتداء میں مسح قدمین جائز تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور غسل قَدَمَیْن فرض ہوگیا۔ (فتح الباری ص ۲۳۲ ج ۱)

✽ وما قیل انه یلزم علی ماذکر ان یکون مسح الخف مُغَيَّا الی الکعب مع انه لاغایة له فساقط لان الغایة حینئذٍ لاتکون غایة للمسح بل للتخفیف المفهوم من الآیة والمعنی والله اعلم وامسحوا بارجلکم حال کونکم متخففین ساترین الی الکعبین اشارة الی انه لامسح اذا کان مکشوفا شیٔ من الرجل الی الکعب فافهم فان هذا الوجه فی غایة الحسن واللطافة۔ (فواتح الرحموت ص ۱۹۶ ج ۲)

قراءت: جاننا چاہیے کہ ﴿وَ اَرْجُلَكُمْ﴾ میں ایک تیسری قراءت رفع کی بھی آئی ہے یعنی ﴿وَ اَرْجُلُكُمْ﴾ برفع اللام پڑھا گیا ہے یہ قراءت بظاہر کسی فریق کے لیے دلیل نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ اس قراءت میں ﴿وَ اَرْجُلُكُمْ﴾ کی خبر محذوف ہوگی کوئی تقدیر کلام اس طرح بتلائے گا۔ وارجلكم مغسولة اور کوئی تقدیر کلام اس طرح بتائے گا وارجلكم ممسوحة لیکن اس قراءت میں بظاہر خبر کو اس لیے حذف کر دیا گیا کہ ارجُل کا حکم شریعت میں معلوم اور معروف ہے نبی کریم ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل یہی رہا کہ پیروں کو دھوتے تھے۔ (روح المعانی ص ۷۰ ج ۶)

ایک شبہ: دارقطنی وغیرہ کی بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وضو میں مسح رجلین فرمایا۔

جواب: یہ ہے کہ مسح رجلین کی روایت قطعاً شاذ اور منکر ہے قطعاً صحیح نہیں اور احادیث متواترہ کے صریح مخالف ہے۔ نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے وضو کی اور سر اور پیروں کا مسح کیا اور پھر فرمایا:

ان ناسا یزعمون ان هذا یکره وانی رأیت رسول الله ﷺ مثل ما صنعت هذا وضوء من لم یحدث۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۳۴۶ ج ۲ سنن کبری للامام البیہقی ص ۷۵ ج ۱)

"تحقیق کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس طرح وضو درست نہیں تحقیق میں نے نبی کریم ﷺ کو اس طرح وضو کرتے دیکھا ہے لیکن یہ وضو اس شخص کی ہے کہ جو پہلے سے مُحدِث (بے وضوء) نہ ہو یعنی جو وضو ازالہ حدَث کے لیے نہ ہو بلکہ تبرک کے لیے وضو علی الوضوء ہو یا تبرید کے لیے وضو کیا جائے تو پھر بجائے غسل رجلین کے مسح رجلین کافی ہو سکتا ہے۔"

فرضیتِ غسل

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾

اُوپر فرضیت وضوء کا بیان تھا اب فرضیت غسل کو بیان کرتے ہیں اور اگر تم جنابت یعنی ناپاکی کی حالت میں ہو تو سارے بدن کو خوب اچھی طرح سے دھوؤ یعنی اسی طرح غسل کرو کہ جہاں جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہو وہاں پانی پہنچاؤ اسی وجہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غسل میں مضمضہ اور استنشاق یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا فرض ہے اور وضوء میں سنت ہے۔ اس لیے کہ وضوء میں فقط غَسْلِ وَجْہ کا حکم دیا گیا ہے اور غسل میں فاطهروا مبالغہ کا صیغہ لایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ وضوء میں صرف ظاہری چہرہ کا دھو لینا کافی ہے کیونکہ وجہ مواجہت سے ماخوذ ہے بخلاف غُسُل کے کہ وہاں سارے بدن کا دھونا فرض ہے کیونکہ فاطهروا مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی جسم کے دھونے میں اتنا مبالغہ کرو کہ ایک بال بھی باقی نہ رہے اور جنابت کے معنی ناپاکی کے ہیں جس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ منی خارج ہو جائے خواہ بیداری میں یا سوتے میں۔ اور دوم مرد و عورت کی مباشرت اور مجامعت خواہ اس میں انزال ہو یا نہ ہو ان دونوں صورتوں میں آدمی شرعاً ناپاک ہو جاتا ہے اور اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

نکتہ: جنابت کی حالت میں چونکہ آدمی سر سے لے کر پیر تک غرق لذت اور محو غفلت ہو جاتا ہے اس لیے ازالۂ جنابت کے لیے تمام بدن کا دھونا فرض ہوا بخلاف وضوء کے اس میں صرف اعضاء اربعہ کی طہارت کا حکم ہوا کیونکہ پیشاب اور پیخانہ میں جنابت جیسی لذت اور

غفلت نہیں۔

مشروعیت تیمم

وضوء اور غسل کی فرضیت کے بعد اب تیمم کا حکم بیان فرماتے ہیں جو وضو اور غسل کا قائم مقام کا ہے اور اگر تم بیمار ہو اور پانی کا استعمال تمہارے لیے مضر ہو یا تم سفر میں ہو اور پانی تم کو میسر نہ آئے اور اس بیماری اور مسافری میں تم کو وضو یا غسل کی ضرورت ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر آئے اور اس لیے اس کو وضو کی ضرورت ہو یا تم نے عورتوں سے صحبت کی ہو اور اس لیے تم کو نہانے کی ضرورت ہو پھر تم اس ضرورت کے پورا کرنے کے لیے پانی نہ پاؤ تو تم تمام حالتوں میں پاک زمین کا قصد کرو اس طرح کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارو پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو یہ تیمم ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پانی نہ ملنے کی صورت میں وضوء اور غسل کا قائم مقام بنادیا غور تو کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کیسی آسانی کردی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی کرے اگر ہر حال میں تم کو وضوء اور غسل کا حکم ہوتا تو تم تنگی میں پڑ جاتے ولیکن یہ چاہتا ہے کہ تم کو خوب پاک کردے کہ اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی کے ذریعہ طہارت حاصل کرلو اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے کہ سفر اور حضر تندرستی اور بیماری کسی حالت میں عبادت سے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے تیمم کا حکم نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے تم پر نعمت پوری کردی پچھلی امتوں میں تیمم کا حکم نہ تھا تاکہ تم ہمارے ان انعامات کا شکر کرو کہ ہم نے تمہاری ظاہری اور باطنی طہارت کے لیے وضوء اور غسل اور تیمم کا حکم دیا اسی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ وضوء کے بعد دو رکعت وضو کے شکر میں پڑھتے تھے۔ ایسی نماز کو تحیۃ الوضوء کہتے ہیں۔ لہٰذا عجب نہیں کہ حکم وضوء کے اخیر میں لفظ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ سے تحیۃ الوضوء کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم

نکتہ: آیت تیمم کی تفسیر سورۂ نساء میں مفصل گزر چکی ہے یہاں اس کا اعادہ اس غرض سے کیا گیا تاکہ طہارت کے مسائل علی الاتصال بیان میں آجائیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا جب تم نے کہا کہ

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

ہم نے سنا اور مانا اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ جانتا ہے جیوں کی بات

تذکیر انعام وعہد خداوند انام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ... الٰی ... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے احکام بیان کیے اب اس آیت میں اپنی نعمتوں اور عہدوں کو یاد دلاتے ہیں کہ اپنے عہدوں

کو پورا کرو اور اپنے منعم اور محسن کی ناسپاسی سے بچو اور ازل میں جو حق تعالیٰ کی اطاعت کا عہد کر چکے ہو اور جس امانت کا بوجھ تم اٹھا چکے ہو اب اس کے ایفاء اور اداء کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اللہ کے احسان اور انعام کو جو تم پر ہوا اور یاد کرو خدا کے اس عہد اور پیمان کو جو اُس نے تم سے پختہ کیا ہے جب کہ تم نے اس عہد کو قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم نے حکم خداوندی کو سنا اور دل و جان سے اس کو مانا اور احسان کا مقتضیٰ بھی شکر گزاری ہے اور عہد اور میثاق کا مقتضیٰ بھی وفاداری ہے۔ پس تم کو چاہیے کہ اس کی شکر گزاری اور فرمانبرداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ وہ اپنی نعمتوں کو سلب بھی کر سکتا ہے اور ناشکری اور بدعہدی کی سزا میں بہت سخت پکڑ سکتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ سینوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والا ہے اخلاص اور نفاق اس پر مخفی نہیں۔

فائدہ: آیت میں عہد سے یا تو عہد الست مراد ہے یا عہد امانت مراد ہے جس کا ذکر ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ ﴾ (الاحزاب: ۷۲) میں ہے یا عہد بیعت مراد ہے کہ جب صحابہؓ نے نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اس بات کا اقرار کیا کہ ہم اپنی استطاعت کے موافق ہر حال میں آپ ﷺ کی اطاعت کریں گے خواہ ہماری طبیعت کے موافق ہو یا مخالف۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۰۸ ج ۶ تفسیر کبیر ص ۳۹۰ ج ۳)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا

اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ

ایک قوم کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو عدل کرو یہی بات لگتی ہے

لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَعَدَ اللّٰهُ

تقویٰ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو وعدہ دیا اللہ نے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨

ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کو بخشنا ہے اور بڑا ثواب ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩

اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے۔

حکم یازدہم۔ وجوب عدل و انصاف و اداء شہادت حق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ . . . الى . . . اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں عبادات اور ان احکام کا ذکر تھا جو مکلف کی ذات کے ساتھ مخصوص تھے۔ اب ان آیات میں عدل و انصاف

اور شہادت حق کا حکم بیان کرتے ہیں جو دوسروں سے متعلق ہے نظام عالم کا دارومدار عدل وانصاف اور سچی شہادت پر ہے اس لیے کہ عدل اور انصاف اور سچی شہادت سے تمام مظالم اور مفاسد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضیٰ استقامت علی الحق ہے۔ لہٰذا ہو جاؤ تم کھڑے ہونے والے اللہ کے لیے یعنی حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے مستعد اور تیار کھڑے رہو اور جب حقوق العباد کے ادا کرنے کا وقت آئے تو انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ دوست ہو یا دشمن اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو ترک عدل پر آمادہ نہ کرے دوست اور دشمن کے ساتھ برابر انصاف کیا کرو یہی طریقہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے نہایت قریب ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ دوست اور دشمن سب کے ساتھ یکساں عدل اور انصاف کرو نہ کسی کی رعایت کرو نہ کسی کی حق تلفی اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے تمہارا انصاف اور بے انصافی اس پر مخفی نہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے کہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اُن سے یہ وعدہ کیا ہے کہ اُن کے لیے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں خدا کے ساتھ کفر اور شرک اور اس کی آیتوں کی تکذیب ایسا ظلم عظیم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظلم اور بے انصافی نہیں اس لیے کافروں کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھنا یہ اللہ کا عدل اور انصاف ہے اور اس کی حکمت ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ
اے ایمان والو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا لوگوں نے کہ
يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط
تم پر ہاتھ چلاویں پھر روک لیے تم سے اُن کے ہاتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ع ⑪
اور اللہ پر چاہیے بھروسہ ایمان والوں کا.

ع ۲ ۶

تذکیر بعض انعامات خاصہ دنیویہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ... الٰى ... فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ع ⑪ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے عام احسانات کو یاد دلایا اب اس آیت میں ایک خاص دنیوی انعام کو یاد دلاتے ہیں تاکہ نعمت کو یاد کر کے دل میں منعم کی محبت اور اطاعت کا داعیہ پیدا ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں نبی کریم ﷺ ایک منزل میں اترے اور لوگ متفرق ہو گئے اور درختوں کے سایوں میں جا کر آرام کرنے لگے آنحضرت ﷺ نے اپنی تلوار ایک درخت میں لٹکا دی اور لیٹ گئے اتنے میں ایک اعرابی آیا اور تلوار اتار کر میان سے اس کو کھینچا اور آپ کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہنے لگا: من

یمنعك منی اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عز وجل دو تین بار اُس نے یہی کہا اور آپ ﷺ نے یہی جواب دیا۔ اتنے میں جبریل امین علیہ السلام اُترے اور اس کافر کے سینہ پر ایک مُکا مارا جس سے وہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی آنحضرت ﷺ نے وہ تلوار اٹھالی اور اس سے پوچھا کہ تو بتا کہ اب تجھے کون بچائے گا؟ اُس نے کہا کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے کہا جا اپنا راستہ لے۔ اس طرح اُس کو چھوڑ دیا اور اُسے کوئی سزا نہیں دی۔ اس حال کو دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہوگیا اور اس کی وجہ سے اور لوگوں کو بھی ہدایت ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر یہ سارا ماجرا بتلایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۱ ج ۲ و تفسیر قرطبی)

اس کے علاوہ اور بھی اس قسم کی متعدد واقعات پیش آئے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے حفاظت فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے انعامات سے غافل نہ ہو خاص کر اُس انعام کو یاد کرو کہ کافروں کی ایک جماعت نے یہ قصد کیا کہ تم پر دست درازی کریں اور غفلت کی حالت میں تم کو مار ڈالیں یا لوٹ لیں پس اللہ تعالیٰ نے غیب سے تمہاری حفاظت فرمائی اور دشمنوں کے ہاتھ تمہاری طرف بڑھنے سے روک دیئے اور بسا اوقات تم صلوٰۃ الخوف میں مشغول تھے، اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت فرمائی۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس کے احسان کو یاد کر کے اُس کے شکر کو بجالاؤ اور اپنے منعم حقیقی خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ پر بھروسہ کریں دشمنوں سے بچانے والا خدا ہے اُس نے اب بچایا ہے آئندہ بھی اسی طرح تم کو دشمنوں کے شر سے بچاتا رہے گا۔ لہٰذا ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ بھروسہ اور اعتماد خداوند جہاں پر کرو نہ کہ اپنے ساز و سامان پر۔

وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ

اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل کا اور اٹھائے ہم نے ان میں

عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ

بارہ سردار اور کہا اللہ نے میں تمہارے ساتھ ہوں تم اگر کھڑی رکھو گے نماز اور

اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ

دیتے رہو گے زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور اُن کو مدد کرو گے اور قرض دو گے اللہ کو

قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ

اچھی طرح کا قرض تو میں اتاروں گا تم سے برائیاں تمہاری اور داخل کروں گا باغوں میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ

کہ بہتی نیچے اُن کے نہریں پھر جو کوئی منکر ہوا تم سے اس کے بعد وہ بے شک

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا

بھولا سیدھی راہ سو اُن کے عہد توڑنے پر ہم نے اُن کو لعنت کی اور کر

قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا

دیئے اُن کے دل سیاہ بدلتے ہیں کلام کو اپنے ٹھکانے سے اور بھول گئے ایک فائدہ

مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا

لینا اس نصیحت سے جو اُن کو کی تھی اور ہمیشہ تو خبر پاتا ہے اُن کی ایک دغا کی مگر تھوڑے لوگ

مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَ

ان میں سو معاف کر اور درگزر ان سے اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو اور

مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

وہ جو کہتے ہیں آپ کو نصاریٰ اُن سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا پھر بھول گئے ایک فائدہ لینا اس

ذُكِّرُوْا بِهٖ ۪ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ

نصیحت سے جو ان کو کی تھی پھر ہم نے لگا دی آپس میں دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک

وَ سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭

اور آخر بتا دے گا ان کو اللہ جو کچھ کرتے ہیں۔

ذکر عہود امم سابقہ و بدعہدی اوشان و نتیجہ آن

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ ... الٰی ... بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭﴾

ربط: ابتداء سورت ﴿وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ﴾ اور ﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ﴾ میں اہل اسلام کے عہد اور میثاق کا ذکر تھا اب حق سبحانہٗ وتعالیٰ اُن عہود کا ذکر کرتے ہیں کہ جو امم سابقہ سے لیے گئے تھے اور ایفاء عہد پر اُن سے تکفیر سیئات اور ادخال جنات کا وعدہ کیا گیا تھا اور جن کی خلاف ورزی پر خدا کی جانب سے ان پر قہر آیا اور طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا کیے گئے مقصود مسلمانوں کو ڈرانا ہے کہ تم بنی اسرائیل کی طرح بدعہدی نہ کرنا مبادا ان کی طرح تم کو بھی روزِ بد دیکھنا پڑے اور اے مسلمانو! تم

یہ نہ سمجھنا کہ عہد خاص تمہیں سے لیا گیا کہ جس کی پابندی کی تم کو تاکید کی جاتی ہے بلکہ تم سے پہلے انبیاء سابقین علیہم السلام نے اپنی اُمتوں سے ایسا ہی عہد لیا تھا تم کو چاہیے کہ اپنے عہد کو پورا کرو اور پچھلوں کی طرح عہد شکنی کر کے ذلت اور خواری میں نہ پڑو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ میں بنی اسرائیل سے ایک پختہ عہد لیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اپنی عبادت اور توریت پر قائم رہنے کا عہد لیا اور پھر اُن کی نگرانی کے لیے ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے جن کا کام یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے احوال کی نگرانی کریں اور عہد خداوندی کے پورا کرنے کی اُن کو تاکید کرتے رہیں چونکہ بنی اسرائیل کے کل بارہ قبیلے تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلہ سے ایک سردار منتخب کیا جو اپنی قوم کا ذمہ دار ہو اور قوم کو اعداء اللہ سے جہاد و قتال کے لیے آمادہ کرے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لیلۃ العقبہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی تو ان میں سے بارہ نقیب مقرر کیے تین قبیلہ اوس کے اور نو قبیلۂ خزرج کے یہ لوگ اپنی اپنی قوم کے عرفاء یعنی چودھری تھے اپنی قوم کی طرف سے آپ کے دست مبارک پر سمع و طاعت کی بیعت کی اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے مطلب یہ ہے کہ میری اُمت میں بارہ خلیفہ ایسے نیک اور صالح ہوں گے کہ جو ٹھیک ٹھیک حق کو قائم کریں گے اور امت میں ٹھیک ٹھیک عدل و انصاف کریں گے اور اُن کے دور حکومت میں اسلام کو عزت حاصل ہوگی لیکن یہ لازم نہیں کہ ان بارہ کا زمانہ مسلسل اور لگاتار ہو ان میں سے چار تو خلفائے راشدین ہوئے اور ایک عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوئے اور انہی بارہ میں ایک امام مہدی علیہ السلام ہوں گے جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے اور توریت میں جہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بشارت آئی ہے وہاں یہ بھی آیا ہے کہ اُن کی پشت سے بارہ سردار ہوں گے اُن سے یہی بارہ خلفاء مراد ہیں جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ کہا کہ تحقیق میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا ناصر اور مددگار ہوں بشرطیکہ تم میرے عہد پر قائم رہو اور وہ عہد یہ ہے کہ اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لے آئے اور اُن کی مدد کرتے رہے اور علاوہ زکوٰۃ کے خدا تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتے رہے یعنی محض خدا کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کے لیے جہاد وغیرہ میں خرچ کرتے رہے اور بلا کسی دنیاوی غرض کے فقراء و مساکین پر خیرات کرتے رہے یہ قرض حسن یعنی نیک قرض ہے سو اگر تم اس عہد پر قائم رہے تو میں اس کے صلہ میں ضرور تمہاری برائیاں دور کردوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یعنی اگر تم اپنے عہد پر قائم رہے تو میری طرف سے تمہارا اصلہ گناہوں کی معافی اور بہشت ہے پھر تم میں سے جو اس پختہ عہد اور پیمان کے بعد منحرف ہو جائے تو وہ بلاشبہ سیدھے راستہ سے بہک گیا بدعہدی کر کے نجات کا راستہ گم کیا اور ہلاکت کے گڑھے میں جا گرا مگر بنی اسرائیل نے باوجود اس پختہ عہد اور پیمان کے عہد شکنی کی اور طرح طرح کی ذلتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں پس ہم نے اُن کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کی یعنی اپنی رحمت اور عنایت اور ہدایت سے اُن کو دور پھینک دیا اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا کہ کوئی حق اور ہدایت اُن کے دل میں نہیں اُترتی اور کوئی نصیحت اُن کو کارگر نہیں ہوتی۔ اب اس کے بعد اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ کلام خداوندی یعنی توریت میں لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے ہیں اور اس کے حروف اور الفاظ کو اپنے موقع اور محل سے ہٹا دیتے ہیں کبھی حروف اور الفاظ میں تحریف کرتے ہیں اور کبھی اس کے معنی میں اور کبھی تاویلات میں اور کبھی حذف کرتے ہیں اور کبھی کوئی لفظ زیادہ کرتے ہیں غرض یہ کہ کلام خداوندی میں جس قدر اور جس قسم کی تحریف ممکن تھی وہ سب کی جس کا اعتراف علماء یہود اور نصاریٰ کو بھی ہے اور فراموش کر دیا بڑا حصہ اس نصیحت کا جو اُن کو توریت میں کی گئی تھی یعنی

اُن کو توریت میں بہت سی نصیحتیں کی گئی تھیں منجملہ اُن کے ایک نصیحت یہ کی گئی تھی کہ محمد ﷺ پر ایمان لانا اور اُن کی نعت اور صفت کو نہ چھپانا لیکن انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا توریت میں تحریف کی اور آپ کی صفات کو چھپایا اور آپ پر ایمان نہیں لائے اور اے نبی کریم ﷺ آپ ہمیشہ اُن کی ایک نہ ایک خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ یعنی آپ ﷺ ان بنی اسرائیل کی شرارتیں اور عہد شکنیاں کہاں تک دیکھیں گے یہ تو ان کی موروثی چیز ہے یہ لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہیں گے مگر ان کے معدودے چند اس خیانت سے بری ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاء پس آپ ان خائنین کو معاف کیجیے اور ان سے درگزر کیجیے یعنی جب ان کی عادت ہی یہ ٹھہری تو آپ درگزر فرمائیں اور جب تک کھلم کھلا مقابلہ پر نہ آئیں اس وقت تک ان پر تلوار نہ اٹھایئے اگرچہ درپردہ کتنی ہی خیانتیں کریں بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یہاں تک یہود کا حال بیان فرمایا اب آگے کچھ نصاریٰ کا حال بیان فرماتے ہیں اور جو لوگ اپنے آپ کو زبان سے نصاریٰ کہتے ہیں گویا کہ وہ درپردہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام اور انجیل کے ماننے والے ہیں ہم نے اُن سے بھی انجیل میں فارقلیط پر ایمان لانے اور اُن کی مدد کرنے کا عہد لیا تھا پس انہوں نے اس نصیحت کا ایک حصہ بھلا دیا کہ جو اُن کو کی گئی تھی یعنی وہ بھی محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور اپنے عہد کو بھول گئے حتیٰ کہ توحید سے بھی منحرف ہو گئے پس یہود کی طرح نصاریٰ بھی اس عہد شکنی کی بناء پر مورد عتاب بنے اس لیے ہم نے اُن کے درمیان دشمنی اور کینہ ڈال دیا جو قیامت تک ان میں رہے گا نصاریٰ میں مختلف فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں ایک گروہ دوسرے گروہ کو کافر اور ملعون بتاتا ہے اور یہ تو دنیوی سزا ہوئی۔ رہی آخرت سو عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کو قیامت کے دن جتلا دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے تھے بدعہدی کا انجام ان کے سامنے آجائے گا پس اے مسلمانو تم کو ان سے سبق لینا چاہیے اور ان کے انجام بد کو اپنے لیے درس عبرت سمجھنا چاہیے اس میں شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی تشتت اور تفرق اور مذہبی تصادم نظر آتا ہے لیکن بحمدہٖ تعالیٰ ہم میں وحی الٰہی اور قانون خداوندی یعنی کتاب وسنت بلاکم وکاست محفوظ ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا اختلاف قابل التفات نہیں اس لیے کہ مسلمانوں کی سواد اعظم یعنی اہل سنت والجماعت اسی حق اور صداقت پر قائم ہے جس کو من جانب اللہ نبی برحق لے کر آئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس امانت کو بحفاظت امت تک پہنچا دیا وحی الٰہی کی مشعل مسلمانوں میں محفوظ ہے بخلاف یہود اور نصاریٰ کے کہ اُن کے پاس وحی الٰہی کی کوئی مشعل موجود نہیں اصل توریت اور انجیل ان کے پاس محفوظ نہیں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام جو حق اور ہدایت اُن کو دے کر گئے تھے وہ گم کر بیٹھے ہیں محض محرّف بائبل سے وابستہ ہیں۔ فقط مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں مغربی اقوام مذہبی حیثیت سے غایت درجہ متشتت ہیں البتہ اگر دنیاوی اور سیاسی مصالح کی بناء پر مسلمانوں کے مقابلہ میں یا اور کسی قوم کے مقابلہ میں متفق ہو جائیں تو وہ دوسری بات ہے مغربی اقوام کی ہمت ہمہ تن دنیا پر مقصود ہے یہ لوگ درحقیقت دھریہ اور لامذہب ہیں اگرچہ برائے نام اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں۔

———※———

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ
اے کتاب والو آیا ہے تمہارے پاس رسولؐ ہمارا کھولتا ہے تم پر بہت چیزیں جو تم
تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۥ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ
چھپاتے تھے کتاب کی اور درگزر کرتا ہے بہت چیز سے تم پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی
وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ
اور کتاب بیان کرتی جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے جو کوئی تابع ہوا اس کی رضا کا بچاؤ کی
السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ
راہ پر اور ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی میں اپنے حکم سے اور اُن کو چلاتا
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯
راہ سیدھی ہے

خطاب نصیحت مآب بسوئے جمیع اہل کتاب برائے تصدیق رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا . . . اِلٰى . . . صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ ﴾

ربط : گزشتہ آیات میں یہود اور نصاریٰ کے نقض عہد کا الگ الگ ذکر تھا۔ اب اس آیت میں یہود اور نصاریٰ دونوں کو جمع کر کے تمام اہل کتاب سے خطاب موعظت ونصیحت فرماتے ہیں اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں کہ اے علماء یہود ونصاریٰ دیکھو یہ ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس آ گئے جن کا تمہیں انتظار تھا اور جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی تھی اور جن کی اطاعت کا تم سے عہد لیا گیا تھا اب وہ آ گئے اور ان کی نبوت ورسالت کے براہین اور دلائل ان کے ساتھ ہیں منجملہ اُن کے یہ ہے کہ وہ نبی اُمی توریت اور انجیل کے مخفی علوم کو تمہارے سامنے برملا ظاہر کرتا ہے جس کے انکار کی تمہیں مجال نہیں جیسے رجم اور قصاص کا حکم جس کو یہود چھپاتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے بذریعہ وحی اُس کو ظاہر فرمایا۔ نیز اس نبی اُمی کے ساتھ ایک نور ہدایت یعنی قرآن ہے جو حق کا راستہ بتاتا ہے نیز وہ نبی امی اپنے فیض صحبت سے تم کو ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی طرف لے جاتا ہے یہ سب باتیں اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ یہ سب کچھ تعلیم ربانی اور تائید یزدانی کا کرشمہ ہے اس لیے کہ یہ تو ناممکن اور محال ہے کہ نبی اُمی اُن کی کتابیں

دیکھ کر یہ باتیں معلوم کرلیں سوائے وحی ربانی کے علم کا کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا تم ان پر ایمان لاؤ تا کہ اندھیرے سے نکل کر روشنی کی طرف آجاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے اہل کتاب! جہالت کو چھوڑو اور ہدایت اور علم کی طرف دوڑو تحقیق آ پہنچا تمہارے پاس ہمارا رسول محمد رسول اللہ ﷺ جن کے علم کی یہ شان ہے کہ وہ تمہارے سامنے توریت اور انجیل کی بہت سی پوشیدہ چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے۔ یعنی وہ نبی اُمی بہت سے امور میں تم پر یہ ظاہر کردیتا ہے کہ تمہاری کتاب میں یوں یوں لکھا ہے اور اُس کے حلم اور بردباری کا یہ حال ہے کہ بہت سی باتوں سے وہ نبی درگزر کرتا ہے اور باوجود علم کے ان کے اظہار سے چشم پوشی کرتا ہے مقصود صرف ان پر اس بات کا ظاہر کرنا تھا کہ جن باتوں کو چھپاتے ہو وہ بذریعہ وحی کے مجھے معلوم ہیں اگر میں خدا کا نبی نہ ہوتا تو مجھ کو کیا خبر تھی کہ تمہاری کتابوں میں کیا لکھا ہوا ہے میں تو اُمی ہوں کتاب پڑھا ہوا نہیں۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اپنی فضیحت سے ڈرو اور مجھ پر ایمان لاؤ میرا یہ علم اور یہ حلم میرا معجزہ ہے میں تمہیں رسوا کرنا نہیں چاہتا صرف تنبیہ مقصود ہے اور اے اہل کتاب اگر بالفرض یہ نبی اُمی تمہاری پوشیدہ باتوں کو بھی نہ ظاہر کرتا تب بھی تم پر اس کی دعوت کا قبول کرنا واجب تھا۔ اس لیے کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے، مراد محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ایک روشن کتاب آئی ہے قتادہ اور زجاج سے منقول ہے کہ نور سے آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات مراد ہے۔ (روح المعانی ص ۸۷ ج ۶ وتفسیر قرطبی ص ۱۱۸ ج ۶)

اور کتاب مبین سے قرآن مجید مراد ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات بابرکات خود آپ کی نبوت ورسالت کی ایک دلیل ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلے باید از وے رومتاب

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور ہدایت اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے اور اس کے علاوہ یہ کتاب مبین آپ کی نبوت کی دلیل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے ان لوگوں کو جو رضاء خداوندی کے طلب گار اور پیروکار ہوں سلامتی کی راہیں دکھلاتا ہے کہ قیامت کے غم اور خوف سے محفوظ ہوجائیں یعنی وہ کتاب مبین ایسے صحیح عقائد اور صحیح اعمال کی ہدایت کرتی ہے جس سے دُنیا اور آخرت کی سلامتی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر دین اسلام کی روشنی میں لاتا ہے اپنے حکم سے یعنی اُس کی توفیق اور فضل سے ہدایت ملتی ہے بغیر اس کے حکم اور ارادہ کے کچھ نہیں ہوسکتا اور چلاتا ہے اُن کو سیدھی راہ کی طرف پس اے اہل کتاب تم اس کتاب مبین کو قبول کرو اور اپنی جہالت کی ظلمت سے نکل کر اس شمع ہدایت کی روشنی میں آجاؤ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا تو کہہ پھر کس کا

يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ

کچھ چلتا ہے اللہ سے اگر وہ چاہے کہ کھپاوے مسیح مریم کے بیٹے کو اور

اُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

اس کی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں زمین میں سارے اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو

بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

دونوں کے بیچ ہے بناتا ہے جو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ابطال عقیدۂ الوہیت عیسیٰ علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ ... الٰی ... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت یعنی ﴿وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ میں سیدھے راستہ کا ذکر فرمایا اور صراط مستقیم وہ معتدل راہ ہے جو افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہو اب اس آیت میں نصاریٰ کے عقیدۂ الوہیت مسیح کا رد فرماتے ہیں کہ شرک اور تثلیث کی راہ صراط مستقیم سے بہت دور ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں بلا شبہ اور قطعاً کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ وہی مسیح علیہ السلام ہے جو مریم علیہا السلام کا بیٹا ہے۔ اس آیت میں فرقۂ حلولیہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کے جسم یا روح میں حلول کر سکتا ہے نصاریٰ اگرچہ صراحتاً اس کے قائل نہیں لیکن اگر حقیقت کی طرف غور کیا جائے تو مطلب یہی نکلتا ہے۔ اس لیے کہ نصاریٰ کا قول یہ ہے کہ کلمہ کا اقنوم عیسیٰ کے ساتھ متحد ہو گیا ہے تو ہم سوال کرتے ہیں کہ اقنوم کلمہ سے کیا مراد ہے ذاتِ خداوندی مراد ہے یا صفت خداوندی مراد ہے اگر اقنوم سے ذات کے معنی مراد ہیں تو صراحۃً یہ مطلب ہوگا کہ ذات خداوندی نے عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کیا تو بے شک عیسیٰ اِلٰہ (خدا) ہو گیا اور اگر یہ کہیں کہ اقنوم سے صفت کے معنی مراد ہیں تو ایک ذات کی صفت کا دوسری ذات کی طرف منتقل ہونا عقلاً محال ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اقنوم علم نے خدا کی ذات سے عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کی طرف انتقال کیا تو ذات الٰہی علم سے خالی ہو گئی اور عیسیٰ کا الٰہ اور خدا ہونا لازم آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب نصاریٰ اگرچہ صریح طور سے عیسیٰ علیہ السلام کو عین خدا نہ کہیں لیکن اُن کے مذہب کا حاصل اور مقتضیٰ یہی ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۳۹۵ ج ۳)

اور ظاہر اور حق یہی ہے کہ نصاریٰ کے بعض فرقوں کا اب بھی یہی مذہب ہے نصاریٰ میں اصل تین فرقے ہیں ایک فرقہ نسطوریہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتا ہے۔ دوسرا ملکانیہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تین خداؤں میں کا ایک خدا کہتا ہے۔ تیسرا فرقہ یعقوبیہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ متحد مانتا ہے۔ اسی فرقہ کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اب آئندہ آیت میں الوہیت مسیح کے اعتقاد کا ابطال فرماتے ہیں آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ اگر خدا تعالیٰ مسیح بن مریم علیہما السلام کو جن کو تم عین خدا کہتے ہو اور اُن کے ساتھ اُن کی ماں کو جس نے اُن کو جنا ہے اور بلکہ روئے زمین کے تمام باشندوں کو بالکل نیست اور نابود کرنا چاہے تو کون ایسی قدرت والا ہے جو خدا کو اُس کے ارادہ سے روک سکے یا اس سے انتقام لے سکے عالم کی اجتماعی قوت اور ارادہ اُس کے ارادہ کو نہ روک سکتی ہے اور نہ ایک لمحہ کے لیے ملتوی کر سکتی ہے خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ واجب الوجود اور قادر مطلق ہو کہ اگر سارے عالم کو قطعاً نیست اور نابود اور بالکلیہ فنا کرنے کا ارادہ کر لے تو کوئی اس کے ارادہ کو نہ روک سکے۔

اوست سلطاں ہرچہ خواہد آں کند عالمے رادر دمے ویراں کند

اور جو ذات ہلاکت اور فناء کو اپنے سے دفع نہ کر سکے وہ بلا شبہ عاجز اور کمزور ہے وہ خدا نہیں ہو سکتی اور نصاریٰ کے اعتقاد میں تو

حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو دشمن کے ہاتھ سے ہلاک نہ ہوتے وہ خدا ہی کیا ہوا جو اپنے سے موت کو دفع نہ کر سکا۔

پس اے نصارائے حیاریٰ ذرا غور تو کرو کہ جو ذات (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) تمہارے اعتقاد اور اقرار کے مطابق اپنے سے موت اور فناء کا پیالہ نہ ہٹا سکے وہ کیسے خدا ہو سکتی ہے اور پھر یہ بھی تو سوچو کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُن تمام چیزوں کی جو ان کے درمیان میں ہیں جن میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ بھی داخل ہیں جس طرح آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملک اور تصرف میں ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام خدا کی ملک اور تصرف میں ہیں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس طرح پیدا ہونا یہ دلیل الوہیت کی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جس طرح چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں جیسے کسی کو بے ماں باپ دونوں کے پیدا کیا جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی قدرت کے اعتبار سے تخلیق و تکوین کی تمام صورتیں برابر ہیں اس نے اپنی حکمت بالغہ سے کسی کو کسی طرح پیدا کیا اور کسی کو کسی طرح پیدائش کا امتیاز الوہیت کی دلیل نہیں بن سکتا اور کیوں نہ برابر ہوں اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُس کی قدرت کے لیے کسی سبب اور مادہ کی ضرورت نہیں وہ جس طرح چاہے پیدا کرے بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل الوہیت کی نہیں بلکہ کمالِ قدرت دلیلِ الوہیت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں پائی جاتی۔

فائدہ: شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کسی جگہ نبیوں کے حق میں ایسی بات فرماتے ہیں تا کہ اُن کی امت اُن کو بندگی کی حد سے زیادہ نہ چڑھاویں ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لائق کاہے کو ہیں۔ (موضح القرآن)

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ

اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے تو کہہ پھر کیوں

يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ

عذاب کرتا ہے تم کو تمہارے گناہوں پر کوئی نہیں تم بھی ایک انسان ہو اس کی پیدائش میں بخشے

يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا

جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور جو

بَيْنَهُمَا ؗ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

دونوں کے بیچ ہے اور اس کی طرف رجوع ہے۔

ابطال دعوائے اہل کتاب دربارہ قرب واختصاص خداوندی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ ... الى ... وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾ ⑱

ربط: گزشتہ آیات میں یہود ونصاریٰ کے بعض قبائح کا بیان تھا اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ باوجود کفر وشرک اور معصیت میں ملوث ہونے کے دعویٰ یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے محبوب اور مقبول اور مقرب ہیں اور یہود اور نصاریٰ کے ہر ایک فریق نے الگ الگ یہ کہا کہ ہم لوگ اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء یہود سے کچھ گفتگو کی اور اُن کو اللہ کی طرف بلایا اور اُن کو خدا کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے یہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم کو خدا کے عذاب سے کیا ڈراتے ہیں ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵ ج ۲ وتفسیر قرطبی ص ۱۲۰ ج ۶)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُن کے جواب میں کہہ دیجیے کہ اگر تم واقع میں اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب اور پیارے ہو تو اللہ تم کو تمہارے گناہوں کے بدلہ میں دنیا میں ذلت ناک اور رسوا کن عذاب کیوں دیتا ہے اگر تم [1] خدا کے فرزند اور محبوب تھے تو اُس نے تم کو قردہ اور خنازیر یعنی بندر اور سور کیوں بنایا اور طرح طرح سے تم کو ذلیل اور رسوا کیا باپ اپنے بیٹے کو اور حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا۔ پس دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے تم کو قتل اور مسخ کا عذاب چکھایا اور آخرت کے متعلق تم کو اقرار ہے کہ چند روز کے لیے تم کو آگ چھوئے گی معلوم ہوا کہ یہ سب تمہارے دعاوی باطلہ اور امانی عاطلہ ہیں تم خدا کے محبوب نہیں بلکہ تم منجملہ مخلوق کے بشر اور آدمی ہو تم میں اور لوگوں میں کوئی فرق نہیں جیسے وہ ویسے تم، تم جو دعوائے فرزندیت اور محبوبیت کرتے ہو وہ جھوٹ اور غلط ہے وہ جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے دائرۂ مشیت اور ملکیت سے باہر نہیں نکل سکتا اس لیے کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے لہٰذا کوئی صورت اس کی تعذیب اور سزا سے بچنے کی نہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں کہ جہاں کوئی پناہ لے سکے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ
اے کتاب والو! آیا ہے تم پاس رسول ہمارا بیان کرتا ہے تم سے توڑا پڑے پیچھے
الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ
رسولوں کا کبھی تم کہو کہ ہم پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا سو آچکا تمہارے پاس

---

[1] امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وقيل معنى يعذبكم عذبكم فهو بمعنى الماضى اى فلم مسخكم قردة وخنازير ولم عذب من قبلكم من اليهود والنصارىٰ بانواع العذاب وهم امثالكم لان الله سبحان لايحتج عليهم بشئ لم يكن بعْدُ لانهم ربما يقولون لانعذّبُ غدًا بل يحتج عليهم بما عرفوه۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۲ ج ۶)

ع ۸
بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲

خوشی اور ڈر سنانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اظہارِ نعمت و اتمام حجت بہ بعثتِ محمد ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا . . . الى . . . وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ ﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کو خطاب تھا۔ اب اس آیت میں بھی انہی کو خطاب اور تنبیہ ہے اور مقصود اظہارِ نعمت اور اتمام حجت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد شریعت محرف ہو چکی تھی اور روئے زمین سے ہدایت گم ہو چکی تھی۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ ایسے پیغمبر کو بھیجیں جو لوگوں پر راہ حق کو ظاہر کر دے اور لوگوں پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ علاوہ ازیں تم بھی افسوس کیا کرتے تھے کہ ہم رسولوں کے وقت میں نہ ہوئے کہ ان کی تربیت پاتے اب مدت کے بعد تم کو رسول کی صحبت میسر آئی غنیمت جانو اور اللہ قادر ہے کہ اگر تم اس رسول ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کرو گے تو اللہ دوسری مخلوق کھڑی کر دے گا جو تم سے بہتر ہو گی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے جہاد کرنا قبول نہ کیا اللہ نے اُن کو محروم کر دیا اور اوروں کے ہاتھ سے ملک شام فتح کرا دیا۔ لہٰذا تم اس نبی ﷺ کی صحبت کو غنیمت جانو۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے اہل کتاب! بے شک آ گیا تمہارے پاس ہمارا وہ رسول جس کے تم منتظر تھے جو احکام شریعت کو تمہارے لیے بیان کرتا ہے ایسے وقت میں آیا کہ مدّت سے پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تخمیناً چھ سو برس کے بعد ہم نے نبی بھیجا اتنی مدت میں آسمانی کتابوں میں تحریف ہو گئی دین عیسوی ابھی قوت پکڑنے نہ پایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اُٹھا لیے گئے اور اصل انجیل بھی محفوظ نہ رہی اور بنی اسرائیل کی شریعت بالکل مسخ ہو گئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اصلاح عالم کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ تم سنبھل جاؤ اور قیامت کے دن تم کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو آ چکا تمہارے پاس ایک عظیم الشان بشیر و نذیر جس کی شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی کتاب کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ لہٰذا اب تم کو اس عذر کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ ہم خدا کی کس طرح اطاعت کرتے کہ پہلی شریعتوں میں تحریف و تبدیلی ہو چکی تھی اور حق و باطل مخلوط ہو چکا تھا اور نیا رسول ہمارے پاس کوئی آیا نہیں۔ پس محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تمہاری یہ حجت ختم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ چاہے مسلسل نبی بھیجے یا ایک عرصہ تک سلسلہ منقطع رہنے کے بعد رسول بھیجے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم نے اس پیغمبر کی دعوت اور ہدایت کو قبول نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے جو اس نبی ﷺ کی دعوت کو قبول کرے خدا کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان جو زمانہ ہے وہ زمانہ فترت کہلاتا ہے جو تقریباً چھ سو برس کا زمانہ ہے۔ جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے۔ اس درمیان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: ((انا اولی الناس بعیسیٰ بن مریم لیس بینی و بینہ نبی)).

اور سورۂ یٰسین کی اس آیت ﴿اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ﴾ میں جن تین رسولوں کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد اور مبلغ تھے اور حوارین میں سے تھے جن کو آپ نے اہل قریہ کی تبلیغ اور دعوت کے لیے بھیجا تھا وہ خدا کے رسول اور پیغمبر نہ تھے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ اور حواری تھے اور بعض لوگوں نے جو ایک ضعیف روایت کی بناء پر خالد بن سنان عربی کو نبی بتایا ہے صحیح [1] یہ ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں اور تواریخ میں جو آیا ہے کہ خالد بن سنان کی بیٹی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگی سو اس سے صلبی بیٹی مراد نہیں بلکہ بنت بالواسطہ مراد ہے کیونکہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ امر صراحتاً ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ (روح المعانی ص ۹۳ ج ۶)

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب پیدا کیے

فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ

تم میں نبی اور کر دیا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو جو نہیں دیا کسی کو

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

جہان میں اے قوم داخل ہو زمین پاک میں جو لکھ دی ہے اللہ نے تم کو

وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى

اور الٹے نہ جاؤ اپنی پیٹھ پر پھر جا پڑو گے نقصان میں بولے اے موسیٰ

اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ

وہاں ایک لوگ ہیں زبردست اور ہم ہرگز وہاں نہ جاویں گے جب تک وہ نکل چکیں وہاں سے

فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ

پھر اگر وہ نکلیں وہاں سے تو ہم داخل ہوں کہا دو مردوں نے ڈر والوں

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

میں سے خدا کی نوازش تھی ان دو پر پیٹھ جاؤ ان پر حملہ کر کر دروازے میں پھر جب تم اس میں پیٹھو تو تم

[1] کما قال الشہاب الخفاجی فی حاشیۃ البیضاوی والصحیح انہ (ای خالد بن سنان) من الانبیاء وانہ قبل عیسیٰ کذا فی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی ص ۲۳۰ ج ۳۔

غٰلِبُوْنَ ۥۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى

غالب ہو اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر یقین رکھتے ہو بولی اے موسیٰ

اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ

ہم ہرگز نہ جاویں ساری عمر جب تک وہ رہیں گے اس میں سو تو جا اور تیرا رب دونوں لڑو

اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ

ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں بولا اے رب میرے اختیار میں نہیں مگر میری جان اور میرا بھائی

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

سو فرق کر تو ہم میں اور بے حکم قوم میں کہا تو وہ ان سے بند

عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى

ہوئی چالیس برس سرمارتے پھریں گے ملک میں سو تو افسوس نہ کر

الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ ع

بے حکم لوگوں پر

ع ۴ / ۸

قصہ بدعہدی و بزدلی بنی اسرائیل دربارہ جہاد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا... الی... فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی عہد شکنیوں کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اُن کی ایک عہد شکنی اور بزدلی اور اس کے انجام کا بیان ہے کہ اللہ کا کلیم تمہارے درمیان موجود تھا اس نے تم کو جہاد کی دعوت دی اور فتح کی بشارت بھی سنادی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین تمہارے لیے لکھ دی ہے یعنی رجسٹری کردی ہے مگر تم جہاد سے جان چرا گئے اور کلیم اللہ سے مجادلہ کرنے لگے حالت تو تمہاری یہ ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم ابناء اللہ اور احباء اللہ ہیں اس قصہ میں اُن کے دعوائے ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ کی تکذیب اور تردید ہے اور ﴿فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ﴾ کی تصدیق اور تائید ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ محض انتساب بلا اطاعت خداوندی موجب مقبولیت و محبوبیت نہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا وطن چھوڑ کر نکلے اللہ کی راہ میں اور ملک شام میں آکر ٹھہرے موت تک اُن کے اولاد نہ ہوئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کو بشارت دی کہ تیری اولاد کو بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام اُن کو

دوں گا اور نور نبوت اور دین اور کتاب اور سلطنت اُن میں رکھوں گا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں وہ وعدہ پورا کیا بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا اور اس کو غرق کیا اور اُن سے فرمایا کہ تم عمالقہ سے جہاد کر کے اُن سے ملک شام چھین لو پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ شخص بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار مقرر کیے تھے، اُن کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لادیں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے اُن کی قوت اور طاقت بھی بیان کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے یہ کہا تھا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی تو بیان کرنا مگر دشمن کی قوت کا ذکر نہ کرنا اُن بارہ میں سے دو شخص تو اس حکم پر قائم رہے اور دس نے خلاف کیا قوم نے عمالقہ کی قوت اور طاقت کو سنا تو نامردی کرنے لگے اور چاہا کہ پھر اُلٹے مصر واپس چلے جائیں اس تقصیر کی وجہ سے چالیس برس فتح شام میں دیر لگی کہ اتنی مدت جنگلوں میں بھٹکتے اور حیران پھرتے رہے جب اس قرن کے لوگ مر چکے مگر وہ دو شخص کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہوئے اور ملک شام ان کے ہاتھ پر فتح ہوا اہل کتاب کو یہ قصہ سنایا کہ اگر تم پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نہ کرو گے تو یہ نعمت اوروں کے نصیب ہوگی اور آگے چل کر اسی پر قصہ سنایا ہابیل و قابیل کا کہ حسد مت کرو حسد والا مردود ہے۔ (کذا فی موضح القرآن بایضاح یسیر)

چنانچہ فرماتے ہیں: اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے کہا اے میری قوم یاد کرو تم اللہ کے انعام اور احسان کو جو تم پر ہوا ہے جب کہ پیدا کیے تم میں اللہ نے بادشاہ یعنی تم کو بادشاہت دی اور حشم و خدم والا کر دیا نبوت سے بڑھ کر کوئی دینی نعمت نہیں اور بادشاہت سے بڑھ کر کوئی دنیوی نعمت نہیں موسیٰ علیہ السلام سے پیشتر بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں تھے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کی غلامی سے نجات ملی اور خدا نے اُن کے تمام ملک اور املاک کا تم کو مالک کر دیا اور علاوہ ازیں تم کو وہ کچھ دیا کہ جو جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا یعنی تمہارے لیے سمندر کو پھاڑا اور تمہارے سامنے دشمنوں کو غرق کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا اور تم پر بادل کا سایہ کیا اور تمہارے لیے پانی جاری کیا یہ خدا تعالیٰ کے تم پر ایسے احسان ہیں جو خدا نے تمہارے سوا کسی پر نہیں کیے۔ لہٰذا اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تم اس کی نعمتوں کا شکر کرو۔ یعنی اس کی اطاعت سے ذرّہ برابر انحراف نہ کرو تا کہ تم پر اور مزید نعمتیں مبذول ہوں۔ اے قوم! اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے یعنی ملک شام میں جا کر جہاد کرو جہاں کی زمین پاک اور مبارک ہے شام کی زمین کو پاک اور مبارک اس لیے کہا کہ سرزمین شام صدیوں سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا مولد اور مسکن رہی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے عمالقہ اس پر مسلّط ہو گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس قوم سے جہاد کا حکم دیا اور فتح کی بشارت دے دی اور فتح و ظفر کا وعدہ فرمایا اور بزدلی سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اپنی پشت کی سمت پر نہ لوٹنا ورنہ پھر تم خسارہ میں جا پڑو گے یعنی جہاد میں منہ نہ موڑنا اور نہ دشمن کے مقابلہ سے ہٹنا اگر ایسا کرو گے تو علاوہ اس کے کہ تم خدا کے نافرمان اور کافر نعمت ٹھہرو گے الٹے خسارہ میں پڑ جاؤ گے۔ اس لیے کہ جو ملک خدا نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے وہ فی الحال تمہارے ہاتھ نہ آئے گا انہوں نے کہا اے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں یعنی ہم میں اُن سے لڑنے کی طاقت نہیں جبار کھجور کے لمبے درخت کو کہتے ہیں چونکہ عمالقہ بڑے طویل القامت تھے اور قوم عاد سے تھے اس لیے اُن کو قوم جبارین کہا اور ہم تو ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ خود اس سے باہر نکل جائیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے وہ زمین ہمارے لیے لکھ دی ہے تو اُن کے دل میں ایسا رعب ڈال دے کہ وہ بلا مقابلہ خود ہی اس زمین سے نکل جائیں پھر وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو بے شک ہم داخل ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُن

بارہ شخصوں میں سے اُن دو شخصوں نے جو خدا تُرس بندوں میں سے تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ نے خاص انعام کیا تھا۔ بنی اسرائیل کو نصیحت کی اور یہ کہا کہ ہمت نہ ہارو ہمت کر کے اُس شہر کے دروازہ تک تو پہنچ جاؤ پھر جب تم اُن پر گھس جاؤ گے تو بلاشبہ تم ہی غالب رہو گے اور خدا پر بھروسہ کرو اگر تم کچھ یقین رکھتے ہو جب اللہ نے تم سے فتح و نصرت کا وعدہ فرما لیا ہے تو تم کو اس کے وعدہ پر یقین رکھنا چاہیے یہ دو شخص یوشع اور کالب تھے ان بارہ سرداروں میں سے یہی دو شخص اپنی عہد پر قائم رہے تھے باقی سب نے عہد شکنی کر دی تھی ان دونوں نے بنی اسرائیل کو نصیحت کی بنی اسرائیل نے ان کو تو کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر یہ بولے اے موسیٰ ہم تو ساری عمر بھی اس زمین میں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ جبارین وہاں موجود رہیں گے سو تو اور تیرا پروردگار مل کر وہاں چلے جاؤ اور تم دونوں اُن سے لڑلو تحقیق ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یہ اُن بزدل متکبرین کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ استہزاء اور تمسخر تھا۔ ان بزدلوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر خدا کو ہماری مدد کرنی ہے تو ویسے ہی کر دے ہمیں پریشانی اور جہاد کی مشقت میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے اس بے ہودہ جواب سے دلگیر ہو کر یہ دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار! میرا سوائے اپنی جان کے اور اپنے بھائی کے کسی پر زور اور اختیار نہیں کہ اُن کو تیری فرمانبرداری پر مجبور کر سکوں اس لیے فرمایا کہ حضرت یوشع اور کالب سے اگرچہ کوئی نافرمانی ظہور میں نہیں آئی لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی طرح معصوم نہ تھے جن کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر وثوق اور اعتماد کا اظہار فرماتے غیر معصوم سے گناہ کا صدور ممکن ہے مگر چونکہ حضرت یوشع اور کالب متقی اور پرہیزگار تھے اس لیے تبعاً وہ اس میں شامل ہو گئے پس ہمارے اور بدکار لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دے جدائی کے دو معنی ہیں ایک حسّی اور ظاہری طور پر الگ ہو جانا دوسرے یہ کہ معنی ایک دوسرے سے جدا ہو جانا سو ظاہری اور حسّی طور پر تو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بنی اسرائیل سے جدا نہ ہوئے لیکن معنیً جدائی ہو گئی کہ وہ سب عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے اور چالیس سال تک اسی وادی میں ٹکریں مارتے رہے۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اُسی پیغمبرانہ شان سے نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ان کے ساتھ رہتے رہے جیسے ملائکۃ العذاب دوزخیوں کے ساتھ رہتے ہیں مگر ملائکۃ العذاب کو عذاب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ظاہراً اُن کے ساتھ ہیں مگر معنیً اُن سے جدا ہیں۔ وادی تیہ لوگوں کے لیے عذاب تھی مگر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا اُن کے ساتھ ہونا یہ ان پر اللہ کی رحمت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول کی اور کہا پس تحقیق وہ زمین چالیس برس تک ان پر حرام کی گئی چالیس سال تک اُس زمین میں داخل نہ ہوں گے اور نہ اس کے مالک ہوں گے چالیس سال تک وہ اس زمین میں بھٹکتے پھریں گے یعنی ہر روز چلتے رہیں گے مگر اُس جنگل سے باہر نہ ہونے پائیں گے۔ پس اے موسیٰ علیہ السلام! تم ان بدکاروں کے حال پر کچھ افسوس اور غم نہ کرنا یہ اسی کے مستحق ہیں غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور یہ لوگ چالیس برس تک ٹکریں مارتے رہے اور نکلنا نصیب نہ ہوا حتیٰ کہ اسی جنگل میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے وفات پائی۔ اُن کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام نبی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس ملک پر قبضہ دیا چالیس برس گزرنے کے بعد یوشع علیہ السلام نبی بنائے گئے اور اُن کو جبارین سے لڑنے کا حکم ہوا۔ پس جو لوگ بچے تھے اُن کو لے کر چلے اور جبارین سے لڑے اور یہ جمعہ کا دن تھا اور سورج ان کے واسطے ایک ساعت کے لیے ٹھہرا دیا گیا یہاں تک کہ وہ لڑائی سے فارغ ہوئے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ (رواہ احمد)

سورج مامور بامر الٰہی ہے اور مسخر اور مقہور بحکم خداوندی ہے اس کے حکم سے تھوڑی دیر کے لیے اس کے ایک نبی کے لیے ٹھہر

گیا جس طرح ابر و ہوا کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے حکم سے ہے اسی طرح سورج کا چلنا اور ٹھہر جانا بھی اللہ کے حکم سے ہے سب اس کے حکم کے سامنے مقہور اور مجبور ہیں۔

نکتہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنی اسرائیل کی طرح جہاد میں بزدلی نہیں دکھلائی بلکہ جان و مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کیا اور دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے ہر طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا جس کا ثمرہ یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روئے زمین کی خلافت اور حکومت کا وعدہ کیا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ﴾ (النور: ۵۵) اور چند ہی روز میں مصر و شام اور عراق سب فتح ہو گئے اور قیصر و کسریٰ کا خاتمہ ہو گیا اور مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے خزانہ میں خلافت عثمانی کے زمانہ میں پہنچ گیا۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ

اور سنا ان کو احوال تحقیق آدم کے دو بیٹوں کا جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز پھر قبول ہوئی

اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا

ایک سے اور نہ قبول ہوئی دوسرے سے کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا وہ بولا کہ

يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ

اللہ قبول کرتا ہے سو ادب والوں سے اگر تو ہاتھ چلاوے گا مجھ پر مارنے کو

مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو صاحب ہے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

سب جہان کا میں چاہتا ہوں کہ تو حاصل کرے میرا گناہ اور اپنا گناہ پھر ہو

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ

دوزخ والوں میں اور یہی ہے سزا بے انصافوں کی پھر اس کو راضی کیا اس کے نفس نے

قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا

خون پر اپنے بھائی کے پھر اس کو مار ڈالا تو ہو گیا زیاں والوں میں پھر بھیجا اللہ نے ایک کوّا

يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۚ قَالَ

کریدتا زمین کو کہ اس کو دکھاوے کس طرح چھپاتا ہے عیب اپنے بھائی کا بولا

يَا وَيْلَتَىٰ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ

اے خرابی کہ مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ ہوں برابر اس کوے کے کہ میں چھپاؤں عیب

أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٣١﴾

اپنے بھائی کا پھر لگا پچھتانے۔

قصہ ہابیل وقابیل

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ... الی ... فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٣١﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل کتاب کے اس فخر اور دعوے ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ کا رد فرمایا اب آگے ہابیل وقابیل کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ دونوں آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے مگر جس نے اطاعت کی وہ مقبول ہوا اور جس نے نافرمانی کی وہ مردود ہوا اور آدم کا بیٹا ہونا کچھ کام نہ آیا معلوم ہوا کہ اہل کتاب کا یہ گھمنڈ کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں بالکل غلط ہے۔

ع بندگی باید پیمبر زادگی درکار نیست

نیز اس قصہ سے بنی اسرائیل کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ حسد کا انجام کیسا برا ہوتا ہے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ نبی اُمّی فداہ نفسی وأبی واُمی کے فضل وکمال پر حسد نہ کرو بلکہ اس پر نظر کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل اُمی ہیں کسی تاریخ کی کتاب کو پڑھ بھی نہیں سکتے مگر تمہارے سامنے توریت اور انجیل کے مخفی علوم اور بنی اسرائیل کے گزشتہ واقعات کو اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ تمہارے علماء اور فضلاء کو مجال انکار کی نہیں آخر یہ تو سوچو کہ یہ باتیں آپ کو سوائے خدا کے کس نے بتائیں۔

خلاصہ قصہ کا یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت حواء کے بطن سے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور حکم یہ تھا کہ ایک حمل کے لڑکے کو دوسرے حمل کی لڑکی سے بیاہ دیں جڑواں بہن سے بھائی کا نکاح حلال نہ تھا سب سے پہلے حمل میں قابیل اور اس کی بہن اقلیماء پیدا ہوئے اور دوسرے حمل میں ہابیل اور اس کی بہن البودا پیدا ہوئے اور قابیل کی بہن اقلیماء بہت خوبصورت تھی اسی دستور کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل کی بہن کا قابیل کے ساتھ اور قابیل کی بہن کا ہابیل کے ساتھ نکاح کرنا چاہا مگر قابیل راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں اپنی بہن سے خود نکاح کروں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا وہ تیرے لیے حلال نہیں مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا حضرت آدم علیہ السلام نے حجت قطع کرنے کے لیے یہ فیصلہ فرمایا کہ تم دونوں اللہ کے نام کی نیاز اور قربانی کرو جس کی نیاز خدا تعالیٰ قبول فرمائے گا اسی کے ساتھ اقلیماء کی شادی کردوں گا۔ سو دونوں نے قربانی کی ہابیل نے جو مویشی اور بکریوں والا تھا ایک عمدہ اور فربہ دُنبہ

قربانی کیا اور پہاڑ پر لیجا کر رکھ دیا اور قابیل جو کھیتی والا تھا تھوڑا سا ردّی غلہ لا کر رکھ دیا اس زمانہ میں قبول اور عدم قبول کی نشانی یہ تھی کہ جو نیاز قبول ہوتی اس کو آسمان سے ایک آگ آ کر جلا جاتی اور جو نہ مقبول ہوتی اس کے لیے آسمان سے آگ نہ آتی جب ہابیل اور قابیل نے اپنی اپنی نیاز قربان گاہ پر لا کر رکھ دی تو آسمان سے ایک آگ آئی تو ہابیل کی نیاز کو جلا گئی اور قابیل کی نیاز کو ویسے ہی چھوڑ گئی۔ غرض یہ کہ ہابیل کی نیاز قبول ہوئی اور قابیل کی نیاز قبول نہ ہوئی تو قابیل کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اپنے بھائی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی لاش کو کس طرح چھپاؤں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی خبر نہ ہو آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا کہ اُس نے ایک مردے کوّے کے لیے زمین کریدی اور اس مردہ کوّے کو اس میں دفن کر دیا قابیل یہ دیکھ کر حیران اور پشیمان ہوا کہ افسوس مجھ میں کوّے کے برابر بھی عقل نہیں کہ زمین کھود کر اس کو گاڑ دیتا چنانچہ فرماتے ہیں:

(اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اُن کے سامنے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا صحیح صحیح واقعہ پڑھ کر سنا دیجیے جبکہ ان دونوں نے اللہ کے لیے کچھ نیاز کی پس ایک (یعنی ہابیل) کی طرف سے تو نیاز قبول ہو گئی اور دوسرے یعنی قابیل کی طرف سے قبول نہ ہوئی تو قابیل کو غصہ آیا اور یہ کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا۔ ہابیل نے کہا: اس میں میرا قصور کیا ہے؟ جز ایں نیست اللہ تعالیٰ ادب والوں ہی کی نیاز قبول کرتا ہے تو نے تقویٰ اور ادب کو چھوڑ دیا اس لیے تیری نیاز قبول نہیں ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے اگر تو نے میرے قتل کے ارادہ سے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں وہ نہیں ہوں کہ اپنے دفعیہ ہی کے لیے تیرے قتل کی طرف اپنے ہاتھ کو بڑھاؤں اگرچہ اپنی جان بچانے کے لیے دفعیہ جائز ہے لیکن بھائی کے مقابلہ میں صبر کرنا ہی افضل اور اکمل ہے کافر سے اگر مقابلہ ہو تو ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا ہرگز جائز نہیں اور اگر مسلمان بھائی سے مقابلہ ہو تو مدافعت درجۂ رخصت میں ہے اور صبر کرنا عزیمت اور موجب صد فضیلت ہے بے شک میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں یہ ہاتھ نہ پھیلانے کی علت بیان کی مطلب یہ ہے کہ قتل بہت بُری چیز ہے اور خدا کو سخت ناپسند ہے اگر میں نے اپنے سے حملہ دفع کرنے کے لیے اپنے آپ کو معذور سمجھ کر تجھ کو قتل کر دیا تو پھر بھی مجھ کو خدا سے ڈر ہے کہ کہیں مجھ سے مؤاخذہ نہ کریں کہ تم نے قتل میں عجلت سے کام لیا اور محض دھمکی پر کیوں قتل کر ڈالا قابیل نے تو ابھی صرف دھمکی ہی دی تھی قتل کا ارتکاب تو نہیں کیا تھا اور عجب نہیں کہ ہابیل کو یہ بھی ڈر ہو کہ ابھی تک روئے زمین پر کوئی قتل واقع نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کی کوشش یہ تھی کہ باہمی قتل کی سنت میرے ہاتھ سے جاری نہ ہو اور اس وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو باغیوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کی اجازت نہیں دیتے تھے حالانکہ وہ قطعاً مظلوم اور بے گناہ تھے لیکن اُن کی تمنا یہ تھی کہ مسلمانوں میں باہمی کشت وخون کی سنّت کا آغاز میرے ہاتھ سے نہ ہو اس خوف اور ڈر کی وجہ سے عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فتنہ پردازوں کے مقابلہ کی اجازت نہ دی اور صبر اور شہادت کو ترجیح دی۔ چنانچہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُمت محمدیہ میں سب سے پہلا شخص جس نے اس آیت پر عمل کر کے دکھلایا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ (رواہ ابن ابی حاتم۔ تفسیر ابن کثیر)

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آنے والے فتنہ کی خبر دے دی تھی اور یہ وصیت فرمادی تھی کہ تو اس وقت آدم علیہ السلام کے بیٹے کے مانند ہو جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی ﴿لَئِنۢ بَسَطتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ﴾ اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت بھی کی تھی کہ اللہ تجھ کو ایک خلعت (خلافت) پہنائے گا تو لوگوں کے کہنے سے مت اتارنا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتنہ اور نرغہ کے وقت خلافت سے دستبردار نہ ہوئے اور باغیوں سے قتال بھی نہ کیا اور صبر

کے ساتھ اللہ کا کلام پڑھتے جان دے دی اور صبر وتحمل میں ہابیل کا نمونہ بنے۔

غرض یہ کہ ہابیل نے مدافعت سے بھی انکار کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ میں تجھ سے ڈر کر نہیں بلکہ خدا سے ڈر کر یہ چاہتا ہوں کہ بھائی کے خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگو اور یہ کہا کہ تحقیق میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا بھی گناہ اور اپنا بھی گناہ اٹھائے پھر تو دوزخیوں میں سے ہو جائے مطلب ❶ یہ ہے کہ اگر تو میرے قتل سے باز نہ آیا تو قیامت کے دن تیری گردن پر تیرے گناہ کا بھی بوجھ ہوگا اور میرے گناہوں کا بھی بوجھ تجھ پر ڈالا جائے گا۔ اس لیے قیامت کے دن مقتول مظلوم کی برائیاں قاتل پر ڈالی جائیں گی اس طرح دونوں کا بوجھ تجھ ہی کو اٹھانا پڑے گا اس لیے کہ خدا کے یہاں قاتل کی سزا یہ مقرر ہے کہ اس کے ذمے اس کا گناہ بھی لکھا جائے اور اس کے مقتول کا بھی اور اس کو دوھری سزا دی جائے یہ مجاہد کا قول ہے۔

یا یہ ❷ مطلب ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ میرے قتل اور خون ناحق کا گناہ بھی تو ہی سمیٹے۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود اور حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۳۰۴ ج ۳)

اور امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ نے بھی اس قول کو اختیار فرمایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جلالین میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور ظالموں کی یہی سزا ہے غرض یہ کہ ہابیل نے محبانہ اور برادرانہ اور مخلصانہ نصیحت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر قابیل پر بھائی کی حکمت وموعظت کو کوئی اثر نہ ہوا پس قابیل کے نفس نے اس کو اپنے بھائی ہابیل کے قتل کے لیے راضی کر لیا۔ چنانچہ اس نے اُس کو قتل کر ڈالا پس نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا یعنی اس قتل سے اس کو دین اور دنیا کا خسارہ ہوا دُنیا کا خسارہ تو یہ ہوا کہ والدین ناراض ہوئے اور وہ بغیر بھائی کے رہ گیا اور دُنیا میں قیامت تک بدنام ہوا اور آخرت کا یہ خسارہ ہوا کہ اس ظلم اور تعدی اور قطع رحمی کی وجہ سے خدا اس سے ناراض ہوا اور قطع رحمی کا بانی ہونے کی وجہ سے سزا کا مستحق ہوا اور ایک خسارہ یہ ہوا جو حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں کوئی نفس ظلماً نہیں قتل کیا جاتا مگر آدم علیہ السلام کے پسرِ اوّل پر اس کے خون کا ایک حصّہ ہوتا ہے کیونکہ سب سے پہلے ظلماً قتل کا طریقہ اسی نے نکالا۔

چونکہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس لیے قتل کے بعد اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ لاش کو کیا کرے جس سے یہ راز پوشیدہ رہے۔ پس اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا کہ جو زمین کرید رہا تھا کہ زمین کھود کر اس میں ایک مرے ہوئے کوّے کو دھکیل کر اس پر مٹی ڈال رہا تھا تا کہ اللہ تعالیٰ اس کوّے کے ذریعہ سے قابیل کو یہ دکھلاوے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ اہل اخبار کا بیان ہے کہ

---

❶ قال الامام البغوی و روی ابن ابی نجیح عن مجاهد قال معناه انی ارید ان یکون علیك خطیئتی التی عملتها اذا قتلتنی واثمك فتبؤ بخطیئتی ودمی جمیعا انتهی یعنی اذقتلتنی ترجع حاملا خطایای لظلمك علیّ وقال القرطبی ای یوخذ من سیئاتی فطرح علیك بسبب ظلمك لی و تبؤ باثمك فی قتلك وهذا یعضده قوله علیه الصلاة والسلام یؤتی یوم القیامة بالظالم والمظلوم فیوخذ من حسنات الظالم فتزاد فی حسنات المظلوم حتی ینتصف فان لم تکن له حسنات اخذ من سیئات المظلوم فتطرح علیه اخرجه مسلم بمعناه۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۷ ج ۶)

❷ قال ابن عباس وابن مسعود والحسن وقتادة رضی الله عنهم معناه تحمل اثم قتلی واثمك الذی کان منك قبل قتلی و هذا بحذف المضاف۔ (تفسیر کبیر ص ۳۰۴ ج ۳)

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو عرصہ تک اس کے لاشہ کو پشت پر لادے پھرا کیونکہ یہ سب سے پہلی موت تھی جو روئے زمین پر واقع ہوئی اور اس وقت تک میت کے چھپانے کا کوئی طریقہ معلوم نہ تھا آخر اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے جو آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا پھر قاتل کوّے نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر اس میں ایک گڑھا بنایا اور مقتول کوّے کو اس میں ڈال کر مٹی سے چھپایا۔ قابیل نے یہ تمام کیفیت دیکھی اور اس کوّے سے دفن کا طریقہ سیکھا اور اپنی حالت پر سخت ندامت ہوئی شرمندہ ہو کر کہنے لگا ہائے میری شامت مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ میں اس کوّے ہی جیسا ہو جاتا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا۔ پس وہ پشیمانوں میں سے ہو گیا کہ ہائے کوّے کی برابر بھی مجھے عقل نہ آئی۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ یہ ندامت اور پشیمانی توبہ کی ندامت نہ تھی جو ندامت خدا کے خوف سے ہو وہ توبہ ہے اور جو ندامت اور پریشانی دنیا کی ذلت کے ڈر سے ہو وہ ایک امر طبعی ہے وہ شرعی توبہ نہیں۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا

اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی مار ڈالے ایک جان

بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

سوائے بدلے جان کے یا فساد کرنے ملک میں تو گویا مار ڈالا سب لوگوں کو

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ

اور جس نے جلایا ایک جان کو تو گویا جلایا سب لوگوں کو اور لا چکے ہیں اُن پاس

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ

رسول ہمارے صاف حکم پھر بہت لوگ ان میں اس پر بھی ملک میں

لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

دست درازی کرتے ہیں۔

تمہید مشروعیت حدود و تعزیرات بنا بر ظہور ایں چنیں جنایات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الٰی ... لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں ایک ناحق قتل کا واقعہ بیان فرمایا۔ اب ارشاد فرماتے ہیں کہ اسی قسم کی خرابیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے حدود و تعزیرات کو مشروع فرمایا کہ فساد کا انسداد ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اسی واقعہ کی وجہ سے یعنی انہی خرابیوں کی وجہ سے کہ جو بے گناہ

کے قتل میں پیش آتی ہیں کہ قاتل کو دنیا میں ندامت اور فضیحت اور آخرت میں عقوبت ہم نے بنی اسرائیل پر خصوصاً اور تمام بنی آدم پر عموماً یہ حکم لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بلاعوض اور بلا بدلہ کے یا زمین میں بغیر فساد کے قتل کر ڈالے فساد کی بہت سے صورتیں ہیں مثلاً رہزنی کرے یا نکاح کے بعد زنا کرے یا مرتد ہو جائے یا دوسروں کو مرتد ہونے کی ترغیب دے یا خدا اور رسول اور احکام شریعت کا مذاق اڑائے اور بغیر نفس سے مراد یہ ہے کہ بغیر قصاص لازم ہوئے کسی کو ناحق قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کیا کیونکہ اُس نے قتل کا دروازہ کھول دیا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے یہ بھی لکھ دیا کہ جو شخص ایک آدمی کی زندگانی کا سبب بنا یعنی کسی مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے چھڑایا کسی زندہ نفس کے قتل سے باز رہا تو گویا اُس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا چونکہ قابیل کے ہابیل کو قتل کرنے کی وجہ سے لوگوں میں قتل کا رواج ہو گیا اس لیے اُس کی روک تھام کے لیے بنی اسرائیل کو توریت میں یہ حکم دیا کہ ایک شخص کے قتل کا گناہ اتنا بڑا ہے جتنا سب لوگوں کے قتل کرنے کا اور جس نے ایک جان کو زندہ کیا۔ یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے اس کو بچایا تو اس کا ثواب اتنا ہے جتنا سارے جہان کے زندہ کرنے کا اس لیے کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا اُسنے بدامنی اور خون ناحق کا دروازہ کھولا اور جس نے کسی کی جان بچائی اُس نے عمل سے امن اور حیات کا دروازہ کھولا اور زندہ کرنے سے مراد اُس کو ہلاکت سے بچانا ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ قتل اور خون ریزی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم یاد دلایا کہ توریت میں تو یہ حکم لکھا ہوا ہے اور تم قتل اور خون ریزی سے بالکل نہیں ڈرتے خدا کے ہزاروں نبیوں کو پہلے قتل کر چکے ہو اور اب خدا کے رسول محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے قتل کی فکر میں ہو اور البتہ تحقیق ہمارے پیغمبر اُن کے پاس صاف صاف احکام لے کر آ چکے ہیں پھر بھی تحقیق بہت سے لوگ زمین میں حد سے نکلے جا رہے ہیں یعنی ظلم اور تعدی اور فتنہ اور فساد سے باز نہیں آتے یعنی باوجودیکہ قتل کے احکام اس سختی سے انہیں سنائے گئے مگر اُن کی شرارت میں ذرا بھی کمی نہ ہوئی وہی ظلم و تعدی ان کی بدستور رہی۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ
یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں
فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ
فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کریئے یا سولی چڑھایئے یا کاٹیے ان کے ہاتھ اور پاؤں
خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ
مقابل کا یا دور کریئے اس ملک سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کو
فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ
آخرت میں بڑی مار ہے مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے ہاتھ پڑنے سے پہلے

تَقۡدِرُوۡا عَلَیۡهِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۴﴾ ع

تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم دوازدہم۔ حدِ قطع طریق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ... الٰی... فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۴﴾﴾

ربط: گذشتہ آیت میں فساد فی الارض اور قتل ناحق کی شناعت بیان فرمائی چونکہ فساد کی ایک صورت قطع طریق یعنی رہزنی اور ڈکیتی بھی ہے اس لیے اب اس آیت میں فساد کے انسداد کے لیے اوّل قطاع طریق (رہزنوں) کی شرعی سزا کو بیان فرماتے ہیں اور اس کے بعد کی آیت میں سارق (چور) کی سزا کو بیان کرتے ہیں جو اسی حکم سابق کا تتمہ اور تکملہ ہے کیونکہ چوری بھی ایک قسم کا فساد ہے جزایں نیست کہ سزا ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں یعنی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کی علانیہ مخالفت کرتے ہیں اور زمین میں بارادۂ فساد دوڑتے پھرتے ہیں یعنی قتل اور قطع طریق (رہزنی) کرتے پھرتے ہیں ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور مخالف جانب کے پاؤں کاٹے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پیر یا جلاوطن کر دیئے جائیں جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ آیت رہزنوں اور ڈاکوؤں کے متعلق ہے خواہ مسلمان ہوں یا کافر اور ﴿اَلَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ﴾ میں محاربہ سے رہزنی مراد ہے اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارہ میں نازل ہوئی اور آیت میں محاربہ سے ارتداد مراد ہے۔

اور ﴿اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ﴾ میں جو لفظ ﴿اَوۡ﴾ وارد ہوا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت کے نزدیک تخییر کی لیے ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ ان چار سزاؤں میں سے بلحاظ نوعیتِ جرم جونسی سزا مناسب سمجھے دے اور جمہور علماء کے نزدیک اَوۡ تنویع اور تقسیم کے لیے ہے یعنی مختلف حالات میں اختلافِ احکام کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ سزائیں جرائم پر منقسم ہیں جس نوع کے جرم کا ارتکاب کیا ہے اسی نوع کی سزا ہوگی مثلاً اگر کسی نے صرف کسی کو قتل کیا ہے تو اس کی سزا صرف قتل ہوگی اور اگر قتل کے ساتھ مال بھی لوٹا ہے تو وہ قتل بھی کیا جائے گا اور سولی بھی دیا جائے گا۔ یعنی قتل کر کے عبرت کے لیے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے گا اور اگر صرف مال لوٹا ہے تو صرف ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ کر چھوڑ دیا جائے گا اور اگر صرف راہ رووں کو ڈرایا اور دھمکایا ہے تو اس کو جلاوطن کر دیا جائے گا جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یا قید میں ڈال دیا جائے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ﴿یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ﴾ سے جلاوطنی مراد ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ﴿یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ﴾ سے قید اور حبس مراد ہے کیونکہ ان لوگوں کو اگر مسلمانوں کے کسی دوسرے شہر کی طرف بھیج دیا گیا تو وہاں کے مسلمانوں کو ایذاء پہنچائیں گے اور اگر کفار کے ملک میں بھیجا جائے تو مرتد ہونے کا اندیشہ ہے یہ حدیں اور سزائیں ان کے لیے دُنیا میں ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب ہے مگر جو لوگ تمہارے پکڑنے اور گرفتار کرنے سے پہلے ہی اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف کرنے والا ہے اور مہربان ہے۔ باقی حقوقِ عباد بغیر بندوں

کے معاف کرنے کے ساقط نہیں ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں تو حد جو کہ اللہ کا حق ہے وہ معاف ہوجائے گا اور حد اُن سے ساقط ہوجائے گی۔ البتہ حق العبد باقی رہے گا پس اگر مال لیا ہے تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر کسی کی جان لی ہے تو قصاص لازم ہوگا مگر اس ضمان اور قصاص معاف کرنے کا حق صاحبِ مال اور ولی مقتول کو حاصل ہوگا اور ولی مقتول اگر اس کو قتل کرے تو وہ قتل بطورِ قصاص کے ہوگا نہ کہ بطورِ حد، خوب سمجھ لو۔

تنبیہ : اس حد کے سوا اور باقی حدود مثلاً حد زنا اور حد خمر اور حد سرقہ اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ (کذا فی البنایہ)

امام ابوبکر رازی اور امام فخر الدین رازی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قُطّاع طریق یعنی رہزنوں کے بارہ میں نازل ہوئی خواہ وہ فاسق و فاجر مسلمان ہوں یا کافر اور بعض علماء (جیسے امام بخاری رحمہ اللہ) اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت مرتدین کے بارہ میں نازل ہوئی مگر یہ قول شاذ ہے اور پہلا ہی قول صحیح ہے۔ اس لیے کہ قتل مرتد ہر حال میں واجب ہے محاربہ اور اظہارِ فساد پر موقوف ہیں۔ دوم یہ کہ مرتد کا قتل ہی واجب ہے مرتد کا فقط ہاتھ کاٹ دینا یا اُس کو جلاوطن کر دینا کافی نہیں۔ سوم یہ کہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حد اس وقت ساقط ہوجاتی ہے جب کہ مجرم گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلے اور اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو حد ساقط نہ ہوگی۔ سو یہ حکم قاطع طریق یعنی رہزن کا تو ہے مگر مرتد کا یہ حکم نہیں اس لیے کہ مرتد کی حد ہر حال میں توبہ سے ساقط ہوجاتی ہے مرتد چاہے گرفتاری سے قبل توبہ کرے یا بعد گرفتاری کے اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

چہارم یہ کہ مرتد کا حکم قتل ہے نہ کہ صلب (سولی)۔ پنجم یہ کہ آیت کے الفاظ عام ہیں جو ارتداد اور رہزنی اور ناحق قتل سب کو شامل ہیں غایت مافی الباب اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت مرتدین کے بارہ میں نازل ہوئی تو اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا نہ کہ خصوص مورد کا۔ (تفسیر کبیر ص ۴۰۷ ج ۳، احکام القرآن للجصاص ص ۴۰۷ ج ۲)

✻

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور لڑائی کرو

فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا

اس کی راہ میں شاید تمہارا بھلا ہو جو کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جتنا کچھ

فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ

زمین میں ہے سارا اور اس کے ساتھ تنا اور چھڑوائی میں دیں اپنی

الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۳۶ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

قیامت کے عذاب سے وہ ان سے قبول نہ ہو اور ان کو دکھ کی مار ہے چاہیں گے کہ

يَخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

نکل جاویں آگ سے اور وہ نکلنے والے نہیں اور ان کو عذاب دائم ہے۔

خطاب باہل ایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ... الٰی ... وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ ﴾

ربط: اب ان آیات میں اہل ایمان سے خطاب ہے کہ تم بنی اسرائیل کی طرح شرارت نہ کرنا تم کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچو اور اعمال صالحہ کو تقرب الٰہی کا ذریعہ اور وسیلہ بناؤ بنی اسرائیل کی طرح شرافت نسبی اور پیغمبرزادگی پر فخر نہ کرو اور خدا کی راہ میں دل کھول کر جہاد کرو بنی اسرائیل کی طرح بزدلی نہ دکھاؤ اور اس کے بعد آخرت میں کافروں کی جو بُری حالت ہوگی وہ بیان کی تاکہ مسلمانوں کو عبرت ہو اور وہ اُن جیسے افعال نہ اختیار کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو اس لیے کہ خدا کی نافرمانی اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ ہے اور زمین میں فساد ہے اور خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈو یعنی خدا تعالیٰ کے امر و نہی کو بجالاؤ تاکہ تمہیں خدا کا قرب حاصل ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم خدا کی راہ میں ظاہری اور باطنی دشمنوں سے جہاد کرو اور حدیث میں ہے کہ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے اور جہاد ظاہری و باطنی قرب خداوندی کا بہترین وسیلہ اور ذریعہ ہے اُمید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے تقویٰ اور جہاد سے فلاح حاصل ہوتی ہے آخرت میں مال کام نہ دے گا تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اگر بالفرض والتقدیر اُن کے پاس روئے زمین کا تمام مال و متاع اور اس کے تمام خزینے اور دفینے موجود ہوں اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تاکہ یہ سب دے کر اُس کے عوض روزِ قیامت کے عذاب سے نجات حاصل کر سکیں تو وہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا یعنی اگر بالفرض کافر کے پاس دو دُنیا کے برابر مال و متاع اور نقد اور جنس ہو اور اس سب کو اپنے فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹنا چاہے تو اس قدر فدیہ بھی قبول نہ کیا جائے گا اور اب دنیا میں تھوڑی سی بات بھی قبول ہے یعنی صرف لا إلہ الا اللہ کہنے سے عذاب آخرت سے چھوٹ سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں کافر کی نجات کی کوئی سبیل نہیں صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس دوزخی سے جس کو سب سے کم عذاب ہوگا پوچھے گا کہ اگر تیرے پاس ساری دُنیا ہو تو کیا تو اس کو اپنے فدیہ میں دے دے گا؟ تو وہ کہے گا ہاں خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان چیز طلب کی تھی کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں تجھ کو دوزخ میں داخل نہیں کروں گا بلکہ جنت میں داخل کروں گا لیکن تو نے اس آسان کو بھی قبول نہ کیا۔ لہٰذا آج تجھ سے یہ فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور یہ کفار ناہنجار اس روز فلاح کا تصور بھی نہیں کر سکتے ان کی انتہائی تمنا اور آرزو یہ ہوگی کہ دوزخ کی آگ سے باہر نکل جائیں مگر ان کی یہ تمنا بھی پوری نہ ہو سکے گی اور یہ لوگ کسی صورت بھی اس سے نکل نہ سکیں گے اور اِن کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا عذاب مقیم سے دائم اور مستمر مراد ہے کہ جس سے نہ نکلنا ہوگا اور نہ چھوٹنا کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا .... الخ﴾ (السجدہ: ۲۰) عذاب مقیم کے اصل معنی یہ ہیں کہ وہ عذاب ٹھہرا ہوا کہ نہ اپنی جگہ سے جنبش کرے اور نہ ہلے اور نہ ٹلے یعنی دائمی ہوگا۔

فائدہ ①: حسن بصری اور مجاہد اور قتادہ اور عطاء اور سدی اور ابن زید اور عبداللہ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے کہ آیت میں لفظ وسیلہ سے قرب کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اتصال تلاش کرو۔ (تفسیر قرطبی ص۱۵۹ ج۶)

اور وہ جو حدیث میں ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ ترین منزل ہے اس کو وسیلہ اسی بناء پر کہا گیا کہ وہ منزل مکانات جنت میں سے قریب تر بعرش ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے کہ وسیلہ کے معنی تقرب کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تقویٰ اور اعمال صالحہ کو قرب خداوندی کا ذریعہ بناؤ غرض یہ کہ اس آیت کو مسئلہ توسل بالصالحین سے کوئی تعلق نہیں گو وہ مسئلہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ (روح المعانی ص۱۱۱ ج۶)

فائدہ ②: اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ کافر کبھی عذاب سے نجات نہ پائیں گے اور اسی پر تمام اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے۔

فائدہ ③: اور ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ یہ ترکیب ما انا قلت کے باب سے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کافر تو عذاب دوزخ سے کبھی نہ نکلیں گے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کافروں کے علاوہ کوئی اور گروہ ایسا ہے کہ وہ بعد چندے دوزخ سے نکل جائے گا وہ گروہ گنہگار مسلمانوں کا ہے۔ جیسا کہ احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ عُصاۃ موحدین بالآخر نار سے نکالے جائیں گے۔

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا
اور جو کوئی چور ہو مرد ہو یا عورت تو کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ سزا ان کی کمائی کی
نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ
تنبیہ اللہ کی طرف سے اور اللہ زور آور ہے حکمت والا پھر جس نے توبہ کی اپنی تقصیر کے پیچھے
وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾
اور سنوار پکڑی تو اللہ اس کو معاف کرتا ہے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم سیزدہم۔ حد سرقہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ... الٰى... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾﴾

ربط: گذشتہ آیت میں قطع طریق کا بیان تھا جو سرقہ کبریٰ کہلاتا ہے۔ اب اس آیت میں سرقہ صغریٰ چوری کی سزا کا بیان ہے ڈاکو کھلم کھلا لوٹتے ہیں اور چور چھپ کر چوری کرتے ہیں پہلی آیت میں ڈاکہ کا بیان کیا اب اس آیت میں چوری کا حکم بیان کرتے ہیں اور جو مرد چوری کرے اور اسی طرح جو عورت چوری کرے تو کاٹ ڈالو ان کے داھنے ہاتھ گٹے پر سے بطور سزا کے اس کردار بد اور برے عمل کے عوض اور بدلہ میں خدا کی طرف سے عبرت اور تنبیہ کے لیے یعنی یہ سزا (قطع ید) جو چور کو دی جارہی ہے وہ مال مسروق کا عوض اور بدلہ نہیں بلکہ اس کے فعل سرقہ کی سزا ہے تاکہ اس سے دوسرے چوروں کو تنبیہ اور عبرت ہو جائے بلاشبہ جہاں کہیں یہ سزا جاری ہوئی اور چوروں کا

ایک دومرتبہ ہاتھ کاٹا گیا تو قطعاً چوری کا دروازہ بند ہوجاتا ہے اور جب سے یہ سزا موقوف ہوئی اور عدالتی کارروائی شروع ہوئی اس وقت سے چوری کا دروازہ خوب کھل گیا ہے اور اللہ بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے کہ چوری کرنے والا کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ اس عزیز حکیم کی مقرر کردہ سزا (قطع ید) سے نہیں نکل سکتا اُس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ امن عالم اور باشندگان ملک کے اموال و املاک کی حفاظت کی خاطر وہ ہاتھ ہی کاٹ دیا جائے کہ جو اس جرم عظیم کا مرتکب ہوا الغرض یہ تو چور کی دنیوی سزا ہے جو کسی طرح نہیں ٹل سکتی رہا یہ امر کہ آخرت کی عقوبت اور سزا ٹل سکتی ہے یا نہیں سو اس کا حکم یہ ہے کہ جس نے اپنے اس ظلم وستم کے بعد توبہ کرلی اور اپنی حالت درست کرلی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ بغیر توبہ کے آخرت کا گناہ معاف نہیں ہوتا اور سرقہ کی حد توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتی ورنہ چور چوری کرنے کے بعد توبہ کرلیا کریں گے اور سرقہ کی سزا سے رہا ہوجایا کریں گے توبہ سے اللہ کا حق معاف ہوجاتا ہے توبہ سے بندوں کے حق معاف نہیں ہوتے محض توبہ کرنے سے چور سزا سے نہیں بچ سکتا۔

لطائف ومعارف

① کتاب وسنت نے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے جو غایت درجہ عادلانہ اور حکیمانہ سزا ہے۔ اس عبرت ناک سزا کو دیکھ کر چور اور قزاق عبرت پکڑیں گے اور تمام ملک کے اموال اور املاک ظالموں کی دستبرد سے محفوظ ہوجائیں گے۔ آج کل کے مدعیانِ تہذیب اس قسم کی سزا کو وحشیانہ سزا کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ چوری بھی کوئی وحشیانہ حرکت ہے اگر کسی وحشیانہ حرکت کے انسداد کے لیے وحشیانہ سزا تجویز کردی جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ چوری اگر تہذیب کے مطابق ہوتی تب تو یہ کہنا بجا ہوتا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا خلافِ تہذیب ہے گویا کہ یہ تعلیم یافتہ طبقہ ان چوروں کا وکیل بنا ہوا ہے جن کے نزدیک چوری تو خلافِ تہذیب نہیں البتہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا یہ خلافِ تہذیب ہے۔

حکایت : ابوالعلاء معری شاعر نے حد سرقہ پر اعتراض کیا کہ جب شریعت نے ایک ہاتھ کی دیت پانسو دینار رکھی ہے تو اتنا قیمتی ہاتھ جس کے کاٹ ڈالنے پر پانچ سو دینار واجب ہوں وہ دس پانچ درم کی چوری میں کیسے کاٹا جاسکتا ہے۔ اور یہ شعر کہے ؎

یدبخمس مئین عسجد ودیت   مابالہا قطعت فی ربع دینار
تحکم مالنا الا السکوت لہ   وان نعوذ بمولانا من النار

قاضی عبدالوہاب مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں کیا خوب فرمایا۔

لَمَّا كَانَتْ اَمِيْنَةً كَانَتْ ثَمِيْنَةً وَ لَمَّا خَانَتْ هَانَتْ.

"جب تک وہ ہاتھ امین تھا تو بڑا قیمتی تھا اور جب اس نے خیانت کی تو ذلیل وخوار ہوگیا۔"

② یہ سزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں دی جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین سے لے کر خلفائے بنی العباس تک اسی قانون الٰہی پر عمل درآمد ہوتا رہا اور شاہانِ اسلام کے دورِ حکومت میں قضاۃ اور حُکّام یہ حد جاری کرتے رہے۔ کتبِ تاریخ اس پر شاہد عدل ہیں جب سے مغربی تہذیب کا دور دورہ شروع ہوا اور یہ شرعی سزا موقوف ہوئی اس

وقت سے چوری کا بازار گرم ہے بدمعاش لوگ جیل خانہ کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اور اس زمانہ میں تو عدالت کی کوئی وقعت نہیں رشوت اور سفارش سے بری ہو جاتے ہیں۔

③ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے مگر اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ کون سا ہاتھ کاٹا جائے اور کس جگہ سے کاٹا جائے لیکن احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے کہ داھنا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے۔

④ رہا یہ امر کہ کس قدر مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے سو اس بارہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ربع دینار کی چوری پر قطع ید لازم ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس درم کی چوری پر امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تین درم کی چوری پر۔ تفصیل کے لیے شروحِ ھدایہ اور شروحِ بخاری کو دیکھئے۔

⑤ شریعت نے چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا مگر زنا کی سزا میں زانی کی شرمگاہ کو قطع کرنے کا حکم نہیں دیا اس لیے کہ شرمگاہ کے قطع کرنے سے قطعِ نسل لازم آئے گا، اس لیے یہ امر مشروع نہ ہوا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ
تو نے معلوم نہیں کیا کہ اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی عذاب کرے جس کو
یَّشَآءُ وَ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴۰
چاہے اور بخشے جس کو چاہے اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔

اثبات ملکیت و مشیت وقدرت برائے باری تعالیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ ... الی ... وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴۰﴾

ربط: گذشتہ آیت میں مغفرت اور رحمت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں اپنی مالکیت اور کمال قدرت کو بیان فرماتے ہیں (اے مخاطب) کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے بخشے اور معاف کرے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے حکم دے اور جو چاہے سزا دے وہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے کوئی اس کے حکم کو رد نہیں کر سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! تو غم نہ کھا ان پر جو دوڑ کر گرتے ہیں منکر ہونے میں وہ جو

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ

کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور وہ جو یہودی ہیں

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ

جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کو اور جاسوس ہیں دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے بے اسلوب

الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ

کرتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر کہتے ہیں اگر تم کو یہ ملے تو لو اور

اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ

اگر یہ نہ ملے تو بچتے رہو اور جس کو اللہ نے بچانا چاہا سو تو اس کا کچھ

لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ

نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ دل پاک کرے

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

ان کو دنیا میں ذلت ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

بڑے جاسوس جھوٹ کہنے کو اور بڑے حرام کھانے والے سو اگر آویں تجھ پاس تو حکم کر دے ان میں

اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـــًٔا ۭ

یا تغافل کر ان سے اور اگر تو تغافل کرے گا تو تیرا کچھ نہ بگاڑیں گے

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور اگر حکم کرے تو حکم کر ان میں انصاف کا اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ

اور کس طرح تجھ کو منصف کریں گے اور اُن کے پاس توریت ہے جس میں حکم اللہ کا پھر

يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع ۶ ۹ ۱۰

اس پیچھے پھرے جاتے ہیں اور وہ ماننے والے نہیں۔

تسلیۂ رسول کریم ﷺ وذکر خیانت یہود در حکم زنا کہ در تورات مذکور بود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ . . . الی . . . وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ﴿۴۳﴾

شانِ نزول:

ان آیات میں اخیر رکوع تک یہود کی ایک خاص خیانت کا ذکر ہے قصہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ خیبر کے ایک معزز گھرانہ کے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت زنا کے مرتکب ہوئے توریت میں زنا کی سزا سنگسار کرنا تھی لیکن جب یہودی اس سزا کو معزز گھرانوں پر جاری نہ کر سکے تو توریت میں تحریف کر کے اپنی طرف سے یہ سزا بنالی کہ زانی اور زانیہ کا منہ کالا کر کے اُن کو ایک گدھے پر سوار کر کے شہر میں پھراتے اور سو تازیانے لگاتے۔ خیبر میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ یہ مقدمہ محمد (ﷺ) کے پاس لے چلو دیکھو وہ کیا حکم دیتے ہیں شاید اُن کی شریعت میں کوئی حکم نرم ہو اس لیے کہ اُن کی شریعت تورات کی طرح سخت نہیں اور یہ جانتے تھے کہ حضور پُرنور ﷺ اُمّی ہیں آپ ﷺ کو تورات کی خبر نہیں جو ہمارا معمول اور دستور سنیں گے اُسی کے مطابق فیصلہ کر دیں گے اور جن لوگوں کے ساتھ مجرموں کو آپ کے پاس بھیجا اُن کو یہ سمجھا دیا کہ اگر حضور پُرنور ﷺ دُرّے لگانے کا حکم دیں تو قبول کر لینا ورنہ پھر اس پر عمل نہ کرنا۔ چنانچہ جب یہ لوگ مقدمہ لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے آپ ﷺ کو خبردار کر دیا کہ توریت میں زانی کا حکم رجم ہے تو آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ توریت میں زنا کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا: یہی سزا ہے منہ کالا کر کے شہر میں تشہیر کرنا اور تازیانے لگانا آپ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور مسجد سے اُٹھ کر سیدھے یہودیوں کے مدرسہ بیت المدارس میں تشریف لے گئے اور یہودیوں سے دریافت کیا کہ تم میں سب سے بڑا عالم کون ہے لوگوں نے کہا۔ ابن صوریا آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ بتلاؤ توریت میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا ہے؟ اس نے اور دیگر علماء یہود نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ منہ کالا کر کے اور گدھے پر سوار کر کے شہر میں گھما دیا جائے اور تازیانے مارے جائیں آپ ﷺ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو توریت کو لاؤ اور اس کو میرے سامنے پڑھو۔ چنانچہ توریت منگوائی گئی آخر وہ آیت جس میں رجم (یعنی سنگسار کرنے کا حکم تھا) وہ آیت نکلی اور پڑھ کر سنائی گئی ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ آیت رجم پر رکھ دیا اور ماقبل اور مابعد پڑھ کر سنا دیا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا اے عدو اللہ اپنا ہاتھ اٹھا اُس نے اپنا ہاتھ اُٹھایا تو اس کے نیچے سے آیت رجم نکلی تب سب نے اقرار کیا کہ محمد ﷺ سچے ہیں اور مجبوراً انہیں اس پر عمل کرنا پڑا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ میں توریت کے مطابق رجم کا حکم دیتا ہوں۔ آپ ﷺ کے اس حکم کے بعد ان دونوں مجرموں کو سنگسار کیا گیا۔ ان آیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ تمام تفصیل تفسیر قرطبی ص ۱۷۶ ج ۶ اور تفسیر ابن کثیر ص ۵۸ ج ۲ میں مذکور ہے۔

ربط: گذشتہ آیت میں مال کی چوری کا ذکر تھا اور ان آیات میں ایک حکم شرعی کی چوری اور خیانت کا ذکر ہے اور مقصود یہ ہے کہ احکامِ خداوندی کے اجراء اور تنفیذ میں امیر اور غریب کا فرق جائز نہیں اور امیروں کی رعایت سے حکم خداوندی میں تحریف موجب لعنت ہے اور آیت کا آغاز نبی کریم ﷺ کی تسلی سے فرمایا کیونکہ احکام شریعت کی مخالفت عموماً اور حدود اور تعزیرات کی مخالفت خصوصاً اہل نفاق اور اہل غرض کا شیوہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی ناشائستہ حرکات سے رنج اور ملال ہوتا تھا اس لیے حق جل شانہٗ آنحضرت ﷺ کی تسلّی اور تسکین کے لیے ارشاد فرماتے ہیں: اے ہمارے رسول! آپ ﷺ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈال دیں جو کفر کی نشر و اشاعت میں جدوجہد اور سعی کرتے پھرتے ہیں یعنی آپ ان کے کفریات سے رنجیدہ اور مغموم نہ ہوں یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ آپ ﷺ کا حافظ و ناصر ہے اور یہ کفر میں سعی کرنے والے خواہ منافقین میں سے ہوں جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور اُن کے دل مسلمان نہیں اور خواہ یہود میں سے ہوں اور یہ دونوں گروہ جھوٹ سُننے کے عادی ہیں اپنے سرداروں اور رئیسوں سے جھوٹی باتیں سنتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں وہ آپ کے حق اور صِدق کو کس طرح قبول کریں گے اور اگر کسی وقت آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ کی سچی باتیں سُننے کے لیئے حاضر نہیں ہوتے بلکہ آپ ﷺ کی باتیں دوسرے لوگوں کے لیے سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے یعنی یہ لوگ جاسوس ہیں جو باتیں آپ سے سنتے ہیں اُن کی خبر اپنی قوم کو جا کر دیتے ہیں اور حق کی عداوت میں توریت کے کلمات اور الفاظ میں تغیر اور تبدل کر ڈالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ کلمات اپنے موقع اور محل میں ثابت اور قائم تھے وہاں سے اُن کو ہٹا دیتے ہیں یعنی توریت کے کلمات اور الفاظ میں تحریف کرتے ہیں اور مزید براں یہ کہ جس کسی کو آپ کی خدمت میں بھیجتے ہیں تو اس سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر تم کو (محمد ﷺ) کی طرف سے یہ حکم محرف دیا جائے جو ہم نے تمہارے لیے تجویز کیا ہے تو اُسے قبول کر لینا اور اگر تم کو آپ کی بارگاہ سے یہ حکم محرّف نہ دیا جائے تو اس سے احتراز کرنا یعنی اگر کوڑے لگانے کا حکم ملے تو قبول کرنا ورنہ نہیں گویا کہ خدا کی شریعت کو اپنی ہوائے نفسانی کے تابع رکھنا چاہتے تھے اور یہ ایک عظیم فتنہ ہے کہ خود تو شریعت کا تابع نہ بنے بلکہ شریعت کو اپنی خواہشوں کے تابع رکھنا چاہے اور شریعت کے حروف اور الفاظ میں اپنی خواہش کے مطابق تحریف کر ڈالے ایسے شخص کی راہِ ہدایت پر آنے کی کوئی اُمید نہیں کی جاسکتی اس کی مثال ایسے مریض کی سی سمجھو کہ جو طبیب کی تجویز کردہ دوا تو استعمال نہ کرے اور برابر مہلک اور مضر چیزوں کا استعمال کرتا رہے اور طبیبوں اور ڈاکٹروں کا مذاق اڑائے تو اہلِ عقل کے نزدیک اس کا یہ عمل خودکشی کے مرادف سمجھا جائے گا اسی طرح یہود کی ہوا پرستی اور ہٹ دھرمی کو سمجھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہیں تو آپ کو اس کی ہدایت کا اللہ کی جانب سے کوئی اختیار نہیں یعنی آپ ﷺ کو اختیار نہیں کہ ان لوگوں سے گمراہی کا فتنہ دفع کر سکیں گمراہی کا فتنہ صرف طہارتِ قلب سے دفع ہوسکتا ہے لیکن یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا ہی نے ارادہ نہیں کیا کہ ان کے دلوں کو کفر اور گمراہی کی گندگی اور پلیدی سے پاک کرے ان کے لیے دنیا میں بڑی رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بتلا دیا کہ اللہ کا ارادہ ان لوگوں کے دلوں کو خباثتوں اور نجاستوں سے پاک کرنے کا نہیں۔ لہٰذا آپ ان کے رنج و غم میں نہ پڑیں یہ لوگ حق اور صدق کو سننے والے نہیں بلکہ جھوٹ کو بڑے سننے والے ہیں بڑے حرام خور ہیں دیدہ و دانستہ کتاب الٰہی میں تحریف کرتے ہیں اور رشوت لے کر حرام کو حلال

کرتے ہیں پس جن کی یہ حالت ہے اگر یہ لوگ آپ کے پاس اپنا کوئی مقدمہ لے کر آئیں اور آپ ﷺ سے فیصلہ کرانا چاہیں تو آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ چاہے آپ اُن کے مقدمہ کا فیصلہ کر دیں یا اُن سے تغافل برتیں اور ان کا معاملہ انہی کے علماء کے سپرد کر دیں اور یہ کہہ دیں کہ تمہارا جو جی چاہے وہ کرو۔ ایسے جاہلوں اور خود غرضوں سے اعراض نہایت مناسب ہے ایسے لوگوں کا فیصلہ بھی کر دیا جائے تو یہ اس پر عمل نہ کریں گے اور اگر آپ کی یہی رائے قرار پائے کہ اُن سے تغافل برتیں اور اعراض کریں تو یہ اندیشہ نہ کیجیے کہ لوگ آپ ﷺ کے دشمن ہو جائیں گے اور آپ کو ضرر پہنچائیں گے سو یہ لوگ ہرگز آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا محافظ اور نگہبان ہے اور اگر آپ ﷺ کی یہی رائے قرار پائے کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے تو آپ ﷺ انصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیجیے یعنی قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کر دیجیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ مجرم کتنا ہی شریر اور بدمعاش کیوں نہ ہو مگر تم پر یہ لازم ہے کہ فیصلہ میں عدل و انصاف کو پورا پورا ملحوظ رکھو اور تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ یہ لوگ کس طرح اور کیونکر آپ کو حکم اور منصف قرار دیتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس توریت موجود ہے جس میں زنا کے متعلق اللہ کا حکم صراحتاً موجود ہے جس پر وہ ایمان کے مدعی ہیں اور جس کو وہ خدا کی کتاب مانتے ہیں اس کے احکام سے کیوں انحراف کرتے ہیں پھر دوسرا تعجب یہ ہے کہ آپ کو حکم اور منصف بنانے کے بعد آپ ﷺ کے فیصلہ سے کیوں اعراض کرتے ہیں اور یہ لوگ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توریت ہی پر ایمان نہیں رکھتے ایسے لوگوں سے کیا خیر کی توقع کی جاسکتی ہے حکم اور منصف بنانے کے بعد بھی فیصلہ کو نہ ماننا صریح ہٹ دھرمی اور نفس پرستی ہے۔

فائدہ ①: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کو اکثر و بیشتر ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾ کے لقب سے ذکر کیا ہے مگر ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ ﴾ کا خطاب دو جگہ آیا ہے۔ ایک یہاں اور ایک آئندہ آیت ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ اور چونکہ رسالت کا مرتبہ نبوت سے زیادہ ہے اس لیے یہ خطاب نہایت عظمت اور رفعت پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ ②: آیت مذکورہ ﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ کا سننا بھی نہایت مذموم اور قبیح ہے جس طرح جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اسی طرح جھوٹ کا سننا بھی حرام ہے جس طرح زبان احکام شرعیہ کی مکلّف ہے اسی طرح کان بھی احکامِ شرعیہ کا مکلّف ہے قرآن کا سننا عبادت ہے اور گانا سننا معصیت ہے۔

فائدہ ③: آیت مذکورہ ﴿ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ﴾ کے بارہ میں آنحضرت ﷺ اور حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آیت میں سُحت سے رشوت مراد ہے اور بے شمار حدیثوں میں راشی اور مرتشی پر لعنت آئی ہے۔

فائدہ ④: حق جل شانہٗ کے اس قول ﴿ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اہلِ کتاب کے مقدمات کے فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار [1] تھا، عبداللہ بن عباس اور مجاہد اور عکرمہ رضی اللہ عنہم اور حسن بصری اور قتادہ اور سدّی اور دیگر اکابر سلف رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ حضور پُرنور ﷺ کو یہ اختیار ابتداء میں تھا بعد میں جب اسلام کا تسلط اور اقتدار کامل ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

---

[1] مترجم گوید یعنی اہل ذمہ اگر قضیۂ خویش با مام رفع کنند اگر خواہد حکم کند و اگر خواہد بر علماء ایشاں مفوض نماید۔ (فتح الرحمٰن)

اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ ...الخ﴾ یعنی ان کے نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ قانون شریعت کے مطابق کرواب اعراض اور کنارہ کشی کی ضرورت نہیں۔

یا یوں کہو کہ پہلی آیت ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو اسلامی حکومت کے ذمی نہیں بنے جیسے ابتداء میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کا حال تھا مسلمانوں سے ان کا کوئی عہد اور ذمہ نہ تھا ایسے لوگوں کے بارہ میں امیر مملکت کو اختیار ہے کہ چاہے اُن کا فیصلہ کرے یا معاملہ اُن کے حوالہ کرے کیونکہ گذشتہ آیت ﴿فَاِنۡ جَآءُوۡکَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡھُمۡ ۚ﴾ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور اس وقت نبی کریم ﷺ کا ان لوگوں سے کوئی عہد اور ذمہ نہ تھا کیونکہ اگر آپ ﷺ کا ان سے کوئی عہد اور ذمہ ہوتا تو بنی نضیر کو جلاوطن اور بنی قریظہ کو قتل نہ کرتے حاصل کلام یہ کہ جائز ہے کہ یہ حکم اہل حرب کا ہو اور آئندہ آیت ﴿وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ﴾ میں قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم اہل ذمہ اور اہل عہد کے بارہ میں ہو اس صورت میں ناسخ و منسوخ ماننے کی ضرورت نہ رہے گی۔ (تفصیل کے لے احکام القرآن للجصاص ۴۳۴ ج ۲ و ص ۴۳۵ ج ۲ کو دیکھیں)

فائدہ ⑤ : یہ آیت بالا جماع یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو زنا کے مرتکب ہوئے چونکہ توریت میں حکم رجم کا تھا۔ اس لیے اس سے بچنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس اپنا مقدمہ لائے کہ شاید آپ ﷺ کی بارگاہ سے کوئی نرم اور آسان فیصلہ ہو جائے اور ہم سنگساری سے بچ جائیں آپ ﷺ نے توریت منگوائی اور آخر وہ آیت جس میں رجم کا حکم تھا اس میں نکلی آپ ﷺ نے اس کے مطابق اُن دونوں مجرموں کو سنگسار کرایا اس سلسلۂ کلام میں حق جل شانہٗ نے یہ لفظ ارشاد فرمایا ﴿وَعِنۡدَھُمُ التَّوۡرٰىۃُ فِیۡھَا حُکۡمُ اللّٰہِ﴾ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت میں جو رجم کا حکم مذکور ہے اللہ کے نزدیک بھی زانی محصن کا وہی حکم ہے اور اللہ کے نزدیک رجم کا حکم منسوخ نہیں ہوا وہ اب بھی باقی ہے اگر رجم کا حکم اللہ کے نزدیک منسوخ ہو چکا ہوتا تو آیت قرآنیہ میں اس کو حکم اللہ سے تعبیر نہ فرماتے۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۴۳۸ ج ۲)

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىۃَ فِیۡھَا ھُدًی وَّ نُوۡرٌ ۚ یَحۡکُمُ بِھَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ

ہم نے اتاری توریت اس میں ہدایت اور روشنی اس پر حکم کرتے رہے پیغمبر جو

اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِیۡنَ ھَادُوۡا وَ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا

حکم بردار تھے یہود کو اور درویش اور عالم اس واسطے کہ نگہبان ٹھہرائے تھے

مِنۡ کِتٰبِ اللّٰہِ وَ کَانُوۡا عَلَیۡہِ شُھَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَ اخۡشَوۡنِ

اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبر داری پر تھے سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور مجھ سے ڈرو

وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ

اور مت خرید کرو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ

وہی لوگ ہیں منکر۔ اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی

وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ

اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے

بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ

بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر پھر جس نے بخش دیا تو اُس سے وہ پاک ہوا

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر سو وہی لوگ ہیں بے انصاف۔

ذکر خیانت یہود در بارۂ حکم قصاص

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ ... اِلٰی ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾

ربط: گذشتہ آیات میں حکم زنا میں یہود کی خیانت کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہودیوں کی حکم قصاص میں خیانت کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ توریت اللہ کی اتاری ہوئی کتاب تھی جو سراپا نور اور ہدایت تھی اور تمام انبیاء اور علماء اس کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ اسی توریت میں قصاص کا بھی حکم تھا مگر یہود نے جس طرح حکم رجم کو بدل ڈالا اسی طرح قصاص کے حکم میں بھی تحریف کر ڈالی۔ مدینہ منورہ میں یہود کے دو گروہ تھے بنی قریظہ اور بنی نضیر چونکہ بنی نضیر غالب تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو بنی قریظہ پر فضیلت دے رکھی تھی کہ اگر بنی نضیر کا کوئی آدمی بنی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو پھر قصاص کا حکم نہ دیتے صرف آدھی دیت دلوا کر چھوڑ دیتے اور اگر بنی قریظہ کا کوئی آدمی بنی نضیر کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تو اس سے قصاص دلواتے۔ لہٰذا یہ ارشاد ہوا کہ یہ تفریق توریت میں کہیں نہیں یہ تو سراسر حکم خداوندی کے خلاف ہے۔ جس طرح ہم نے توریت میں بلاتفریق زانی کے رجم کا حکم دیا ہے اسی طرح ہم نے توریت میں بلاتفریق قصاص کا بھی حکم دیا ہے اور جو شخص حکم خداوندی کے خلاف فیصلہ کرے وہ ظالموں میں شمار ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: بے شک اتاری ہم نے توریت جس میں ہدایت اور نور ہے یعنی رہروانِ منزلِ آخرت کے لیے ہدایت کا اور شکوک اور شبہات کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں روشنی کا کام دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی یہ لوگ جو اپنا مقدمہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پاس لاتے ہیں یہ ان کی بدنیتی اور شرارت ہے توریت میں زنا کے متعلق صریح ہدایت اور روشن حکم موجود ہے اور شادی شدہ زانی کے سنگسار کرنے کا حکم اس میں صراحتاً مذکور ہے یہ لوگ اس کے احکام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جب یہ لوگ خود اپنی کتاب کے قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں تو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے فیصلہ کو کب مان سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں انبیاء بنی اسرائیل جو خدا کے حکم بردار تھے، اسی توریت سے یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے یعنی موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام

کے بعد جتنے بھی نبی آئے اُن سب کا عمل توریت کے مطابق تھا اور توریت ہی کے مطابق وہ یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح بنی اسرائیل کے درویش اور خدا پرست اور ان کے علماء اور فقہاء اس کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے۔ ربانیین سے اللہ والے لوگ مراد ہیں جو سب کو چھوڑ کر ایک رب کے ہو گئے وہ ربانی ہیں جیسے اولیاء اور صوفیاء کرام اور احبار سے علماء مراد ہیں جو احکام الٰہی سے واقف ہیں اور ان پر عمل پیرا ہیں جس کتابُ اللہ کے وہ محافظ اور نگہبان ٹھہرائے گئے تھے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر اور تبدل اور تحریف نہیں کریں گے اور اس کے مطابق عمل کریں گے اور وہ اس کتاب پر گواہ تھے کہ یہ کتاب من جانب اللہ ہے مطلب یہ ہے کہ اے یہود! توریت وہ کتاب ہے جس کو ہمیشہ سے تمہارے پیشوا مانتے چلے آئے اور اس پر عمل کرتے رہے تم کیسے ناخلف ہو کہ تم نے اُن کے طریقہ کو بالکل چھوڑ دیا وہ تو توریت کی حفاظت کرتے تھے اور تم اس میں تحریف کرتے ہو وہ تو اس کے حکموں پر چلتے تھے اور تم اس کے حکموں سے بھاگتے ہو اب یہود سے خطاب فرماتے ہیں پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو خدا کے حکم میں بزدل نہ بنو بے خوف وخطر توریت کے احکام کو لوگوں کے سامنے بیان کرو اور میری آیتوں اور حکموں کے عوض اور بدلہ میں دنیا کا حقیر معاوضہ نہ لو یعنی رشوت لے کر احکام خداوندی میں تحریف نہ کرو اور جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ حکمِ محرّف کے مطابق حکم دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہوتے ہیں جو حکمِ الٰہی سے منحرف ہوئے اور ہم نے اُن یہود پر اُس کتاب (توریت) میں یہ حکم لکھ دیا کہ جان بدلے میں جان کے یعنی جان کے بدلہ میں جان لی جائے اور آنکھ کے بدلہ میں آنکھ پھوڑی جائے اور ناک کے بدلہ میں ناک کاٹی جائے اور کان کے بدلہ میں کان کاٹا جائے اور دانت کے بدلہ میں دانت اکھیڑا جائے اور اسی طرح دوسرے زخموں میں بھی قصاص ہے۔ اَدُلا بدلا ہے پھر جو شخص یہ قصاص معاف کردے تو وہ اس کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے یعنی معاف کرنے سے گناہ دُور ہوتے ہیں اور درجے بلند ہوتے ہیں جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق حکم نہ کرے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں کہ خدا کے حکم کی جگہ اپنا تراشیدہ اور محرف حکم جاری کردیا ایک ظلم تو یہ ہوا کہ غلط حکم دیا اور دوسرا ظلم یہ کیا کہ قصداً حکم الٰہی کو چھوڑ کر اپنی جانوں پر ظلم کیا اور جان بوجھ کر مخالفت کر کے جانوں کو عذاب میں ڈالا۔

لطائف ومعارف

① توریت کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے یہود کو ذمہ دار بنایا اس لیے ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ فرمایا اور قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا تو یہ فرمایا ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:۹) اس لیے قرآن کریم آج تک بالکلیہ اور پوری طرح محفوظ ہے یہود نے ہوا پرستی کے ہاتھوں اپنی آسمانی کتاب کو ضائع کردیا اور اُمتِ محمدیہ نے اپنے سینوں میں اس کتاب کو محفوظ رکھا۔ بحمد اللہ آج تک اُن کی کتاب بعینہٖ اسی طرح محفوظ ہے جس طرح نازل ہوئی تھی اس میں ایک حرف کی بھی کمی اور زیادتی نہیں ہو سکی۔

② اہلِ کتاب کے پاس جو آج کل توریت کا نسخہ ہے یہ وہ نسخہ نہیں جو من جانب اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا تھا بلکہ یہ مجموعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد کی تصنیف ہے جو حق اور باطل سے مرکب ہے جس کا مخالف کو بھی انکار نہیں موجودہ توریت اگرچہ محرّف ہے مگر اس میں بعض باتیں اصلی بھی موجود ہیں جن کو یہود چھپاتے تھے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی کے بتلا دیتے تھے کہ اس محرف

توریت میں اب بھی بعض فلاں بات موجود ہے منجملہ ان کے یہ حکم رجم بھی تھا جس کا یہود انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی کریم ﷺ کو مطلع کیا کہ توریت میں رجم کا حکم موجود ہے۔ آپ ﷺ نے توریت منگوا کر اُن کو قائل کر دیا اور علیٰ ہذا ایک حکم قصاص کا تھا کہ وہ شریف اور کم ذات کا فرق کرتے تھے آپ کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ توریت میں شریف اور غیر شریف کا کوئی فرق نہیں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اظہار الحق کے ص ۱۴۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں: ان التوراة الاصلی وکذا الانجیل الاصلی فقدا قبل بعثة سیدنا محمد ﷺ والموجودان الاٰن بمنزلة کتابین من السیر مجموعین من الروایا الصحیحة والکاذبة اھ۔

بعض ازاں احادیث اور اقوالِ علماء اور یہود اور نصاریٰ کے اعتراف سے یہ ثابت کیا کہ توریت اور انجیل میں لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے۔

لہٰذا بعض علماء سے جو یہ منقول ہے کہ توریت و انجیل میں معنوی تحریف ہوئی وہ صحیح نہیں یہ قول صریح آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع امت کے خلاف ہے بلکہ علماء یہود و نصاریٰ کے اعتراف و اقرار کے بھی خلاف ہے اور مدعی سُست گواہ چُست کا مصداق ہے۔

③ آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حکم منصوص کے خلاف حکم دے یا فیصلہ کرے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہی مذہب خوارج کا ہے علماء اہلِ سنت یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حکمِ خداوندی کو حقیر یا غلط یا خلاف مصلحت یا خلاف تہذیب سمجھ کر انکار کر دے اور قانون شریعت میں تغیر و تبدل کر کے اپنی طرف سے نیا حکم تجویز کر دے جیسا کہ یہود نے حکم رجم کے مقابلہ میں اپنی رائے سے ایک نیا حکم تیار کر لیا تھا تو ایسا شخص بلاشبہ کافر ہے اور اگر دل میں حکم خداوندی کی تصدیق اور اس کی عظمت اور اس کی حقانیت کا اعتراف موجود ہے اور محض غلبۂ نفس یا کسی دنیاوی مجبوری اور معذوری کی بناء پر بادل ناخواستہ حکم خدا کے خلاف فیصلہ کر دے تو وہ کافر نہ ہوگا بلکہ فقط گنہگار ہوگا جو شخص اعتقادی طور پر ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کو حق جان کر حق مان کر پھر عملاً فیصلہ اُس کے خلاف کرے تو ایسے شخص کو اصطلاحِ شریعت میں عملی کافر کہا جا سکتا ہے نہ کہ اعتقادی کافر یعنی اس کی عملی حالت کافروں جیسی ہے اگرچہ اعتقاد مسلمانوں جیسا ہے اس وجہ سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آیت ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ میں کفر سے وہ کفر مراد نہیں جو اس کو ملّتِ اسلام سے خارج کر دے اور یہ ایسا کافر نہیں جسے کوئی اللہ اور ملائکہ اور کتب اور رُسل کا کافر ہو بلکہ یہ کفرٌ دون کفرٍ اور ظلمٌ دون ظلمٍ اور فسقٌ دون فسقٍ ہے و لیس بالکفر الذی تذھبون الیه یعنی کفر اور ظلم اور فسق کے درجات ہیں بعض کفر اعتقادی ہے اور بعض عملی ہر ایک کا حکم جدا ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۹۰، ج ۶ و تفسیر ابن کثیر ص ۶۱ ج ۲)

اور مزید تفصیل اگر درکار ہو تو حافظ ابن تیمیہ کی کتاب الایمان دیکھیں جس میں کفرٌ دون کفرٍ کی تفصیل ہے۔

④ قصاص کا یہ حکم شریعت موسوی میں تھا اور علماء اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر شریعت سابقہ کا کوئی حکم قرآن اور حدیث میں بلا کسی انکار یا بلا ترمیم و تنسیخ نقل کیا جائے تو وہ ہمارے لیے حجت اور شریعت ہے اور فقہاء نے اس آیت کو استدلال میں پیش کیا ہے۔

⑤ رہا یہ امر کہ اس واقعہ میں پہلی بار ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور دوسری بار ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ کیوں کہا گیا اس کی حکمت تیسری آیت ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں ذکر کریں گے۔

وَ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور پچھاڑی میں بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ مریم علیہا السلام کا بیٹا سچ بتاتا

مِنَ التَّوْرٰىةِ ص وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ لا وَّ مُصَدِّقًا

توریت کو جو آگے سے تھی اور اس کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور روشنی اور سچا کرتی

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ط ﴿۴۶﴾

اپنی اگلی توریت کو اور راہ بتاتی اور نصیحت ڈر والوں کو

وَ لْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ط وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

اور چاہیے کہ حکم کریں انجیل والے اس پر جو اللہ نے اتارا اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

اللہ کے اتارے پر سو وہی لوگ ہیں بے حکم۔

خطاب بہ نصاریٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ وَ قَفَّيْنَا ... الی ... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ ﴾

ربط: یہود کی شرارتوں اور خیانتوں کے بعد نصاریٰ کے انحراف اور کجروی کو بیان کرتے ہیں۔ اولاً انجیل کی مدح فرمائی تاکہ اس سے انحراف کی قباحت خوب واضح ہو جائے اور مقصود یہ ہے کہ جس طرح یہود اپنی آسمانی کتاب سے منحرف ہیں اسی طرح نصاریٰ بھی اپنی آسمانی کتاب انجیل سے منحرف ہیں توریت کی مدح کے بعد انجیل کی مدح اس لیے بھی فرمائی کہ یہود کو تنبیہ ہو جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا کے رسول برحق تھے موسیٰ علیہ السلام کی طرح ان پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ان پیغمبروں کے پیچھے جن کا ذکر ﴿ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ ﴾ میں ہو چکا ہے انہی کے نقش قدم پر ہم نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بھیجا درانحالیکہ وہ اپنی زبان سے توریت کی تصدیق کرتے تھے جو ان سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی یعنی جو نبی خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور حکم بردار تھے اور توریت کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اُن کے بعد اُن ہی کے نقش قدم پر عیسیٰ علیہ السلام آئے جو مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں خدا نہیں، اور انہوں نے توریت کے حق اور منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کی اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں توریت کی طرح ہدایت اور نور ہے اور وہ انجیل

اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب توریت کی بھی تصدیق کرتی تھی، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اپنی زبان سے توریت کی تصدیق فرماتے تھے اور جو کتاب انجیل ان کو دی گئی تھی وہ بھی توریت کی تصدیق کرتی تھی اور انجیل بھی توریت کی طرح ہدایت اور نور تھی احکام اور شرائع کے اعتبار سے دونوں میں بہت ہی قلیل فرق تھا جیسا کہ ﴿ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ ﴾ (آل عمران: ۵۰) میں اشارہ کیا گیا ہے اور یہ قلیل فرق توریت کی تصدیق کے منافی نہیں جیسا کہ ہم آج قرآن کو مانتے ہیں اور باوجود اس کے تمام کتب سماویہ کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں پہلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصدق توریت ہونا بیان کیا۔ اور دوسری آیت میں یہ بتلایا کہ انجیل بھی توریت کی مصدّق تھی اور وہ انجیل خدا سے ڈرنے والوں کے لیے سراپا ہدایت اور نصیحت تھی جس میں آنے والے ہادی برحق (فارقلیط) کی بشارت تھی کہ وہ فارقلیط آکر حق کی راہیں بتلائے گا اور وعظ و نصیحت سے تم کو محارم اور مآثم سے بچائے گا حق تعالیٰ نے اس آیت میں انجیل کی پانچ صفتیں بیان کیں (اوّل) یہ کہ فِیْهِ هُدًی۔ اس میں ہدایت ہے یعنی عقائد اور اعمال کی گمراہی سے بچاتی ہے اور توحید اور تنزیہ کی رہنمائی کرتی ہے کہ بت پرستی اور تثلیث جیسے شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (دوم) یہ کہ فِیْهِ نُوْرٌ اُس انجیل میں نور اور روشنی ہے جس سے طالب حق کو صحیح راستہ نظر آجاتا ہے اور شکوک اور شبہات کی ظلمتیں اس سے دُور ہو جاتی ہیں۔ (سوم) یہ کہ انجیل اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ کتاب منزل من اللہ تھی۔ (چہارم اور پنجم) یہ کہ انجیل خدا سے ڈرنے والوں کے لیے سراپا ہدایت اور نصیحت تھی پہلی آیت میں عام ہدایت کا بیان تھا اور اس آیت میں خاص ہدایت کا ذکر ہے جو متقی اور پرہیزگاروں کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ توریت میں بھی ہدایت تھی اور توریت کی طرح انجیل میں بھی ہدایت ہے مگر اس عام ہدایت کے علاوہ ایک ایسے خاص ہادی (فارقلیط) کی بشارت پر مشتمل ہے کہ جس کی ہدایت تمام ہدایتوں سے اتم اور اکمل اور اُس کا دین تمام دینوں سے افضل ہوگا اور انجیل میں اس آنے والے آخری ہادی کے اتباع کی خاص طور پر نصیحت تھی اس لیے آیندہ آیت میں اشارہ فرماتے ہیں اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے پہلی آیت میں یہودیوں کو نصیحت تھی اب اس آیت میں نصاریٰ کو نصیحت ہے کہ اے نصاریٰ تم یہود کی طرح انجیل سے انحراف نہ کرو تم انجیل پر چلو اور جس نبی اُمّی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اس میں مذکور ہے اس پر حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایت اور نصیحت کے مطابق ایمان لاؤ اور جس کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام تم کو یہ ہدایت کر گئے ہیں کہ جب وہ روح حق آئے گی تو تمہیں سچائی کی راہیں بتائے گی اس کی تکذیب کر کے خدا کے غضب اور لعنت کو مول نہ لو اور جو اللہ کے اُتارے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ بدکار ہیں ناسخ کے بعد منسوخ کی پیروی بدکاری اور گمراہی ہے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے زمانہ میں توریت اور انجیل کا اتباع ہدیٰ تھا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد قرآن کو چھوڑ کر توریت اور انجیل کا اتباع ہوائے نفس ہے۔

نکتہ: جو شخص حکم خداوندی کے مطابق فیصلہ نہ کرے اُس کو پہلی آیت میں کافر اور دوسری آیت میں اس کو ظالم اور تیسری آیت میں اُس کو فاسق کہا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ احوال مختلف ہیں بعض حالات میں حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرنا کفر ہے اور بعض حالات میں ظلم ہے اور بعض حالات میں فسق ہے، جیسا حال ہوگا ویسا ہی حکم ہوگا۔ (روح المعانی ص ۱۳۰ ج ۶)

پہلی آیت میں زانی محصن کا رجم کا مقدمہ تھا جس میں ان لوگوں نے قصداً اور عناداً حکم رجم سے انکار کیا اور اس کے بجائے اپنی طرف سے تازیانہ کا حکم تجویز کیا اس لیے پہلی آیت میں ﴿ كٰفِرُوْنَ ﴾ فرمایا اور دوسری آیت میں قصاص کا مسئلہ تھا یہ لوگ رجم کی طرح قصاص کے حکم شرعی ہونے سے صراحتاً منکر نہ تھے بلکہ عملی طور پر محض اپنی برتری قائم کرنے کے لیے امیر و غریب کا فرق کرتے تھے اور

عدل اور انصاف نہیں کرتے تھے۔ اس لیے دوسری آیت میں ﴿ظٰلِمُوْنَ﴾ فرمایا کہ یہ ظلم صریح ہے کہ ضعیف کا قوی سے قصاص نہ لیا جائے اور ضعیف سے دیت زیادہ دلائی جائے یہ صریح ظلم ہے اور تیسری آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت اور ہدایت کے مطابق فارقلیط اور روح پر ایمان لانے کا مسئلہ تھا جس کی حضرت مسیح علیہ السلام نے تاکید اکید کی تھی باوجود اس کے بہت سے نصاریٰ نے دیدہ و دانستہ دُنیاوی اغراض کی بناء پر روح حق پر ایمان لانے سے گریز کیا تو یہ صریح فسق اور بدکاری اور تمرد اور سرکشی تھی اس لیے اس آیت میں ﴿فٰسِقُوْنَ﴾ فرمایا۔

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب تحقیق سچا کرتی اگلی کتابوں کو

وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

اور سب پر شامل سو تو حکم کر اُن میں جو اتارا اللہ نے اور ان کی خوشی پر مت چل

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ

چھوڑ کر حق راہ جو تیرے پاس آئی ہر ایک کو تم میں دیا ہم نے ایک دستور اور راہ اور

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ

اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کرتا لیکن تم کو آزمایا چاہے اپنے

اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ

دیئے حکم میں سو تم بڑھ کر لو خوبیاں اللہ کے پاس تم سب کو پہنچنا ہے پھر جتا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿۴۸﴾ وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

جس بات میں تم کو اختلاف تھا اور یہ فرمایا کہ حکم کر اُن میں جو اللہ نے اتارا

وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ

اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی حکم سے

اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ

جو اللہ نے اتارا تجھ پر پھر اگر نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ نے یہی چاہا ہے کہ پہنچا دے اُن کو کچھ سزا

بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكۡمَ

اُن کے گناہوں کی اور لوگوں میں بہت ہیں بے حکم اب کیا چاہتے ہیں

الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع ۷/۱۱

کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین رکھنے والوں کو۔

ذکر قرآن مجید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ... الی... وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾﴾

ربط: توریت اور انجیل کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے کتب سابقہ کی مصدق ہے جس میں تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کی صداقتیں اور حکمتیں موجود ہیں اور یہ قرآن کتب سابقہ پر مہیمن (حاکم) ہے تحریف اور تبدیل سے پاک اور منزہ ہے اس کا جو فیصلہ ہے وہ اٹل ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہر نبی کو ایک خاص شریعت عطا کی اور یہ شریعت محمد یہ آخری شریعت ہے اور تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے والی ہے اور تمام کتب سابقہ کے مضامین اصلیہ کی محافظ اور مصدق ہے اور جس کی ابدی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے۔

سلسلۂ کلام نہایت عجیب ہے حق تعالیٰ نے اوّلاً توریت کی مدح فرمائی اور بنی اسرائیل کے لیے اس کا موجب ہدایت ہونا بیان کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ﴾ مگر یہود بے بہبود نے اس نورِ ہدایت سے اعراض اور انحراف کیا اس کے بعد انجیل کی مدح فرمائی اور نصارائے حیاریٰ کا اُس سے انحراف بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہود کی طرح نصاریٰ بھی انجیل کی ہدایت اور نور سے مستفید اور مستنیر نہ ہوئے۔ اب سب سے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مشعلِ ہدایت بنا کر نازل کیا یہ آخری کتاب ہے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی یہود اور نصاریٰ کو چاہیے کہ موقعہ کو غنیمت سمجھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اس نور ہدایت کی روشنی میں چلیں اور یہ وہی کتاب ہے جس کے نزول کی انبیاء سابقین علیہم السلام نے خبر دی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ يَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ يَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ كَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾﴾ (بنی اسرائیل)۔ اس آیت کی تفسیر سورۂ اسراء میں آئے گی۔

شانِ نزول:

اور ان آیات کے ضمن میں ایک قصہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ یہ کہ یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گیا تو کعب بن اسید اور عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس وغیرہم جو یہود کے بڑے مشہور علماء اور مقتداء تھے مشورہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فصل خصومت کی درخواست کی اور یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب معلوم ہے کہ یہودیوں میں بڑے زبردست عالم اور اُن کے سردار ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری عزت و شرافت معلوم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی معلوم ہے کہ عموماً قوم یہود

ہمارے اختیار اور اقتدار میں ہے ہم اپنا مقدمہ آپ ﷺ کے پاس لے کر آئے ہیں اگر آپ ﷺ اس مقدمہ میں ہمارے موافق فیصلہ کر دیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اگر ہم نے تیرا دین قبول کر لیا تو اور یہود بھی ہماری تقلید کریں گے اور ہمارے اسلام لانے سے وہ بھی سب کے سب اسلام لے آئیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے رشوتی اسلام کو منظور نہ کیا اور اُن کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار کر دیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۱۳ ج ۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۶۷ ج ۲)

چنانچہ فرماتے ہیں اور توریت اور انجیل کے بعد ہم نے آپ کی طرف یہ کامل اور برحق کتاب اُتاری جس کے مقابلہ میں کوئی کتاب کتاب کہلانے کے لائق نہیں جو خود بھی حق اور صدق کے ساتھ متلبس ہے اور اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے کہ جو کتابیں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر من جانب اللہ نازل ہوئیں وہ اللہ کی برحق کتابیں تھیں یہ بھی قرآن کے حق ہونے کی دلیل ہے اس لیے کہ حق ہی حق کی تصدیق کرتا ہے باطل دین کبھی دین حق کی تصدیق نہیں کرتا اور یہ قرآن پہلی کتابوں کا محافظ اور نگہبان ہے کہ محرف کو غیر محرف سے ممتاز [1] اور جدا کر دیتا ہے یعنی اُن کتابوں میں جو غلط باتیں شامل ہو گئی ہیں ان کو بتلا کر اصل حقیقت کو واضح کر دیتا ہے گویا کہ یہ اُن کا محافظ اور امین اور نگہبان ہے۔ پس گذشتہ کتابوں میں جو ایسی بات ہے کہ قرآن کے موافق ہے تو وہ حق ہے اور جو اس کے مخالف ہے وہ باطل ہے پس جس طرح سابقین کا یہ طرز عمل رہا کہ ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے اسی طرح آپ بھی اُن کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجیے کہ جو اللہ نے آپ پر حق کے ساتھ اُتاری ہے اور تمام کتب سابقہ پر مہیمن (حاکم) ہے اور جو حق آپ کے پاس آ چکا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشوں اور فرمائشوں کی پیروی نہ کیجیے۔ یعنی جس طرح آپ ﷺ نے اس وقت اُن کی خواہش اور فرمائش سے صاف انکار کر دیا اسی طرح آئندہ بھی آپ ﷺ اسی حق پر قائم رہیں جس کی بناء پر آپ ﷺ نے احبارِ یہود کی خواہش کو پورا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا آپ ﷺ کی رائے نہایت صائب اور درست تھی آپ ﷺ ہمیشہ اسی پر قائم رہیے اس لیے کہ آپ کو جو دین حق دیا گیا ہے وہ کبھی منسوخ نہ ہوگا۔ ہم نے آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تم میں سے ہر گروہ کے لیے ایک دستور اور راہِ عمل مقرر کیا تھا جس پر چل کر وہ خدا تک پہنچ سکے اسی طرح حق تعالیٰ نے آپ کے لیے یہ شریعت اور یہ شاہراہ مقرر کی ہے آپ ﷺ اس شاہراہ پر چلیے اور اس شاہراہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر چلنے کا خیال بھی نہ کیجیے۔

فائدہ: شرعة کے معنی شریعت کے ہیں اور منہاج کے معنی طریقت کے ہیں شریعت اصل میں پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں اور پانی پر زندگی کا دار و مدار ہے اور اصطلاح میں شریعت احکامِ خداوندی کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو بمنزلہ آبِ حیات کے ہیں کہ اُن کے پینے سے یہ یعنی ان پر عمل کرنے سے دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے اور منہاج سے طریقۂ عمل اور طریقۂ اصلاح مراد ہے۔ یعنی تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کا طریقہ مراد ہے اور طریقت شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے کتاب و سنت میں احکام شرعیہ بھی ہیں اور تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کے طریقے بھی ہیں اور سب خدا تک پہنچنے کے راستے ہیں کوئی کسی راہ سے اور کوئی کسی راہ سے جا رہا ہے۔

حق جل شانہٗ باقتضاء حکمت و مصلحت ہر زمانہ اور ہر امت کے احوال اور استعداد کے مناسب انبیاء کرام کو شریعتیں اور ہدایتیں عطا فرماتے رہے مگر اصول دین اور مقاصد کلیہ جن پر نجاتِ ابدی کا مدار ہے اور جن کو حق تعالیٰ نے ایک مقام پر لفظ دین سے تعبیر کیا ہے

---

[1] شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں یعنی تحریف از غیر تحریف جدا می سازد واللہ اعلم۔ (فتح الرحمٰن)

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوریٰ: ۱۳) وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((نحن معاشر الانبياء اخوة علات ديننا واحد)) یعنی ہم تمام پیغمبر بمنزلہ علاتی بھائیوں کے ہیں کہ جن کا باپ (یعنی دین) ایک اور مائیں (یعنی شریعتیں) مختلف ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں مختلف رہیں۔ کسی شریعت میں کوئی چیز حلال ہوئی اور کسی میں حرام کسی ملت کے احکام میں خفت اور سہولت رہی جیسا کہ شریعت عیسویہ میں اور کسی میں شدت اور صعوبت جیسا کہ شریعت موسویہ جس زمان اور مکان اور جس قوم کے لیے حق تعالیٰ نے جو مصلحت جانا اس کے مطابق حکم دیا ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت اور صلاحیت اور استعداد پر مبنی ہے اس علیم وحکیم نے جیسا مناسب جانا ویسی شریعت نازل کی اب اس اخیر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت کامل اور معتدل شریعت نازل کی جو قیامت تک تمام عالم کی ہدایت کے لیے کافی اور شافی ہے جس طرح پہلی شریعتیں من جانب اللہ تھیں اور واجب الاطاعت تھیں اسی طرح یہ آخری شریعت بھی من جانب اللہ بصد ہزار شوق ورغبت اس کو قبول کرنا چاہیے ایک وفادار غلام کا یہ فریضہ ہے کہ آقا کے جدید اور آخری حکم کے سامنے گردن جھکا دینے کے لیے تیار رہے جدید حکم کے ہوتے ہوئے سابق اور قدیم حکم پر عمل کرنا تمرد اور سرکشی کی دلیل ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا کہ سب کے لیے ایک ہی شریعت ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء پر مختلف شریعتوں کو اس لیے اُتارا تا کہ تمہارا امتحان کرے اُس چیز میں جو تم کو دی ہے یعنی اے اقوام عالم تم کو جو مختلف زمانوں میں مختلف شریعتیں دی گئیں اس سے مقصود تمہاری آزمائش تھی کہ کون حکم خداوندی بجالاتا ہے اور کون قدیم رسم کی پابندی پر اصرار کرتا ہے اور کون جدید حکم (یعنی ناسخ) کو چھوڑ کر قدیم حکم یعنی منسوخ کی پیروی کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں شرائع مختلف کی تشریح سے امتحان اور آزمائش مقصود تھی کہ کون اس کے حکم مانتا ہے اور کون رسم و رواج یا منسوخ حکم کی پیروی کرتا ہے اور اس کو آزمائش اس لیے فرمایا کہ انسان جس طریقہ کا عادی ہو جاتا ہے اس کا چھوڑنا اس پر طبعاً گراں ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر اُمت کے لیے ایک شریعت مقرر کی تا کہ اس پر چلیں اور اگر ہر نفس کو اس کی خواہش پر چھوڑ دیا جاتا تو لوگ خدا کے بندے نہ رہتے بلکہ نفس کے بندے بن جاتے۔

پس اے لوگو! تم تعصب اور ہوا پرستی کو چھوڑ کر اپنے مرنے سے پہلے اُن بہترین عقائد اور اعمال اور مکارم اخلاق کی طرف دوڑو اور ان کی طلب میں سرگرم رہو جن کی طرف تم کو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ وتحیۃ دعوت دیتی ہے یعنی تم کو چاہیے کہ اس آخری شریعت کا اتباع کرو جس کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور وہ شریعت کاملہ اور عادلہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہو کر آئی ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست   کتب خانہ چند ملت بشست
پیغام خدانخست آدم علیہ السلام آورد   انجام بشارت ابن مریم علیہما السلام آورد
باجملہ رسل نامہ بے خاتم بود   احمد صلی اللہ علیہ وسلم برنامہ خاتم آورد

اب نجات اس آخری شریعت کے اتباع میں منحصر ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد نجات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں منحصر تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا اتباع نجات کے لیے کافی نہ تھا۔ اسی طرح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نجات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں منحصر ہے اور اسی میں خیر ہے اور اس کے ذریعہ تم خدا تک پہنچ سکتے ہو۔ پس اگر تم

میدان سعادت میں گوئے سبقت لے جانا چاہتے ہو تو اس آخری شریعت کا اتباع کرو۔

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند

کس بہ میداں درنمی آید سواراں راچہ شد

لہٰذا تم بلا تردد اس خیر کی طرف دوڑو اور یہ نہ سمجھو کہ ہم ہمیشہ دنیا ہی میں رہیں گے ایک دن اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے جب وہاں پہنچو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اُن تمام باتوں سے آگاہ کردے گا جس میں یعنی دین اور شریعت کے بارہ میں تم اختلاف کرتے تھے وہاں پہنچ کر حق اور باطل کی حقیقت منکشف ہوجائے گی اور نتیجہ سامنے آجائے گا۔

اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ جو شریعت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کی اب تک اس پر قائم رہیں اور یہود اور نصاریٰ کے مکر وفریب سے ہوشیار رہیں۔ پس ان کے باہمی نزاع کا فیصلہ آپ اپنی اُس شریعت کے مطابق کیجیے جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے اور ہم آپ کو مکرر حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اہل کتاب کے درمیان اُس کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ پر اُتاری ہے اگرچہ وہ ان کے رسم ورواج کے خلاف ہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیے اور ان سے احتیاط رکھیے کہ مبادا کسی وقت یہ لوگ اپنی چرب زبانی اور ظاہری ملمع کاری سے آپ ﷺ کو خدا کے نازل کردہ حکم سے کچھ بچلانہ دیں جیسا کہ بعض علماء یہود نے آپ ﷺ کے بچلانے اور پھسلانے اور فریب دینے کی یہ تدبیر کی کہ آپ ﷺ کے پاس جائیں اور جا کر یہ کہیں کہ اے محمد ﷺ! ہماری قوم میں آپس میں کچھ نزاع ہوگیا ہے آپ ﷺ کے پاس فیصلہ لائیں گے اگر ہمارے موافق فیصلہ کردیں گے تو ہم مسلمان ہوجائیں گے اور آپ ﷺ کی پیغمبری کو مان لیں گے اور ہمارے مسلمان ہونے سے یہود کی ایک عظیم جماعت ہماری متابعت میں اسلام قبول کرلے گی۔ چونکہ آنحضرت ﷺ ایمان اور ہدایت کے دلدادہ تھے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الشعراء)، ﴿وَ مَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (یوسف) اس لیے یہود نے حضور پُرنور ﷺ کو پھسلانے کے لیے یہ رشوتی اسلام پیش کیا مگر آپ نے اُسے ٹھکرا دیا اور اُن کی خواہش پر چلنے سے صاف انکار کردیا۔ اس آیت میں آپ ﷺ کی اسی استقامت کی تصویب اور تصدیق اور تائید ہے اور آئندہ بھی ایسی ہی شان عصمت پر ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے پھر اگر یہ لوگ آپ کے فیصلہ سے اعراض کریں تو جان لیجیے کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ دنیا ہی میں اُن کو اُن کے بعض گناہوں کی سزا میں مبتلائے مصیبت کرے اور وہ بعض جرم آپ ﷺ کے فیصلہ کو نہ ماننا ہے اور بعض گناہوں کی تخصیص اس لیے کی کہ دنیا میں بعض ہی گناہوں کی سزا ملتی ہے کل گناہوں کی نہیں ملتی تمام گناہوں کی پوری سزا آخرت میں ملے گی اور بے شک بہت سے لوگ دین اور شریعت کی حدود سے باہر نکلنے والے ہیں یعنی اکثر یہودی فاسق اور بدکار ہیں وہ آپ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوسکتے اب کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں کہ امیر کو فقیر پر برتری رہے دیت اور قصاص اور تاوان میں امیر وغریب میں فرق رکھا جائے شریعت کا فیصلہ عدل اور انصاف پر مبنی ہے اور یہود کا یہ رسم ورواج جہالت اور گمراہی پر مبنی ہے اور اللہ کے فیصلہ سے کس کا فیصلہ اچھا ہے اُن لوگوں کے لیے جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے فیصلہ کو نہیں مانتے اُن کو آخرت پر یقین نہیں اگر یقین ہوتا تو اللہ کے فیصلہ سے انحراف نہ کرتے کیونکہ اس کے فیصلہ سے اچھا کس کا فیصلہ ہوسکتا ہے خدا کے فیصلہ سے اعراض اور انحراف دلیل جہالت کی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ

اے ایمان والو مت پکڑو یہود اور نصاریٰ کو رفیق وہی آپس میں

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

رفیق ہیں ایک دوسرے کے اور جو کوئی تم میں اُن سے رفاقت کرے وہ اُن ہی میں ہے اللہ

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو اب تو دیکھے گا جن کے دل میں آزار ہے

يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى

دوڑ کر ملے جاتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجاوے ہم پر گردش سو شاید

اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا

اللہ جلد بھیجے فیصلہ یا کچھ حکم اپنے پاس سے تو فجر کو لگیں

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتانے اور کہتے ہیں مسلمان کہ یہ وہی لوگ ہیں کہ

اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں خراب گئے ان کے عمل

فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

پھر رہ گئے نقصان میں

حکم چہاردہم۔ ممانعت از موالاۃ یہود ونصاریٰ وذم منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ . . . اِلٰى . . . فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہود اور نصاریٰ کے قبائح کو بیان کیا اب ان آیات میں مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم اُن سے محبت نہ کرنا جو اُن سے محبت کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا کیونکہ محبت اور صحبت کا بڑا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے محبت کا یہ اثر ہے کہ محبوب کی ہر چیز محب کی

نظر میں محبوب ہوجاتی ہے جذام اور سرطان کی طرح کفر اور شرک ایک روحانی مرض ہے دلی میل جول سے اس کے جراثیم متعدی ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کے باغیوں کی دلی محبت اور میل جول سے رفتہ رفتہ انہیں کا مذہب اختیار کر لیتا ہے فی الحال اگرچہ باعتبار باطن کے ان میں سے نہیں لیکن اُن کی محبت اور صحبت سے اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر انہیں میں سے نہ ہو جائے یعنی اسلام سے مرتد نہ ہو جائے جیسا کہ آئندہ آیت میں اسی فتنۂ ارتداد کی خبر دی گئی ہے جس طرح کسی حکومت کی رعایا بن جانے کے بعد قانونِ حکومت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا حکومت سے ارتداد ہے اسی طرح اسلام میں داخل ہونے کے بعد قانون شریعت پر نکتہ چینی اور تبصرہ کرنا اسلام سے ارتداد ہے اور کافروں سے دلی تعلق ارتداد کی علامت اور اس کا پیش خیمہ ہے اور اگر وہ اس کو چھپائیں اور اسلام کو ظاہر کریں تو وہ نفاق ہے جو شخص حکومت کے دشمنوں اور باغیوں سے میل جول اور دوستانہ تعلقات رکھے تو حکومت کی نظر میں اس کی وفاداری مشکوک ہو جاتی ہے اسی طرح کافروں سے دوستانہ تعلقات سے خدا تعالیٰ کی نظر میں اسلام کی وفاداری مشکوک ہو جاتی ہے۔

شانِ نزول:

یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارہ میں نازل ہوئیں یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ شاید اُحد کی طرح مسلمان پھر مغلوب ہوں تو یہود سے ہماری دوستی کام آئے گی اور یہ کہا کہ انی رجل اخاف الدوائر یعنی میں ایسا مرد ہوشیار ہوں کہ مجھے حوادث دھر کا اندیشہ ہے اس لیے باقتضاء مصلحت میں یہود سے تعلق قطع نہیں کر سکتا۔ عبداللہ بن ابی منافق کی طرح حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بھی یہود سے حلیفانہ تعلقات تھے مگر چونکہ وہ سچے مسلمان تھے اس لیے انہوں نے فوراً یہود سے قطع تعلق کر دیا اور عبداللہ بن ابی منافق کہنے لگا کہ میں اُن کی دوستی نہیں چھوڑ سکتا میرا بڑا نقصان ہو گا حالانکہ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی دوستی تھی مگر انہوں نے چھوڑ دی۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خدا کے دشمنوں سے تعلق قطع کرو اور منافقوں کی طرح یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ کسی طرح تمہارے دوست نہیں بن سکتے وہ تو باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یعنی اگرچہ ان میں باہم اختلاف ہے مگر تمہاری مخالفت اور عداوت میں وہ سب ایک ہیں کیونکہ وہ سب کفر و نفاق میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں اور ''کند ہم جنس با ہم جنس پرواز'' تم میں سے جو شخص اُن کو دوست بنائے گا سو وہ بلاشبہ انہیں میں سے ہو گا یا یہ معنی ہیں کہ اُن کے اختلاط سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ انہیں میں سے ہو جائے گا یعنی مرتد ہو کر انہیں میں سے ہو جائے یا کم از کم شعائر کفر اور رسوم شرکیہ سے نفور اور بیزار تو نہ رہے گا دل سے اگرچہ اُن کا مذہب اختیار نہیں کیا مگر عملاً اور ظاہراً تو انہیں میں سے شمار ہو گا اور ﴿فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ باعتبار اطلاق کے اعتقاد اور عمل دونوں کو شامل ہے تحقیق اللہ تعالیٰ بے راہوں اور ستم گاروں کو ہدایت نہیں دیتا یعنی جو شخص دشمنان اسلام سے موالات اور دوستی کر کے اپنی جان پر ظلم و ستم کرے اور اسلام کے مغلوب اور مقہور ہونے کا انتظار کرے ایسے بدبخت ظالم کی راہ ہدایت پر آنے کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی جو لوگ کافروں کی دوستی میں غرق ہیں وہ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ پس اے دیکھنے والے تو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر لے گا کہ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر کافروں میں گھسے جاتے ہیں اور اگر کوئی انہیں فہمائش کرتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ زمانہ کا کوئی حادثہ ہم کو نہ آ پہنچے ان کا مقصود یہ تھا کہ ہم کو یقین نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے اگر کوئی وقت ایسا آیا کہ دشمن ان پر غالب آ گیا تو وہ ہم کو ان کا ساتھی سمجھ کر پیس ڈالے گا۔ لہٰذا ہم ان سے بگاڑنا نہیں چاہتے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُن کا یہ گمان غلط ہے عنقریب خداوند ذوالجلال مسلمانوں کو ان پر غالب کرے گا اور یہ کم بخت

منافق پچھتاتے رہ جائیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس وہ وقت قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی فتح اور غلبہ کو ظاہر فرمائے اور جن سے یہ دوستی کررہے ہیں وہ مقہور و مغلوب ہوں یا اس کے علاوہ اور کوئی امر پردۂ غیب سے ظاہر فرمائے جیسے بنی نضیر کی جلاوطنی اور بنی قریظہ کی گردن زدنی کا حکم اس وقت یہ منافقین اُن باتوں پر جو اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں پشیمان ہوں گے۔ یعنی جب خدا تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کے دشمنوں پر فتح دے گا اور ان کے دشمنوں میں سے کسی کو جلاوطن کرے گا اور کسی کو قتل کرائے گا اس وقت منافقوں پر کھلے گا کہ ہمارا گمان غلط تھا کہ رسول خدا ﷺ کو غلبہ نہ ہوگا اور جن کی شوکت پر بھروسہ کرتے تھے اُن کی ساری شوکت خاک میں مل گئی اور جن کا سہارا ڈھونڈتے تھے وہ سہارا ختم ہوا اور خدا تعالیٰ کی پیشین گوئی پوری صادق ہوگئی کہ اسلام کا غلبہ ہوگیا اور دشمنوں کی تمام شوکت ختم ہوگئی۔ اس وقت یہ لوگ اپنے گمان پر پشیمان ہوں گے اور جس وقت ان منافقین کا پردہ چاک ہوگا۔ اس وقت اہل ایمان آپس میں تعجب سے یہ کہیں گے کیا وہی لوگ ہیں جو تم سے یعنی تم مسلمانوں کے آگے اللہ کی پکی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ وہ بلاشبہ تمہارے ساتھ ہیں یعنی اس دن مسلمان بڑے تعجب سے آپس میں یہ کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں کہ ہم سے بڑی پکی قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں آج ان کا جھوٹ اور نفاق ظاہر ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ جھوٹے تھے دعویٰ تو یہ تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ظاہر ہوا اس کے خلاف۔ الغرض ان کی ساری کارروائیاں غارت گئیں ان منافقوں کا ظاہری اسلام کچھ کام نہ آیا اور یہ ساری جدوجہد کہ دونوں طرف سے بھلے بنے رہیں بیکار گئی کیونکہ کفار تو خود مغلوب ہوئے اس لیے اُن کا ساتھ دینا بیکار رہا اور مسلمانوں کے سامنے ان کی قلعی کھل گئی۔ پس دونوں طرف سے نقصان اور خسارہ میں رہ گئے نہ اِدھر کے رہے اور نہ اُدھر کے اور اسلام کے غلبہ اور فتح سے ان کی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي
اے ایمان والو! جو کوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو
اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ
اللہ آگے لاوے گا لوگ کہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں نرم دل ہیں مسلمانوں پر اور زبردست ہیں
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ
کافروں پر لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝٥٤ اِنَّمَا
یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار

وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ

تمہارا رفیق وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور ایمان والے جو قائم ہیں نماز پر اور

يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ

دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ نوے (عاجزی کرنے والے) ہیں اور جو کوئی رفاقت پکڑے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور

ع ۸/۶ ۱۲ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع

ایمان والوں کی تو اللہ کی جماعت وہی ہوں گے غالب۔

فتنۂ ارتداد اور غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ . . . الٰی . . . هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ﴾

ربط: اُوپر کی آیت میں جو ارتداد سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو حکم ہوا تھا کہ کفار سے دوستی نہ کریں جو اُن سے محبت کرے گا وہ فی الحال یا فی المآل انہیں میں سے ہو جائے گا یعنی مرتد ہو جائے گا۔ لہٰذا اب اس آیت میں ارتداد کی سزا ارشاد فرماتے ہیں اور عنقریب پیش آنے والے فتنۂ ارتداد اور اسلام کے غلبہ اور اس کے ابدی بقاء اور حفاظت اور تائید غیبی کے متعلق ایک عظیم الشان پیشین گوئی فرماتے ہیں اور نزول آیت کے وقت جو مسلمان موجود تھے ان کو پہلے ہی سے یہ خبر دیتے ہیں کہ عنقریب فتنۂ ارتداد پیش آئے گا اور تم میں سے کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے اور اس خبر کے ساتھ ہی ساتھ یہ بشارت سناتے ہیں کہ اس فتنہ سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اور خدا تعالیٰ نے اس فتنہ کے قلع قمع کرنے کے لیے عالم غیب سے یہ تدبیر مقرر کی ہے کہ خاصانِ خدا کی ایک جماعت ان مرتدین کے قتل و قتال کے لیے من جانب اللہ برانگیختہ کی جائے گی جو اِن مرتدین کی ایسی سرکوبی کرے گی کہ کفر سر اٹھانے کے قابل نہ رہے گا اور یہ حق جل شانہٗ کی سنّت ہے کہ جو شخص یا جو جماعت اسلام میں فتنہ اور رخنہ ڈالنے کے لیے کھڑی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی سرکوبی کے لیے ایسے جاں نثار اور وفادار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں خدا کی راہ میں کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں ہوتی۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ﴾ (محمد)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ ﴾ (ابراہیم)

چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خدا کے دشمنوں یعنی کافروں کی محبت اور صحبت سے بچتے رہو کیونکہ اُن کی صحبت اور محبت سے مرتد ہو جانے کا اندیشہ ہے خوب سن لو جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جائے گا یعنی دین اسلام سے پھر جائے گا تو اس کے ارتداد سے دین اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لیے عنقریب ایسی جماعت اور گروہ کو

اپنے ساتھ لائے گا یہ ساتھ لانا بقوم میں باء الصاق کا ترجمہ ہے اور کسی کو ساتھ لانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خود بھی ساتھ آئے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو ساتھ لے کر آئے گا اور جس کے ساتھ آئے گا وہ بلاشبہ اس کا محبوب اور مقرب ہوگا اس لیے آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ جس گروہ کو خدا تعالیٰ مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے لے کر آئے گا اُن میں چار وصف ہوں گے اور وہ چار وصف یہ ہوں گے جن کا آئندہ ذکر فرماتے ہیں۔

① اللہ تعالیٰ اُن سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے یعنی یہ جماعت اللہ تعالیٰ کی محب اور عاشق بھی ہوگی اور محبوب بھی ہوگی۔

② ایمانداروں کے حق میں وہ نرم اور مہربان اور دشمنانِ خدا کے مقابلہ میں سخت ہوں گے تاکہ خدا کے مقابلہ میں سرکشی کرنے والوں کا غرور کافور ہو جائے۔

③ خدا کی راہ میں دل کھول کر جہاد کریں گے اُن کی گردنیں ماریں گے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے غلام بنائیں گے اور ان کے املاک اور اموال کو لوٹیں گے۔

④ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور طعن و تشنیع سے نہ ڈریں گے۔ یعنی کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع سے متاثر ہو کر خدا کے باغیوں (مرتدین) کی سرکوبی میں کمی نہ کریں گے جیسا کہ اہل نفاق کا شیوہ ہے کہ وہ دائیں اور بائیں دیکھتے رہتے ہیں۔

یہ صفاتِ مذکورہ فاضلہ اللہ کا فضل ہیں جس کو چاہتا ہے یہ فضل عطا کرتا ہے یعنی ان صفات فاضلہ مذکورہ کے ساتھ متصف ہونا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے بغیر اُس کی مہربانی اور عنایت اور توفیق کے کوئی خود بخود ان صفات فاضلہ کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا "تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" اور اللہ بڑا وسعت والا اور دانا ہے نہ اللہ کے خزانہ میں کوئی کمی ہے اور نہ اس کے جود و کرم میں کوئی کمی ہے جس کو چاہے اپنے خزانۂ رحمت سے یہ صفات فاضلہ عطا کرے اور وہ علّام الغیوب ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون ان صفات کا اہل ہے اور کون نہیں اور حق تعالیٰ نے ان صفات فاضلہ کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو جماعت مرتدین سے جہاد و قتال کرے گی وہ اعلیٰ درجہ کے مؤمنین مخلصین ہوں گے منافق نہ ہوں گے۔

خلاصۂ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! جو اس آیت کے نزول کے وقت اہل ایمان اور اخلاص ہیں تم کو پیش آنے سے پہلے ہی خبر دی جاتی ہے کہ عنقریب مسلمانوں میں کے کچھ لوگ اسلام سے مرتد ہو جائیں گے تو خوب سمجھ لیں کہ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حمایت اور حفاظت کے لیے ایک ایسی قوم کو کھڑا کرے گا جن میں مومنین کاملین اور خاصانِ خدا کی صفاتِ کاملہ اور فاضلہ جمع ہوں گی اور وہ حزب اللہ یعنی اللہ کی خاص جماعت ہوگی جو مرتدین کی سرکوبی کرے گی اور ان پر غالب آئے گی۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد متعدد قبائلِ عرب کافر اور مرتد ہوئے اور بحمدہٖ تعالیٰ خدا تعالیٰ کا دین بے سہارا اور بے مددگار نہ رہا اور جس قوم کے لانے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جماعت تھی جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے مرتدین کی سرکوبی کی اور جنہوں نے مرتدین سے جہاد و قتال کیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں ڈال دیا کہ اس فتنہ سے بچاؤ کی صورت سوائے تلوار کے کچھ نہیں اس لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کا عزم بالجزم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کے دل میں ارادۂ جہاد و قتالِ مرتدین پیدا کر دیا سب جہاد کے لیے کھڑے ہو گئے اور حسب وعدۂ الٰہی مظفر و منصور ہوئے۔

پس جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کا خاصان خدا ہونا یعنی خدا تعالیٰ کا محب اور محبوب ہونا ثابت ہو گیا تو پھر ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا شبہ رہا یہ امر تاریخ سے اور شیعہ اور سُنی روایات سے بالاتفاق ثابت ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب ہی کچھ لوگ مرتد ہونا شروع ہو گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو یہ آگ اور تیز ہو گئی اور یہ امر بھی بالاتفاق ثابت ہے کہ سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور اُن کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی نے مرتدین سے قتال و جہاد نہیں کیا اور خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا سچا ہونا ضروری ہے خدا کی خبر کا غلط ہونا ناممکن اور محال ہے پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پورا ہو گیا کہ جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے مرتدین سے لڑے تو ثابت ہو جائے گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھی سب محبوب خدا اور محب خدا تھے اور اُن کی خلافت حق تھی کیونکہ جو محب خدا اور محبوب خدا ہو گا وہ بھلا حق کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے اور اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ﴾ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت مراد ہے تو لازم آئے گا کہ خدا تعالیٰ کی یہ خبر سچی نہ ہو کیونکہ یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ نزول آیت کے وقت جو مسلمان موجود تھے ان میں سے سوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی نے مرتدین سے قتال نہیں کیا اور اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ اُن کی لڑائی مرتدین اسلام سے نہ تھی بلکہ اپنے باغی بھائیوں سے تھی جیسا کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ھٰؤلا اخواننا قد بغوا علینا جن لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا وہ اسلام سے مرتد نہ تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت سے باغی تھے اور کسی کی امارت نہ تسلیم کرنے سے اسلام سے مرتد نہیں ہوتا معاذ اللہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روافض کے زعم کے مطابق مرتد تھے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے باوجود قوت و شوکت کے اُن سے صلح کیسے کی اور اُن کے حق میں خلافت کے حق سے کیسے دستبردار ہوئے کیا مرتد کی خلافت اور اطاعت پر صلح کرنا جائز ہے معلوم ہوا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان تھے مرتد نہ تھے بلکہ خلافت اور امارت کے اہل تھے اور امام حسن رضی اللہ عنہ حضرات شیعہ کے نزدیک امام معصوم اور مفترض الاطاعت ہیں اور اگر بقول روافض مرتدین سے وہ لوگ مراد لیے جائیں جنہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امامت کو تسلیم کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امامت سے انکار کیا اور اس بنا پر یہ لوگ مرتد اور کافر ہو گئے تو ہم یہ سوال کریں گے کہ جب یہ سب لوگ تمہارے خیال اور زعم کی بنا پر کافر اور مرتد ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان مرتدین (خلفاء ثلاثہ) سے کیوں جہاد و قتال نہ کیا۔ پس اگر یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے تو ان پر ان مرتدین سے جہاد و قتال فرض تھا۔ نیز یہ بھی ضروری تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جہاد میں ضرور کامیاب ہوتے اس وعدہ کے مطابق خدا پر لازم تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ان مرتدین کے مقابلہ کے لیے ایسی قوم کو لاتا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان مرتدین سے جہاد کرتی اور اُن کو زیر اور مغلوب کرتی جیسا کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ خدا نے ایسا نہیں کیا بلکہ معاملہ اس کے برعکس کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت مرتدین کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوئی بلکہ فتنہ روز بروز بڑھتا گیا اسی لیے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مذہب امامیہ کے فساد اور بطلان پر نہایت محکم دلیل ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۴۲۷ ج ۳)

مرتدین کے ظہور کے وقت خدا تعالیٰ نے جس قوم کے لانے کا وعدہ فرمایا اور جس کے اوصاف بیان کیے وہ تمام اوصاف علی وجہ الکمال والتمام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت میں پائے جاتے ہیں اور اُن کے اعمال اور کارناموں سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے اور شیعوں کے قول کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام رفقاء بزدل تھے کوئی بھی ان مرتدین سے جہاد و قتال کے لیے نہ نکلا۔

گزشتہ آیات میں کافروں سے دوستی کی ممانعت فرمائی جس میں مرتد ہونے کا اندیشہ تھا اور مرتدین کی سزا بھی بیان فرمائی اب یہ فرماتے ہیں کہ دوستی کس سے کی جائے یعنی اہل ایمان سے جو نہایت خشوع سے نماز پڑھتے ہیں اور نہایت خلوص سے زکوٰۃ دیتے ہیں یہ جماعت اللہ کی خاص جماعت ہے اور حزب اللہ کے نام سے موسوم ہے اور جن سے اللہ نے غلبہ اور فتح کا وعدہ فرمایا ہے: جز ایں نیست تمہارا دوست خدا ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومنین مخلصین جو دل و جان سے نماز کو قائم کرتے ہیں منافقوں کی طرح دکھلاوے کی نماز نہیں پڑھتے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (النساء) اور نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ زکوٰۃ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ لرزاں و ترساں ہوتے ہیں کہ مبادا ہماری زکوٰۃ اور صدقہ اور خیرات قبول نہ ہو منافقین کی طرح حریص اور طامع نہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر دل آمادہ نہ ہوتا ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ﴾ اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی اور حق یہ ہے کہ آیت کے الفاظ عام ہیں قیامت تک آنے والے کامل الایمان لوگوں کو شامل ہیں۔

فائدہ: ﴿ رٰكِعُوْنَ ﴾ میں رکوع سے خشوع اور خضوع کے معنی مراد ہیں یعنی ان لوگوں کا نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ ہوتا ہے اور آیت میں رکوع سے نماز کے رکوع کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ اگر اس آیت میں رکوع سے نماز کے رکوع کے معنی مراد لیے جائیں تو یہ لازم آئے گا کہ حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرنا موجب فضیلت اور قابل مدح ہو حالانکہ شریعت میں کہیں اس کا ثبوت نہیں۔ مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ لطائف و معارف کے بیان میں آئے گی۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو یہود اور نصاریٰ سے دوستی نہ کرو تمہارے دوست صرف اللہ اور اس کا رسول اور یہ مؤمنین مخلصین ہیں کہ جو خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور خلوص کے ساتھ زکوٰۃ دیتے ہیں یہ اوصاف اس لیے بیان فرمائے کہ منافقین بھی ان میں ملے جلے تھے جن پر نماز اور زکوٰۃ شاق تھی۔ پس غرض ان اوصاف کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ جو مؤمن صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں اُن سے دوستی رکھو اور جو ایسے نہیں اُن سے نہ رکھو کیونکہ وہ حقیقت میں مومن نہیں بلکہ منافق ہیں اور جو شخص ہمارے حکم کے موافق اللہ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مؤمنین مخلصین کو اپنا دوست اور رفیق بنائے تو اس کو کسی کے شر اور ضرر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہو گیا تو بے شک جو اللہ کا گروہ ہے وہی غالب ہوگا۔ وقتی طور پر اگر کافر غالب آ جائیں تو انجام کار غلبہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ ہی کو ہوتا ہے۔ ﴿ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ مطلب یہ ہے کہ کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلتِ عدد اور بے سروسامانی کو دیکھ کر کافروں کی موالات کی طرف مائل نہ ہو جاؤ اللہ ہی کی جماعت سب پر غالب آئے گی۔

لطائف و معارف

① اس مقام پر دو آیتیں ہیں پہلی آیت ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ... الى ... وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ یہ آیت آیت قتالِ مرتدین کے نام سے مشہور ہے اور دوسری آیت ﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ... الى ... هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ یہ آیت آیت ولایت کے نام سے مشہور ہے۔

مختصر بیان کیفیت واقعہ ارتداد:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض قومیں اسلام سے مرتد ہو جائیں گی اس لیے خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے یہ خبر دے دی کہ اس وقت خدا تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جو مرتدین کا قلع قمع کرے گی اللہ اس قوم سے محبت رکھتا ہوگا اور وہ قوم اللہ سے۔

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عرب کے گیارہ فرقے مرتد ہوئے تین قبیلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ میں مرتد ہو گئے اور ہر قبیلہ میں سے ایک ایک شخص دعوائے نبوت کرتا ہوا اٹھا اور اس کی قوم کے لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور فساد عظیم برپا کیا۔

پہلا فرقہ: بنی مدلج کا ہے جن کا رئیس ذوالخمار یعنی اسود عنسی تھا یہ ایک کاہن شخص تھا کہانت شعبدہ بازی میں بڑی مہارت رکھتا تھا جس نے یمن میں قبیلہ مذحج کے درمیان نبوت کا دعویٰ کیا اور اس علاقہ کے شہروں پر مُستولی ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال کو وہاں سے نکال دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سرکوبی کے لیے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو لکھا جو ان دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے قاضی تھے اور وہاں کے رؤساء اور مسلمانوں کے نام بھی لکھا کہ ذوالخمار سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ جو اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں میں سے تھے خدا تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ سے اس کو ہلاک کیا۔ جس رات وہ قتل کیا گیا اسی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی اس واقعہ پر مطلع ہوئے اور مسلمانوں کو اس کے قتل کی خبر دی اور فرمایا کہ فیروز کامیاب ہوئے جس سے مسلمان خوش ہوئے اور اگلے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔

دوسرا فرقہ: بنی حنیفہ ہے جن کا رئیس مسیلمہ کذاب تھا۔ اس شخص نے قبیلہ بنی حنیفہ کے درمیان شہر یمامہ میں دعویٰ نبوت کا کیا اور اس گستاخ نے دو آدمیوں کے ساتھ بارگاہ اقدس میں خط لکھ کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله (ﷺ) اما بعد فان الارض نصفها لی ولصفهالك.

”یعنی مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف واضح ہو کہ آدھی زمین میری اور آدھی تیری۔“

مطلب یہ تھا کہ ہم اور آپ مل کر زمین فتح کر لیں اور باہم نصف نصف تقسیم کر لیں معلوم ہوا کہ اصل مقصود دُنیاوی مال و دولت تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ خط لکھوایا:

من محمد رسول الله ﷺ الی مسیلمة الکذاب اما بعد! ﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝١٢٨﴾ (الاعراف)

”یعنی محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی جانب واضح ہو کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث کرے اور حسن عاقبت یعنی اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔“

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے کوئی انتظام کرنے نہ پائے تھے کہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس مہم کو انجام دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر اس کی طرف روانہ فرمایا حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے اس کذاب کو جہنم میں پہنچا دیا۔ مسیلمہ کے قتل کے بعد اس کے متبعین میں سے بعضے لوگ تائب بھی ہو گئے اور باقی تمام جماعت متفرق ہو گئی۔

تیسرا فرقہ: بنی اسد ہے جن کا سردار طلیحہ بن خویلد تھا اس شخص نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے اخیر زندگی ہی میں دعویٰ نبوت کیا اس کے قلع قمع کے لیے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اس سے اور اس کے اعوان وانصار سے جنگ کی جس میں طلیحہ نے شکست کھائی اور شام کی طرف بھاگ گیا اور اس کے بعد پھر تائب ہوا اور اسلام لایا اور جنگ قادسیہ میں کارنمایاں انجام دیئے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد فتنۂ ارتداد اور بلند ہوا اور آپ ﷺ کے بعد سات فرقے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مرتد ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے:

① فزارہ ② غطفان ③ بنو سلیم ④ بنی یربوع ⑤ بعض بنی تمیم ⑥ کندہ ⑦ بنی بکر بن وائل

ان ساتوں قبائل سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا اور ان کو درست کیا اس کے بعد ایک فرقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مرتد ہوا یعنی جبلۃ بن ایہم کی قوم غسّان غرض یہ کہ حرمین شریفین اور قریۂ جُواثی کے سوا اکثر عرب مرتد ہو گئے اور بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اس فرقہ کی بابت اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں باہم مکالمہ ہوا کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں ان کا قتل جائز نہیں انہی لوگوں میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے کہا: اے خلیفۂ رسول اللہ آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کر سکتے ہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ یہ فرما چکے ہیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد وقتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا اُس کی جان و مال محفوظ ہے مگر کسی حق کی وجہ سے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا خدا کی قسم میں اس سے ضرور جہاد وقتال کروں گا اگرچہ وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہو۔ نماز اگر حقِ بدن ہے تو زکوٰۃ حقِ مال ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر ہے اور ارتداد ہے اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے مسلمان ہونے کی لیے فقط کلمہ توحید و رسالت پڑھ لینا کافی نہیں جب تک تمام فرائض دین اور شعائر الاسلام اور احکام شریعت کو قبول نہ کرے اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو سنتے ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بولے کہ میری سمجھ میں آ گیا اور مجھے شرح صدر ہو گیا کہ یہی حق ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک باب قائم فرمایا وہ یہ ہے باب من اَبٰی قبول الفرائض وَما نَسَبُوْا الی الردۃ یعنی جو شخص فرائض دین میں کسی ایک فریضہ کو بھی قبول نہ کرے تو وہ بلا شبہ کافر اور مرتد ہے۔ معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے لیے محض کلمہ گو اور مدعی اسلام ہونا کافی نہیں جب تک اسلام کے تمام احکام کو قبول نہ کرے۔ دیکھو فتح الباری ص ۲۴۴ ج ۱۲ و ص ۲۴۵ ج ۳ و عمدۃ القاری طبع جدید ص ۸۲ ج ۲۴ باب قتل من ابی قبول الفرائض امام قرطبی اپنی تفسیر کے ص ۲۱۹ ج ۶ میں لکھتے ہیں:

وکانوا (ای اھل الردۃ) فی ردتھم علی قسمین قسم نبذ الشریعۃ کلھا وخرج عنھا وقسم نبذ وجوب الزکوۃ واعترف بوجوب غیرھا قالوا نصوم ونصلی ولا نزکی فقاتل الصدیق جمیعھم وبعث خالد بن ولید الیھم بالجیوش فقاتلھم وسباھم علی ماھو مشھور من اخبارھم. انتھٰی

"مرتدین اپنے ارتداد میں دو قسم پر تھے مرتدین کی ایک قسم تو وہ تھی کہ جس نے شریعت کو بالکل پس پشت ڈال دیا اور اسلام سے بالکلیہ علیحدہ اور خارج ہو گئے اور مرتدین کی دوسری قسم وہ تھی جو فقط زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر تھے اور باقی احکام شریعت

کے مقر اور معترف تھے یہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم مسلمانوں کی طرح روزہ اور نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کی ان دونوں قسموں سے جہاد و قتال کیا اور ان کے مقابلہ کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر روانہ کیا پس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان تمام مرتدین سے قتال کیا اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کیا جیسا کہ معروف و مشہور ہوا۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان مانعین زکوٰۃ کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے یہی لشکر روانہ فرمایا:

حتی سبی وقتل وحرق بالنیران اناسا ارتدوا عن الاسلام ومنعوا الزکوۃ فقاتلھم حتی اقروا بالماعون.

"یہاں تک کہ اُن لوگوں کو قید کیا اور قتل کیا جو اسلام سے مرتد ہوئے تھے اور جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا تا آنکہ انہوں نے اس امر کا اقرار کیا کہ حقیر سے حقیر چیز بھی نہ روکیں گے۔" (تفسیر ابن جریر ص ۱۸۳)

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر اور ارتداد ہے اسی طرح مثلاً زکوٰۃ یا روزہ کی فرضیت کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ جب یہ فتنہ ارتداد پیش آیا تو حق تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قلب میں ان مرتدین سے جہاد و قتال کا داعیہ پیدا فرمایا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس بارہ میں متردد تھے حتیٰ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نرمی کی درخواست کی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: اجبّار انت فی الجاھلیۃ خوّار فی الاسلام کیا تو زمانہ جاہلیت میں سختی کرنے والا تھا اور اب اسلام میں نرمی کرنے والا بن گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ یہ وقت اسلام کی کمزوری کا ہے اور یہ وقت اسلام پر نہایت نازک ہے۔ لہٰذا کچھ نرمی سے کام لینا چاہیے مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کوہ استقامت تھے ان میں کوئی تزلزل نہ آیا اور منکرین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کا مستحکم ارادہ اور عزم مصمم فرمالیا اور مانعین زکوٰۃ سے جہاد و قتال میں ابتداءً بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تردد رہا کہ یہ اہل قبلہ ہیں مگر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار زیب دوش کی اور تنہا چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور یہ فرمایا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ دین پر کوئی زوال اور نقصان آئے اور میں زندہ ہوں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو جانے سے روکا اور کہا کہ آپ بیٹھیے ہم جاتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ابتدا میں اس لڑائی کو پسند نہ کرتے تھے مگر آخر میں (جب اس کا انجام ہم پر منکشف ہوا) تو ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شکر گزار ہوئے کہ اسلام کو بڑے فتنہ سے بچایا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ یعنی قتال مرتدین کا ذکر کر کے یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میری تمام عمر کی عبادت لے لیں اور مجھے صرف اپنی ایک رات اور اپنا ایک دن دے دیں تو میں راضی ہوں رات سے غارِ ثور کی رات مراد ہے اور دن سے فتنۂ ارتداد کا دن مراد ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ قام فی الردۃ مقام الانبیاء یعنی فتنہ ارتداد میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ کام کیا جو مقام پیغمبروں کا تھا۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ ... الخ

یعنی جس وقت یہ فتنہ ارتداد پیش آئے گا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایک قوم کو اپنے ساتھ لائے گا جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوگی یعنی قتال مرتدین کے معرکہ میں خداوند ذوالجلال خود بھی موجود ہوگا کیونکہ ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ﴾ میں اصل آنے والے اللہ تعالیٰ ہوں گے اور قوم مجاہدین اللہ کے ساتھ ہوگی کیونکہ بقوم کی باء اگرچہ تعدیہ کے لیے ہے مگر معنی اِلصاق کو بھی ساتھ لیے ہوئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان مرتدین کی سرکوبی کے لیے خود بذات قدسی صفات ان مجاہدین کو ساتھ لے کر میدان قتال میں نزول اجلال فرمائیں گے اور پس پردہ اللہ اُن کے ساتھ ہوگا اور وہ جماعت ایسی ہوگی کہ اس کے دل میں مرتدین سے جہاد و قتال کا داعیہ ایسا موج زن ہوگا جس کو دیکھ کر صاحب نظر سمجھ جائے گا کہ یہ جماعت خدا تعالیٰ کی آوردہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ القاء کیا ہے ورنہ یکلخت سب کے دلوں میں ایک ہی آگ کا لگ جانا اور سب کا یکساں ہو جانا ظاہر اسباب میں ممکن نہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو مرتدین سے جہاد و قتال کے لیے جمع کرنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہوا اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ ایسی قوم کو لائے گا سو حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بالکل ایسا ہے جیسا کہ یہ فرمایا ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (الانفال: ۱۷) یعنی ان صفات کے ساتھ موصوف لوگوں کو جمع کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل تھا اور صدیق اکبر بمنزلہ جارحہٴ الٰہیہ کے تھے جن سے یہ تدبیر ظہور میں آئی ذرا غور تو کرو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یہ مرتبہ کسی کو حاصل ہوا یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

پھر آئندہ آیت میں اس قوم کی چھ صفتیں ذکر فرمائیں دو وہ ہیں جن کا تعلق بندہ اور خدا کے درمیان ہے: ① خدا تعالیٰ اُن کو محبوب رکھتا ہے اور ② وہ خدا کو محبوب رکھتے ہیں اور دو صفتیں وہ ہیں جن کا تعلق خود باہم بندوں کے درمیان ہے وہ یہ کہ ③ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ④ اور اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ یعنی مسلمانوں کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں گرم ہوں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹) جیسے جبرئیل امین علیہ السلام کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اہل ایمان کے حق میں باعث رحمت ہیں اور کافروں کے لیے موجب ہلاکت ہیں بمنزلہ جارحہٴ الٰہیہ کے ہیں کہ کبھی رحمت و برکت کا ظہور ہوتا ہے اور کبھی اتلاف اور اہلاک کا صدور ہوتا ہے ان دو صفتوں کا تعلق بندوں کے باہمی روابط اور تعلقات سے ہے اور ان چار کے علاوہ اور دو صفتیں وہ ہیں جو دینی خدمات سے متعلق ہیں ⑤ ایک فعل جہاد فی سبیل اللہ یعنی خدا تعالیٰ سے سرکشی اور گردن کشی کرنے والوں کی سرکوبی اور گردن کشی میں اپنی پوری جدوجہد کو پانی کی طرح بے دریغ بہا دینا یہ حقیقت ہے جہاد کی اور فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہاد محض اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو اس میں کوئی نفسانی اور دنیوی غرض کا شائبہ نہ ہو اور دوسری صفت (یعنی ⑥ چھٹی صفت) یہ ہے کہ داعیہٴ قلبیہ ایسا قوی ہو کہ کسی ملامت اور طعن کی پرواہ نہ کرے اور لوگوں کے کہنے سُننے سے یا قرابت کے خیال سے اس کے ارادہ اور عزم میں کوئی تزلزل نہ آئے بسا اوقات آدمی کسی چیز کو حق سمجھتا ہے مگر بدنامی اور لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع کی وجہ سے حق کی نصرت اور حمایت سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اس صفت میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ مرتدین سے جہاد و قتال کرنے والی قوم خدا تعالیٰ کی ایسی عاشق و جاں نثار اور نشہٴ عشق و محبت میں ایسی سرشار ہوگی کہ مرتدین سے جہاد و قتال کے بارہ میں اُن کو ذرہ برابر کسی ملامت اور طعن کا خیال بھی نہ آئے گا۔

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں ما نمی خواہیم ننگ و نام را

مرتدین کے اصل مارنے والے اور عذاب دینے والے حق جل شانہٗ ہیں اور مجاہدین کے ہاتھ بمنزلہ تیر اور تلوار کے ہیں۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ﴾ (التوبہ:۱۴)

"تم ان کافروں سے قتال کرو اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ ان کافروں کو تمہارے ہاتھ سے سزا دے۔"

معلوم ہوا کہ مرتدین سے جہاد کرنے والی قوم کو اصل لانے والے حق تعالیٰ ہیں اور وہی ان مرتدین کو مارنے والے ہیں مگر چونکہ اصل مارنے والا یعنی حق جل شانہٗ نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے قاصر الفہم ان مجاہدین پر طعن اور ملامت کے آوازے کستے ہیں کہ تم کس وحشت اور بربریت پر کمر بستہ ہو مجاہدین کہتے ہیں کہ اے نادانو! ہم تو خداوند پروردگار کے تیر اور تلوار ہیں جنہیں پردۂ غیب سے دست قدرت چلا رہا ہے ہمیں کیا طعن اور کیسی ملامت کیا کسی عاقل نے کبھی تیر اور تلوار کو بھی ملامت کی ہے کسی شاعر کا شعر ہے ۔

فانت حسام الملک واللہ ضارب وانت لواء الدین واللہ عاقد

اے بادشاہ تو تو اللہ کی تلوار ہے اصل مارنے والا تو وہ ہے تو تو اس کے حکم سے چل رہی ہے اور تو دین کا عَلَم جھنڈا ہے (اس کا نصب کرنے والا بھی خدا تعالیٰ ہی ہے)

پس ﴿فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ﴾ میں اس قوم کو خدا کے لانے کا مطلب یہ ہے کہ مرتدین سے جہاد و قتال کے وقت اگرچہ ظاہر نظر میں ان کا ہاتھ نظر آئے گا لیکن در پردہ دستِ قدرت اس میں کارفرما ہوگا ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ (الفتح:۱۰)

④ آیت ولایت یعنی آیت ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ... الخ﴾ کی صحیح تفسیر تو اوپر بیان ہو چکی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کو خلافت سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے عام مسلمان مراد ہیں جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں وہی لائق دوستی ہیں یہود و نصاریٰ لائق دوستی نہیں مگر حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر نہایت روشن دلیل ہے شیعہ کہتے ہیں کہ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... الخ﴾ سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد مراد ہے کیونکہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت رکوع میں ایک سائل کو اپنی انگشتری دے دی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی مگر چونکہ بے اصل اور من گھڑت روایت بھی شیعوں کی مقصد برآری کے لیے کافی نہ تھی اس لیے اس پر یہ اضافہ کیا کہ آیت میں وَلی کے معنی دوست کے نہیں بلکہ حاکم اور متصرف فی الامر کے ہیں جو خلیفہ کے ہم معنی ہیں اور اس پر بھی جب کام نہ چلا تو ایک لفظ بلافصل متصرف فی الامر یعنی بلافصل خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد ہیں جو اہل ایمان ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں انگوٹھی خیرات کرتے ہیں۔

سبحان اللہ کیا عجیب استدلال ہے جس پر شیعوں کو بڑا ناز ہے اب ہم اس استدلال کے حسن و جمال کی حقیقت ناظرین کرام پر واضح کرتے ہیں غور سے سنیں فاقول وباللہ التوفیق وبیدہٖ ازمۃ التحقیق

اوّل یہ کہ ولی کو بمعنی حاکم اور متصرف فی الامور یا بمعنی خلیفہ قرار دینا لغت عرب کے خلاف ہے ولی کے معنی دوست کے ہیں حاکم کے لیے کلام عرب میں والی کا لفظ مستعمل ہوتا ہے ولی کا لفظ مستعمل نہیں ہوتا والی مکہ اور والی مدینہ بمعنی حاکم مکہ اور حاکم مدینہ مستعمل ہوتا ہے مگر ولی مکہ اور ولی مدینہ بمعنی حاکم ہرگز نہیں سنا گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں دو لفظ ہیں ایک ولایت بکسر واؤ اور ایک ولایت بفتح واؤ

ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں وِلایت بکسر الواؤ کے معنی امارت اور حکومت کے ہیں اور والی بمعنی امیر وحاکم اسی سے ماخوذ ہے اور وَلایت بفتح واؤ کے معنی محبت اور دوستی کے ہیں اور قرب کے ہیں جو ضد ہے عداوت کی اور اسی سے صفت مشبہ ولی آئی ہے جس کے معنی دوست کے ہیں امیر کو والی کہا جاتا ہے ولی نہیں کہا جاتا۔ فقہاء کرام کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی کے جنازہ میں والی اور ولی دونوں جمع ہو جائیں تو امامت کے لیے کس کو مقدم کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ ولی اور والی میں فرق ہے البتہ جو لوگ لغت عرب سے بے خبر ہیں اُن کے نزدیک ولی اور والی میں کوئی فرق نہیں اور آیات قرآنیہ میں جا بجا یہ لفظ محب اور دوست کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جو دشمن کی ضد ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (یونس)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ﴾ (التوبہ:۷۱)

اس قسم کی تمام آیات میں ولی سے محب اور دوست کے معنی مراد ہیں کہ مسلمان ایک دوسرے کے محب اور دوست ہیں اور یہ معنی نہیں کہ ایک دوسرے پر حاکم ہیں اور آیت کا سیاق وسباق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ولی کے معنی یہاں دوست کے ہیں کیونکہ اس سے پہلے خدا تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اب آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لائق موالاۃ اور محبت ومودت اہل ایمان ہیں نہ کہ یہود و نصاریٰ۔ پس اگر آیت میں ولی کے معنی محبّ اور دوست کے نہ لیے جائیں تو پھر اس آیت کا ماقبل کی آیتوں کے ساتھ ربط قائم نہیں رہتا۔ عبدالملک بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ آیت ﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سے کون لوگ مراد ہیں تو انہوں نے یہ کہا کہ سب مسلمان مراد ہیں میں نے کہا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد علی رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ انتہیٰ (منہاج السنۃ ص ۴ج ۴)

مطلب یہ تھا کہ آیت کے عموم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی تو اس سے بھی مقصود یہ نہیں کہ یہ آیت خاص ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں اور یہ دونوں حضرات سب سے زیادہ لائق محبت اور دوستی ہیں غرض یہ کہ آیت کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! منافقین کی طرح یہود اور نصاریٰ سے دوستی نہ کرو تمہارے دوست اللہ اور اس کا رسول اور وہ تمام مؤمنین مخلصین ہیں جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہوں یعنی نماز اور زکوٰۃ خشوع اور خلوص سے ادا کرتے ہوں عام مسلمان جو اس صفت کے ساتھ موصوف ہوں اس آیت کے عموم میں داخل ہیں گو روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی کما نقلہ الثعلبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ منہاج السنۃ ص ۴ج ۴ لابن تیمیہ والمنتقی ص ۱۹ ۴ للذہبی۔

اور بعض ضعیف روایات میں آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی یا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں نازل ہوئی ان روایات کا یہ مطلب نہیں کہ آیت کا حکم ان حضرات میں منحصر ہے صرف مقصود یہ ہے کہ یہ حضرات بھی ان صفات کے ساتھ موصوف تھے۔

شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ شیعہ لوگ جو ایک جھوٹا قصہ روایت کرتے ہیں اور ترکیب نحوی میں راکعون کو یؤتون الزکوٰۃ سے حال بناتے ہیں اور حالت رکوع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک فقیر کو انگوٹھی پھینکنا بیان کرتے ہیں تو اس سے آیت کا سیاق اور سباق اور ماقبل اور مابعد سب درہم وبرہم ہو جاتا ہے اور مضمون ایسا خبط اور بے ربط ہو جاتا ہے کہ جس کو ادنیٰ عقل والا بھی قبول نہیں کر سکتا "خدا تعالیٰ

اعضاء ایشان راازہم جدا سازد چنانکہ ایشاں آیات متسعقہ بعضہا من بعض از ہم جدا کردند"۔ (ازالۃ الخفاء)

دوم یہ کہ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ﴿اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ۔ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ یہ تمام الفاظ جمع کے ہیں اُن سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد لینا بلا دلیل اور بلا قرینہ کے قطعاً جائز نہیں۔

سوم یہ کہ روافض نے اس آیت میں رکوع سے نماز کا رکوع مراد لیا ہے اور ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کو صرف ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے حالانکہ دو جملوں کے بعد اگر حال آتا ہے تو دونوں کی ضمیر سے حال بنتا ہے نہ کہ صرف ایک سے اس لیے اس آیت میں رکوع سے لغوی معنی یعنی خشوع اور خضوع مراد ہیں یعنی جھکنا اور عاجزی کرنا۔

اور مطلب یہ ہے کہ جو اہل ایمان خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور خلوص کے ساتھ زکوٰۃ دیتے ہیں وہ لائق دوستی ہیں ورنہ اگر اس آیت میں رکوع سے نماز کا رکوع مراد لیا جائے تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ خدا کے نزدیک وہ لوگ قابل تعریف ہیں جو بحالت رکوع اور بحالت نماز صدقہ اور خیرات کرتے ہیں تو لازم آئے گا کہ حالت رکوع اور حالت نماز میں صدقہ دینا بہ نسبت خارج صلوٰۃ کے زیادہ موجب فضیلت اور موجب اجر ہو حالانکہ نہ کوئی سنی اس کا قائل ہے اور نہ کوئی شیعی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ مضارع کا صیغہ ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ استمرار پر دلالت کرتا ہے لہٰذا شیعوں کو یہ بھی ثابت کرنا چاہیے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ برابر حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے۔

نیز شیعہ اور سنی سب کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فقیر و درویش تھے ان کے پاس کبھی اتنا مال ہی نہیں ہوا جس پر زکوٰۃ واجب ہو البتہ ابوبکر اور عمر اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم مالدار تھے۔ ان پر زکوٰۃ واجب تھی پس جس پر زکوٰۃ ہی نہ ہو تو وہ بحالت رکوع کیسے برابر زکوٰۃ ادا کرتا رہا۔ نیز اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دینا موالاۃ یعنی محبت اور دوستی کی شرط ہے جو حالت رکوع میں برابر زکوٰۃ ادا کرتا ہو اُس سے تو دوستی کرنی چاہیے ورنہ نہیں لہٰذا شیعوں کے قول کی بنا پر حضرت سیدہ اور سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین اور دیگر آئمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ اُن سے بحالت رکوع زکوٰۃ ادا کرنا کہیں ثابت نہیں پھر نہ معلوم کہ ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ کے ساتھ ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کی قید اتفاقی ہے یا احترازی ہے کہ حالت قیام اور حالت سجود میں اگر کوئی زکوٰۃ اور خیرات دے تو اس کا کیا حکم ہے وہ مستحق موالاۃ کا ہے یا نہیں؟ حضرات شیعہ بتلائیں کہ اس سے موالاۃ کی جائے یا نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بحالت رکوع زکوٰۃ اور صدقہ خیرات ثابت نہیں لہٰذا شیعوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی موالاۃ نہ کی جائے کیونکہ آپ کے زعم کے مطابق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم میں موالاۃ کی شرط موجود نہیں۔

چھارم یہ کہ اگر اس آیت میں ولایت سے امارت اور حکومت کے معنی ہوتے تو اخیر آیت میں اللہ تعالیٰ اس طرح نہ فرماتے ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہو جائیں گے کہ "جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر حاکم ہو جائے اور ان کے اُمور میں متصرف ہو جائے" اور یہ معنی عقلاً و نقلاً محال ہیں بلکہ کلام اس طرح ہوتا ﴿وَمَنْ يَّتَوَلّٰى عَلَيْكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یعنی جب تم پر اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان حاکم اور متصرف ہو جائیں الخ کیونکہ تولی بمعنی حکومت کا صلہ عَلٰی آتا ہے ایسی صورت میں تولی بلا واسطہ متعدی نہیں ہوتا جو شخص لوگوں پر حاکم ہو جائے تو وہاں تولّٰی علیھم بولا جائے گا تولاہ اور تولاہم نہیں کہا جائے گا۔

پنجم یہ کہ حق تعالیٰ شانہ، کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بندوں کا ولی بمعنی امیر اور خلیفہ ہے حق جل شانہ، کی بابت لفظ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین زبان پر لانا غایت درجہ گستاخی اور کمال ابلہی ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے بایں معنی کہ اہل ایمان کا محب ہے اور کافروں کا دشمن ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ﴾ (البقرہ:۹۸)

یہ تمام تفصیل خلاصہ ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا جو موصوف نے منہاج السنۃ از ص ۳ ج ۴ تا ص ۹ ج ۴ میں فرمایا ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں اور منہاج السنۃ کی تلخیص مسمی بہ منتقی للحافظ الذہبی از ص ۴۱۸ تا ص ۴۲۲ دیکھیں۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی تو قابل غور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان روافض سے زیادہ تفسیر قرآن سے باخبر تھے اگر یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلافت بلافصل کے بارہ میں نازل ہوئی تھی تو کم از کم ایک مرتبہ تو اپنی زندگی میں کسی محفل میں فرماتے کہ یہ آیت میرے بارہ میں نازل ہوئی اور تقیہ کا عذر اس لیے درست نہیں کہ شیعہ بالاتفاق یہ روایت کرتے ہیں کہ یوم شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے لیے خبر غدیر اور خبر مباہلہ اور اپنے فضائل اور مناقب کو ذکر کیا مگر اپنی امامت اور خلافت کے اثبات کے لیے آیت ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ... الخ﴾ کو ذکر نہیں فرمایا تفسیر کبیر ص ۴۳۲ ج ۳۔

⑤ حق جل شانہ، نے اس آیت میں مرتدین سے جہاد و قتال کی ہدایت فرمائی اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول ارتداد کی تعریف کردی جائے۔

ارتداد کی تعریف:

ارتداد کے معنی لغت میں رجوع یعنی لوٹ جانے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ارتداد کے معنی اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جانے کے ہیں۔ چنانچہ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ مفردات ص ۱۹۲ میں لکھتے ہیں: ھو الرجوع من الاسلام الی الکفر یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے۔

محمد علی لاہوری مرزائی اپنے ایک پمفلٹ میں لکھتا ہے کہ ارتداد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو قبول کر کے پھر اُس سے انکار کردے اور کہدے کہ آپ رسول نہیں۔

سو جاننا چاہیے کہ مرزا محمد علی لاہوری نے ارتداد کی یہ تعریف مرزائیوں کے ارتداد کی پردہ پوشی کے لیے کی ہے کہ کسی مرزائی اور قادیانی پر ارتداد کی تعریف صادق نہ آئے۔ اس لیے کہ ہر مرزائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بظاہر اقرار کرتا ہے لیکن خوب سمجھ لینا چاہیے کہ انکار رسالت کے فقط یہ معنی نہیں کہ زبان سے یہ کہہ دے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانتا۔

بلکہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرے اور یہ کہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتا جس طرح یہ منکر رسالت ہے اسی طرح جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قطعی فرمان کا انکار کردے وہ بھی منکر رسالت ہے۔ مثلاً: کوئی شخص پورے قرآن کا انکار کرے یا قرآن کی ایک سورت کا انکار کردے یا کسی سورت کی ایک آیت کا مثلاً خاتم النبیین والی آیت کا انکار کرے یا حدیث لانبی بعدی کا انکار کردے وہ بھی منکر رسالت ہے ارتداد کے معنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

① ایک یہ کہ کوئی مسلمان صراحتاً اسلام سے انکار کر بیٹھے۔

② دوسرے یہ کہ زبان سے تو اسلام کا اقرار کرے مگر اسلام کے بعض قطعی احکام کا انکار کردے دونوں صورتوں میں یہ شخص مرتد ہو جاتا ہے یعنی اسلام سے نکل کر کفر میں جانے والا ہو جاتا ہے زبان سے اسلام کا نام لینا اور اسلام کا کلمہ پڑھنا اور پھر شریعت کے کسی حکم قطعی کا انکار کردینا یہ بھی درپردہ انکار رسالت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ (الانعام: ۳۳) یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ یہ ظالم خدا کی آیات اور اس کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔

جو شخص نصوص قطعیہ اور صریحہ میں نامعقول تحریفات اور ناقابل قبول تاویلات باطلہ کرتا ہوا اور زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتا ہو اصطلاح شریعت میں اس کا نام الحاد اور زندقہ ہے اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو ارتداد کا حکم ہے لہٰذا جو شخص ختم نبوت کے قطعی اور یقینی عقیدہ کو تسلیم نہ کرے وہ بلاشبہ منکر رسالت ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ قرآن کی ایک آیت اور ایک حدیث متواتر کا انکار درپردہ قرآن کے وحی الٰہی ہونے کا انکار اور آنحضرت ﷺ کی صداقت اور رسالت کا انکار ہے اگر کسی حکومت کی رعایا بن جانے کی بعد قانون شکنی کرے اور ساتھ ہی ساتھ زبان سے حکومت کی وفاداری کا کلمہ بھی پڑھتا رہے تو حکومت اس سے اغماض نہیں کرسکتی اور وہ اس زبانی وفاداری سے پھانسی اور حبس دوام کی سزا سے نہیں بچ سکتا ہر حکومت کی نظر میں قانون شکنی اور بغاوت فتنہ اور فساد ہے جس کا انسداد حکومت کا فریضہ ہے۔ اسی طرح کفر اور ارتداد قانون شریعت کی نظر میں فتنہ اور فساد ہے اور اسی فتنہ کے انسداد کے لیے جہاد کا حکم نازل ہوا ہے۔ ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۹۳)

⑥ آیت قتالِ مرتدین اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ مرتد کی سزا شریعت میں قتل ہے اور قتل مرتد خدا تعالیٰ کے نزدیک اس قدر محبوب ہے کہ مرتدین سے قتال کرنے والوں کو حق تعالیٰ نے اپنا محبّ اور محبوب اور اپنا آوردہ فرمایا ہے۔ اور حدیث مشہور میں ہے:

((من بدّل دینه فاقتلوه)).

"یعنی جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر اس کے بدلہ دوسرا دین اختیار کرے تو اس کو قتل کر ڈالو"

اور اسی پر تمام صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور خلفاء راشدین اور سلاطین اسلام کی یہ سنت ہے۔

تفصیل اگر درکار ہو تو اس ناچیز کا تالیف کردہ رسالہ احسن البیان فی تحقیق الکفر والایمان کو دیکھیں جس میں قتل مرتد کے مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے۔

⑦ قتل مرتد پر مدعیان تہذیب کا اعتراض:

آج کل کے مدعیان تہذیب قتل مرتد کو وحشت اور بربریت بتلاتے ہیں مگر قتل مرتد پر اعتراض کرنے والے بھی عجب نادان ہیں یہ لوگ ایک معمولی بادشاہ اور صدرِ جمہوریہ کی بغاوت پر ہر قسم کی بربادی اور بمباری فقط جائز ہی نہیں سمجھتے بلکہ اس کو عین سیاست اور عین حکمت اور فرائض سلطنت اور حقوق مملکت سے سمجھتے ہیں حالانکہ وہ صدر جمہوریہ اُن عوام کے ووٹوں سے صدر بنا ہے جن میں اکثریت جاہلوں کی ہے اور اُن عورتوں کے ووٹ بھی ان میں شامل ہیں جو آئے دن اغواء کا شکار ہوتی رہتی ہیں ایسے صدر جمہوریہ کے باغیوں اور اس کی اطاعت سے مرتد ہونے والوں کے لیے سخت سے سخت سزا ان روشن خیالوں کے نزدیک بالکل درست ہے اور احکم الحاکمین سے بغاوت کرنے والوں اور اس کی اطاعت سے مرتد ہونے والوں اور اُس کے خلفاء اور وزراء یعنی انبیاء ومرسلین سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے والوں سے جہاد وقتال خلافِ تہذیب اور خلافِ انسانیت ہے۔ ع بریں عقل ودانش بباید گریست

⑧ مارشل لاء حکومت کے مرتدین کے لیے ہے:

مارشل لاء کا قانون حکومت سے مرتد ہونے والوں کے لیے ہے اور تمام مغربی قومیں اس کے جواز پر متفق ہیں لیکن شریعت الٰہیہ کے مرتدین کے لیے سزائے قتل کے نام سے ناک منہ چڑھاتے ہیں۔

چند سال ہوئے کہ پاکستان میں مارشل لاء کی عدالت سے یہ حکم جاری ہوا کہ مارشل لاء کے احکام پر کسی کو تبصرہ اور رائے زنی کی اجازت نہ ہوگی تو اس ناچیز کی زبان سے یہ دو شعر نکلے۔

مارشل لا چہ بود اے ارجمند　　چشم بند و گوش بند ولب بہ بند
حکمِ فانی را چوشد ایں حرمتے　　حکمِ باقی رابداں چوں رفعتے

افسوس اور صد افسوس کہ مجازی اور فانی حکومت کے صدر سے بغاوت اور اس کی اطاعت سے ارتداد پر مارشل لاء کا قانون تو اِن مدعیانِ تہذیب کے نزدیک قابل آفرین وتحسین ہو مگر جس خدائے احکم الحاکمین نے بندوں کو وجود اور حیات اور عقل اور ادراک عطاء کیا اس کے دین سے اور اس کے نازل کردہ قانون شریعت سے مرتد ہونے والوں کے لیے سزائے قتل ان لوگوں کے نزدیک خلاف تہذیب ہو جائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مدعیان تہذیب کے نزدیک بندوں پر خداوند ذوالجلال کا اتنا بھی حق نہیں جتنا کہ ایک صدر جمہوریہ کا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ من سوء الفهم ۔

مارشل لاء سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ملک اور سلطنت بغاوت اور فتنہ وفساد کے جراثیم سے محفوظ ہو جائے اسی طرح سمجھو کہ قتل مرتد کے حکم سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ اسلام اور مسلمان کفر اور ارتداد کے جراثیم سے محفوظ ہو جائیں شریعت کی نظر میں مرتد اور ارتداد ایک مجسم فتنہ ہے جس سے کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے خیالات میں تشویش پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لیے قتل مرتد سے بقیہ ایمانداروں کے ایمان کی حفاظت مقصود ہے جو اسلامی حکومت کا اولین فریضہ ہے مرتد کے قتل کا حکم اس لیے دیا گیا کہ ارتداد کے جراثیم دوسروں تک متعدی نہ ہوسکیں۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ اس آیت سے یہ امر صراحتاً معلوم ہو گیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور بے شمار احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

① حدیث میں ہے: ((من بدل دينه فاقتلوه)). (رواہ البخاری وابوداؤد والدارقطنی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

"آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اس کو قتل کر ڈالو)۔"

یہ حدیث مشہور ہے اور اس حدیث کے علاوہ دیگر احادیث صحیحہ میں اسی طرح آیا ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے وہ قابل گردن زدنی ہے خواہ وہ برسر پیکار ہو یا نہ ہو مرتد ارتداد کی وجہ سے واجب القتل ہے نہ کہ برسر پیکار ہونے کی وجہ سے۔

② ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف سے والیٔ یمن تھے۔ ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لیے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے دیکھا کہ ان کے پاس ایک مرتد شخص قید کر کے لایا گیا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے معلوم ہوا کہ یہ

مرتد ہے اسلام کو چھوڑ کر یہودی بن گیا ہے۔ اس پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لَا اجلس حتّٰی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فامر بہ فقتل)). (بخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی واحمد)

"میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے تین مرتبہ یہی کہا چنانچہ اس کو قتل کیا گیا۔" (صحیح بخاری وغیرہ)

③ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر میں محصور تھے اور باغی اور مفسد اُن کو قتل کرنا چاہتے تھے تو اس وقت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیوار پر چڑھ کر لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا قتل اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس سے ان تینوں کاموں سے کوئی کام سرزد نہ ہو جائے۔ وہ تینوں کام یہ ہیں:

((زنا بعد احصان و کفر بعد اسلام و قتل النفس بغیر حق)).

"شادی کے بعد زنا کرنا اور اسلام کے بعد کافر اور مرتد ہو جانا اور کسی کو ناحق قتل کر دینا۔" (نسائی وترمذی وابن ماجہ)

④ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی ایک جماعت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا:

((اینما لقیتموھم فاقتلوھُمْ فان فی قتلھم اجرا لمن قتلھم یوم القیامۃ)).(بخاری ومسلم وغیرہما)

"یعنی ان کو (مرتدین) کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اس لیے کہ ان کے قتل میں قیامت کے دن بڑا ہی اجر عظیم ملے گا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مرتدین اور زنادقہ کو آگ میں جلایا کرتے تھے۔ دیکھو صحیح بخاری

⑤ قبیلۂ عرینہ کے کچھ لوگ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور مشرف با سلام ہوئے اور بعد میں مرتد ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سب کے قتل کا حکم دیا۔ یہ روایت بخاری اور مسلم اور دیگر کتب صحاح میں مذکور اور مشہور ہے۔

ایک شبہ: بعض آزاد منش اور مرزائی جو قتل مرتد کے منکر ہیں وہ اپنے استدلال میں یہ پیش کرتے ہیں کہ بعض آیات میں مرتدین کے حبط اعمال اور آخرت میں غضب اور لعنت اور عذاب کا تو ذکر ہے مگر قتل کا ذکر نہیں۔

جواب: یہ بہانہ ہے قتل عمد کی سزا اسلام میں بالاجماع قتل ہے۔ مگر قرآن میں جس جگہ قتلِ عمد کا حکم بیان فرمایا وہاں فقط اُخروی عذاب کا ذکر فرمایا قصاص کا ذکر نہیں فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾﴾

"یعنی جو شخص کسی کو عمداً اور قصداً قتل کر دے تو آخرت میں اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور خدا نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔" (النساء: ۹۳)

غالباً کسی مرزائی کو اس میں تردّد نہ ہوگا کہ قتل عمد کی سزا اسلام میں قتل ہے حالانکہ اس آیت میں مسلمان کے قتل عمد پر فقط غضب اور لعنت اور عذاب اُخروی کا ذکر ہے قصاص کا ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی جرم کے اخروی سزا اور اُخروی عذاب کا ذکر فرماتے ہیں اور کسی جگہ دنیوی سزا کا ذکر کرتے ہیں۔ مسئلہ کا فیصلہ دونوں آیتوں کے ملانے سے ہوگا دنیوی سزا سے بچنے کے لیے فقط اُخروی عذاب کا ذکر کرنا یہ سب حیلہ اور بہانہ ہے۔

⑨ خلفائے راشدین اور قتل مرتدین:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل رہا وہ مرتدین اور مدعیانِ نبوت کو قتل کرتے تھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مرتدین کا قلع قمع کرنا احادیث اور سیر اور تاریخ سے مسلّم ہے اور یہ تمام واقعات جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ الخلفاء وغیرہ میں مذکور ہیں اور مرتدین اور مدعیانِ نبوت کا قتل تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع اور اتفاق سے ہوا ذرہ برابر اس میں نہ کسی کا خلاف ہے اور نہ کسی کو کبھی قتل مرتد کے بارہ میں کوئی شک ہوا اور نہ شُبہ پیش آیا۔

کیا قتل مرتد کے لیے محاربہ اور سلطنت کا مقابلہ شرط ہے

نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر صراحتاً ثابت ہوگیا کہ قتلِ مرتد کے لیے علت ارتداد ہے قرآن اور حدیث میں سزائے مرتد کے لیے کسی جگہ بھی محاربہ اور سلطنت سے مقابلہ اور برسر پیکار ہونے کی شرط نہیں جو شخص مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے خواہ وہ محاربہ کرے یا نہ کرے خلفائے راشدین نے ہر قسم کے مرتد کے قتل کا حکم دیا خواہ سلطنت سے محاربہ کرے یا نہ کرے قتل کی اصل علت سب جگہ ارتداد تھی نہ کہ محاربہ جو لوگ قتل مرتد کے لیے سلطنت کا مقابلہ شرط قرار دیتے ہیں یہ دھوکہ اور فریب ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا کے دین سے مرتد ہو جانا جائز ہے مگر قانون سلطنت سے مرتد اور منحرف ہو جانا اور سلطنت کا مقابلہ کرنا جرم عظیم ہے جو حکومت سے مرتد ہو جائے تو اس کا قتل تو واجب ہے اور عین حکمت اور عین مصلحت ہے اور عین سیاست ہے اور خدا کے دین سے ارتداد میں کوئی حرج نہیں معاذ اللہ جو لوگ قتلِ مرتد کے مسئلہ کو یہ کہہ کر اڑانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں قتلِ مرتد کا جو حکم آیا ہے اُس سے وہ مرتدین مراد ہیں جو حکومت اور سلطنت کے مقابلہ اور محاربہ پر آمادہ ہوں ان لوگوں کو چاہیے کہ آنکھیں کھولیں اور نصوصِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین رحمۃ اللہ علیہم اور شاہانِ اسلام کے عمل کو دیکھیں کہ ہر زمانہ میں بادشاہ اسلام نے زمانہ کے علماء کے اتفاق اور اجماع سے مرتدین کو ارتداد کی وجہ سے قتل کیا اور اسی پر تمام ائمہ اسلام کا اتفاق ہے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ قتل مرتد کا مسئلہ اسلام کے مسلّمات اور اجماعیات اور قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس کے بیان سے تمام کتب تفسیر و حدیث اور دواوین فقہیہ اور کتب تاریخیہ بھری پڑی ہیں ایسے قطعی اور اجماعی مسئلہ کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے خوب سمجھ لو اور ملاحدہ اور زنادقہ کے وسوسوں سے شبہ میں مت پڑو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

*

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا

اے ایمان والو! رفیق نہ پکڑو ایسوں کو جو ٹھہراتے ہیں تمہارا دین ہنسی اور کھیل

مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

وہ جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور وہ جو کافر ہیں اور ڈرو اللہ سے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا

اگر تم یقین رکھتے ہو اور جس وقت پکارو نماز کو اس کو ٹھہرا دیں ہنسی

وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ

اور کھیل یہ اس واسطے کہ وہ لوگ بے عقل ہیں تو کہہ اے کتاب والو! کیا

تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ

بیر ہے تم کو ہم سے مگر یہی کہ ہم یقین لائے اللہ پر اور جو ہم کو اترا اور جو اُترا

قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ

پہلے اور یہی کہ تم میں اکثر بے حکم ہیں تو کہہ میں تم کو بتاؤں ان میں کس

ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ

کی بُری جگہ ہے اللہ کے ہاں وہی جس کو اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب ہوا اور

مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا

بعضے ان میں بندر کیے اور سور اور پوجنے لگے شیطان کو وہی بدتر ہیں درجہ میں

وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ

اور بہت بہکے سیدھی راہ سے اور جب تم پاس آویں کہیں ہم یقین لائے اور

دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا

منکر ہی آئے تھے اور اُسی طرح نکلے اور اللہ خوب جانتا ہے جو

يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

چھپا رہے تھے اور تو دیکھے بہت ان میں دوڑتے ہیں گناہ پر اور زیادتی پر

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ

اور حرام کھانے پر کیا برے کام ہیں جو کر رہے ہیں کیوں نہیں منع کرتے ان کے

الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ

درویش اور مُلّا گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے کیا برے

مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ط غُلَّتْ

عمل ہیں جو کر رہے ہیں اور یہود کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بندھ گیا ان ہی

اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا م بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ لا يُنْفِقُ كَيْفَ

کے ہاتھ باندھے جاویں اور لعنت ہے ان کو اس کہنے پر بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں خرچ کرتا ہے جس طرح

يَشَآءُ ط وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

چاہے اور اس حکم سے جو تجھ کو اترا تیرے رب کی طرف سے ان کو بڑھے گی شرارت

وَّكُفْرًا ط وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ط

اور انکار اور ہم نے ڈال رکھی ہے ان میں دشمنی اور بیر قیامت کے دن تک

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ لا وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

جب آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے واسطے اللہ اس کو بجھاتا ہے اور دوڑتے ہیں ملک میں

فَسَادًا ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾

فساد کرتے اور اللہ نہیں چاہتا فساد کرنے والوں کو

اعادۂ حکم سابق بعنوان دیگر

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا ... الٰی ... وَاللهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ⑭

ربط: اس آیت میں دوسرے عنوان سے حکم سابق کا اعادہ ہے اور کفار کی محبت اور دوستی سے ممانعت کی جاتی ہے مگر عنوان دوسرا ہے جس میں ان کی شرارتوں اور قباحتوں کو بیان کرتے ہیں مثلاً شعائر اسلام اذان وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں اخیر رکوع تک اُن کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایسے لوگوں سے ہرگز ہرگز دوستی روا نہیں تاکید کے لیے حکم سابق کا اعادہ فرمایا اور قدرے اُن کی شرارتوں اور قباحتوں کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور جن پر خدا کا غضب نازل ہوا اور کچھ لوگ ان میں سے سور اور بندر کی شکل میں مسخ کیے گئے اور یہ ایسے بُرے لوگ ہیں کہ کسی طرح لائق دوستی نہیں۔

گزشتہ آیات میں خاص یہود اور نصاریٰ سے موالات کی ممانعت تھی اور اس آیت میں عام کفار سے موالاۃ کی ممانعت ہے جس میں یہود اور نصاریٰ کے علاوہ مشرکین اور منافقین بھی داخل ہیں گویا کہ یہ حکم سابق کا تتمہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ دین کی عزت وحرمت کو پورا پورا ملحوظ رکھو اور اس کی پوری حفاظت کرو اور دشمنانِ دین جو دین کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اُن کی موالاۃ اور دوستی کے ساتھ دین محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے حکم دیا جاتا ہے کہ اے ایمان والو! جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے یعنی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی یہود اور نصاریٰ اُن کو اور دوسرے کافروں کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان دار ہو۔ اس لیے کہ اندیشہ یہ ہے کہ ان کی دوستی سے تمہاری اصلی دولت اور سعادتِ ابدیہ کا سرمایہ یعنی ایمان واسلام نہ ضائع ہو جائے اور جب تم لوگوں کو اذان کے ذریعہ نماز جیسی افضل العبادات اور اکمل القربات کی طرف پکارتے ہو تو وہ اس عبادت کو جس میں نماز اور اذان دونوں آ گئیں ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ اس واسطے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں نماز اور اذان کی حقیقت نہیں سمجھتے اور بے عقل آدمی لائق محبت نہیں اگر ان کو ذرا عقل ہوتی تو سمجھتے کہ خالق کی عبادت اور بندگی اور اس کی تعظیم و تکبیر اور اس کی توحید کا اظہار واعلان جس کی تمام کُتب ساویہ اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعتیں مصدق ہیں کسی طرح قابلِ استہزاء اور تمسخر نہیں جب مسلمان اذان دیتے اور نماز پڑھتے تو یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اس کی ہنسی اڑاتے۔ یہود کہتے کہ یہ لوگ کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے کبھی کھڑے نہ ہو سکیں اور نماز پڑھنے لگے ہیں خدا کرے نہ پڑھ سکیں پھر اس پر قہقہہ لگاتے اور جب مسلمان رکوع اور سجدہ میں جاتے تو ہنستے اور ایک دوسرے کو اشارہ کرتے۔ اور مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب وہ مؤذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ سنتا تو یہ کہتا اللہ جھوٹے کو آگ میں جلائے۔ ایک رات اُس کی خادمہ آگ لا رہی تھی اور وہ نصرانی اور اس کے گھر والے پڑے سو رہے تھے اتفاق سے اس کے ہاتھ میں سے اُس آگ میں سے ایک شرارہ اُڑ کر کہیں جا پڑا جس سے وہ گھر اور وہ نصرانی اور اس کے سب گھر والے جل کر خاکستر ہو گئے اس کی دُعا کے مطابق خدا نے جھوٹے کو جلا دیا۔

اور خدا تعالیٰ نے یہ دکھلا دیا کہ صادق امین کو جھوٹا بتلانے والا دوزخ میں جانے سے پہلے ہی کس طرح آگ میں جلایا جا سکتا

ہے مطلب یہ ہے کہ خداوند ذوالجلال کی بندگی اور اس بندگی کی طرف دعوت اور اعلان جو دنیوی اور اخروی خیر پر مشتمل ہے اور ہر دین میں اس کا بہتر ہونا مسلّم ہے اس کا مذاق اڑانا یہ اُن کی بے عقلی کی دلیل ہے۔

وکم مِنْ عائب قولاً صحیحا وآفته من الفهم السقیم

آپ ان لوگوں سے جو نماز اور اذان جیسی بہترین عبادت اور دعوت خیر و صلاح و فلاح کی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ کہہ دیجیے اے اہل کتاب! تم ہم میں سوائے اس کے کیا عیب پاتے ہو کہ ہم ایک اللہ پر ایمان لے آئے ہیں اور اُس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں یعنی ہم تمہاری طرح انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہیں کرتے اور یہی کہ تم میں کے اکثر بدکار ہیں اور اطاعت خداوندی سے خارج ہیں۔ یعنی تم جو ہمارے دین پر ہنستے ہو تو اس میں کیا عیب پاتے ہو ہمارے دین کا خلاصہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام شریعتوں کا لب لباب اور تمام حکمتوں کا عطر ہے اور اُن تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم سے پہلے نازل ہوئیں کیا یہ کوئی عیب کی بات ہے جو تم اس پر ہنستے ہو ﴿وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم ہم میں سوائے اس کے اور کیا عیب پاتے ہو کہ تم طریق مستقیم سے ہٹ گئے ہو توحید کے بجائے تثلیث کے قائل ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنالیا اور اللہ کی کتابوں میں تم نے تحریف کر ڈالی اور ان معایب کو کمالات سمجھ لیا اس لیے اچھی باتیں تم کو بُری معلوم ہوتی ہیں ورنہ واقع میں ہم میں اور ہمارے دین میں کوئی عیب نہیں ہے چونکہ تم بدکار ہو اور ہم تمہاری بدکاری سے علیحدہ ہیں اس لیے ہم تمہاری آنکھوں میں کھٹکتے ہیں تمہیں اپنے عیبوں پر تو نظر نہیں اور ہمارے کمالات اور محاسن تم کو عیوب نظر آتے ہیں اہلِ تثلیث اور اہلِ تجسیم کو اہلِ توحید اور اہل تنزیہ پر طعن و تشنیع کرنے کا کہاں سے حق حاصل ہوا۔

چشم بداندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش درنظر

خلاصۂ کلام یہ کہ ﴿وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے معاملہ برعکس کیا ہوا ہے تمہیں اپنا فسق اور طریق مستقیم سے انحراف تو معیوب نہیں معلوم ہوتا اور مسلمانوں کا طریق مستقیم پر چلنا اور خدا کی بندگی کرنا اور اس کی عظمت اور کبریائی اور توحید کی اذان اور اعلان تم کو معیوب نظر آتی ہے کیا یہ کمال ابلہی اور انتہائی دیدہ دلیری نہیں۔

اب اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ یہود و نصاریٰ کے مَعایب اور اُن کے مضحکہ انگیز اقوال و افعال و حرکات کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان لوگوں سے جو مسلمانوں کو برا کہتے ہیں اور اُن کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں یہ کہہ دیجیے آؤ میں تم کو ایسی قوم کا پتہ بتلاتا ہوں جو خدا کے نزدیک باعتبار جزاء اور سزا کے اس سے زیادہ برے ہیں یعنی تم اس دین اسلام اور مسلمانوں کو بُرا سمجھتے ہو آؤ میں تم کو اس سے بھی بُرا بتاؤں جن کو اللہ کے یہاں بُرا بدلہ ملے گا وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور بعضوں کو سور بنا دیا۔ اور جنہوں نے شیطان اور معبود باطل کی پرستش کی مثلاً جن لوگوں نے گوسالہ کو معبود بنایا یعنی واقعی بُرے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور ان پر اپنا غضب نازل کیا اور اُن کی نافرمانیوں کی بناء پر اُن کو بندر اور سور کی شکل میں مسخ کیا اور جنہوں نے گوسالہ پرستی کی یا بت پرستی کی یہی لوگ باعتبار مقام اور مکان یعنی مرتبہ اور ٹھکانہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ سیدھے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں بلحاظ مکان بمعنی مرتبہ بھی سب سے بُرے ہیں اور مکان بمعنی جگہ بھی سب سے بُرے ہیں اس لیے کہ اُن کا مکان دوزخ ہے جو سب سے بُرا مکان ہے۔ لہٰذا تمہارے طعن اور استہزاء کی مستحق ایسی قوم

ہو سکتی ہے جس کا یہ حال بیان کیا گیا اور وہ قوم خود تم ہی ہو نہ کہ مسلمان۔ یہود میں سے جن لوگوں نے باوجود صریح ممانعت کے ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کیا اور وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے تھے۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۂ اعراف میں آئے گی اور اے مسلمانو! ان استہزا کرنے والوں میں سے بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر تمہاری مجلس میں داخل ہوئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ تمہاری مجلس سے نکل کر واپس چلے گئے ہیں یہ لوگ ایک لمحہ کے لیے بھی ایمان میں داخل نہیں ہوئے ان کا آمَنَّا کہنا بالکل جھوٹ ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو دلوں میں کفر اور نفاق چھپائے ہوئے ہیں یہ آیت منافقین یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر جھوٹ موٹ یہ کہہ دیتے کہ ہم آپ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کے دین سے راضی ہیں اور دل میں ان کے کفر بھرا ہوا ہوتا تھا۔ اور اے نبی! آپ ﷺ ان یہودیوں میں سے بہت سے لوگوں کو گناہ اور ظلم و زیادتی اور حرام خوری یعنی رشوت میں دوڑتا ہوا دیکھیں گے کہ دوڑ دوڑ کر ان چیزوں کی طرف جاتے ہیں اور بصد شوق اور رغبت گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں اور حرام مال پر گرے پڑتے ہیں۔ البتہ بہت ہی بُرے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں یہ حال تو اُن کے عوام کا تھا اب آگے اُن کے خواص کا حال بیان کرتے ہیں کیوں نہیں منع کرتے اُن کو خدا پرست یعنی درویش اور عالم گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے کیا ہی بُرا ہے وہ کام جو یہ خدا پرست اور عالم کرتے ہیں یعنی علماء اور فقراء کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو برے کاموں سے روکیں مگر وہ لوگ خاموش ہیں امر المعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے یہ بہت برا کام ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگلے لوگ جو برباد ہوئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے برے کام اختیار کیے اور ان کے علماء نے انہیں منع نہ کیا۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر دیکھیں۔

بارگاہِ خداوندی میں یہود کی گستاخی کا ذکر اور اُس کا ردّ

اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہود کی جسارت مخلوق سے گزر کر خالق کی حد تک پہنچ چکی ہے اور بارگاہِ ربوبیت میں گستاخی کرنے سے بھی اُن کو باک نہیں رہا خداوند ذوالجلال کی شان میں ایسے واہی تباہی الفاظ بک دیتے ہیں کہ جنہیں سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں کبھی کہتے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ﴾ (آل عمران: ۱۸۱) اور کبھی یہ الفاظ منہ سے نکالتے ہیں ﴿ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾ خدا کا ہاتھ بندھ گیا۔ یعنی معاذ اللہ! خدا بخل کرنے لگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہود کو ہر طرح کی فارغ البالی اور عیش و عشرت عطا کر رکھی تھی جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نافرمانی کی اور آپ ﷺ کو جھٹلایا تو خدا تعالیٰ نے اُن کی روزی تنگ کر دی۔ اس وقت فنحاص بن عازوراء نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہود بے بہود یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے یعنی اللہ بخل کرنے لگا ہے گویا کہ اُس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے۔ معاذ اللہ! خدا تو اس سے پاک اور منزہ ہے انہیں کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں۔ یعنی وہی خیر سے محروم کر دیئے گئے اللہ تو جواد اور کریم مطلق ہے اُس کے خزائن غیر محدود اور اس کا جود اور کرم لامتناہی ہے وہاں کسی چیز کی کمی نہیں ان کے تمرّد اور طغیان کی پاداش میں حق تعالیٰ نے ان کی جبلت میں ایسا جبن اور بخل ڈال دیا ہے، جس سے ان کے ہاتھ بالکل بند ہو گئے ہیں اور اس گستاخانہ قول کی بناء پر یہ لوگ خدا کی رحمت سے دور پھینک دیئے گئے ذلت اور مسکنت کی مہر لگا دی گئی اور ان کا یہ قول کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے بالکل غلط ہے بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ غایت

درجہ کریم ہے دونوں ہاتھوں سے دیتا ہے اور چونکہ وہ حکیم بھی ہے اس لیے جس طرح چاہتا ہے وہ خرچ کرتا ہے اُس کا جود و کرم حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہے وہ جس کو چاہتا ہے فراخی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی دیتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ﴾ (الشوریٰ: ۲۸) پس یہود کو جو تنگی پیش آئی ہے۔ معاذ اللہ! اس کی علت بخل یا فیضانِ جود کی کمی نہیں بلکہ یہود بے بہبود کی معاندانہ تکذیب اور جمود کا وبال ہے جو ان کو چکھایا جا رہا ہے وہ قابض اور باسط ہے کسی کو زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے یہ اس کی حکمت اور مشیت ہے ﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۲) اگر قبض ہے تو اُس کی حکمت قاہرہ اور باہرہ سے ہے اگر بسط ہے تو اس کی رحمت وافرہ سے ہے الغرض حق جل شانہٗ کا یہ قول ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غایت درجہ کریم ہے دونوں ہاتھوں سے دیتا ہے اس کے جود و کرم کی کوئی حد اور نہایت نہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فوائد میں یہ لکھا ہے: ''کہ دو ہاتھوں سے مہر اور قہر کا ہاتھ مراد ہے'' یعنی آج کل خدا کے مہر کا ہاتھ امتِ محمدیہ پر کھلا ہوا ہے اور قہر کا ہاتھ بنی اسرائیل پر کھلا ہوا ہے جیسا کہ اگلی آیتوں میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

فائدہ جلیلہ: اس قسم کی آیتیں جن میں خدا تعالیٰ کے منہ اور ہاتھ کا ذکر آتا ہے معاذ اللہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ بھی مخلوق کی طرح کوئی جسم ہے اور جسمانی اعضاء رکھتا ہے اس لیے کہ خداوند قدوس جسمانیت اور لوازم جسمانیہ سے پاک اور منزہ ہے سلف صالحین اور علماء محققین کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح خدا کی ذات اور وجود اور حیات اور علم اور سمع اور بصر وغیرہ تمام صفات بے چون و چگون ہیں اس کی ذات وصفات کی کوئی نظیر اور مثال اور کیفیت اس کے سوا کچھ نہیں بیان کی جا سکتی۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ماہمچناں در اولِ وصف تو ماندہ ایم

اس قسم کی آیات معلوم المعنی اور مجہول الکیف ہیں یعنی یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ید کے معنی ہاتھ اور وجہ کے معنی منہ کے ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ خدا کا ہاتھ اور منہ کس طرح کا ہے معاذ اللہ اگر اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا ہو تو جسمیت اور تشبیہ لازم آئے گی۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی حیات اور سمع اور بصر اس کی شان اقدس کے لائق اور ہمارے ادراک اور بیان سے وراء الوراء ہے اسی طرح اس کی صفت ید اور صفت وجہ بھی دیگر صفات کی طرح بے مثل اور بے چون ہے اور اُس سے وہی معنی مراد ہیں جو اس کی شان اقدس کے لائق ہوں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے لیے وجہ اور ید اور سمع اور بصر و ساق اور قدم ثابت ہیں جیسے اس کی ذات والا صفات کے شایانِ شان ہیں اور اس کی حقیقت اور کیفیت کے درپے نہیں اور باایں ہمہ وہ کسی بات میں مخلوقات کے مشابہ نہیں۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)۔

اور مسارعت فی الاثم اور اکل سحت کی وجہ سے ان کی فطرت اس درجہ فاسد اور خراب ہو چکی ہے کہ البتہ وہ قرآن جو تیرے پروردگار کی طرف سے لوگوں کی شفاء اور ہدایت کے لیے تیری طرف اُتارا گیا ہے۔ وہ ان میں سے بہتیروں کی نافرمانی اور سرکشی میں ترقی کا سبب بن جاتا ہے یعنی قرآن کریم تو شفاء اور ہدایت اور غذائے روح ہے مگر ان معاندین کی فطرت اس درجہ فاسد ہو چکی ہے کہ کلام الٰہی سن کر ان کو شفاء نہیں ہوتی بلکہ ان کی گمراہی اور سرکشی میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اگر غذائے صالح کسی فاسد المعدہ کے معدہ میں پہنچ کر اس کے مرض کو زیادہ کر دے تو اس میں غذائے صالح کا قصور نہیں مریض کے مزاج کی خرابی ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ جب

قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں جس سے ان کے سابق کفر میں ایک اور جدید کفر کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ○﴾ (بنی اسرائیل: ۸۲) اور ہم نے اہل کتاب کے حسد اور بغض اور عناد کی سزا میں ان میں باہم قیامت تک ظاہر میں عداوت اور باطن میں بغض ڈال دیا ہے یعنی ہم نے یہود اور نصاریٰ کے درمیان اور یہود کے مختلف فرقوں کے درمیان اور نصاریٰ کے مختلف فرقوں کے درمیان عداوت اور دشمنی ڈال دی ہے جو قیامت تک ان میں رہے گی چنانچہ وہ جب کبھی نبی اکرم ﷺ کے مقابلہ کے لیے لڑائی کی آگ سلگاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ بجھا دیتا ہے یعنی آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں اُن کو کامیابی نہیں ہوتی اور خدا تعالیٰ یہودیوں کی تدبیروں کو چلنے نہیں دیتا۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اللہ نے ان میں اتفاق نہیں رکھا جب آگ سلگاتے ہیں لڑائی کی یعنی فتنہ انگیزی کرتے ہیں کہ آپس میں سب کو ملا کر مسلمانوں سے لڑیں سو اللہ بجھا دیتا ہے آپس میں پھوٹ جاتے ہیں۔“ (موضح القرآن)

اور جب وہ لڑائی میں ناکام ہو جاتے ہیں تو اور طرح سے وہ زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور اسلام کے مٹانے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا اور اُن کی فتنہ پردازی پر ان کو سزا ضرور دے گا پوری سزا تو آخرت میں ملے گی البتہ بطور تنبیہ کے دُنیا میں رزق کی تنگی میں مبتلا کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ اس مضمون کے بیان کرنے سے اس جگہ مقصود آنحضرت ﷺ کو دشمنوں کی طرف سے اطمینان دلانا ہے کہ یہ دشمن لوگ کسی صورت بھی آپ کے مقابلہ میں کامیاب و فتحیاب نہیں ہو سکیں گے۔ پس اگر یہ حکم آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر یہ حکم عام ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں تو پھر مطلب یہ ہے کہ جب تک مسلمان دین اسلام پر قائم رہیں گے اور اس کے رنگ میں رنگے رہیں گے اس وقت تک نصرتِ الٰہی کے مستحق رہیں گے اور جب اُن کے دشمن اُن کے خلاف آتشِ جنگ بھڑکائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُس کو بجھا دے گا لیکن اگر خدانخواستہ خود مسلمان ہی دین سے کنارہ کش ہو جائیں اور ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ اور ﴿ضَآلِّيْنَ﴾ کے رنگ میں رنگے جائیں اور صرف نام کے مسلمان رہ جائیں تو ایسے نام کے مسلمانوں سے خدا کا وعدہ نہیں۔ ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ

اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم اتار دیتے ان کی برائیاں اور

لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

ان کو داخل کرتے نعمت کے باغوں میں اور اگر وہ قائم رکھیں توریت اور انجیل کو

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

اور جو اُترا اِن کو ان کے رب کی طرف سے تو کھاویں اپنے اُوپر سے اور

اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا

پاؤں کے نیچے سے کچھ لوگ ان میں ہیں سیدھے اور بہت ان کے برے کام

يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۹/۱۴

کر رہے ہیں

ترغیب اہل کتاب بایمان بر نبی آخر الزمان ﷺ و ذکر برکات ایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا... الی... وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾﴾

اور ہاں اگر یہ اہل کتاب جو دین اسلام کی باتوں پر اپنی بے عقلی سے تمسخر کرتے ہیں خاتم النبیین پر ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے اور اپنی شرارتوں اور حرام خوری سے باز آجاتے جو ان کے حق میں تنگی رزق کا سبب بنی ہیں تو البتہ ہم اُن کے پہلے گناہوں کو نیست و نابود کر دیتے کیونکہ اسلام لانے سے اُس سے پیشتر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور البتہ ہم اُن کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور ان کی تنگی دُور ہو جاتی اور اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قائم کرتے یعنی بغیر تحریف و تبدیل کے اس کی ہدایات پر عمل کرتے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارت اور نعمت کو نہ چھپاتے اور کتب سابقہ میں جو نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا ہے اس کو پورا کرتے اور اس کتاب کو بھی قائم کرتے جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن کی طرف نازل کی گئی ہے یعنی قرآن مجید پر عمل کرتے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے توسط سے بنی اسرائیل اور اہل کتاب کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے یہ اس لیے فرمایا کہ اہل کتاب یہ خیال نہ کریں کہ قرآن صرف بنی اسمٰعیل کے لیے نازل ہوا ہے اور بنی اسرائیل اس کے مکلّف اور مخاطب نہیں قرآن تمام عالم کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے جن میں اہلِ کتاب بھی داخل ہیں اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ سے قرآن مجید مراد نہیں بلکہ توریت اور انجیل کے علاوہ دیگر کتب سابقہ مراد ہیں جیسے زبور اور کتاب اشعیاء وغیرہ ان سب میں آنحضرت ﷺ کی بشارت اور ظہور کی پیشین گوئی مذکور ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اہل کتاب توریت اور انجیل اور کتب سابقہ کی ہدایت پر عمل کرتے اور جس نبی آخر الزمان ﷺ کی انبیاء سابقین علیہم السلام نے بشارت دی ہے اس پر ایمان لے آتے تو یہ اہل کتاب اس ایمان اور اتباع حق کی برکت سے بلاشبہ اپنے اُوپر سے بھی روزی کھاتے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی روزی کھاتے یعنی آسمان سے پانی برستا اور زمین سے پیداوار ہوتی مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اہل کتاب محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے اور آپ ﷺ کی تکذیب نہ کرتے تو جس قحط میں یہ مبتلا ہیں اس میں مبتلا نہ ہوتے آسمان سے خوب بارشیں ہوتیں اور زمین سے خوب پیداوار ہوتی اور نہایت خوشحالی میں ہوتے چونکہ انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی جن کی بشارت اور پیشین گوئی کتب قدیمہ میں تھی اور ان کو خوب معلوم تھی اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کو سختی میں مبتلا کیا اُن کی یہ تنگی اُن کی خیانتوں اور قباحتوں کی نحوست ہے خداوند کریم کے فیض عام میں کوئی کمی نہیں خدا تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت گستاخی اور دیدہ دلیری ہے مگر با ایں ہمہ سب اہل کتاب برابر نہیں ان میں سے ایک گروہ جس نے دعوت حق کو قبول کیا اور اسلام میں

داخل ہوا راہ راست پر چلنے والا ہے جیسے یہود میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہی اور نصاریٰ میں نجاشی اور اس کے پیرو یہ گروہ اعتدال پر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے: ﴿ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ (الاعراف:۱۸۱) لیکن ایسے لوگ قلیل ہیں اور اکثر ان میں وہ ہیں جو بُرے کام کرتے ہیں جیسے کعب بن اشرف اور تمام رؤساء یہود اور جو لوگ افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہیں اور اعتدال کی راہ پر ہیں وہ بہت قلیل ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا
اے رسول پہنچا جو تجھ کو اترا تیرے رب سے اور اگر یہ نہ کیا تو تُو نے کچھ نہ
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچائے گا لوگوں سے اللہ راہ نہیں دیتا
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾
منکر قوم کو

ازالۂ خوف و دہشت و وعدۂ حفاظت دربارۂ تبلیغ و دعوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ ... الی ... لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ ﴾

ربط: یہود اور نصاریٰ کی خرابیاں بیان کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین میں سعی بلیغ نہ کریں اور کسی دشمن کے خوف اور اندیشہ سے یا لوگوں کی دل شکنی کے خیال سے ہمارے کسی حکم یا کسی آیت کو اُن کے سامنے نہ پڑھیں اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نگہبان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا ذمہ دار ہے آپ تو بے خوف و خطر دین خداوندی کی تبلیغ کریں حق جل شانہٗ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کو تبلیغ کریں تو طبعی طور پر اُن کو خوف دامن گیر ہوا ﴿ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ ﴾ (طٰہٰ) تو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا: ﴿ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ ﴾ (طٰہٰ) اور موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان دلا دیا اسی طرح اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیتے ہیں اور حفاظت کا اطمینان دلاتے ہیں تاکہ طبعی خوف کی وجہ سے تبلیغ میں اضمحلال نہ آئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے میرے (برگزیدہ) رسول جو کچھ تجھ پر تیرے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اُس کو تم لوگوں تک پہنچا دو اور اگر بفرض محال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا پیغام کچھ نہیں پہنچایا یعنی اگر بفرض محال آپ سے کسی ایک حکم کے پہنچ جانے میں بھی کوتاہی ہوئی تو یہ سمجھا جائے گا کہ آپ نے فریضۂ رسالت کا حق ادا نہیں کیا اللہ کے سب حکموں کو پہنچانا ضروری ہے اس واسطے کہ بعض حکموں کو پہنچانا تبلیغ کو ضائع کرنا ہے اس لیے آپ بے خوف و خطر اللہ کے تمام حکموں کو پہنچایئے اور بے کھٹکے انہیں بیان کیجیے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ احکام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور وفات سے دو ڈھائی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر ہزارہا

عاشقانِ اسلام کے سامنے علی رؤس الاشھاد یہ اعلان فرمایا: اَللّٰھُمَّ ھل بلغت اے اللہ! تو گواہ رہ میں تیری امانت پہنچا چکا، اور یہود اور مشرکین کی طرف سے اندیشہ نہ کیجیے وہ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس لیے کہ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا یعنی کوئی شخص آپ ﷺ کو قتل نہیں کر سکے گا۔ بے شک اللہ راہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو یعنی خدا اُن کو یہ قدرت نہیں دے گا کہ وہ تجھ کو ہلاک کر سکیں یا تیرے اوپر غالب آسکیں واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کو کفار سے جو جسمانی تکلیفیں پہنچیں ہیں وہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے پہنچی ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کوئی شخص آپ ﷺ کو تکلیف نہیں پہنچا سکا۔ جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب رات کو آپ ﷺ کی پاسبانی اور نگہبانی کیا کرتے تھے۔ جب آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قبہ سے اپنا سر نکال کر اُن سے فرمایا: کہ اب تم میرے پاس سے چلے جاؤ اللہ میرا نگہبان ہے۔

مگر شیعہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تبلیغ سے احکام دین کی تبلیغ مراد نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کی تبلیغ مراد ہے اور اس بارہ میں ایک روایت بھی گھڑی ہے وہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ جب آخری حج سے واپس ہوتے ہوئے غدیر خم میں ٹھہرے تو یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیجیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان بایں الفاظ کیا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اور اصل آیت اس طرح تھی ﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ان عَلِيًّا مولى المؤمنين﴾ یہ سب گپ ہے یہ آیت غدیر خم کے موقع سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ترمذی وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے وقت آپ کی پاسبانی کیا کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی آپ اسی وقت بالاخانہ سے باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے اب کسی کی پاسبانی کی ضرورت نہیں۔ اور حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت غدیر خم سے برسوں پہلے بوقت شب مدینہ میں نازل ہوئی۔

ذکر آیۂ اُولی الامر:

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل اور عصمت ایمہ کے بارہ میں آیت ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ﴾ کے بعد آیت اُولی الامر کا نمبر ہے یعنی اس آیت ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء:۵۹) میں علماء اہل سنت کے نزدیک اُولی الامر سے علماء اور فقہاء اور حکام اسلام مراد ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اُولی الامر سے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ اور بعض شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اُولی الامر سے بارہ امام مراد ہیں۔ یہ سب تحریف ہے اور علاوہ تحریف کے خود مذہب شیعہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ آیت میں درصورت شبہ مخالفتِ شریعت اُولی الامر سے نزاع کی اجازت ہے جو عصمت کے منافی ہے اور مذہب شیعہ میں ایمہ معصوم ہیں اُن سے کسی حال میں نزاع جائز نہیں آنکھ بند کر کے ان کی اطاعت فرض ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

تو کہہ اے کتاب والو تم کچھ راہ پر نہیں جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ

اور جو تم کو اتارا گیا تمہارے رب سے اور اُن میں بہتوں کو بڑھے گی اس کلام سے جو

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸

تجھ کو اترا تیرے رب سے شرارت اور انکار سو تو افسوس نہ کھا اس قوم منکر پر

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

البتہ جو مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۹

اور پچھلے دن پر اور عمل کرے نیک نہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غم کھاویں

ابطال باطل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ ... الٰى ... فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۹﴾

ربط: تبلیغ کا رُکن اوّل احقاقِ حق ہے اور رکن ثانی ابطال باطل ہے۔ گزشتہ آیات میں اجمالاً احقاق حق تھا اب اس کے بعد اس آیت میں اجمالاً اِبطال باطل کا بیان ہے پھر آئندہ آیات میں نصاریٰ کے عقیدۂ فاسدہ کا تفصیلاً ابطال ہے اور مقصود اہل کتاب کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب ہے کہ باطل کو چھوڑ کر حق کا اتباع کریں آپ ان یہود و نصاریٰ سے یہ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب تم جو اپنے آپ کو دین کے بارہ میں راہ حق اور ہدایت پر سمجھتے ہو خوب جان لو تم کسی راہ پر نہیں ہو چونکہ تم حق سے منحرف ہو چکے ہو اس لیے تم بمنزلہ بے راہ کے ہو تمہارا مذہب بالکل ہیچ ہے جس طریقہ پر تم ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کوئی چیز ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ تم کسی چیز پر بھی نہیں جب تک تم توریت اور انجیل کو قائم نہ کرو اور اس کتاب کو قائم نہ کرو جو بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے یعنی قرآن کریم مطلب یہ ہے کہ جب تک تم توریت اور انجیل اور صحفِ انبیاء کے مطابق عمل نہ کرو گے اور اُن کی ہدایت کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان نہ لاؤ گے اور اس کتاب کا اتباع نہ کرو گے جو نبی آخر الزمان ﷺ پر نازل ہوئی تو حقیقت میں تمہارا ایمان کچھ نہیں نہ توریت وانجیل پر ہے اور نہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہی پر جیسا کہ رجم اور قصاص کے بارہ میں گزر چکا اور ان لوگوں کا راہِ راست پر آنا بہت دشوار ہے حسد اور عناد کی وجہ سے۔ ان کی فطرت اس درجہ خراب ہو چکی ہے کہ البتہ وہ کلام الٰہی جو تیرے پروردگار

کی طرف سے تیری جانب اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو پہلے سے اور زیادہ کر دیتا ہے۔ پس آپ ﷺ ان معاندین اور منکرین کے ایمان نہ لانے پر کچھ افسوس نہ کیجیے کیونکہ ان کے کفر کا ضرر انہی پر ہے آپ ان کے کفر وعناد سے تنگ دل ہو کر فرائض میں کوئی کمی نہ کیجیے۔

قانونِ نجات

چونکہ یہود اور نصاریٰ کو یہ خیال تھا کہ ہم لوگوں کے سوا اور کوئی نجات نہ پائے گا اس لیے حق سُبحانہٗ وتعالیٰ اُن کے اس خیال باطل کو رد فرماتے ہیں اور نجات اُخروی کا ایک عام قانون جو اہل کتاب اور تمام اقوام عالم کو حاوی اور شامل ہے وہ بتلاتے ہیں۔ وہ قانونِ نجات یہ ہے کہ جو شخص صحیح طور پر خدا تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لائے اور نیک کام کرے نجات اُخروی اُس کو نصیب ہو جائے گی اور یہ قانون نہایت معقول اور منصفانہ ہے دنیا میں نجات کا یہی طریقہ ہے کہ حکومت کو مانو اور حلف وفاداری اٹھاؤ اور قانون کے مطابق عمل کرو اور اس معقول قانون سے نصاریٰ کا کفارۂ مزعومہ خود بخود باطل ہو جائے گا بجائے مجرم کے بادشاہ کے اکلوتے بیٹے کو صلیب پر چڑھا دینے سے نجات کا عقیدہ رکھنا ایک احمقانہ اور مجنونانہ خیال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق نجات اُخروی کا قانون ہمارے یہاں یہ ہے کہ جو لوگ ظاہری طور [1] پر مسلمان کہلاتے ہیں اور ایمان کے مدعی ہیں جیسے منافقین اور جو یہودی ہیں اور جو لوگ صابی ہیں۔ یعنی ستارہ پرست [2] ہیں اور جو لوگ نصرانی ہیں یا اور کوئی مذہب رکھتا ہو ان میں سے کسی کے ایمان کا اعتبار نہیں صرف وہ لوگ دعوائے ایمان میں صادق ہیں جو قواعد شریعت کے مطابق اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں۔ پس ایسے لوگوں کے ایمان کا اعتبار ہے ایسے ہی لوگوں کو اُخروی نجات نصیب ہوگی اور آخرت میں ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ غم ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ نجات اُخروی اور حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی کا معیار ایمان اور عمل صالح ہے پس جو قوم اپنے مقرّب الٰہی یا کامیاب ہونے کا دعویٰ کرے اس کو اس کسوٹی پر کس کر دیکھا جائے گا۔ لہٰذا جب تک کوئی خداوند قدوس کے وجودِ باجود اور اس کی وحدانیت اور اس کے صفات کمال اور اس کے احکام اور قوانین اور اس کے سفراء ونائبین یعنی انبیاء ومرسلین علیہم السلام پر اور روز جزاء پر ایمان نہ لائے اور اس کے حکم کے مطابق نیک کام نہ کرے اس وقت تک نعیم مقیم اور رضاء خداوندی اور فلاح ابدی سے ہمکنار ہونا ناممکن اور محال ہے یہ تمام چیزیں ایمان باللہ کے تحت داخل ہیں۔ فرض کرو کہ ایک روشن خیال بادشاہ کو تو مانتا ہے مگر حکومت کے وزراء اور سفراء کی تکذیب اور توہین کرتا ہے تو کیا یہ حکومت کی تکذیب اور توہین نہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ جو شخص کسی نبی برحق کی تکذیب اور توہین کرتا ہے تو وہ درحقیقت خداوند احکم الحاکمین کی تکذیب وتوہین کرتا ہے جس نے اس نبی کو اپنا خلیفہ اور سفیر اور نائب مقرر کر کے بھیجا ہے۔

كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ يَجْحَدُوْنَ ۝﴾ (الانعام: ۳۳)

یا فرض کرو کہ کوئی شخص سابق اور قدیم دستور اور آئین کو تو مانتا ہے اور اس کو قابل عمل سمجھتا ہے مگر حکومت کی طرف سے جو فی الوقت قانون اور دستور جاری کیا گیا اس کو نہیں مانتا اور نہ اُسے قابل عمل سمجھتا ہے تو ایسا شخص بلاشبہ حکومت کی نظر میں باغی اور مجرم ہے اسی طرح

---

[1] كما روى عن الثورى ان المراد بالذين اٰمنوا هم الذين اٰمنوا بالسنتهم وهم المنافقون وهو الذى اختاره الزجاج۔ (روح المعانی ص ۱۷۹ ج ۶)

[2] كما فى فتح الرحمٰن للشاه ولى الله الدهلوى.

منسوخ شریعت پر ایمان لانا اور اسی کو قابل عمل سمجھنا اخروی نجات کے لیے کافی نہیں حکم ناسخ کے بعد حکم منسوخ پر عمل کرنا صریح جہالت اور حماقت ہے خصوصاً جب کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارت اور اس پر ایمان لانے کی تاکید اکید مذکور ہے تو یہ کہنا کہ توریت وانجیل پر قائم ہیں بالکل غلط ہے اس لیے کہ توریت وانجیل پر ایمان لانے میں نبی آخر الزمان ﷺ پر بھی ایمان لانا داخل ہے۔

اور اس آیت کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

فائدہ: صابئین کے بارہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ ستارہ پرستوں کا گروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صابئین سے بے دین لوگ مراد ہیں اور محققین کا قول یہ ہے کہ صابئین ایک فرقہ ہے کہ جو روحانیت کا قائل ہے اور کواکب اور نجوم کی ارواح کو مدبر عالم مانتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اور نبوت کا بالکل منکر ہے صابئین کے مقابلہ میں حنفاء کی جماعت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے ان کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابئ العقیدہ تھی جن کا ابراہیم علیہ السلام نے ردّ فرمایا۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ
ہم نے لیا تھا قول بنی اسرائیل سے اور بھیجے ان کی طرف رسول
كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ
جب آیا اُن پاس کوئی رسول جو نہ خوش آیا اُن کے جی کو کتنوں کو جھٹلایا اور
فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۟ۗ ﴿۷۰﴾ وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ
کتنوں کا خون کرنے لگے اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی سو اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے پھر
تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
اللہ متوجہ ہوا ان پر پھر اندھے اور بہرے ہوئے ان میں بہت اور اللہ دیکھتا ہے
بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾
جو کرتے ہیں۔

رجوع بسوئے ذکر یہود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الی ... وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾

اُوپر سے اہل کتاب کے قبائح کا ذکر چلا آ رہا تھا۔ اب پھر اس کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق عہد لیا ہم نے اولاد

یعقوب سے کہ توحید پر قائم رہنا اور اگر نبی آخر الزمان ﷺ کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا اور اُن کی مدد کرنا اور اس عہد کے یاد دلانے کے لیے ہم نے اُن کی طرف بہت سے پیغمبر بھیجے لیکن عناد اور سرکشی سے ان کا یہ حال ہوا کہ جب کبھی کوئی رسول اُن کے پاس کوئی ایسا حکم لے کر آیا جس کو اُن کا نفس اَمارہ پسند نہیں کرتا تھا تو اُن لوگوں نے اُن میں سے کچھ پیغمبروں کی تو تکذیب کی اور کچھ پیغمبروں کو قتل کرنے لگے اور یہ گمان کر بیٹھے کہ ہمیں اس پر کوئی سزا نہ ملے گی اور خدا تعالیٰ کے حِلم سے یہ گمان کرلیا کہ پیغمبروں کے قتل کرنے یا جھٹلانے پر ہم کو کوئی سزا نہ ملے گی اور نہ کوئی بلا اور مصیبت ہم پر آئے گی اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے نڈر اور اپنے جرائم کے انجام سے بے فکر ہو کر بیٹھ گئے۔ پس شدت جہالت اور قساوت قلبی کی وجہ سے حق کے دیکھنے اور سُننے سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور جو نا کردنی کام تھے وہ کیے کسی نبی کو قتل کیا اور کسی کو قید کیا خدا تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلّط کیا جس نے ان کو خوب ذلیل اور رسوا کیا پھر ایک مدّت دراز کے بعد جب یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آئے اور تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول کی اور شاہان فارس میں سے کسی عظیم بادشاہ کو ان کی دستگیری اور رستگاری کے لیے کھڑا کیا جس نے ان کو بخت نصر کی ذلت اور خواری اور قید اور گرفتاری سے چھڑا کر بابل سے بیت المقدس کی طرف واپس کیا۔ پھر کچھ زمانہ بعد وہی شرارتیں سوجھیں اور پرانی قساوت قلبی عود کر آئی اور پھر حسب سابق ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے کہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا مگر اس ارادہ میں خدا کی قدرت سے وہ ناکام رہے۔ اور اب نبی آخر الزمان ﷺ کے قتل کی فکر میں ہیں اور یہ لوگ اگرچہ خدا کے قہر اور غضب سے اندھے ہو گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو برابر دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ اُمت محمدیہ کے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوا رہا ہے۔

فائدہ: قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس دو مرتبہ فتنہ اور ابتلاء کا ذکر ہے وہ ایک نہایت اجمالی اشارہ ہے جس کی تفصیل سورۂ اسراء کی اس آیت ﴿وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④﴾ میں مذکور ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۴۴۷۔ ج ۳)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَ قَالَ

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا اور مسیح نے کہا ہے

الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ

کہ اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا مقرر جس نے

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَ مَا

شریک کیا اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ اور کوئی نہیں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

گنہگاروں کی مدد کرنے والا۔

رجوع بذکر نصاریٰ وابطال عقیدۂ الوہیت عیسیٰ علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۔۔۔ الی ۔۔۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾﴾

ربط: یہاں تک زیادہ تر یہود کی قباحتوں اور شرارتوں کا بیان تھا انبیاء علیہم السلام کا قتل وغیرہ انہیں سے سرزد ہوا تھا۔ اب نصاریٰ کے عقائد فاسدہ کا بطلان ظاہر فرماتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اُن کے ایمان باللہ کا کیا حال ہے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اُن کا دین ہیچ ہے اور وہ کسی چیز پر نہیں جیسا کہ ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَيْءٍ﴾ میں بتلایا گیا اس جگہ نصاریٰ کے دو فرقوں کے عقائد کا بطلان بیان فرماتے ہیں: نزول قرآن کے وقت نصاریٰ میں کا ایک فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو خدا کہتا تھا اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا تعالیٰ دنیا کے گناہ معاف کرنے کے لیے حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے مجسم ہو کر بشکل مسیح علیہ السلام دنیا میں ظاہر ہوا۔ اُن کا قول یہ تھا کہ اللہ یہی تھا جو مسیح علیہ السلام کی صورت میں آیا جیسا کہ ہندوؤں کا اپنے اوتاروں کی نسبت بھی اعتقاد ہے کہ ایشر یعنی خدا تعالیٰ شیر اور انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے چونکہ یہ اعتقاد بالکل لغو تھا اس لیے حق تعالیٰ نے اس قول کے ابطال کے دلائل بیان نہیں فرمائے بلکہ صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے قول کے نقل پر اکتفاء کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ﴾ کہ وہ توحید کے داعی تھے اور شرک سے منع کرتے تھے اور ڈراتے تھے اور نصاریٰ کا یہ عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کی صریح تعلیم اور صریح ہدایت اور نصیحت کے خلاف ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول جو قرآن میں ذکر کیا گیا اناجیل مروّجہ میں موجود ہے اور نصاریٰ کا دوسرا فرقہ تثلیث کا قائل تھا اور یہ کہتا تھا کہ خدا تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس ان تینوں میں خدائی دائر ہے یعنی ان میں کا ہر ایک خدا ہے اور تینوں کا مجموعہ ایک خدا ہے گویا کہ خدا تعالیٰ نصاریٰ کے نزدیک بارگاہ الوہیت کا ایک فرد اور ایک ممبر ہے اس گروہ کا عقیدہ یہ تھا کہ خدائی تین حصوں میں منقسم ہوگئی ایک اللہ رہا ایک روح القدس ایک مسیح یہ دونوں عقیدے صریح کفر ہیں۔

عیسائیوں میں ایک تیسرا گروہ اور بھی تھا کہ جو تثلیث کا تو قائل تھا مگر بجائے روح القدس حضرت مریم علیہا السلام کو خدا مانتا تھا یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ اُن کی والدہ مریم علیہا السلام کی بھی عبادت کرتا تھا اور اُن سے اپنی حاجات طلب کرتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب کفر ہے۔ پہلا قول بھی کفر اور دوسرا قول بھی کفر ہے حق جل شانہٗ نے ان آیات میں نصاریٰ کے دونوں فرقوں کے عقائد کا ابطال فرمایا جو اتحاد کے قائل تھے اور جو تثلیث کے قائل تھے اور پہلے دلیل الزامی پیش کی کہ تمہارا یہ قول حضرت مسیح علیہ السلام کے قول اور ہدایت کے صریح خلاف ہے اس کے بعد ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۔۔۔ الخ﴾ سے دلیل تحقیقی بیان فرمائی اور اس عقیدۂ فاسدہ کے ابطال پر عقلی اور نقلی دلائل بیان فرمائے چنانچہ فرماتے ہیں بے شک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ خدا بعینہٖ یہی مسیح علیہ السلام ہے جو مریم علیہا السلام کا بیٹا ہے اور مجسّم ہو کر بشکل مسیح دنیا میں آیا ہے یہ عقیدہ فرقہ یعقوبیہ اور ملکانیہ کا تھا جو نصاریٰ کے دو فرقے تھے اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ مریم علیہا السلام نے اللہ کو جنا ہے اور اللہ تعالیٰ ذات عیسیٰ میں حلول کر گیا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے حالانکہ یہ بات بالکل مہمل اور

سراسر خلاف عقل ہے اس لیے کہ قدیم اور ازلی کا حادث کے ساتھ اتحاد اور امتزاج عقلاً محال ہے بداہت [1] عقل سے یہ امر ثابت ہے کہ دو مختلف حقیقتوں کا آپس میں متحد ہو جانا قطعاً ناممکن ہے جس طرح حرکت اور سکون اور نور اور ظلمت اور وجود اور عدم کا اتحاد عقلاً ناممکن ہے اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر واجب اور ممکن اور حادث اور قدیم کا اتحاد اور امتزاج ناممکن اور محال ہے اور اگر بالفرض والتقدیر۔ حادث اور قدیم کا اتحاد ممکن ہے تو پھر محال اور واجب کا اور ممکن اور ممتنع کا اتحاد بھی عقلاً ممکن ہونا چاہیے جس کا سوائے مجنون اور دیوانہ کے کوئی قائل نہیں ہو سکتا معلوم ہوا کہ حقیقت خداوندی اور حقیقت انسانی کا مل کر ایک ہو جانا محال ہے اور اگر عقلاء نصرانیت یہ دعویٰ کریں کہ یہ محال نہیں بلکہ ممکن ہے تو پھر نصاریٰ یہ بتلائیں کہ خدا تعالیٰ کا جسمِ فرعون اور جسم نمرود کے ساتھ اور رامچندر اور کرشن کے ساتھ متحد ہو جانا کس دلیل سے محال ہے نصاریٰ کے نزدیک جب ایک جسم بشری میں خدا تعالیٰ کا حلول اور نزول جائز ہے تو نمرود اور فرعون اور کرشن اور رامچندر کے جسم میں خدا تعالیٰ کا حلول اور نزول کس دلیل سے محال ہے نصاریٰ اس کا جواب دیں اور اگر بالفرض نصاریٰ کے نزدیک مریم علیہا السلام کے بیٹے کا خدا ہونا ممکن ہے تو کوسلیا کے بیٹے یعنی رامچندر کا اور نوکی کے بیٹے یعنی کہنیا کا خدا ہونا کیوں ناممکن ہے اور بشن اور مہادیو اور برہما جن کو ہندو لوگ اسی طرح خدا مانتے ہیں جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں نصاریٰ بتلائیں کہ یہ کیوں خدا نہیں ہو سکتے۔

حق جل شانہ، نے اس فرقہ کی جو خدا تعالیٰ اور مسیح بن مریم علیہما السلام کو ایک بتاتے تھے تکذیب کی اور یہ فرمایا کہ ان کا یہ قول کہ خدا تعالیٰ بعینہ مسیح ابن مریم علیہما السلام ہے صریح کفر ہے اور فرمایا کہ تعجب ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح بن مریم علیہما السلام ہے حالانکہ مسیح بن مریم علیہما السلام نے خود بتاکید یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے جس میں صراحتاً اپنے بندہ اور مربوب ہونے کا اقرار اور اعتراف ہے تم ان کو خدا کیسے کہتے ہو۔ پہلا کلمہ جو گہوارہ میں ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا ﴿ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ... الخ ﴾ تحقیق بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھ کو کتاب اور حکمت دی اور مجھ کو نبی بنایا اور حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ کہا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾ ﴾ جیسا کہ آل عمران میں گزرا۔

چنانچہ انجیل مرقس باب ۱۲ درس ۲۸۔ ۲۹ میں ہے کہ جب مسیح علیہ السلام سے یہ پوچھا گیا کہ سب حکموں میں سب سے اول کون سا ہے تو یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ اھ

حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول حق تعالیٰ نے نصاریٰ پر بطور حجت پیش کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دراصل مسیح بن مریم علیہما السلام کے معتقد نہیں کیونکہ مسیح علیہ السلام تو لوگوں کو خدا کی عبادت کی طرف بلایا کرتے تھے اور خود بھی عبادت اور بندگی کیا کرتے تھے اور اس سے دعا مانگا کرتے تھے۔ تمام انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدائے واحد کے عبادت گزار بندے تھے عابد تھے معبود نہ تھے ساجد تھے مسجود نہ تھے حادث اور مولود تھے قدیم اور غیر مخلوق نہ تھے مصیبت کے وقت خدا کو پکارتے تھے خدا نہ تھے معاذ اللہ! کیا خدا بھی کسی سے فریاد کرتا ہے اور مصیبت کے وقت اُس کو پکارتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام فقط خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی طرف دعوت دینے پر اکتفاء نہ کرتے تھے بلکہ شرک کرنے والوں کو خدا کے بے پناہ عذاب سے ڈراتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ تحقیق جو شخص اللہ کے ساتھ کسی

---

[1] دیکھو الاجوبۃ الفاخرہ ص ۱۵۵ سوال ثامن عشر۔

کو شریک گردانے سو اس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا ہے وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا مطلب یہ ہے کہ مشرک کی کبھی بخشش نہ ہوگی۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (النساء:۱۱۶) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۝۵۰﴾ (الاعراف)۔ وغیر ذلك من الآیات

اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مشرک کا ٹھکانا آگ ہے اور ایسے ظالموں کا جو خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک گردانیں کوئی یار و مددگار نہیں جو اُن کی مدد کرے اور ان سے عذاب کو دُور کرے۔

فائدہ: آیت ﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ ... الخ﴾ میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تمہ ہے اور مثل ﴿یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ﴾ کے یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا قول ہے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور اس کو ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا اور اس کے مطابق ہم نے تفسیر کی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ... الخ﴾ عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو پہلے کلام کی تصدیق کے لیے لایا گیا ہے۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ
بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک اور بندگی کسی کو نہیں مگر
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
ایک معبود کو اور اگر نہ چھوڑیں گے جو بات کہتے ہیں البتہ جو ان میں منکر ہیں
مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۷۳ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ
پائیں گے وہ دکھ کی مار کیوں نہیں توبہ کرتے اللہ پاس اور گناہ بخشواتے
وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۷۴ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ
اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان اور کچھ نہیں مریم کا بیٹا مگر رسول ہے گذر چکے
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ
اس سے پہلے بہت رسول اور اس کی ماں ولی ہے دونوں کھاتے تھے کھانا دیکھ
كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۝۷۵ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ
ہم کیسی بتاتے ہیں ان کو نشانیاں پھر دیکھ کہاں اُلٹے جاتے ہیں تو کہہ تم ایسی چیز پوجتے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ

ہو اللہ چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے برے کی نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سنتا

الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾

جانتا۔

ابطال عقیدہ تثلیث

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ ... الی ... وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾﴾

گزشتہ آیات میں نصاریٰ کے اُس فرقہ کا رد تھا جو یہ کہتا تھا کہ اللہ یہی تھا جو مسیح علیہ السلام کی صورت میں آیا یہ فرقہ ملکانیہ اور یعقوبیہ کا قول تھا۔ جیسا کہ پہلے گزرا اب آئندہ آیات میں نصاریٰ کے اُن فرقوں کا رد ہے جو تثلیث کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا تین حصہ ہو گیا، ایک اللہ رہا اور ایک مسیح اور ایک روح القدس اور بعضے نصاریٰ بجائے روح القدس کے حضرت مریم علیہا السلام کو تثلیث میں شامل کرتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کے ساتھ اُن کی والدہ مریم علیہا السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ پہلے قول کی طرح یہ تثلیث کا قول بھی صریح کفر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: البتہ جس طرح عقیدۂ اتحاد اور حلول کفر ہے اسی طرح عقیدۂ تثلیث بھی کفر ہے۔ پس بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہوئے جنہوں نے یہ کہا کہ خدا تین معبودوں میں کا تیسرا معبود ہے۔ یعنی خدا تین ہیں باپ بیٹا روح القدس اور ہر ایک دوسرے کا عین ہے یہ قول نصاریٰ کے دو فرقوں مرقوسیہ اور نسطوریہ کا تھا اور زمانۂ حال کے اکثر نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے اور بعض نصاریٰ تثلیث کے تو قائل تھے مگر بجائے روح القدس کے حضرت مریم علیہا السلام کو تثلیث میں داخل کرتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ اور عیسیٰ اور مریم علیہما السلام تین معبود ہیں اور الوہیت ان تینوں کے درمیان مشترک ہے جیسا کہ اس سورت کے اخیر میں حق تعالیٰ کا حضرت مسیح علیہ السلام سے یہ سوال ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس آیت میں یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ میں اصل مقصود اُن قائلین تثلیث کا رد کرنا ہے جو خدا تعالیٰ کے سوا حضرت مسیح اور حضرت مریم علیہما السلام کو خدا مانتے تھے۔ جیسا کہ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ آیت نصاریٰ کے اُس گروہ کے رد میں نازل ہوئی ہے جو خدا کے ساتھ مسیح علیہ السلام اور اُن کی والدہ مریم علیہا السلام کو خدا ٹھہراتے تھے اور سیاق و سباق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آئندہ آیت ﴿وَ اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ﴾ میں حضرت مریم علیہا السلام کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور پھر ﴿كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ﴾ میں حضرت مسیح اور مریم علیہما السلام دونوں کو ملا کر ان کی الوہیت کا ابطال فرمایا غرض یہ کہ تثلیث جس قسم کی بھی ہو بہرحال سراسر شرک ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے تثلیث کو کفر قرار دیا اور فرمایا بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک ہی ذات کیونکہ خدا وہ ہے کہ جو خود بخود ہو اور تمام کائنات کا مبداء اور منتہا ہو اور مبداء کل اور منتہائے کل وحدانیت ہی کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے اس میں شرکت کی گنجائش نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شان نہیں تمام ملتوں اور شریعتوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خداوند معبود وہ ہے کہ جو واجب الوجود ہو اور واہب الوجود ہو واجب الوجود کے معنی یہ

ہیں کہ وہ اپنی ذات سے خود بخود موجود ہو اور واہب الوجود کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ماسوا کو وجود اور حیات بخشنے والا ہو اور مبداء کل اور منتہائے کل ہو اور خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حدود اور قیود سے پاک اور منزہ ہو اور یہ مضمون قرآن کریم کی بے شمار آیتوں سے ثابت ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ کوئی انسان اور بشر اور کوئی حیوان اور جانور اور کوئی شجر اور حجر کوئی شئی بھی مبداء کل نہیں بن سکتی اس لیے کہ ہر چیز ایک خاص اور معین حد رکھتی ہے کہ اُس سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی ہر ایک متناہی اور محدود ہے اور مقیّد بقیود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان میں سے کوئی چیز خدا نہیں ہو سکتی لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا اور معبود نہیں ہو سکتے اس لیے کہ وہ حادث تھے اور محدود اور متناہی وجود اور تشخص رکھتے تھے اور مبداء کل نہ تھے اور اگر یہ دونوں گروہ اپنے اپنے اقوال کفریہ سے باز نہ آئے اور عقیدۂ حلول واتحاد اور عقیدۂ تثلیث سے تائب ہو کر توحید کے قائل نہ ہوئے تو خوب سمجھ لیں کہ جو لوگ ان میں سے اپنے کفر پر قائم ہیں یعنی عقیدۂ حلول واتحاد یا عقیدۂ تثلیث پر قائم ہیں اُن کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا آیا نصاریٰ اپنے اس کفر وشرک سے اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں مانگتے یعنی اُن کو چاہیے کہ اپنے اقوال کفریہ سے توبہ کریں اور اُس سے اپنا گناہ بخشوائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے وہ توبہ سے بڑے سے بڑے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔

دلائل ابطال الوہیت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

اب یہاں سے اُن کے عقیدۂ فاسدہ کے ابطال پر دلائل شروع ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور کچھ نہیں وہ مسیح علیہ السلام جن کا حدوث ساری دُنیا کو معلوم ہے وہ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں ایک عورت کے پیٹ سے وجود میں آئے ہیں مگر وہ خدا کے رسول ہیں صرف رسالت کے ساتھ موصوف ہیں۔ معاذ اللہ! ربوبیت اور الوہیت کے ساتھ موصوف نہیں جو ذات عدم کے بعد ایک عورت کے پیٹ سے وجود میں آئے وہ خدا کیسے ہو سکتی ہے اُن سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح معجزات قاہرہ اور نشانات باہرہ عطا کیے اور نصاریٰ بھی اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں کہتے جس طرح کے خوارق اور معجزات حضرت مسیح علیہ السلام سے ظاہر ہوئے اسی طرح کے معجزات دوسرے حضرات انبیاء کرام صلی اللہ علیہم وسلم سے ظہور میں آئے معجزات کا ظاہر ہونا الوہیت کی دلیل نہیں بلکہ نبوت اور رسالت کی دلیل ہے۔ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت کی دلیل ہے تو حضرت آدم علیہ السلام اور ملائکہ کرام اس شان میں حضرت مسیح علیہ السلام سے بہت بڑھے ہوئے ہیں اور اگر مردوں کو زندہ کرنا خدائی کی دلیل ہے تو حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت الیسع علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا کتاب السلاطین باب ۱۷ میں مذکور ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بن جانا اور مذبوحہ گائے کے گوشت کا ٹکڑا لگا دینے سے مقتول کا زندہ ہو جانا اور زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دینا علماء اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔ مگر یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نہیں کہتے اور اگر آسمان پر اٹھایا جانا دلیل الوہیت ہے تو حضرت ایلیاء علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا دوسری کتاب السلاطین باب دوم میں مذکور ہے اور فرشتے تو دن رات آسمان پر آتے جاتے ہیں تو کیا وہ خدا ہو گئے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ صدیقہ تھیں بڑی ولی تھیں اور صاحب کرامات تھیں خدا نہ تھیں ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ (التحریم:۱۲)۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول تھے اور صاحب معجزات تھے اور اُن کی والدہ ولیہ اور صاحب کرامات تھیں مگر خدا ان میں سے کوئی بھی نہ تھا نہ یہ نہ وہ اس لیے کہ دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ حوائج بشری میں وہ سب

انسانوں کی طرح تھے۔ جس طرح سب لوگوں کو بھوک اور پیاس لگتی ہے اور پیشاب اور پاخانہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اسی طرح وہ بھی کھانا کھا کر زندہ رہتے تھے اور ان کو بھی بھوک پیاس لگتی تھی اور پیشاب و پاخانہ کی ضرورت لاحق ہوتی تھی۔ بس وہ دونوں کیونکر خدا ہو سکتے ہیں؟ خدا تعالیٰ ان باتوں سے منزہ ہے مطلب یہ ہے کہ جو بشری حاجتوں میں گھرا ہوا ہو وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے؟ خدا تعالیٰ نے اُن کے قول کے بطلان پر یہ دلیل قائم فرمائی جو نہایت عجیب دلیل ہے وہ یہ کہ وہ دونوں یعنی مسیح علیہ السلام اور اُن کی والدہ علیہا السلام کھانے اور پہننے کے محتاج تھے اور خدائی اور احتیاج کا جمع ہونا دن اور رات کے جمع ہونے سے زیادہ محال ہے خدا وہ ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں اور ظاہر ہے کہ جو شخص غذا کا محتاج ہوگا وہ غذا کے وجود اور اس کے سامان کا پہلے محتاج ہوگا ایک دانہ حاصل کرنے کے لیے بغیر زمین اور آسمان اور چاند اور سورج اور ہوا اور پانی اور گرمی اور سردی حتیٰ کہ بغیر کھاد (یعنی نجاست) اُس کو کوئی چارہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو غذا کا محتاج ہوگا وہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام چیزوں کا محتاج ہوگا۔ پس اگر معاذ اللہ خدا بھی کھانے کا محتاج ہو تو ایک خرابی تو یہ لازم آئے گی کہ خدا بھی اپنے وجود میں دوسروں کا محتاج ہو حالانکہ سنا سب سے یہی تھا کہ خدا کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور سب خدا کے محتاج ہوتے ہیں مگر یہاں ماجرا برعکس نکلا کہ خدا ہی دوسروں کا محتاج اور دست نگر ہوا۔ دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ پھر خدا اور بندہ میں کیا فرق رہا بندہ کی طرح خدا بھی محتاج نکلا خدا کے لیے تو یہ چاہیے تھا کہ وہ سب سے بے نیاز ہو اس لیے کہ جتنی حکومت بڑھتی ہے اسی قدر بے نیازی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ پس کیا اس احکم الحاکمین کے لیے ہر طرح سے استغناء اور بے نیازی ضروری نہ ہوگی۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ بشر غذا کا اس لیے محتاج ہوتا ہے کہ اس کا وجود بغیر غذا کے تھم نہیں سکتا اور بغیر غذا کے زندہ اور موجود اور باقی نہیں رہ سکتا، جس کا حاصل یہ ہے کہ بشر کا وجود، اصلی اور خانہ زاد نہیں ورنہ اپنا وجود تھامنے میں دوسروں کا دست نگر نہ ہوتا۔ پس اگر خدا بھی غذا اور سامان غذا کا محتاج ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ معاذ اللہ خدا سے اپنا وجود آپ تھم نہیں سکتا اور اپنے وجود اور حیات اور بقاء میں سامانِ غذا کا محتاج ہے۔ پس جو ذات تمام انسانوں کی طرح اپنے وجود اور بقاء میں غذا اور سامانِ غذا سے مستغنی نہ ہو اور بھوک اور پیاس اور پیشاب اور پاخانہ کی ضرورت اس کو لاحق ہوتی ہو وہ ذات خدا کیونکر بن سکتی ہے؟ یہ ایسی قوی اور واضح اور روشن دلیل ہے جس پر نہ کوئی حکیم اور فلسفی کسی قسم کا نقض وارد کرسکتا ہے اور نہ کسی جاہل کو اس کے سمجھنے میں دشواری ہوسکتی ہے یعنی کھانا پینا الوہیت کے منافی ہے اگرچہ نہ کھانا الوہیت کی دلیل نہیں ورنہ سارے فرشتے خدا بن جائیں معاذ اللہ۔ دیکھئے تو سہی کہ ہم کس طرح ان کے لیے مسیح علیہ السلام کی اثباتِ بشریت وعبدیت اور ابطال الوہیت کے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں جن کے جواب سے وہ بالکل عاجز ہیں پھر انہیں دیکھیے کہ وہ قبول حق سے کس طرح پھرے جارہے ہیں۔ یعنی تعجب کی بات ہے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت اور بشریت کے ایسے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں جو آفتاب سے زیادہ روشن ہیں مگر با ایں ہمہ وہ قبول حق سے روگرداں ہیں اور اُن کو خدا ہی کہے جاتے ہیں۔

دلیل دیگر بر ابطال اُلوہیّت مسیح مَع توبیخ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے یہ کہہ دیجیے کہ کیا تم مسیح علیہ السلام اور اُن کی والدہ علیہا السلام کی پرستش کرتے ہو جن کا درجہ تمہارے نزدیک بھی خدا سے کمتر اور فروتر ہے اور خدا کے برابر نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نصاریٰ کے نزدیک خدا کے بیٹے تھے باپ کے ہم مرتبہ نہ تھے اور ظاہر ہے کہ جو کمتر ہوگا اور کسی سے مرتبہ میں کم ہوگا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ عقلاً خدا کے لیے ضروری ہے کہ خدا سب سے اعلیٰ

اور برتر ہو جو کسی سے بھی کمتر ہو ہو خدا نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں تم ایسی ذات کی پرستش کرتے ہو جو تمہارے کسی ضرر اور کسی نفع کی مالک نہیں معلوم ہوا کہ خدا وہی ہو سکتا ہے جو کہ تمام کے نفع اور ضرر کا مالک ہو اور جو شخص نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر نہ ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا بلکہ وہ عبد ہے کیونکہ عجز منافی الوہیت کے ہے اور بقول نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام نے چیخ چیخ کر صلیب پر جان دے دی نہ اپنی ذات کو نفع پہنچا سکے اور نہ یہود کے ضرر کو اپنے سے ہٹا سکے۔ پس تم نے مسیح علیہ السلام کو کیسے معبود بنالیا اور نصاریٰ کے قول پر اگر واقعہ صلیب کو حق مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ خدائے معبود تو مغلوب ہوا اور جو بندے اس کے دشمن تھے وہ خدا پر غالب آ گئے۔ (معاذ اللہ) اور ظاہر ہے کہ جب بقول نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام قتل کر دیئے گئے تو وہ اپنی مصیبت نہ ٹال سکے تو دوسروں کی مصیبت کیا دفع کر سکیں گے اور اللہ وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ یعنی وہ تمہارے ان اقوال کفریہ کو سنتا ہے اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام تمام عالم کے اقوال کو سننے والے اور مخلوق کے دلوں کے احوال جاننے والے نہ تھے پس وہ کیونکر خدا ہوئے۔

نصاریٰ بتلائیں کہ جس وقت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر چلا کر جان دی اس جان دینے کے وقت بھی مسیح مجسم خدا تھا یا نہیں اور اس وقت ان میں اور خدا میں عینیت تھی یا غیریت تھی اور صلیب پر جس نے جان دی وہ خدا تھا یا بندہ تھا علماء نصاریٰ ہی اس عقدہ کو حل کریں۔

علماء فرنگ کا ایک عذر لنگ اور تحمیق و تجہیل سے بچنے کیلئے ایک عجیب و غریب تاویل

نصاریٰ جب اس نامعقول عقیدہ تثلیث کی تفہیم سے اور مسلمانوں کے دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ عذر کرتے ہیں کہ یہ تثلیث فی التوحید خدا کا ایک بھید ہے ہم نہیں سمجھ سکتے یہ سب دھوکہ اور فریب ہے اور اپنی بے عقلی اور حماقت کی پردہ پوشی ہے عقیدہ تثلیث سراسر خلافِ عقل ہے فوق العقل اور ماوراء عقل نہیں۔ فوق العقل اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے ادراک سے عقل قاصر اور درماندہ ہو اور وہ چیز ادراک اور مشاہدہ سے بالا اور برتر ہو اور خلافِ عقل وہ چیز ہے کہ عقل دلیل اور برہان کی بناء پر اس کی نفی کرتی ہو اور اس کو مردود اور باطل اور محال قرار دیتی ہو مثلاً عقل حکم کرتی ہے کہ ایک شے میں وجود اور لا وجود کا اجتماع اور ارتفاع محال ہے اور اسی طرح ایک شے میں وحدت اور کثرت کا اجتماع اور ارتفاع زوجیت اور فردیت کا اجتماع اور ارتفاع ناممکن اور محال ہے اور اسی طرح عقل حکم کرتی ہے کہ ایک محل میں ضدین کا اجتماع محال ہے مثلاً نور اور ظلمت کا اور حمرت اور صفرت کا اور حرارت و برودت کا اور بینائی اور نابینائی کا اور حرکت اور سکون کا ایک مادہ واحدہ شخصیہ میں ایک جہت اور ایک حیثیت سے اجتماع محال ہے ہر عاقل کی عقل اس کے محال اور ناممکن ہونے کا حکم کرتی ہے اور جو شخص ان چیزوں کو ممکن سمجھے وہ عقل سے کورا اور بے بہرہ ہے یہ چیزیں خلاف عقل ہیں فوق العقل اور وراء العقل نہیں اسی طرح توحید اور تثلیث کا اجتماع اور اتحاد سراسر خلاف عقل ہے وراء عقل نہیں عقل دلائل اور براہین سے خالق اور مخلوق اور عابد اور معبود کے اتحاد کو باطل اور مردود قرار دیتی ہے یہ نہیں کہ عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام ص ۲۴۰ تا ص ۲۴۴

بلکہ تمام اہل اسلام اور اہل کتاب کا اس پر اتفاق ہے اگر کلام الٰہی میں کوئی ایسی شئی پائی جائے کہ ادلہ عقلیہ اور نقلیہ کے خلاف ہو تو اس میں تاویل واجب ہے اور ظاہری معنی پر اس کو محمول کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فان الانبیاء علیہم السّلام یخبرون الناس بما تقصر عقولھم عن معرفتہ لا بما یعرفون انہ ممتنع فیخبرونھم بمجاورات العقول لا بمحالات العقول۔ (دیکھو الجواب الصحیح ص ۷۷ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اُمورِ غیبیہ اور عالم غیب کی چیزوں کی خبر دیتے ہیں جو ادراک اور احساس سے بالاتر ہیں مگر ان میں کوئی شے محال اور ناممکن نہیں حضرات انبیاء علیہم السلام نے ملائکہ اور جنت اور جہنم کی خبر دی۔ ان میں سے کوئی چیز بھی عقلاً محال نہیں البتہ فی الحال ہمارے ادراک اور مشاہدہ سے بالا اور برتر ہیں یہ چیزیں معلوم الوجود اور مجہول الکیفیت ہیں ایسی چیزوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کے اعتماد پر تسلیم کر لینے کا نام ایمان بالغیب ہے۔ معاذ اللہ! کسی نبی نے محال اور ناممکن شے پر ایمان لانے کی دعوت نہیں دی اور جن اُمورِ غیبیہ پر انبیاء کرام علیہم السلام نے ایمان لانے کا حکم دیا ہے وہ دُنیاوی زندگی میں غیب ہیں قیامت کے دن جب اُن سے پردہ اٹھا دیا جائے گا تو سب کچھ آنکھوں سے نظر آ جائے گا۔

اطلاع: عقیدۂ تثلیث کا مفصل ابطال سورۂ نساء کی اس آیت ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکا ہے اور اس ناچیز نے اس موضوع پر ''احسن الحدیث فی ابطال التثلیث'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ بھی لکھ دیا ہے۔ طالبان حق اس کی مراجعت کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا

تو کہہ اے اہل کتاب مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں ناحق اور مت چلو

اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ

خیال پر ایک لوگوں کے جو بہک گئے ہیں آگے اور بہکا گئے بہتوں کو اور بھولے

سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ ع ۱۰/۱۱/۱۴

سیدھی راہ سے لعنت کھائی منکروں نے بنی اسرائیل میں سے داؤد کی زبان

دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾

پر اور عیسٰی بیٹے مریم کی یہ اس سے کہ گنہگار تھے اور حد پر نہ رہتے تھے

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

آپس میں نہ منع کرتے برے کام سے جو کر رہے تھے کیا برا کام ہے جو کرتے تھے

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

تو دیکھے ان میں بہت لوگ رفیق ہوتے ہیں کافروں کے بری تیاری بھیجی ہے

لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

اپنے واسطے کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور ہمیشہ وہ عذاب میں ہیں

وَ لَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِيِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ

اور اگر یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور جو اس پر اُترا تو ان کو رفیق نہ ٹھہراتے پر ان میں

اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ

بہت لوگ بے حکم ہیں تو پاوے گا سب لوگوں میں زیادہ

عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ

دشمنی مسلمانوں سے یہود کو اور شریک والوں کو اور تو پاوے گا

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ

سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ

بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اس واسطے کہ ان میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

تنبیہ اہل کتاب برسبب گمراہی ایشان
وممانعت از اتباع گمراہان پیشینان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ... الٰی ... وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ اور اُن کی گمراہی کا بیان تھا اب ان آیات میں اہل کتاب کی گمراہی اور تباہی کا سبب بیان کرتے ہیں اور گمراہوں کی پیروی سے منع فرماتے ہیں اہل کتاب کی گمراہی کا سبب یہ ہوا کہ ان لوگوں نے دین میں غلو کیا اور افراط اور تفریط سے کام لیا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں غلو کیا کہ اُن کو خدا ٹھہرایا یہ افراط ہوا اور یہود نے اُن کو ایسا گھٹایا کہ اُن کی نبوت کو بھی نہ مانا اور اُن کو ساحر اور کذاب بتلایا اور اُن کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ علیہا السلام پر زنا کی تہمت لگائی یہ تفریط ہوئی اور ہر بدعت و ضلالت کا سبب یہی غلو فی الدین یعنی افراط وتفریط ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق حد سے تجاوز نہ کرو یعنی دین کے بارہ میں افراط اور تفریط دونوں ہی مذموم ہیں۔ یہود کا غلو عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں

یہ تھا کہ وہ ان کی ماں پر زنا کی تہمت دھرتے تھے اور ان کو مولودِ ناجائز بتلاتے تھے۔ اور نصاریٰ کا غلو یہ تھا کہ وہ اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! تم اپنے دین کے بارہ میں ناحق غلو کو راہ نہ دو جو اصل بات ہے اس پر قائم رہو اصل بات یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے مقرب اور برگزیدہ بندے اور رسول ہیں اور ان کی پیدائش خدا کی قدرت یعنی کلمہ کن سے ہوئی وہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے جیسا کہ نصاریٰ کا خیال ہے اور نہ کذاب اور مفتری ہیں جیسا کہ یہود کا خیال ہے اور اے اہل کتاب! تم ان لوگوں کی خواہشوں اور بلا دلیل خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنے سوا اور بہتوں کو بھی گمراہ کیا اور یہ باطل عقیدے لوگوں میں پھیلا گئے تم ان کی راہ پر نہ چلنا اور یہ لوگ سیدھی راہ سے بہک چکے ہیں اور غلو اور افراط اور تفریط کی وجہ سے حدِ لعنت کو پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کی راہ اختیار کی ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کی زبان پر لعنت کی گئی جن لوگوں پر داؤد علیہ السلام کی زبانی لعنت ہوئی وہ اصحاب السبت ہیں۔ اور جن لوگوں پر عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی وہ اصحاب المائدہ ہیں۔ اہل سبت نے جب سَبْت (ہفتہ) کے دن مچھلیوں کا شکار کیا جس کی اُن کو ممانعت تھی تو داؤد علیہ السلام نے اُن کے لیے بددُعا کی کہ بارِ خدایا ان پر لعنت فرما اور ان کو بندر بنا دے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کی بددُعا سے وہ سب آدمی بندر بن گئے۔ اور اصحاب مائدہ نے جب اُس خوان سے جو اُن کی درخواست اور طلب پر آسمان سے اترتا تھا کھایا اور اس سے ذخیرہ جمع کیا اور پھر بھی ایمان نہ لائے تو عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کے لیے بددُعا کی کہ اے پروردگار! ان پر لعنت کر اور ان کو سُور بنا دے۔ چنانچہ وہ سب سور بنا دیئے گئے اور یہ لعنت اس لیے ہوئی کہ اللہ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی لعنت اس درجہ تباہ کن اور مہلک ثابت ہوئی کہ اعلانیہ طور پر بندر اور سور کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے تاکہ دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی معصیت اور لعنت کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ باقی رہا مسخ معنوی وہ ایک امر خفی ہے جو ظاہری طور پر عبرت کا سبب نہیں بن سکتا نیز مسخ باطنی اور معنوی کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں اس زمانہ میں بھی جو لوگ حدود شریعت سے نکل چکے ہیں اور معصیت پر دلیر اور بے باک ہو چکے ہیں دل اور باطن اُن کا بھی مسخ ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی پناہ میں رکھے (آمین)۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو اس بُرے کام سے منع نہیں کرتے تھے جس بُرے کام کو وہ خود کرتے تھے یعنی وہ اپنے سابق عصیان اور اعتداء پر قائم اور مستمر تھے بلاشبہ وہ کام بہت بُرا تھا جو وہ کرتے تھے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا یہ بہت ہی بُرا کام ہے جو شخص باوجود قدرت کے بُرائی سے روک ٹوک نہیں کرتا گویا کہ در پردہ اس بُرائی پر راضی ہے اور ایک معنی کر اس میں شریک ہے۔

ذکر یہود حاضرین

اُوپر کی آیت میں یہود کے اسلاف کا ذکر تھا اب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود کا ذکر فرماتے ہیں: (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان یہود میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں اس درجہ غلو کر چکے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں کافروں سے یعنی بت پرستوں سے دوستی کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اہل مکہ کی مدد کرتے ہیں حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں بیشک بُرا ہے وہ کام جو انہوں نے مرنے سے پہلے آخرت کا عذاب بھگتنے کے لیے آگے بھیج دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ یعنی اُن کے اعمال خدا کے غضب اور دائمی عذاب کا باعث بنے اور اگر یہ

لوگ ایمان لاتے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر اور ایمان لاتے اُس نبی پر جس کی بشارت توریت اور انجیل میں لکھی ہوئی پاتے ہیں اور ایمان لاتے اس کتاب پر جو اس نبی آخر الزمان ﷺ کی طرف اُتاری گئی تو ان بت پرست کافروں کو دوست نہ بناتے اور خدا پرستوں کے مقابلہ میں بت پرستوں کو ترجیح نہ دیتے لیکن اکثر ان میں سے بدکار ہیں اور حد سے تجاوز کر چکے ہیں اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں غرق ہیں۔ (اے نبی ﷺ) البتہ آپ مسلمانوں کی دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ سخت یہود کو پاؤ گے اور ان کو کہ جو مشرک ہیں اور غیر مسلم قوموں میں سے مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریب اُن لوگوں کو پائیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دوست تو یہ بھی نہیں مگر یہود اور مشرکین کے لحاظ سے غنیمت ہیں کہ دوستی کا دم تو بھرتے ہیں یہ دوستی میں ان کا قریب ہونا اس سبب سے ہے کہ ان میں کچھ لوگ عالم ہیں اور کچھ لوگ درویش یعنی گوشہ نشین اور تارک الدنیا ہیں اور اس سبب سے کہ یہ تکبر نہیں کرتے اس علم اور درویشی اور تواضع کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں سے دوستی رکھنے کے لحاظ سے قریب ہو گئے۔ یہ آیت نصاریٰ کے ایک خاص گروہ یعنی نجاشی اور اس کے اصحاب کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے قرآن سن کر اسلام قبول کر لیا اور جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جس کا بیان آئندہ آیت میں آئے گا۔

فائدہ: حق جل شانہٗ نے اس آیت میں نصاریٰ کے قُرب مودت کا سبب بیان فرما دیا کہ علم اور درویشی اور تواضع کی وجہ سے نصاریٰ میں قبولِ حق کی استعداد یہود اور مشرکین سے زیادہ موجود ہے اور اُن کی طبیعت اوروں سے نرم ہے۔ اس لیے ایسے نصاریٰ جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں بہ نسبت یہود اور مشرکین کے مسلمانوں کی عداوت میں کم اور ان سے دوستی میں قریب ہیں۔ آیت میں جو اوصاف بیان کیے گئے وہ عہدِ نبوی کے عیسائیوں اور یہودیوں کے بیان کیے گئے اس کے بعد جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں یہ اوصاف موجود ہوں گے اسی نسبت سے اسلام اور مسلمانوں کی محبت اور عداوت میں قریب اور بعید ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو نصاریٰ تھے اُن میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ اور قوموں سے زیادہ تھا۔ چنانچہ قیصر روم اور مقوقس شاہ مصر اور نجاشی شاہِ حبشہ نے جو معاملہ آپ ﷺ کے پیغام رسالت اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کیا وہ اس کا شاہد عدل ہے بہ نسبت یہود کے نصاریٰ نے زیادہ اسلام قبول کیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں نصاریٰ کی جو مدح کی گئی وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ وہ بمقابلہ یہود اور مشرکین ہے کہ اُن سے غنیمت ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ نصاریٰ تمہارے محب اور خیر خواہ ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بہ نسبت یہود اور ہنود کے غنیمت ہیں اور پھر نصاریٰ سے وہ نصاریٰ مراد ہیں جو فی الحقیقت نصرانی ہوں اور کسی درجہ میں اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں عابد وزاہد اور گوشہ نشین ہوں اور مغرور اور متکبر نہ ہوں اور نرم دل ہوں اور سنگ دل نہ ہوں اور وہ نصاریٰ مراد نہیں جو محض نام کے نصرانی ہیں اور در پردہ وہ دُھری اور لامذہب ہیں جیسے آج کل کی مغربی اقوام جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن ہیں جن کو خدا سے اور حضرت مسیح علیہ السلام سے ذرہ برابر واسطہ نہیں اُن کا مطمحِ نظر اور مقصود اصلی دُنیاوی اقتدار ہے اور مکروفریب اور عیاری اور چالاکی اُن کا شعار ہے آج کل کے نصاریٰ اُن صفات کے ساتھ موصوف نہیں جن کا ذکر آیت میں ہے۔ لہٰذا موجودہ زمانہ کے نصاریٰ کا وہ حکم نہ ہوگا کہ جو ان نصاریٰ کا ہے جن میں قسیس اور رہبان ہوں یعنی جن نصاریٰ میں خدا ترس اور راہب (تارک الدنیا) ہوں۔ حدیث میں آیا ہے کہ دُنیا کی محبت تمام بُرائیوں کی جڑ ہے۔

الحمدللہ قد تم تفسیر الجزء السادس من القرآن الکریم وللہ الحمد والمنۃ

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ
اور جب سنیں جو اترا رسول پر تو دیکھے ان کی آنکھیں اُبلتی
الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ
آنسوؤں سے اس پر جو پہچانے بات حق ، کہتے ہیں اے رب ہم نے یقین کیا سو تو لکھ ہم کو
الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ
ماننے والوں کے ساتھ اور ہم کو کیا ہوا کہ یقین نہ لاویں اللہ پر اور جو پہنچا ہمارے پاس حق اور
نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ
ہم کو توقع ہے کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے پھر ان کو بدلا دیا ان کے رب نے
بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ
اس کہنے پر باغ نیچے ان کے بہتی نہریں رہا کریں ان میں اور
ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ
یہ ہے بدلہ نیکی والوں کا اور جو منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتیں وہ ہیں
اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع ۱۱/۹
دوزخ کے لوگ

حکایت حال اسلام طائفہ نصرانیان گوشہ نشینیان وبیان کیفیت وجد ایشان بوقت سماع قرآن

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ... الى... اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾﴾

ربط: اس آیت میں بھی نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کا ذکر ہے جو قرآن کریم کو سن کر وجد اور طرب میں آگئے اور قرآن کریم کی لذت سے اس درجہ محظوظ ہوئے کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں اور زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ اور غیر اختیاری طور پر کسی پسندیدہ حالت اور کیفیت کے طاری ہو جانے ہی کا نام وجد ہے۔

شانِ نزول:

یہ آیت نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے اصحاب کے بارہ میں نازل ہوئی کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم پڑھ کر سنائی تو جو علماء اور زُہاد وہاں بیٹھے ہوئے تھے سب رونے لگے اور نجاشی بھی برابر روتا رہا اور مسلمانوں سے پوچھا کہ تمہارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ وہ انہیں خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہتے ہیں اور اُن کی والدہ ماجدہ مریم علیہا السلام کو صدیقہ اور ولیہ اور تارک الدنیا کہتے ہیں کہ اُن سے بغیر باپ کے جبرئیل امین علیہ السلام کے پھونک مارنے سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا خدا کی قسم عیسیٰ علیہ السلام تمہارے پیغمبر کے قول سے تنکا برابر بھی زائد نہیں تمہارے نبی نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ کہا وہ بالکل حق اور درست ہے۔ قرآن کریم سن کر نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے رفقاء نے اسلام قبول کیا اور اس بات کی شہادت دی کہ یہ وہی پیغمبر برحق ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے بشارت دی ہے۔ اسی جماعت کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اسی قسیسیت اور رہبانیت اور عدم تکبر کی وجہ سے بعض کا یہ حال ہے کہ ان میں سے بعضے جیسے نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے رفقاء جب اس کلام کو سنتے ہیں کہ جو بارگاہ خداوندی سے اس پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے تو اے دیکھنے والے تو اُن کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں بسبب اس کے کہ انہوں نے کچھ حق کو پہچان لیا یعنی اُن کے رونے کا سبب یہ تھا کہ اُن پر اس کا کلام الٰہی ہونا منکشف ہوا اور اس کلام سے متکلم قدیم کی عظمت اور جلال کا کچھ جلوہ نظر آیا اور جان لیا کہ یہ وہی کلام ہے جس کے اخیر زمانہ میں نازل کرنے کا خدا تعالیٰ نے نبیوں کی معرفت وعدہ کیا ہے روایات میں ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سورۃ مریم کی قراءت سے فارغ ہوئے تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور درباریوں سے یہ کہا کہ بخدا تمہارے صاحب یعنی مسیح بن مریم علیہما السلام اس مضمون سے جو قرآن میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت کہا گیا ہے ایک تنکے کی مقدار بھی زائد نہیں۔ غرض یہ کہ یہ لوگ حق کو پہچان گئے اور سمجھ گئے کہ یہ قرآن کریم انجیل سے کہیں زائد افضل اور اکمل ہے اس لیے یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کی کتاب پر دل و جان سے ایمان لے آئے ہیں۔ پس ہم کو حق کے شاہدوں کے ساتھ لکھ لے۔ یعنی ہم کو اُمت محمدیہ کے زمرہ میں لکھ لے جو دُنیا میں حق کی شہادت دیتی ہے اور قیامت کے دن اور اُمتوں پر گواہی دے گی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حبشہ کے بعض لوگوں نے نجاشی اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں پر یہ طعن کیا کہ تم بغیر دیکھے کیسے ایمان لے آئے تو انہوں نے جواب میں کہا اور ہم کو کیا ہوا کہ ہم اللہ پر اور اس دین حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آیا ہے اور ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک بختوں کے زمرہ میں داخل فرمائے مطلب یہ ہے کہ جس کو نیک بختوں کے زمرہ میں داخل ہونے کی طمع ہو وہ دین حق کو قبول کرے، حق قبول کرنے والوں کو ملامت کرنا یہ نیک بختی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس مخلصانہ قول کے عوض میں جو انہوں نے صدق دل سے کہا تھا ایسے باغات عطاء کیے جن کے درختوں کے نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی صلہ ہے مخلصین کا اور ان کے برعکس جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بغیر دین حق کے قبول کے محض قسیسیت اور رہبانیت عذاب اُخروی سے نہیں بچا سکتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ

اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ ستھری چیزیں جو اللہ نے تم کو حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا

اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو اور کھاؤ اللہ کے دیئے سے جو حلال ہو

طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ستھرا اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر یقین رکھتے ہو۔

حکم پانزدہم ۔ ممانعت از رہبانیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا ... الٰی ... اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾﴾

ربط: شروع سورت میں ایفاءِ عہود کی تاکید کے بعد احکام فرعیہ اور حلال وحرام کو بیان فرمایا پھر خاص خاص مناسبتوں سے یہود و نصاریٰ کے عقائد اور اعمال کے ذکر کا سلسلہ شروع ہو گیا اب پھر اصل موضوع کی طرف عود فرماتے ہیں اور چونکہ قریبی آیتوں میں نصاریٰ کی تعریف میں یہ فرمایا کہ ان میں کچھ رُہبان بھی ہیں اور ''رہبانیت'' لذاتِ دنیاوی کے ترک کا نام ہے خواہ وہ حلال ہوں یا حرام اس لیے اس احتمال سے کہ مبادا مسلمان، رہبانیت کو اچھی چیز نہ سمجھنے لگیں۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنے کی ممانعت فرماتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ جو چیزیں خدا نے حلال کی ہیں اُن کو کھاؤ اور دل میں خدا کا خوف رکھو اہل کتاب کی طرح دین میں غلومت کرو نصاریٰ کی رہبانیت بھی دین میں غلو اور افراط کی ایک خاص صورت ہے دور تک اسی طرح احکام کا سلسلہ چلا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تم قسم اور عہد کے ذریعہ اپنے اوپر اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام مت کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنا اور حلال اور پاکیزہ چیزوں کو ترک کر دینا عند اللہ کوئی اچھی چیز نہیں یہ دین میں غلو اور افراط ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور حدود شریعت سے آگے نہ بڑھو کہ یہود کی طرح دنیاوی لذات اور شہوات اور حرام خوری میں منہمک ہو جاؤ۔ شہوات ولذات میں انہماک یہ بھی غلو ہے اور تفریط ہے تحقیق اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعتدال اور توسط پسندیدہ ہے اور خدا تعالیٰ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ چیزیں دی ہیں جن میں حرمت کا شائبہ نہیں ان میں سے کھاؤ اور اعتدال کے ساتھ اُن کو استعمال کرو نہ حلال سے حرام کی طرف دوڑو اور نہ حلال میں اتنے منہمک ہو جاؤ کہ خدا سے غافل ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو اس کے حکم اور رضاء کے خلاف کوئی کام مت کرو۔

شانِ نزول:

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں لوگوں کو نصیحت کی اور

قیامت کے کچھ احوال اور اھوال بیان کیے لوگ آپ کے اس وعظ سے نہایت متاثر ہوئے اور رونے لگے اس کے بعد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے دس آدمی یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر اور ابوذر غفاری اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور مقداد بن اسود اور سلمان فارسی اور معقل بن مقرن رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہوئے اور سب نے اس پر اتفاق کیا کہ دن بھر روزہ اور رات بھر نماز ادا کریں گے اور فرش پر نہ سوئیں گے اور گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے اور نہ عورتوں اور خوشبو کے قریب جائیں گے اور ٹاٹ پہنا کریں گے اور دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے اور اپنی شرمگاہوں کو کاٹ ڈالیں گے اور راہب بن جائیں گے اور ان باتوں پر قسمیں کھائیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بلا کر یہ فرمایا مجھ کو یہ حکم نہیں دیا گیا۔ میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا میں تو ملت حنیفیہ سمحہ یعنی ملت ابراہیمیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جو نہایت سہل اور آسان ہے تحقیق تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے۔ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور اپنی عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ میری اُمت سے نہیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶۰ ج ۶۔ وتفسیر ابن کثیر ص ۸۷ ج ۲)

فائدہ: کسی حلال چیز کو اس نیت سے ترک دینا کہ اس ترک سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا یہ رہبانیت ہے جس کو اسلام نے بدعت اور ممنوع قرار دیا ہے اور اگر کسی حلال چیز کو بعض اوقات کسی جسمانی یا نفسانی علاج کی خاطر ترک کر دیا جائے تو یہ مباح ہے داخل بدعت اور ممانعت نہیں جیسے کسی طبیب جسمانی یا روحانی کے کہنے سے بغرض علاج اگر گوشت وغیرہ سے پرہیز کر لیا جائے تو یہ جائز ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا
نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری بے فائدہ قسموں پر لیکن پکڑتا ہے جو قسم تم نے
عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ
گرہ باندھی سو اس کا اتار کھلانا دس محتاجوں کو بیچ کا کھانا جو
اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ
دیتے ہو اپنے گھر والوں کو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک گردن آزاد کرنی
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا
پھر جس کو پیدا نہ ہو تو روزے تین دن کے یہ اتار ہے تمہاری قسموں کو جب
حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ
قسم کھا بیٹھو اور تھامتے رہو اپنی قسمیں یوں بتاتا ہے تم کو اللہ اپنے حکم

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾

شاید تم احسان مانو

حکم شانز دہم۔ متعلق بہ قسم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ... الٰی ... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیت میں چونکہ تحریم طیبات کا ذکر تھا اور تحریم کی ایک قسم یمین بھی ہے اس لیے بہت سے لوگ کھانے پہننے میں قسم کھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ چیز اب ہم پر حرام ہوگئی۔ لہٰذا اس مناسبت سے اس مقام پر قسم اور کفارہ کے احکام بیان فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت انہی لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی جن کا پہلی آیت میں ذکر ہو چکا ہے اُن لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے اور عورتوں کے قریب نہ جائیں گے۔ گذشتہ آیت کے نازل ہونے کے بعد ان قسم کھانے والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو ترک لذائذ پر قسم کھا چکے ہیں اب ہم اپنی قسموں کا کیا کریں اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶۴ و روح المعانی ص ۹ ج ۶)

اللہ تعالیٰ تمہاری فضول اور بے قاعدہ قسموں پر تو مواخذہ نہ کرے گا جن کا حکم سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے لیکن اُن قسموں پر مواخذہ کرے گا جن کو تم نے مضبوط باندھا ہے اور پکا کر لیا ہے۔ پکی قسم سے مراد یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی پختہ طور پر قسم کھائے تو ایسی قسم کا کفارہ اگر آدمی [1] اس کو پورا نہ کرے دس محتاجوں کو کھانا دے دینا ہے اوسط درجہ کا جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا اُن دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کپڑا پہنا دینا یا کسی گردن کو (قید غلامی) سے چھڑا دینا یعنی ایک غلام یا لونڈی آزاد کر دینا ان تینوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے پھر جس شخص کو ان تین میں سے کسی ایک پر بھی مقدور نہ ہو یعنی جو شخص بوجہ افلاس دس مسکینوں کو کھانا کپڑا دینے اور غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی قسم کا کفارہ تین دن کے روزے ہیں جو متواتر رکھنے ہوں گے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ﴾ کا لفظ آیا ہے اور جو قراءت متواتر نہ ہو تو کم از کم خبر واحد یا تفسیر صحابی ضرور سمجھی جائے گی جو مرفوع کے حکم میں ہوگی یہ جو اوپر مذکور ہوا تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب قسم کھا بیٹھو اور پھر اس کو توڑ ڈالو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو یعنی اگر تم نے کسی جائز امر پر قسم کھائی ہے تو اُس کو پورا کرو اور اگر کسی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکو یا اس کے توڑنے میں کوئی خوبی اور مصلحت دیکھو تو اس کا کفارہ دو تاکہ تمہارے دلوں میں اللہ کے نام کی عظمت محفوظ رہے یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو اور اللہ کی نعمتوں کو موقع اور محل میں صرف کرو مثلاً زبان کو اللہ کے ذکر اور اس کے احترام اور تعظیم میں صرف کرو جھوٹی قسمیں کھا کر اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ کرو اور خدا کا نام لے کر حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرو۔

---

[1] یہ قید اس لیے لگائی کہ محض قسم کھانے سے بالاتفاق کفارہ واجب نہیں ہوتا جب تک حانث نہ ہو یعنی جب تک قسم کو نہ توڑے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ

اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا

گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو شاید تمہارا بھلا ہو

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ

شیطان یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر شراب سے اور

الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

جوئے سے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے پھر اب تم

مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ

باز آؤ گے اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو۔ پھر اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى

تم پھرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ یہی ہے پہنچادینا کھول کر جو لوگ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ

ایمان لائے اور کام نیک کیے اُن پر نہیں گناہ جو کچھ پہلے کھا چکے جب آگے ڈرے اور

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ۗ وَ

ایمان لائے اور عمل نیک کیے پھر ڈرے اور یقین کیا پھر ڈرے اور نیکی کی اور

ع ۱۲/۲ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو

حکم ہفد ہم۔ تحریم خمر وقمار

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ... الٰی... وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں حلال کو حرام سمجھنے کی ممانعت تھی اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جیسے حلال کو حرام سمجھنا گناہ ہے ایسے ہی حرام کو حلال سمجھنا بھی گناہ اور حرام ہے جیسے شراب اور جوا وغیرہ وغیرہ، اہل عرب شراب اور جوئے کو حلال اور طیب سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ چیزیں حلال اور طیب نہیں بلکہ خبیث اور رجس ہیں ان سے اجتناب ضروری ہے اور ان کا استعمال حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس چیز کو حق تعالیٰ نے حرام کر دیا اس کے قریب نہ جاؤ جز ایں نیست کہ شراب اور جوا اور بتوں کے تھان انصاب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن کو مشرک لوگ کسی دیوی یا دیوتا کے نام پر کھڑا کر دیتے تھے اور اُن کو پوجتے تھے اور وہاں قربانیاں کیا کرتے تھے انصاب اور اصنام میں یہ فرق ہے کہ انصاب بے مورت والے پتھر ہوتے تھے اور اصنام مورت والے یعنی انصاب ان گھڑت پتھروں کو کہتے ہیں جن کو زمانہ جاہلیت میں پوجتے تھے اور اصنام تراشی ہوئی مورتوں کو کہتے ہیں اور فال کے تیر جاہلیت میں دو قسم کے ازلام (پانسے) تھے ایک قسم کے ساتھ عرب جوا کھیلا کرتے تھے اور دوسری قسم سے فال لیا کرتے تھے۔ یہ سب چیزیں گندی اور پلید اور قابل نفرت ہیں شیطانی کام ہیں۔ پس تم ان ناپاک اور شیطانی کاموں سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ ناپاک اور شیطانی کاموں سے بچنے ہی سے فلاح ہو سکتی ہے شراب انسان کی عقل جیسی بے مثال نعمت کو ضائع کرتی ہے اور عقل ہی وہ چیز ہے جو برے اور بھلے میں تمیز کرتی ہے اور انسان کو ناجائز خواہشوں سے روکتی ہے جب عقل ہی نہ رہے گی تو بُرے کاموں سے کیونکر بچے گا اور جوا، مال کو ضائع اور برباد کرتا ہے اور معبودان باطل کے تھانوں اور تیروں کی تعظیم اور اُن کی پرستش انسان کی عزت کو برباد کر دیتی ہے اور ایک ادنیٰ اور حقیر چیز کے سامنے سر جھکانے سے انسان ذلیل وخوار ہو جاتا ہے اور تیروں سے فال لے کر کام کرنا یہ سراسر جہالت اور وہم پرستی ہے جو علم کو ضائع کر دیتی ہے یہ سب برے کام ہیں شیطان کے اغوا سے کچھ لوگ ان کاموں کو اچھا سمجھتے ہیں شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ڈلوا دے شراب سے باہم عداوت اور نفرت کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شرابی جب شراب پی کر مست ہو جاتے ہیں اور اُن کی عقل زائل ہو جاتی ہے تو بسا اوقات اُن کی زبان سے ایک دوسرے کی نسبت بے ہودہ الفاظ نکلتے ہیں جو باہمی نزاع کا سبب بنتے ہیں اور بسا اوقات ضرب اور قتل تک نوبت پہنچتی ہے اور اس طرح سے اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے عداوت بیٹھ جاتی ہے۔

اور جوئے سے باہم عداوت یوں پیدا ہوتی ہے کہ بعض وقت آدمی جوئے میں اپنے کل مال سے ہار جاتا ہے اور وہ بالکل مفلس اور بے دست و پا رہ جاتا ہے پھر جب وہ اپنا مال دوسرے کے پاس دیکھتا ہے تو اس کو اُس کے ساتھ عداوت ہو جاتی ہے غرض یہ کہ شراب اور جوا عداوت اور نفرت کے قوی ترین اسباب میں سے ہیں یہ تو شراب اور جوئے کی دنیوی مضرت ہوئی اور اُخروی مضرت یہ ہے کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے یعنی شیطان کا مقصود تم کو شراب اور جوئے کی ترغیب سے یہ ہے کہ تم ان میں پڑ کر یاد الٰہی اور نماز سے غافل ہو جاؤ کیونکہ شراب اور جوئے میں پھنس کر یاد الٰہی اور نماز کا ہوش ہی نہیں رہتا اور اس کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے شطرنج کھیلنے والوں کو دیکھ لو نماز کا تو کیا کھانے پینے کا بھی ہوش ہی نہیں رہتا۔ پس جب تم پر شراب اور جوئے کی دُنیوی اور

اُخروی مضرتیں واضح ہوگئیں سو بتلاؤ کیا اب بھی ان گندی اور پلید چیزوں سے باز آؤ گے جو تمہاری دنیا اور آخرت کی خرابی کا ذریعہ ہیں یعنی اب عقل کا مقتضی یہ ہے کہ ان گندی اور ناپاک چیزوں سے باز آجاؤ جو تم کو مولائے برحق کی یاد سے روکتی ہیں عرب میں شراب غایت درجہ مرغوب تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو تدریجاً حرام فرمایا اول یہ آیت نازل ہوئی ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (البقرہ:۲۱۹) جس میں صراحتاً ممانعت نہ تھی۔ اس لیے بعض نے شراب پی اور بعض نے اس کو ترک کر دیا۔ اس کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی جو پہلی آیت سے زیادہ سخت تھی وہ آیت یہ تھی ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء:۴۳) جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بوقت صلوٰۃ شراب کا استعمال ترک کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب پہلی آیت سنائی گئی تو یہ کہا: اَللّٰهُمَّ بین لنا فی الخمر بیانا شافیا "اے اللہ! شراب کے بارہ میں کوئی شافی اور واضح حکم نازل فرما۔" پھر جب دوسری آیت نازل ہوئی اور عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھی گئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی کہا: ((اَللّٰهُمَّ بین لنا فی الخمر بیانا شافیا)) سب سے اخیر میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ... الخ﴾ نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت پڑھ کر سنائی جب آپ اس لفظ یعنی ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ پر پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انتھینا انتھینا یعنی ہم باز آئے باز آئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم شراب سے باز آ گئے اور یہ حکم سنتے ہی لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے حتیٰ کہ شراب مدینہ کے گلی کوچوں اور نالیوں میں گندے پانی کی طرح بہنے لگی اور مدینہ منورہ اور تمام بلادِ اسلام اُم الخبائث سے یک لخت پاک ہو گئے۔

لطائف و معارف

① شروع آیت میں حق تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر کیا اور اس آخری آیت میں صرف شراب اور جوئے کا ذکر کیا کیونکہ اصل مقصود انہی دو چیزوں کی حرمت بیان کرنا تھی باقی شروع آیت میں شراب اور جوئے کے ساتھ بت پرستی اور فال کے تیروں کا ذکر اس لیے کیا کہ مسلمانوں کے دلوں میں شراب اور جوئے کی برائی خوب راسخ ہو جائے کہ شراب خواری بمنزلہ بت پرستی کے ہے۔

② خمر ماخوذ ہے خَمَرَ الشئ بمعنی سَتَرَہٗ و غَطَّاہٗ سے جس کے معنی ہیں اس نے اُس کو ڈھانک لیا شراب بھی چونکہ عقل کو ڈھانک لیتی ہے اور اس پر پردہ ڈال دیتی ہے اس لیے عربی میں اس کو خمر کہتے ہیں۔

اور میسر۔ قمار (جوئے) کو کہتے ہیں جو یُسر بمعنی سہولت سے ماخوذ ہے چونکہ جوئے میں مال آسانی سے مل جاتا ہے اور محنت اور مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اس لیے اُسے مَیسر کہتے ہیں۔ ان دونوں چیزوں میں اگرچہ کچھ نہ کچھ فوائد اور منافع ہیں لیکن مفاسد اور مضرتیں بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے ان دونوں چیزوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا اور دُنیا کے لیے روحانی اور اخلاقی اور مادی اور جسمانی مضرتوں سے حفاظت کا سامان مکمل کر دیا۔

③ خمر (شراب) کی سب سے بڑی مضرت یہ ہے کہ میخوار کی عقل نشہ کی حالت میں بالکل جاتی رہتی ہے اور آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ چند روز بعد ہوش و حواس کی حالت میں بھی اس سے دیوانہ وار حرکتیں سرزد ہونے لگتی ہیں اس کی زبان اُس کے اختیار اور قابو سے باہر ہو جاتی ہے اور اس کو اپنے اقوال و افعال کے عواقب اور انجام کا ہوش نہیں رہتا۔

دوسرے یہ کہ شراب بُری خواہشوں کو بڑھاتی ہے اور بسا اوقات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ عصمت وعفت کو جڑ (بنیاد) سے اکھاڑ کر پھینکتی ہے یا کم ازکم متزلزل کر دیتی ہے اور زنا اور بدکاری اور بے حیائی پر آمادہ کرتی ہے۔

تیسرے یہ کہ آدمی عبادت اور ذکر الٰہی سے غافل ہوجاتا ہے بلکہ فرائض زندگی کی بھی کوئی قدر و قیمت اس کی نگاہ میں نہیں رہتی۔

چوتھے یہ کہ شراب مال و دولت کی بربادی کا ذریعہ ہے شرابی کی دولت وثروت سب شراب کی نذر ہوجاتی ہے اور بسا اوقات اس قدر تنگ آجاتا ہے کہ زندگی سے تنگ آکر خودکشی کر لیتا ہے۔

پانچواں یہ کہ شراب خواری باہم دشمنی اور عداوت پیدا کرتی ہے اور باہمی تعلقات کو توڑ ڈالتی ہے۔

چھٹے یہ کہ شرابی کا مزاج اعتدال سے منحرف ہوجاتا ہے اور صحت بدنی میں فرق آجاتا ہے اور اس کی تمام جسمانی قوتیں کمزور پڑجاتی ہیں اس لیے کہ شراب میں غذائیت نہیں کہ وہ ہضم ہوسکے شراب چونکہ معدہ میں جاکر تحلیل نہیں ہوتی اس لیے دن بدن معدہ کو کمزور کرتی جاتی ہے اور قے کا مرض لگ جاتا ہے اور قلت غذا کی وجہ سے بدن میں اتنا خون پیدا نہیں ہوسکتا جو تقویت بدن کا باعث بن سکے اور جس قدر خون پیدا ہوتا ہے اس میں شراب کی سَمّیت موجود ہوتی ہے جو بدن کو روز بروز گھلاتی رہتی ہے اور دن بدن نظام عصبی میں فرق آتا جاتا ہے عضلات اور عروق بھی بگڑتے جاتے ہیں پھیپھڑا گلنے لگتا ہے اور کھانسی اور سل شروع ہوجاتی ہے اکثر اطباء کا بیان ہے کہ اگرچہ سل کی بیماری بغیر شراب پینے کے بھی ہوجاتی ہے لیکن ۹۵ فیصدی مریض سل کے شرابی ہی ہوتے ہیں اور شاذ و نادر ہی بچتے ہیں۔

ساتویں یہ کہ شرابی قویٰ کے ضعیف ہوجانے کی وجہ سے اکثر کام کاج سے جی چرانے لگتا ہے بغیر نشہ کے کام نہیں کرسکتا کام کرنے کے لیے بھی اسے شراب پینی پڑتی ہے یہاں تک کہ اس کے قویٰ بالکل جواب دے جاتے ہیں۔

اس لیے قرآن پاک نے شراب کو نجس اور عمل شیطان اور حرام قرار دیا اور اس کے پینے والے پر حد مقرر کی یورپ کی متمدن قوموں پر شراب خواری کے مفاسد خوب واضح ہوچکے ہیں اور شراب کی وجہ سے نظام تمدن کی خرابیاں اُن کی نظروں کے سامنے ہیں اور اس کے معترف ہیں کہ یہ چیز حرام ہونے کے قابل ہے مگر قانوناً اس کو جرم نہیں قرار دیا اسلامی تعلیم جہاں پہنچی اس نے شراب اور شراب خوری کا قلع قمع کر دیا اور پورے ملک کو اس لعنت سے محفوظ کر دیا۔

④ اور اسی طرح میسر یعنی قمار (جوئے) کو سمجھو کہ وہ بھی حرام اور باطل ہے قمار لوگوں کے مال چھین لینے اور اُچک لینے کا ایک خاص طریقہ ہے جو وہمی حرص اور طمع اور آرزو پر مبنی ہے جوئے میں مال چونکہ بے مشقت مل جاتا ہے۔ اس لیے جواری عموماً کاہل اور آرام طلب اور فکرِ معاش سے غافل ہوتے ہیں اور وہمی اور خیالی منصوبوں میں پڑ جاتے ہیں ہار جیت کے چکر میں رہتے ہیں اور قرض لیتے رہتے ہیں اور جب قرض نہیں ملتا تو چوری اور چکاری اور لوٹ کھسوٹ پر کمر باندھ لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں قمار باہمی بغض وعناد پیدا کرتا ہے اس لیے کہ ہارنے والوں کو ہار کر غیظ وغضب آتا ہے اور کینہ اور انتقام پر آمادہ کرتا ہے اور چونکہ ہار جیت کسی سے خاص نہیں رہتی اس لیے جواری ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اور ذرا بھی اُن کو دوسرے پر رحم نہیں آتا اور مال کے ساتھ اُن کی جان کے بھی لاگو ہوجاتے ہیں اور خون ناحق کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں پھر یہ کہ جس جواری کو بھی دیکھیے وہ کنگال ہی نظر آئے گا جواریوں

کا روپیہ ہر وقت گھومتا رہتا ہے اور جواری جوئے کے چکر میں پھنس کر ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ اُسے جوئے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا وہ نہ دین کا رہتا ہے اور نہ دنیا کا نہ طاعت عبادت کا اور نہ زن و فرزند اور عزیز اور اقرباء کا اُس کی ساری دنیا قمار خانہ ہوتی ہے غرض یہ کہ شراب کی طرح جوا بھی دشمن عقل اور دشمنِ مال اور دشمن اخلاق ہے جواریوں کو طرح طرح کے جرائم پر آمادہ کرتا ہے اور نظام تمدن کا مخرِب ہے ان مفاسد کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس ناپاک اور پلید چیز کو اپنے بندوں پر حرام فرما دیا تا کہ فلاح کو پہنچیں۔

حکم بامتثال جمیع احکام

گذشتہ آیت میں ایک خاص حکم کے امتثال کا حکم تھا اب اس آیت میں تمام احکام میں اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے ایمان والو! تم تمام احکام میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اور اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے ڈرتے اور بچتے رہو۔ لہٰذا شراب اور جوئے سے بھی بچتے رہو۔ پس اگر تم اطاعت سے اعراض کرو گے تو ہمارا اور ہمارے رسول ﷺ کا کچھ نقصان نہیں کرو گے اپنا ہی نقصان کرو گے۔ پس خوب جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف حکم کا واضح طور پر پہنچا دینا ہے نہ کہ تم کو مجبور کرنا سو وہ پہنچا چکے اس پر بھی نہ مانو تو تم جانو۔

عدم تاثیم بر استعمال خمر و میسر قبل از تحریم

جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے جو بھائی تحریم سے پہلے شراب پیتے رہے اور جوئے کا مال کھاتے رہے اور مر گئے ان کا کیا حال ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جن لوگوں نے تحریم سے پہلے شراب پی یا جوا کھیلا ان پر کوئی گناہ نہیں جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان پر کوئی گناہ نہیں اس چیز میں کہ جو وہ حرام ہونے سے پہلے کھا چکے ہیں۔ یعنی حرام ہونے سے پہلے شراب اور جوئے کا مال جو کھا چکے ہیں اس پر کوئی گناہ اور مؤاخذہ نہیں بشرطیکہ وہ خدا سے ڈرتے رہے اور اُن چیزوں کے استعمال سے بچتے رہے جو اس وقت حرام تھیں اور خدا پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے یعنی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو جس وقت چاہے حلال کرے اور جس وقت چاہے حرام کرے پھر ان لوگوں نے مدارج تقویٰ اور ایمان میں ترقی کی اور اُن چیزوں سے پرہیز کیا کہ جو بعد میں حرام کی گئیں اور اُن کی حرمت پر ایمان لائے۔ خدا کے بندے ہیں جو حکم آتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں پھر تقویٰ اور ایمان میں اور ترقی کی اور غایت درجہ کے پرہیز گار اور نیکوکار بن گئے کہ شبہات سے بھی تورّع اور احتیاط برتی یعنی مدارج تقویٰ اور ایمان میں ترقی کرتے کرتے مرتبۂ احسان تک جا پہنچے، جو مردِ مؤمن کے لیے ترقی کا آخری مقام ہے۔ جیسا کہ حدیث جبرئیل میں ہے الا حسان ان تعبد اللہ کانک تراہ اور مرتبۂ احسان روحانی ترقیات کا آخری مقام اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ محسنین کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ محبوبیت خداوندی روحانی ترقی کا آخری مقام ہے۔

فائدہ: ایمان اور تقویٰ کے تکرار اور لفظ ثم کے بار بار لانے سے اشارہ اس طرف ہے کہ ایمان اور تقویٰ میں مراتب اور درجات ہیں آخری مرتبہ مقام احسان ہے جہاں بندہ پہنچ کر خدا تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

همینت بس کہ داند ماهرویم
کہ من نیز از خریدارانِ اویم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ
اے ایمان والو! البتہ تم کو آزمائے گا اللہ کچھ ایک شکار کے حکم سے جس پر پہنچیں
اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ
ہاتھ تمہارے اور تیر یہ کہ معلوم کرے اللہ کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے پھر جس نے
اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
زیادتی کی اس کے بعد تو اس کو دکھ کی مار ہے اے ایمان والو نہ
تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ
مارو شکار جس وقت تم ہو احرام میں اور جو کوئی تم میں اس کو مارے جان کر تو بدلہ ہے
مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ
اس مارے کے برابر مواشی میں سے وہ ٹھہرا دیں دو معتبر تمہارے کہ نیاز پہنچا دے
الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا
کعبہ تک یا گناہ کا اتارہے کئی محتاج کا کھانا یا اس کے برابر روزے
لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ
کہ چکھے سزا اپنے کام کی اللہ نے معاف کیا جو ہو چکا اور جو کوئی پھر کرے گا اس سے بیرلے گا
اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ
اللہ اور اللہ زبردست ہے بیر لینے والا۔ حلال ہوا تم کو دریا کا شکار اور

طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا

اس کا کھانا فائدہ کو تمہارے اور مسافروں کے اور حرام ہوا تم پر شکار جنگل کا جب تک

دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ

رہو احرام میں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پاس جمع ہوں گے اللہ نے کیا ہے

الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْیَ

کعبہ یہ گھر بزرگی کا ٹھہرا لوگوں کے واسطے اور مہینہ بزرگی کا اور قربانی

وَ الْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی

لے جانی اور گلے میں لٹکن والیاں یہ اس واسطے کہ تم سمجھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمان و

الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

زمین میں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے جان رکھو کہ اللہ کی مار سخت

الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ ؕ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ

ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے رسول پر ذمہ نہیں مگر پہنچادینا اور

اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِی الْخَبِيْثُ وَ

اللہ کو معلوم ہے جو ظاہر میں کرو گے اور جو چھپا کر تو کہہ برابر نہیں گندا اور

الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ

پاک اگرچہ تجھ کو خوش لگے گندے کی بہتایت سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقلمندو

ع ۱۳/۳ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

شاید تمہارا بھلا ہو۔

حکم ہشد ہم۔ متعلق بہ شکار در حالتِ احرام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ . . . الٰى . . . لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞﴾

ربط: پچھلے رکوع میں تحریم طیبات اور اعتداء سے ممانعت فرما کر بعض چیزوں یعنی شراب اور جوئے سے اجتناب کا حکم دیا اب اس رکوع میں اُن بعض چیزوں کے ارتکاب سے منع فرماتے ہیں جن کی حرمت دائمی نہیں بلکہ بعض احوال کے ساتھ مخصوص ہے جیسے شکار کہ وہ صرف حالت احرام اور حدود حرم کے اندر حرام ہے اس لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ احرام میں اور حرم کے اندر شکار کو حلال نہ سمجھو اور اس کا ارتکاب نہ کرو شکار کی حرمت سے احرام کا احترام اور حرم محترم اور بیت اللہ کی تعظیم وتکریم مقصود ہے نیز شروع سورت میں بھی احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت مذکور تھی ﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ مگر اجمالاً تھی قدرے اُس کی تفصیل فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ احرام اور حرم کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو چونکہ تم ایمان کے مدعی ہو۔ اس لیے البتہ حق تعالیٰ تم کو گاہ بگاہ کسی شکار کی چیز سے تمہارے ایمان کی آزمائش کرے گا کہ شکار حالت احرام میں تمہارے سامنے آجائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے بسہولت پہنچ سکیں گے اور تم بسہولت شکار پر قادر ہوؤ گے یہ آزمائش کا وقت ہوگا تا کہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور خدا کے ڈر سے اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور کون اصحاب سبت کی طرح جن کو شنبہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت کر دی گئی تھی مکاری اور حیلہ بازی سے خدا کے حکم کی مخالفت کرتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے پس جو اس ممانعت کے بعد قانون سے تجاوز کرے گا یعنی شکار کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے اب اس تنبیہ کے بعد وہ قانون بتلاتے ہیں اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حالت احرام میں خاص طور پر ادب اور تواضع کو ملحوظ رکھو۔ اس لیے تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو اور جو شخص تم میں سے حالت احرام میں قصداً اُس شکار کو مار ڈالے تو جیسا جانور اس نے قتل کیا ہے اسی کے مثل اور مانند اس پر اس کا تاوان لازم ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مماثلت سے خلقی مماثلت مراد ہے۔ پس شتر مرغ کے قتل میں اُونٹ واجب ہے اور گورخر کے قتل میں گائے اور ہرن کے قتل میں بکری اور خرگوش کے قتل میں بکری کا نوزائیدہ بچہ وعلیٰ ہذا القیاس اور جن جانوروں میں مویشی یا چوپایوں کے ساتھ خلقی مماثلت مفقود ہو اُن میں قیمت کے لحاظ سے مماثلت قائم کی جائے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں مماثلت سے مماثلت بالخلقت مراد نہیں بلکہ مماثلت بالقیمت مراد ہے پس جس قیمت کا جانور محرم نے قتل کیا اسی قیمت کا مویشی اس پر واجب ہے اس مماثلت کا حکم تم میں کے دو معتبر شخص لگائیں یعنی مماثلت کی تشخیص میں ایسے دو شخصوں کا قول معتبر ہے جو مسلمان دیندار اور سمجھدار اور صاحب بصیرت اور تجربہ کار ہوں وہ جو حکم لگادیں معتبر ہے پھر اس اندازہ اور تخمینہ کے بعد کہ فلاں جانور اس شکار کے مانند ہے شکار کرنے والے کو اختیار ہے کہ یا تو اس شکار کے بدلہ میں اس قدر قیمت کا جانور لے کر مثلاً بکری گائے اونٹ قربانی کرے کہ جو خانہ کعبہ پہنچنے والی ہو یعنی اس جانور کو حدود حرم میں پہنچایا جائے اور وہاں ذبح کر کے وہاں کے مسکینوں پر اس کا تصدق کیا جائے اور خود اس میں سے نہ کھائے یا اس پر کفارہ واجب ہے کہ اُس کی قیمت کے برابر غلہ لے کر مسکینوں کو کھلا دینا ہے فی محتاج صدقۃ الفطر کی مقدار تقسیم کر دے یعنی اگر ھدی خانہ کعبہ نہ پہنچ سکے تو اس کی قیمت کا اناج لے کر مسکینوں پر تقسیم کرے یا اُس غلہ کے برابر روزے ہیں یعنی اگر یہ بھی نہ کر سکے تو جس قدر مسکینوں کو اس کی قیمت کا اناج پہنچتا اُن کی شمار

کے مطابق روزے رکھے علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا اس آیت میں کلمہ اَوْ تخییر کے لیے ہے یا ترتیب کے لیے ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تخییر کے لیے ہے اور امام احمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ ترتیب کے لیے ہے تخییر کا مطلب یہ ہے کہ قاتل صید کو اختیار ہے کہ ان تین باتوں میں سے جو چاہے اختیار کرے اور ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ اوّل ہدی واجب ہے اور اگر ہدی دستیاب نہ ہو سکے تو اس مقتول جانور کی قیمت کے بمقدار مسکینوں کو کھانا دینا ہے اور اگر بوجہ افلاس کے کھانا بھی نہ دے سکے تو ہر مسکین کے عوض روزہ رکھے اور یہ جزاء اس لیے واجب کی گئی تاکہ وہ اپنے کیے ہوئے وبال کا مزہ چکھے یعنی یہ اس کے گناہ کی سزا ہے کہ اس نے حالت احرام میں کیوں شکار کیا اللہ نے وہ خطا معاف کی جو اس سے پہلے ہو چکی یعنی نزول حکم سے پہلے یا اسلام لانے سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کسی نے یہ حرکت کی تھی تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا یعنی اس ممانعت کے بعد پھر حالت احرام میں شکار کرے گا تو اللہ اس سے آخرت میں بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ عزیز منتقم کی ناراضگی سے بچو۔

تتمہ حکم سابق

حلال کر دیا گیا تمہارے لیے حالت احرام میں دریا کا شکار اور دریا کا طعام دریا کے شکار سے مچھلی مراد ہے کہ وہ تمہارے لیے حلال ہے اور دریا کے طعام سے وہ مچھلی مراد ہے کہ جو پانی سے جدا ہو کر مر گئی جو تم نے نہیں پکڑی تھی وہ بھی حلال ہے اور یہ حلال کیا جانا تمہارے فائدے کے لیے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے۔ اگر یہ حلال نہ کیا جاتا تو تم کو اور جو لوگ سفر کرتے ہیں اُن کو سخت تکلیف اُٹھانی پڑتی۔

فائدہ: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دریا سے ہر ایک پانی مراد ہے خواہ وہ سمندر ہو یا ندی نالہ یا جھیل یا تالاب ہو اور حرام کر دیا گیا تم پر خشکی اور جنگل کا شکار کرنا جب تک تم احرام کی حالت میں رہو اس سورت میں خدا تعالیٰ نے محرم کے لیے جنگلی شکار کی حرمت تین جگہ بیان کی اول شروع سورت میں فرمایا: ﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ پھر اس کے بعد اس رکوع کے اوّل میں فرمایا: ﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ پھر اب تیسری بار فرمایا: ﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ اس تکرار سے مقصود صرف تاکید ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے جس چیز سے اس نے منع کر دیا اس کو نہ کرو اور بحالت احرام شکار اس لیے حرام کیا گیا کہ محرم کا مقصد خانہ کعبہ کی زیارت ہے اور اللہ نے خانہ کعبہ کو محترم گھر لوگوں کے قائم اور باقی رہنے کا ذریعہ بنایا ہے دنیا کی آبادی اسی وقت تک ہے جب تک یہ خانہ کعبہ باقی ہے جس وقت خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوگا کہ کارخانہ عالم کو ختم کر دیا جائے تو اس بیت حرام کو اٹھا لیا جائے گا۔ جیسا کہ بنانے کے وقت سب سے پہلے یہی مکان بنایا گیا تھا ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ﴾ (النساء:۹۶) اس طرح جب دُنیا کا کارخانہ ختم کیا جائے گا تو سب سے پہلے خانہ کعبہ کو اٹھا لیا جائے گا جب تک خانہ کعبہ باقی ہے اس وقت تک دُنیا بھی باقی ہے۔ غرض یہ کہ خانہ کعبہ ایک محترم مکان ہے جس کا ادب اور احترام فرض ہے اس لیے حدود حرم میں اور حالت احرام میں شکار ممنوع قرار دیا گیا اور ماہ احرام کو اور قربانی کو اور قربانی کے جانوروں کے گلے کے ہاروں کو بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قیام امن کا ذریعہ بنایا ہے کہ عرب کے لوگ اشہر حُرم یعنی ماہ ذیقعد اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب میں قتل و قتال سے رک جاتے ہیں اور قربانی کے جانوروں سے کوئی

تعرض نہیں کرتے کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں جو حرم میں ذبح ہوں گے یہ یعنی کعبہ اور ماہ حرام اور ہدی اور قلائد کو تمہارے لیے موجب امن قرار دینا اس لیے ہے کہ تم سمجھ جاؤ کہ اللہ جانتا ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ ہر شے کو جانتا ہے اور وہ تمہاری دینی اور دنیوی مصالح اور ضروریات سے واقف ہے۔ اس لیے اُس نے ان چیزوں کو واجب الاحترام قرار دیا تا کہ تمہارے لیے قیام امن کا ذریعہ اور جان و مال کی حفاظت کا سبب بنیں۔ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو سخت سزا دینے والا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ اہل اطاعت کو بخشنے والا مہربان ہے۔ ہمارے رسول ﷺ کے ذمہ سوائے اللہ کا پیغام پہنچا دینے کے اور کچھ نہیں یعنی جب رسول ﷺ نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تو اب تمہارا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ یعنی وہ تمہارے ظاہر و باطن سے خبردار ہے (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ ناپاک اور گندہ اور پاکیزہ برابر نہیں یعنی حلال و حرام اور اطاعت اور معصیت اور سعادت اور شقاوت اور مسلم اور کافر برابر نہیں۔ اگرچہ اے دیکھنے والے تجھ کو ناپاک اور گندہ کی بہتایت بھلی معلوم ہو یعنی اگرچہ تجھ کو حرام مال کی زیادتی پسند ہو مگر وہ حلال کی برکت کو نہیں پہنچتا گلاب کا ایک قطرہ پیشاب کے ایک مٹکہ سے کہیں بہتر ہے۔ پس اے عقل مندو! اللہ سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ معلوم ہوا کہ عاقل اور دانا وہ ہے جو خدا سے ڈرے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ
اے ایمان والو! مت پوچھو بہت چیزیں کہ اگر تم پر کھولے تو تم کو بری لگیں
وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَ
اور اگر پوچھو گے جس وقت قرآن اترتا ہے تو کھولی جاویں گی اللہ نے ان سے درگزر کی ہے اور
اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا
اللہ بخشتا ہے تحمل والا ویسی باتیں پوچھ چکے ہیں ایک لوگ تم سے پہلے پھر سویرے
بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
اُن سے منکر ہوئے۔

ممانعت از سوالات غیر ضروریہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ ... اِلٰى ... ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾

ربط: پچھلے دو رکوع میں احکام منزلہ میں غلو اور تساہل سے منع فرمایا اب ان آیات میں غیر ضروری اور لایعنی سوالات کی ممانعت فرماتے

ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تبلیغ دین رسول کا فریضہ ہے شریعت کے نازل کرنے سے مقصود ہی بیان احکام ہے۔ پس جن اُمور کا شریعت نے صراحتاً کوئی حکم بیان نہیں کیا اُن کے متعلق فضول اور دور از کار سؤالات مت کرو جس طرح شریعت کا بیان موجب ہدایت وبصیرت ہے اسی طرح شریعت کا سکوت بھی ذریعۂ رحمت وسہولت ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا سکوت سہو اور نسیان کی بناء پر نہیں بلکہ کمال حکمت پر مبنی ہے جس چیز کو اُس نے حلال یا حرام کیا وہ حلال یا حرام ہوگئی اور جس چیز سے سکوت کیا اس میں گنجائش رہی اور مجتہدین کو اس میں اجتہاد کا موقع ملا اور لوگوں کے لیے اس کے فعل اور ترک میں ایک گونہ سہولت نکلی۔ لہٰذا اگر تم نے زمانہ نزول وحی میں اس قسم کے لایعنی سؤالات کیے تو بہت ممکن ہے کہ بذریعہ وحی کوئی ایسا حکم نازل ہوجائے کہ جس سے تمہاری سہولت اور اباحت ختم ہوجائے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ اور اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہے۔ لہٰذا زمانہ نزول وحی میں اس قسم کے فضول سوالات سے غایت درجہ احتیاط ضروری ہے۔ البتہ زمانہ رسالت گذر جانے کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں دینی مسائل کی چھان بین کی ممانعت نہیں کیونکہ اب اگر کوئی جدید حکم دیا جائے گا تو وہ کتاب وسنت سے قیاسی واستنباطی ہوگا جس سے وحی منزل کی طرح قطعی طور پر کوئی حلال چیز حرام یا حرام چیز حلال نہیں ہوسکتی اگلی امتیں اسی کثرت سؤال کی بدولت بہت سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوچکی ہیں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گائے کی تشریح میں لایعنی سوالات کیے اور سختی میں مبتلا ہوئے جس کا بیان سورۂ بقرہ میں گذر چکا۔

چنانچہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں: ''یعنی آپ سے نہ پوچھو کہ یہ چیز روا ہے یا نہیں یہ کام کریں یا نہ کریں بلکہ جو فرمایا اس پر عمل کرو جو نہ فرمایا اس کو معاف جانو اس میں دین آسان رہے اور جو ہر بات کا جواب آوے تو دین تنگ ہوجائے پھر عمل نہ کرسکو جیسے اگلے نہ کرسکے پھر (آئندہ آیت میں) کفر کی رسمیں بتائیں کہ پوچھنے کی حاجت نہیں جو اللہ نے نہ فرمایا وہ بے اصل ہے اور اسی طرح بے فائدہ باتیں پوچھیں۔ کسی نے پوچھا میرا باپ کون تھا یا میری عورت گھر میں کس طرح ہے اگر پیغمبر جواب دے شاید بُرا جواب آوے اور پشیمان ہو۔'' (موضح القرآن)

اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے ادب کو ملحوظ رکھو اور اس کے احکام میں پیش قدمی نہ کرو یعنی ایسی فضول اور لایعنی باتوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ شاید اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو بُری معلوم ہوں گی۔ اس لیے کہ اوّل تو لایعنی اور فضول سوال کرنا جرأت اور جسارت اور گستاخی ہے اور سراسر خلاف ادب ہے جو حکم آجائے اس پر عمل کرو جو نہ آئے خاموش رہو علاوہ ازیں ممکن ہے کہ تمہارے سوال کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات بیان کریں جو تمہارے لیے باعث ناگواری اور موجب شرمساری ہو یا سبب گرانی ہو کہ تمہارے سوال کی وجہ سے وہ چیز تم پر فرض ہوجائے اور پھر تم کو اس پر عمل کرنا دشوار ہو۔ پس تمہارا پوچھنا فضول ہے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود بیان کرے گا اور اگر تم ان باتوں کے متعلق اس وقت سوال کرو گے جب کہ قرآن نازل ہورہا ہے تو وہ باتیں تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔ یعنی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں موجود ہیں اور وحی کا سلسلہ جاری ہے، اس وقت تک اگر تم کوئی بات پوچھو گے تو اس کا جواب تم کو ضرور دیا جائے گا۔ پس ایسی بات نہ پوچھو جس کا جواب تم کو ناگوار معلوم ہوا ان سوالات سے پہلے جو سوالات تم کرچکے ہو ان کو اللہ نے معاف کیا آئندہ نہ کرنا اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا۔ ایسی ہی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے پوچھیں اور پھر ان سے منکر ہوگئے جیسے قوم صالح نے صالح علیہ السلام سے سوال کیا کہ پتھر سے ناقہ نکالو جب خدا نے اُن کا سوال پورا کردیا تو وہ اس معجزہ کے منکر ہوگئے اور اونٹنی کو انہوں نے ذبح کرڈالا اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے بہت سے سوال کیے اور جب بتائے گئے تو حجتیں نکالنی

شروع کیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے مائدہ کا سوال کیا اور پھر اس کی ناشکری کی اور انجام بھگتا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّ
نہیں ٹھہرایا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی اور
لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا
لیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور اُن میں بہتوں کو
يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى
عقل نہیں اور جب کہیے ان کو آؤ اس طرف جو اللہ نے نازل کیا اور
الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ
رسول کی طرف کہیں ہم کو کفایت ہے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگر
اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾
ان کے باپ نہ علم رکھتے ہوں کچھ اور نہ راہ جانتے تو بھی

حکم نوزدہم۔ ابطال بعض رسوم شرکیہ واقوال کفریہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ ... الٰى ... وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾

ربط: شروع پارہ میں نذر اور قسم کے ذریعہ حلال اور طیب کو اپنے اوپر حرام کرنے کی ممانعت فرمائی اور گزشتہ رکوع میں لایعنی سوالات کی ممانعت فرمائی کہ مبادا لوگوں کے سوال کی وجہ سے کوئی چیز حرام نہ کردی جائے ان آیات میں رسوم جاہلیت کا ابطال فرماتے ہیں اور اہل جاہلیت کی گمراہی کو بیان کرتے ہیں کہ ان جاہل مشرکوں نے بغیر حکم خداوندی اپنی طرف سے بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کرلیں اور پھر ان کی دلیری دیکھو کہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کردیا یہ محض افتراء ہے اور ان بے عقلوں کی جہالت اس درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ جب اُن سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے احکام پر چلو تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اللہ نے نہ تو بحیرہ مشروع کیا نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام ولیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ یہ رسوم اللہ کی مقرر کردہ ہیں اور اللہ ان سے خوش ہوتا ہے اور ان میں اکثر بے عقل ہیں بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام یہ سب زمانہ جاہلیت کی رسوم ہیں مشرکین عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر اونٹنی پانچ بچے جنتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے نہ اس سے سواری لیتے اور نہ ذبح کرتے اور نہ اس پر بوجھ لادتے اور نہ اس کو کسی پانی اور چراگاہ سے روکتے وہ جہاں چاہتی چرتی پھرتی اس اُونٹنی

کو وہ لوگ بحیرہ کہتے تھے اور اگر کوئی سفر میں جاتا یا بیمار ہوتا تو یہ کہتا کہ اگر میں اپنے سفر سے واپس آیا یا میں نے اپنی اس بیماری سے شفا پائی تو میری یہ اونٹنی سائبہ ہے یعنی آزاد ہے جہاں چاہے پھرے اب یہ اونٹنی سواری اور بار برداری کی مشقت سے آزاد ہے تو وہ اونٹنی سائبہ (آزاد) ہوجاتی اور اس کا حکم وہی ہوجاتا جو بحیرہ کا حکم تھا اُس زمانہ کا سائبہ ایسا ہے جیسا کہ اس زمانہ میں ہندو لوگ سانڈ چھوڑتے ہیں اور وصیلہ وہ بکری ہے کہ جو مادہ جننے کے بعد پھر دوبارہ مادہ جنے اور درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہوا ہو اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ وصیلہ اس بکری کو کہتے ہیں جو اپنی ماں کے ساتویں بطن سے اپنے بھائی کے ساتھ پیدا ہو تو ایسی بکری کو ذبح نہ کرتے تھے اور حام اس شتر نر کو کہتے ہیں کہ جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں ایسے اُونٹ کو بھی اہل عرب سواری وغیرہ کی خدمت سے آزاد کر دیتے تھے اور بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے گویا کہ اس نے اپنی پشت کی حمایت اور حفاظت کر لی اس لیے اس کو حام یعنی حامی کہتے تھے۔

یہ بد رسمیں مشرکین عرب میں مدتوں سے چلی آتی تھیں اور ان کی نسبت ان کا یہ اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان رسموں کو مشروع کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے خدا تعالیٰ نے ان رسموں کو ہرگز مشروع نہیں کیا ان کے بڑوں نے خدا پر بہتان باندھا اور عوام کالانعام نے اسے قبول کر لیا۔

الغرض ان آیات میں اس بات کی تنبیہ کر دی گئی کہ جس طرح فضول اور لایعنی سوالات کر کے احکام شرعیہ میں تنگی اور سختی کا سبب بننا جرم ہے اس سے کہیں بڑھ کر یہ جرم ہے کہ اپنی رائے سے حلال و حرام تجویز کرے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جہالت کو چھوڑو اور اس کی طرف آؤ جو اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف آؤ اور اس کی اطاعت کرو تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم کو وہی دین کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں اور بزرگوں کو پایا ہے یعنی ہم اپنے بزرگوں کو چھوڑ کر تمہاری اطاعت کیوں کریں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا ان کے لیے ان کا آبائی دین کافی ہے اگر چہ ان کے آباء واجداد نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں مطلب یہ ہے کہ تقلید اور پیروی ایسے شخص کی کرنی چاہیے جو علم اور ہدایت پر ہو اور تمہارے آباء واجداد تو جاہل اور گمراہ تھے انہیں حق اور باطل کی تمیز نہ تھی ان کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ج لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا
اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کی تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا جب
اهْتَدَيْتُمْ ط إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ
تم ہوئے راہ پر اللہ پاس پھر جانا ہے تم سب کو پھر جتا دیگا جو کچھ تم
تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾
کرتے تھے۔

حکم بستم ۔ متعلق بحفاظت دین خود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ... الی ... بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار اور مشرکین کی جہالتوں کو بیان فرمایا۔ اب اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ تم ان معاندین کی فکر میں نہ پڑو تم اپنی ہدایت کی فکر کرو تم ان کی اصلاح کی جو کوشش کر سکتے تھے وہ کر چکے اب اگر یہ لوگ تمہارا کہنا نہیں مانتے اور تمہاری نصیحتوں کو نہیں سنتے اور اپنے عناد اور ضد اور جہالتوں اور ضلالتوں سے باز نہیں آتے تو تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو برا کام کرتے دیکھا جائے تو اس کو منع نہ کیا جائے کہ ہمیں اس کی برائی کیا نقصان کرے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اس کے بعد بھی اگر کوئی ضد اور عناد اور ہٹ دھرمی سے اپنی گمراہی پر جما رہے تو پھر اس کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی کیونکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر چکے پس اے ایمان والو! اگر وہ لوگ تمہارے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہیں سنتے تو تم اپنے نفسوں کو سنبھالو اور اپنے دین کی فکر کرو اور ان کی فکر چھوڑ دو جو شخص باوجود تمہاری نصیحت اور تفہیم کے گمراہ ہوگا وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا بشرطیکہ تم خود راہ ہدایت پر ہو۔ یعنی جب تم خود ہدایت پر ہو گئے اور دوسرے لوگوں کو سمجھاتے رہے اور وہ تمہارے سمجھانے سے ہدایت پر نہ آئے تو تمہارے ذمہ کوئی الزام نہیں یا یہ معنی ہیں کہ جب تم ہدایت پر ہو تو کافر تمہارے کیسے ہی دشمن ہوں وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تم سب کا اخیر ٹھکانہ اللہ ہی کی طرف ہے سو وہ تم کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیگا کہ جو تم کرتے تھے۔ یعنی تمہارے نیک و بد اعمال کی جزاء دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اے ایمان والو! گواہ تمہارے اندر جب پہنچے کسی کو تم میں موت

حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ

جب لگے وصیت کرنے دو شخص معتبر چاہیں تم میں سے یا دو اور ہوں تمہارے سوا

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ

اگر تم نے سفر کیا ہو ملک میں پھر پہنچے تم پر مصیبت موت کی

تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ

دونوں کو کھڑا کرو بعد نماز کے پھر وہ قسم کھاویں اللہ کی اگر تم کو شبہ پڑے کہیں ہم نہیں بیچتے

بِهٖ ثَمَنًا وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَ لَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ
قسم مال پر اگرچہ کسی کو ہم سے قرابت ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی نہیں تو ہم
الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ
گنہگار ہیں پھر اگر خبر ہو جاوے کہ وہ دونوں حق دبا گئے گناہ سے تو دو اور کھڑے ہوں
مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ
ان کی جگہ کہ جن کا حق دبا ہے ان میں جو بہت نزدیک ہیں پھر قسم کھاویں اللہ کی
لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ مَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ
کہ ہماری گواہی تحقیق ہے ان کی گواہی سے اور ہم نے زیادہ نہیں کہا نہیں تو ہم
الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا
بے انصاف ہیں اس میں لگتا ہے کہ شہادت ادا کریں راہ پر یا ڈریں
اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اسْمَعُوْا ۗ وَ اللّٰهُ لَا
کہ الٹی پڑے گی قسم ہماری اُن کی قسم کے بعد اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سن رکھو اور اللہ نہیں
يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ ع
راہ دیتا بے حکم لوگوں کو

حکم بست ویکم۔ متعلق بہ وصیّت وشہادت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ . . . الٰی . . . وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾﴾

ربط: گذشتہ آیت میں حفاظتِ دِین کا حکم تھا۔ اس آیت میں حفاظتِ مال کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں کہ مرتے وقت کسی کو وَصی اور گواہ بنا لینا چاہیے۔ پہلی آیت میں دینی مصلحت کے متعلق حکم تھا اور اس آیت میں دُنیوی مصلحت کے متعلق حکم ہے۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں یہ بیان تھا کہ مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور مال کا حساب دینا پڑے گا۔

اب اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں: کہ مرنے سے پہلے تم کو وصیت کر دینی چاہیے اور اس پر کسی کو گواہ بنا لینا چاہیے تا کہ حق ضائع نہ ہو۔

لہٰذا اس کے متعلق ہدایت فرماتے ہیں۔

شانِ نزول:

ان آیتوں کا شانِ نزول ایک واقعہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا وہ واقعہ یہ ہے کہ تمیم بن اوس داری اور عدی بن بداء جو اس وقت دونوں نصرانی تھے بغرض تجارت مدینہ سے شام گئے اور ان کے ساتھ بُدیل مولی عمرو بن العاص بھی تھے جو مسلمان تھے بدیل وہاں جا کر بیمار ہو گئے اس لیے انہوں نے اسی بیماری کی حالت میں اپنے کل مال کی جو ان کے پاس تھا ایک فہرست لکھی اور اس کو اپنے اسباب میں رکھ دیا اور اپنے دونوں نصرانی ساتھیوں سے اُس کا ذکر نہ کیا جب اُن کا مرض سخت ہو گیا اور مرنے لگے تو انہوں نے اپنا مال تمیم اور عدی کے سپرد کیا اور یہ وصیت کی کہ جب تم مدینہ واپس جاؤ تو میرا یہ کل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا پھر بدیل مر گئے اور وہ دونوں نصرانی اپنے کام سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آئے۔ اس مال میں ایک چاندی کا پیالہ بھی تھا جس پر سونے کا جھول چڑھا ہوا تھا اور اس میں تین سو مثقال چاندی تھی ان نصرانیوں نے وہ پیالہ تو مال سے غائب کر لیا اور باقی کل مال بدیل کے وارثوں کو لا کر دے دیا وارثوں نے جب اس مال کی دیکھ بھال کی تو اس میں سے اُن کو ایک فہرست برآمد ہوئی جس میں ہر چیز کی تفصیل تھی۔ جب اس فہرست کے مطابق انہوں نے مال کی جانچ پڑتال کی تو اس میں اُن کو وہ چاندی کا پیالہ نہ ملا وہ لوگ تمیم اور عدی کے پاس گئے اور اُن سے پوچھا کہ کیا بدیل نے بیماری کی حالت میں اپنا مال فروخت کر دیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں وارثوں نے کہا کہ ہم کو اس سامان میں ایک فہرست ملی ہے جس میں اس کے کل مال اور اسباب کی تفصیل ہے، اس فہرست کے مطابق ہم کو ایک چاندی کا پیالہ نہیں ملتا جس پر سونے کا جھول تھا اور اس میں تین سو مثقال چاندی تھی انہوں نے کہا کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں، جو چیز اس نے ہمارے سپرد کی تھی وہ ہم نے تمہارے سپرد کر دی۔ وارثوں نے یہ معاملہ اور یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا مگر وہ دونوں اپنے انکار پر قائم رہے اور چونکہ مدعین یعنی اولیاء میت کے پاس خیانت کے کوئی گواہ نہ تھے اس لیے تمیم اور عدی سے قسمیں لی گئیں کہ ہم نے اس مال میں کوئی خیانت نہیں کی کیونکہ وہ دونوں نصرانی اس مقدمہ میں مدعیٰ علیہ تھے۔ اس لیے اُن سے قسمیں لی گئیں اور وہ جھوٹی قسمیں کھا گئے اور قصہ ختم ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد کہیں سے وہ پیالہ پکڑا گیا جس کے پاس پیالہ ملا اس سے دریافت کیا گیا کہ تیرے پاس یہ پیالہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا کہ یہ پیالہ میں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے۔ اب دوبارہ یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ اس وقت یہ دونوں نصرانی خریداری کے مدعی بن گئے اور یہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ پیالہ اس کے مالک سے یعنی اُس کی میت سے خرید لیا تھا چونکہ ان کے پاس خریداری کے گواہ نہ تھے اور ورثہ خریداری کے منکر تھے، اس لیے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بجائے وارثوں سے قسمیں لیں وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت کے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں۔ چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے وہ پیالہ فروخت کیا تھا (ایک ہزار درہم) وہ رقم وارثوں کو دلائی گئی اور قصہ ختم ہوا۔ اس بارہ میں خدا تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں۔ اے مسلمانو! تمہارے درمیان گواہی (کا نصاب) جب کہ تم میں کسی کو موت آ پہنچے یعنی وصیت کا وقت آ پہنچے تو ایسی حالت میں کہ جب مال ورثہ کے سپرد کرنے کی ضرورت ہو تو گواہی کا نصاب ایسے دو شخص ہیں جو ثقہ اور معتبر ہوں اور تم میں سے ہوں۔ یعنی مسلمان ہوں مطلب یہ ہے کہ جو شخص مرتے وقت اپنے ورثہ کے متعلق غیروں کو وصیت کرنا چاہے اور اپنا مال و متاع اُن کے حوالہ کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ مسلمانوں میں سے دو معتبر شخصوں کو وصیت کرے تا کہ وہ اس کی وصیت کو پورا کریں اور اس کے مال میں خیانت نہ کریں یا اگر مسلمان نہ

ملیں تو تمہارے غیروں یعنی کفار میں سے دو شخص گواہ بنا لیے جائیں۔ اگر تم سفر کی حالت میں ہو پھر تمہیں اس غربت میں موت کی مصیبت آ پہنچے اور اس مسافرت کی حالت میں تمہارے رفیق سفر سب کافر ہیں مسلمان کوئی نہیں تو انہی میں دو شخصوں کو اپنا وصی بنا لو ایسی حالت میں کہ جب مسلمان نہ ہو تو غیر مسلم کو وصی بنانا جائز ہے پھر ان غیر مسلم اَوصیاء کا حکم یہ ہے کہ اے وارثو! اگر تم کسی وجہ سے ان کی امانت اور صداقت کے بارہ میں شک اور تردد میں پڑ جاؤ اور تمہیں ان اوصیاء کے متعلق خیانت کا گمان ہو تو ان دونوں غیر مسلموں کو عصر کی نماز کے بعد روک لو پھر وہ دونوں مجمع عام میں قسم کھائیں اور قسم کے ساتھ یہ کہیں کہ ہم اس قسم کے عوض میں کسی قسم کا مال نہیں چاہتے اگرچہ وہ شخص جس کے نفع کے لیے ہم گواہی دے رہے ہیں ہمارا اقربی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ یعنی ہم جھوٹی گواہی اپنے رشتہ داروں کے لیے بھی نہیں دیتے غیر کے لیے کیا دیں گے اور ہم اللہ کی فرض کی ہوئی گواہی کو نہیں چھپاتے اگر ہم ایسا کریں گے تو بے شک ہم گنہگاروں میں سے ہوں گے۔ پھر اگر بعد میں کسی طریقہ سے یہ اطلاع ملے کہ وہ دونوں شاہد یعنی وصی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں یعنی انہوں نے میت کے مال میں خیانت کی ہے اور جھوٹی قسم کھائی ہے تو دو اور شخص ان کی جگہ قسم کھانے کے لیے کھڑے ہوں ان لوگوں میں سے جن کا ان دونوں نے حق دبایا ہے یعنی میت کے ورثہ میں سے دو شخص کھڑے ہوں جو میت کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ پھر وہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہیں کہ بے شک ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ معتبر ہے اور ہم نے اپنی اس قسم میں کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں کی اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو بے شک ہم ظالموں میں سے ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بدیل کے دو وارث کھڑے ہوئے اور عصر کے بعد اُنہوں نے یہ قسم کھائی کہ یہ دونوں شخص جھوٹے اور خائن ہیں اور ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ معتبر ہے۔ تب اس پیالہ کی قیمت اُن نصرانیوں سے لے کر ان کو دلائی گئی جب اس واقعہ کے بعد تمیم داری رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو کہا کرتے تھے کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے میں نے پیالہ لیا تھا اب میں اپنے اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ شہادت کا یہ طریقہ جو ان آیات میں مذکور ہوا یہ اس امر کے بہت زیادہ قریب اور نزدیک ہے کہ لوگ صحیح طریقہ پر شہادت دیا کریں یا وہ اس بات سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد وارثوں پر قسمیں لوٹائی جائیں گی یعنی انہیں یہ اندیشہ ہوگا کہ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھائی تو ہمارے بعد ورثہ سے قسم لی جائے گی اور ورثہ قسم کھا کر ہماری قسم کو بے اعتبار بنا دیں گے۔ اس اندیشہ اور خیال سے وہ جھوٹی قسم پر جرأت نہ کریں گے اور اے لوگو! قسم کھانے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ کا حکم سنو اور جو اللہ کا حکم نہ سنے وہ فاسق ہے اور اللہ فاسقوں کو توفیق نہیں دیتا۔ یعنی جو لوگ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت نہیں دیتا بلکہ ان کو اُن کی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے تاکہ قیامت کو اس کی سزا پائیں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ

جس دن اللہ جمع کرے گا رسول پھر کہے گا تم کو کیا جواب دیا بولیں گے ہم کو خبر نہیں

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۱۰۹ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ

تو ہی ہے چھپی بات جاننا جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے یاد کر

نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡكَ وَعَلٰی وَالِدَتِكَ ۘ اِذۡ اَیَّدۡتُّكَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ۟ قف تُكَلِّمُ

میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب مدد کی میں نے تجھ کو روح پاک سے تو کلام کرتا

النَّاسَ فِی الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا ۚ وَاِذۡ عَلَّمۡتُكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ

لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور پکی باتیں اور

التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ۚ وَاِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ كَهَیۡـَٔةِ الطَّیۡرِ

توریت اور انجیل اور جب تو بناتا مٹی سے جانور کی صورت

بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡهَا فَتَكُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ وَتُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَ

میرے حکم سے پھر دم مارتا اس میں تو ہو جاتا جانور میرے حکم سے اور چنگا کرتا ماں کے پیٹ کا اندھا اور

الۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِیۡ ۚ وَاِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِیۡ ۚ وَاِذۡ كَفَفۡتُ بَنِیۡۤ

کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑے کرتا مردے میرے حکم سے اور جب روکا میں نے بنی

اِسۡرَآءِیۡلَ عَنۡكَ اِذۡ جِئۡتَهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ

اسرائیل کو تجھ سے جب تو لایا اُن پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں

اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۱۰﴾

اور کچھ نہیں یہ جادو ہے صریح

خاتمۂ احکام سورت بر تذکیر آخرت وذکر انعامات واحسانات خداوند انام بر عیسیٰ علیہ السلام برائے اثبات عبدیت واثبات رسالت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ... الی ... اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۱۰﴾﴾

ربط: قرآن مجید میں حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ شرائع اور احکام کے بیان کے بعد یا تو اپنی ذات وصفات یا انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال یا قیامت کے احوال بیان فرماتے ہیں تاکہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور آخرت کا تذکرہ اور استحضار امتثال احکام میں ممد اور معاون ہو اس لیے ختم سورت پر قیامت کا حال ذکر فرمایا کہ اس دن تمام انبیاء علیہم السلام مجتمع ہوں گے اور اُن کی قوموں اور اُمتوں کی زجر و رتو

بیخ کے لیے اُنہی کے سامنے علی روس الاشہاد سوال جواب ہوں گے تاکہ اُمتیں سن لیں اور ڈر جائیں کہ قرآن کریم میں ہے ﴿ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ ﴾ جولڑکی زندہ گاڑھی گئی تھی اس سے سوال ہوگا کہ کس گناہ پر ماری گئی؟ تو سوال تو موءودہٗ سے ہوگا مگر اس سوال سے مقصود وائد (یعنی زندہ گاڑھنے والے) کی توبیخ اور سرزنش ہوگی۔ اسی طرح قیامت کے دن جو انبیاء کرام علیہم السلام سے سوال ہوگا تو اس سے مقصود اُمتوں اور قوموں کی توبیخ اور سرزنش ہوگی۔ حق جل شانہٗ نے ان آیات میں بالا جمال تمام انبیاء علیہم السلام سے سوال کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جن کو عیسائیوں نے خدا ٹھہرا رکھا ہے کیونکہ اوپر سے سلسلۂ کلام اہل کتاب کے غلو اور افراط اور تفریط کے متعلق چلا آرہا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا اس تذکرہ سے اصل مقصود تو نصاریٰ کے عقائد کی تردید ہے جو انہیں خدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں اس لیے کہ دوسری اُمتوں کا کفر انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات تک محدود تھا اور نصاریٰ کا کفر حق نبوت سے تجاوز کر کے خدا تعالیٰ کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اس لیے کہ خداوند قدوس کے لیے بیٹا تجویز کرنا بارگاہِ خداوندی میں ایسی عظیم گستاخی ہے کہ جس سے آسمان و زمین کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے ان آیات میں اصل مقصود تو نصاریٰ کی تردید ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہود کی بھی تردید و تکذیب ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جس سے ایک طرف تو ان کا بندہ اور محتاجِ خدا ہونا ثابت ہوا۔ اس لیے کہ انعام و احسان اور تائید روح القدس اور حفاظت جبریلی اور نزول مائدہ کی ضرورت بندہ کو ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کو اور دوسری طرف اُن کا برگزیدۂ خدا ہونا ظاہر ہوگیا۔ اس طرح سے یہود اور نصاریٰ کے غلو اور افراط و تفریط دونوں کی تردید ہوگئی اور اس تذکرہ اور حکایت سے مقصود یہ ہے کہ یہ سن کر نصاریٰ اور یہود دونوں اپنے اپنے کفر اور عناد سے باز آجائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اُس ہولناک دن کو کہ جس دن اللہ تعالیٰ کافروں کے الزام کے لیے رسولوں کو جمع کرے گا۔ پھر ان رسولوں سے پوچھے گا کہ تم کو تمہاری اُمتوں کی طرف سے کیا جواب دیا گیا تھا؟ یعنی جب تم نے ان کو خدا کی طرف بلایا تو انہوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا اُسے قبول کیا یا رَدّ کیا۔ اس سوال کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصود منکرین اور مکذبین کو توبیخ کرنا ہوگا۔ پیغمبر جواب میں کہیں گے ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں تحقیق آپ ہی تمام غیبوں کے جاننے والے ہیں ظاہر و باطن سب تجھ ہی پر روشن ہے ہم تو صرف ظاہر ہی کو کچھ جان لیتے ہیں ہم تیرے سامنے کیا بیان کریں ہمارا علم تیرے علم کے سامنے کوئی چیز نہیں بلکہ بمنزلہ عدم علم کے ہے اور اسی دن جب تمام پیغمبر جمع ہوں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بلا کر اُن سے اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں گے اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! میرے اُس انعام اور احسان کو یاد کر جو تجھ پر اور تیری ماں پر ہیں قیامت کے دن ان احسانات کے یاد دلانے سے یہودیوں اور عیسائیوں کی زجر اور توبیخ مقصود ہوگی۔ یعنی ان انعامات اور احسانات کو یاد دلا کر ان پر یہ امر ظاہر کیا جائے گا کہ دنیا میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں دونوں گروہ غلطی پر تھے عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہیں اور خدا تعالیٰ ان کا محسن ہے اُن میں جو کچھ خوبی تھی وہ خدا ہی کی دی ہوئی تھی۔ پس نصاریٰ کو کیا حق تھا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو خدا بنا لیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے محسن کو بھول گئے اور یہودیوں کے لیے کب مناسب تھا کہ جس ذات پر خدا تعالیٰ کے ایسے عجیب و غریب انعامات و احسانات ہوتے ہوں اس کو مفتری اور کذاب سمجھیں۔ اور اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں پر احسانات کی تفصیل نہیں کی اشارہ اور اجمال پر اکتفا کیا تفصیل اس کی سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے کہ وہ طاہرہ اور مطہرہ اور صدیقہ تھیں اور حق تعالیٰ نے ان کو تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی تھی۔ اور اے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اس وقت کو بھی یاد کر کہ جب میں نے تجھ کو روح

القدس یعنی جبریل امین علیہ السلام سے قوت اور مدد دی جو تیری تائید اور تقویت کے لیے ہر وقت تمہارے ساتھ رہتے تھے مطلب یہ ہے کہ حظیرۃ القدس کے انوار و برکات ہر وقت تمہارے محافظ اور نگہبان تھے اور افضل الملائکۃ المقربین یعنی جبریل امین کی معیت کی وجہ سے نفس و شیطان کی یہ مجال نہ تھی کہ اپنی ظلمتوں سے آپ کی نورانیت کو پھیکا ہی کر سکے من جانب اللہ روح القدس کی یہ تائید اس کی دلیل تھی کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں معاذ اللہ خدا نہیں خدا کو کسی کی تائید اور تقویت کی کیا ضرورت ہے اور اللہ کے اس انعام کو بھی یاد کرو کہ آپ گہوارہ میں بھی اور بڑی عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرتے تھے یعنی زمانہ طفولیت اور زمانہ کہولت کے کلام میں باعتبار فصاحت و بلاغت اور باعتبار موعظت و حکمت کوئی فرق نہ تھا دونوں یکساں تھے زمانہ شیر خوارگی میں آپ نے یہ کلام کیا:

﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ۝۳۰ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۪۝۳۱﴾ (مریم)

اور اس شیر خوارگی میں جو پہلا کلمہ آپ علیہ السلام کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں اور نبوت و رسالت ملنے کے بعد وحی اور الہام سے کلام فرمایا دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کا کلام ایک ہی شان اور ایک ہی صفت کا تھا دونوں میں کوئی تفاوت نہ تھا حالانکہ ان دو حالتوں کا کلام غایت درجہ مختلف اور متفاوت ہوتا ہے یہ بھی من جانب اللہ ایک عظیم معجزہ تھا جو آپ کے حق میں اور آپ کی والدہ ماجدہ کے حق میں نعمت عظیمہ تھی جس سے اُن کی طہارت اور نزاہت ثابت ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت ثابت ہوئی اور ولادت سے لے کر زمانہ کہولت تک مختلف حالات اور تغیرات کا پیش آنا اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت ثابت ہوئی اور الوہیت کی نفی ہوگئی۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ ولادت اور تغیرات سے پاک اور منزہ ہے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حالت کہولت میں کلام کرنے سے مراد یہ ہے کہ آسمان سے نازل ہونے کے بعد بھی اسی قسم کا کلام سراپا حکمت التیام فرمائیں گے۔ لہٰذا لفظ ﴿وَ كَهْلًا﴾ میں آپ علیہ السلام کے نزول من السماء کی طرف اشارہ ہے۔ جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے اس لیے کہ آپ علیہ السلام زمانہ کہولت سے پہلے آسمان پر اٹھائے گئے نزول کے بعد آپ کہولت کو پہنچیں گے اور حکمت و موعظت کی باتیں لوگوں کو بتلائیں گے۔

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ میں نے تم کو لکھنا اور دانائی اور توریت اور انجیل سکھائی کتاب سے کتابت اور فن تحریر مراد ہے اور حکمت سے کلام صواب مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام لکھنا جانتے تھے مگر افسوس کہ نصاریٰ کے پاس حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی انجیل موجود نہیں۔ بخلاف ہمارے نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ وہ اُمّی تھے لکھنا نہیں جانتے تھے ﴿وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (العنکبوت: ۴۸) اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو کاتبین وحی کو بلا کر املاء کرا دیتے۔ بحمدہٖ تعالیٰ مسلمانوں کے پاس وہ اصل قرآن محفوظ ہے جو کاتبین وحی اور خلفاء راشدین کے مبارک ہاتھوں نے لکھا اور یہ دنیا کے سارے قرآن اس کی نقل مطابق اصل ہیں۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی شکل اور صورت بناتا تھا پھر تو اس مصنوعی صورت و شکل میں پھونک مارتا تھا پھر وہ تیری بنائی ہوئی صورت میرے حکم سے حقیقتاً پرندہ بن جاتی تھی۔ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ آپ مٹی سے پرند کی صورت بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ سچ مچ کا پرندہ بن جاتا اور اڑنے لگتا اور ﴿بِاِذْنِیْ﴾ کی قید اس لیے لگائی کہ اس پرندہ میں جان ڈالنا خدا تعالیٰ کا کام تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام نہیں

تھا۔ جیسے مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک مارنا جبریل علیہ السلام کا کام تھا اور بچہ کو پیدا کرنا اور اس میں جان ڈالنا خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ اس وجہ سے ہر جگہ ﴿ بِاِذْنِیْ ﴾ کی قید بڑھائی تا کہ ان معجزات کو دیکھ کر کسی کو ان کی خدائی کا شبہ نہ ہو اس ﴿ بِاِذْنِیْ ﴾ کے لفظ سے یہ بتلا دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ تمام کام اپنی قدرت سے نہ تھے بلکہ خدا کی قدرت سے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام تو صرف مورت بنانا اور اس میں پھونک مارنا تھا باقی اس میں جان ڈالنا یہ حق تعالیٰ کا کام تھا عجب نہیں کہ نفخ عیسوی سے بِاِذْنِ اللّٰہِ پرند بن جانے کا معجزہ، نفخ جبرئیلی کا کوئی نمونہ ہو۔ واللہ اعلم

اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے ہاتھ پھیر کر اچھا اور چنگا کر دیتے تھے بیمار پر ہاتھ پھیرنا تمہارا کام تھا اور شفا اور تندرستی عطا کرنا اور چنگا کر دینا یہ میرا کام تھا میں نے تمہاری برگزیدگی ثابت کرنے کے لیے تم کو یہ معجزہ عطا کیا تمہارے دستِ برکت میں میرا دست قدرت کارفرما تھا اور تمہارا ہاتھ میرے بے چون وچگوں کے ہاتھ کے لیے روپوش تھا۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تو میرے حکم سے مردوں کو زندہ کر کے قبر سے نکالتا تھا عیسیٰ علیہ السلام جب یہ چاہتے کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور خدا سے دعا مانگتے اس کے بعد وہ مردہ زندہ ہو جاتا اس حالت کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھ لیتا تھا کہ یہ مردہ دراصل حق تعالیٰ کی قدرت اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے زندہ ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک بندہ کی دُعا قبول کی اور اپنی قدرت اور رحمت سے مردہ کو زندہ کر دیا زندہ کرنے والے عیسیٰ علیہ السلام نہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزات اس لیے عطا کیے کہ اطباء اور حکماء بھی ان بیماریوں کے علاج سے بالکل عاجز اور درماندہ تھے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اطباء کی طرح کوئی طبیب نہیں بلکہ خدا کے برگزیدہ رسول ہیں جن کو خدا نے ایسے معجزات عطا کیے ہیں جن سے تمام اطباء عالم عاجز اور درماندہ ہیں یہاں تک منافع اور فوائد کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیت میں دفع مضرت کے انعام کو بیان کرتے ہیں۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ میں نے بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو تیرے پاس آنے سے روک دیا اور انہوں نے جو تیرے قتل اور صلب کا منصوبہ بنایا تھا اس کو میں نے یک لخت ملیامیٹ کر دیا اور تجھ کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور وہ تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے جب کہ تو ان کے پاس اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آیا تو ان میں سے جو کافر تھے وہ یہ بولے کہ نہیں ہیں یہ معجزات مگر کھلا جادو اپنی نادانی اور عناد سے معجزات کو جادو سمجھے۔ معجزہ وہ ہے کہ جس کا مثل لانے سے سارا عالم عاجز ہو اور جادو تو ایک فن ہے جو سیکھ لے اس کو آجاتا ہے۔

خلاصۂ مضمون آیاتِ مذکورہ بالا

ان آیات میں حق جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا جس سے ایک طرف اُن کا برگزیدۂ خداوندی ہونا ثابت ہوا جس سے یہود کا رد ہوا اور دوسری طرف ان کی عبدیت ثابت ہوئی اور اُن کی الوہیت کی نفی ہوئی جس سے نصاریٰ کی تردید ہوئی کیونکہ روح القدس کی تائید اور تقویت اور گہوارہ میں اُن کی تربیت اور کتاب وحکمت کی تعلیم اور ہدایت اور بنی اسرائیل کے شر سے حفاظت (جس کا وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ میں ذکر ہے) یہ سب اس امر کے دلائل اور براہین ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ خدا نہ تھے۔ اس لیے کہ خدا کو کسی کی تائید اور تقویت اور تعلیم اور تربیت اور کسی کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے یہ سب امور عبدیت کے دلائل ہیں اور سلسلۂ انعامات واحسانات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جو معجزات اُن کو عطا کیے گئے وہ ان

پر اللہ کا انعام اور احسان تھے اور وہ معجزات اُن کی نبوت و رسالت کے دلائل تھے نہ کہ الوہیت اور ابنیت کے دلائل تھے اس سے مقصود نصاریٰ کی غلطی کو واضح کرنا ہے کہ وہ احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ وابرص جیسے معجزات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی دلیل سمجھ بیٹھے اور ان کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا لیا حالانکہ یہ معجزات قاہرہ اُن کی نبوت و رسالت کی دلیل تھے نہ کہ الوہیت اور ابنیت کی دلیل تھے معاذ اللہ خدا کو کسی کے انعام و احسان اور کسی کی تائید و حفاظت کی ضرورت نہیں اور قیامت کے دن ان انعامات کے ذکر کرنے سے تمام اہل کتاب کی توبیخ مقصود ہے جنہوں نے ان کی شان میں افراط اور تفریط کی اور آئندہ سوالات کی تمہید ہے جن کا آئندہ آیت ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ﴾ میں ذکر آئے گا۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ
اور جب میں نے دل میں ڈالا حواریوں کے کہ یقین لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر بولے ہم یقین لائے اور
اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ
تو گواہ رہ کہ ہم حکم بردار ہیں جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ مریم کے بیٹے
هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ
تیرے رب سے ہو سکے کہ اتارے ہم پر خوان بھرا آسمان سے بولا
اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ
ڈرو اللہ سے اگر تم کو یقین ہے بولے ہم چاہتے ہیں کہ کھاویں اس میں سے اور
تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ
چین پاویں ہمارے دل اور ہم جانیں کہ تو نے ہم کو سچ بتایا اور رہیں ہم اس پر
الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا
گواہ بولا عیسیٰ مریم کا بیٹا اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر
مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ ۚ
خوان بھرا آسمان سے کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو اور نشانی تیری طرف سے

وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ج

اور روزی دے ہم کو اور تو ہے بہتر روزی دینے والا کہا اللہ نے میں اتاروں گا وہ خوان تم پر

فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا

پھر جو کوئی تم میں ناشکری کرے اس پیچھے تو میں اس کو وہ عذاب کروں گا جو نہ کروں گا کسی کو

ع ۱۵/۷/۵ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

جہان میں

قصہ نزول مائدہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ ... الی ... اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾

ربط : ان آیات میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے ایک خاص انعام اور خاص معجزہ کا ذکر فرمایا ہے جس سے یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کو تنبیہ مقصود ہے یعنی مائدہ کے نازل ہونے کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جس کی طرف یہ سورت منسوب ہے یعنی سورۂ مائدہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اُس پر آسمان سے مائدہ اتارا جو اُن کی نبوت و رسالت کی آیت باہرہ اور حجتِ قاہرہ تھی اور اس بات کی بھی دلیل تھی کہ جس کے لیے یہ آسمانی رزق کا خوان اُتارا جا رہا ہے وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے کہ من وسلویٰ کی طرح اس مائدہ سے خدا کا رزق کھائے اور اس کا شکر بجا لائے معاذ اللہ وہ خدا نہیں ہے رزق کا محتاج بندہ ہوتا ہے نہ کہ خدا موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے ﴿رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝﴾ (القصص: ۲۴) چنانچہ فرماتے ہیں: اور یاد کرو اس وقت کو جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واضح معجزات کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ صریح جادو ہے تو اس وقت میں نے اپنے خاص الخاص لطف وعنایت سے حواریین کے دل میں یہ القاء کیا کہ تم ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور اے اللہ! تو گواہ رہ کہ ہم تیرے حکم ماننے والے ہیں جو حکم دے گا اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان تھا کہ حواریین کے دل میں یہ القاء اور الہام کیا کہ تم ہمارے نبی برحق پر ایمان لاؤ چنانچہ ایمان لے آئے اور خدا کو اپنے اسلام پر گواہ بنالیا۔ اس کے بعد اب دوسرے انعام کا ذکر فرماتے ہیں کہ حواریین کی درخواست کی بناء پر آسمان سے مائدہ نازل ہوا ایمان اور اسلام باطنی رزق اور اُخروی نعمت ہے اور مائدہ ظاہری رزق اور دنیوی نعمت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: یاد کرو اس وقت کو جب کہ حواریین نے عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا اے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تیرا پروردگار ہم پر آسمان سے نعمتوں سے بھرا ہوا ایک خوان اُتارے؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حواریین کو حق تعالیٰ کی قدرت میں کسی قسم کا کوئی شک تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ اے مسیح بن مریم علیہما السلام کیا خداوند عالم آپ علیہ السلام کے طفیل میں آپ کے خادموں اور غلاموں کے لیے اپنے عام دستور و عادت کے خلاف آسمان سے الوانِ نعمت کا کوئی خوان اُتار سکتا ہے۔ ہم تو اس قابل نہیں کہ

ہمارے لیے آسمان سے خوان اُتارا جائے ہاں یہ ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام جیسی برگزیدہ ذات بارگاہِ خداوندی میں یہ سوال کرے اور قبول ہو جائے تو آپ کے طفیل ہماری یہ آرزو پوری ہو جائے۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بڑے شخص کو اپنے ساتھ بازار لے جانا چاہے اور یہ کہے کہ کیا آپ میرے ساتھ بازار چلنے کی تکلیف برداشت کر سکیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کے جواب میں کہا: اللہ سے ڈرو، اگر تم میری نبوت ورسالت پر یقین رکھتے ہو یعنی تمہارا یہ سوال اوّل تو خلافِ ادب ہے خلافِ عادت اُمور کی فرمائش خلافِ ادب ہے۔ اس قسم کی فرمائشیں معاندین کا طریقہ ہے اور علاوہ ازیں اس سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں میری نبوت ورسالت میں شک ہے جب ہی تو تم نے مجھ سے اس معجزہ اور خارق عادت امر کی فرمائش کی گویا کہ بزبان حال اس سوال سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ تم اپنے ایمان کو معجزات اور خوارق عادات کے مشاہدہ پر موقوف رکھنا چاہتے ہو یہ علامت شک اور تردّد کی ہے۔ نیز مجھ کو یہ ڈر ہے کہ وہ خوان تمہارے لیے فتنہ کا سامان نہ بن جائے۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور ایسی چیز کا سوال نہ کرو جو تمہارے لیے فتنہ کا سبب بنے اور میری نسبت شک میں پڑ کر اپنے ایمان کو متزلزل نہ کرو حواریین بولے ہم آپ علیہ السلام پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں اور ہمیں ذرہ برابر شک نہیں لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس خوان میں سے کھائیں جو آسمان سے نازل ہو کیونکہ جو رزق آسمان سے نازل ہوگا وہ سراسر مبارک ہوگا اور اس کے کھانے سے ظاہری اور باطنی شفاء اور صحت حاصل ہوگی اور تیری عبادت اور اطاعت میں قوت کا ذریعہ بنے گا۔ دنیا کے رزق سے بعض مرتبہ دل میں معصیت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے مگر جو رزق آسمان سے نازل ہوگا وہ دل میں تیری اطاعت اور بندگی کا ایسا جوش اور ولولہ پیدا کرے گا کہ ہم کو عبادت اور بندگی میں ملائکہ کا ہمرنگ بنا دیگا اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس آسمانی خوان سے کھا کر ہمارے دل مطمئن ہو جائیں یعنی ہمارے دل طمانیت اور سکینت سے ایسے لبریز ہو جائیں کہ ہمارے ایمان میں شک اور تردّد کا امکان ہی ختم ہو جائے اور شہودی اور حسّی طور پر ہم یہ جان لیں کہ آپ نے نعماء جنت کے بارہ میں ہم کو جو خبریں دی ہیں اس میں آپ نے ہم سے سچ بولا ہے کہ جنت اور اس کی نعمتیں حق ہیں اور یہ آسمانی خوان جنت کی نعمتوں کا ایک نمونہ ہے اگرچہ استدلالی اور برہانی طریقہ پر ہم کو آپ کی صداقت کا پہلے ہی سے علم حاصل ہے۔ مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں علم استدلالی کے ساتھ علم شہودی اور علم عیانی بھی مل جائے تا کہ کفر اور نفاق اور ارتداد کے خطرہ سے ہم نکل جائیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس معجزہ پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں کہ ہم بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دیں کہ ہم نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تا کہ جن لوگوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا ان کے سامنے گواہی دیں اور آپ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کو ثابت کر سکیں ہم کو تبلیغ اور دعوت کا اجر ملے اور اُن کو ہدایت ملے عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اس درخواست سے اُن کی غرض صحیح ہے تو بولے اور یہ دُعا کی بارخدایا! اے ہمارے پروردگار! ہماری ظاہری اور باطنی تربیت کے لیے آسمان سے ایک خوان اُتار جو ہمارے اگلے اور پچھلوں کے لیے عید بنے۔ یعنی جو لوگ اس وقت موجود ہیں اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں آئیں گے سب کے لیے خوشی کا سامان ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تیرا یہ انعام سلف سے لے کر خلف تک جاری رہے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو کہ جنت کی نعمتوں میں شک اور شبہ نہ کر سکیں اس کا نمونہ تم کو دُنیا میں دکھلا دیا، اور اے اللہ! ہم کو رزق عطا فرما اور اس پر شکر کی توفیق دے اور سب عطا کرنے والوں میں تو ہی سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے دُنیا میں جو شخص کسی کو کچھ دیتا ہے وہ اپنے نفع کے لیے دیتا ہے اور اس کے عوض کا طلب گار رہتا ہے اور تیری عطا بلا عوض اور بلا نفع کے ہے۔

من نکردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

﴿وَارۡزُقۡنَا﴾ "ہم کو روزی دے" لفظ اگرچہ عام ہے مگر یہاں خاص روزی مراد ہے یعنی وہی خُوان جس کا سوال تھا۔

نکتہ: حواریین نے جو نزول مائدہ کی درخواست کی اس کا آغاز ﴿هَلۡ يَسۡتَطِيۡعُ رَبُّكَ﴾ سے کیا جو کسی قدر خلاف ادب معلوم ہوتا ہے اور غرض وغایت یہ بیان کی ﴿نُرِيۡدُ اَنۡ نَّاۡكُلَ مِنۡهَا﴾ بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے کہ انہوں نے دعا اور استدعاء میں جن آداب عبودیت کو ملحوظ رکھا وہ ظاہر ہیں ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ﴾ سے دعا کو شروع کیا اور ﴿وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ﴾ پر ختم کیا۔

اللہ تعالیٰ نے کہا: اے عیسیٰ علیہ السلام میں نے تمہاری درخواست منظور کی اور تحقیق میں تمہاری درخواست کے مطابق وہ خوان آسمان سے تم پر ضرور اتاروں گا پھر تم سے جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا اس لیے کہ جب نعمت غیر معمولی اور نرالی ہے تو اس کی ناشکری پر عذاب بھی غیر معمولی اور نرالا آئے گا۔

جمہور علماء سلف وخلف کا قول یہ ہے کہ یہ مائدہ حسب وعدۂ خداوندی آسمان سے اُترا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنِّيۡ مُنَزِّلُهَا عَلَيۡكُمۡ﴾ اور یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اس کی خبر ہے جو حق اور صدق ہے یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو اور اس کی خبر واقع نہ ہو اور اس کو امام ابن جریر اور ابن کثیر اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہم نے اور جمہور علماء تفسیر نے اختیار کیا ہے جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے کہ وہ مائدہ آسمان سے اُترا اور اس میں گوشت تھا اور روٹی تھی اور اس کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ اس میں خیانت نہ کریں اور چھپا کر نہ رکھیں اور دوسرے دن کے لیے ذخیرہ نہ کریں۔ پس جن لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی وہ بندر اور سُور کی صورت اور شکل بنا دیئے گئے اور تین دن کے بعد وہ ہلاک ہو گئے۔ (دیکھو تفسیر [1] قرطبی ص ۳۷۲ اور تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۶ ج ۲)

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ مائدہ نازل ہی نہیں ہوا یہ تہدید سن کر مانگنے والے ڈر گئے اور اپنی درخواست واپس لے لی اور مانگا ہی نہیں اور اپنے اس سوال سے توبہ اور استغفار کی مگر یہ قول صحیح نہیں ظاہر قرآن کے بھی خلاف ہے اور اخبار اور آثار متواترہ کے بھی خلاف ہے سلف اور خلف سے یہی منقول ہے کہ یہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا۔ غرض یہ کہ اتنا امر قطعی اور یقینی ہے کہ آسمان سے خوان اُترتا تھا اور ایک مدت تک اُترتا رہا باقی رہا یہ امر کہ اس خوان میں کیا کیا چیزیں تھیں اور کب تک اُترتا رہا؟ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (دیکھو تفسیر در منثور ص ۳۴۶ ج ۲)

جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مائدہ کس شان سے نازل ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام نے کس شان سے اس کا استقبال کیا واللہ اعلم۔

وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِيۡ

اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے تو نے کہا لوگوں کو کہ ٹھہراؤ

وَاُمِّيَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِيۡۤ اَنۡ

مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے بولا تو پاک ہے مجھ کو نہیں بن آتا کہ

[1] قال الامام القرطبی اخرج الترمذی فی ابواب التفسیر عن عمار بن یاسر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انزلت المائدۃ من السماء وامروا ان لا یخونوا ولا یدخروا لغد فخانوا وادخروا ورفعوا لغد فمسخوا قردۃ وخنازیر۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۷۲، ج ۶)

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ق بِحَقٍّ ط اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ط تَعْلَمُ

کہوں جو مجھ کو نہیں پہنچتا اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو تجھ کو معلوم ہو گا تو جانتا ہے

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ لَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ط اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

جو میرے جی میں اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے برحق تو ہی ہے جانتا چھپی بات میں نے

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ج وَ

نہیں کہا اُن کو مگر جو تو نے حکم کیا کہ بندگی کرو اللہ کی جو رب ہے میرا اور تمہارا اور

كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ج فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ

میں ان سے خبردار تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے بھر لیا تو تُو ہی

الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ط وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

تھا خبر رکھتا اُن کی اور تو ہر چیز سے خبردار ہے اگر تو اُن کو عذاب کرے

فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ج وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

تو وہ بندے تیرے ہیں اور اگر ان کو معاف کرے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

ذکر مخاطبت رب العزت باعیسیٰ علیہ السلام در یوم قیامت برائے تنبیہ نصاریٰ حیاریٰ بر بطلان عقیدۂ اُلوہیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ . . . الى . . . اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾

ربط: اُوپر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ چلا آ رہا ہے اور یہ اسی گفتگو کا تتمہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت میں ہوگی۔ اوّلاً حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بلا کر اپنے وہ عظیم الشان انعامات و احسانات یاد دلائیں گے جو اُن پر اور اُن کی والدہ پر مبذول ہوئے بعد ازاں نصاریٰ کے عقیدہ باطلہ یعنی عقیدۂ الوہیت و مریم علیہا السلام کے متعلق دریافت کیا جائے گا جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کے عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور شرک سے منع کرتے رہے اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتے رہے اور دن رات خدا ہی کی عبادت اور بندگی میں لگے رہے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں سے براءت اور بیزاری ظاہر فرمائیں گے جنہوں نے اُن کو خدا ٹھہرایا۔ معلوم

ہوا کہ عقیدۂ اُلوہیتِ مسیح اور عقیدۂ ابنیت اور عقیدۂ تثلیث یہ سب بدعتیں اور گمراہیاں ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد دین مسیح میں داخل ہوئیں اور عیسیٰ علیہ السلام ان سب سے بری اور بیزار ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انعامات خاصہ کا ذکر اور معجزہ احیاء موتی اور معجزہ نزول مائدہ کا ذکر یہود کی توبیخ کے لیے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی عبدیت کا اعتراف واقرار اور اپنی الوہیت سے تبری اور بیزاری کا ذکر نصاریٰ کی توبیخ کے لیے ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت اور بندگی خاص اسی کا حق ہے اور جس طرح تمام انبیاء کرام توحید کی دعوت دیتے چلے آئے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝﴾ (النساء:۲۵)

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ (البقرہ:۸۳)

اسی طرح عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بھی لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے۔ معاذ اللہ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اُس دن کو کہ اللہ تعالیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کر کے سوال کرے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے انعامات اور احسانات یاد دلائے گا اور اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام سے کہے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے جو ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا ہوا اور اس کی گود میں پلا اور پرورش پائی اور جوان ہوا جس میں اُلوہیت کا امکان ہی نہیں کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا؟ کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنا لو حالانکہ تم اور تمہاری ماں دونوں خدا تعالیٰ سے دون یعنی کمتر ہیں اور جو خدا سے کمتر ہو وہ خدا کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا سب سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوتا ہے۔ پس بتلاؤ کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو معبود بنا لو یا ان لوگوں نے خود اپنی طرف سے یہ عقیدہ تراش لیا ہے خطاب تو عیسیٰ علیہ السلام کو ہو گا اور مورد عتاب نصاریٰ ہوں گے وہ اس قابل بھی نہیں کہ اُن سے باز پرس کی جا سکے کیونکہ کسی مولود کو عقلاً اپنے معبود ہونے کا گمان ہو ہی نہیں سکتا جو کسی کے پیٹ سے پیدا ہو وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے عرب کے نصاریٰ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی خدا کہتے تھے۔ اس لیے سوال میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ان کی والدہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

قیامت کے دن یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محض ان کی اُمت کی سرزنش کے لیے کیا جائے گا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے جواب سے وہ جھوٹے ٹھہریں اور ان پر اللہ کی حجت قائم ہو۔

عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب

بیان کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ تو عیسیٰ علیہ السلام اس سوال پر کانپ اُٹھیں گے اور تمام بدن پر لرزہ طاری ہو جائے گا جب سکون ہو جائے گا تو نہایت ادب سے عرض کریں گے اور کہیں گے سبحانک یعنی تو پاک ہے اور میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں کہ تو شرک سے پاک اور منزہ ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ ذات وصفات اور افعال میں کوئی تیرا شریک ہو سکے نیز میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ میں زبان سے ایسی بات کہوں جو میرے لیے کسی طرح زیبا نہیں یعنی تو تو شریک اور زن و فرزند سے پاک ہے اور میں تیرا عبد اور عابد ہوں معبود نہیں میں تیرا مربوب (پروردہ) ہوں رب نہیں اور پھر میں نبی ہو کر ایسی جھوٹی بات کیوں کہنے لگا جو نہ بحیثیت عبدیت مجھ کو سزاوار ہے اور نہ بحیثیت نبوت کے اس لیے کہ منصب نبوت

ہدایت خلق کے لیے عطا کیا جاتا ہے نہ کہ بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور شرک کی دعوت دینے کے لیے اگر بالفرض والتقدیر میں نے یہ بات کہی ہوگی تو تیرے علم میں ہوگی اس لیے کہ تُو تو میرے باطن اور ضمیر کی بات کو خوب جانتا ہے اور میں تیرے جی کی بات کو بالکل نہیں جانتا اس لیے کہ بے شک تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ پس جب میں اس قدر عاجز اور لاچار ہوں اور اس درجہ بے خبر ہوں کہ بغیر آپ کے بتلائے ہوئے کسی غیب کا مجھے علم نہیں ہوسکتا تو میں الوہیت کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہوں؟ اے خداوند عالم آپ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا میں نے اُن سے صرف وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے یہاں تک تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق عرض و معروض کی اب آئندہ آیت میں قوم کے متعلق عرض کرتے ہیں اور اے پروردگار عالم میں اُن کا نگران اور نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا یعنی مجھے ان کے صرف وہ حالات معلوم ہیں جو میرے سامنے پیش آئے پھر جب آپ نے مجھے اپنے قبضہ میں لے لیا اور دنیا سے اٹھا لیا تو میری نگرانی ختم ہوگئی اور اس وقت آپ ہی ان پر نگران اور نگہبان تھے یعنی آسمان پر اٹھائے جانیکے بعد جو کچھ ہوا مجھے اس کی خبر نہیں اور اسی طرح نزول کے بعد جب میری وفات ہوگئی۔ اس کے بعد کی مجھے خبر نہیں کہ کس طرح یہ لوگ گمراہ ہوئے اور ان کی گمراہی کا کیا سبب ہوا اور آپ ہی ہر چیز پر نگہبان ہیں مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کس طرح مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنا لیا یہ جو کچھ کیا سب میری تعلیم اور تلقین کے خلاف کیا اب آیندہ ان کی جزاء اور سزا کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں تجھ پر کوئی اعتراض نہیں تو مالک مطلق ہے اور وہ مملوک مطلق ہیں اور مالک مطلق کو اپنی مِلک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے نافرمان بندے کو سزا دینا نہ خلاف انصاف ہے اور نہ قابل اعتراض مالک اپنی کسی مملوک چیز کو بلا وجہ بھی تنور میں ڈال دے تو کوئی اعتراض نہیں مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار یہ تو مجرم بھی ہیں جنہوں نے مجھ کو اور میری ماں کو تیرے شریک گردانا ان کا سزا دینا تو کیا خلاف انصاف ہوتا۔ بالفرض والتقدیر اگر یہ لوگ شرک بھی نہ کرتے بلکہ عابد و زاہد ہوتے تب بھی تجھ کو عذاب دینے کا حق ہے اس لیے کہ یہ سب تیرے بندے اور مملوک ہیں اور تو مالک مطلق ہے تو اپنی مِلک میں جو چاہے تصرف کرے تجھ پر کوئی اعتراض نہیں اور اے پروردگار عالم اگر تو ان کو معاف کر دے گو وہ معافی اور بخشش کے مستحق نہیں تو تو بے شک زبردست اور حکمت والا ہے۔ یعنی بڑے سے بڑے مجرم کو معاف کرسکتا ہے یعنی آپ کو قدرت ہے کہ اگر اپنے قہر و غلبہ اور کمال قدرت سے ان کو بخش دیں اور جنت میں داخل کر دیں تو کرسکتے ہیں اور آپ کا یہ فعل بھی حکمت سے خالی نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ آپ مختار مطلق اور مالک مطلق ہیں جو چاہیں کریں اگر سزا دیں تو عین عدل ہے اور اگر معاف فرما دیں تو محض فضل ہے تجھے نہ کوئی عدل سے روک سکتا ہے اور نہ فضل سے روک سکتا ہے تو عزیز ہے یعنی زبردست اور غالب ہے کوئی مجرم تیرے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتا اور تو حکیم ہے یعنی حکمت والا ہے تیرا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں تو تو اگر کسی مجرم کو معاف کرے گا تو وہ معافی بھی بے موقع اور خلافِ حکمت نہ ہوگی۔

اس طرزِ کلام سے عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود یہ ہے کہ بارِ خدایا یہ لوگ کافر اور مشرک ہیں اور میں ان سے بالکل بری اور بیزار ہوں آپ مالک مطلق اور عزیز مطلق ہیں ان کے بارے میں جو چاہیں حکم صادر فرمائیں مجھے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں آپ ان مجرمین کے حق میں جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ مالکانہ اور حاکمانہ اور قادرانہ اور حکیمانہ ہوگا میں اس فیصلہ میں کیا دم مار سکتا ہوں آپ مختار ہیں جو چاہیں کریں میری مجال کیا ہے کہ بارگاہ ربوبیت میں لب کشائی کرسکوں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

کر از ہرہٴ آنکہ از بیم تو — کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
زباں تازہ کردن باقرار تو — نینگیختن علت از کار تو
بتہدید گر برکشد تیغ حکم — بمانند کرّد بیاں صمّ وبکم
وگر دردھدیک صلائے کرم — عزازیل گوید نصیبے برم

اس ناچیز نے ان آیات کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تشریح ہے۔ حضرات اہل علم تفسیر کبیر ص ۴۸۶ ج ۳ کی مراجعت کریں۔

تنبیہ: ناظرین کرام پر ہماری اس تفسیر اور تحریر سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی ہوگی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس کلام سے کفار کے حق میں شفاعت اور سفارش نہیں بلکہ مقصود تفویض وتسلیم ہے کہ آپ مختار ہیں جو چاہیں کریں اس وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام نے ﴿فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ نہیں فرمایا جو استدعاء رحم پر دلالت کرتا ہے بلکہ ﴿فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ فرمایا جو کمال قہر وغلبہ پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ قیامت کے دن کافروں کے حق میں کوئی شفاعت اور سفارش نہیں ہوسکتی اور یہ ماجرا قیامت کے دن کا ہے اس لیے عیسیٰ علیہ السلام نے ﴿غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ کا لفظ استعمال نہیں کیا جو کافروں کی شفاعت کے لیے موہم ہو بخلاف ابراہیم علیہ السلام کے کہ انہوں نے دار دُنیا میں اپنے پروردگار سے یہ عرض کیا:

﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٣٦﴾ (ابراہیم)

"اے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کردیا تو جو ان میں سے میرا تابع ہوا یعنی مجھ پر ایمان لایا تو وہ میرا آدمی ہے یعنی مسلمان ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اور میری نبوت کو نہ مانا تو پھر تو غفور رحیم ہے۔"

یعنی ابھی دُنیا اور دار تکلیف میں ہے۔ لہٰذا اگر تو اس کو اپنی رحمت سے توبہ کی توفیق دے کر اس کے گناہوں کو معاف کرے تو کرسکتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ

فرمایا اللہ نے یہ وہ دن ہے کہ کام آوے گا سچوں کو اُن کا سچ اُن کو ہیں باغ

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں گے ان میں ہمیشہ اللہ راضی ہوا اُن سے

وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١١٩ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور وہ راضی ہوئے اس سے یہی ہے بڑی مراد ملنی اللہ کو سلطنت ہے آسمان کی اور زمین کی

وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٢٠ ع

اور جو ان کے بیچ ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نتیجہ مخاطبات ومحاسبات مذکورہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿قَالَ اللّٰہُ ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ ... الٰی... وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں قیامت کے دن اعمال واحوال کی تفتیش اور محاسبہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں اُس تفتیش اور محاسبہ کا نتیجہ ذکر کرتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام [1] جواب سے فارغ ہو جائیں گے اور نصاریٰ کا ذہین سے اظہار تبری و بیزاری کے بعد جب ان کا معاملہ اور فیصلہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے سپرد کر دیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمائیں گے یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کا سچ نفع دے گا سچوں سے مراد انبیاء کرام اور اُن کے متبعین ہیں۔ یعنی جو لوگ دُنیا میں عقائد اور اعمال کے اعتبار سے سچے تھے آج قیامت کے دن اُن کا صدق اُن کو نفع دے گا اور جن لوگوں نے دنیا میں خدا اور اس کے رسول پر جھوٹ بولا اور حضرت مسیح علیہ السلام اور اُن کی ماں کو خدا بتایا، آج اُن کے لیے کوئی بہتری نہیں کیونکہ یہ لوگ سچے نہیں اور یہ دن سچوں کے نفع کا ہے اور صادقین کے نفع کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے لیے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ اُن سے راضی ہوا ان کے صدق کی وجہ سے اور وہ اللہ سے راضی ہوئے کہ اللہ نے میدان حشر میں سب کے سامنے اُن کا صدق ظاہر فرمایا اور سب کے سامنے اُن کو سر بلند کیا اور اُن کے دشمنوں کا جھوٹ ظاہر کر کے سب کے سامنے اُن کو ذلیل اور رسوا کیا یہی بڑی کامیابی ہے کہ عزت کے ساتھ دارِ کرامت میں داخل کر دیئے گئے اور ساتھ ساتھ خوشنودی کا پروانہ بھی عطا کر دیا گیا۔ رضائے خداوندی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ (التوبہ: ۷۲) اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو ان کے درمیان میں ہے اس میں عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ بھی آ گئیں تو خدا کیسے بنائے گئے۔ یہ جملہ پہلے جملہ یعنی ﴿ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ (التوبہ: ۸۹) کی دلیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو ذات آسمانوں اور زمین کی اور تمام اشیاء کی مالک ہے اسی کا راضی ہو جانا فوزِ عظیم ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے کامیابی کا اصل دار و مدار اس کی قدرت اور مشیت پر ہے کسی کے استحقاق کی بناء پر نہیں۔

نکتہ: یہ اس سورت کی آخری آیتیں ہیں جن میں حق تعالیٰ نے اپنا مالک ارضین وسماوات و کائنات ومخلوقات ہونا بیان کیا ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ وغیرہ سب آ گئے۔ اس آیت سے اس کا مستحق عبادت ہونا بھی ثابت ہوا۔ پس چونکہ اس سورت کے شروع میں ایفاء عقود وعہود کا حکم تھا اس لیے خاتمہ سورت پر سب سے اہم اور مقدم عہد اور میثاق یعنی توحید فی العبادۃ کو ذکر فرمایا گویا کہ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ بمنزلہ متن کے تھا اور تمام سورت اُس کی شرح اور تفصیل تھی جس چیز سے سورت کا آغاز ہوا تھا اسی پر سورت کا اختتام ہوا۔

اَللّٰھُمَّ اجعلنا من عبادك الفائزين المفلحين الراضين عنك والمرضيين عندك اٰمين يارب العالمين.

---

[1] دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۲ ج ۲۔

لطائف ومعارف

① یہ دونوں رکوع اس سورت کے آخری رکوع ہیں جو اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی تردید وتکذیب پر اور ذکر معاد اور حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے بیان پر مشتمل ہیں اور ان دونوں باتوں کا تعلق اور ارتباط ماقبل کے مضامین سے بالکل واضح اور روشن ہے۔

② حق جل شانہٗ نے ان آیات میں قیامت کا کچھ حال بیان کیا کہ اُس دن تمام انبیاء علیہم السلام جمع ہوں گے اور اُن کی قوموں اور اُمتوں کو بھی حاضر کیا جائے گا اور قوموں اور اُمتوں کی زجر اور توبیخ کے لیے اُن کی موجودگی میں اُن کے سامنے انبیاء کرام علیہم السلام سے پوچھا جائے گا کہ جب تم نے اپنی اپنی قوموں کو ہمارے احکام پہنچائے تھے تو انہوں نے تم کو کیا جواب دیا تھا؟ تمہاری اطاعت کی یا تکذیب کی انبیاء کرام علیہم السلام ابتدا میں نہایت ادب سے عرض کریں گے ﴿لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ پھر اس کے بعد امتوں کے متعلق عرض کریں گے کہ یہ غلط کہتے ہیں ہم نے تیرے سب احکام پہنچادیے ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ (الاعراف) وَقَالَ اللہ تعالیٰ: ﴿فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الحجر)۔ ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝﴾ (النساء)

③ پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے دریافت کرنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کو بلائیں گے اور اول اُن کو اپنے انعامات واحسانات یاد دلائیں گے جس کا وہ دل وجان سے اعتراف اور اقرار کریں گے اور پھر تذکیر انعامات کے بعد اُن سے یہ سوالات ہوں گے ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ... الخ اور یہ تمام ماجرا یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع کرنا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بلا کر اوّلاً اپنے انعامات کو یاد دلانا اور پھر اُن سے یہ سوال کرنا کہ کیا تم نے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بناؤ یہ سب قیامت کے دن ہوگا۔ جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ [1] کی حدیث مرفوع میں اس کی تصریح ہے۔

④ اور اس تمام تذکرہ سے اصل مقصود نصاریٰ کی تردید ہے جو اُن کو خدا سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جس سے اُن کا بندہ اور محتاجِ خدا ہونا صاف ظاہر ہے اور اسی ضمن میں یہود کی بھی تردید ہوجاتی ہے جو اُن کی نبوت ورسالت کے منکر ہیں۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہود کو متنبہ کردیا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا کے رسول اور صاحب معجزات عظیمہ تھے۔

---

[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جس قدر بھی مخاطبات خداوندی کا ذکر ہے وہ سب قیامت کے دن ہوں گی اور اس بارہ میں ایک صریح حدیث مرفوع بھی آئی ہے۔ ((وھو ھذا. رواہ الحافظ ابن عساکر فی ترجمة ابی عبد اللہ مولیٰ عمر بن عبد العزیز وکان ثقة قال سمعت ابا بردة یحدث عمر بن عبد العزیز عن ابیه ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامة یدعی بالانبیاء واممهم ثم یدعی بعیسی فیذکرہ اللہ نعمته علیه فیقر بها فیقول یا عیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک الایة. ثم یقول ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ فینکر ان یکون قال ذٰلک قال فیؤتی بالنصاری فیسئلون فیقولون نعم ھو امرنا بذلک قال فیطول شعر عیسی علیه السلام فیأخذ کل ملک من الملائکة بشعرة من شعر رأسه وجسدہ فیجاثیھم بین یدی اللہ عزوجل مقدار الف عام حتی ترفع علیھم الحجة ویرفع لھم الصلیب وینطلق بھم الی النار)).
تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۰ ج ۲ اور دیکھو تفسیر درمنثور للسیوطی ص ۳۴۵ ج ۲ اہل علم کے لیے ہم نے اصل حدیث کو بلفظہٖ نقل کردیا ہے۔

⑤ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص کے معجزہ کا ذکر ہے جس کی تفصیل سورۃ آل عمران میں گذر چکی۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے سرسید علی گڑھی کی تقلید میں ان معجزات کا انکار کیا اور اس پر اضافہ یہ کیا کہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور عیسائیوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننا ہے۔ پس مرزائے قادیان خدا تعالیٰ کی ان آیات کا منکر ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ذکر کیے ہیں۔ مرزائے قادیان اُن کو شرک کی تعلیم قرار دیتا ہے قادیان کے اس نادان کو خبر نہیں کہ معجزات سے کسی کی خدائی ثابت نہیں ہوتی بلکہ معجزات نبوت و رسالت کی دلیل ہوتے ہیں اُن سے نبوت و رسالت ثابت ہوتی ہے قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کے ذکر کرنے سے یہود کا رد مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے منکر تھے۔ مرزائے قادیان کہتا ہے کہ وہ احیاء موتی نہ تھا بلکہ قریب الموت مردہ کو مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لیے حرکت دے دیتے تھے اور اگر یہ عاجز (یعنی مرزا) عمل مسمریزم کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو اُمید قوی رکھتا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم علیہما السلام سے کم نہ رہتا۔ (ازالۃ الاوہام)

﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ ﴾ (الکہف)

چہ نسبت خاک را با عالم پاک کجا عیسیٰ کجا دجالِ ناپاک

⑥ان آیات میں حق جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جن انعامات کا ذکر فرمایا ان میں ایک انعام یہ ہے ﴿ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ اے عیسیٰ (علیہ السلام) تم اس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے بنی اسرائیل کو۔ یعنی یہود کو تمہارے قریب آنے سے بھی باز رکھا اور اُن کی دست درازی سے تمہاری حفاظت کی دشمن تمہیں قتل تو کیا کر سکتے انہیں تو اتنی بھی قدرت نہ ہوئی کہ تمہارے قریب ہی آسکیں اور تمہیں پکڑ سکیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کا صریح ردّ ہے جو یہود کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقتول اور مصلوب مانتے ہیں جیسا کہ بے ہوش ہوگئے تھے اس لیے قبر سے زندہ نکل آئے اور چھپ کر ملک شام سے کشمیر پہنچ گئے اور وہاں جا کر اپنے زخموں کا علاج کرایا اور اچھے ہوگئے اور زندگی پوری کر کے اپنی موت سے مرے اور کشمیر کے شہر سری نگر محلہ خان یار میں دفن ہوئے یہ سب ہذیان ہے اور یہود سے بڑھ کر حضرت مسیح علیہ السلام پر بہتان ہے کیونکہ یہود جو قتل اور صلیب کے مدعی ہیں اس کا بظاہر کچھ نہ کچھ منشا تو بیان کرتے ہیں اور مسیلمہ قادیان کے پاس تو سوائے جھوٹ اور بہتان کے کوئی دلیل نہیں۔ شاید اس زمانہ میں کشمیر بیت المقدس سے زیادہ مقدس اور متبرک ہوگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام نے ہجرت کے لیے اختیار فرمایا اور غالباً فن طب کا مرکز ہوگا اور مایوس العلاج مریضوں کی اُمید گاہ ہوگا جہاں عیسیٰ علیہ السلام اپنے زخموں کا علاج کرانے پا پیادہ سفر کر کے پہنچے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ مسیحا تھے مگر اپنے زخموں کے علاج کے لیے کشمیر کی طرف ہجرت فرمائی۔

خوب سمجھ لو کہ اس آیت میں اس خیال باطل کی صریح تردید موجود ہے اس آیت کا سیاق اور مدلول یہ ہے کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوری حفاظت فرمائی اور اُن کو یہود کی دست درازی اور اُن کے شر سے بالکلیہ محفوظ رکھا۔ کف کے معنی عربی زبان میں باز گردانیدن یعنی روکنے کے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ فتح میں ہے ﴿ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ﴾ (الفتح: ۲۰)، ﴿ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ (الفتح: ۲۴) اس قسم کے تمام مواضع میں ﴿ كَفَّ اَيْدِيَ ﴾ سے لڑائی سے

ہاتھوں کا روکنا مراد ہے اور اسی سورۂ مائدہ میں یہ آیت گذر چکی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ﴾

یہ آیت یہود بنی نضیر کے بارہ میں نازل ہوئی جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی نضیر کے ہاتھوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے سے روک دیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور بنی نضیر کو اپنے ارادوں میں ناکام فرمایا یا یہ مطلب ہے ﴿ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ کا ٹھیک اسی طرح یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل وصلب کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل یعنی یہود کے ہاتھوں کو حضرت مسیح علیہ السلام تک پہنچنے سے روک لیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں کو مسیح بن مریم علیہما السلام تک پہنچنے ہی سے روک دیا۔

پس اگر بقول مرزائے قادیان اس امر کو تسلیم کر لیا جائے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا تو پھر خدا تعالیٰ نے اُن کی کیا حفاظت کی یہود کی قدرت اور امکان میں جو تھا وہ سب کچھ کر گزرے اپنے خیال میں اُن کو سولی پر چڑھا دیا اور مار بھی ڈالا اور اپنے خیال میں مار کر قبر میں دفن بھی کر دیا اُن کی قدرت میں جو تھا وہ سب کچھ کر گزرے تو خدا نے اُن کی کیا حفاظت کی اور خدا نے بنی اسرائیل کو کس کام سے روکا جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

پھر یہ کہ خدا تعالیٰ نے جب صریح طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدۂ قتل وصلب کی ان واضح الفاظ میں تردید کر دی۔

﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ ﴾ (النساء:۱۵۷) ''انہوں نے مسیح (علیہ السلام) کو نہ مارا اور نہ سولی پر چڑھایا۔''

تو اب اس خیال باطل کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

نکتہ: لفظ ﴿ كَفَّ ﴾ جس کے معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں اس کا استعمال اُس موقع پر ہوتا ہے جہاں آپس میں دونوں کا اجتماع ہی نہ ہوا ہو اور ایک دوسرے سے بالکل الگ رہا ہو ﴿ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے بنی اسرائیل کو مسیح بن مریم علیہما السلام تک پہنچنے ہی سے روک دیا اور ایک دوسرے سے مل ہی نہیں سکے۔ پس قتل اور صلب کی خود بخود نفی ہوگئی۔

⑦ آیت ﴿ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾ اس آیت سے مرزائے قادیان نے وفات مسیح علیہ السلام پر استدلال کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں

جواب: یہ استدلال بالکل غلط ہے ہم سورۂ آل عمران میں آیت ﴿ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ (آل عمران:۵۵) کی تفسیر میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ توفی کے اصلی اور حقیقی معنی پورا پورا لینے کے ہیں اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس آیت میں توفی سے موت کے معنی مراد ہیں تب بھی مرزائے قادیان کا مدعا یعنی وفات قبل النزول ثابت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ دلائل اور شواہد اور آیت کے سیاق وسباق اور حدیث مرفوع سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن کا ہے اور نزول من السماء کے بعد قیامت سے پہلے ہم بھی وفاتِ مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں اور مرزا صاحب نے اپنی متعدد تصانیف میں اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ سوال وجواب قیامت کے دن ہوگا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اور یاد رکھو کہ اب عیسیٰ علیہ السلام تو ہرگز نازل نہیں ہوگا کیونکہ جو اقرار اُس نے آیت ﴿ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ ﴾ کی رو سے قیامت کے دن کرنا ہے۔'' اھ (کشتی نوح ص ۲۹)

نیز مرزا صاحب حقیقۃ الوحی ص ۳۰ میں لکھتے ہیں:

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ...الآية﴾ اس جگہ اگر توفی کے معنی مع جسم عنصری آسمان پر اٹھانا تجویز کیا جائے تو یہ معنی بدیہی البطلان ہیں کیونکہ قرآن کریم کی انہی آیات سے ظاہر ہے کہ یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن ہوگا۔ علاوہ ازیں قیامت کے دن اُن کا یہ جواب ہوگا۔ الخ اھ (دیکھو حقیقۃ الوحی ص ۳۰)

اور ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۴۳ میں اس طرح ہے۔

فان عیسٰی یجیب بهذا الجواب یوم الحساب اعنی یقول فلما توفیتنی فی یوم یبعث الخلق و یحضرون کما تقرؤن فی القرآن ایها العاقلون اه ضمیمۂ حقیقۃ الوحی ص ۴۳۔

”یعنی عیسیٰ علیہ السلام یہ جواب قیامت کے دن دیں گے یعنی ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ﴾ قیامت کے دن کہیں گے جس دن مخلوق قبروں سے نکل کر میدان حشر میں حاضر ہوگی جیسا کہ تم قرآن میں پڑھتے ہوا ے عقل مندو۔“

مرزا صاحب کی ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن پیش آئیں گے اور نزول کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام اہل اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول من السماء کے بعد ایک عرصہ دراز تک زندہ رہیں گے اور مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور روضۂ اقدس میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مدفون ہوں گے۔

⑧ **ایک شبہ:** مرزا صاحب کہتے ہیں کہ توفی کے معنی سوائے مارنے یا موت دینے کے صحیح نہیں ہو سکتے اس لیے کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے کہا ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ﴾ کا لفظ استعمال فرمایا اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی یقیناً موت سے واقع ہوئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی بھی ضرور موت کے ذریعہ واقع ہوگی۔ (دیکھو ازالۃ الاوہام ص ۹۱ مصنفہ مرزا غلام)

ازالہ: اس قسم کی تشبیہات سے یہ نکالنا اور سمجھنا کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی بالکل یکساں اور ہمرنگ ہے کم عقلی اور عربی زبان سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ بخاری شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

① فاقول کما قال العبد الصالح ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾ (بخاری شریف ص ۶۹۳)

”میں قیامت کے دن اسی طرح کہوں گا جس طرح خدا کے نیک بندہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا.... الخ“

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اپنے ایک قول کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک قول کے ساتھ تشبیہ دی ہے اپنی توفی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کے ساتھ تشبیہ نہیں دی تا کہ یہ لازم آئے کہ دونوں کی توفی ایک قسم کی تھی۔

② حدیث میں ہے کہ مشرکین مکہ ایک درخت پر ہتھیار لٹکایا کرتے تھے اور اس درخت کا نام ذات انواط تھا صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر کر دیجیے جیسا کہ اُن کے یہاں ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هٰذا کما قال قوم موسٰی ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾

یعنی تمہاری یہ درخواست تو ایسی ہے جیسے قوم موسیٰ نے بتوں کو دیکھ کر یہ درخواست کی تھی کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے بھی ایک خدا تجویز کردیجیے جیسے ان بت پرستوں کے لیے خدا ہیں کیا اس تشبیہ سے کسی مسلمان کو ادنیٰ درجہ کا بھی یہ وہم وگمان ہوسکتا ہے کہ معاذ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بنی اسرائیل کی طرح بت پرستی کی درخواست کی تھی۔ حاشا وکلا ومعاذ اللہ یہ تشبیہ محض قول میں تھی کہ جس طرح بنی اسرائیل نے بت پرستوں کو دیکھ کر یہ کہا تھا: ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ (الاعراف: ۱۳۸) اسی طرح تم نے مشرکین کے درخت کو دیکھ کر یہ کہا: اجعل لنا ذات انواط

③ قرآن کریم میں ہے ﴿كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴)۔ ﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ﴾ (الاعراف: ۲۹) یعنی جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اسی طرح تم کو دوبارہ پیدا کریں گے پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ذریعہ پیدا کیا قیامت کے دن دوبارہ پیدائش بھی اسی طرح ماں باپ کے ذریعہ ہوگی کہا جاتا ہے کہ زید مثل شیر کے ہے اور جس طرح وہ میرا بھائی ہے اسی طرح میں اس کا بھائی ہوں۔ کیا ان تشبیہات سے کوئی ادنیٰ عقل والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ دونوں بھائیوں کی ولادت اور وفات یکساں اور ہمرنگ ہے تشبیہ میں ادنیٰ مماثلت کافی ہوتی ہے پوری مطابقت اور مساوات ضروری نہیں۔ خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"تشبیہات میں پوری تطبیق کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات ایک ادنیٰ مماثلت کی وجہ سے بلکہ ایک جز میں مشارکت کے باعث ایک کا نام دوسری چیز پر اطلاق کردیتے ہیں۔" (دیکھو ازالۃ الاوہام ص ۲۷ طبع اوّل)

اسی طرح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس تشبیہ سے یہ ہے کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام رفع جسمانی کی بنا پر اپنی قوم سے جدا ہوگئے اور اُن کی قوم نے ان کی عدم موجودگی میں جو گمراہی پھیلائی وہ اس سے بالکل بری ہیں۔ اسی طرح حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی وفات کے بعد لوگوں سے جدا ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں کیا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بَری اور بے تعلق ہیں۔

الحمد للہ آج بروز چہار شنبہ بوقت ساڑھے چار بجے ۱۶ ذی الحجہ الحرام ۱۳۸۳ھ کو سورۃ مائدہ کی تفسیر سے فراغت حاصل ہوئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی بنعمته تتم الصالحات وله الحمد اولا وآخرا سبحان ربك رب العزة عما يصفون و سلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين. وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا و مولانا محمد وعلى اٰله واصحابه وازواجه و ذرياته اجمعين وَ علينا معهم يا ارحم الراحمين.

آیاتها ١٦٥ سورۃ الانعام مکیۃ (٦) (٥٥) رکوعاتها ٢٠

سورۂ انعام مکی ہے اور اس میں ایک سو پینسٹھ یا چھیاسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ

سب تعریف اللہ کو جس نے بنائے آسمان و زمین اور ٹھہرائیں اندھیریاں اور

النُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①

اجالا پھر یہ منکر اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر کرتے ہیں۔

سورۃ الانعام

یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی سوائے چھ آیتوں کے کہ وہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئیں وہ یہ ہیں ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ تا آخر سہ آیات اور ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ تا آخر سہ آیات ۔ روایات میں میں ہے کہ یہ پوری سورت ایک ہی دفعہ رات کے وقت آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی اور حضور پُرنور ﷺ نے کاتب وحی کو بلا کر اُسی وقت پوری سورت لکھا دی مگر حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں ان روایات کی صحت سے انکار کیا ہے جو پوری سورت کے دفعتاً نازل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ (دیکھو روح المعانی ص ٦٦ ج ٧)

لیکن روایات کثیرہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری سورت دفعتاً نازل ہوئی اور اس کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے اور احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتوں نے اس کی مشایعت کی۔

حق تعالیٰ نے اس سورت میں توحید اور رسالت اور معاد اور قیامت کے دلائل قاہرہ بیان فرمائے ہیں اور مشرکین اور ملحدین اور مبتدعین کے مذہب کا پورا ابطال کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ص ٢ ج ۴)

فرقہ دھریہ (جو لوگ سرے ہی سے خدا تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں) اُن کے مقابلہ میں آثارِ قدرت وعظمت کو ذکر کر کے وجود صانع کو ثابت کیا اور مشرکین عرب جو بت پرستی میں مبتلا تھے اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے اُن کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کی صفات قاہرہ کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ تمام عالم اس کے قبضہ قدرت اور قبضہ تصرف میں ہے اور وہ اس کے وجود اور عدم کا مالک ہے جس طرح اس نے اس عالم کو ابتداءً پیدا فرمایا اسی طرح وہ دوبارہ اس کے پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح سے توحید اور حشر ونشر کو ثابت کیا کہ جس خدا تعالیٰ نے تم کو پہلی مرتبہ حیات بخشی وہی خدا دوبارہ بھی تم کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ سورت اصولِ دین کا ماخذ ہے علماء نے عقائد کے مسائل اکثر اسی سورت سے مرتب کیے ہیں امام ابو اسحاق اسفراینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت توحید کے اصول اور قواعد پر مشتمل ہے اور چونکہ گذشتہ سورت کا اختتام الوہیت مسیح کے ابطال اور نصاریٰ کی توبیخ پر ہوا تو اس سورت کا افتتاح اور آغاز اثبات توحید سے ہوا اور درمیان میں اثبات رسالت اور حشر ونشر اور جنت وجہنم کے دلائل بیان فرمائے اور حسب عادت کریمہ درمیان میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے ذکر کیے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا پھر اخیر سورت میں شرک اور رسوم جاہلیت کا ابطال فرمایا اور اس کے مقابلہ میں بعض مکارم اخلاق کو بیان فرمایا اور چونکہ اس سورت میں انعام (جانوروں) کے متعلق مشرکین کی جہالتوں اور رسموں کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ الانعام ہے۔

یا یوں کہو کہ سورۃ مائدہ کا زیادہ حصہ اہل کتاب کے محاجہ میں تھا اور اس سورت یعنی سورۃ انعام کا اکثر حصہ مشرکین اور ملحدین کے محاجہ میں ہے جو توحید اور رسالت اور قیامت کے منکر تھے۔ اس لیے اس سورت میں زیادہ تر توحید اور عدل اور نبوت ورسالت اور مبدا ومعاد اور قیامت کے دلائل بیان کیے گئے اور چونکہ یہ ساری سورت ایک ہی دفعہ نازل ہوئی اور ستر ہزار فرشتوں نے اس کی مشایعت کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم اصولِ دین کی شان سب سے بلند ہے اور سب سے پہلے بندہ پر اصول دین کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۲ ج ۴)

تحمید بر خالقیت و اثباتِ وحدانیت و ابطالِ مجوسیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝ ﴾

ربط: یہ سورت چونکہ اصول دین کے بیان پر مشتمل ہے اس لیے حق تعالیٰ نے تحمید اور توحید سے اس سورت کا آغاز فرمایا اور آسمان اور زمین اور نور اور ظلمت کے لیے اپنا خالق ہونا بیان کیا تا کہ توحید ثابت ہو اور مشرکین اور مجوس کا رد فرمایا جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے دو خالق ہیں ایک یزدان جو خیر کا خالق ہے یعنی نور اور روشنی کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسرا اھرمن جو شرّ کا خالق ہے یعنی ظلمت اور تاریکی کا پیدا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ ہر ظلمت اور ہر نور کا اور ہر اندھیرے اور اُجالے کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔
مطلب یہ ہے کہ علویات ہوں یا سفلیات نور ہو یا ظلمت لیل ہو یا نہار موت ہو یا حیات سب کا خالق وہی ہے غرض یہ کہ عالم کی تمام کائنات اور تمام اضداد اور متقابلات سب اس کے قبضہ تصرف میں ہیں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اس کی قدرت کاملہ ضِدَّیْن (بلندی اور پستی روشنی اور تاریکی) کو محیط ہے کوئی ضد اس کے احاطۂ قدرت سے خارج نہیں آسمان وزمین کی پیدائش سے وجود باری کو ثابت کیا اور منکرین خدا کا رد کیا کہ یہ کون ومکان اور زمین وآسمان کی یہ وسیع عمارت خود بخود بن کر نہیں کھڑی ہوگئی بغیر بانی کے بناء کا وجود اور بغیر صانع کے صنعت کا ظہور عقلاً محال ہے اور نور اور ظلمت کی پیدائش سے مجوس کا ردّ کیا کہ جو نور اور ظلمت کو مدبر عالم سمجھتے ہیں اور ﴿ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴾ سے مشرکین عرب کا ردّ کیا جو غیر اللہ کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی حکومت زمین وآسمان میں بیان کی اور پھر اپنا عالم الغیب ہونا بیان کیا پھر ان عجائب قدرت کو بیان کر کے کافروں کے اعراض اور انکار اور تکذیب کا نتیجہ بیان کیا تا کہ مشرکین عرب کو اس سے عبرت ہو جو شخص آسمان اور

زمین کی پیدائش میں غور کرے گا تو ضرور سمجھ جائے گا کہ کوئی ان کا صانع ضرور ہے اتنا بڑا مکان اور اتنی وسیع عمارت بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود نہیں بن گئی اور جو شخص اپنی پیدائش میں غور کرے گا تو اس پر خدا تعالیٰ کا حشر و نشر پر قادر ہونا واضح ہو جائے گا کہ جس خدا نے ہم کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا تو کیا وہ پھر دوبارہ ہم کو زندہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جو اعیان اور جواہر میں سے ہیں اور جس نے ٹھہرائیں اندھیریاں اور اُجالا جو اعراض میں سے ہیں یعنی قابل تعریف وہ ہے کہ جو جواہر (آسمان وزمین) اور اعراض (تاریکی اور روشنی) کا پیدا کرنے والا ہے خواہ تم اس کی تعریف کرو یا نہ کرو پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ خدا کی اس عظیم قدرت اور عجیب و غریب صنعت کے مشاہدے کے بعد بھی یہ منکر اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو برابر قرار دیتے ہیں یعنی اس کے ساتھ اپنے بتوں کو شریک گردانتے ہیں جو محض عاجز اور ماندہ ہیں نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ بِرَبِّهِمْ کی با بمعنی عن ہے اور يَعْدِلُوْنَ بمعنی ینحرفون ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے کہ جس نے بلندی اور پستی اور تاریکی اور روشنی کو پیدا کیا اور وہی مستحق تعریف ہے مگر یہ کافر اس سے انحراف کرتے ہیں یعنی اس سے پھرے ہوئے ہیں اور اس کی عظمت و وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے آیت میں نور سے راہ حق کی طرف اشارہ ہے اور ظلمت سے غلط راہ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلمہ الحمدللہ۔ پانچ سورتوں کے شروع میں مذکور ہے اوّل سورۃ فاتحہ، دوم اس سورت کے شروع میں ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ سوم سورۂ کہف کے شروع میں ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ () چہارم سورۂ سبا کے شروع میں ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ پنجم سورہ فاطر ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾.

نکتہ: اس میں یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں تحمید عام کا ذکر تھا اور اس کے بعد چار سورتوں میں تحمید خاص کا ذکر ہے جو اسی تحمید عام کا ایک فرد یا جزئی ہے اس لیے کہ (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ میں تمام عالمین کی ربوبیت کا ذکر ہے اور عالم سے مراد جمیع ماسوا اللہ ہے جس میں ہر موجود داخل ہے اور آسمان وزمین کا پیدا کرنا اور بندوں کی تربیت کے لیے آسمان سے کتاب نازل کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اسی تحمید عام کے تحت میں مندرج ہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۴ ج ۳)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى
وہی ہے جس نے بنایا تم کو مٹی سے پھر ٹھہرایا ایک وعدہ اور ایک وعدہ ٹھہر رہا ہے
عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲
اس کے پاس پھر تم شک لاتے ہو۔

دلیل دیگر بر وجود صانع

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ... اِلٰی ... ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ ﴾

ربط: یہ اثبات صانع کی دوسری دلیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: خدا وہی ہے جس نے تم کو بواسطہ آدم علیہ السلام کے مٹی سے پیدا کیا جس

سے پستی میں بڑھ کر کوئی چیز نہیں پھر ہر ایک کی حیات اور زندگی کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا جس میں نہ کوئی کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی اور سارے عالم کی دوبارہ زندہ ہونے کی جو مدت مقرر فرمائی وہ اُسی کے نزدیک ہے یعنی اُس کو معلوم ہے اس کے سوا کسی کو اس مدت کا علم نہیں یعنی ہر شخص کی مدت کا علیحدہ علیحدہ وقت مقرر ہے اور ایک وقت سارے عالم کی فنا کا مقرر ہے جس کا علم اللہ ہی کو ہے پھر بھی تم اللہ اور قیامت کے بارہ میں شک کرتے ہو یعنی خود تمہارا اپنا ہی وجود وجودِ صانع کے لیے بھی دلیل ہے اور ثبوت قیامت کی بھی دلیل ہے مگر تعجب ہے کہ تم ایسے قوی اور محکم دلائل کے ہوتے ہوئے بھی وجود باری اور ثبوت قیامت میں شک کرتے ہو کیا انسان مٹی سے اور نطفہ سے خود بخود بن گیا بلاشبہ یہ کسی قدیر و حکیم کی کاریگری ہے اس سے وجود صانع ثابت ہوا اور جس خدا نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوا اس سے حشر ونشر اور قیامت کا اثبات ہوا۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَ
اور وہی ہے اللہ آسمان اور زمین میں جانتا ہے تمہارا چھپا اور کھلا اور
يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳
جانتا ہے جو کماتے ہو تم

اثباتِ علم باری تعالیٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ ... الی ... وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳﴾

ربط: گزشتہ آیت میں صانع مختار کے وجود پر دلیل قائم کی اب اس آیت میں اس کے علم محیط پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ جس طرح صانع عالم کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے۔ اسی طرح اُس کا علم بھی تمام کائنات کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں: اور وہی ایک معبود برحق ہے آسمانوں میں اور زمین میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تمہارے چھپے اور کھلے کو جانتا ہے خواہ تم کوئی فعل کھلے کر دیا چھپا کر کر و اس کو سب معلوم ہے اور خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو تمہارے عمل کے مطابق تم کو جزا اور سزا دے گا۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴
اور نہیں پہنچتی ان کو کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر کرتے ہیں اس سے تغافل
فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا
سو جھٹلا چکے حق بات کو جب اُن تک پہنچی اب آگے آوے گی اُن پر حقیقت اس بات کی

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ

جس پر ہنستے تھے کیا دیکھتے نہیں کتنی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان سے سنگتیں

مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ

ان کو جمایا تھا ہم نے ملک میں جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان

مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

برساتا اور بنا دیں نہریں بہتی ان کے نیچے پھر ہلاک کیا اُن کو اُن کے

بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶

گناہوں پر اور کھڑی کی ان کے پیچھے اور سنگت

وعید وتہدید بر اعراض وتکذیب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ . . . اِلٰى . . . قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶ ﴾

ربط : گزشتہ آیات میں دلائل توحید کا بیان تھا اب ان آیات میں آیاتِ الٰہیہ سے اعراض اور تکذیب پر وعید اور تہدید کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان کفار مکہ کے پاس کوئی نشانی اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے نہیں پہنچتی مگر اس سے منہ پھیرنے والے اور تغافل برتنے والے بن جاتے ہیں جو معجزہ بھی دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور جادو کہہ کر ٹلا دیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ لوگ بہت ہی بدخو ہیں پس تحقیق جھٹلایا انہوں نے حق کو جب وہ ان کے پاس آگیا اور پہنچ گیا حق سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات ہے یا قرآن کی آیتیں یا معجزات ہیں پس عنقریب ان کے سامنے اُن چیزوں کی حقیقت آجائے گی جن کی یہ ہنسی اڑاتے تھے یعنی ان کو اپنے استہزاء کا مزہ معلوم ہو جائے گا کیا اہل مکہ نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کیا اور ان کے استہزاء کا مزہ اُن کو چکھایا جن کو ہم نے دنیا میں وہ جسمانی اور مالی قوت اور استقرار اور تمکن عطا کیا تھا جو تم کو نہیں دیا بڑے قد آور اور تناور تھے، ان کی عمریں تم سے دراز تھیں اور اُن کی روزی بھی بہ نسبت تمہارے بہت فراخ تھی اور ہم نے ان پر موسلا دھار پانی برسایا یعنی وہ لوگ سرسبز اور شاداب ملکوں کے رہنے والے تھے اور نہایت خوش حال اور مالدار تھے قحط سالی اور امساک باراں کی اُن کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی اور ہم نے اُن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری کیں یعنی وہ لوگ باغوں والے اور چشموں والے تھے پھر باوجود اس قوت وشوکت اور راحت و ثروت کے ان کے گناہوں یعنی تکذیب حق اور اعراض عن الحق کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا تاکہ ان کی تباہی اور بربادی لوگوں کے لیے عبرت بنے اور اُن کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو پیدا کیا اسی طرح اگر تم پر بھی عذاب نازل کر کے تم کو ہلاک کر دیں تو تعجب کیا ہے مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ! پہلی امتوں کے حالات پر نظر کرو کہ کس طرح عیش و آرام میں تھیں جب انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو

جھٹلایا تو اُن کا انجام کیسا خراب ہوا پس جب ہم نے ان اُمتوں کو ہلاک کر دیا کہ جو ہر بات میں تم سے بڑھ چڑھ کر تھے تو تمہارا اہلاک کرنا کیا مشکل ہے۔

فائدہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کفر کے تین درجے ہیں: ① اوّل: اعراض عن الحق یعنی حق سے منہ پھیرنا اور اس سے تغافل برتنا۔ ② دوم: تکذیب حق یعنی حق کو جھٹلانا۔ ③ سوم: استہزاء بالحق یعنی حق کا مذاق اڑانا۔ یہ کفر کا آخری درجہ ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۱۲ ج ۴)

وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ
اور اگر اتاریں ہم اُن پر لکھا ہوا کاغذ میں پھر ٹٹول لیں اس کو اپنے ہاتھ سے البتہ کہیں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ
گے منکر یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح اور کہتے ہیں کیوں نہ اترا اس پر
مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَ لَوْ
کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ اتاریں تو فیصل ہو چکے کام پھر ان کو فرصت نہ ملے اور اگر
جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ وَ
ہم رسول کرتے کوئی فرشتہ تو وہ بھی صورت میں ایک مرد کرتے اور ان پر شبہ ڈالتے وہی شبہ جو لاتے ہیں اور
لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا
ہنسی کرتے رہے ہیں رسولوں سے تیرے پہلے پھر الٹ پڑی اُن سے ہنسنے والوں پر جس بات
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ؑ ⑩ قُلْ سِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ
پر ہنسا کرتے تھے تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو آخر کیسا
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪
ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

ازالۂ شبہات منکرین نبوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ ... الٰی ... كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪﴾

ربط: گذشتہ آیات میں اثبات صانع اور توحید کا بیان تھا اب ان آیات میں معاندین اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیتے ہیں کفار مکہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں اور آنحضرت ﷺ کی نبوت میں کبھی تو یہ شبہ کرتے کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب کیوں نہیں اُتری اور کبھی یہ کہتے کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو کر ہمارے سامنے آ کر آپ ﷺ کے صدق کی گواہی کیوں نہیں دیتا اور کبھی یہ کہتے کہ نبی بشری اور انسانی صورت میں کیوں بھیجا گیا فرشتہ کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا۔ ان آیات میں اس قسم کے مزخرفات اور مہملات کا رد کیا گیا ہے۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیات میں کافروں کے اعراض اور تکذیب کا بیان تھا کہ یہ کفار خدا تعالیٰ کی آیات قدرت سے اعراض کرتے ہیں اور ان کی تکذیب کرتے ہیں اب ان آیات میں ان کے عناد اور تمسخر کو بیان کرتے ہیں کیونکہ حق سے اعراض اور بے توجہی یہ کفر کا ادنیٰ درجہ ہے اور حق کا انکار اور اُس کی تکذیب یہ کفر کا دوسرا درجہ ہے اور دیدہ و دانستہ حق سے انحراف اور اس سے نفرت اور اس سے تمسخر یہ کفر کا اعلیٰ درجہ ہے اور ﴿وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ... الخ﴾ میں حق جل شانہ نے اپنے نبی کی تسلی کے لیے یہ بتلا دیا کہ یہ سب مسخرا پن کی باتیں ہیں تم سے پہلے اور پیغمبروں سے اُن کے زمانہ میں کافر ایسی ہی باتیں کرتے تھے جس کا نتیجہ ان کو بھگتنا پڑا اور سب کے سب تباہ اور برباد ہوئے ان کافروں کو چاہیے کہ اُن کے آثار قدیمہ سے عبرت پکڑیں کہ ان تکذیب اور تمسخر کرنے والوں کے بڑے بڑے آباد شہر ویران اور کھنڈر بنا دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یہ لوگ اس درجہ معاند اور ضدی ہیں کہ اے نبی اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی کتاب آسمان سے نازل کریں اور یہ اس کتاب کو آسمان سے اُترتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر اس کو اپنے ہاتھوں سے بھی چھو لیں اور یہ محسوس کر لیں کہ کوئی تخییل اور نظر بندی نہیں تب بھی یہی کہیں گے کہ یہ صریح جادو ہے۔ یہ ضد اور عناد کی انتہاء ہے کہ آنکھ کے مشاہدہ اور ہاتھ سے چھو لینے کے بعد بھی کسی چیز کو جادو بتلائے ایسے ضدی اور عنادی کو جو محسوسات اور ملموسات میں بھی مکابرہ کرتا ہو اُسے کبھی ہدایت نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا شبہ کبھی مٹ سکتا ہے۔

حق جل شانہ نے متعدد مواضع میں محسوسات میں اُن کے مکابرہ کا ذکر کیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝١٤ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝١٥﴾ (الحجر) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝٤٤﴾ (الطور)

نضر بن حارث اور عبد اللہ بن امیہ اور نوفل بن خویلد نے آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کہ اے محمد (ﷺ) اگر تو اللہ کے پاس سے کاغذ میں لکھی ہوئی ایک کتاب ہمارے پاس لائے اور اس کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو اس کے من جانب اللہ ہونے کی اور تیری نبوت کی شہادت دیں تو ہم تجھ پر ایمان لا سکتے ہیں بغیر اس کے ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ سوال محض عناد کی بناء پر ہے اگر ہم ان کے کہنے کے مطابق آسمان سے کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب بھی اُتار دیں اور یہ لوگ اُس کتاب کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے اور یہ کہیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ اور یہ معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پر کوئی ایسا فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا جو ہمارے روبرو ہو کر آپ ﷺ کی صداقت کی شہادت دے مطلب یہ تھا کہ جو فرشتے آپ ﷺ پر اُترتے ہیں وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتے اور ہمارے پاس آ کر آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم ان کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر یقین کر لیتے۔

جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے ﴿اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل) اور ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا﴾ (الفرقان) اور ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (الفرقان: ۲۱) حق تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتے ہیں اور اگر ہم ان کی فرمائش کے مطابق اسی طرح کوئی فرشتہ اُتارتے تو بات فیصل ہو جاتی یعنی فرشتہ کے آنے اور دیکھنے کے بعد بھی اگر تکذیب کرتے تو سب ایک ہی دفعہ ہلاک کر دیئے جاتے پھر ان کو ایک پَل کی بھی مہلت نہ دی جاتی کیونکہ سنت اللہ یہ ہے کہ فرمائشی معجزہ دیئے جانے کے بعد مہلت نہیں دی جاتی اُن کے دیکھتے ہی عالم آخرت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ (الفرقان)

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر ان کی یہ فرمائش پوری کر دی جاتی تو یہ ضدی اور عنادی پھر بھی ایمان نہ لاتے اور تکذیب کرتے تو یک لخت سب ہلاک کر دیئے جاتے اور اللہ تعالیٰ فی الحال ان کو ہلاک کرنا نہیں چاہتے اس لحاظ سے ان کی فرمائشوں کا پورا نہ کرنا بھی عین رحمت سمجھنا چاہیے کہ توبہ کے لیے وقت مل گیا اور اگر ہم کسی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے تو البتہ کسی مرد ہی کی صورت میں بھیجتے تاکہ اس کی بات چیت سن سکیں اور اس سے نفع حاصل کر سکیں کیونکہ فرشتہ اگر اپنی اصلی صورت میں آتا تو بسبب کمال نورانیت اور کمال وجلال و جمال یہ لوگ اس کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے اس کے رعب اور ہیبت سے ان کا دم نکل جاتا یہ صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ظرف ہے کہ اصلی صورت میں فرشتہ کی رؤیت کا تحمل کر سکتے ہیں عام لوگ تو ایک منٹ کے لیے بھی فرشتے کی اصلی صورت میں رؤیت کا تحمل نہیں کر سکتے تو لامحالہ اگر فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے تو آدمی ہی کی صورت میں بھیجتے تاکہ مجانست صوری کی بناء پر لوگ اُس کی تعلیم و تلقین سے منتفع ہو سکیں اور اس صورت میں ہم ان کو اُسی اشتباہ میں ڈال دیتے جس اشتباہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔ یعنی اس فرشتہ کو بشکل بشر دیکھ کر بھی کہتے کہ یہ تو آدمی ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اس بناء پر انکار کرتے ہیں کہ آپ ﷺ بشر ہیں، اسی طرح اگر فرشتہ کو بشکل بشر رسول بنا کر بھیجتے تو تب بھی یہی اعتراض کرتے اور وہی اشتباہ بحالہٖ باقی رہتا۔

تسلیۂ نبی اکرم ﷺ

یہاں تک کفار کے عناد اور اعراض اور تکذیب اور استہزاء کا ذکر کیا جس سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس لیے اب آئندہ آیت میں آپ کی تسلی کا مضمون بیان فرماتے ہیں اور اے نبی کریم ﷺ آپ ان کے استہزاء سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ البتہ تحقیق آپ ﷺ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا گیا۔ پس آ گھیرا اُن ہنسی کرنے والوں کو اس عذاب نے جس پر وہ ہنسا کرتے تھے اور اگر اُس قہر اور عذاب کا انکار کریں تو آپ ﷺ اُن سے یہ کہہ دیجیے کہ ذرا ملک میں پھرو پھر دیکھو کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا کہ سب تباہ اور برباد ہوئے یہی حشر ان کافروں کا ہوگا جو آپ ﷺ کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ
پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں کہہ اللہ کا ہے اُس نے لکھی ہے اپنے ذمہ

الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ
مہربانی البتہ تم کو جمع کرے گا دن قیامت تک اس میں شک نہیں جنہوں نے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ
ہاری اپنی جان وہی نہیں مانتے اور اسی کا ہے جو بستا ہے رات میں اور

النَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ
دن میں اور وہی ہے سب سنتا جانتا تو کہہ کیا اور کوئی پکڑوں اپنا مددگار اللہ کے سوا جو بنانے والا ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ
آسمان و زمین کا اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اُس کو کوئی نہیں کھلاتا کہہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ

اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّىْٓ
سب سے پہلے حکم مانوں اور تو نہ ہو شریک پکڑنے والا تو کہہ میں

اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ مَنْ يُّصْرَفْ
ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا ایک بڑے دن کے عذاب سے جس پر سے وہ ٹلا

عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ
اُس دن اس پر رحم کیا اور یہی ہے بڑی مراد ملنی اور اگر پہنچاوے تجھ کو

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي
اللہ کچھ سختی پھر اس کو کوئی نہ اٹھاوے سوائے اس کے اور اگر تجھ کو پہنچا دے بھلائی تو وہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱
ہر چیز پر قادر ہے اور اسی کا زور پہنچتا ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے حکمت والا خبردار

اثباتِ توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الی ... وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝١٨﴾

ربط: گذشتہ آیت میں توحید کا بیان تھا اب پھر اس کی طرف عود فرماتے ہیں اور توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ تمام مکانیات اور تمام زمانیات سب اللہ ہی کی ملک ہیں ﴿قُلْ مَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے ظرفِ مکان کی تمام مظروفات کی ملکیت کو بیان کیا اور ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ سے ظرف زمان کی تمام مظروفات کی ملکیت کو بیان کیا مطلب یہ ہوا کہ سب کون و مکان اور زمین و زماں سب اسی کی ملک ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی کریم ﷺ آپ ان معاندین سے بطور الزام و اتمام حجت یہ پوچھیے کہ کس کی ملک ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ اوّل تو وہ خود ہی یہ جواب دیں گے کہ یہ سب اللہ کی ملک ہے جس سے توحید ثابت ہو جائے گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٨٤ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ (المومنون) اور اگر بالفرض وہ کسی خوف اور ڈر کی بناء پر یا شرم اور حیاء کی بناء پر اس کا جواب نہ دیں تو آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ یہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اور تمہارے بت کسی چیز کے بھی مالک نہیں اور اُن سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کے لیے محض اپنے فضل و کرم سے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ دیا ہے یعنی لازم کر لیا ہے یہ نہیں کہ اس پر کسی کا زور اور دباؤ ہے وہ اپنی رحمت سے عقوبت میں جلدی نہیں کرتا اور توبہ اور انابت کو قبول کرتا ہے۔ لہٰذا اگر تم کفر اور شرک سے توبہ کرو گے اور اس کی طرف متوجہ ہوں گے تو وہ ارحم الراحمین تمہارے اگلے گناہ معاف کر دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب توحید تمہارے اقرار سے ثابت ہو گئی اور حجت تم پر قائم ہو گئی تو اس کا مقتضا یہ تھا کہ تم فوراً ہلاک کر دیئے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے اس لیے وہ عقوبت میں جلدی نہیں کرتا۔ حق تعالیٰ نے ایک تختی پر یہ لکھ کر کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے عرش پر آویزاں کر دیا ہے غرض یہ کہ ان سرکشوں کو اور باوجود حجت پوری ہو جانے کے خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمسر بنانے پر خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت اور حلم کی وجہ سے اگرچہ دُنیا میں سزا نہیں دی مگر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ تم سب کو روزِ قیامت کی طرف اکٹھا کرے گا جس میں ذرہ برابر کوئی شک نہیں اور اس وقت حساب و کتاب کے بعد تم کو سزا دی جائے گی جن لوگوں نے شرک اختیار کر کے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کی تقدیر میں گھاٹا ہے جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتے اور مزید اثبات توحید اور اتمام حجت کے لیے اُن سے یہ کہہ دیجیے کہ اسی کی ملک ہے جو رات اور دن میں ساکن اور برقرار ہے یعنی کل موجودات جن پر دن اور رات گذرتی ہے وہ سب اسی کی مِلک ہے زمانہ اور زمانیات اسی کے احاطۂ قدرت میں ہے۔

گذشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ زمین اور آسمان یعنی ہر مکان اور ہر مکین اور تمام مکانیات کا وہی مالک ہے اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ مکان کی طرح زمان لیل و نہار اور تمام اوقات اور تمام زمانیات بھی اسی کی مملوک ہیں اور اسی کے قبضہ اور تصرف میں ہیں اور وہی ان کی باتوں کا سننے والا اور ان کے دلوں اور حالات کا جاننے والا ہے اس آیت کا اور گذشتہ آیت ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (المومنون: ۸۴) کا حاصل یہ نکلا کہ مکان اور زمان اور تمام مکانیات اور زمانیات سب اسی کی ملک ہیں پھر اثبات توحید کے بعد اُن سے یہ کہیے کہ کیا میں ایسے اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست اور معبود ٹھہراؤں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا اور کس کو اپنا معبود اور کارساز ٹھہراؤں

اور وہ اللہ ہی سب کو روزی دیتا ہے اور اس کو روزی نہیں دی جاتی یعنی وجود اور سامان بقاء میں سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں پس ایسی ذات کو چھوڑ کر جو سب کو روزی دیتا ہو اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں وہ کسی کا محتاج نہ ہو کسی اور کو اپنا ولی اور کارساز بنانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ (الزمر: ۶۴) آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ مجھ کو خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ خدائے برحق کا جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں سب سے پہلا فرمانبردار بنوں کہ بلاشرکت غیر اس کے سامنے گردن ڈال دوں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو ہرگز ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا۔ اے نبی آپ ﷺ ان مشرکوں سے کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھ کو ایک بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہونے کا ڈر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کا پہلا فرمانبردار بنوں اور مشرکوں کے گروہ میں شامل نہ ہوں۔ اگر بالفرض میں اس کے حکم کی مخالفت کروں اور تمہارے کہنے سے تمہارا دین اختیار کرلوں تو اس صورت میں مجھے روز قیامت کے عذاب کا ڈر ہے قیامت کے دن کو بڑا دن اس لیے کہا گیا کہ اس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی۔

فائدہ: اس قسم کی آیات میں آپ پر رکھ کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے۔ یعنی بفرض محال اگر خدا کے کسی معصوم اور برگزیدہ بندہ سے بھی عصیان سرزد ہو جائے تو عذاب الٰہی کا اندیشہ ہے پھر کسی کو کب لائق ہے کہ کفر و شرک اور معصیت میں ملوث ہو کر عذاب الٰہی سے بے فکر اور مامون ہو کر بیٹھ جائے۔

جس شخص سے اس دن وہ عذاب ہٹا دیا جائے پس اس پر اللہ نے بڑی ہی رحمت اور عنایت فرمائی اور یہی (عذاب خداوندی سے نجات) کھلی کامیابی ہے اور اے بندے اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اُس کی تکلیف کا دُور کرنے والا نہیں یعنی مرض اور قحط اور افلاس اور دیگر مصائب کو خدا ہی دُور کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا اور اے بندے اگر خدا تجھ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر شے پر قادر ہے یعنی نفع و نقصان سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پس اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز نہ بناؤ عاجزوں کی خوشامد کرنے سے کیا فائدہ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر سب بندے اسی کے زیر حکم ہیں سب پر اسی کا زور چلتا ہے جو چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم کو رد کر سکے ہر شے اس کے سامنے مقہور اور مجبور ہے اس کی عظمت اور جلال اور علو اور قدرت کے سامنے سب کی گردنیں خم ہیں۔ قاہر اس کو کہتے ہیں جس کو اپنے ارادہ پورا کرنے سے کوئی شے عاجز نہ کر سکے۔

فائدہ: قاہر کے معنی غالب کے ہیں اور فوق کے معنی بلند اور برتر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فوقیت حسّی اور مکانی نہیں کیونکہ وہ مکان اور جہت سے بالا اور برتر ہے۔ اس آیت میں فوق سے فوقیت قہر اور غلبہ مراد ہے جیسا کہ ﴿فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ (یوسف: ۷۶) میں فوقیت شان اور فوقیت سرتبہ مراد ہے اور وہی ہے حکمت والا خبردار اس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے اپنے علم کے مطابق ہر ایک کو جزاء اور سزا دے گا اور اُس کی شان فوقیت اور قہر اور شانِ علم و حکمت کا مقتضی یہی ہے کہ اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز نہ بنایا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ الوہیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ قدرت کاملہ اور قہر تام ہو کہ اس پر کسی کا زور نہ چل سکے اور علم عام اور محیط ہو اور ہر نفع اور ضرر کا مالک ہو اور ایسی ذات والا صفات کو چھوڑ کر کسی کو معبود اور کارساز بنانا حماقت نہیں تو کیا ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ط قُلِ اللّٰهُ قف شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ قف

تو کہہ کس چیز کی بڑی گواہی کہہ اللہ گواہ میرے اور تمہارے بیچ

وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ط اَئِنَّکُمْ لَتَشْهَدُوْنَ

اور اُترا ہے مجھ کو یہ قرآن کہ تم کو اس سے خبردار کر دوں اور جس کو یہ پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو

اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ط قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ج قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں تو کہہ میں نہیں گواہی دونگا تو کہہ وہی ہے معبود ایک واحد

وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ⑲ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ

اور میں قبول نہیں رکھتا جو تم شریک کرتے ہو جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس کو پہچانتے ہیں

کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ م اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

جیسے اپنے بیٹوں کو جنہوں نے ہاری اپنی جان وہی نہیں

یُؤْمِنُوْنَ ⑳ ع وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ

مانتے اور اس سے ظالم کون جو جھوٹ باندھے اللہ پر یا جھٹلاوے

بِاٰیٰتِهٖ ط اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑

اس کی آیتیں مقرر بھلا نہیں پاتے گنہگار

اثباتِ توحید ورسالت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ط ... الٰی ... اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑﴾

ربط: گذشتہ آیات میں توحید ورسالت کو فرداً فرداً بیان فرمایا اب ان آیات میں توحید ورسالت کو مجتمعاً بیان فرماتے ہیں مشرکین مکہ نے کہا: اے محمد (ﷺ) ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ جو آپ کو سچا جانے اور آپ کی نبوت کی شہادت دے اور ہم نے علماء یہود ونصاریٰ سے بھی تیری بابت دریافت کیا انہوں نے بھی آپ کی شہادت نہیں دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جو آپ کی نبوت و رسالت پر شہادت اور گواہی طلب کرتے ہیں آپ اُن سے یہ کہہ دیجیے کہ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ میری نبوت کا گواہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی

گواہ نہیں یہ قرآن کریم میری نبوت کا ناقابل تردید گواہ ہے نیز علماء اہل کتاب میری نبوت کو ایسا یقینی طور پر جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں مگر حق پوشی کرتے ہیں اس لیے ایمان نہیں لاتے چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ) آپ ان مشرکین مکہ سے جو آپ ﷺ کو مفتری بتلاتے ہیں یہ پوچھئے کہ گواہی کے لحاظ سے کون سی چیز سب سے بڑھ کر ہے کہ اس کی گواہی رد نہ کی جاسکے اس سوال کے بعد آپ اُن کے جواب کا انتظار نہ کیجیے اور یہ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اس لیے کہ اللہ سے بڑھ کر کس کی گواہی ہوسکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم میری نبوت پر مقبول الشہادت گواہ چاہتے ہو تو وہ خدا ہے جس سے بڑھ کر گواہ نہیں اور اللہ کی شہادت اور گواہی یہ ہے کہ اُس نے مجھ کو دلائل نبوت اور براہین رسالت دیکر بھیجا ہے اور من جملہ شواہد رسالت یہ ہے کہ میری طرف یہ قرآن بذریعہ وحی کے اتارا گیا جو اللہ کا کلام ہے اور میری نبوت کا گواہ ہے اگر میں اللہ کا رسول نہ ہوتا تو وہ مجھ پر اپنا کلام نازل نہ کرتا اور قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا اس کے اعجاز سے عیاں ہے۔ نیز یہ قرآن تمام علوم رشد و ہدایت کا جامع ہے مجھ پر اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ اس سے تم کو اور جس کو یہ پہنچے عذاب الٰہی سے ڈراؤں کہ جو توحید اور رسالت کو نہ مانے گا اس پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا کیا اس شہادت کبریٰ کے بعد تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں تو یہ گواہی نہیں دے سکتا۔ آپ ﷺ ببانگ دُھل کہہ دیجیے کہ جز ایں نیست کہ وہ معبود اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور میں بری اور بیزار ہوں اُس چیز سے جس کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو اور نبوت و رسالت کی شہادت اور گواہی کے بارہ میں آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت و انجیل) دی ہے وہ نبی کریم ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ علماء یہود اور نصاریٰ کو یقین کامل ہے کہ آپ ﷺ بلاشبہ وہی نبی آخر الزمان ﷺ ہیں جن کی انبیاء سابقین علیہم السلام بشارت دیتے چلے آئے انہوں نے آپ ﷺ کے چہرہ کو دیکھ کر آپ کو اس طرح پہچان لیا ہے جس طرح انسان اپنے بیٹے کی صورت دیکھ کر پہچان لیتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ البتہ جو لوگ حاسد اور معاندین ہیں اور جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے حسد اور تکبر اُن کو نبی برحق پر ایمان لانے کی اجازت نہیں دیتا ایمان نہ لاکر اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ عقل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حق پر ایمان لانا چاہیے ان لوگوں نے حق سے اعراض کر کے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا اور اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا تحقیق بلاشبہ ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب طرح طرح سے خدائے وحدہٗ لاشریک پر جھوٹ باندھتے یہود اور نصاریٰ یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے پیارے ہیں سوائے چند روز کے ہمیں آگ نہیں چھوئے گی اور عزیر اور مسیح علیہما السلام خدا کے بیٹے ہیں اور مشرکین کہتے تھے کہ بت اللہ کے شریک ہیں۔ اللہ نے ہم کو ان کی عبادت کا حکم دیا ہے اور فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اللہ نے سردار جنوں کی لڑکیوں سے شادی کی ہے اور اُس نے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کو حرام کیا ہے وغیرہ وغیرہ غرض یہ اور اس قسم کے صدہا بہتان اللہ پر باندھتے تھے اور آیات قرآنیہ اور دلائل نبوت اور براہین رسالت کی تکذیب کرتے تھے اور سب کو جھٹلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب فرقوں کے بارہ میں فرمایا کہ یہ لوگ بڑے ظالم ہیں کہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور آیات خداوندی کو جھٹلاتے ہیں ان ظالموں کو عذاب الٰہی سے کبھی رستگاری نہ ہوگی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ

اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے شریک والوں کو کہاں ہیں شریک تمہارے

الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا

جن کا تم دعویٰ کرتے تھے پھر نہ رہے گی ان کی شرارت مگر یہی کہ کہیں گے

وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ

قسم اللہ کی اپنے رب کی ہم شریک نہ کرتے تھے دیکھ تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر

وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ

اور کھوئی گئیں ان سے جو باتیں بناتے تھے اور بعضے ان میں کان رکھتے ہیں تیری طرف

وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن

اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف رکھے ہیں کہ اسکو نہ سمجھیں اور اُن کے کانوں پر بوجھ اور اگر

يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ

دیکھیں ساری نشانیاں یقین نہ لاویں اُن پر جب تک نہ آویں تیرے پاس جھگڑنے کو تجھ سے

يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ

کہتے ہیں وہ منکر یہ کچھ نہیں مگر نقلیں ہیں اگلوں کی اور وہ

يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا

اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے بھاگتے ہیں اور ہلاک کرتے نہیں مگر آپ کو اور نہیں

يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا

سمجھتے اور کبھی تو دیکھے جس وقت اُن کو ٹھہرایا ہے آگ پر تو کہتے ہیں کاش کہ ہم کو بھیجیں اور ہم نہ

نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا

جھٹلاویں اپنے رب کی آیتیں اور رہیں ایمان والوں میں کوئی نہیں بلکہ کھل گیا جو

كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ

چھپاتے تھے پہلے اور اگر پھر بھیجے تو پھر کریں وہی جو منع ہوا تھا ان کو اور وہ

لَكٰذِبُونَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۲۹﴾

جھوٹ بولتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں اُٹھنا

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا

اور کبھی تو دیکھے جس وقت ان کو کھڑا کیا ہے ان کے رب کے سامنے فرمایا اب یہ سچ نہیں بولے

بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۰﴾ ع قَدْ ع ۱۰/۹

کیوں نہیں قسم ہمارے رب کی فرمایا تو چکھو عذاب بدلا اپنے کفر کا تحقیق

خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

خراب ہوئے جنہوں نے جھوٹ جانا ملنا اللہ کا جب تک کہ پہنچے اُن پر قیامت بے خبر

قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ

کہنے لگے اے افسوس کیا ہم نے قصور کیا اس میں اور وہ اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ اپنی

ظُهُورِهِمْ ۚ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ

پیٹھ پر سنتا ہے برا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں اور کچھ نہیں دنیا کا جینا مگر کھیل

وَلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۲﴾

اور جی بہلانا اور پچھلا گھر جو ہے سو بہتر ہے ڈر والوں کو کیا تم کو سمجھ نہیں

بیان انجام وحال مجادلین ومعاندین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ... الی ... وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۲﴾﴾

ربط: گذشتہ آیت میں مشرکین کا فلاح نہ پانا مذکور تھا۔ اب ان آیات میں مشرکین مکہ کے جدال اور عناد کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ قیامت کے دن ان ظالموں کو اپنی اُمیدوں کے خلاف ایسی دردانگیز حسرتیں دیکھنی پڑیں گی جو بیان سے باہر ہیں۔ چنانچہ

فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ جب ہم سب عابدوں اور معبودوں کو میدان حشر میں جمع کریں گے اور پھر مشرکین سے بطور توبیخ و سرزنش یہ کہیں گے کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے متعلق تم یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ وہ خدا کے شریک ہیں جن کو تم اپنا مددگار اور کارساز سمجھتے تھے۔ آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت وہ کہاں چلے گئے اپنے ان شرکاء کو بلاؤ تاکہ تمہاری سفارش کریں پھر ان کا عذر اور بہانہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ یہ کہیں گے کہ قسم ہے اللہ اپنے پروردگار کی کہ ہم دنیا میں مشرک نہ تھے قیامت کے دن مشرکین جب اپنے لیے عذاب اور اہل توحید کے لیے نجات کو دیکھیں گے تو اس وقت شرک سے نفرت اور بیزاری ظاہر کریں گے اور اپنے شرک کو چھپانے کے لیے اللہ کی جھوٹی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے اور ہم نے دنیا میں کوئی شرک نہیں کیا۔

فائدہ: فتنہ کا ترجمہ ہم نے عذر اور بہانہ سے کیا ہے ابواسحاق زجاج (امام نحو) یہ فرماتے ہیں کہ فتنہ کے اصل معنی کسی پر شیفتہ اور فریفتہ ہونے کے ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرک جو اپنے بتوں پر اس قدر شیفتہ اور فریفتہ ہیں اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ قیامت کے دن وہ اپنے ان محبوبوں سے بری اور بےزار ہوجائیں گے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی محبوب پر عاشق ہو پھر جب اُس کو اس کے عشق میں کوئی مصیبت پیش آئے تو اس سے بیزار ہوجائے اس پر وہ محبوب یا کوئی دوسرا شخص اس سے یہ کہے کہ بس تیرا عشق اس بیزاری اور نفرت سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص۴۰۱ ج٦)

دیکھو تو سہی کہ ان لوگوں نے اپنی جانوں پر کیسا سفید جھوٹ بولا جن کی ساری عمر پرستش کرتے رہے آج یک لخت اُن سے بری اور بیزار ہوگئے اور اُن کے معبود بنانے کا صاف انکار کر دیا اور دیکھو تو سہی کہ وہ جھوٹے اور من گھڑت معبود اُن سے کیسے غائب ہوئے کہ کوئی اُن کے کام نہ آیا یہاں تک تو منکرین توحید کی مذمت کا بیان تھا اب آگے منکرین قرآن کی شناعت بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان مشرکین سے بعض وہ ہیں کہ جو آپ کے قرآن پڑھنے کے وقت آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان اور ابوجہل اور ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث اور عتبہ اور شیبہ پسرانِ ربیعہ اور حارث بن عامر اور ابی بن خلف اور اُمیہ بن خلف آنحضرت ﷺ کے پاس جمع ہوئے آنحضرت ﷺ اُس وقت قرآن پڑھ رہے تھے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا پھر سب نے نضر بن حارث سے پوچھا کہ اے ابوقتیلہ کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ محمد (ﷺ) کیا کہتے ہیں؟ نضر نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ کیا کہتے ہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی زبان کو ہلاتے ہیں اور اگلے لوگوں کی کہانیاں بیان کرتے ہیں جیسے میں تمہیں گذشتہ لوگوں (یعنی رستم اور اسفندیار اور اہل فارس کے قصے سناتا ہوں) ابوسفیان نے کہا میرے خیال میں اس کی بعض باتیں سچی معلوم ہوتی ہیں۔ ابوجہل نے کہا ہرگز نہیں تو اس کی کسی بات کے سچا ہونے کا اقرار نہ کر ہمیں مرنا قبول ہے مگر اس پر ایمان لانا قبول نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (روح المعانی وغیرہ)

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اگرچہ آپ ﷺ کا قرآن سنتے ہیں جس کے دلائل اعجاز اور اسرار بلاغت آفتاب کی طرح روشن ہیں مگر دل چونکہ عناد سے لبریز ہیں، اس لیے قرآن کا سننا ان کو سودمند نہیں ہوتا اور ان کے اسی عناد اور سرکشی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں اور اُن کے کانوں میں ڈاٹ لگادی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں سے سمجھ کو چھین لیا ہے اور حق کے سننے سے اُن کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے وہ قرآن کے اعجاز اور اس کی خوبیوں کا ادراک نہیں کرسکتے اور ان لوگوں کے عناد اور سرکشی کا یہ حال ہوگیا ہے کہ یہ لوگ اگر ساری نشانیاں اور تمام معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی ان پر یقین نہ کریں اور ان

کے جادو ہونے کا حیلہ بہانہ نکال کھڑا کریں اور اس عناد کی نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ جب یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس جھگڑنے کے لیے آتے ہیں تو یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کے قصے اور داستانیں ہیں۔ جس طرح ہم رستم اور اسفندیار کے قصے سناتے ہیں اسی طرح قرآن میں قوم عاد اور ثمود کے قصے ہیں یہ کوئی اعجاز نہیں اور نہ دلیل نبوت ہے تمام اہل ملل اس قسم کی باتیں اور قصے بیان کرتے چلے آئے ہیں اور یہ کافر لوگ قرآن کے سننے اور اس پر ایمان لانے سے اوروں کو منع کرتے ہیں اور خود بھی اس سے دُور رہتے ہیں۔ یعنی خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور وہ اس عمل سے صرف اپنی ہی جانوں کو ہلاک اور تباہ کر رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی نقصان نہیں نور حق اور نور ہدایت ظاہر اور کامل ہو کر رہے گا ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (الصف:۹) اور یہ سمجھتے بھی نہیں کہ کفر کر کے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اے نبی کریم کاش آپ اس وقت کو دیکھیں کہ جب یہ کافر دوزخ پر کھڑے کیے جائیں گے تو اس وقت نہایت حسرت سے یہ کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں لوٹا دیئے جاویں اور دنیا میں واپسی کے بعد ہم اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یعنی دوزخ کے کنارہ پر پہنچ کر حکم ہوگا کہ ٹھہراؤ تو کافروں کو توقع پڑے گی کہ شاید پھر ہم کو دنیا میں بھیجیں تو اب کی بار کفر نہ کریں ایمان لاویں سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس واسطے ان کو نہیں ٹھہرایا بلکہ اس تدبیر سے اُن کے منہ سے اقرار کروا دیا کہ ہم نے کفر کیا تھا حالانکہ پہلے منکر ہوئے تھے کہ ہم شریک نہ کرتے تھے اور پھر بھیجنا ان کو عبث ہے۔ (موضح القرآن)

آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: کہ ان کی یہ تمنا اور یہ وعدہ کہ اگر ہم دوبارہ دنیا میں لوٹا دیئے جائیں تو ایمان لانے والوں سے ہو جائیں گے ان کی یہ تمنا اور یہ شوق اور رغبت اور صدق دل سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اب ان پر وہ چیز ظاہر ہوگئی جس کو وہ پہلے سے چھپاتے تھے یعنی وہ اعمال شنیعہ جو چھپ کر کرتے تھے اُن کا راز فاش ہوگیا اور ابھی ابھی جو ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ کہہ چکے تھے۔ اُس جھوٹ کی قلعی کھل گئی اور جس عذاب کے منکر تھے وہ آنکھوں کے سامنے آگیا اس لیے اب چار و ناچار محض جان بچانے کے لیے دوبارہ دُنیا میں واپس جانے کی تمنا کرنے لگے اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ ہم دنیا میں واپس ہو کر پکے ایماندار بن جائیں گے اور ہرگز آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب نہ کریں گے۔ یہ اشقیاء بالفرض اگر دُنیا میں لوٹا دیئے جائیں تو پھر وہی کام کریں گے جس سے اُن کو منع کیا گیا اور بے شک وہ اپنے اس قول میں جھوٹے ہیں کفر اور تکذیب اور بدی اور شرارت اُن کے خمیر میں داخل ہے جب مصیبت اُن کو آ کر گھیر لیتی ہے تو ایمان کا وعدہ کرنے لگتے ہیں اور چند روز کے بعد وہ سارے عہد و پیمان فراموش کر دیتے ہیں ﴿كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾ (یونس:۱۲) اور یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ سوائے اس دنیاوی زندگانی کے اور کوئی ہماری زندگانی ہی نہیں اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے آج کل یورپ کے مادہ پرستوں کا یہی مذہب اور یہی خیال ہے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا ہے خوب مزے اڑا لو یہ لوگ حلال و حرام کی تقسیم کے قائل نہیں اور نہ آخرت کے قائل ہیں لامذہب اور دھری لوگوں کا یہی خیال ہے کہ یہ کارخانہ عالم باقتضاء مادہ وطبیعت چل رہا ہے یہ لوگ نہ کسی حلال و حرام کے قائل ہیں اور نہ کسی جزاء و سزا کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ساری باتیں یہیں ہیں اور جب قیامت آجائے گی اور حقیقت آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔ اس وقت عجب حال ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر آپ اس وقت کا مشاہدہ کریں جس وقت یہ لوگ باز پرس اور جواب دہی کے لیے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے تو آپ عجب منظر دیکھیں گے خدا تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کر کے ان سے پوچھے گا کہ کیا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا جس کے تم دنیا میں منکر تھے حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے

ہمارے رب کی ضرور حق ہے خدا تعالیٰ فرمائیں گے پس چکھو عذاب کا مزہ بدلے میں اس کے جس کا تم کفر کرتے تھے یعنی تم نے خود قیامت کے حق ہونے کا اقرار کرلیا جس کے تم دنیا میں منکر تھے اب تم اس کفر کا مزہ چکھو اس کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا تحقیق خراب اور برباد ہوئے وہ لوگ جنہوں نے حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کو جھٹلایا یعنی جنہوں نے خدا کے سامنے حساب کے لیے پیش ہونے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب ان پر قیامت ناگہاں آ کھڑی ہوگی تو اس وقت یہ کہیں گے کہ ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم نے قیامت کے بارہ میں کی اور بے دھڑک ہو کر گناہ کیے جس کی اب کوئی تلافی نہیں اور یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ کو اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے جس سے پشت جھکی ہوئی ہوگی آگاہ ہو جاؤ وہ بہت ہی بُرا بوجھ ہوگا جو اٹھائے ہوئے ہوں گے اور بلا شبہ ظاہر ہے کہ کفر اور معصیت کے بوجھ سے بڑھ کر کون سا بوجھ بُرا اور بڑا ہو سکتا ہے اور اس مصیبت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس دُنیاوی زندگی کے سوا کوئی زندگی ہی نہیں۔ جیسا کہ گذرا یہ بالکل غلط ہے اور حقیقت اس کے برعکس ہے یہ دنیاوی زندگانی کچھ نہیں مگر چند روز کھیل اور دل بہلانا ہے اور کھیل اور تماشہ پر فریفتہ ہونا نابالغوں اور بے عقل اور بے شعور بچوں کا کام ہے اور البتہ دار آخرت وہ دار بقاء اور دار دوام ہے سو وہ بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور لہو ولعب سے بچتے ہیں کیا تم کو سمجھ نہیں کہ حیات باقیہ کے مقابلہ میں لہو ولعب کو ترجیح دیتے ہو مرد بنو حقیقی منافع کی فکر کرو بچوں اور نابالغوں کی طرح کھیل اور تماشہ پر کیوں مفتون بنے ہوئے ہو۔

خلق اطفالند جز مست خدا نیست بالغ جز رهیده از هوا

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ
ہم جانتے ہیں کہ تجھ کو غم دلاتی ہیں ان کی باتیں سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے اور
لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ
لیکن بے انصاف اللہ کے حکموں سے منکر ہوئے جاتے ہیں اور جھٹلایا ہے بہت رسولوں کو
قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ لَا
تجھ سے پہلے پھر صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر جب تک پہنچی ان کو مدد ہماری اور کوئی بدلنے
مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَ اِنْ
والا نہیں اللہ کی باتیں اور تجھ کو پہنچ چکا ہے کچھ احوال رسولوں کا اور اگر
كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي
تجھ پر بھاری ہے انکا تغافل کرنا تو اگر تو سکے ڈھونڈ نکالنی کوئی سرنگ

الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ

زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر ان کو لا دے ایک نشانی اور اگر اللہ چاہتا جمع کر لاتا سب کو

عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

راہ پر سو تو مت ہو نادانوں میں مانتے وہ ہیں جو

يَسْمَعُوْنَ ؕ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَ قَالُوْا

سنتے ہیں اور مُردوں کو اُٹھا دے گا اللہ پھر اس کی طرف جاویں گے اور کہتے ہیں

لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ

کیوں نہیں اتری اس پر کچھ نشانی اس کے رب سے تو کہہ اللہ کو قدرت ہے کہ اتارے

اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ

کچھ نشانی لیکن اُن بہتوں کو سمجھ نہیں اور کوئی ہلتا نہیں زمین میں نہ جانور ہے

لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ

کہ اڑتا ہے دو پر سے مگر ایک ایک امت ہے تمہاری طرح چھوڑی نہیں ہم نے لکھنے

مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

میں کوئی چیز پھر اپنے رب کی طرف اکٹھے ہوں گے اور وہ جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتیں

صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَ مَنْ يَّشَاْ

بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اور جس کو چاہے

يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾

ڈال دے سیدھی راہ پر

تسلی نبی اکرم ﷺ و تلقین صبر

ربط: اُوپر کی آیتوں میں منکروں کے انکار اور تکذیب کا بیان تھا جس سے آنحضرت ﷺ کو بمقتضائے شفقت و رافت صدمہ اور رنج ہوتا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝٦﴾ (الکھف)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ (الفاطر: ۸)

لہٰذا حق جل شانہ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی اور تشفی فرماتے ہیں کہ اے نبی! آپ ﷺ ان لوگوں کی تکذیب سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں یہ تکذیب کرنے والے آپ کی تکذیب نہیں کر رہے ہیں بلکہ فی الحقیقت اللہ کی تکذیب کر رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کو جھٹلا رہے ہیں خدا تعالیٰ خود ہی ان کو سمجھ لے گا آپ ﷺ فکر میں نہ پڑیں اور آپ کو تو انبیاء سابقین علیہم السلام کے حالات بذریعہ وحی معلوم ہو چکے ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کی تکذیب پر کیسا صبر کیا بالآخر اللہ نے اُن کو غالب کیا اور خدا تعالیٰ نے اُن سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝٢١﴾ (المجادلہ)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٧١ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝١٧٢ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝١٧٣﴾ (الصافات)

اسی طرح آپ ﷺ بھی ان کی تکذیب پر صبر کیجیے اللہ آپ ﷺ کو ان پر غالب کرے گا اور فتح و نصرت کے خدا تعالیٰ نے جو آپ ﷺ سے وعدے کیے ہیں وہ ایک ایک کر کے پورے ہوں گے۔ ابوجہل نے ایک مرتبہ حضور پرُنور ﷺ سے یہ کہا کہ میں آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتا بلکہ ان باتوں کو غلط سمجھتا ہوں جو آپ ﷺ بیان کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ص ۴۱۶ ج ۶ و تفسیر ابن کثیر)

تحقیق ہم کو یہ بات خوب معلوم ہے کہ تجھ کو وہ باتیں غم میں ڈالتی ہیں جو یہ کہتے ہیں سو یہ لوگ حقیقت میں آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کی جنگ درحقیقت اللہ کے ساتھ ہے آپ ان ظالموں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جائیے خدا خود ہی ان کو سمجھ لے گا اور اگر کسی درجہ میں آپ کی بھی تکذیب ہے تو آپ کی یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں۔ البتہ تحقیق آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسولوں کی تکذیب کی گئی اور طرح طرح سے ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں۔ پس انہوں نے اپنی تکذیب اور ایذاؤں پر صبر کیا تھا یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد پہنچی حالانکہ وہ بے سروسامان تھے اور اللہ کی باتوں یعنی اس کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر غالب کرے اور اے نبی ﷺ! بے شک تیرے پاس پیغمبروں کی بعض خبریں پہنچ چکی ہیں جن میں اُن کے صبر اور استقلال کا حال بھی مذکور ہے پس تو اُن سے اپنی تسلی کر اور یقین رکھ کہ جس طرح پہلے نبیوں کے پاس اُن کے جھٹلائے اور ستائے جانے کے بعد ہماری مدد پہنچی اسی طرح ہماری مدد تیرے پاس پہنچے گی اور تو کامیاب ہوگا اور تیرے جھٹلانے والے ہلاک ہوں گے اور اگر آپ پر اُن کا اسلام سے اعراض کرنا گراں اور بھاری ہے اور آپ ﷺ کی تمنا اور خواہش یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ لوگ حق کو قبول ہی کر لیں۔ پس اگر آپ سے یہ ہو سکتا ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالیں یا آسمان میں جانے کے لیے کوئی

سیڑھی تلاش کریں پھر وہاں سے ان کی فرمائش کے مطابق کوئی معجزہ اور نشانی اُن کے پاس لے آویں تو کر گذریئے اور اُن کی فرمائش کے مطابق زمین اور آسمان میں سے کوئی نشانی لا کر اُن کو دکھلا سکتے ہو تو دکھلا دیجیے یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے ﴿وَ اِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ اس لیے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجیے مقصود اس سے آپ ﷺ کو اُن کے ایمان سے نا اُمید کرنا ہے اور آپ ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ اُن کے اعراض اور تکذیب سے رنجیدہ نہ ہوں خدا تعالیٰ کو اُن کی ہدایت منظور نہیں اور اُن کے ایمان نہ لانے میں تکوینی طور پر اللہ کی حکمتیں ہیں جن کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔

کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان کے ساتھ ہمیشہ ایسی نشانی رہنی چاہیے جسے دیکھ کر ہر کوئی یقین کر لے اور ایمان لانے پر مجبور ہو جائے۔ سو شاید بمقتضائے شفقت حضور پُرنور ﷺ کا دل بھی چاہا ہو تو تادیب و تنبیہ کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تکوینی اور تقدیری اُمور میں اللہ کی مرضی کے تابع رہو اگر اللہ کو یہ منظور ہوتا کہ سب ایمان لے آئیں تو بن نشانی سب کے دل پھیر دیتا اور سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا اور اگر تکوینی اور تقدیری طور پر اللہ یہ چاہتا کہ سب ایمان لے آئیں تو سب کو شروع ہی سے بغیر نشانیوں کے ہدایت پر جمع کر دیتا مگر اللہ کو سب کی ہدایت منظور نہیں۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

پس تو نادانوں میں سے مت ہو یعنی ان بدبختوں کے ایمان کی فکر میں مت پڑ ایسے سنگ دلوں کے ایمان اور ہدایت کی فکر میں پڑنا نادانی ہے مقصود اس سے حضور پُرنور ﷺ کی تادیب ہے کہ شفقت اور ایمان و ہدایت کی حرص میں مبالغہ نہ کریں۔ جز ایں نیست حقیقت یہ ہے کہ حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں یعنی جو زندہ ہیں اور حق کے طالب ہیں ورنہ جو مردہ دل ہیں وہ کب کسی کی مانتے ہیں اور یہ معاندین فی الحال تو حکماً مُردے ہیں اور ایک روز حقیقتاً مُردے ہوں گے اور قیامت کے دن اللہ سب مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا پھر وہ سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس وقت ان کو ان کے اعراض اور تکذیب کی سزا ملے گی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں: یعنی سب سے توقع نہ رکھو کہ مانیں جن کے دل میں اللہ نے کان نہیں دیئے وہ سنتے نہیں مگر یہ کافر کہ مثال مردے کے ہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے۔ اھ

اور یہ معاندین یہ کہتے ہیں کہ اس مدعی رسالت پر اس پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی نشانی سے وہ خاص نشانیاں مراد ہیں جن کی وہ فرمائش کرتے تھے جیسے فرشتے کا اترنا وغیرہ وغیرہ ورنہ یوں تو آپ ﷺ سے بہت سی نشانیاں دیکھتے رہتے تھے جن کو جادو کہہ کر ٹلا دیتے تھے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ بے شک اللہ اس پر قادر ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق کوئی نشانی اُتار دے مگر اس کی حکمت اور مصلحت اس کو مقتضی نہیں لیکن اُن میں کے اکثر آدمی اُس کی مصلحت کو جانتے نہیں اور نہ اُن کو اس کے انجام کی خبر ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ نشانی کا اترنا سبب عذاب اور ہلاکت کا ہے یعنی فرمائشی نشان کا انجام یہ ہے کہ اگر اس کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے تو سب ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ﴾ طالب حق کی ہدایت کے لیے وہ نشانات بہت کافی ہیں جو آپ ﷺ سے ظاہر ہو چکے ہیں۔

ربط: گذشتہ آیت ﴿وَ الْمَوْتٰى یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾ میں قیامت کے دن مردوں کے بعث اور دوبارہ زندہ ہونے کو بیان فرمایا تھا۔ اب آئندہ آیت میں اس کی تاکید کے لیے دواب اور طیور کے بعث اور حشر کو بیان فرماتے ہیں کہ بعث ایک ایسا امر ہے کہ

قیامت کے دن جانور جو کہ غیر مکلف ہیں وہ بھی زندہ کیے جائیں گے اور ایک جانور کا دوسرے جانور سے قصاص لیا جائے گا تو انسان تو احکام الٰہیہ کا مکلف ہے اور مورد جزاء وسزا ہے اُس کا حشر کیوں نہ ہوگا؟ چنانچہ فرماتے ہیں: اور نہیں ہے کوئی جانور جو زمین میں چلتا پھرتا ہو اور نہیں ہے کوئی پرندہ کہ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ بھی تمہاری طرح ✽ اُمتیں اور جماعتیں اور مختلف گروہ ہیں پیدائش رزق اور موت اور حشر و نشر اور قصاص میں تمہارے مماثل ہیں حشر اجساد میں تمام حیوانات انسان کے مشابہ ہیں ہم نے لوح محفوظ میں کوئی چیز بغیر لکھے نہیں چھوڑی یعنی ہر چیز ہمارے علم میں ہے اور جب یہ بات ہے تو ہر چیز کا حشر اور بعث ہم پر کیا مشکل ہے پھر یہ سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف اکھٹے کئے جائیں گے تا کہ ایک دوسرے کا انصاف ہو جائے یعنی آدمی اور بہائم اور پرند سب کے سب قیامت کے دن انصاف کے لیے اللہ کے آگے حاضر کیے جائیں گے حیوانات نے جو ایک دوسرے پر زیادتی کی ہے اس کا اس سے بدلہ لیا جائے گا حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔ حیوانات کا حشر باز پرس کی غرض سے نہیں ہوگا بلکہ اس لیے ہوگا کہ جو تکلیفیں اُن کو دنیا میں پہنچی ہیں ان کا عوض اور بدلہ ان کو دلایا جائے تا کہ عدل خداوندی ظاہر ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کا عدل اور انصاف ایسا ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام جانور مٹی کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت کافر یہ تمنا کرے گا ﴿یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا﴾ (النباء: ۴۰) اور جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا یہ لوگ عقل کے بہرے اور گونگے ہیں اور مختلف قسم کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ پس ان کی ہدایت ناممکن ہے اس لیے آپ ﷺ ان کے اعراض اور تکذیب سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں کیونکہ جو شخص دوسرے کی نہ سن سکے اور نہ دوسرے سے راستہ پوچھ سکے وہ کس طرح تاریکیوں سے باہر نکل سکتا ہے اصل بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جس کو چاہے سیدھے راستہ پر کر دے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

ع اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند

وہ مالک مطلق ہے وہ اپنی مرضی کا مختار ہے اس کو کافروں کے کفر سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا جو وہ زبردستی ان کو راہ پر لائے۔

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یعنی اللہ کی قدرت کی نشانیاں سب جہان میں ہیں ہر قسم کے جانوروں کا کارخانہ ایک قاعدہ پر باندھا ہے انسان کا بھی ایک قاعدہ رکھا ہے وہ پیغمبروں کی زبان سے ان کو سکھاتا ہے اگر دھیان کریں یہی نشانی بس ہے پیغمبروں کے قول پر لیکن بہرا اور گونگا اندھیرے میں پڑا کیا دیکھے اور کیا سمجھے۔ (موضح القرآن)

قُلۡ اَرَءَیۡتَکُمۡ اِنۡ اَتٰىکُمۡ عَذَابُ اللّٰہِ اَوۡ اَتَتۡکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیۡرَ اللّٰہِ

تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر قیامت کیا اللہ کے سوا کسی کو

تَدۡعُوۡنَ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۰﴾ بَلۡ اِیَّاہُ تَدۡعُوۡنَ فَیَکۡشِفُ مَا

پکارو گے بتاؤ اگر تم سچے ہو بلکہ اسی کو پکارتے ہو پھر کھول دیتا ہے جس پر

✽ یہ زجاج سے منقول ہے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قال ابوهريرة هي امثال لنا علی معنی انه يحشر البهائم غدا ويقتص للعجاء من القرناء ثم يقول الله لها كونی ترابا وهذا اختيار الزجاج فانه قال الا امم امثالكم فی الخلق والرزق والموت والبعث والاقتصاص.
(تفسیر قرطبی ص ۴۲۰ ج ٦)

ع ١٠/١١

تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾

پکارتے تھے اگر چاہتا ہے اور بھول جاتے ہو جن کو شریک کرتے تھے۔

اثباتِ توحید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ... الٰی... وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾﴾

ربط: ابتداء سورت سے اثبات توحید اور ابطال شرک کا مضمون چلا آ رہا ہے اب ان آیات میں ایک خاص طریقہ پر اثبات توحید فرماتے ہیں مشرکین عرب بتوں کو خدائی کا کارکن سمجھتے تھے مگر جب کوئی مصیبت آن پڑتی تو اللہ ہی کو پکارتے اور اسی سے دعا مانگتے مقصود یہ ہے کہ جب یہ جانتے ہو کہ نفع و نقصان سب ہمارے ہی اختیار میں ہیں اور تمہارے ان بتوں کا کوئی اختیار نہیں تو پھر کیوں ان کی عبادت کرتے ہو صرف ہماری پرستش کیوں نہیں کرتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! آپ ﷺ ان مشرکین سے یہ کہیے کہ بھلا مجھ کو یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آوے یا تم پر قیامت ہی آ جائے جو تمام مصیبتوں کا مجموعہ ہے تو کیا اس وقت بھی غیر اللہ کو پکارو گے اگر تم دعوائے اشراک میں سچے ہو یعنی جب تم بتوں کو پوجتے ہو اور ان کو خدا کا شریک سمجھتے ہو تو اگر تم اس اعتقاد میں سچے ہو تو مصیبت کے وقت بھی اُنہی کو پکارا کرو تا کہ وہ تمہاری مدد کریں مگر اسوقت تم ایسا نہیں کرتے بلکہ اُسوقت تم خاص اللہ ہی کو پکارتے ہو پس وہ اُس مصیبت کو دفع کر دیتا ہے جس کے دفع کرنے کیلیے تم دعا مانگتے تھے اگر چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اور اسوقت تم ان بتوں کو بھول جاتے ہو جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو یہ حق تعالیٰ کی طرف سے الزام ہے کہ مصیبت اور سختی کے وقت تو تم خالص اللہ ہی کو پکارتے ہو اُسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے مگر فراخی اور راحت میں تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کا کلمہ پڑھنے لگتے ہو اگر تمہارے بت کچھ ہیں تو دونوں حالتوں میں تم اُن کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے۔ وھذا لقولہ تعالیٰ: ﴿وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (الاسراء: ٦٧)

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ

اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت امتوں پر تجھ سے پہلے پھر اُن کو پکڑا سختی میں اور تکلیف

لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْ لَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ

میں شاید وہ گڑگڑا ویں پھر کیوں نہ جب پہنچا اُن پر عذاب ہمارا گڑگڑائے ہوتے اور لیکن

قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا

سخت ہو گئے دل اُن کے اور اُن کو بھلے دکھائے شیطان نے جو کام کر رہے تھے پھر جب

نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا

بھول گئے جو نصیحت کی تھی ان کو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے

بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ

پائی ہوئی چیز سے پکڑا ہم نے ان کو بے خبر پھر تب ہی وہ رہ گئے ناامید پھر کٹ گئی جڑ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

اُن ظالموں کی اور سراہئے کام اللہ کا جو رب ہے سارے جہان کا تو کہہ دیکھو تو اگر

اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ

چھین لے اللہ تمہارے کان اور آنکھیں اور مہر کردے تمہارے دل پر کون وہ رب ہے

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

اللہ کے سوا جو تم کو یہ لادیوے دیکھو ہم کیسی پھیرتے ہیں باتیں پھر وہ کنارہ کرتے ہیں

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ

تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا بے خبر یا رُوبرو کوئی ہلاک ہو گا

اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ

مگر وہی لوگ جو گنہگار ہیں اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں نہیں مگر خوشی اور

مُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

ڈر سنانے کو پھر جو کوئی یقین لایا اور سنوار پکڑی نہ تو ڈر ہے اُن پر نہ وہ غم کھاویں

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں ان کو لگے گا عذاب اس پر کہ بے حکمی کرتے تھے

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ

تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ مجھ پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ

اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ ؕ قُلۡ هَلۡ
میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں میں اسی پر چلتا ہوں جو مجھ کو حکم آتا ہے تو کہہ کب
يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوۡنَ ؑ ﴿۵۰﴾ وَاَنۡذِرۡ بِهِ الَّذِيۡنَ
برابر ہو سکے اندھا اور دیکھتا کیا تم دھیان نہیں کرتے اور خبردار کر دے اس قرآن سے جن
يَخَافُوۡنَ اَنۡ يُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ لَيۡسَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا
کو ڈر ہے کہ جمع ہوں گے اپنے رب کے پاس اُن کا کوئی نہیں اس کے سوا حمایتی اور نہ
شَفِيۡعٌ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۵۱﴾
سفارش والا شاید وہ بچتے رہیں۔

ع ۵ ۱۱

بیان تباہی و بربادی مکذبین رسالت ومنکرین قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ... الى... لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۵۱﴾﴾

ربط: گذشتہ آیات میں مشرکین پر وقوع عذاب کوفرض کر کے اُن کے شرک کو باطل فرمایا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ کافروں پر عذاب خداوندی کا نزول کوئی فرضی چیز نہیں بلکہ بار بار پہلی اُمتوں پر اس کا وقوع ہو چکا ہے۔ اس لیے ان آیات میں مکذبین رسالت و منکرین قیامت کی تنبیہ اور تہدید کے لیے یہ بتلاتے ہیں کہ ہم نے پہلی امتوں کو تنبیہ کے لیے اول مصیبتوں میں مبتلا کیا تا کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں مگر وہ ایسے سخت دل ہو گئے کہ اس پر بھی نہ سنبھلے اور نہ سمجھے تب ہم نے ان کو بھلا وادیکر خوب نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے جس سے وہ عیش و عشرت میں مست ہو گئے اور خدا کی نافرمانیوں میں غرق ہو گئے اور فسق و فجور میں حد سے گزر گئے یہاں تک کہ جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ تب ہم نے دفعۃً ناگہانی عذاب میں ان کو پکڑ لیا اور سب کو نیست و نابود کر دیا اور طریقہ بھی یہی ہے کہ اول مجرم کو تنبیہ کی جاتی ہے تا کہ وہ آقا کی طرف رجوع کرے لیکن اگر باوجود تنبیہ کے تمرد اور سرکشی پر اتر آئے تو اس کو ڈھیل دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ نافرمانی میں دلیر اور بے باک ہو جاتا ہے تو یکایک اس کو پکڑ کر تباہ اور برباد کر دیا جاتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرے اور اللہ اُسے نعمتیں دے تو اُسے خوش نہ ہونا چاہئے بلکہ اُسے یہ سمجھنا چاہیے کہ اُسے اللہ کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۴۲۶ ج ۲ وتفسیر ابن کثیر ص ۱۳۲ ج ۲)

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی کریم ﷺ! البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے مختلف اُمتوں کی طرف رسول بھیجے اور اُن کی اُمتوں نے اُن کو جھٹلایا بس ہم نے ان کو بطور تنبیہ تنگی معیشت اور بیماری میں پکڑا یعنی سختی اور تکلیف میں اُن کو مبتلا کیا تا کہ وہ ہمارے آگے

گڑگڑائیں اور روئیں اور عاجزی کریں اور کفر وشرک سے توبہ کریں مگر ان سنگ دلوں پر تنبیہ کا کوئی اثر نہ ہوا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پس جس وقت ہمارا عذاب ان کے پاس آیا تو اس وقت کیوں نہ گڑگڑائے یعنی اُن کو چاہیے تھا کہ ایسی حالت میں وہ گڑگڑا لیتے تو اُن کا معاملہ ہی ختم ہو جاتا اور بلا دور ہو جاتی تضرع اور زاری سے اُن کے لیے کوئی چیز مانع نہ تھی مگر وہ نہ گڑگڑائے لیکن ان کے دل اور سخت ہو گئے اور ایمان کے لیے نرم نہ ہوئے نہ وہ ہمارے آگے گڑگڑائے اور نہ انہوں نے ہمارے پیغمبروں کی تکذیب سے توبہ کی اور شیطان نے اُن کے اعمال کفریہ کو ان کی نظر میں آراستہ کر کے دکھلایا کہ تم جو کر رہے ہو وہ بہت خوب ہے پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو اُن کو کی گئی تھی اور دیدہ ودانستہ نافرمانی اور سرکشی پر اتر آئے تو پھر ہم نے تنبیہ کے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کیا جو ان کی خواہش کے مطابق تھا اور ہماری حکمت کے بھی موافق تھا وہ یہ کہ ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی اُن کی سختی اور بدحالی کو دُور کر دیا اور اُن کے رزق میں وسعت کی اور ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے کیونکہ جب وہ تنبیہ سے باز نہ آئے تو ہم نے اُن کو دنیا کی وہ تمام نعمتیں دیں جو کافروں کو دیتے ہیں تا کہ ناؤ پوری بھر کر ڈوبے یہاں تک کہ جب وہ اُن نعمتوں پر جو اُن کو دی گئیں یہیں خوش ہو گئے اور اترانے لگے اور حد سے گذر گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ ہم ان ہی نعمتوں کے مستحق ہیں اور ہماری دی ہوئی نعمتوں میں اس قدر سرشار ہوئے کہ ہم کو بھول گئے تو ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا کہ ہمارا عذاب یک لخت ان پر آ گیا اور اُن کو اس کے آنے کی خبر نہیں ہوئی اور عیش وعشرت اور صحت و سلامت کی حالت میں یکا یک عذاب آنے میں حکمت یہ تھی کہ ان چیزوں کے چھوڑنے کا افسوس بہت زیادہ ہو گا اگر بحالت افلاس و تنگدستی ان پر عذاب آتا تو اُن کو اس قدر صدمہ اور رنج نہ ہوتا۔ پس وہ اس ناگہانی عذاب کے آتے ہی ہر چیز سے نا اُمید ہو گئے یعنی اس وقت اُن کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب ہم کو کبھی راحت نصیب نہ ہو گی ہمارے برابر کوئی بدنصیب نہیں۔

شاہ صاحب موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گنہگار کو تھوڑا سا پکڑتا ہے اگر وہ گڑگڑایا اور توبہ کی تو بچ گیا اور اتنی پکڑ نہ مانی تو پھر بھلا وا دیا اس کو اور خوبی کے دروازے کھولے جب خوب گناہ میں غرق ہوا تو بے خبر پکڑا گیا یہ ارشاد ہے کہ آدمی کو گناہ پر تنبیہ پہنچے تو شتاب توبہ کرے یہ راہ نہ دیکھے کہ اس سے زیادہ پہنچے تو یقین کروں۔ انتہیٰ

پس کاٹ دی گئی جڑ اس ظالم گروہ کی یعنی سب کے سب یک لخت اور ایک ساتھ ہلاک ہو گئے اُن میں سے کوئی بھی نہ بچا اور سب تعریف ہے اللہ کے لیے جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا اس بات پر کہ اُس نے اپنی رحمت سے ظالموں اور پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کو ہلاک کیا اور اللہ کی زمین کو ان مفسدوں سے پاک کیا۔ اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کو ہلاک کرنا مجموعہ عالم پر اللہ کا بڑا انعام ہے جس پر حمد اور شکر لازم ہے اے نبی! آپ ﷺ ان کافروں سے یہ کہیے کہ بتلاؤ اگر اللہ تمہاری شنوائی اور بینائیوں کو چھین لے اور تم کو اندھا اور بہرا کر دے کہ تم نہ کچھ سن سکو اور نہ کچھ دیکھ سکو اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے کہ کچھ نہ سمجھ سکو مطلب یہ ہے کہ تمہارے یہ تینوں اعضاء جو اشرف الاعضاء ہیں وہ بیکار ہو جائیں اور اُن کے جاتے رہنے کی وجہ سے تمہارے تمام جسم کا نظام درہم برہم ہو جائے تو بتلاؤ کہ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں لا کر دے دے تو پھر تم اس کے سوا دوسروں کی کیوں پرستش کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مستحق عبادت وہ ذات ہے جو اعضاء اور قوائے ادراکیہ کے دینے اور چھیننے پر قادر ہو اور یہ بت جن کو تم پوجتے ہو کس طرح مستحق ہوئے (اے نبی ﷺ) دیکھیے تو سہی کہ ہم کس طرح پھیر پھیر کر مختلف طریقوں سے اپنی توحید کی نشانیاں بیان کرتے ہیں پھر بھی وہ ان کے ماننے اور قبول کرنے سے اعراض کرتے ہیں اور منہ پھیرتے ہیں (اے نبی) آپ ﷺ ان

سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ بتلاؤ تو سہی کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب ناگہاں اور ایکبارگی آجائے کہ پہلے سے جس کی کوئی علامت اور نام و نشان نہ ہو یا روبرو اور آشکارا طور پر آنکھوں دیکھتے تم پر عذاب آجائے تو سوائے ظالموں کے اور کون ہلاک کیا جائے گا یعنی تم ہی ہلاک ہو گے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ عذاب آنے سے پہلے ہی اپنے ظلم اور شرک سے توبہ کرلو اور ہم نہیں بھیجتے پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے ڈرانے والے اہل ایمان اور اہل طاعت کو جنت کی بشارت دینے کے لیے اور منکرین اور مکذبین کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لیے اور اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ وہ معاندین کی فرمائش کے مطابق معجزات دکھلائیں پس جو کوئی ایمان لے آیا اور اس نے اپنی حالت کو درست کرلیا۔ پس اُن پر قیامت کے دن کچھ خوف نہیں اور نہ وہ آخرت میں غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُن کو عذاب پہنچے گا اس لیے کہ وہ دین کی حدود سے باہر نکل چکے تھے۔ اے نبی! آپ ﷺ ان معاندین سے جو آپ سے قسم قسم کے معجزات کی فرمائشیں کرتے ہیں یہ کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جن سے تمہاری حاجتیں پوری کرسکوں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں کہ جو تم آئندہ کی باتیں پوچھا کرو تو میں فوراً بتلا دیا کروں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں جو تم مجھ پر اعتراض کرتے ہو کہ یہ کیسا نبی ہے جو کھاتا اور پیتا ہے اور عورتیں اور اولاد رکھتا ہے میں تو اللہ کا نبی اور رسول ہوں جو جنس بشر سے ہوتے چلے آئے اور جب نبی نوع بشر سے ہوگا تو لوازم بشریت اور خواص انسانیت سے کیسے پاک اور منزہ ہوسکتا ہے؟ میں رسالت کے ساتھ ملکیت کا مدعی نہیں تاکہ تم مجھ پر یہ طعن کرو کہ یہ کیسا نبی ہے جو بیوی اور بچے بھی رکھتا ہے۔ جیسا کہ معاندین کہتے تھے ﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۹۴) کیا خدا تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ رسول تو فرشتہ ہونا چاہیے سو آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ نبوت کے لیے ملکیت ضروری نہیں باوجود بشر ہونے کے میں اللہ کا رسول بھی ہوں مجھ پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ... الخ﴾ (الکہف: ۱۱۰) میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل کی جائے اور اس کے اتباع کی دوسروں کو دعوت دیتا ہوں۔ آپ ان معاندین سے کہہ دیجیے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہوسکتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اندھا اور سمجھا یعنی عالم اور جاہل اور مشعل ہدایت کا پیرو اور نور حق سے آنکھ بند کرنے والا برابر نہیں ہوسکتے کیا تم دھیان نہیں کرتے کہ حق اور باطل کا فرق تم پر واضح ہوجائے اور آپ اس قرآن سے ان لوگوں کو خبردار کر دیجیے کہ جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کی طرف اکٹھے کیے جائیں یعنی جن کو قیامت کا خوف لگا رہتا ہے ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کیجیے اور بتلا دیجیے کہ قیامت کے دن ان کے لیے خدا کے سوا نہ کوئی کارساز اور حمایتی ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا شاید وہ پرہیزگاری کریں یعنی قرآن سے مسلمانوں کو ڈراؤ تاکہ وہ اس پر عمل کرکے پرہیزگار بن جائیں اور ابوالسعود یہ کہتے ہیں کہ ﴿اَلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ﴾ سے گنہگار مسلمان مراد نہیں بلکہ کافروں کا گروہ مراد ہے کہ جو حشر و نشر کو جائز اور ممکن سمجھتے تھے اور اس کے بارہ میں متردّد تھے۔ البتہ وہ کافر جو قطعی طور پر حشر و نشر کے منکر تھے وہ مراد نہیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

اور نہ ہانک اُن کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کا

وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ

منہ تجھ پر نہیں ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے

عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ

ان پر ہے کچھ کہ تو ان کو ہانک دے پھر ہوئے تو بے انصافوں میں اور اسی طرح

فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ

ہم نے آزمایا ہے ایک کو ایک سے کہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا

بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ

ہم سب میں سے کیا اللہ کو معلوم نہیں حق ماننے والے اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتیں

يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ

ماننے والے تو کہہ سلام ہے تم پر لکھی ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر

الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ

مہر کرنی کہ جو کوئی کرے تم میں برائی نادانی سے پھر اس کے بعد توبہ

بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ

کی اور سنوار پکڑی تو یوں ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان اور اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں آیتیں اور

لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع ۱۰/۱۵/۲

تو کھل جاوے راہ گنہگاروں کی

حکمِ اعزاز واکرام درویشانِ اسلام بتقدیم سلام وتبشیر ایشاں برحمت خداوندِ انام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ : ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ . . . الیٰ . . . وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۵۵﴾﴾

ربط: اُوپر سے سلسلۂ کلام مشرکین کے بارہ میں چلا آرہا ہے یہ آیت قریش کے بعض مغرور اور متکبر سرداروں کے بارہ میں نازل ہوئی ایک مرتبہ سردارانِ قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ کی مجلس میں ہمیشہ فقیر اور غلام ہوتے ہیں جیسے بلال اور صہیب اور عمار اور مقداد اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپ کے پاس آکر بیٹھیں اور آپ ﷺ کی باتیں سنیں لیکن آپ ﷺ کے پاس رذیل لوگ بیٹھتے ہیں اور ہم اشراف قریش ہیں ہمارا اُن کے ساتھ مل کر بیٹھنا ہمارے لیے عیب اور عار ہے اس لیے ہم جب آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپ اپنی مجلس سے ان لوگوں کو اٹھادیا کریں آنحضرت ﷺ کا خیال اس طرف ہوا کہ سردارانِ قریش کی یہ درخواست منظور کرلی جائے شاید اس بہانہ سے یہ لوگ اسلام لے آئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی مشورہ دیا کہ یارسول اللہ ﷺ ایسا کر کے دیکھیے تو سہی کہ سردارانِ قریش اس کے بعد کیا کرتے ہیں یعنی امتحاناً ان کی یہ درخواست منظور کرلی جائے۔ (معاذ اللہ) اس سے درویشان اسلام اور فقراء مسلمین کی تحقیر مقصود نہ تھی بلکہ رؤساء قریش کی تالیف قلب بامید ہدایت مقصود تھی اور چونکہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا علم تھا اس لیے اس سے ان کی دل شکنی بھی نہ ہوئی یہ رائے ابھی خیال ہی کے درجہ میں تھی عمل کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوگئیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے ممانعت آگئی کہ آپ ﷺ ہرگز ایسا نہ کریں۔ (تفسیر قرطبی ص ۴۳۱ ج ٦ وتفسیر کبیر ص ۵۰ ج ۴)

اور بذریعہ وحی آپ کو بتلادیا گیا کہ یہ تدبیر نافع نہ ہوگی اور حکم آگیا کہ آپ ان متکبرین کی تبلیغ کی خاطر اپنی مجلس سے درویشان اسلام کو جدا نہ کیجیے بلکہ یہ درویش جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوں تو ان کو سلام کیجیے اور خدا تعالیٰ کی رحمت کی بشارت ان کو سنا دیجیے یہ لوگ اگرچہ غریب اور فقیر ہیں مگر حق کے طالب صادق ہیں ان کی خاطرداری اور تالیف قلوب روساء کفار کی تالیف پر ہزار درجہ مقدم ہے اس آیت سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ نیکوں اور بزرگوں کا احترام اور اُن کی ایذاء رسانی اور تحقیر اور گرانی خاطر سے اجتناب غایت درجہ ضروری اور لازم ہے شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں ؎

حبِ درویشاں کلید جنت است   دشمن ایشاں سزائے لعنت است

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی! آپ ﷺ اپنی مجلس سے اُن لوگوں کو علیحدہ اور دور نہ کیجیے جو صبح اور شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور صرف اس کی ذات پاک یعنی صرف اس کی رضامندی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں یعنی یہ لوگ خداوند ذوالجلال کے اس درجہ عاشق صادق ہیں کہ سوائے رضاء مولیٰ کوئی چیز بھی ان کے پیش نظر نہیں ان کی عبادت کسی دنیاوی اور اخروی نعمت کے حصول کے لیے نہیں ؎

خلاف طریقت بود کاولیا   تمنا کنند از خدا جز خدا

یہ لوگ عشق خداوندی کی اس منزل میں پہنچ چکے ہیں کہ سوائے رضاء مولیٰ کوئی چیز بھی ان کو مطلوب نہیں مطلب یہ ہے کہ یہ فقراء

مسلمین اپنی عبادت میں مخلص ہیں اور اخلاص کا اقتضاء یہ ہے کہ مخلص کے اکرام اور احترام کو ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے اور رؤساء قریش علاوہ ازیں کہ ان کو غریب اور مسکین ہونے کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے ان کے اخلاص اور ایمان پر طعن کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ آپ کے گرد کھانے پینے کی غرض سے جمع ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب کے لیے فرماتے ہیں نہیں ہے ان کے حساب سے آپ پر کوئی ذمہ داری اور جواب دہی اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی ذمہ داری اور جواب دہی ہے یعنی قیامت کے دن ان کے اعمال کی بابت آپ ﷺ سے باز پرس نہ ہوگی جب کہ وہ ظاہر میں متقی اور پرہیز گار ہیں تو آپ ﷺ پر ظاہر کے مطابق معاملہ کرنا ضروری ہے جب وہ ظاہر میں نیک ہیں تو آپ بھی ان کو نیک ہی سمجھئے اور اگر اُن کے دل میں کچھ کھوٹ ہوگا تو اس کا حساب لینے والا اللہ ہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام کا قول ہے ﴿اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴾ (الشعراء) پس جب اُن کے باطن کی تحقیق اور تفتیش آپ کے ذمہ نہیں۔ سو اگر بالفرض آپ ان سرداران قریش کی ہدایت اور ایمان کی طمع میں ان غریب مخلصوں کو اپنی مجلس سے ہٹانے لگیں تو ظالموں میں ہو جائیں گے یعنی نکالنا جب مناسب ہوتا کہ جب تجھ کو یہ خوف ہوتا کہ ان کی وجہ سے مجھ سے باز پرس ہوگی اور جب یہ خوف نہیں تو ایسے مخلصین کا اپنی مجلس سے ہٹانا بے انصافی ہے۔

فائدہ ①: آنحضرت ﷺ نے ان فقراء مومنین کا طرد نہیں فرمایا مگر چونکہ ایک دینی مصلحت کی بناء پر ان کی علیحدگی کا ارادہ فرمایا اس لیے اس کو مجازاً طرد سے تعبیر کر دیا گیا گویا کہ ایسے مخلصین کی علیحدگی کا خیال بمنزلہ نکال دینے کے ہے۔

فائدہ ②: آیت میں خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت ﷺ کو ہے مگر مقصود سنانا اُن ظالموں کو ہے جو ان درویشان اسلام کو مجلس سے اٹھانا چاہتے تھے اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض سے آزمایا ہے کسی کو فقیر اور کسی کو امیر بنایا اور کسی کو تندرست اور کسی کو بیمار کیا ہمارا مقصود اس سے امتحان اور آزمائش ہے کسی کو دنیا کے معاملہ میں آگے اور آخرت کے معاملہ میں پیچھے کیا اور کسی کو اس کے برعکس تاکہ یہ مالدار اور رئیس لوگ یہ کہیں کہ کیا یہی فقیر اور درویش لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان سے انعام اور احسان کیا ان کو اسلام کی توفیق دی یعنی اسلام اگر خدا کا انعام ہوتا تو ان حقیر اور رذیل لوگوں پر کیوں ہوتا اس کے مستحق تو ہم تھے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ ہم رئیسوں پر تو انعام نہ کرے اور ان فقیروں پر انعام کرے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ (الاحقاف: ۱۱) ان لوگوں کا گمان یہ تھا کہ ہم معزز لوگ ہیں اور ہماری دنیاوی خوشحالی اس بات کی علامت ہے کہ ہم اللہ کے محبوب اور مقبول بندے ہیں ان کو معلوم یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو دل کو دیکھتا ہے اور اس بات کو کہ کون اللہ کے حق کو مانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب تو یہ عطا فرمایا کہ دنیا کی امیری اور فقیری خدا کے نزدیک مقبول اور محبوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ منجانب اللہ فتنہ اور آزمائش ہے ایک ضد کو دوسری ضد سے آزماتے ہیں امیروں کا فقیروں سے آزمانا اس طرح ہے کہ وہ ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھیں اور فقیروں کا امیروں سے آزمانا اس طرح ہے کہ وہ ان کی دولت پر حسد نہ کریں آئندہ آیت میں ان متکبر اور مغرور اور معاند لوگوں کے اس بے ہودہ اعتراض کا ایک اور جواب ارشاد فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا انعام اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اس کی نعمت کے قدردان اور شکر گذار ہوں ناقدروں اور ناشکروں پر انعام نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا اللہ اپنے شکر گذاروں کو خوب طرح جاننے والا نہیں یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ کون دل سے اس کی نعمتوں کا قدر دان اور شکر گذار ہے اور کون ناشکرا اور ناقدرا ہے پس ان درویشوں نے اللہ کی نعمت ہدایت کی قدر کی اس لیے اُن کو اسلام اور ہدایت کی توفیق سے نوازا اور تم جیسے متکبرین اور معاندین کو کیا دے جن کا شیوہ ناشکری ہے اور چونکہ یہ درویشان اسلام خدا کے مقبول اور محبوب ہیں

اس لیے آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ ہرگز ہرگز ان کو اپنی مجلس سے اٹھانے کا خیال بھی نہ کریں بلکہ جب یہ مخلص لوگ آپ کے پاس حاضر ہوں جو صدق دل سے ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان سے یہ کہیے کہ سلامتی ہو تم پر گھبراؤ نہیں۔ اللہ کی طرف سے تم پر سلامتی اور امن ہے تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر تمہارے لیے رحمت اور مہربانی کو لکھ لیا ہے یعنی لازم کرلیا ہے اور وہ رحمت اور مہربانی یہ ہے تحقیق تم میں سے جو شخص نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے اور پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی حالت کو درست کرے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

درد مندان گنہ را روز و شب — شر بتے بہتر ز استغفار نیست

آرزو مندان وصلِ یار را — چارہ غیر از نالہاو زار نیست

اور اسی طرح ہم دلائل توحید کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تا کہ مجرمین کی راہ خوب آشکارا اور ظاہر ہو جاوے کہ لوگ اس راہ پر چلنے سے اجتناب کریں مطلب یہ ہے کہ حق اور باطل کی راہ الگ الگ اور جدا اور ممتاز ہو جائے تا کہ چلنے والوں کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ

تو کہہ مجھ کو منع ہوا ہے کہ پوجوں جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوا تو کہہ میں نہیں

اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ

چلتا تمہاری خوشی پر سو تو میں بہک چکا اور نہ ہوا راہ پانے والا تو کہہ

اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ

مجھ کو شہادت پہنچی میرے رب کی اور تم نے اسکو جھٹلایا میرے پاس نہیں جس کی شتابی

بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾

کرتے ہو حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے کھولتا ہے حق بات اور وہ ہی بہتر چکانے والا

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ

تو کہہ اگر میرے پاس ہو جس کی شتابی کرتے ہو تو فیصل ہو چکے کام میرے اور

بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا

تمہارے بیچ اللہ کو خوب معلوم ہیں بے انصاف اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی ان کو نہیں

يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ

جانتا اس کے سوا اور وہ جانتا ہے جو جنگل اور دریا میں ہے اور نہیں جھڑتا کوئی

وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا

پتہ جو وہ نہیں جانتا اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ ہرا نہ

يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ۝۵۹

سوکھا جو نہیں کھلی کتاب میں

بت پرستی کی مذمت اور ممانعت اور خدا پرستی کی حقانیت اور دعوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلۡ اِنِّىۡ نُهِيۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ . . . الی . . . وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ۝۵۹﴾

ربط: ان آیتوں میں حق جل شانہ نے بت پرستی کی مذمت اور ممانعت ذکر فرمائی اور بعد ازاں خدا پرستی کی حقانیت اور اس کی دعوت کا ذکر فرمایا کہ جو اوصاف معبود میں ہونے چاہئیں وہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی میں نہیں خدا کے سوا نہ کوئی عالم الغیب ہے اور نہ کوئی قادر مطلق ہے اور نہ کوئی نفع اور ضرر کا مالک ہے۔ پس جب یہ اوصاف خدا کے سوا کسی میں نہیں پائے جاتے تو پھر خدا کے سوا کسی اور کی پرستش کیوں کرتے ہیں توحید ہی سیدھا راستہ ہے جس کی اسلام تم کو تعلیم دیتا ہے پس تم ایک ہی خدا کی عبادت اور بندگی کرو اور اُسی سے ڈرو جس کی طرف تم سب مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے یہ سلسلۂ کلام ﴿قُلۡ اِنِّىۡ نُهِيۡتُ﴾ سے شروع ہو کر ﴿وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ﴾ تک چلا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ ان لوگوں سے جو آپ ﷺ کو بت پرستی کی دعوت دیتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ مجھ کو ممانعت کی گئی کہ میں اُن معبودوں کی پرستش کروں جن کو تم خدا کہہ کر پکارتے ہو حالانکہ تم اس کا اعتراف اور اقرار کرتے ہو کہ وہ اللہ سے کمتر ہیں اور جو کمتر ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور نہ مستحق عبادت ہو سکتا ہے خدا تو وہ ہے جو سب سے بالا اور برتر ہو آپ ﷺ یہ بھی کہہ دیجیے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہیں کرتا یعنی میں نہ بتوں کی پرستش کروں گا اور نہ فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹاؤں گا اگر میں ایسا کروں تو گمراہ ہو جاؤں اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں حالانکہ میں تو من جانب اللہ ہدایت دے کر بھیجا گیا ہوں میں کیسے گمراہی کے راستہ کو اختیار کر سکتا ہوں آپ کہہ دیجیے کہ تحقیق میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں کہ تمہارے بتوں کا عجز ظاہر ہے اور عاجز کی عبادت سراسر حماقت ہے اور تم نے اس روشن دلیل کو جھٹلایا جس میں شک اور تردد کی بھی گنجائش نہیں اور جو روشن دلائل میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں تو تم اس کے جواب سے تو عاجز ہو مذاق اڑانے کے لیے یہ کہتے ہو کہ اگر یہ حق ہے تو اس کی تکذیب پر فوراً عذاب کیوں نازل نہیں ہو جاتا، تو آپ ﷺ کہہ دیجیے میرے پاس وہ عذاب نہیں جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ یعنی عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار

میں نہیں جب اللہ کو منظور ہوگا تم پر نازل کردے گا جیسا کہ پہلی اُمتوں پر نازل کر چکا ہے حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اللہ تعالیٰ حق کو دلائل اور براہین سے بیان کرتا ہے اور وہی سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے میرا اور تمہارا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جب چاہے گا فیصلہ کردے گا فیصلہ کی تاریخ مجھے معلوم نہیں آپ کہہ دیجیے کہ تحقیق اگر وہ عذاب جس کو تم جلدی مانگ رہے ہو میرے پاس ہوتا یعنی میرے اختیار میں ہوتا تو میں اب تک اس کو نازل کر چکا ہوتا اور میرے اور تمہارے درمیان میں جھگڑا ہی طے ہو چکا ہوتا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے کوئی اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں نکل سکتا سب اُس کی نظر میں ہیں وہ علیم بھی ہے اور حلیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا اور اس کی تاخیر حکمت سے خالی نہیں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ کوئی ظالم اور کوئی مجرم اُس کی نظر سے پوشیدہ نہیں وہ سب کو خوب جانتا ہے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ عذاب میں تاخیر جہل یا عجز کی بناء پر نہیں بلکہ حلم عظیم اور حکمت بالغہ کی بناء پر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں یا غیب کے خزانے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی جان سکتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو لفظ مفاتح آیا ہے اس میں علماء تفسیر کے دو قول ہیں:

① بعض علماء کے نزدیک مفاتح، مفتح بکسر المیم کی جمع ہے جس کے معنی کنجی کے ہیں ان علماء نے مفاتح الغیب کا ترجمہ غیب کی کنجیوں سے کیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جن کنجیوں سے غیب کا قفل کھلتا ہے وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں یعنی وہی خدائے برحق عالم الغیب ہے اس کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں۔

② اور بعض علماء کے نزدیک مفاتح۔ مفتح بفتح المیم کی جمع ہے جس کے معنی خزانہ کے ہیں ان علماء نے مفاتح الغیب کا ترجمہ غیب کے خزانوں سے کیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ غیب کے تمام خزانے صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اس کو اختیار ہے کہ اپنے خزانہ میں سے جس کو چاہے اور جتنا چاہے دے یا جتنا چاہے اُتنا بتلا دے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱﴾ (الحجر)

پہلے قول کی بناء پر خدا تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا اور اس کے احاطۂ علمی کا بیان کرنا مقصود ہوگا اور دوسرے قول کی بناء پر خدا تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال تصرف اور کمال ملکیت کا بیان کرنا مقصود ہوگا کہ تمام ممکنات اس کے قبضہ قدرت اور دست تصرف میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ علم غیب اور احاطۂ علمی اور کمالِ قدرت اور کمالِ تصرف سب حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں۔

آئندہ آیات میں پھر اس کے احاطۂ علمی کو بیان کرتے ہیں اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل اور دریا میں ہے مطلب یہ ہے کہ خشکی اور تری کی ہر چیز کی اس کو خبر ہے اور نہیں گرتا درخت سے کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے۔ اس کو یعنی خدا کو پتوں کی گنتی بھی معلوم ہے اور نہیں ہے کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں اور نہیں ہے کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں ثبت ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں خواہ وہ کلی ہو یا جزئی فلاسفہ یونان کا ایک نادان گروہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم کلیات کا تو ہے مگر جزئیات کا علم نہیں اس آیت سے اُن کا رد ہو گیا۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ

اور وہی ہے کہ تم کو بھر لیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو کما چکے ہو دن کو پھر

يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ

تم کو اٹھاتا ہے اس میں کہ پورا ہو وعدہ جو ٹھہرا دیا پھر اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے پھر

يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

جتا دے گا تم کو جو کرتے ہو۔

دلائلِ کمالِ قدرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ ... الٰى ... ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾﴾

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں حق تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال تصرف کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹتے رہتے ہیں کبھی حیات سے موت کی طرف اور کبھی خواب سے بیداری کی طرف یہ تصرفات حق تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال تصرف پر دلالت کرتے ہیں اور خواب کے بعد بیداری یہ بعث بعد الموت کا نمونہ ہے جس سے قیامت کا امکان ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور وہ اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ جو رات کو سلا کر تم کو پورا لے لیتا ہے تمہارے ہوش و حواس کو معطل کر دیتا ہے کہ مردے اور سوتے میں کوئی فرق نہیں رہتا اور خوب جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کمایا اور کسب کیا اور پھر وہ تم کو دن میں نیند سے اٹھاتا ہے تا کہ اس سونے اور جاگنے کے دوران سے عمر کی مدت مقررہ پوری کر دی جائے یعنی تمہاری دنیاوی عمر پوری ہو جائے پھر مرنے کے بعد تمہارا اسی کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تم کو جتائے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے اور اس کے مناسب سزا دے گا خوب سمجھ لو کہ تمہارا سلانا اور جگانا یہ صحتِ بعث اور امکانِ قیامت کی واضح دلیل ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ

اور اسی کا حکم غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب پہنچے

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى

تم میں کسی کو موت اس کو بھر لیویں ہمارے بھیجے لوگ اور وہ قصور نہیں کرتے پھر پہنچائے جاویں گے

اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾
اللہ کی طرف جو مالک انکا ہے تحقیق سن رکھو حکم اسی کا ہے اور وہ شتاب لیتا ہے حساب
قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ
تو کہہ کون تم کو بچا لاتا ہے جنگل کے اندھیروں سے اور دریا کے جس کو پکارتے ہو گڑ گڑاتے اور
خُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ
چھپکے اگر ہم کو بچا لیوے اس بلا سے تو البتہ ہم احسان مانیں تو کہہ
اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ
اللہ بچاتا ہے اُن سے اور ہر گھبراہٹ سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو تو کہہ
هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ
اسی کو قدرت ہے کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے یا تمہارے
تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ
پاؤں کے نیچے سے یا ٹھہراوے تم کو کئی فرقے کر کر اور چکھاوے ایک کو لڑائی ایک کی
اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ
دیکھ کس پھیر سے ہم کہتے ہیں باتیں شاید وہ سمجھیں اور اس کو جھوٹ بتایا تیری قوم نے
وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّ
اور یہ تحقیق ہے تو کہہ میں نہیں تم پر داروغہ ہر چیز کا ایک وقت ٹھہر رہا ہے اور
سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ
آگے جان لو گے اور جب تو دیکھے وہ لوگ کہ بکتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کر
عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ
جب تک کہ بکنے لگیں اور کسی بات میں ، اور کبھی بھلاوے تجھ کو شیطان

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ

تو نہ بیٹھ بعد نصیحت کے بے انصاف قوم کے ساتھ اور

يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

پرہیز گاروں پر نہیں کچھ ان کا حساب لیکن نصیحت کرنی ہے شاید وہ ڈریں

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ

اور چھوڑ دے جنہوں نے ٹھہرا دیا اپنا دین کھیل اور تماشا اور بہکے دنیا کی

الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ

زندگی پر اور اس سے نصیحت دے ان کو کہ گرفتار نہ ہو جائے کوئی اپنے کیے میں کہ نہیں اس کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ

اللہ کے سوا حمایتی نہ سفارش والا اور اگر بدلہ دے سارے بدلے قبول نہ ہوں

مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ

اس سے وہی ہیں جو گرفتار ہوئے اپنے کئے میں ان کو پینا ہے گرم پانی

وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع

اور مار ہے دکھ والی بدلہ کفر کرنے کا

ع ٨ / ١٤

نوع دیگر از دلائل کمال قدرت وکمال حکمت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۔۔۔ الٰی ۔۔۔ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع﴾

گذشتہ آیات کی طرح ان آیات میں دوسری طرح سے اپنی کمال قدرت اور کمال حکمت کے دلائل اور حساب وکتاب اور حشر و نشر کا حق ہونا بیان فرماتے ہیں اور وہی اللہ قاہر اور غالب ہے اپنے بندوں پر یعنی خدا سب پر غالب اور زبردست ہے اور تمام بندے اس کی قدرت اور مشیت کے نیچے مقہور اور مجبور ہیں اور وہ رفعت شان اور بلندی رتبہ میں سب سے بالا اور برتر ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس آیت میں فوقیت سے باعتبار مکان اور جہت کے فوقیت مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہے بلکہ قہر

اور غلبہ اور قدرت کے اعتبار سے فوقیت مراد ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۵۹ ج ۴)

اور اس کے قہر اور غلبہ اور فوقیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ تم پر نگہبان فرشتے بھیجتا ہے کہ جو تمام زندگی تمہارے اعمال کو لکھتے ہیں: اور تمہاری جان کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں۔ پس اس طرح تمام عمر تم اس قاہر غالب کی نگرانی میں رہتے ہو یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے فرشتے اُس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ فرشتے قبض روح میں کوتاہی نہیں کرتے یعنی جس کام پر وہ متعین ہیں اس کو بخوبی انجام دیتے ہیں جس وقت اور جس طرح قبض روح کا حکم ہوتا ہے اُسی طرح اُس کو بجالاتے ہیں قبض روح میں فرشتے رشوت نہیں لیتے پھر مرنے کے بعد یہ سب بندے اپنے مولائے برحق کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے تحقیق سن رکھو حکم اسی کا ہے اس کے سوا کسی اور کا حکم اور فیصلہ نہیں چلتا اور وہ سب حساب لینے والوں سے جلد حساب لینے والا ہے طرفۃ العین میں تمام مخلوقات کا حساب لے لے گا اور ایک لحظہ میں ساری عمر کی بھلائی اور بُرائی واضح کر دے گا باوجود بے شمار مخلوقات کے ایک کا حساب دوسرے کے حساب سے مانع نہ ہوگا۔ جس طرح وہ تمام عالم کو بلا غلطی کے بیک وقت رزق دینے پر قادر ہے اسی طرح وہ قیامت کے دن تمام عالم کا بیک وقت حساب کرنے پر قادر ہوگا اور یہ اس کے کمال قدرت اور کمال قہر کی دلیل ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ فرشتے تین قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جو انسان کی مضرتوں سے حفاظت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں: کما قال تعالیٰ: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الرعد:۱۱) دوسری قسم وہ ہے کہ وہ فرشتے انسان کے اعمال کی حفاظت اور کتابت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝﴾ (الانفطار) و قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝﴾ (ق) تیسری قسم وہ فرشتے ہیں کہ جو انسان کی جان نکالنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اس قسم کے فرشتوں کے سردار حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں اس لیے آیات میں توفی اور موت کی اسناد کبھی ملک الموت کی طرف ہوتی ہے اور کبھی دیگر ملائکہ کی طرف ہوتی ہے جو ملک الموت کے اعوان اور مددگار ہیں اور کبھی باری تعالیٰ کی طرف اسناد ہوتی ہے کہ اصل حکم اللہ ہی کا ہے بغیر اس کے حکم کے کسی کو موت نہیں آتی آپ ﷺ ان لوگوں سے جو خدا تعالیٰ کی حفاظت اور نگرانی اور قہر کے منکر ہیں یہ کہیے کہ بتلاؤ کہ وہ کون ذات ہے جو تم کو جنگل اور سمندر کی تاریکیوں یعنی پریشانیوں اور حیرانیوں سے اس حالت میں نجات دیتا ہے کہ تم اس کو گڑگڑاتے اور آہستہ پکارتے ہو یعنی ایسے وقت میں تم صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو اور بتوں کو بھول جاتے ہو تو پھر بے فائدہ ان کو کیوں پوجتے ہو اور اس وقت تم خدا سے یہ وعدہ کرتے ہو کہ اے اللہ اگر تو نے ہم کو ان مصیبتوں کے تاریکیوں سے نکال دیا تو ہم ضرور بالضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان تاریکیوں سے اور ہر غم سے نجات دیتا ہے پھر بھی تم شرک کرنے لگتے ہو یعنی نجات پانے کے بعد اپنے وعدے پر قائم نہیں رہتے اور مصیبت سے رہائی کے بعد بدستور اسی کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتے ہو۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ تم خدا کے اس مہلت دینے سے بے فکر نہ ہو جاؤ جس طرح وہ شدتوں اور مصیبتوں سے نجات دے سکتا ہے۔ اسی طرح وہ تم کو پہلے کی طرح دوبارہ بھی مبتلا کر سکتا ہے کیونکہ وہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ اوپر کی جانب سے یعنی آسمان کی جانب سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے پتھر برسانا ہوا اور بارش کا طوفان آ جانا یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے زلزلہ اور خسف اور غرق مانند فرعون اور قارون کے یا تم کو کسی داخلی اور اندرونی عذاب میں مبتلا کر دے وہ یہ کہ تم کو گروہ گروہ بنا کر آپس میں بھڑا دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے یعنی باہمی خود غرضیوں کی وجہ

سے خدا تعالیٰ تم کو باہمی جنگ وجدال اور پارٹی بندی کے عذاب میں مبتلا کر دے۔ اس اُمت کو پہلی قسم کے عذابوں سے محفوظ کر دیا گیا یعنی اس امت پر اس قسم کا کوئی عذاب نازل نہ ہوگا جیسا کہ پہلی اُمتوں پر نازل ہوا۔ البتہ یہ اُمت تیسری قسم کے عذاب میں مبتلا ہوگی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہیے وہ باہمی پارٹی بندی اور آپس کی جنگ وجدال کا عذاب ہے جب خود غرضی آتی ہے تو پھوٹ پڑ جاتی ہے اور آپس کا ائتلاف مبدّل باختلاف ہو جاتا ہے جو داخلی عذاب ہے اے نبی! آپ ﷺ دیکھئے تو سہی کہ ہم کس طرح بار بار اپنی نشانیوں اور دلیلوں کو بیان کرتے ہیں شاید یہ لوگ سمجھ جائیں اور حق کی طرف رجوع کریں لیکن یہ ایسے نادان ہیں کہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا بلکہ آپ کی قوم نے تو اس قرآن کو جھٹلایا حالانکہ وہ بالکل برحق ہے اس کے حق اور کلام الٰہی ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں یا یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کی قوم نے آنے والے عذاب کو جھٹلایا اور یہ کہا یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں عذاب وغیرہ کچھ نہیں آئے گا حالانکہ اس عذاب کا آنا جس کی خبر دی گئی ہے وہ حق اور صدق ہے وہ عذاب اپنے وقت پر ضرور آئے گا۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ حق تو واضح ہو چکا ہے میں تم پر نگہبان اور داروغہ نہیں ہوں یعنی حق کا منوانا اور نہ ماننے والوں پر عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں میں تو صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہوں حق کا دل میں اُتارنا یا نہ ماننے پر سزا دینا یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم اس خبر کی صداقت کو جان لوگے جب وہ خبر تمہارے سامنے آئے گی اس وقت تمہیں اُس خبر کی سچائی معلوم ہو جائے گی اور خود جان لوگے کہ جس عذاب سے تم کو قرآن میں ڈرایا گیا تھا، وہ کہاں تک حق اور صدق تھا۔

اور اے نبی (ﷺ)! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں بکواس کرتے ہیں یعنی ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور ان میں عیب نکالتے ہیں تو آپ ایسے لوگوں سے کنارہ کش ہو جایئے یہاں تک کہ وہ اس طعن واستہزاء کو چھوڑ کر دوسری بات میں لگ جائیں مشرکین عرب اپنی مجالس میں بیٹھ کر قرآن کا استہزاء کیا کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں ان سے کنارہ کرو اور ان کے پاس نہ بیٹھا کرو تاکہ تم اُن کے زمرہ میں داخل ہو کر اُن کی طرح مستحق عذاب نہ بن جاؤ۔

كما قال الله تعالى: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ﴾ (النساء: ۱۴۰)

اس آیت میں خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے مگر مراد سب مسلمان ہیں کیونکہ سب مسلمان نبی کے تابع ہیں اور اگر شیطان تجھ کو بھلا دے یعنی اس مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت تجھے یاد نہ رہے اور بھولے سے ان کی مجلس میں بیٹھ جائے تو یاد آنے کے بعد ان ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھ یعنی اگر بھولے سے بیٹھ گیا ہے تو یاد آنے کے بعد فوراً اُٹھ کھڑا ہو اور جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اور ان آیات اللہ پر طعن اور استہزاء اور نکتہ چینی کو بُرا جانتے ہیں اور ایسی مجالس میں شرکت سے حتی الوسع بچتے ہیں تو ایسے لوگوں پر ان مشرکین کے طعن اور استہزاء کے حساب میں سے کوئی مواخذہ اور دار و گیر نہیں یعنی مسلمانوں سے ان کے اعمال قبیحہ کا کوئی مواخذہ نہیں وہ جانیں اور ان کا کام لیکن مسلمانوں کے ذمہ بشرط قدرت اور بقدر ضرورت نصیحت کرنا اور ان کو سمجھانا فرض ہے شاید وہ تمہاری نصیحت کرنے سے ان باتوں سے باز آجائیں اور عجب نہیں کہ تمہارا ان کی مجلس سے اُٹھ کھڑا ہونا اور ان کے اس فعل قبیح پر اپنی ناگواری کا اظہار کسی وقت اُن کی ہدایت کا سبب بن جائے اور وہ اس ناشائستہ حرکت پر نادم ہو کر تائب ہو جائیں۔

ان آیات میں حق جل شانہٗ نے مسلمانوں کو کافروں کی خاص اس مجلس سے کنارہ کشی کا حکم دیا جہاں آیات اللہ پر طعن اور

استہزاء کیا جاتا ہو۔ اب آئندہ آیت میں ایسے لوگوں کی عام مجالست اور مصاحبت ترک کرنے کا ارشاد ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ایسے ظالموں کی مجالست اور مصاحبت میں مجلس استہزاء اور تکذیب کی تخصیص نہیں بلکہ غیرت ایمانی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا اور دُنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکہ میں ڈال دیا اور دنیا کے نشہ میں مست ہو کر یہ سمجھ بیٹھے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دُنیا ہے ایسے لوگوں کو چھوڑ دو اور ان سے قطع تعلق کر دو جسے اپنے انجام اور مرنے کے بعد کی فکر نہ ہو وہ بے عقل ہے اور اس قرآن کے ذریعہ اُن کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایئے تاکہ کوئی نفس اپنی بد اعمالی کی وجہ سے گرفتار مصیبت نہ ہو جائے یعنی نصیحت سے فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ اپنے بُرے اعمال کو ترک کر دیں اور دوزخ میں جانے سے بچ جائیں اس لیے کہ قیامت کے دن اُس نفس کے لیے سوائے اللہ کے کوئی مددگار نہیں اور نہ کوئی سفارشی ہے اور اگر کوئی نفس اُس دن اپنی خلاصی کے لیے ہر قسم کا بدلہ بھی دیوے تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ غرض یہ کہ کسی صورت پیچھا نہیں چھوٹے گا کیونکہ یہی لوگ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے گرفتار عذاب ہوئے ہیں اپنے بُرے اعمال کی بناء پر ان کے پینے کو سخت کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے اور آخرت کے اور اس کے عذاب کے منکر تھے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى
تو کہہ کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا جو نہ بھلا کرے ہمارا نہ بُرا اور پھیرے جاویں
اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى
الٹے پاؤں جب اللہ ہم کو راہ دے چکا جیسے ایک شخص کو بھلا دیا جنوں نے
الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ
جنگل میں بہکتا اس کے رفیق پکارتے ہیں راہ کی طرف کہ آ ہمارے پاس تو کہہ
اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٧١ ۙ
اللہ نے راہ بتائی سو یہی راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا کہ تابع رہیں جہان کے صاحب کے
وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٧٢
اور یہ کہ کھڑی رکھو نماز اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کے پاس اکٹھے ہوؤ گے
وَ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ
اور وہی ہے جس نے ٹھیک بنائے آسمان اور زمین اور جس دن کہے گا ہو

فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ

تو جاوے گا اسی کی بات سچ ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن پھونکا جاوے گا صور جاننے والا ہے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

چھپا ہوا اور کھلا ہوا اور وہی ہے تدبیر والا خبردار

ابطالِ شرک، اثباتِ توحید و حشر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا... الی... وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾﴾

ربط: اُوپر سے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال چلا آرہا ہے اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ جو دین اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اُن کو اتنی عقل نہیں کہ قابل مضحکہ یہ امر ہے کہ ایسی ذات کو معبود بنالیا جائے کہ جو کسی قسم کے نفع اور ضرر کی مالک نہ ہو ہنسی کے قابل تو یہ بت پرست ہیں کہ جو جہالتوں اور ضلالتوں میں حیران اور سرگرداں ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ ان مشرکوں سے یہ کہہ دیجیے کہ کیا ہم اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو اپنی حاجت روائی کے لیے پکاریں جو نہ ہم کو کچھ نفع ہی پہنچا سکے اور نہ ہم کو کچھ نقصان ہی پہنچا سکے یعنی کیا ہم تمہارے کہنے سے بتوں کو پوجنے لگیں جو محض عاجز ہیں اور کسی کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور کیا بعد اس کے کہ اللہ نے ہم کو راہ راست پر لگا دیا ہے، ہم اپنی ایڑیوں پر کفر کی طرف الٹے پاؤں لوٹ جائیں جب کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو کفر سے نکال کر سیدھے راستہ پر چلا دیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اُس صحیح راستہ کو چھوڑ کر پھر اسی گمراہی کے راستہ کی طرف الٹے پیر لوٹ جائیں جس پر پہلے چل رہے تھے۔ لہٰذا تمہاری یہ توقع کہ ہم کفر اختیار کرلیں بالکل فضول ہے ہم سے ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ اور اگر معاذ اللہ ایسا ہوجائے کہ ہم توحید کی صاف اور سیدھی شاہراہ چھوڑ کر شرک کی راہ اختیار کرلیں تو ہماری مثال اُس شخص کی سی ہوگی جس کو جنات نے جنگل میں لے جا کر سراسیمہ اور حیران اور پریشان کر کے ڈال دیا ہو اور بھٹکتا پھرتا ہو جسے یہ خبر نہیں کہ جانا کہاں ہے اس کے کچھ رفیق راہ راست پر ہیں جو اس کو سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آ یہ خدا تعالیٰ نے اُن کافروں کی مثال بیان کی ہے جو خدائے برحق کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں اور مسلمان اُن کو راہ راست کی طرف بلاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مشرک کی مثال اُس مسافر کے مانند ہے جس کو جنات اور چڑیلوں نے جنگل میں راہ راست سے بہکا کر اُس کے رفیقوں سے جدا کر دیا اور وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہے اور اس کے رفقاء از راہ خیر خواہی اُسے آوازیں دے رہے ہیں کہ ادھر آ سیدھا راستہ اس طرف ہے مگر وہ حیران اور مخبوط الحواس ہے عالم حیرانی میں ہے کچھ نہیں سمجھتا کہ کدھر جائے اور کس کا کہنا مانے ایسی حالت میں اگر اُس نے چڑیلوں کا کہنا مانا تو سیدھا راستہ اُس کو کبھی نہ ملے گا اور مر جائے گا اور اگر اس نے اپنے رفیقوں کا کہنا مانا تو اس مہلک بیابان سے نجات پا جائے گا اور راہ راست پر آجائے گا اسی طرح سمجھ لو کہ مسافرِ آخرت کی سیدھی راہ توحید اور اسلام کی راہ ہے اور یہ سفر نبی اکرم ﷺ اور آپ کے متبعین کی رفاقت اور معیت میں طے ہوسکتا ہے جو ان کی آواز پر کان دھرے گا وہ منزل مقصود کو پہنچے گا اور جو شیاطین الانس والجن کی آواز پر چلے گا تو وہ صحرائے ضلالت اور بیابانِ حیرت میں بھٹکتا پھرے گا حتیٰ

کہ ہلاک ہوجائے گا آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت وہی حقیقی ہدایت ہے یعنی ہدایت صرف دین اسلام ہے اور شرک اور بت پرستی گمراہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے مطیع اور فرمان بردار رہیں اور اسی کی عبادت کریں اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم نماز قائم رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور وہ وہی ذات ہے کہ جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر محکم کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن وہ قیامت اور حشر کو کہے گا کہ ہوجا سو فوراً وہ حشر اور قیامت ہوجائے گی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہر کام ہے جب خدا کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو کُنْ کہہ دیتا ہے اتنے کہنے ہی سے وہ کام فوراً ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جب وہ قیامت کو کہے گا کہ ہوجا سو وہ ہوجائے گی اسی کی بات حق ہے اور اسی کی سلطنت اور بادشاہی ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا یعنی اُس دن سوائے اُس کے کوئی ظاہری اور مجازی بادشاہ بھی نہ ہوگا جتنے بادشاہ دنیا میں ہوئے ہیں اُن کا عجز ظاہر ہوجائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ درحقیقت بادشاہت خدا ہی کے لیے ہے اور اس کے سوا سلطنت کے جس قدر بھی دعوے تھے وہ سب جھوٹے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○﴾ (المومن:۱۶)۔ وَ قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ○﴾ (الفرقان:۲۶)

صور کے متعلق جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ ایک سینگ ہے جس میں قیامت کے دن اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے پھونک مارتے ہی تمام خلقت فنا ہوجائے گی۔ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو سب زندہ ہوجائیں گے اور یہی بات احادیث صحیحہ اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ (تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر از ص ۱۴۶ ج ۲ تا ص ۱۴۹ ج ۲ دیکھیں جس میں نفخ صور اور حساب و کتاب کا مفصل حال بیان کیا ہے۔ نیز دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۰ ج ۷)

وہی جاننے والا ہے پنہاں اور آشکارا کا یعنی چھپے اور کھلے کا اور وہی ہے حکمت والا اخبر دار ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا۔ پس جس ذات کی یہ شان ہو کہ وہ خالق سماوات وارض ہو اور عالم الغیب والشہادہ اور حکیم و خبیر ہو اُس کی عبادت اور بندگی کو چھوڑ کر شرک کی راہ کیسے اختیار کی جاسکتی ہے۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْۤ اَرٰىكَ

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو تو کیا پکڑتا ہے مورتوں کو خدا میں دیکھتا ہوں

وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ

تو اور تیری قوم صریح بھکے ہوئے اور اس طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ

آسمان و زمین کی اور تا کہ اس کو یقین آوے پھر جب اندھیری آئی اس پر

الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ

رات دیکھا ایک تارا بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہوا بولا مجھ کو خوش نہیں آتے

الْاٰفِلِيْنَ ۞ ٧٦ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ

چھپ جانے والے پھر جب دیکھا چاند چمکتا بولا یہ ہے رب میرا پھر جب وہ غائب ہوا بولا

لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۞ ٧٧ فَلَمَّا

اگر نہ راہ دے مجھ کو رب میرا تو بے شک میں رہوں بھٹکتے لوگوں میں پھر جب

رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ

دیکھا سورج جھلکتا بولا یہ ہے رب میرا یہ رب سب سے بڑا پھر جب وہ غائب ہوا بولا

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۞ ٧٨ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ

اے قوم میں بیزار ہوں اُن سے جن کو تم شریک کرتے ہو میں نے اپنا منہ کیا اسی کی طرف جس نے

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ ٧٩ ۚ وَ

بنائے آسمان و زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں شریک کرنے والا اور

حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ

اُس سے جھگڑی اس کی قوم بولا تم مجھ سے جھگڑتے ہو اللہ پر اور وہ مجھ کو سوجھا چکا اور میں ڈرتا نہیں

مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ

اُن سے جن کو تم شریک کرتے ہو اس کا مگر کہ میرا رب کچھ چاہے سمائی ہے میرے رب کے علم میں سب چیز کو

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۞ ٨٠ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ

کیا تم دھیان نہیں کرتے اور کیونکر ڈروں تمہارے شریکوں سے اور تم نہیں ڈرتے

اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ

کہ شریک ٹھہراتے ہو اللہ کے ساتھ جس پر نہیں اتاری اس نے کچھ سند اب

الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دونوں فرقوں میں کس کو چاہئے خاطر جمع کہو اگر سمجھ رکھتے ہو جو لوگ یقین لائے

وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع ٩/١٢ ١٥

اور ملائی نہیں اپنے یقین میں کچھ تقصیر انہیں کو ہے خاطر جمع اور وہی ہیں راہ پائے

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ

اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابل درجے بلند کرتے ہیں ہم جو کو چاہیں

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا

تیرا رب تدبیر والا ہے خبردار اور اس کو بخشا ہم نے اسحٰق اور یعقوب سب کو

هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَ

ہدایت دی اور نوح کو ہدایت دی ان سب سے پہلے اور اس کی اولاد میں داؤد اور سلیمان کو اور

اَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾ ۙ

ایوب اور یوسف کو اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیک کام والوں کو

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ ۙ وَاِسْمٰعِيْلَ

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو سب ہیں نیک بختوں میں اور اسمٰعیل

وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ ۙ وَمِنْ

اور الیسع اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو ہم نے بزرگی دی سارے جہان والوں پر اور بعضوں کو

اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى

ان کے باپ دادوں میں اور اولاد میں اور بھائیوں میں اور اُن کو ہم نے پسند کیا اور

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ

راہ سیدھی چلایا یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر راہ دے جس کو چاہے

عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٨﴾ اُولٰٓئِكَ

اپنے بندوں میں اور اگر وہ لوگ شریک کرتے البتہ ضائع ہوتا جو کچھ کیا تھا وہ لوگ تھے

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ

جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں یہ لوگ

فَقَدْ وَ كَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

تو ہم نے ان پر مقرر کئے ہیں وہ شخص کہ وہ نہیں اُن سے منکر وہ لوگ تھے جن کو

هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ

ہدایت دی اللہ نے تو چل اُن کی راہ تو کہہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری یہ تو

هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ ع

محض نصیحت ہے جہاں کے لوگوں کو

ابراہیم علیہ السلام کا بت پرستوں اور ستارہ پرستوں سے مناظرہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ ... الی ... اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾ ع﴾

ربط: ابتداء سورت سے اثبات توحید اور ابطال شرک کا سلسلہ چلا آ رہا ہے اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جو مشرکین اور اہل کتاب سب کے نزدیک مسلّم بزرگ تھے اس لیے اُن کا مناظرہ ذکر کیا تا کہ سب پر حجت ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرستی کے ساتھ کواکب پرست یعنی ستارہ پرست بھی تھی اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ موت اور حیات سعادت اور نحوست فتح وظفر اور شکست اور ہزیمت یہ تمام تغیرات عالم تاثیر کواکب کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے ان کی خوشنودی کے لیے اُن کی پرستش ضروری ہے غرض یہ کہ کوئی بتوں اور مورتوں کو پوجتا تھا اور کوئی ستاروں کو اپنا رب ٹھہرائے ہوئے تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے اس عقیدۂ فاسدہ کی تردید کی اور جس طرح اُن کے سفلی معبودوں کی تردید کی اسی طرح اُن کے علوی معبودوں کا بھی ردّ فرمایا سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی پرستش کو باطل کیا اور یہ بتلایا کہ بتوں کی عبادت سراسر گمراہی اور جہالت ہے جن بتوں اور مورتیوں کو تم نے خود تراش کر بنایا ہے وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں۔
كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿٩٥﴾ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾﴾ (الصافات) اور باپ کو بھی توحید کی دعوت دی۔
كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿٤٢﴾﴾ (مریم)

اس کے بعد ستاروں کی خدائی کو باطل کیا اور یہ بتلایا کہ جس طرح تمہاری خود تراشیدہ مورتیں قابل پرستش نہیں۔ اسی طرح یہ ستارے بھی قابل پرستش نہیں ان میں الوہیت کا گمان کرنا غلط ہے جس طرح بت الوہیت کے لائق نہیں اسی طرح یہ ستارے بھی الوہیت کے لائق نہیں کیونکہ یہ ستارے اُفول اور غروب اور تغیر اور انقلاب کی وجہ سے خدائی کے لائق نہیں اس لیے کہ ان کا یہ تغیر اور انقلاب اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ سب فانی اور حادث ہیں اور سب کے سب کسی خاص نظام میں جکڑے ہوئے ہیں اور کسی کے حکم کے سامنے مسخر ہیں ذرہ برابر بھی اُس سے عدول حکمی نہیں کر سکتے۔ اُس نے اُن کی چال اور رفتار اور سمت اور جہت اور مسافت سب معین کر دی ہے کہ ذرہ برابر اس سے باہر نہیں جا سکتے جو ان کی کمزوری اور لاچارگی پر دلالت کرتا ہے اور ان میں یہ تغیرات اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ کسی عزیز مقتدر کے ارادہ اور مشیت کے محکوم ہیں اور اس کے سامنے مجبور اور مقہور ہیں جو انہیں چکر کھلا رہا ہے۔ لہٰذا کواکب اور سیارات کو مدبر عالم اور مربی کائنات سمجھنا غلط ہے۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام تمام ملتوں میں مسلم تھے اس لیے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مواضع میں اثبات توحید اور ابطال شرک کے بارہ میں ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے اور مکالمے اُن کی قوم کے ساتھ ذکر فرمائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک مکالمہ اپنے باپ کے ساتھ سورۂ مریم میں ذکر فرمایا۔ دوسرا مناظرہ اس مقام پر ذکر فرمایا جس کی اس وقت تفسیر کی جا رہی ہے۔

تیسرا مناظرہ اپنے زمانے کے بادشاہ نمرود کے ساتھ فرمایا جس کا ذکر تیسرے پارہ کے شروع میں ہے جو ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ ﴾ (البقرہ: ۲۵۸) کی تفسیر میں گزر چکا۔

اور چوتھا مناظرہ کہ بتوں کو توڑ کر پھاوڑا بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دیا جس کا ذکر سورۂ انبیاء میں ہے ﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ ﴾ (الانبیاء: ۵۸) کہ جو چیز خود تمہاری تراشیدہ ہو اور بازار میں فروخت ہو سکتی ہو اور اس کی گردن میں رسی باندھی جا سکتی ہو اور بسولہ سے اس کو توڑا جا سکتا ہو وہ خدا کیسے ہو سکتی ہے؟ طلب [1] یہ ہے کہ جو شخص بت پرستی یا ستارہ پرستی میں مبتلا ہو۔ اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے کہ جس کو شیاطین اور جنات نے بہکا کر راستہ سے الگ کر دیا ہو اور وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہو اور اس کے رفقاء اس کو سیدھے راستہ (یعنی توحید) کی طرف بلاتے ہوں مگر وہ ایسا حیران و پریشان اور مخبوط الحواس ہو گیا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کدھر جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یاد کرو اُس وقت کو کہ جب اُس ابراہیم علیہ السلام نے کہ جس کو تمام مشرکین عرب اہل کتاب اپنا مقتداء اور پیشوا مانتے ہیں اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو ان بتوں کو اپنا معبود ٹھہراتا ہے جن کو تم نے بسولہ سے تراش کر بنایا ہے بلاشبہ میں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مورت کو خدا بنا لیا ہے۔ کیا بندہ بھی خدا کو بنایا کرتا ہے؟ اور جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بت پرستی کی گمراہی اور جہالت اور حماقت دکھلائی اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور عجائب قدرت دکھلانے لگے یعنی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینیں اُن کی نظروں کے سامنے کر دی گئیں اور چاند اور سورج اور ستاروں اور درختوں اور پہاڑوں اور سمندروں کے عجائبات ان پر منکشف کر دیئے گئے۔ حتیٰ کہ نظر فرش سے لے کر عرش تک پہنچ گئی اور اُوپر سے لے کر نیچے تک تمام اشیاء کے حقائق اور بواطن اُن کو دکھلا دیئے گئے تا کہ تمام مخلوقات سماوی اور ارضی کی عاجزی اور لاچارگی اور اُن کی ذلت اور خاکساری اور اُن کے امکان اور حدوث کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں اور اس سے وجود باری پر استدلال کریں اور اُن کے شرک کا

---

[1] ماقبل کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

بطلان ظاہر کریں اور تا کہ وہ ہماری خالقیت اور وحدانیت پر اُن کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں کہ جہاں کسی شبہ اور تردد کا غلبۂ خیال اور غلط ادراک کا کوئی احتمال ہی باقی نہیں رہتا کیونکہ مشاہدہ کے بعد شک اور تردد کی گنجائش نہیں رہتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچشم سَرُ اور بچشم سِرّ (دل) دکھلا دیا گیا کہ آسمان اور زمین اور شمس اور قمر اور کواکب اور نجوم سب خداوند ذوالجلال کے حکم کے سامنے مسخر اور رام ہیں جس طرح چاہتا ہے وہ ان اَجرام اور اجسام کو نچا رہا ہے اور اپنی قدرت کا تماشا دنیا کو دکھلا رہا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز خدا نہیں ہوسکتی۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السماوات والارض کا مشاہدہ کرا دیا اور آسمان اور زمین کے تمام حقائق اور بواطن اُن کو آنکھوں سے دکھا دیئے جس کو دیکھ کر اُن کو عین الیقین آ گیا کہ یہ تمام کارخانۂ عالم خود بخود نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی واحد قہار کے ارادہ اور حکم سے چل رہا ہے۔ یہ عجیب وغریب نظام بخت اتفاق سے یا بے شعور طبیعت یا اندھے اور بہرے مادہ سے نہیں چل رہا ہے غرض یہ کہ اس ملکوت السماوات والارض کے مشاہدہ اور معائنہ سے بت پرستی کی طرح کواکب پرستی کی جہالت اور ضلالت اور حماقت نظروں کے سامنے آ گئی اور اوپر سے لے کر نیچے تک حدوث عالم کا آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا تا کہ قوم کو وجود باری اور وحدانیت کو دلیل اور برہان سے سمجھا سکیں پس جب اس رات نے اندھیرا کرلیا یعنی رات کی تاریکی چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ زہرہ یا مشتری کو دیکھا کہ چمک رہا ہے اُسے دیکھ کر اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا اے قوم کیا [1] تمہارے زعم کے مطابق یہ ستارہ میرا اور تمہارا رب ہے یعنی یہ ستارہ میرا اور تمہارا مربی اور مدبّر ہے اور میرے احوال میں متصرف ہے اچھا ذرا ٹھہر و تھوڑی دیر میں اس کی ربوبیت کی حقیقت تم پر کھل جائے گی۔ پس جب وہ ستارہ چھپ گیا تو الزاماً کہا کہ میں چھپنے والوں کو اور ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے والوں کو اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر ہونے والوں کو اور حجاب اور پردہ میں مستور ہو جانے والوں کو دوست بھی نہیں رکھتا چہ جائیکہ اُن کو خدا مانوں اس لیے کہ اُفول اور غروب ایک قسم کی دناءت اور پستی ہے اور ایک قسم کا سقوط اور انحطاط ہے اور ایک قسم کا عیب ہے ایسی چیز تو قابل محبت بھی نہیں چہ جائیکہ لائق الوہیت اور مستحق عبادت ہو کیونکہ تغیر اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال پروردگار کے لیے محال ہے یہ شان تو حادث کی ہے اور آفلین بصیغۂ جمع لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اُفول اور غروب اس کوکب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہزارہا اور لکھوکھا غروب ہونے والے کواکب میں سے ایک کوکب یہ بھی ہے اس کوکب کو دوسرے کواکب پر خاص فضیلت اور برتری نہیں جو اس کو معبود بنایا جائے۔ (تفسیر البحر المحیط ص ۱٦٧ ج ۴)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ستارہ پرستوں کا عقیدہ یہ ہے کہ طلوع کے وقت کواکب کی تاثیر قوی ہوتی ہے اور اُفول اور غروب سے ستارہ کی تاثیر زائل یا کم از کم ضعیف اور مضمحل ضرور ہو جاتی ہے بلکہ زوال کے بعد سے ستاروں کی تاثیر گھٹنی شروع ہو جاتی ہے حتیٰ کہ غروب سے ان کی روشنی بھی ختم ہو جاتی ہے اور اُن کی تاثیر بھی ختم ہو جاتی ہے پس ﴿لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ ستارہ خدا ہوتا تو طلوع اور اشراق سے اُفول اور غروب کی طرف اور قوت سے ضعف کی طرف منتقل نہ ہوتا اور نہ اُس کی تاثیر زائل ہوتی اور نہ ضعیف اور کمزور پڑتی اس لیے کہ ضعف اور اضمحلال اور قوت اور تاثیر کا فناء اور زوال الوہیت اور ربوبیت کے منافی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۸۰ ج ۴)

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾ یہ کلام بطریق استفہام ہے بمعنی ﴿اَهٰذَا رَبِّيْ﴾ اور استفہام سے مقصود اپنی قوم کی تفہیم ہے۔

پس کواکب کے یہ تغیرات اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ سب کسی قادر قاہر کے مقدور اور مقہور ہیں اور کسی حاکم اعلیٰ کے محکوم اور مجبور ہیں۔ لہٰذا خدا نہیں ہو سکتے کیونکہ خدا محکوم اور مقدور و مقہور اور مجبور نہیں ہو سکتا اور ایک مجبور قیدی اور لاچار بے گاری کو رب بنانا حماقت ہے۔

یا یوں کہو کہ جس طرح ضعف بصارت اس امر کی دلیل ہے کہ نور چشم اُس کا ذاتی نہیں بلکہ کسی بصیر قدیم کا عطیہ ہے۔ اسی طرح کواکب اور سیارات کے نور کا ضعف اور اضمحلال اس امر کی دلیل ہے کہ آفتاب اور ماہتاب میں جو نور ہے وہ اُن کا ذاتی نہیں بلکہ وہ ﴿نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کا عطیہ ہے اور اس کے جمال بے مثال کا ایک عکس اور پرتو ہے ورنہ اگر یہ نور آفتاب اور ماہتاب کا ذاتی ہوتا تو ان کو کسوف اور خسوف لاحق نہ ہوتا اور چاند اور سورج کو کبھی گرہن نہ لگتا۔ پس جو ذات والا صفات شمس اور قمر کے نور کی اور ان کی حرکت کی مالک ہے وہی خدائے برحق اور رب العالمین ہے کہ جس نے اپنی حکمت بالغہ سے شمس اور قمر کو علیحدہ علیحدہ نور کی ایک خاص مقدار اور خاص کیفیت عطاء کی اور ان کی حرکت کے لیے ایک خاص مقدار اور خاص مسافت معین کر دی جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتے۔ پس کواکب کا یہ اُفول و غروب اُن کی فقیری اور دستگیری اور کمزوری اور لاچارگی پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ کمزوری اور لاچاری الوہیت اور ربوبیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

یا یوں کہو کہ جو چیز پردہ میں چھپ گئی وہ محجوب اور مستور ہو گئی اور جو مستور ہوا وہ محصور ہوا اور جو محصور ہوا وہ مغلوب اور مقہور ہوا اور جو مقہور ہوا وہ لاچار اور مجبور ہوا اور لاچار اور مجبور خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا وہ ہے جو ہر چیز کے لیے ساتر اور حاصر ہو اور سب پر غالب اور جبار اور قاہر ہو ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ﴾ (یوسف:۲۱)

پس جب یہ ستارہ غروب ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اسی شب میں یا کسی دوسری شب میں اس سے اعلیٰ اور برتر نور کے طلوع کا انتظار کیا۔ پس جب چاند کو طلوع ہوتے دیکھا تو پہلے کی طرح کہا کیا تمہارے زعم کے مطابق یہ میرا اور ساری قوم کا رب ہے اچھا تھوڑی دیر اس کا بھی انتظار کرو اس کی حقیقت اور کیفیت بھی تم پر واضح ہو جائے گی۔ پس جب وہ غائب ہو گیا تو بولا کہ اگرچہ چاند عظمت اور نورانیت کے اعتبار سے ستارہ سے بلند ہے مگر اس کی عظمت بھی قاصر ہے اور الوہیت اور ربوبیت کے لیے عظمت مطلقہ اور کاملہ چاہیے عظمت قاصرہ و ناقصہ ربوبیت کے لیے کافی نہیں اگر میرا پروردگار میری راہنمائی نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں کہ کسی چیز میں قاصر اور ناقص اور ناتمام عظمت دیکھ کر اُس کو خدا مان لوں یعنی یہ خدا کا فضل ہے کہ میں اپنی قوم سے مخالف ہوں اور خالص توحید پر ہوں اگر اُس کی ہدایت اور توفیق نہ ہوتی تو میں بھی ان گمراہوں کی طرح کواکب کی الوہیت کا قائل ہوتا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کا حصول بھی پروردگار کی طرف سے ہے اور اس کا بقاء اور ہدایت پر ثابت و قائم رہنا یہ بھی پروردگار کی توفیق اور اعانت سے ہے پھر اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور نور کے ظہور کا کہ جو اس عالم کون و فساد میں سب سے زیادہ عظیم نور ہے یعنی طلوع آفتاب کا انتظار کیا تا کہ اس کی ربوبیت کا بطلان ظاہر فرمائیں۔ پس جب سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تو قوم سے کہا کیا تمہارے زعم اور خیال کے مطابق میرا اور تمہارا یہ رب ہے اور ہمارے احوال کا مدبر اور ان میں یہ متصرف ہے یہ تو بظاہر چاند اور ستاروں سے بہت بڑا ہے ممکن ہے کہ یہ کوکب اپنی عظمت کی وجہ سے خدا ہو سکے۔ پس جب وہ بھی غروب ہو گیا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی علی الاطلاق اکبر نہیں اور اس کوکب کی بھی کبریائی مطلقہ اور قاہرہ اور دائمہ نہیں۔ لہٰذا اس کو بھی خداوند ذوالجلال اور کبیر متعال کا شریک نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت اور جلال کو کبھی فنا اور

زوال نہیں اور نہ اس میں کسی قسم کے اختلال یا اضمحلال کا ذرہ برابر کوئی احتمال ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ ستارے اور شمس وقمر کسی طرح خدا نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا جب یہ بات واضح ہوگئی تو اے میری قوم کے لوگو! کان کھول کر سن لو کہ میں بلاشبہ بری اور بیزار ہوں اُن تمام چیزوں سے جن کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو یہ تو سب خدا کے مزدور ہیں اور اس کے حکم کے سامنے مقہور اور مجبور ہیں جو وقت ان کی حاضری اور روانگی وطلوع اور غروب کا اُس نے متعین کر دیا ہے اس میں ایک منٹ کی تاخیر نہیں کر سکتے پھر ان کو خدا کیسے بنایا جا سکتا ہے اور اس براءت اور بیزاری کے اعلان کے بعد فرمایا تحقیق میں ظاہراً اور باطناً اُس ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یعنی جو تمام علویات اور سفلیات کا خالق اور مالک ہے اور اُس نے اس قصر دنیا کی زینت کے لیے شمس اور قمر اور نجوم کو پیدا کیا یہ تمام ستارے اس دار دنیا کے لیے بمنزلہ لال ٹینوں اور قندیلوں کے ہیں سب اس کے کارخانۂ قدرت کے بنے ہوئے ہیں لہٰذا جو ان لال ٹینوں اور قندیلوں کو اپنا رب سمجھے وہ بڑا ہی نادان ہے میں سب سے قطع تعلق کر کے صرف ایک اللہ کی طرف مائل ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو تین قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑا ایک گروہ وہ تھا کہ جو زہرہ کو پوجتا تھا اور ایک گروہ وہ تھا جو چاند کو پوجتا تھا اور ایک گروہ وہ تھا جو آفتاب کی پرستش کرتا تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتدریج تینوں فرقوں کی گمراہی کو واضح کیا اور یہ ثابت کیا کہ غروب ہونے والی چیز حادث اور فانی ہے اُس کا معبود ہونا محال ہے خدا کے لیے بقاء اور دوام ضروری ہے اور فنا اور زوال اور تغیر اور تبدل الوہیت کے منافی ہے اور جب چاند اور سورج معبود نہیں ہو سکتے تو پتھر کے خود تراشیدہ بت بدرجۂ اولیٰ معبود نہیں ہو سکتے۔

عارف رومی قدس سرہٗ السامی ملکہ سبا یعنی ملکہ بلقیس کے قصہ میں فرماتے ہیں جس کی قوم شمس وقمر اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی ان کی تردید میں فرماتے ہیں ؎

① آفتاب از امر حق طباخ ماست　　　ابلہی باشد کہ گویم او خداست

دلیل اوّل: سورج خدا کے حکم سے ہمارا باورچی ہے جو ہماری کھیتیوں کو پکاتا ہے اور حکمِ خداوندی کا تابع ہے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے باورچی کو خدا کہنا صاف بیوقوفی ہے۔

② آفتابت گر بگیرد چوں کنی　　　آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی

دلیل دوم: تیرا یہ معبود سورج اگر اس کو گہن لگ جائے تو بتلا کہ تو اس سے اس گہن کی سیاہی کو کس طرح دور کرے گا اس سیاہی کو دور کرنا تیری قدرت میں نہیں ذرا غور تو کر کیا خدا کو بھی سیاہی لگ جاتی ہے۔

نے بدرگاہ خدا آری صداع　　　کیں سیاہی را ببر دادہ شعاع

کیا ایسی حالت میں تو بارگاہ خداوندی میں اپنی مصیبت اور مشکل کو نہیں پیش کرے گا اور یہ درخواست نہیں کرے گا کہ اے خدا اس کی سیاہی کو دُور کر اور اس کی شعاع کو واپس فرما۔ پس ایسی بے بس مخلوق کیسے خدا ہو سکتی ہے خدا وہ ہے جو نور اور ظلمت کا مالک ہو اور جب چاہے آفتاب اور ماہتاب کی روشنی کو چھین لے اور جب چاہے اُسے واپس کر دے۔

③ گر کشندت نیم شب خورشید کو　　　تابنالی یا امان یابی ازو

دلیل سوم: اگر آدھی رات کو تجھ پر قاتلانہ وار کیا جائے جب کہ سورج غائب ہوتا ہے تو پھر کون ہے کہ جس کے حضور میں تو نالہ وفریاد کرے یا اُس سے امان پائے۔

☐ حادثات اغلب بشب واقع شود   واں زماں معبود تو غائب بود

قتل اور چوری کے حادثات اکثر رات کے وقت میں ہوتے ہیں اور اس وقت تیرا معبود غائب ہوتا ہے اُس کو کچھ خبر نہیں کہ تجھ پر کیا گزر رہی ہے لہٰذا ایسا معبود اختیار کرو جو ہر وقت اور ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔

سوئے حق گر راستانہ خم شوی   وارہی از اختراں محرم شوی

تو اگر صدق دل سے حق تعالیٰ کی طرف جھک جائے تو ستاروں کی عبادت سے چھوٹ جائے اور اسرار الٰہیہ کا محرم بن جائے۔ مثنوی ص ۵۰ دفتر چہارم

پھر عارف رومی اس دفتر چہارم ص ۱۳۱ پر دنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی کے سمجھانے کے لیے بعض اشیاء عالم کے انقلابات اور تغیرات اور کون وفساد یعنی بننے اور بگڑنے کو بطور نظائر بیان فرماتے ہیں۔

④ روز دیدی طلعت خورشید خوب   مرگ اورا یاد کن وقت غروب

دلیل چہارم: دن میں تو نے آفتاب کے طلوع کا بہت عمدہ جلوہ دیکھا ہے غروب کے وقت اس کی موت کا بھی تو کرشمہ دیکھ کہ آفتاب کے حسن وجمال پر کس طرح موت آتی ہے آفتاب کی اس حالت سے تجھ کو عبرت پکڑنی چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ آفتاب کا یہ نور اُس کا ذاتی نہیں بلکہ ﴿نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کا عطیہ اور ادنیٰ سا پرتو ہے۔

⑤ بدر را دیدی بریں خوش چار طاق   حسرتش راہم ببیں وقت محاق

دلیل پنجم: تو نے آسمان کے خوبصورت خیمہ پر چودھویں رات کا چاند تو دیکھ لیا اب اس کے بعد اس کے محاق یعنی اُس کے گھٹنے اور بتدریج بے نور ہونے کے وقت اس کی حسرت کو بھی دیکھ کہ کس طرح بتدریج اس کے حسن وجمال کو زوال آیا۔

⑥ کودکے از حُسن شد مولائے خلق   بعد فردا شد خرف رسوائے خلق

دلیل ششم: ایک نوعمر لڑکا اپنے حُسن وجمال کی وجہ سے مخلوق کا سردار بن جاتا ہے بعد چندے پیر فرتوت یعنی بڈھا پھوس ہو کر دنیا کی نظر میں رسوا اور قابل نفرت ہو جاتا ہے۔

⑦ گرتنِ سیمیں براں کردت شکار   بعد پیری بیں تنے چوپنبہ زار

دلیل ہفتم: اگر کسی سیمین بدن کے حسن وجمال نے تیرا شکار کر لیا ہے تو بڑھاپے میں اس کا بدن دیکھ کہ سفید داڑھی اور سفید مونچھوں اور سفید بالوں سے روئی کے کھیت کے مشابہ ہو گیا ہے۔

مطلب یہ ہے جس طرح ایک انسان کے حسن وجمال کا اختلال اور اُس کا زوال اس امر کی دلیل ہے کہ وہ معبود بنانے کے قابل نہیں اسی طرح آفتاب اور ماہتاب کے حسن وجمال کا اختلال اور اس کا زوال اس امر کی دلیل ہے کہ شمس وقمر معبود نہیں ہوسکتے۔ (دیکھو مثنوی مولانا روم ص ۱۳۱ ج ۴ دفتر چہارم) دُور تک اسی قسم کی تمثیلات اور تشبیہات کا سلسلہ چلا گیا ہے۔

حکایت: مولانا عبدالحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کے خلاصہ میں لکھتے ہیں کہ ایک معتبر تفسیر میں لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام

شہر میں تشریف لائے اور نمرود کی ملاقات کے لیے آپ کے گھر والے اُس ناپاک ظالم کے دربار میں لے گئے۔ نمرود ایک بہت بڑا کریہ المنظر شخص تھا آپ علیہ السلام نے اس کے دربار میں جا کر دیکھا کہ تخت پر ایک نہایت بدصورت شخص بیٹھا ہے اور بہت سی حسین اور خوبصورت لونڈیاں اس کے تخت کے آگے صف بستہ کھڑی ہیں۔ اس وقت ابراہیم علیہ السلام اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے یہ کون شخص ہے جس کی ملاقات کے لیے مجھے لائی ہو؟ ماں بولی ابراہیم علیہ السلام یہ سب کا خدا ہے ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اچھا یہ تخت کے اِردگرد جو صف باندھے کھڑے ہیں یہ کون لوگ ہیں؟ کہا اس کی مخلوق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سن کر مسکرائے اور کہنے لگے: اے ماں! تعجب کی بات ہے کہ تمہارے اس خدا نے اپنی صورت تو ایسی بھونڈی اور کریہ بنائی اور اپنی مخلوق کو اپنے سے اچھا اور خوبصورت پیدا کیا' چاہیے تو یہ تھا کہ وہ خود مخلوق سے بہتر اور خوبصورت ہوتا۔ انتہیٰ کلامہٗ

تتمہ قصہ مذکورہ

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ مذکورہ کا تتمہ بیان فرماتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑنا شروع کیا اور چاہا کہ بے ہودہ حجتوں سے ان پر غالب آجائیں اور یہ کہا کہ ایک معبود کا ہونا غلط ہے اور بت پرستی اور ستارہ پرستی یہ قدیم رسم ہے ﴿ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴾ (الانبیاء: ۵۳) ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارہ میں جھگڑتے ہو اور تحقیق اللہ نے مجھ کو اپنی توحید اور معرفت کا راستہ دکھلا دیا ہے کہ خدا کے سوا ہر چیز فانی اور ناقص ہے اور خدائی کے لیے کمال مطلق اور بقاء اور دوام ضروری ہے اور میں اُن چیزوں سے نہیں ڈرتا جن کو تم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ابراہیم علیہ السلام نے جب بُت پرستی کا رد کیا تو لوگوں نے اُن کو ڈرایا اور یہ کہا کہ تم بتوں کو بُرا نہ کہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو کسی بلا اور مصیبت میں پھنسا دیں اور وہ کہیں تم کو سودائی نہ بنا دیں تو ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے جواب میں فرمایا کہ میں تمہارے بتوں سے کیوں ڈروں وہ تو پتھر ہیں نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع ڈرنا تو اُس ذات سے چاہیے جو نفع اور ضرر کی مالک ہو مگر یہ کہ میرا پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو وہ پہنچ کر رہے گی تو وہ تکلیف خدا کی طرف سے ہوگی نہ کہ ان بتوں کی طرف سے ہوگی بعض اوقات انبیاء کرام علیہم السلام کو کوئی تکلیف پہنچتی تو مشرک اس کو اپنے بتوں کی طرف منسوب کرتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہہ کر اُن کے شبہ کو دُور کر دیا کہ میرا پروردگار اگر کوئی تکلیف پہنچانا چاہے گا تو پہنچ جائے گی تو وہ تکلیف خدا کے ارادہ اور مشیت سے پہنچے گی نہ کہ بتوں کی وجہ سے میرا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے کوئی شے اُس کے علم سے باہر نہیں۔ پس تم کیا نصیحت نہیں پکڑتے کہ عاجز اور قادر کے درمیان فرق سمجھو۔ ڈرنے کے قابل وہ ذات ہے کہ جس کا علم اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہو اور تمہارے معبودوں میں یہ دونوں صفتیں مفقود ہیں کیونکہ تمہارے یہ بت پتھر ہیں نہ ان کو کسی چیز کی خبر ہے اور نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں اور میں کس طرح ڈروں اُن چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو وہ تو پتھر ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو نفع اور نقصان پہنچا سکتے ہیں اور تم اپنے اس جرم عظیم سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک گردانا جن کی شرکت پر اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری محض بے دلیل اور ہوائے نفس اور اغواء شیطان سے ان کو پوجتے ہو مطلب یہ ہے کہ ڈرنا تم کو چاہیے مگر الٹا تم ہمیں ڈراتے ہو۔ پس اب تم ہی بتلاؤ کہ ان دونوں فریقوں یعنی موحدین اور مشرکین میں سے قیامت کے دن کون سا فریق امن کا زیادہ حق دار اور سزاوار ہے یعنی ہم موحد ہیں اور ایک واحد قہار اور قادر مقتدر پر ایمان رکھتے ہیں اور تم مشرک ہو

ایک عاجز کو پوجتے ہو تو اب ہم اور تم میں نجات کا مستحق کون ہے اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ خیر تم تو کیا بتلاتے ہم تم کو بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم یعنی شرک کے ساتھ نہیں ملایا ایسے ہی لوگوں کے لیے قیامت کے دن امن ہے اور وہی دنیا میں راہ راست پر ہیں یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ امن کا مستحق وہ ہے جو ایمان لایا اور اُس نے اپنے ایمان کو شرک سے پاک رکھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مقولہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا ہو۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ظلم سے مراد اس جگہ شرک ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ نہیں ملایا قیامت کے دن اُن کی لیے امن اور نجات ہے یعنی مؤمن موحد کا انجام نجات ہے اور مشرک کبھی نہیں بخشا جائے گا اور یہ حجت اور دلیل جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر پیش کی یہ ہماری تلقین کردہ حجت اور دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اُس کی گمراہ قوم کے مقابلہ میں عطاء کی تا کہ اپنی قوم پر حجت قائم کرے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے مقابلہ میں جو دلائل اور براہین بیان کئے وہ ہماری تعلیم و تلقین تھی۔ کسی معلم بشری اور استاذ انسانی کی تعلیم کا اثر نہ تھا ہم جس کو چاہتے ہیں درجات اور مراتب کے اعتبار سے اتنا بلند کر دیتے ہیں کہ کسی کی مجال نہیں کہ اُس درجہ اور مرتبہ تک پہنچ سکے بے شک تیرا پروردگار حکمت والا ہے جس کو چاہتا ہے علم اور حکمت سے اور دلیل اور حجت سے نوازتا ہے۔

اب اس کے بعد حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں چودہ پیغمبروں کا ذکر کیا کہ جو سب توحید کی دعوت اور شرک کا رد کرتے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام کا بھی ذکر کیا تا کہ اصول اور فروع دونوں اعتبار سے ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی اور خدا پرستی ثابت ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ سب حضرات موحد اور توحید کے داعی اور شرک کے رد کرنے والے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے پاس سے علم و حکمت عطا کیا بلکہ ہم نے اُن کو اسحٰق علیہ السلام جیسا بیٹا اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا بخشا کہ جس کی اولاد میں ہزاروں نبی ہوئے اور سلسلہ توحید کا جاری رہا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو توحید اور اخلاص اور اہل شرک سے مباحثہ اور مناظرہ کے صلہ میں علاوہ رفع درجات کے ہم نے اُن کو نیک اور صالح اولاد عطا کی علم و حکمت کا فضل ذاتی تھا اور اولاد کا صالح اور متقی ہونا یہ فضل اضافی تھا۔ ان سب کو ہم نے ہدایت دی یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام سب راہ حق پر تھے ان میں سے کوئی بھی مشرک اور یہودی اور نصرانی نہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام سے دس قرن پہلے ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت دی جو ابراہیم علیہ السلام کے جد امجد تھے اور موحد اور مخلص تھے اور باپ کا شرف بیٹے میں سرایت کرتا ہے گزشتہ آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعض فروع کا ذکر تھا اب اس آیت میں بعض اصول کا ذکر فرمایا اس لیے کہ نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جد امجد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ہدایت دی اسی طرح ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت دی اور اُن کی ذریت صالحہ جو کشتی میں اُن کے ہمراہ سوار تھی اُن کو نجات دی اور باقی سب غرق کر دئے گئے اور اس امن اور نجات کے بعد اللہ تعالیٰ نے صرف ذریت نوح کو باقی رکھا اب سارے آدمی انہیں کی اولاد سے ہیں اس لیے نوح علیہ السلام کو آدم علیہ السلام ثانی کہتے ہیں یہ تو حضرت نوح علیہ السلام کی خصوصیت ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے بعد جو نبی مبعوث ہوا وہ انہی کی اولاد میں سے ہوا۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ ﴾ (العنكبوت:٢٧)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ ﴾ (الحديد:٢٦)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنْ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ ۗ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۫ وَّ مِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْرَآءِیْلَ ۫ وَ مِمَّنْ هَدَیْنَا وَ اجْتَبَیْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِیًّا ﴿۵۸﴾ ﴾ (مریم)

اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہم نے ہدایت دی داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو اور ایوب اور یوسف علیہما السلام کو اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق نیک کام کئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو نیک کاموں کی جزاء دی اور اسی طرح ہم نیکوں کو جزاء دیا کرتے ہیں ظاہری سلطنت کے اعتبار سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں ہمرنگ ہیں کہ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اور شدائد اور مصائب پر صبر کرنے کے لحاظ سے حضرت ایوب اور حضرت یوسف علیہما السلام میں خاص مشابہت ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں بھائی ہیں۔ ان میں کسی مناسبت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہما السلام کے بطور وزیر تھے۔ اسی لیے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں ان میں سے ہر دو ناموں کے بعد لفظ (کو) بڑھایا ہے تاکہ اسی مناسبت کی طرف اشارہ ہوجائے اور نیز ہم نے ہدایت دی زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہم السلام کو خاص شانِ امتیازی حاصل ہے اس لیے ان چاروں کو علیحدہ ذکر کیا اور ہر ایک کو صلاح کے ساتھ موصوف کیا اور نیز ہم نے ہدایت دی اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط علیہم السلام کو اور ان سب کو ہم نے فضیلت دی تمام جہان والوں پر حضرت اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط علیہم السلام اُن انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہیں جن کے مخلوق میں زیادہ متبع اور پیرو نہیں ہوئے اور نہ ان کو ظاہری سلطنت اور دُنیاوی ریاست و وجاہت تھی اور نہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی طرح زہد اور قناعت میں شانِ امتیازی تھی اس لیے ان چاروں کو یکجا ذکر فرمایا۔

اور نیز ان حضرات مذکورین کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو طریق حق کی ہدایت دی اور ہم نے ان کو برگزیدہ بنایا اور راہ راست کی طرف ان کو ہدایت کی اور یہ ہدایت جو ان حضرات کو عطا ہوئی یہ اللہ کی خاص ہدایت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے یہ ہدایت دیتا ہے اور اگر بفرض محال یہ لوگ شرک کرتے تو ان کے وہ عمل ضائع ہوجاتے جو وہ کرتے تھے کیونکہ خدا کے یہاں مشرک کے اعمال قبول نہیں یہاں تک توحید اور ہدایت کا مسئلہ بیان فرمایا۔

اب آگے مسئلہ نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ جماعت وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطاء کی جس کے ذریعہ طریقۂ حق کی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ پس اگر یہ مکہ کے کافر آپ کے طریق ہدایت کا انکار کریں تو آپ غم نہ کیجیے کیونکہ پس تحقیق ہم نے آپ کے طریق ہدایت کے قبول کرنے کے لیے ایسے گروہ کو مقرر کیا جو ان باتوں کے منکر نہیں اس گروہ سے مراد مہاجرین اور انصار کا گروہ ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق ہدایت کو دل و جان سے قبول کیا یہ انبیاء مذکورین وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص ہدایت دی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی روش اور طریقہ کی پیروی کیجیے مطلب یہ ہے کہ توحید اور ابطال شرک میں ان کے طریقہ پر چلو یا صبر اور تحمل میں ان کی چال پر چلو یا اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ میں اُن کا طریقہ اختیار کرو آپ صاف کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس تبلیغ قرآن پر کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت تمام جہان کے لوگوں کے لیے اور بس جو اس نصیحت کو قبول نہ کرے وہ اپنی بدبختی اور محرومی کا ماتم کرے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان مقبولانِ خدا جن کا ان آیات میں ذکر کیا گیا ان کی راہ راہِ ہدایت تھی اور یہ سب خدا تعالیٰ کے ہدایت یافتہ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اُن کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام موحد اور مخلص تھے اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے بعد اُن

کی نسل میں سے یہ لوگ جن کی بزرگی بلاد عرب وعجم میں مشہور تھی وہ بھی سب موحد تھے مشرک نہ تھے پس جس کو راہ ہدایت مطلوب ہو وہ ان حضرات کی اقتداء کرے اور ان کی طرح توحید کا قائل ہو اور شرک سے اجتناب اور نفرت کرے اور اخلاق اور اعمال میں ان کی پیروی کرے اور توحید اور اطاعت خداوندی یہی صراط مستقیم ہے جس پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام چلتے آئے اے نبی کریم ﷺ آپ بھی انہی انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقہ پر چلیے اور ان ظالموں کی تکذیب کی ذرہ برابر پرواہ نہ کیجیے اور صاف کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا یہ صرف ایک نصیحت سراپا حکمت ہے جس کا دل چاہے قبول کرے اور جس کا نہ چاہے نہ قبول کرے۔ ﴿وَاللّٰهُ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾

لطائف ومعارف

① بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چمکدار ستارہ زہرہ یا مشتری اور پھر چاند اور سورج کو دیکھ کر ﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾ کہنا یہ ان کی ذاتی نظر وفکر تھی اور یہ ماجرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بچپن کے زمانہ کا واقعہ ہے جب کہ اُن کو یہ علم نہ تھا کہ میرا رب کون ہے مگر یہ صحیح نہیں تمام علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا مسلک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ﴿هٰذَا رَبِّيْ﴾ بطور ذاتی نظر وفکر کے نہ تھا بلکہ اپنی قوم سے مناظرہ اور محاجہ کے لیے تھا کہ اپنی قوم پر ہیاکل اور اصنام کی عبادت کا بطلان واضح کریں۔ اوّل اصنام ارضیہ کی عبادت کا گمراہی ہونا بیان کیا کہ بتوں کی عبادت سراسر گمراہی اور جہالت ہے اور بعد ازاں کواکب سماویہ کی الوہیت کا بطلان واضح فرمایا اور بتلایا کہ کوئی چیز ان میں سے خدائی کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ غرض یہ کہ باپ اور قوم کے سامنے بت پرستی اور کواکب پرستی دونوں ہی کی ضلالت کو آشکارا کیا۔

معاذ اللہ۔ معاذ اللہ! یہ بات نہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی شک اور شبہ اور تردد میں پڑے ہوئے تھے کہ چاند اور سورج کی چمک اور دمک کو دیکھ کر اُن کو دھوکا لگا ہو اور یہ شبہ ہوا ہو کہ شاید یہ میرا رب ہو اور جب آفتاب غروب ہوتے دیکھا تب یہ شبہ دور ہوا حاشا ثم حاشا حضرات انبیاء کرام علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات میں کبھی دھوکہ نہیں لگتا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ابتداء ولادت ہی سے اعلیٰ درجہ کے ولی اور عارف ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نبوت اور بعثت سے پیشتر اگرچہ نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے اولیاء اور عرفاء ضرور ہوتے ہیں جن کی ولایت اور معرفت کے سامنے ہزاراں ہزار جنید اور شبلی کی ولایت اور معرفت بھی ہیچ ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام صفاتِ خداوندی سے جاہل نہیں ہوتے اور نہ اُن کو کسی وقت صفاتِ خداوندی میں کسی قسم کا دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کا شک اور شبہ پیش آتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تو خاص شان ہے وہ تو شجرۃ الانبیاء اور قدوۃ الحنفاء کے نام سے مشہور ہیں اور خداوند ذوالجلال کے خاص منظور نظر ہیں۔

قَالَ اللّٰهُ عزّوجل : ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴾ (الانبیاء)

"اور تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ابتداء ہی سے اُن کی شان کے مطابق خاص رشد اور خاص ہدایت عطاء کی تھی اور ہم اُن کی استعداد اور فطرت کو پہلے ہی سے خوب جانتے تھے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتدائے فطرت ہی سے رشیدی اور مہتدی تھے اور آغاز طفولیت ہی سے شمس وقمر کو خدا تعالیٰ کی ادنیٰ مخلوق

سمجھتے تھے قوم چونکہ کواکب پرستی میں مبتلا تھی اس لیے اُن کے عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر بطور فرض محال تھوڑی دیر کے لیے تمہارے زعم فاسد کے مطابق یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ستارہ میرا رب ہے تو اچھا تھوڑی دیر اس کے غروب اور اُفول کا انتظار کرو تم کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کواکب لائق الوہیت نہیں۔ اس لیے کہ وہ سب حکم خداوندی کے مسخر ہیں ان کی چال اور سمت حرکت اور اس کی جہت اور مسافت سب معین ہے اُس کے خلاف حرکت نہیں کر سکتے کبھی طلوع ہے اور کبھی غروب ہے ایک حال پر قرار نہیں اُن کی روشنی اور اُن کی حرکت اور جہت اور سمت اپنے اختیار میں نہیں خدا تعالیٰ نے جس کوکب کو جتنی روشنی عطا کر دی ہے اتنی ہی مقدار اُن میں روشنی ہے اپنی ذات میں وہ کسی تصرف کے مالک نہیں پس وہ لائق الوہیت اور عبادت کیسے ہو سکتے ہیں؟ بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے معبودانِ باطلہ سے اپنی بیزاری اور علیحدگی بیان فرمائی۔ غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ تمام کلام از اوّل تا آخر بطور مباحثہ اور بطریق مناظرہ تھا۔ معاذ اللہ اُن کی ذاتی نظر و فکر نہ تھی جیسا کہ بعد کی آیتیں ﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ﴾ اور آیت ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ﴾ صراحتاً اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ تمام کلام کواکب پرستوں کے ساتھ مناظرہ اور محاجہ تھا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی ذاتی نظر و فکر نہ تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ مناظرہ تھا ذاتی نظر نہ تھی۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۱ ج ۲)

② آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے اور تارخ اُن کا لقب ہے یا اس کے برعکس تارخ نام ہے اور آزر لقب ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ آزر اُن کے چچا تھے اور تارخ ان کے باپ تھے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے فرماتے ہیں کہ کسی نبی کا باپ مشرک نہیں گزرا۔ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں متعدد رسائل تالیف فرمائے ہیں جو طبع ہو چکے ہیں ان کو دیکھ لیا جائے۔

نکتہ: عجب نہیں کہ نبی کے باپ یا چچا یا بیٹے کے گمراہ ہونے میں اشارہ اس طرف ہو کہ کسی کو ہدایت دینا نبی کے اختیار میں نہیں ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (القصص: ۵۶) نبی کا کام فقط حق کی دعوت اور تبلیغ ہے اور کسی کو ہدایت دینا یا گمراہ کرنا یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو ہدایت پر نہ لا سکے اور لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو ہدایت پر نہ لا سکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کو مسلمان نہ بنا سکے۔ ﴿وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○﴾ (النور: ۴۶)

③ معتزلہ کہتے ہیں کہ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ میں ظلم سے مراد معصیت ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس نے اپنے ایمان کو معصیت کے ساتھ مخلوط نہیں کیا یعنی اپنے ایمان کو گناہوں سے محفوظ رکھا تو اس کے لیے امن ہے ورنہ نہیں۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آیت میں ظلم سے مطلق معصیت مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (لقمان: ۱۳) گویا کہ ظلم کی تنوین تعظیم کے لیے ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو شخص بغیر شرک کے مرے گا اُس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کو عذاب نار سے امن ملے گا یعنی مؤمن موحد کا انجام نجات ہے اور مشرک کبھی نہیں بخشا جائے گا۔

مطلب دیگر: کہ امن کامل اور ہدایت کاملہ اُن لوگوں کو حاصل ہے کہ جن کا ایمان کبائر کی نجاستوں سے پاک اور منزہ ہے اور جن لوگوں کا ایمان کبائر اور معاصی سے آلودہ ہے ان کا امن خطرہ میں ہے۔

④ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر فرمایا: حضرت ابراہیم اور حضرت نوح اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا پھر ان چار کے بعد چودہ پیغمبروں کا ذکر فرمایا حضرت داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

مطلب یہ ہے کہ توحید اور خدا پرستی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر موقوف نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اُن کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی ذریت ناجیہ سب موحد اور خدا پرست تھے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے پیغمبر آئے جن کی بزرگی تمام بلادِ عرب میں معروف ومشہور ہے وہ سب موحد تھے اور شرک سے بری اور بیزار تھے۔

⑤ ان اٹھارہ پیغمبروں کے علاوہ جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے وہ سات ہیں۔

حضرت آدم اور ادریس اور شعیب اور صالح اور ھود اور ذو الکفل اور سیدنا محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام ان سمیت سب پچیس ہوئے۔

⑥ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دس قرن تک تمام لوگ توحید پر متفق رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں شرک کا آغاز ہوا اور بت پرستی شروع ہوئی اور نوح علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی اور بت پرستی اور شرک کا رد کیا۔ اس لیے ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے نوح علیہ السلام کی ہدایت کا ذکر فرمایا۔

⑦ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایمان باللہ اور توحید اور اُصول دین میں متفق ہیں جن میں نسخ جاری نہیں ہوتا اور شریعتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدہ: ۴۸)۔ لہٰذا آیت مذکورہ ﴿أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ میں توحید اور اُصولِ دین میں اقتداء اور اتباع مراد ہے شریعت ہر نبی کی علیحدہ ہے شریعت میں اقتداء اور اتباع مراد نہیں کیونکہ شریعتوں میں نسخ ہوتا رہا ہے اور نسخ کے بعد منسوخ کا اتباع ہدیٰ نہیں بلکہ ہوائے نفس ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ

اور انہوں نے نہ جانچا اللہ کو پورا جانچنا جب کہنے لگے اللہ نے اتارا نہیں کسی انسان پر

شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى

کچھ تو کہہ کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لایا روشنی اور ہدایت

لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا

لوگوں کی جس کو تم نے ورق ورق کر کر دکھایا اور بہت چھپا رکھا اور تم کو اس میں سکھایا جو

لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ

نہ جانتے تھے تم نہ تمہارے باپ دادے کہہ اللہ نے اتاری پھر چھوڑ دے ان کو اپنی بک بک میں

يَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ

کھیلا کریں اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت کی سچ بتاتی اپنے اگلے کو

وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

اور تاتو ڈراوے اصل بستی کو اور آس پاس والوں کو اور جن کو یقین ہے آخرت کا

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾

وہ اس کو مانتے ہیں اور وہ ہیں اپنی نماز سے خبردار

منکرین نبوت کی تردید اور تہدید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ . . . الى . . . وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾﴾

ربط : گزشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جو منکرین توحید کی تردید پر مشتمل تھا۔ اب آئندہ آیات میں منکرین نبوت کے بعض ہفوات کی تردید فرماتے ہیں۔ مالک بن صیف یہودی عالم اور دیگر بعض علماء یہود نے جوشِ عداوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب ہی نازل نہیں کی اور ایک روایت میں ہے کہ یہود نے یہ کہا کہ واللہ! آسمان سے اللہ نے کوئی کتاب ہی نازل نہیں کی گویا کہ ان معاندین نے جوش عداوت میں انزال کتب وارسال رُسل کے سلسلہ ہی کی سرے سے نفی کردی اور ظاہر ہے کہ انزال کتب کا انکار در پردہ اللہ کی صفت علم اور صفت کلام کا انکار ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور یہود پر یہ الزام قائم کیا کہ بتلاؤ موسیٰ علیہ السلام پر کس نے کتاب نازل کی آخر وہ بھی تو بشر تھے اور ان بدبختوں کی مذمت اور تہدید میں یہ فرمایا کہ بدنصیبوں نے ہماری نعمت کی قدر نہ کی ہم نے ان کی ہدایت کے لیے قرآن جیسی مبارک کتاب نازل کی مگر انہوں نے اس سے اعراض کیا جن کے دل میں خوف خدا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کلام خداوندی ہے اور جن کو آخرت کا خوف نہیں وہ شرارت سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ان معاندین نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی اس کی قدر چاہیے تھی جب کہ انہوں نے ضد اور عناد میں بے دھڑک یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کبھی کوئی کتاب نازل ہی نہیں کی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ذریعہ وہ صحیفۂ ہدایت ہے جو اللہ نے اپنے کسی برگزیدہ بشر پر نازل کیا عجیب بات ہے کہ مشرکین عرب تو سرے ہی سے نبوت اور رسالت کے منکر تھے اور بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے (مگر حجری کو) (یعنی پتھر ہونے کو) الوہیت کے منافی نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہ وہ پتھروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ﴾ (یونس:۲)

وَ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٤﴾﴾ (الاسراء)

اور یہود اگرچہ نبوت ورسالت کے قائل تھے مگر بعض یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے ضد اور جوشِ عناد میں یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں کی اور نزول کتاب کو خدا کی ناقدری اس طرح فرمایا کہ جو شخص انبیاء کرام علیہم السلام پر نزول کتاب کا قائل نہیں وہ خدا تعالیٰ کا قدر شناس نہیں اور اس کو خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت نصیب نہیں خدا کی صحیح معرفت خدا کی نازل کردہ کتاب ہی سے ہوسکتی ہے نیز کلام صفتِ کمال ہے جو متکلم نہیں وہ ناقص ہے پس جو شخص نزول وحی اور نزول کتاب کا منکر ہے وہ خدا تعالیٰ کو متکلم نہیں مانتا گویا وہ خدا کو ناقص قرار دے رہا ہے اور خدا کے نبیوں پر نزول کتاب کا انکار یہ خدا تعالیٰ کے غیر متکلم ماننے کی نشانی ہے اس سے بڑھ کر خدا کی گستاخی اور ناقدری کیا ہوسکتی ہے اے نبی آپ اُن کے جواب میں یہ کہد یجیے کہ اچھا بتلاؤ وہ کتاب کس نے اتاری جس کو موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس لے کر آئے یعنی توریت جس کو تم بھی مانتے ہو درانحالیکہ وہ لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی جس کو تم نے اپنی اغراض نفسانیہ کی بناء پر دو قسم کے ورقوں پر تقسیم کیا ہوا ہے بعض اوراق کو جو تمہاری غرض کے مطابق ہوتے ہیں ان کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سے اوراق کو چھپا کر رکھتے ہو علماء یہود نے توریت کے علیحدہ علیحدہ اوراق کر رکھے تھے جن میں کوئی امر ان کی خواہش کے خلاف نہ ہوتا اُن کو سب پر ظاہر کر دیتے اور جن میں آنحضرت ﷺ کی بشارت یا صفت مذکور تھی اُن کو چھپاتے تھے اور آیت رجم کو چھپاتے اور اسی خدا کی نازل کردہ کتاب یعنی توریت کی بدولت تم کو وہ باتیں تعلیم کی گئیں جن کو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد کو اُن کا علم تھا دین اور شریعت کی تمام باتیں تم کو خدا کی نازل کردہ کتاب یعنی توریت ہی کے ذریعہ تم کو معلوم ہوئیں اس سے پہلے تم سب جاہل تھے بتلاؤ یہ کتاب سراپا نور ہدایت کس نے اتاری خیر یہ ضدی لوگ تو کیا جواب دیں گے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ یہ کتاب اللہ ہی نے اُتاری ہے یعنی اس سوال کا ایک ہی جواب ہے جو ایسا ظاہر ہے کہ جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اس لیے آپ اُن کے جواب کا انتظار نہ کیجیے اور خود ہی کہہ دیجیے کہ اللہ نے اتاری ہے پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو اُن کو چھوڑ دیجیے کہ وہ اپنی بک بک اور کج بحثی میں کھیلا کریں آپ ﷺ کا کام تو تبلیغ تھا وہ ہو چکا اور جس طرح توریت ہماری نازل کردہ کتاب تھی۔ اسی طرح یہ قرآن ایک عجیب کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے جس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا موجب فلاح دارین ہے کسی کی یہ مجال نہیں کہ اس جیسی بابرکت کتاب لاسکے قرآن مجید ہی کی برکت سے عرب کی کایا پلٹ ہوگئی۔ علاوہ ازیں یہ کتاب اُن آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں یعنی یہ قرآن کتب سماویہ کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ توحید کی تعلیم سب میں موجود ہے اور تمام کتب سماویہ اس پر متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ شریک اور تمام عیبوں سے منزہ ہے اور ہم نے اس مبارک کتاب کو اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے اہل مکہ کو اور تمام روئے زمین کے لوگوں کو جو مکہ کے گرداگرد دنیا میں آباد ہیں سب کو ڈرائیں کہ جو اللہ کی کتاب کو نہیں مانے گا وہ مستحق عذاب ہوگا اُم القریٰ مکہ کا نام ہے جس کے معنی تمام بستیوں کی ماں اور جڑ کے ہیں اس لیے کہ مکہ وسط ارض میں ہے اور سارا جہان اسی کے گرد آباد ہے اور تمام روئے زمین کی بستیاں اسی کے گرداگرد اور جوانب میں ہیں یا یہ معنی ہیں کہ اس مبارک کتاب کے ذریعہ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو خاص طور پر ڈرایئے جیسا کہ ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (الشعراء: ۲۱۵) میں قریبی رشتہ داروں کو خاص طور پر ڈرانے کا حکم آیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ﴿مَنْ حَوْلَهَا﴾ سے مکہ کے آس پاس کی بستیاں مراد ہیں یا سارا جہان مراد ہے کیونکہ مکہ کی زمین تمام زمین کی ناف ہے اسی جگہ سے شرقاً و غرباً تمام زمین پھیلائی گئی اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ یعنی جن کو عذاب کا اندیشہ ہے اور

جزاء وسزا کا ڈر ہے وہ اس مبارک کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور وہی اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ یہ نماز اُن کو آخرت میں کام آئے یعنی جن کو آخرت کا یقین ہے وہ تو نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے ایمان لے آتے ہیں اور جو لوگ آخرت سے نڈر ہیں وہ کیوں ایمان لانے لگے۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ

اور اس سے ظالم کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا کہے مجھ کو وحی آئی اور اس کو

يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ

وحی کچھ نہیں آئی اور جو کہے میں اتارتا ہوں برابر اس کے جو اللہ نے اُتارا اور کبھی تو

تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ

دیکھے جس وقت ظالم ہیں موت کی بے ہوشی میں اور فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں کہ

اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ

نکالو اپنی جان آج تم کو جزا ملے گی ذلت کی مار اس پر کہ کہتے تھے

عَلَی اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

اللہ پر جھوٹ باتیں اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور تم ہمارے پاس آئے

فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ

ایک ایک جیسے ہم نے بنائے تھے پہلی بار اور چھوڑ دیا جو ہم نے اسباب دیا تھا

ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ

پیٹھ کے پیچھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارش والے جن کو تم بتاتے تھے کہ ان کا تم میں

ع ۱۱ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

ساجھا ہے ٹوٹ گئے تم آپس میں اور جاتے رہے جو دعویٰ تم کرتے تھے۔

مدعیانِ نبوت کی تہدید

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا... الٰی... وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾

ربط: گذشتہ آیات میں منکرین نبوت کی تردید تھی۔ اب ان آیات میں مدعیان نبوت کی تہدید ہے منکرین نبوت' مختلف قسم کے تھے بعض نبوت اور نزول کے تو منکر تھے ﴿اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾ مگر اپنے لیے بھی وحی اور نبوت کے مدعی نہ تھے اور بعض وہ تھے جو خود اپنے لیے نبوت اور وحی کے مدعی تھے جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ مسیلمہ کذاب کچھ تک بندی کرتا اور دعوی یہ کرتا کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور اسی طرح صنعاء یمن میں اسود عنسی کو یہ خبط لاحق ہوا اور اُس نے بھی وحی اور نبوت کا دعویٰ کیا اور بعض مشرکین (جیسے نضر بن حارث) قرآن کریم کی آیتوں کو سن کر یہ کہہ دیا کرتے تھے ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ﴾ (الانفال:۳۱) یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں اور قرآن جیسی کتاب تصنیف کرسکتے ہیں یہ لوگ قرآن کریم کو کتاب سماوی اور مُنَزَّل مِنَ اللّٰہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ اُس کو آنحضرت ﷺ کی تصنیف سمجھتے تھے اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم بھی اس جیسی کتاب تصنیف کرسکتے ہیں اور نضر بن حارث یہ بھی کہتا تھا کہ اگر بالفرض مجھ پر کوئی عذاب نازل ہونے لگے تو لات وعزیٰ میری شفاعت کردیں گے۔ ان تمام معاندین کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یعنی خدا کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جو اس کی شان رفیع کے لائق نہیں مثلاً خدا کا شریک ٹھہرائے یا اس کے لیے بیٹا یا بیوی تجویز کرے یا یوں کہے کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں کی ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ﴾ یا یہ کہے ﴿اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (الاسراء:۹۴) یا یہ کہے کہ اللہ تو فقیر ہے اور ہم غنی ہیں یا یہ کہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں وغیر ذلک من الخرافات یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آتی۔ یہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا یا جیسا کہ اس زمانہ میں مرزا غلام قادیانی نے صدہا جھوٹ اللہ پر باندھے اور وحی اور الہام کا دعویٰ کیا اور اسی طرح اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم جس نے یہ کہا کہ میں بھی ویسا ہی کلام اتار دوں گا جیسا کہ اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ پر اتارا ہے یہ نضر بن حارث اور مشرکین کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جو قرآن کی نسبت کہا کرتے تھے لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا قرآن بنا سکتے ہیں اور اس زمانہ میں غلام قادیانی نے بھی اپنے کلام کے معجزہ ہونے کا دعویٰ کیا اور قصیدۂ اعجازیہ کے نام سے ایک قصیدہ شائع کیا جو صرفی اور نحوی اور عروضی غلطیوں سے بھرا ہوا ہے اور جو شخص قرآن کریم کی طرح اپنے کلام کے معجزہ ہونے کا مدعی ہے تو وہ درپردہ مدعی الوہیت ہے کہ کلام خداوندی کی طرح میرا کلام بھی معجز ہے۔

غرض یہ کہ اس قسم کے تمام لوگ بڑے ہی ظالم ہیں اور ظلم میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں جس نے نبوت اور نزول وحی اور نزول کتاب کا انکار کیا وہ بلاشبہ ظالم ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم وہ شخص ہے جو نبوت اور وحی کا اپنے لیے مدعی ہو اور اس سے بڑھ کر ظالم وہ ہے جو اپنے کلام کو کلام خداوندی کی طرح معجز سمجھتا ہو اور اس طرح سے درپردہ الوہیت اور خداوند قدوس کی ہمسری کا مدعی ہو یہ سب اعلیٰ درجہ کے ظالم ہیں اور ان کا انجام سخت خطرناک ہے اور کاش اے مخاطب تو اُس وقت کو دیکھے کہ جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور موت کے فرشتے اُن کی جان نکالنے کے لیے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اور اُن سے بطور تمسخر اور تحقیر یہ کہتے

ہوں گے کہ اپنی جانوں کو اپنے جسموں سے باہر نکالو آج تم کو ذلت کے عذاب کی جزاء دی جائے گی اور ذلت وخواری کا یہ عذاب تمہارے تکبر کی جزاء ہے۔

مطلب یہ ہے کہ فرشتے کافروں کو مار مار کر جان نکالتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ آج تم کو ذلت اور خواری کا عذاب دیا جائے گا۔ اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور اللہ کی آیتوں کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے یہ کیفیت اور شدت تو موت کے وقت ہوگی اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ بطور سرزنش یہ فرمائیں گے البتہ تحقیق تم ہمارے پاس تن تنہا اور ایک ایک کرکے آئے ہو جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار دنیا میں پیدا کیا تھا کہ نہ بدن پر کوئی کپڑا تھا اور نہ کوئی جوتا اور جو مال ومتاع ہم نے تم کو دیا تھا جس کے غرور اور گھمنڈ میں ہمارے احکام کے قبول کرنے سے تکبّر کرتے تھے۔ آج وہ سب تم اپنی پیٹھ کے پیچھے ہی چھوڑ آئے یعنی دنیا میں تم جو مال و زر اور اولاد اور حشم اور خدم ہم نے دیئے تھے جن پر تم کو گھمنڈ تھا وہ سب پیچھے ہی چھوڑ آئے کہ اب ان سے کوئی چیز تم کو نظر بھی نہیں آتی اور آج ہم تمہارے ساتھ ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا یہ زعم اور اعتقاد تھا کہ تمہارے اندر یعنی تمہارے معاملہ میں خدا کے شریک ہیں بتوں کے متعلق تمہارا خیال تھا کہ یہ اللہ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے قیامت کے دن اُس خیال کی غلطی ظاہر ہو جائے گی اور تمہارے درمیان قطع تعلق ہو جائے گا یعنی تم ایک دوسرے سے منقطع ہو جاؤ گے وہ تم سے علیحدہ ہو جائیں گے اور تم اُن سے بری اور بیزار ہو جاؤ گے اور تم سے وہ سب کچھ گم ہو جائے گا جو تم گمان کرتے تھے یعنی تمہاری ساری امیدوں پر پانی پھر جائے گا اور تم حیران اور پریشان کھڑے رہ جاؤ گے اور کوئی تمہارا یار و مددگار نہ ہوگا۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ

اللہ ہے کہ پھوڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی اور نکالتا ہے مردہ سے زندہ اور نکالنے والا

الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ

زندہ سے مردہ یہ ہے اللہ پھر کہاں پھرے جاتے ہو پھوڑ نکالنے والا صبح کی روشنی اور

جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ

رات بنائی آرام اور سورج اور چاند حساب یہ اندازہ رکھا ہے زور آور

الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ

خبردار نے اور اُسی نے بنا دیئے تم کو تارے کہ اُن سے راہ پاؤ اندھیروں میں

الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیْٓ

جنگل اور دریا کے ہم نے کھول سنائے پتے اُن لوگوں کو جو جانتے ہیں اور اس

اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا

نے تم کو نکالا ایک جان سے پھر کہیں تم کو ٹھہراؤ ہے اور کہیں سپرد رہنا ہم نے کھول

الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ

سنائے پتے اس قوم کو جو بوجھتے ہیں اور اُسی نے اُتارا آسمان سے پانی

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا

پھر نکالی ہم نے اس سے اُگنے والی ہر چیز پھر اُس میں سے نکالا سبزہ جس سے نکالتے ہیں دانے

مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ

جڑے ہوئے اور کھجور کے گابھے میں سے گچھے لٹکتے ہیں اور باغ

اَعْنَابٍ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی

انگور کے اور زیتون اور انار آپس میں ملتے اور جدے دیکھو اس کا

ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ یَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

پھل جب پھل لاتا ہے اور اس کا پکنا ان چیزوں میں سب پتے ہیں یقین لانے والوں کو

ذکرِ مظاہر قدرت و عجائب صنعت برائے اثباتِ الوہیت و وحدانیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ... اِلٰی... لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اثبات نبوت کا بیان تھا۔ اب اس کے بعد پھر اُسی مضمون توحید کی طرف رجوع فرماتے ہیں جو شروع سورت سے چلا آرہا ہے ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اشیاء متضادہ ومختلفہ پر اپنی قدرت کاملہ کے آثار اور اپنی مخلوقات کے عجائب حالات کو بیان کیا تاکہ وجود صانع اور اُس کی کمال قدرت اور کمال علم وحکمت کی دلیل بنیں اور مشرکین پر یہ امر واضح ہو جائے کہ اُن کے تمام معبودانِ باطلہ اور شرکاء مہملہ ان عجائب قدرت میں سے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے بھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ پس وہ مستحق عبادت کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے عالم علوی اور عالم سفلی سے پانچ دلیلیں بیان کیں تاکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو اور یہ پانچ دلیلیں اہل بصیرت کے لیے بمنزلہ آئینہ کے ہیں جن میں سے خداوند ذوالجلال کے جمال باکمال کا جلوہ نظر آتا ہے۔

دلیل اوّل : ﴿ إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿۹۵﴾ ﴾
بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کا اور گٹھلیوں کا یعنی جب دانہ اور گٹھلی کو زمین میں بویا جاتا ہے تو اُس سے قسم قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوتے ہیں جو باعتبار صورت اور شکل اور حرارت اور برودت اور کیفیت اور خاصیت اور تلخی اور حلاوت کے مختلف ہوتے ہیں حالانکہ مادہ اور طبیعت سب کی ایک ہے اور چاند اور سورج کی روشنی اور ہوا سب کی ایک ہے اور یہ ایسی عجیب وغریب صنعت ہے جو عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہے معلوم ہوا کہ یہ کسی بڑے صانع حکیم اور قادر علیم کی کارسازی ہے جو اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے یعنی ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے جیسے ایک نطفۂ بے جان سے انسان اور حیوان کو نکالتا ہے اور انسان اور حیوان سے نطفہ بے جان نکالتا ہے اور انڈے سے مرغی کا بچہ اور مرغی سے انڈا نکالتا ہے اور مؤمن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کافر سے مؤمن کو اور مؤمن سے کافر کو نکالتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے یہ ہے اللہ جو ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے اور عدم کو پھاڑ کر اس میں سے موجود کو نکالتا ہے یہ مادہ اور نیچر اور طبیعت کا کام نہیں کہ صنعت کے ایسے عجیب وغریب کرشمے دکھا سکے۔ پس تم کہاں حق سے پھرے جاتے ہو یعنی خدا تو یہ خالق ہے جس کی صنعت سے عقل حیران ہے ایسے خدا کی عبادت کرو مادہ اور طبیعت اور ایتھر کا کیوں نام لیتے ہو۔

دلیل دوم : ﴿ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۹۶﴾ ﴾
وہ صبح کا پھاڑنے والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ رات کی ظلمت اور تاریکی کو پھاڑ کر صبح کا ستون نکالتا ہے یعنی رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح صادق نمودار ہو جاتی ہے اور رات کے اندھیرے میں سے صبح صادق کا اجالا نکالنا یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور اس نے رات کو راحت اور سکون کا ذریعہ بنایا کہ دن کا تھکان رات کے سونے سے جاتا رہتا ہے اور اُس نے چاند اور سورج کو حساب کا ذریعہ بنایا جس سے لوگوں نے مہینے اور سال مقرر کیے یہ اندازہ ہے زورآور علم والے کا جس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی گھڑی غلط ہو جاتی ہے مگر خدا کی گھڑی یعنی چاند اور سورج اپنے طلوع اور غروب میں غلطی نہیں کرتی۔

دلیل سوم : ﴿ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۹۷﴾ ﴾
اور وہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے نفع اور فائدہ کے لیے ستارے بنائے تا کہ تم اُن کے ذریعہ جنگل اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کر سکو اندھیری رات میں ستاروں کے ذریعہ راستہ کی سمت معلوم ہوتی ہے تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو علم اور عقل رکھتے ہیں۔ یعنی علم اور عقل والوں کو ہم نے استدلال کا طریقہ بتلا دیا کہ وہ ان چیزوں سے خدا کی وحدانیت اور قدرت پر استدلال کر سکتے ہیں ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا تا کہ وہ آسمان کی زینت ہوں اور شیاطین کے رجم کا سامان ہوں اور رات کی تاریکیوں میں اُن سے راستہ اور سمت معلوم ہو سکے باقی ستاروں کی تاثیرات کا قائل ہونا بالکل غلط ہے۔ تاثیر کے معنی کسی چیز میں اپنی قدرت سے اثر کرنے کے ہیں تو ستارے بالذات تو کسی چیز میں مؤثر نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ستارے مخلوق ہیں اور مخلوق بالذات کسی چیز میں مؤثر نہیں ہو سکتی اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں اور اسباب ظاہری کی طرح ان میں تجربہ اور مشاہدہ مفقود ہے اور اگر بالفرض اللہ نے ان میں کوئی تاثیر رکھی ہے تو وہ اللہ ہی کو معلوم ہے ہمیں اس تاثیر کا کوئی علم نہیں اللہ تعالیٰ نے جتنا بتلا دیا وہ حق ہے اُس کے سوا سب وہم وگمان ہے۔

دلیل چہارم : ﴿ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۹۸ ﴾

اور وہ وہ ہے کہ جس نے تم کو ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور سلسلہ توالد اور تناسل کا جاری کیا پھر تمہارے لیے ایک مستقر یعنی جائے قرار ہے یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے اس سے مراد دنیا ہے اور ایک مستودع یعنی سونپے جانے کی جگہ ہے اس سے مراد قبر ہے جہاں انسان عارضی طور پر ودیعت رکھا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد ایک مدت تک تم کو دُنیا میں رکھتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۳۶ ﴾ (البقرہ) پھر اس کے بعد تم کو مارتا ہے اور مرنے کے بعد تم کو قیامت تک قبروں میں رکھتا ہے اور اس کے بعد تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستودع سے چند روزہ دنیا مراد ہے اور مستقر سے قبر مراد ہے جس میں ایک طویل عرصہ تک ٹھہرنا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستقر سے پشت پدر مراد ہے اور مستودع بمعنی جائے امانت سے رحم مادر مراد ہے۔ تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں اُن لوگوں کے لیے بیان کر دیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں سمجھ جائیں کہ ایک اصل (یعنی نفس واحدہ) سے بے شمار مختلف الانواع اور مختلف الاشکال اشخاص کا پیدا کرنا کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے جس پر سوائے خداوند قدوس کے کوئی قادر نہیں اور فلاسفہ اور سائنس دانوں کا یہ دعویٰ کہ یہ تمام تغیرات اور انقلابات محض مادۂ بسیطہ اور اس کے اجزاء لاتتجزی کی حرکت قدیمہ سے ظہور میں آئے ہیں دعویٰ بلا دلیل ہے۔ جیسا کہ اس ناچیز نے اپنے رسالہ (اثبات صانع عالم و ابطال دہریت و مادیت) میں تفصیل کے ساتھ اس دعوے کا مہمل ہونا واضح کر دیا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

دلیل پنجم : ﴿ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ ... الی ... اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۹۹ ﴾

اور جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک نفس واحدہ (آدم علیہ السلام) سے مختلف قسم کے انسان پیدا کیے۔ اسی طرح اُس خدا نے آسمان یعنی بادل سے ایک قسم کا پانی اتارا پھر ہم نے اُس پانی کے ذریعہ سے باوجود اُس پانی کے ایک ہونے کے ہر قسم کی اُگنے والی چیزیں اُگائیں جن کے اقسام اور انواع کی شمار بھی انسان کی قدرت اور اختیار سے باہر ہے پھر ہم نے اُس میں سے سبزہ نکالا جس سے ہم اناج کے دانے نکالتے ہیں جو تو برتو ہوتے ہیں یعنی اُس سے ایسے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں یہ تو غلوں کی کیفیت کا بیان ہوا جن کا اجمالی طور پر ﴿ فَالِقُ الْحَبِّ ﴾ میں ذکر آ چکا ہے۔ اب آئندہ آیات میں درختوں اور پھلوں کا ذکر کرتے ہیں جو گٹھلیوں سے پیدا ہوتے ہیں جن کا اجمالی ذکر ﴿ وَ النَّوٰى ﴾ میں آ چکا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی اُس کے گابھے سے بعض خوشے ایسے ہوتے ہیں جو لٹکے اور جھکے ہوئے ہوتے ہیں جس تک آدمی کا ہاتھ بآسانی پہنچ سکتا ہے اور بعض بلندی پر ہوتے ہیں اس سے بھی خدا کی قدرت کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور اسی ایک پانی سے ہم نے انگوروں کے باغ نکالے اور زیتون اور انار کے درخت نکالے اس حال میں کہ اُن کے بعضے پھل صورت اور شکل اور رنگ اور مزہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں یعنی یکساں اور ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض مختلف اور جدا ہوتے ہیں بعضے پھل تاثیر اور خاصیت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض مختلف ہوتے ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے کہ مادہ ایک ہے اور خواص اور آثار مختلف ہیں ذرا ان درختوں کے پھلوں کی طرف نظر تو کرو جب درخت پھل لاوے کہ اس کا رنگ اور مزہ کیسا اور بُو کیسی اور اُس کے پکنے کو دیکھو کہ کس طرح بتدریج پکتا جاتا ہے اور اس کا رنگ اور مزہ بدلتا جاتا ہے اس سے بھی خدا تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اندازہ لگاؤ بے شک ان

اُمور مذکورہ بالا میں خدا تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال صنعت کی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں ذرا سے غور سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تمام تغیرات کسی قادر مختار کی قدرت کے کرشمے ہیں بےجان اور بے شعور طبیعت اور مادہ سے ایسی عجیب وغریب صنعتوں کا ظہور عقلاً محال ہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے کھیتی کے بعد چار قسم کے درخت ذکر فرمائے کھجور، انگور، زیتون، انار اور کھیتی کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ انسان کی غذا ہے اور یہ پھل ہیں اور یہ چاروں میوے تمام میووں سے افضل ہیں اور فوائد اور منافع میں سب سے بڑھ کر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار کے ذکر پر اقتصار فرمایا ۔

برگ درختانِ سبزدر نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ظاہر میں توحید کے پانچ دلائل ذکر کیے مگر درحقیقت ہر دلیل بے شمار دلیلوں پر مشتمل ہے۔

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ
اور ٹھہراتے ہیں شریک اللہ کے جن اور اس نے ان کو بنایا اور تراشتے ہیں اس کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝١٠٠ ع
بن سمجھے وہ اس لائق نہیں اور بہت دور اُن باتوں سے جو بتاتے ہیں

۱۲ ع ٦ ۱۸

ابطال شرک و تشنیع اہل شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ... اِلٰی... سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝١٠٠ ع﴾

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ آیات میں حق جل شانہٗ نے توحید اور الوہیت اور کمال قدرت کی پانچ دلیلیں ذکر فرمائیں۔ اب آئندہ آیات میں ان لوگوں کی تردید اور تہدید فرماتے ہیں جنہوں نے خدا کے لیے شریک اور سہیم ٹھہرائے اور خدا کے شریک ٹھہرانے والے تین گروہ ہیں ایک گروہ بت پرستوں کا ہے جن کا شروع سورت سے لے کر برابر رد ہوتا چلا آیا اور دوسرا گروہ کواکب پرستوں کا ہے جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں رد ہو چکا ہے اور مشرکین کا تیسرا گروہ مجوس کا ہے جو عالم کے لیے دو خدا کے قائل ہیں ایک خیر کا خالق اور ایک شر کا خالق اب اس پہلی آیت یعنی ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ﴾ میں مشرکین کے تیسرے گروہ یعنی مجوس کا رد ہے۔

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت مجوس کے رد میں نازل ہوئی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دراصل مجوس کے بارہ میں ہے اور مقصود ان بیوقوفوں پر تشنیع کرنا ہے جو اس عالم کے لیے دو خدا مانتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۱۱۱ ج ۴ و ص ۱۱۲)

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین عرب کے رد میں ہے اور چونکہ کفر اور شرک کا ارتکاب اغواء شیطانی سے ہوتا ہے اس لیے اُن کے اغواء اور اضلال سے غیر اللہ کی عبادت کرنا گویا کہ شیاطین ہی کی عبادت کرنا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يَاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ﴾ (مریم: ۴۴)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ۝۶۰ ﴾ (یٰسین)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ۝۱۱۷ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ﴾ (النساء)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں راجح قول یہی ہے کہ یہ آیت مجوس کے بارہ میں نازل ہوئی اور اس کو شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے موضح القرآن میں اختیار فرمایا۔

اب آیت کی تفسیر سنیے اور ان مشرکوں میں سے بعضوں نے جنوں کو اللہ کا شریک اور سہیم ٹھہرالیا ہے حالانکہ خود ان لوگوں کے اقرار کے موافق بھی اللہ ہی نے ان جنوں اور ان شریک ٹھہرانے والوں کو پیدا کیا ہے سب اُس کی مخلوق ہیں جیسا کہ خود ان کو بھی اقرار ہے کہ جنات اور شیاطین سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں پس کس قدر ظلم ہے کہ مخلوق کو خالق کا شریک ٹھہراتے ہیں آیت میں جن سے مراد شیاطین ہیں اور یہ آیت مجوس کے متعلق ہے جن کا اعتقاد یہ تھا کہ نور کا خالق خدا ہے اور ظلمت کا خالق شیطان ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجوسیوں نے کہا تھا کہ شیطان خدا کا شریک ہے نیکی کو خدا پیدا کرتا ہے اور اس کو یزدان کہتے تھے اور بدی کو شیطان پیدا کرتا ہے اور اس کو اھرمن کہتے تھے۔ (موضح القرآن)

اور یزدان کی فوج کو ملائکہ یعنی فرشتے اور اھرمن (یعنی ابلیس) کی فوج کو جن اور شیاطین کہتے تھے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مجوس کا مذہب نقل کیا اب آئندہ آیت میں اُن لوگوں کا مذہب نقل کرتے ہیں جو خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں ثابت کرتے ہیں اور پھر اس کا ردّ فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بعض مشرکین نے بغیر علم کے محض جہالت سے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراشی ہیں نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے اور بعض یہود کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے اور مشرکین عرب یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان تینوں کی تردید کی اور بتلادیا کہ یہ ان لوگوں کا خدا پر بہتان ہے جس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اولاد اپنے باپ کا جزء ہوتی ہے اور اس کے مشابہ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ تجزیہ اور مشابہت سے پاک اور منزہ ہے اور وہ ان تمام باتوں سے بلند اور برتر ہے کہ جو یہ لوگ خدا کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ خداوند قدوس تو بے چون وچگون ہے ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ اور وہ چیزیں جن کو ان لوگوں نے خدا کا شریک اور سہیم ٹھہرایا ہے وہ چونی اور چندی میں گرفتار ہیں وہ معبود کیسے ہوسکتی ہیں عبادت کی مستحق تو وہ ذات بابرکات ہے جس کے صفات اور کمالات کا اوپر ذکر ہوا۔

بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ

نئی طرح بنانے والا آسمان و زمین کا اُس کو کہاں سے ہو بیٹا اور اُس کو کوئی

صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَىۡءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ

عورت نہیں اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے یہ

اللّٰهُ رَبُّكُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ ۚ وَهُوَ

اللہ ہے رب تمہارا اس کے سوا کسی کو بندگی نہیں بنانے والا ہر چیز کا سو تم اُس کی بندگی کرو اور اُسی پر

عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ ۚ

ہر چیز کا حوالہ ہے اس کو نہیں پا سکتیں آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو

وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۰۳﴾

اور وہ بھید جانتا ہے خبردار۔

ابطالِ عقیدۂ ابنیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ... الی ... وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ﴿۱۰۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں جب توحید کی پانچ دلیلیں بیان کیں اور مشرکین کے عقائدِ شرکیہ کی تردید کی تو اب آئندہ آیات میں خاص طور پر نصاریٰ کے عقیدۂ ابنیت کا ابطال فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد سے پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہ بغیر مادہ اور بغیر نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا موجد ہے یعنی محض نیست سے ہست کرنے والا ہے یعنی یہ آسمان و زمین جو تمام عالم کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ سب اسی کا پیدا کیا ہوا اور بنایا ہوا ہے جس میں ''اھرمن'' بھی داخل ہے اور حضرت عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام اور اُن کی والدہ مریم صدیقہ علیہا السلام اور آسمان و زمین کے تمام فرشتے بھی اس میں داخل ہیں۔ اُس کے لیے اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟ حالانکہ اُس کے کوئی بیوی نہیں اور اولاد کے لیے بیوی کا ہونا ضروری ہے اور نصاریٰ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں لیکن یہ جرأت اور جسارت وہ بھی نہیں کر سکے کہ معاذ اللہ حضرت مریم علیہا السلام کو خدا تعالیٰ کی بیوی قرار دے سکیں اور خدا تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیوی کا ہونا اس لیے محال ہے کہ بیٹا باپ کے اور بیوی شوہر کے ہم جنس ہوتی ہے اور خدا کا ہم جنس کوئی نہیں اور اللہ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ پس اگر کسی ایک مخلوق کا خدا کا بیٹا ہونا جائز اور ممکن ہو تو پھر ایک کی خصوصیت کیا ہر مخلوق کا بیٹا بننا ممکن ہوگا اور جس طرح وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی طرح وہ ہر شے کا جاننے والا ہے کسی شے کی حقیقت اور اُس کی صفت اور حالت اُس سے ذرہ برابر پوشیدہ نہیں جس طرح اُس کی تخلیق اور ایجاد تمام کائنات کو

محیط ہے اسی طرح اُس کا علم بھی سب کو ہر طرح سے محیط ہے کیونکہ بغیر علم کے پیدا کرنا ناممکن ہے ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ (الملک: ۱۴) پس معبود وہی ہوسکتا ہے کہ جس کی قدرت اور جس کا علم تمام ممکنات کو محیط ہو یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار یعنی جس کی صفات اُوپر مذکور ہوئیں وہی اللہ ہے اور وہی قابل عبادت ہے اور جو ایسا نہیں وہ نہ اللہ ہے اور نہ قابل عبادت ہے۔ پس مشرک جو بتوں کو پوجتے ہیں اور نصاریٰ جو خدا کے لیے بیٹا ٹھہراتے ہیں وہ دونوں غلطی پہ ہیں جس کے بیٹا ہو وہ خدا ہی کیا ہوا ہم ہی جیسا آدمی ہوا اور بت جو کسی چیز کے خالق نہیں اور نہ اُن کو کسی چیز کی کوئی خبر اُن کے پوجنے سے کیا حاصل؟ پس خوب سمجھ لو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس اسی کی بندگی کرو اور وہی ہر چیز کا کارساز اور محافظ اور نگہبان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے جو کہ بے نظیر اور بے مثال ہو کوئی اُس کا ہم جنس نہ ہو اور ہر چیز کا خالق اور محافظ اور نگہبان اور کارساز ہو اور اُس کی تخلیق اور تکوین اور اس کا علم تمام ممکنات کو محیط ہو اور جس میں یہ صفت نہ ہو وہ لائق عبادت نہیں اور اس معبود برحق کی علوشان کا یہ حال ہے کہ نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے یعنی سب نگاہیں اُس کے ادراک اور احاطہ سے عاجز اور درماندہ ہیں آنکھوں میں یہ طاقت اور قوت نہیں کہ وہ اس کو دیکھ سکیں اور وہ سب آنکھوں اور نگاہوں اور بینائیوں کا محیط ہے اور وہ نہایت لطیف اور باریک بین خبردار ہے وہ ان چیزوں کا بھی ادراک کرتا ہے جن کے ادراک سے تمام نگاہیں قاصر ہیں باریک بین سے مراد یہ ہے کہ وہ اشیاء کے اندرونی حالات سے بخوبی واقف ہے کوئی شے خواہ کیسی ہی دقیق کیوں نہ ہو وہ اس سے مخفی نہیں اس بیان سے یہ ظاہر ہوگیا کہ لطیف کا تعلق ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ سے ہے خبیر کا تعلق ﴿هُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ سے ہے بلاتشبیہ اور بلاتمثیل کے ایسا سمجھو کہ جیسے روح ہے کہ نگاہیں اُس کے ادراک سے قاصر ہیں اور روح نگاہوں کا اور تمام چیزوں کا ادراک کرسکتی ہے اسی وجہ سے افعال انسانی کو روح کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کسی اور شے کی طرف نسبت نہیں کی جاتی اس سے کافروں کے اس شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ خدا ہم سے غائب کیوں ہے اور وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔

جواب اس طرح ہوگیا کہ وہ معبود برحق لطیف وخبیر ہے کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتا جیسے روح کمال لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اسی طرح وہ لطیف وخبیر بھی نظر نہیں آتا اور اس عالم اجسام میں ہوا بھی ایک جسم لطیف ہے اپنی لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو علیم وقدیر اور لطیف وخبیر ہو اور یہ صفت سوائے اللہ کے کسی کے لیے ثابت نہیں پھر کیسے کوئی اس کا شریک اور سہیم ہوسکتا ہے۔

اس آیت یعنی ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ سے معتزلہ اور خوارج اور شیعہ اور مرجیہ وغیرہ بدعتی فرقوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بہشت میں حق تعالیٰ شانہٗ کا دیدار نہ ہوگا معتزلہ نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کا دیدار ناممکن ہے۔

اہل سنت والجماعت کا اعتقاد اس بارہ میں یہ ہے کہ بہشت میں خدا تعالیٰ کا دیدار افضل ترین نعمت ہے اور اگر سچ پوچھا جائے تو اصل بہشت اُس کے دیدار کی لذت ہی کا نام ہے وہ بہشت ہی کیا ہوئی جس میں محبوب حقیقی کا دیدار نصیب نہ ہو۔ علاوہ ازیں جنت میں رؤیت باری آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے جن کا انکار درپردہ شریعت کا انکار ہے۔

⁂

آیاتِ قرآنیہ

① ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ ﴾ (القیامۃ) ② ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ﴾ (یونس:۲۶)
③ ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ ﴾ (الکہف)
④ ﴿ وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ (الدہر) (ای الحق سبحانہٗ)
⑤ ﴿ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ﴾ (المطففین)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے کفار کو عار دلائی ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے محجوب ہوں گے یعنی اُن کے اور خدا کے درمیان حجاب یعنی پردہ ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان اس کو بے حجاب دیکھیں گے کیونکہ وہ بھی اگر کافروں کی طرح حجاب میں رہے تو اُن میں اور کافروں میں کیا فرق رہا اور محجوب ہونے میں کافروں کی کیا تخصیص ہوئی۔

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جو رؤیت باری تعالیٰ کے امکان اور وقوع پر دلالت کرتی ہیں ان آیات کی تفسیر کے موقع پر اس مقصد کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے۔

احادیثِ نبویہ

رہی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سو احادیثِ متواترہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر جماعت سے مروی ہیں اُن سے بطریق تواتر یہ ثابت ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دار آخرت میں بلا اشتباہ اور بلا مزاحمت کے اس طرح دیکھیں گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو بلا مزاحمت دیکھتے ہیں۔

کتب احادیث میں رؤیت باری تعالیٰ کا ایک مستقل باب ہے اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے حادی الارواح میں اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے البدور السافرہ میں دیدار خداوندی کی احادیث کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے حضرات اہل علم اس کی مراجعت کریں۔

اب رہی آیت زیرِ تفسیر سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اہل سنت کے مسلک کے منافی نہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے رؤیت کی نفی نہیں کی بلکہ ادراک ابصار کی نفی کی ہے اور ادراک اور رؤیت میں بڑا فرق ہے ادراک کے معنی لغت میں کسی چیز کو اپنے احاطہ میں لے لینے کے ہیں خدا تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں: ﴿ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ ﴾ (الشعراء) یعنی جب فرعون کے لشکر نے بنی اسرائیل کا تعاقب اور پیچھا کیا تو موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اب تو ہم پکڑ لیے گئے اور گھیر لیے گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا ﴿ كَلَّا ﴾ وہ ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔ معلوم ہوا کہ ادراک کے معنی رؤیت کے نہیں بلکہ احاطۂ تام کر لینے اور قبضہ میں لے لینے کے ہیں کیونکہ فرعونیوں نے بنی اسرائیل کو دیکھ تو لیا تھا مگر ادراک یعنی پکڑنے سے قاصر اور عاجز رہے معلوم ہوا کہ ادراک اور شے ہے اور رؤیت اور شے ہے اور ادراک کی نفی سے رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی پس آیت ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ... الخ ﴾ کے معنی یہ ہوں گے کہ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں البتہ وہ لطیف و خبیر تمام ابصار اور مبصرات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ لہٰذا آخرت میں حق تعالیٰ کی رؤیت ہوگی مگر احاطہ نہ ہوگا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ:۱۱۰) بندے اللہ تعالیٰ کا باعتبار علم کے احاطہ نہیں کر سکتے مگر اللہ تعالیٰ کو

جانتے اور پہچانتے سب ہیں احاطہ کی نفی سے مطلق علم کی نفی لازم نہیں آتی اور حدیث میں ہے: ((لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك)) کوئی بندہ اللہ کی ثناء اور توصیف کا احصاء اور احاطہ نہیں کرسکتا، مگر اس سے مطلق ثناء کی نفی لازم نہیں آتی۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے کہ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ نگاہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہیں مگر اللہ کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور اللہ تعالیٰ تمام ابصار کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ امام نحو یہ کہتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی اللہ کی کُنہ اور حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔ سو آنکھیں اُس کو دیکھیں گی مگر احاطہ نہیں کرسکیں گی جس طرح دل اللہ کو جانتے اور پہچانتے ہیں مگر محیط نہیں۔ اسی طرح آنکھیں اللہ کو دیکھ سکتی ہیں مگر احاطہ نہیں کرسکتیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں ادراک بمعنی احاطہ اور تحدید کی نفی ہے مطلق رؤیت کی نفی نہیں۔

مطلق رؤیت باری آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے آنکھیں شمس وقمر کو دیکھتی ہیں مگر اس کی حقیقت اور کنہ کا ادراک نہیں کرتیں تو اسی طرح خداوند قدوس کے دیدار پُر انوار کو سمجھو کہ نگاہیں نور السماوات والارض کو دیکھیں گی مگر اس کی کنہ اور حقیقت کے ادراک سے عاجز اور درماندہ ہوں گی۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱٦٦ ج ۲ و تفسیر قرطبی ص ۵۴ ج ۷ و تفسیر کبیر ص ۱۲۰ ج ۴)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں پس اس سے آخرت کے نہ دیکھنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ دنیا کی آنکھیں ضعیف ہیں اور آخرت کی آنکھیں قوی ہیں اس میں کیا استبعاد ہے کہ جو بات دنیا میں ناممکن ہو وہ آخرت میں ممکن ہو جائے۔

اور شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کو دیکھ سکے ہاں اگر وہ خود از راہ لطف وکرم اپنے کو دکھانا چاہے گا تو آنکھوں میں ویسی قوت پیدا کر دے گا کہ جس سے اہل ایمان حسب مراتب خدا تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے۔ انتہیٰ

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ
تم کو پہنچ چکیں سوجھ کی باتیں تمہارے رب سے پھر جو سوجھا سو اپنے واسطے اور جو اندھا رہا
فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ
سو اپنے برے کو اور میں نہیں تم پر نگہبان اور یوں پھیر پھیر سمجھاتے ہیں ہم آیتیں اور
لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ
تا کہیں کہ تو پڑھا ہے اور تا کہ واضح کریں ہم اُس کو واسطے سمجھ والوں کے تو چل اُس پر جو حکم آوے تجھ کو
مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰٦﴾ وَلَوْ
تیرے رب سے کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے اور جانے دے شریک والوں کو اور اگر اللہ

شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشۡرَكُوۡا ؕ وَ مَا جَعَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ۚ وَ مَآ اَنۡتَ

چاہتا تو شریک نہ کرتے اور تجھ کو ہم نے نہیں کیا ان کا نگہبان اور تجھ

عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

پر نہیں اُن کا حوالہ اور تم لوگ بُرا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا

فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدۡوًاۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ۖ

کہ وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے بن سمجھ اسی طرح ہم نے بھلے دکھائے ہیں ہر فرقہ کو اُن کے کام

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

پھر ان کو اپنے رب کے پاس پہنچنا ہے تب وہ جتا دے گا جو کچھ کرتے تھے۔

اتمام حجت بر منکرین نبوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قَدۡ جَآءَكُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ ... الٰى ... فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾﴾

ربط: حق جل شانہٗ نے جب اپنے وجود اور کمال قدرت اور وحدانیت کی دلیلیں بیان کر دیں تو اب منکرین نبوت کے چند شبہات نقل کر کے اُن کا جواب دیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ حجت پوری ہو چکی اور دلائل اور بصائر تمہارے سامنے آ چکے ہیں جو اُن سے بصیرت حاصل کرے گا وہ فائدہ اٹھائے گا اور جو اندھے پن کی حالت میں پڑا رہے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ مشرکین عرب قرآن کریم میں ایک شبہ تو یہ پیش کرتے تھے کہ حضور پُرنور ﷺ اپنی ذات سے اُمی ہیں آپ ﷺ نے علماء اہل کتاب سے یہ مضامین پڑھ کر اور اُن سے انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص کو سن کر یاد کر لیا ہے آپ اُن سے پڑھ کر اور سن کر یہ مضامین ہمارے سامنے بیان کر دیتے ہیں ورنہ آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کے حالات کا کیا علم اور ﴿وَلِيَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ﴾ میں اسی شبہ کا ذکر ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۲۴ ج ۴)

دوسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ یہ نبی ہماری خواہشوں کے موافق معجزات کیوں نہیں دکھاتا اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ بخدا اگر ہم کو ہمارے یہ فرمائشی معجزات دکھا دیئے جائیں مثلاً کوہ صفا کو ہمارے لیے سونا بنا دیا جائے وغیرہ وغیرہ تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے اور ﴿وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ لَّيُؤۡمِنُنَّ بِهَا ؕ﴾ میں اسی شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۲۸ ج ۴)

کہ اُن کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں یہ جھوٹے لوگ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے اس سے پہلے جو معجزے اُن کی فرمائش کے مطابق اُن کو دکھائے گئے مثل شق القمر وغیرہ ان پر یہ کب ایمان لائے اسی طرح اب بھی ایمان نہ لائیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: (اے لوگو!) تحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے دل کو بینا کرنے والی چیزیں آ چکی ہیں یعنی توحید اور رسالت اور قیامت کی ایسی روشن دلیلیں آ چکیں ہیں جن کو دیکھ کر دل کی آنکھیں کھل جائیں اور ہدایت اور گمراہی کا فرق آنکھوں کے سامنے آ جائے بصر اُس نور

کو کہتے ہیں جس سے سر کی آنکھ روشن ہو جائے اور بصیرت اُس نور کو کہتے ہیں جس سے دل کی آنکھ روشن ہو جائے اور بصائر جمع بصیرت کی ہے جس کے معنی دل کی بینائی کے ہیں۔ پس جس نے دل کی آنکھ سے حق اور ہدایت کو دیکھ لیا سو اُس نے اپنے نفع کے لیے دیکھا اور جو شخص اندھا بن گیا اور حق کی طرف سے اُس نے آنکھیں بند کر لیں سو اُس نے اپنا ہی نقصان کیا اور میں تم پر نگہبان نہیں کہ جبراً وقہراً تمہیں حق دکھلا ہی دوں نظر اٹھا کر دیکھنا یہ تمہارے اختیار میں ہے میرا کام صرف تبلیغ اور دعوت ہے اور اسی طرح ہم اپنے دلائل اور براہین کو پھیر پھیر کر مختلف طریقوں سے بار بار بیان کرتے ہیں تا کہ مخالفین پر حجت پوری ہو جائے اور تا کہ یہ معاندین ضد اور عناد میں آ کر یہ کہیں کہ اے محمد ﷺ! آپ نے ان آیات بینات اور ان مضامین کو علماء یہود سے پڑھ لیا ہے اور آپ اُن سے پڑھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی وحی ہے اور ان کا یہ کہنا محض عناد کی بناء پر تھا جس کا بطلان بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ اگر اُن کے نزدیک یہ قرآن اللہ کا کلام اور اس کی وحی نہیں بلکہ علماء یہود کا پڑھایا ہوا سبق ہے تو آپ لوگوں کو کس نے پڑھنے سے منع کر دیا ہے آپ بھی انہیں علماء یہود کے پاس جا کر اس قسم کی آیتیں بنوا لائیے اور قرآن کے مقابلہ میں اُن کو پیش کر دیجیے خاص کر جب کہ علماء یہود آپ کے تو خاص دوست ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہیں آپ کو پڑھانے سے کب انکار کر سکتے ہیں اور ہم دلائل اور براہین کو پھیر پھیر کر اس لیے بیان کرتے ہیں تا کہ ہم اس دین کو اہل عقل کے لیے واضح کر دیں یعنی تا کہ اہل دانش جن کا دل عناد سے خالی ہے وہ ان آیات کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ حق کس طرف ہے۔

الغرض ان آیات کی تصریف میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ معاندین کا عناد خوب ظاہر ہو جائے اور ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل و دانش رکھتے ہیں اور ناواقف ہیں اور معاند نہیں وہ سمجھ جائیں اور حق ان پر واضح ہو جائے اور اگر کچھ سمجھے ہوئے ہیں تو بار بار بیان کرنے سے اُن کو بصیرت حاصل ہو جائے کیونکہ ایک مضمون جب بار بار مختلف عنوانات سے بیان کیا جاتا ہے تو وہ خوب دلنشین ہو جاتا ہے۔ پس اے نبی! آپ ﷺ اُس چیز کی پیروی کیجیے کہ جو تیرے پروردگار کی طرف سے تیری جانب وحی کی گئی ہے اور لوگوں کے اس کہنے کی پرواہ نہ کیجیے کہ تو نے یہ قرآن یہود سے پڑھ لیا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں الوہیت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور اگر مشرکین اپنے شرک پر اصرار کریں تو آپ غمگین نہ ہوں بلکہ ان مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے ان کی خرافات کی طرف التفات نہ کیجیے اور نہ ان کی ہدایت کی فکر میں پڑیے کیونکہ اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے مگر خدا کو منظور نہیں اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکمت اس کو مقتضی نہیں کہ لوگوں کو زبردستی مومن بنا دیا جائے اللہ تعالیٰ نے عقل دی اور قدرت اور اختیار دیا اور حق اور باطل کا فرق واضح کر دیا اب جس کا جی چاہے عرق گلاب پیے اور جس کا جی چاہے پیشاب پیے اور ہم نے آپ کو ان پر نگہبان نہیں مقرر کیا اور نہ آپ ان پر داروغہ مقرر کیے گئے ہیں آپ ﷺ کا کام صرف سمجھا دینا ہے اور نہ ماننا ان کا کام ہے آپ ﷺ کا فرض تبلیغ ہے وہ آپ ﷺ ادا کر چکے رہے اُن کے اعمال سو وہ خود اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور اب مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دیجیے کہ تبلیغ اور دعوت اور موعظت کو ملحوظ رکھیں کہ اے مسلمانو! تم ان معبودانِ باطلہ کو بُرا مت کہو جن کو یہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے مطلب یہ ہے کہ تم مشرکین کے معبودوں کو بُرا مت کہو مبادا کہ وہ لوگ ضد میں آ کر اپنی جہالت سے خدا اور اس کے رسول کو بُرا کہنے لگیں اور تم اس کے سبب بنو۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ سب وشتم اور دشنام دہی یعنی گالیاں دینا اور چیز ہے اور معبودان باطلہ کے معایب اور اُن کے نقائص اور اُن کے عجز اور درماندگی کو اس لیے بیان کرنا کہ یہ بے حقیقت اور حقیر چیزیں ہیں قابل الوہیت اور لائق عبادت نہیں یہ اور چیز ہے مناظرہ اور

مباحثہ میں تحقیق حقیقت کے لیے کسی شے کے اوصاف اور نقائص بیان کرنا اور چیز ہے اور گالیاں دینا اور چیز ہے۔قرآن کریم نے مشرکوں کے معبودوں کو برا کہنے سے منع کیا جس سے مسلمانوں کو حسن اخلاق کی تعلیم دینا ہے اور قرآن کریم میں جا بجا معبودان باطلہ کی جو تنقیص اور تحقیر مذکور ہے اُس سے مقصود اُن کی الوہیت اور معبودیت کا باطل کرنا ہے۔(بلاغ)

حضرات اہل علم اس مقام پر روح المعانی ص ۲۱۹ ج ۷ پر امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کا کلام معرفت التیام ملاحظہ کریں فانہ نفیس جدًا۔

جس طرح ہم نے ان مشرکین کے دلوں میں شرک کا خیال جما دیا ہے اسی طرح ہم نے ہر قوم کے عمل خیر و شر کو اس کی نظر میں مزین اور مستحسن کر دیا ہے۔ہر قوم کو اپنا ہی طریقہ پسند ہے اور اس پر نازاں ہے حق تعالیٰ نے انسانی دماغ کی ساخت ایسی نہیں بنائی کہ جو حق کے قبول کرنے پر مجبور ہو جائے یہ دنیا دار ابتلاء اور دار امتحان ہے اُس میں بُرے اعمال پر سزا نہیں ملے گی پھر ایک دن ان سب کا اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے اور اُن کے نیک و بد اعمال کی اُن کو جزا سزا دے گا۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکید سے کہ اگر اُن کو ایک نشانی پہنچے البتہ اس کو مانیں

بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ

تو کہہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تم مسلمان کیا خبر رکھتے ہو کہ جب وہ آویں گی تو

لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ

یہ نہ مانیں گے اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور آنکھیں جیسے منکر ہوئے ہیں اس سے

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۞ ع ۱۳ ۱۹

پہلی بار اور چھوڑ رکھیں گے اُن کو اپنی خوشی میں بہکتے۔

کفار کے دوسرے شبہ کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ... الی ... وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۞﴾

اور ان معاندین نے اپنی سخت ترین قسمیں (یعنی نہایت پکی قسمیں) اللہ کی کھائی ہیں کہ اگر اُن کے پاس اُن کی مطلوبہ نشانی یعنی فرمائشی معجزہ آ جائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے یعنی اُس نشان کے ظاہر ہونے کے بعد آپ کی نبوت کو مان لیں گے کافروں نے اللہ کی بڑی پکی قسم کھا کر کہا تھا کہ اے محمد ﷺ! اگر تو کوہ صفا کو سونے کا کر دے تو ہم تجھ پر ضرور ایمان لے آئیں گے اس پر

بعض مسلمانوں کو بھی خیال ہوا کہ اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے کفار ایمان لے آئیں گے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُن کے جواب میں کہہ دیجیے کہ جز ایں نیست نشانیاں اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں یعنی میرے اختیار میں نہیں خدا کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت سے جس نشانی کو چاہتا ہے ظاہر کرتا ہے اور ان کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں اور یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں اور اے مسلمانو! تم کو کیا معلوم ہمیں معلوم ہے کہ جب وہ ان کی فرمائشی نشانیاں آ جائیں گی تو یہ نہیں ایمان لائیں گے یعنی ہم کو معلوم ہے کہ وہ نشانی دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے۔ پس اُن کی درخواست کا پورا کرنا بے فائدہ ہے اور چونکہ یہ لوگ کفر اور سرکشی اور ضد اور عناد میں حد سے گزر چکے ہیں اس لیے اے مسلمانو! تم کو کیا معلوم کہ ہم اُس وقت اُن کے دلوں کو قبول حق سے اور ان کی آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے الٹ دیں گے اور اُن نشانیوں کو دیکھ کر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ اس سے پہلی مرتبہ بھی وہ اس پر ایمان نہیں لائے۔ شق قمر کا معجزہ ان کی فرمائش کے مطابق دکھلایا گیا مگر اس پر ایمان نہیں لائے اور اس کو جادو کہہ کر رد کر دیا۔ اسی طرح دوبارہ نشانی دیکھنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے ان کو بار بار نشانی دکھانے سے کیا فائدہ جب دل الٹ دیا جاتا ہے تو سیدھی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی اور جب آنکھ اُلٹ جاتی ہے تو کچھ کا کچھ نظر آنے لگتا ہے اور ہم اُن کو اُن کی گمراہی اور سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں گے کہ ان کا دل اور آنکھ حق اور ہدایت کی طرف متوجہ ہی نہ ہو اور کبھی ایمان کی توفیق ہی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان سرکشوں کو دنیا میں بلا عقاب اور بلا عذاب کے چھوڑ دیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں اور حیران رہیں اور ایمان نہ لائیں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی جن کو اللہ ہدایت دیتا ہے اوّل ہی حق کو سن کر انصاف سے قبول کر لیتے ہیں اور جس نے پہلے ہی ضد کی اگر نشانی بھی دیکھے تو کچھ حیلے بنائے فرعون اُن نشانیوں پر بھی ایمان نہ لایا۔ (موضح القرآن)

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا و ما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب . آمین یارب العٰلمین

الحمد للہ آج بروز دوشنبہ بوقت ایک بجے دن کے بتاریخ ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ پارۂ ہفتم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فللّٰہ الحمد اوّلا و آخرا۔

الحمد للہ جلد دوم مکمل ہوئی۔